مکتبۃ الفہیم
MAKTABA AL-FAHEEM-MAU

کا

ماخوذ از تصنیفات

علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ

جمع وترتیب

ابو عبیدہ مشہور بن حسن آل سلمان

ابو عبداللہ احمد بن اسماعیل شکوکانی

ترجمہ واستدراکات

ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن

مکتبۃ الفہیم
مئوناتھ بھنجن یوپی

قاموس البدع

مکتبہ الفہیم

بدعات کا انسائیکلوپیڈیا

ماخوذ از تصنیفات

علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ علیہ

جمع وترتیب

ابو عبیدہ مشہور بن حسن آل سلمان

ابو عبداللہ احمد بن اسماعیل شکوکانی

ترجمہ واستدراکات

ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن

ABU UMAIMAH OWAIS

مکتبہ الفہیم

مئوناتھ بھنجن یوپی

MAKTABA AL-FAHEEM

Raihan Market, 1st Floor, Dhobia Imli Road

Sadar Chowk, Maunath Bhanjan - (U.P.) 275101

Ph.: (O) 0547-2222013, Mob. 9236761926, 9889123129, 9336010224

Email :faheembooks@gmail.com

WWW.faheembooks.com

نام کتاب	:	(قاموس البدع) بدعات کا انسائیکلوپیڈیا
ماخوذ از تصنیفات	:	علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ
جمع وترتیب	:	ابو عبیدہ مشہور بن حسن آل سلمان، ابو عبداللہ احمد بن اسماعیل شکوکانی
ترجمہ واستدراکات	:	ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن
طابع وناشر	:	مکتبہ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی
سال اشاعت	:	فروری ۲۰۱۳ء
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار ایک سو
صفحات	:	780

ABU UMAIMAH OWAIS

باہتمام

شفیق الرحمٰن، عزیز الرحمٰن

مکتبہ الفہیم
مئوناتھ بھنجن یوپی

MAKTABA AL-FAHEEM
Raihan Market, 1st Floor, Dhobia Imli Road
Sadar Chowk, Maunath Bhanjan - (U.P.) 275101
Ph.: (O) 0547-2222013, Mob. 9236761926, 9889123129, 9336010224
Email :faheembooks@gmail.com
WWW.faheembooks.com

فہرست مضامین

فصل: بدعت حسنہ

فصل: فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل

فصل: ذکر سے متعلق قواعد

فصل: بدعات سے متعلق احادیث و آثار کی تشریح

فصل: اعتقادی بدعات

فصل: فرقوں اور گروہوں کی بدعات

فصل: وسیلے کی بدعات

فصل: طہارت کی بدعات

فصل: فطرت کی بدعات

فصل: اذان کی بدعات

فصل: نماز کی بدعات

فصل: مساجد کی بدعات

فصل: جمعہ کی بدعات

فصل: جنازوں کی بدعات

فصل: قبروں پر مساجد

فصل: حج اور عمرہ کی بدعات

فصل: روزے کی بدعات

فصل: خرید وفروخت کی بدعات

فصل: تفسیر کی بدعات

فصل: والد کی گواہی

فصل: اذکار کی بدعات

فصل: عادات کی بدعات

فصل: مہینوں، دنوں اور راتوں کی بدعات

فصل: صوفی گانے اور اسلامی ترانے

فصل: مؤلفین اور ناشرین کی بدعات

فصل: دور حاضر کی بدعات

فصل: جس نے گمان کیا کہ سنت بدعت ہے اور اس کی تردید

عرضِ ناشر

اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پسندیدہ دین کو اپنے انتہائی امین فرشتے جبریل علیہ السلام کے ذریعے سے نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل فرمایا، لہٰذا جو کچھ اللہ نے فرمایا، پھر اس کی توضیح و تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان فیض سے ارشاد فرمائی، اسی کا نام اسلام ہے۔ گویا کہ اسلام اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا نام ہے۔ عقائد، عبادات و معاملات میں جو کچھ اللہ اور اس کے رسول سے ثابت ہے وہی اسلام ہے اور یہ اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ ہی میں مکمل ہو چکا تھا۔ اب اس میں کسی کمی یا بیشی کی گنجائش نہیں، اسلام مکمل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حجت اتمام کے لیے فرمایا: ''آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا ہے'' یہ اللہ کا فرمان ہے کسی دوسرے کا نہیں لہٰذا جو کچھ اللہ اور اس کے رسول سے ثابت ہے وہی اسلام ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول سے ثابت نہیں وہ اسلام نہیں ہے۔ اسی اسلام پر صحابہ کرام نے عمل کر کے سعادت دارین حاصل کی، اور اس کے بدلے انہیں ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل ہوئی۔

آج بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ اسلام کی اصلی شکل گم ہو رہی ہے۔ وقت کے راہبوں، صوفیوں، نفس پرست صلحاء اور نام نہاد دعوتِ اسلامی کے دعوے داروں نے قال اللہ و قال الرسول کے مقابلے میں اپنے خود ساختہ افکار و خیالات کو پیش کیا۔ نوع بنوع بدعات و خرافات نے اسلام کے صاف و شفاف چہرے کو داغدار بنا دیا، نتیجہ یہ نکلا کہ برصغیر میں مسلمانوں کی اکثریت ان بدعات کو عین اسلام سمجھتی ہے۔ دن کی بدعات الگ، ہفتے کی بدعات الگ، مہینے کی بدعات الگ، عبادت کی بدعات الگ، ولادت اور فوتگی کے موقع پر بدعات الگ، غرض یہ کہ ہر ہر موقع کی بدعت الگ الگ ایجاد کر رکھی ہیں۔

الحمد للہ! الفرقان ٹرسٹ اپنے قیام کے وقت سے ہی اس امر کا عزم رکھتا ہے کہ وہ اُمت مسلمہ کے سامنے ایسی کتب پیش کرے گا جو کتاب و سنت کی روشنی میں اور صحابہ کرام و سلف صالحین کے فہم کے عین مطابق ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلم معاشرے میں رائج بدعات و خرافات جس نے اسلام کے روشن چہرے کو مکدر بنا دیا ہے، کو پیش کرنے کا عزم مصمم ہے، چاہے جتنی بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ وما توفیقی الا باللہ

زیر نظر کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اس میں ان تمام بدعات کو یکجا کر دیا گیا ہے، جنہیں علمائے سوء بڑی کوشش سے روز بروز، ہفتہ بہ ہفتہ، مہینہ وار سبق کی طرح سکھاتے اور رٹاتے رہتے ہیں، مسلمانوں کی اکثریت اسے

اسلام سمجھ کر بڑے انہماک سے یاد کرتی اور خوبصورتی کے ساتھ ادا کرتی ہے۔ان بدعات کی ادائیگی پر بے شمار دولت بھی خرچ کی جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ بدعات کے قلع قمع کی ہماری اس جدو جہد کو خالص اپنی رضا کے لیے قبول فرمائے، اور اسے مسلمانوں کی ہدایت کا بہترین ذریعہ بنائے۔

ہم ان لوگوں کے بھی شکر گزار ہیں جن کی کاوشوں سے یہ کتاب آپ کے ہاتھوں تک پہنچی۔ خاص طور پر محترم ڈاکٹر شبہاز حسن حفظہ اللہ کا جنہوں نے اپنی بہترین صلاحیتوں سے اس کتاب کے ترجمے کو روانی بخشی۔ اس کے ساتھ ساتھ محترم عبدالرؤف بھائی رفیق الفرقان ٹرسٹ کے بھی شکر گزار ہیں جن کی محنت اور حوصلے سے یہ ادارہ دن دُگنی رات چگنی ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔محترم ضیاء الرحمٰن بھائی بھی لائق تحسین ہیں جن کی ڈیزائننگ کی صلاحیتوں سے ہر ٹائٹل ہی منفرد اور خوبصورت ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ سے دُعا گو ہوں کہ اس کتاب کے جملہ معاونین کے لیے اس کتاب کو توشہ آخرت بنا دے۔آمین یا رب العالمین

ابو ساریہ عبدالجلیل

سعودی عرب

ابتدائیہ

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے مکمل کر دیا ہے۔ اس مکمل دین میں کسی بھی کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔ دین وشریعت پر عمل کرنے کے لیے وہی طریقہ اختیار کرنا ضروری ہے جو رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے۔ اسی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، تابعین، تبع تابعین اور دیگر سلف صالحین رحمہم اللہ گامزن رہے۔

گمراہی سے بچنے کے لیے سبیل الرسول اور سبیل المومنین کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ محدثات الامور اور بدعات سے محمد رسول اللہ ﷺ نے بچنے کی تلقین کی ہے اور تمام بدعات کو گمراہی قرار دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے بدعات سے بچنے کی اس قدر تاکید کی کہ ان کی مذمت کو اپنے خطبے کا مستقل حصہ بنایا اور اپنے خطاب سے پہلے فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هدی مُحَمَّدٍ فرمانے کے بعد یہ بھی فرماتے: وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٍ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَة وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ.

علمائے حق دین وشریعت کے تحفظ کے لیے ہر زمانے میں بدعات کی سرکوبی کرتے رہے ہیں۔ محدث العصر علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے بدعات کی تردید میں گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ عرب کے دو معروف علمائے کرام الشیخ مشہور بن حسن آل سلمان اور الشیخ احمد بن اسماعیل شکوکانی نے ان کی جملہ کتب سے بدعات کو جمع کر کے "**قاموس البدع**" (بدعات کا انسائیکلو پیڈیا) کے نام سے یہ کتاب ترتیب دی ہے۔ کتاب چونکہ علمی مباحث پر مشتمل ہے اس لیے اس میں بے شمار علمی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔ راقم الحروف نے ترجمہ کو رواں اور کتاب کی دقیق نظری سے نظر ثانی کرتے وقت، ان اصطلاحات کی تسہیل کی حتی الامکان کوشش کی ہے۔

مؤلفین نے بہت سے مقامات پر علامہ البانی رحمہ اللہ کا موقف حاشیے میں انہی کے الفاظ سے پیش کیا ہے۔ ایسے مقامات پر انہوں نے (منہ) کی رمز استعمال کی ہے۔ دیگر حواشی مؤلفین کی طرف سے ہیں۔ ان دیگر حواشی میں بھی علامہ البانی رحمہ اللہ کے موقف کی وضاحت کی گئی ہے یا انہی کے موقف کو اپنے الفاظ میں پیش کر دیا گیا ہے۔

کتاب خالص علمی نوعیت کی ہے۔ بعض دقیق علمی مسائل میں اختلاف رائے کا بھی امکان ہوتا ہے۔ انسانی کوشش میں غلطی کے احتمال کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ راقم الحروف نے بعض مواقع پر علامہ البانی رحمہ اللہ کے نکتہ نظر کے برعکس دوسرے علماء کا موقف حاشیہ میں پیش کر دیا ہے تاکہ قارئین میں کسی قسم کی غلط فہمی یا بے چینی پیدا نہ ہو۔

داڑھی کی مسنون مقدار، نمازِ فجر میں الصلاۃ خیر من النوم پڑھنا، جمعۃ المبارک کی اذانِ عثمانی اور دیگر

مسائل کی وضاحت حاشیے میں کردی گئی ہے۔اسی طرح بعض دیگر وضاحت طلب اُمور کی وضاحت بھی کردی گئی ہے تاکہ کتاب برصغیر پاک وہند کے قارئین کے لیے بھی زیادہ سے زیادہ مفید بن سکے۔

"**قاموس البدع**" کے لیے راقم السطور نے ''بدعات کا انسائیکلوپیڈیا'' نام تجویز کیا ہے۔ بدعات کے قلع قمع کی یہ کاوش سنگ میل ثابت ہوگی۔ان شاء اللہ

اُمید کی جاتی ہے کہ یہ کتاب بہت سے لوگوں کو ہدایت کی طرف لے جائے گی۔ان شاء اللہ

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ ، مؤلفین، ناشر، راقم الحروف اور جملہ معاونین کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔آمین یارب العالمین

ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن

جمعۃ المبارک، ۹ رمضان المبارک

۱۴۳۳ھ/ یکم جولائی ۲۰۱۲ء
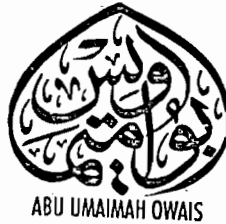
مقدمہ

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں، اسی سے مدد طلب کرتے ہیں اور اسی سے مغفرت کے طلب گار ہیں، ہم اپنے نفس کے شر اور برے اعمال سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ جسے ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾

(آل عمران : ١٠٢)

''ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرو تو صرف اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔''

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا۝﴾ (النساء : ١)

''لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا فرمایا اور اسی سے اس کی بیوی کو کیا اور ان دونوں (کی نسل) سے بہت سے مرد اور عورتیں (دنیا میں) پھیلا دیں اور اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم آپس میں سوال کرتے ہو اور قرابت داری (کے تعلقات قطع کرنے) سے ڈرو، بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔''

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۝﴾

(الاحزاب : ٧٠۔ ٧١)

''ایمان دارو! اللہ سے ڈرو اور بات کرو تو درست، وہ تمھارے اعمال سنوار دے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے وہ عظیم الشان کامیابی حاصل کرتا ہے۔''

امابعد! اس امت کے آخری فرد کی اصلاح اسی چیز سے ہوگی جس سے اس کے پہلے فرد کی اصلاح ہوئی تھی اور اس (پہلے فرد) کی اصلاح تزکیہ اور علم کے ساتھ ہی ہوئی اور یہ وہ دو اہم چیزیں ہیں جن کے وقوع کی خاطر اللہ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا، بلکہ اللہ نے ان کے ذریعے آپ کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے آپ کو عزت بخشی، کیونکہ آپ کے جدامجد ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تو عرض کیا:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۝﴾ (البقرة: ۱۲۹)

''ہمارے پروردگار! ان میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان کو تیرے احکام سنائے، کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے، بے شک تو غالب حکمت والا ہے۔''

ان کی دعا کو قبول ہوئی، جس کا ذکر متعدد آیات میں ہے اور اس کا تذکرہ بطور احسان ہوا ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ۝﴾ (البقرة: ۱۵۱)

''جیسا کہ ہم نے تم میں تمھیں میں سے ایک رسول بھیجا، وہ تمھیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، تمھیں پاکیزہ بناتا ہے، قرآن وحکمت سکھاتا ہے اور وہ تمھیں ایسی باتوں کی تعلیم دیتا ہے جو تمھیں معلوم ہی نہ تھیں۔''

نیز فرمایا:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۝﴾

(آل عمران: ۱٦٤)

''اللہ نے ایمان والوں پر احسان فرمایا، جب اس نے ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، ان کو پاکیزہ بناتا ہے، انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یقیناً وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۝﴾ (الجمعة: ۲)

''وہ وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بنا کر بھیجا جو انہیں اس کی اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتا ہے، انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اگرچہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔''

اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں۔''

پس علم اور تزکیہ وہ دو اہم چیزیں ہیں جن کی ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی اور اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی، لیکن اس نے تزکیہ کا تذکرہ علم سے پہلے کیا، اس لیے کہ نفس کو تزکیہ کے مرحلے سے گزارا جائے تو وہ علم حاصل کرتا ہے اور علم اسی وقت بارآور ہوتا ہے جب صاحب علم اپنے آپ کو پاکیزہ بناتا ہے، اور یہ اس کے قواعد واحکام کے ساتھ ہی مکمل ہوتا ہے، بہر حال اللہ نے رسول ﷺ کی بعثت کو احسان قرار دیا ہے۔ یہاں اہم اصولی امور کا لحاظ رکھا جائے گا جو طالب علموں کے ضرور مدنظر ہونے چاہئیں، اور وہ درج ذیل ہیں:

۱: خیر و بھلائی کی بنیاد علم اور تزکیہ ہے، جبکہ شر کی اساس اور اس کی طرف پہنچانے والی ہر راہ انہی دونوں (علم و تزکیہ) سے روکی جاسکتی ہے، اور شر کی جڑ شہوت وشبہہ ہے، شہوت کو روکنے والی چیز تزکیہ ہے اور شبہہ علم سے زائل ہوتا ہے۔ جس طرح یہاں ایک طرح سے شہوت وشبہہ کے درمیان مضبوط تعلق ہے اسی طرح علم و تزکیہ کے درمیان بھی مضبوط تعلق ہے۔

۲: گمراہی کی سب سے بری قسم شہوات کو شبہات کے ساتھ ملانا ہے، اسی لیے اللہ نے نبی ﷺ کی بعثت اور آپ کے لوگوں کے تزکیہ وتعلیم کا بیڑہ اٹھانے سے پہلے لوگوں کی حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ

﴿كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ (آل عمران: ۱٦٤)

''وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''

اور اس (کھلی گمراہی) کا سبب ان میں پایا جانے والا ظلم اور جہالت ہے۔ تزکیہ نہ ہو تو ظلم وجود میں آتا ہے اور علم نہ ہو تو پھر جہالت جنم لیتی ہے، اور ان دونوں کا ایک ساتھ ہونا ''کھلی گمراہی'' ہے۔

۳: جب انسان نے امانت کو اٹھالیا تو اللہ نے اسے ظالم اور جاہل قرار دیا، اس کا تذکرہ اس فرمانِ الٰہی میں ہے:

﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ أَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾ (الاحزاب: ۷۲)

''ہم نے امانت کو آسمانوں پر، زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا تو سب نے اسے اٹھانے سے انکار کردیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھالیا (اپنے ذمے لے لیا) بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔''

اس آیت سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱: انسان نے جب شرعی پابندیوں کی ذمہ داری قبول کی تو وہ ظالم وجاہل تھا اور یہ دونوں وصف بترتیب مذکور تزکیہ اور تعلیم سے زائل ہوں گے، پس امانت کی ذمہ داری قبول کرنے والے کی دو خامیوں (ظالم، جاہل) کی موجودگی میں تزکیہ کو علم پر مقدم کرنا ہم آہنگ ہے۔

۲: انسان بنیادی طور پر ظالم وجاہل ہے، تاآنکہ شرعی طرق کے ذریعے اس کے خلاف دلیل قائم ہو جائے۔

ابن تیمیہ نے ''مجموع الفتاویٰ (۱۵/ ۳۵۷) میں فرمایا:

''رہا وہ شخص جو کہتا ہے کہ مسلمانوں میں بنیادی طور پر عدل وانصاف پایا جاتا ہے تو یہ باطل ہے، بلکہ انسان میں بنیادی طور پر ظلم و جہالت پائی جاتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾ (الاحزاب: ۷۲)

اور محض شہادتین کے اقرار سے انسان ظلم و جہالت سے عدل وانصاف کی طرف منتقل نہیں ہو جاتا۔''

اور انہوں نے مجموع الفتاویٰ (۱۸/ ۱۶۹) میں یہ بھی فرمایا:

''جب عدل سے پہلے علم کا ہونا بہت ضروری ہے تو جس کے پاس علم نہیں وہ نہیں جانتا کہ عدل کیا ہے؟ انسان ظالم جاہل ہے البتہ وہ اس سے مستثنیٰ ہے جس پر اللہ نظر کرم فرمائے تو وہ عالم وعادل بن جائے۔ لوگوں کی قاضی وغیرہ کے حوالے سے تین اصناف ہیں: ظالم عالم، ظالم جاہل، یہ دونوں تو جہنمی ہیں...... اور دو کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہر شخص قاضی ہے، خواہ وہ صاحب حرب اور عدالت کا متولی ہو یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق احتساب کے لیے مقرر ہو، حتیٰ کہ وہ شخص (بھی قاضی ہے) جو بچوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہے......''

اور ابن ابی تغلب نے ''نیل المآرب'' (۲/۴۵۴) میں فرمایا:

''شیخ نے فرمایا: جس نے کہا: انسان میں بنیادی طور پر عدل وانصاف پایا جاتا ہے۔ اس نے غلطی کی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾ کے مطابق اس میں بنیادی طور پر ظلم و جہالت پائی جاتی ہے۔''

بہت سی مشہور منقولات [1] میں سے اس اہم مسئلہ کے متعلق الصنعانی نے ''توضیح الافکار'' (۲/۱۴۹۔۱۵۰) میں خوبصورت انداز میں درست بات بیان کی ہے، انہوں نے ''تنقیح الأنظار'' کے مؤلف کے قول ''عدل وانصاف اہل اسلام میں اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔'' پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

---

[1] ان میں سے بعض کا عنقریب تذکرہ ہوگا۔

''جان لیجیے کہ یہ مسئلہ امت کے درمیان اختلافی ہے، ان میں سے بعض کا موقف ہے کہ اصل فسق (گناہ، نافرمانی) ہے، یہی موقف العضد نے اختیار کیا ہے اور ''شرح مختصر ابن الحاجب'' (۶۴/۲) میں اس کی انہوں نے صراحت کی ہے اوراس کی کتاب ❶ سے اخذ واستفادہ کرنے والوں نے اسی کے موقف کی پیروی کی ہے۔ انہوں نے استدلال کیا ہے کہ عدل وانصاف ایک اتفاقیہ اور وقتی صورت ہے، فسق زیادہ غالب ہے، ہم نے "ثمرات النظر" (ص ۷٤) میں ثابت کیا ہے کہ بنیادی بات یہ ہے کہ ہر مکلف فطرت (اسلام) پر رہوتے ہوئے ذمہ داری واجب ہونے کی عمر کو پہنچتا ہے، جیسا کہ اس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے: ''ہر بچہ فطرت (دین اسلام) پر پیدا ہوتا ہے۔''

اس مفہوم کی بہت سی احادیث ہیں، ❷ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ (الروم: ۳۰) ''اللہ کی فطرت (سرشت) جس پر اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا'' سے اس کی وضاحت ہوتی ہے، پس اگر وہ فسق میں مبتلا کردینے والی کسی چیز کے ساتھ میل جول رکھے بغیر فطرت پر قائم رہے اور واجب چیزوں کو بجالائے تو وہ اپنی فطرت پر راست روہے، اس کی روایت مقبول ہے اور اگر اس نے فسق میں مبتلا کردینے والی کسی چیز کے ساتھ میل جول رکھا تو اس کا حکم وہی ہے جس سے اس نے میل جول رکھا، سعد الدین نے "شرح العضد" (۲/ ٦٢) پر لکھی جانے والی اپنی شرح میں اس طرف اشارہ کیا ہے اور ''الجواہر'' کے مؤلف نے اس پر نکتہ چینی کی ہے جو کہ نامناسب ہے، ہم نے وہاں اس کا ذکر کیا ہے اور ان کے لیے استدلال کیا ہے، اس لیے کہ اساس فسق ہے کیونکہ غالب ہے، لیکن ان میں سے بعض نے اسے مقید کیا ہے کہ یہ اغلبیت تبع تابعین کے زمانے کے بعد ہے، یہ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں نہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے:

''بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر وہ جو ان کے بعد ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد ہیں، پھر جھوٹ عام ہوجائے گا۔'' ❸

---

❶ یہ اصولیین کی ایک جماعت کا قول ہے۔ دیکھئے: المنخول (ص ۲۵۹)، المحصول (۵۷۹/۲)، شرح الکوکب المنیر (٤١٣)، شرح منهاج الوصول (۲/ ۳٤٠)، اور یہ فقہاء کی ایک جماعت کا قول ہے۔ دیکھئے: شرح الزرقانی علی مختصر خلیل (١٦٤/٧)، الانصاف از مرداوی (١١/ ٢٨٣۔ ٢٨٥).

❷ صنعانی نے اپنی کتاب "ایقاظ الفکرۃ" میں انہیں ذکر کیا ہے۔

❸ اس معنیٰ کی بہت سی احادیث ہیں۔ اکثر کے شروع میں خیرکم قرنی، خیر الناس قرنی اور خیر امتی القرن ...... وغیرہ الفاظ آتے ہیں۔ ثم یفشو الکذب کے الفاظ سنن ابن ماجہ میں ہیں مگر اس کے شروع میں احفظونی فی اصحابی کے الفاظ ہیں۔ بخاری، الشهادات، لا یشهد علی شهادۃ زور، ح: ٢٦٥١، مسلم، فضائل الصحابة، افضل الصحابة ثم الذین یلونهم، ح: ٢٥٣٥، ابوداؤد، ح: ٤٦٥٧، ترمذی، ح: ٢٣٠٢، ٢٣٠٣، ابن ماجه: ٢٣٦٢، ٢٣٦٣، مسند احمد ٢٦/١، الاصابة میں ہے کہ یہ حدیث متواتر ہے۔ (شہباز حسن)

اس تقیید کے ساتھ وہ قول مکمل ہوتا ہے کہ اصل...... یعنی: زیادہ غالب فسق بعد والے زمانوں میں ہے، اس حکم کو کلی طور پر نہیں لیا جاسکتا کہ اصل ایمان ہے اور نہ یہ کہ اصل فسق ہے، اوّل (اصل ایمان ہے) کے بارے میں کہا جائے گا کہ وہ پہلے تین زمانوں (رسول اللہ ﷺ کا دور، اس کے بعد کا زمانہ اور اس کے بعد کا زمانہ) میں اصول ہے اور دوسرے کے متعلق یوں کہا جائے گا: کہ وہ (فسق) ان تین زمانوں کے بعد کے لیے بنیاد ہے۔ الجلال نے ''نظام الفصول'' میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾ (السبأ: ۱۳) ''اور میرے بندوں میں شکر کرنے والے بہت ہی کم ہیں۔'' اور اس فرمان: ﴿وَ مَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَ لَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ (یوسف: ۱۰۳) ''خواہ آپ کتنا ہی چاہیں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔'' سے استدلال کیا ہے کہ اساس فسق ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بالکل واضح ہے کہ یہ (استدلال) صحیح نہیں، ان آیات سے مراد یہ ہے کہ کفار کی نسبت مومن کم ہیں، جس طرح کہ آیات کا سیاق اس پر دلالت کرتا ہے، اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ غیر عادل مسلمانوں کی نسبت مومن قلیل ہیں اور اسی طرح اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ فرد مجہول کو زیادہ عام اور اغلب پر محمول کرتا ہے، اور وہ یہ کہ وہ ایسے مسلمان کو جس کا عادل ہونا مجہول ہو فسق پر محمول کرتا ہے جو صحیح نہیں۔'' کیونکہ ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم کسی ایسے مسلمان کو جس کا عادل ہونا مجہول ہو اس لیے فاسق قرار دیں کہ اغلب فسق ہے، کیونکہ یہ فاسق قرار دینا کسی نص یا قیاس کی دلیل کے بغیر ہے جبکہ ان کا یہ قول بھی ہے: ''کسی قطعی دلیل کے بغیر کسی کو فاسق قرار نہیں دیا جاتا۔'' بلکہ ہم کہیں گے: ایسا مسلمان جس کا عادل ہونا مجہول ہو احتمال پر باقی رہے گا، ہم اس کے فاسق ہونے کا حکم لگاتے ہوئے اس کی خبر ردّ کریں گے نہ اس کے عادل ہونے کا حکم لگاتے ہوئے اس کی خبر قبول کریں گے۔ بلکہ وہ احتمال پر باقی رہے گا حتیٰ کہ اس کے متعلق تحقیق کی جائے گی اور واضح ہوجائے کہ وہ دونوں امور میں سے کس سے متصف ہے اور یہ ایسے شخص کی مراد ہونی چاہیے جو یہ کہتا ہے کہ اصل فسق ہے اور مصنف کا قول کہ بنیاد عدالہ (راست روی، سچ گوئی) ہے، جو تقاضا کرتا ہے کہ وہ تعدیل کا محتاج نہیں، اس لے کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں، لہٰذا وہ اصل کافی ہے۔''

میں کہتا ہوں کہ الصنعانی نے جو یہ موقف اختیار کیا ہے بلاشک وہ حق ہے، ممکن ہے کہ اس بیان سے ان دنوں اس مسئلہ کے متعلق طالب علموں کے درمیان پایا جانے والا اشکال زائل ہوجائے۔ واللہ المستعان.

۳: آپ ﷺ کا درج ذیل فرمان بیان سابق کو مؤکد کرتا ہے:

''دو خصلتیں کسی منافق میں اکٹھی نہیں ہوسکتیں: اچھی سیرت اور دین میں سمجھ بوجھ۔''

(الصحیحة: ۲۷۸)

اچھی سیرت تو ﴿يُزَكِّيهِمْ﴾ (البقرہ: ۱۲۹) سے ماخوذ ہے اور دین میں سمجھ بوجھ ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ﴾ (آل عمران: ١٦٤) سے ماخوذ ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ انسان نفاق سے بری نہیں ہوسکتا حتیٰ کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ دو اہم چیزوں میں سے کچھ نہ کچھ اپنی ذات میں راسخ کر لے اور یہ وجوب عین کے طور پر ہے۔

۴: امت کو مکمل سعادت تبھی ملے گی جب وہ یہ خصلتیں مکمل طور پر اپنا لے، علم کا کمال تو یقین ہے اور تزکیہ کا کمال، اپنی تمام انواع کے ساتھ، صبر ہے:

۱: نیک کاموں پر صبر۔

۲: گناہوں اور برے کاموں کو ترک کرنے پر صبر۔

۳: اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت واصلاح کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات ومصائب پر صبر۔

۴: اللہ کی قضاء وقدر پر صبر۔

اور ہم حقیقت سے دور نہیں جائیں گے اگر ہم ثابت کر دیں کہ لوگوں کے خبطی ہونے اور ان کے ضیاع کا سبب ان کا اپنے اندر ان دو امور کا بقدرِ کفایت وضرورت نہ پایا جانا اثبات ہونا چاہیے وہ نہیں ہے اور امت پر واجب ہے کہ اس میں رسول ﷺ کے وارث ہوں، وہ آپ کے کار منصبی پر عمل کریں، تزکیہ کریں اور تعلیم دیں، تب مومن اللہ تعالیٰ کی نصرت سے خوش ہوں گے۔ ائمہ دین (ربانی اور باعمل علماء) وہ حضرات ہیں جو علم وتزکیہ کے بلند اور انتہائی درجات پر فائز ہیں اور وہ...... جس طرح ہم نے ثابت کیا...... صبر اور یقین ہیں۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً﴾ (السجدة: ٢٤) ''ہم نے ان میں سے امام بنائے۔'' یعنی ائمہ دین ﴿لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ﴾ (السجدة: ٢٤) ''جب انہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔'' پس انہوں نے مکمل طور پر تزکیہ وعلم حاصل کیا۔

۵: سابقہ تمام آیات میں، بالخصوص اس آیت میں جو کہ سورۃ الجمعہ میں ہے، تزکیہ وتعدیل ان تمام حضرات کو متضمن ہیں جنھوں نے نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں آپ کی دعوت کو قبول کیا اور یہ کہ نبی ﷺ نے اپنے دونوں فرائض منصبی ادا کرنے کا اہتمام کیا اور اللہ عزوجل نے اس کے لیے آپ کو اپنی سنت کونی اور شرعی کی توفیق سے نوازا، اور آپ پر ایمان لانے والے اور آپ کی اتباع کرنے والے کو گمراہی سے نکالا، اور یہ ان میں اور ان کے ہاں تزکیہ وعلم موجود ہونے سے ہوا، ابن القیم رحمہ اللہ [2] نے سورۃ الجمعہ کی تفسیر

---

[1] اسی لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ بار بار فرمایا کرتے تھے: صبر ویقین کے ساتھ دین کی امامت ملتی ہے۔

[2] الرسالة التبوكية (٦٣).

میں فرمایا:

''الاوّلون سے وہ حضرات مراد ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور آپ کی صحبت اختیار کی اور 'بعد میں آنے والوں' سے وہ لوگ مراد ہیں جن کی ان سے ملاقات نہیں ہوئی، اور یہ وہ سارے لوگ ہیں جو ان کے بعد تا قیامت ان کے منہج پر ہوں گے یہ پیچھے آنا اور عدم ملاقات مقام ومرتبہ میں ہوگا، بلکہ وہ ان سے کم مرتبہ کے ہیں لہٰذا اُن کا ان سے نہ ملنا رتبے کے اعتبار سے ہوگا اور دونوں قول آپس میں لازم وملزوم ہیں، بے شک ان کے بعد والے اُن سے مل نہیں سکیں گے، نہ مقام ومرتبہ میں اور نہ زمانے کے لحاظ سے، لہٰذا یہ دونوں قسم کے لوگ سعادت مند ہیں اور رہا وہ شخص جس نے اللہ کی اس ہدایت کو، جس کے ساتھ اس نے اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا، قبول کیا نہ اس کے ساتھ عزت پائی تو ایسا شخص تیسری قسم سے ہے، اور وہ یہ لوگ ہیں: ﴿الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا﴾ (الجمعة: ٥) ''ان لوگوں کی مثال، جن کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا تھا پھر انہوں نے اس پر عمل نہ کیا۔''

خلاصہ: اللہ عزوجل نے جس طرح تمام لوگوں میں سے اپنے نبی کو منتخب فرمایا، اسی طرح اس نے آپ کے اصحاب کو منتخب فرمایا، اللہ سبحانہ نے ان پر احسان فرمایا کہ ان کو جہالت کے بعد علم سکھایا اور گمراہی کے بعد انھیں ہدایت کی دولت سے نوازا اور یہ سب سے بڑا احسان ہے، اس کے مقابلے میں کسی دوسرے احسان کی کوئی حیثیت نہیں اور بندوں کو چاہیے کہ وہ اس کی قدر کریں۔ ❶

جو کچھ بیان ہو چکا اس سے ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی خیر تزکیہ اور علم میں رکھ دی ہے، لیکن، ذمہ داران انھیں کہاں سے حاصل کریں۔ ان کے پائے جانے کا سبب کیا ہو سکتا ہے، خاص طور پر اس دور میں جب دین اجنبی ہو چکا ہو؟ سلف صالحین کے منہج پر چلنے والے اوّل وآخر تمام مصلحین نے اسی کی دعوت دی ہے، ان مصلحین میں سے آخر پر ہمارے شیخ محدث علامہ محمد ناصر الدین بن نوح النجاتی الالبانی رحمہ اللہ ❷ ہیں، انہوں نے امت کی اصلاح کے لیے تزکیہ وتربیہ کے شعار کو بلند کیا اور اس شعار میں خالص صحیح علم پائے جانے کے وسائل ہیں، جس کے ذریعے اس خالص صاف وشفاف اسلام کی معرفت حاصل ہوتی ہے جسے اللہ نے اپنے نبی ﷺ کے قلب پر نازل فرمایا، اور یہ تب ہی ممکن ہے کہ علم شرعی کو ان آلائشوں، حماقتوں، باطل تصورات اور بدعات سے صاف کر دیا جائے، جو

---

❶ مفتاح دار السعادة (٦٣).

❷ شیخ رحمہ اللہ نے معہد شرعی اردن میں تیس سال سے زیادہ عرصہ پہلے اس موضوع پر خصوصی لیکچر دیا تھا جسے مکتبہ اسلامیہ لاہور نے ۱۴۲۱ھ میں "التصفية والتربية وحاجة المسلمين اليهما" کے عنوان سے شائع کیا۔

اس سے چمٹ گئی ہیں۔

ضعیف اور موضوع احادیث سے استدلال کرنا شریعت میں بدعات کے داخل ہونے کا سبب ہے اور ان سے استدلال کرنا کہ وہ شریعت اور احکام کے مصادر میں سے ایک مصدر ہیں، اسی لیے ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے ضعیف، صحیح، کم درجے کی احادیث اور سلیم احادیث کی وضاحت کرنے کی طرف خصوصی توجہ دی اور اس بارے میں عظیم محنت کی، اس کام میں رات دن ایک کردیا، کئی سال خرچ کیے، بلکہ پانچ دہائیوں سے زیادہ عرصہ صرف کیا، بلکہ اس مقصد عظیم کے اثبات میں پوری زندگی وقف کردی، بڑی کاوش کی جس کے بڑے اچھے آثار ہیں، اور یہ سب کچھ ایک ایسے منصوبے کے لیے کیا گیا جسے بجا طور پر ''سنت کو امت اسلامیہ کے سامنے پیش کرنا'' کہا جاسکتا ہے۔ وہ کئی مواقع پر آثار السیئہ للاحادیث والآثار الضعیفہ والموضوعہ فی الامہ کے بیان میں اضافہ کرتے چلے جاتے تھے اور بدعات کے بارے میں یہ آثار خوب اچھی طرح واضح ہوتے تھے، خاص طور پر وہ بدعات جو کہ عام اور مشہور ہیں، جن کے محافظ ہیں اور وہ ان کی حفاظت کرتے ہیں اور ایسے اشخاص ہیں جو ان کا بچاؤ کرتے ہیں اور ایسے داعیان ہیں جو ان کی تقدیس بیان کرتے ہیں! اس لیے کہ ان کے اصول بدل گئے اور ان کے دل ٹیڑھے ہوگئے۔

شیخ رحمہ اللہ نے جو مؤلفات چھوڑیں۔ ان میں سے اوراق کی شکل میں بہت کم باقی بچی ہیں (یعنی زیادہ تر شائع ہوچکی ہیں) ان میں سے **"قاموس البدع"** ہے، شیخ رحمہ اللہ کی بہت خواہش تھی کہ اس جلیل القدر منصوبے کی تکمیل تک ان کی عمر دراز کردی جائے۔

شیخ رحمہ اللہ کی کتب کا مطالعہ کرتے وقت بدعات کے متعلق نئی تنبیہات، باریک نکات اور مفید معلومات حاصل ہوئیں، خواہ وہ بدعات کے کلی اصول وقواعد کے متعلق خاص ہوں یا ان کے مفردات کی جزئیات۔

میں اور جناب شیخ کے شاگرد اور محب اس گھڑی کے منتظر تھے جس میں شیخ اس عظیم کار خیر کے لیے فارغ ہوتے۔ لیکن تقدیر واقع ہوئی، وہ وفات پاگئے اور وہ اسے پورا نہ کرسکے۔ اس وقت سے یہ خیال مجھے بے چین رکھتا اور وقتاً فوقتاً یہ خیال مجھے آمادہ کرتا کہ اس موضوع پر شیخ الامام رحمہ اللہ کے کلام کو کیوں نہ جمع کرلیا جائے، خاص طور پر بدعات کے حصے کے متعلق جس کا انہوں نے اپنی عادت ومعمول کے مطابق اپنی ساری تحقیقات وتالیفات میں ان پر خاص طور پر لکھا ہے اور انتہائی باریک بینی کے ساتھ ان کو واضح کیا ہے، انہوں نے کٹ حجتی کے لیے ہر شبہہ کو غلط قرار دیا اور ان بدعات کی بنیاد اور ثبوت کا ذکر کیا، اس ثبوت کی عدم صحت پر اتنا کلام فرمایا کہ اس پر مزید کہنے کی ضرورت نہیں، انہوں نے ان بدعات کے ذکر میں محقق علماء کے نام بھی ذکر کیے ہیں، انہوں نے ایک ایک بدعت کے متعلق اپنی بعض کتب میں مکمل تحقیق واستیعاب سے کام کیا ہے، مثلاً: بدع الجنائز، بدع الحج، شیخ رحمہ اللہ

کی تمام مطبوع کتابوں میں سے اس موضوع پر شیخ رحمہ اللہ کے کلام کو جمع کرنے کے لیے ہمت و ارادے نے توجہ کی۔ اور دل نے قصد کیا، پس ہم نے آپ کی طبع شدہ کتب کی ورق گردانی کی، اور وہ اس کتاب میں حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق مرتب کی گئی ہیں۔ [1]

١: "آداب الزفاف فی السنة المطهرة"، المكتبة الاسلامية، عمان.

٢: "الآيات البينات في عدم سماع الأموات على مذهب الحنفية السادات"، (تخريج)، المكتب الإسلامي، الطبعة الرابعة، سنة ١٤٠٥هـ.

٣: "الأجوبة النافعة عن أسئلة لجنة مسجد الجامعة"، المكتبة الإسلامية، الطبعة الأولى، جديدة ومنقحة، سنة ١٤١٠هـ.

٤: "الاحتجاج بالقدر" (تخريج)، المكتب الإسلامي، الطبعة السادسة، سنة ١٤١١هـ.

٥: "أحكام الجنائز"، المكتب الإسلامي، الطبعة الرابعة، سنة ١٤٠٦هـ.

٦: "أحكام الجنائز"، مكتبة المعارف، الطبعة الأولى، ١٤١٢هـ.

٧: "أداء ما وجب من بيان وضع الوضاعين في رجب"، (تخريج)، المكتب الإسلامي، الطبعة الأولى، سنة ١٤١٩هـ.

٨: "الأدب المفرد" (تخريج)، دار الصديق، الطبعة الثانية، سنة ١٤٢١هـ.

٩: "إرواء الغليل في تخريج أحاديث منار السبيل"، المكتب الإسلامي، الطبعة الثانية، سنة ١٤٠٥هـ.

١٠: "إزالة الدهشة والوله" (تخريج)، المكتب الإسلامي، الطبعة الأولى، سنة ١٤١٤هـ.

١١: "الإسراء والمعراج"، المكتبة الإسلامية، الطبعة الأولى، سنة ١٤٢١هـ.

١٢: "إصلاح المساجد من البدع والعوائد" (تخريج)، المكتب الإسلامي، الطبعة الخامسة، سنة ١٤٠٣هـ.

---

[1] ہم نے بعض کتب کے کئی طبقات کی طرف رجوع کیا ہے۔ کبھی ہم بعض کتب کے سابقہ طبقات کی طرف، اگر ضرورت محسوس کریں تو رجوع کرتے ہیں۔ شیخ رحمہ اللہ نے جو مقالات شائع کیے ہیں ہم انہیں بھولے نہیں۔ نیز ہم نے ان لیکچرز کو فراموش نہیں کیا جو خود شیخ کی نظر ثانی سے کتابچوں کی شکل میں شائع ہوئے ہیں۔ ہم نے انہیں اس فہرست کے آخر میں رکھا ہے۔

١٣: "اقتضاء العلم العمل" (تخريج)، المكتب الإسلامي، الطبعة الخامسة، سنة ١٤٠٤هـ.

١٤: "الإيمان لابن تيمية" (تخريج)، المكتب الإسلامي، الطبعة الثالثة، سنة ١٤٠٨هـ.

١٥: "الإيمان لابن أبي شيبة" (تخريج)، المكتب الإسلامي، الطبعة الثانية، ١٤٠٣هـ.

١٦: "الإيمان لأبي عبيد" (تخريج)، المكتب الإسلامي، الطبعة الثانية، ١٤٠٣هـ.

١٧: "الباعث الحثيث" (تعليق)، دار العاصمة، الطبعة الأولى، سنة ١٤١٥هـ.

١٨: "بداية السول في تفضيل الرسول" (تخريج)، المكتب الإسلامي، الطبعة الرابعة، سنة ١٤٠٦هـ.

١٩: "تحذير الساجد من اتخاذ القبور مساجد" المكتب الإسلامي، الطبعة الرابعة، سنة ١٤٠٣هـ.

٢٠: "تحريم آلات الطرب"، مكتبة الدليل، الطبعة الأولى، سنة ١٤١٦هـ.

٢١: "تخريج أحاديث مشكلة الفقر وكيف عالجها الإسلام" المكتب الإسلامي، الطبعة الأولى، سنة ١٤٠٥هـ.

٢٢: "تصحيح حديث إفطار الصائم قبل سفره بعد الفجر والرد على من ضعفه"، المكتب الإسلامي، الطبعة الثالثة، سنة ١٤٠٣هـ.

٢٣: "التعليق على تأسيس الأحكام" (مراجعة)، الجزء الأول، دار علماء السلف، الطبعة الثانية.

٢٤: "التعليقات الرضية على الروضة الندية" (تخريج)، دار ابن عفان، الطبعة الأولى، سنة ١٤٢٠هـ.

٢٥: "تلخيص أحكام الجنائز" المكتبة الإسلامية، الطبعة الأولى.

٢٦: "تلخيص صفة الصلاة" المكتب الإسلامي.

٢٧: "تمام المنة في التعليق على فقه السنة"، دار الراية للنشر والتوزيع، الطبعة

الثالثة، سنة ١٤٠٩هـ.

٢٨: "التنكيل لما ورد في تأنيب الكوثري من الأباطيل" (تخريج)، المكتب الإسلامي، الطبعة الثانية، سنة ١٤٠٦هـ.

٢٩: "التوسل أنواعه وأحكامه"، المكتب الإسلامي، الطبعة الخامسة، سنة ١٤٠٦هـ.

٣٠: "الثمر المستطاب في فقه السنة والكتاب"، دار غراس، الطبعة الأولى، سنة ١٤٢٢هـ.

٣١: "جلباب المرأة المسلمة في الكتاب والسنة"، المكتبة الإسلامية، الطبعة الأولى، سنة ١٤١٣هـ.

٣٢: "حجاب المرأة ولباسها في الصلاة"، المكتب الإسلامي، الطبعة السادسة، سنة ١٤٠٥هـ.

٣٣: إلتعليق على "الحجاب" للمودودي.

٣٤: "حجة النبي ﷺ كما رواها عنه جابر رضي الله عنه"، المكتب الإسلامي، الطبعة السابعة، سنة ١٤٠٥هـ.

٣٥: "الحديث حجة بنفسه في العقائد والأحكام"، المكتبة الإسلامية، الطبعة الثانية، ١٤٢٢هـ.

٣٦: "حقوق النساء في الإسلام وحظهن من الإصلاح المحمدي العام" (تخريج)، المكتب الإسلامي، بدون التاريخ.

٣٧: "حقيقة الصيام" (تخريج)، المكتب الإسلامي، الطبعة السادسة، سنة ١٤٠٤هـ.

٣٨: "حكم تارك الصلاة"، دار الجلالين، الطبعة الأولى، سنة ١٤١٢هـ.

٣٩: "خطبة الحاجة التي كان رسول الله ﷺ يعلمها لأصحابه"، المكتب الإسلامي، الطبعة الرابعة، سنة ١٤٠٠هـ.

٤٠: "خلاصة السيرة المحمدية" (تخريج)، المكتب الإسلامي.

٤١: "دفاع عن الحديث النبوي والسيرة في الرد على جهالات الدكتور البوطي في

كتابه فقه السيرة"، منشورات مؤسسة ومكتبة الخافقين، بدون التاريخ.

٤٢: "الذب الأحمد عن مسند الإمام أحمد"، دار الصديق، الطبعة الأولى، سنة ١٤٢٠هـ.

٤٣: "الرد على التعقيب الحثيث"، مطبعة الترقي بدمشق، سنة ١٣٧٧هـ.

٤٤: "الرد المفحم على من خالف العلماء وتشدّد......"، المكتبة الإسلامية، الطبعة الأولى، سنة ١٤٢١هـ.

٤٥: "رفع الأستار لإبطال أدلة القائلين بفناء النار"، (تخريج)، المكتب الإسلامي، الطبعة الأولى، سنة ١٤٠٥هـ.

٤٦: "رياض الصالحين" (تخريج)، المكتب الإسلامي، الطبعة الثالثة، سنة ١٤٠٦هـ.

٤٧: "سلسلة الأحاديث الصحيحة وشيء من فقهها وفوائدها":

المجلد الأول والمجلد الثاني، الطبعة الأولى، طبعة جديدة ومزيدة ومنقحة، مكتبة المعارف، سنة ١٤١٥هـ.

المجلد الثالث: مكتبة المعارف، الطبعة الثانية، سنة ١٤٠٧هـ.

المجلد الرابع: مكتبة المعارف، الطبعة الرابعة، سنة ١٤٠٨هـ. المجلد الخامس: مكتبة المعارف، الطبعة الأولى، سنة ١٤١٢هـ.

المجلد السادس: مكتبة المعارف، الطبعة الأولى، سنة ١٤١٦هـ،

المجلد السابع: مكتبة المعارف، الطبعة الأولى.

٤٨: "سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيء في الأمة":

المجلد الأول: مكتبة المعارف، الطبعة الأولى، طبعة جديدة ومزيدة ومنقحة، سنة ١٤١٢هـ.

المجلد الثاني: مكتبة المعارف، الطبعة الثانية، سنة ١٤٠٨هـ.

المجلد الثالث: مكتبة المعارف، الطبعة الثانية، سنة ١٤٠٨هـ.

المجلد الرابع: مكتبة المعارف، الطبعة الأولى، سنة ١٤٠٨هـ.

المجلد الخامس: مكتبة المعارف، الطبعة الأولى، سنة ١٤٠٨هـ.

المجلد السادس: مكتبة المعارف، الطبعة الأولى، سنة ١٤٢١هـ.

المجلد السابع: مكتبة المعارف، الطبعة الأولى، سنة ١٤٢١هـ.

المجلد الثامن: مكتبة المعارف، الطبعة الأولى، سنة ١٤٢٢هـ.

المجلد التاسع: مكتبة المعارف، الطبعة الأولى، سنة ١٤٢٢هـ.

المجلد العاشر: مكتبة المعارف، الطبعة الأولى، سنة ١٤٢٢هـ.

المجلد الحادي عشر: مكتبة المعارف، الطبعة الأولى، سنة ١٤٢٢هـ.

المجلد الثاني عشر: مكتبة المعارف، الطبعة الأولى، سنة ١٤٢٥هـ.

المجلد الثالث عشر: مكتبة المعارف، الطبعة الأولى، سنة ١٤٢٥هـ.

٤٩: "شرح العقيدة الطحاوية"، المكتب الإسلامي، الطبعة التاسعة، سنة ١٤٠٨هـ.

٥٠: "الشهاب الثاقب في ذم الخليل والصاحب" (تخريج)، المكتبة العربية في دمشق.

٥١: "صحيح ابن خزيمة"، المكتب الإسلامي، الطبعة الثانية، سنة ١٤١٢هـ.

٥٢: "صحيح الأدب المفرد"، مكتبة الدليل، الطبعة الأولى، سنة ١٤١٥هـ.

٥٣: "صحيح الترغيب والترهيب"، مكتبة المعارف، الطبعة الأولى، سنة ١٤٢١هـ.

٥٤: "صحيح الجامع الصغير وزيادته"، المكتب الإسلامي، الطبعة الثانية، سنة ١٤٠٦هـ.

٥٥: "صحيح سنن أبي داود"، مؤسسة غراس، سنة ١٤٢٣هـ.

٥٦: "صحيح السنن الأربعة"، ❶ مكتب التربية العربي.

٥٧: "صحيح السنن الأربعة"، مكتبة المعارف.

٥٨: "صحيح السيرة النبوية"، المكتبة الإسلامية، الطبعة الأولى، سنة ١٤٢١هـ.

٥٩: "صحيح الكلم الطيب"، مكتبة المعارف، الطبعة الثامنة، سنة ١٤٠٧هـ.

٦٠: "صحيح موارد الظمآن"، دار الصميعي، الطبعة الأولى، سنة ١٤٢٢هـ.

---

❶ صحیح سنن ابی داؤد، صحیح سنن الترمذی، صحیح سنن النسائی، اور صحیح ابن خزیمہ کو ہر ایک کی ضعیف کے ساتھ علیحدہ علیحدہ شائع کیا گیا۔ بعد ازاں علیحدہ علیحدہ کی بجائے سب السنن کو اکٹھا شائع کیا گیا۔ جن پر شیخ البانی کے لگائے ہوئے 'حکم' اور تعلیقات ہیں۔ مکتبۃ المعارف (الریاض) کے مالک فضیلۃ شیخ سعد الراشد سے 'حقوق' لے کر السنن کو شائع کیا گیا۔ وفقه الله لما یحب ویرضاه

٦١: "الصراط المستقيم، رسالة فيما قرره الثقات الأثبات في ليلة النصف من شعبان"، (تخريج)، جمعية الدعوة المحمدية، سنة ١٣٧٢هـ.

٦٢: "صفة صلاة النبي ﷺ لصلاة الكسوف"، المكتبة الإسلامية، الطبعة الأولى، سنة ١٤٢٢هـ.

٦٣: "صفة صلاة النبي ﷺ من التكبير حتى التسليم كأنك تراها"، مكتبة المعارف، الطبعة الأولى، طبعة جديدة مزيدة ومنقحة، سنة ١٤١١هـ.

٦٤: "صفة الفتوى والمفتي والمستفتي" (تخريج)، المكتب الإسلامي، الطبعة الثالثة، سنة ١٣٩٧هـ.

٦٥: "صلاة التراويح"، المكتب الإسلامي، الطبعة الثانية، سنة ١٤٠٥هـ.

٦٦: "صلاة العيدين في المصلى خارج البلد هي السنة"، المكتبة الإسلامية، الطبعة الثالثة، سنة ١٤٠٦هـ.

٦٧: "صوت العرب تسأل ومحدث الشام يجيب".

٦٨: "ضعيف الأدب المفرد"، مكتبة الدليل، الطبعة الأولى، سنة ١٤١٥هـ.

٦٩: "ضعيف الترغيب والترهيب" مكتبة المعارف، الطبعة الأولى، سنة ١٤٢١هـ.

٧٠: "ضعيف الجامع الصغير وزيادته"، المكتب الإسلامي، الطبعة الثالثة، سنة ١٤١٠هـ.

٧١: "ضعيف السنن الأربعة"، المكتب الإسلامي.

٧٢: "ضعيف السنن الأربعة"، مكتبة المعارف.

٧٣: "ضعيف موارد الظمآن"، دار الضميعي، الطبعة الأولى، سنة ١٤٢٢هـ.

٧٤: "ظلال الجنة في تخريج السنة"، المكتب الإسلامي، الطبعة الثالثة، سنة ١٤١٣هـ.

٧٥: "العلم" لأبي خيثمة (تخريج)، المكتب الإسلامي، الطبعة الثانية، سنة ١٤٠٣هـ.

٧٦: "العقيدة الطحاوية شرح وتعليق"، المكتب الإسلامي، الطبعة الثانية، سنة ١٤١٤هـ.

٧٧: "غاية المرام في تخريج أحاديث الحلال والحرام"، المكتب الإسلامي، الطبعة الثالثة، سنة ١٤٠٥هـ.

۷۸: "فضائل الشام ودمشق" (تخريج)، مكتبة المعارف، الطبعة الأولى للطبعة الجديدة، طبعة جديدة مزيدة، سنة ۱٤۲۰هـ.

۷۹: "فضل الصلاة على النبي ﷺ" (تخريج)، المكتب الإسلامي، الطبعة الثالثة، سنة ۱۳۹۷هـ.

۸۰: "فقه السيرة"، (تخريج)، دار الدعوة الطبعة السادسة، سنة ۱٤۱۳هـ.

۸۱: "فهرس مخطوطات دار الكتب الظاهرية، المنتخب من مخطوطات الحديث"، اعتنى به وعلق عليه مشهور بن حسن آل سلمان، مكتبة المعارف، ۱٤۲۲هـ.

۸۲: "القائد لتصحيح العقائد" (تخريج)، المكتب الإسلامي، الطبعة الثالثة، سنة ۱٤۰٤هـ.

۸۳: "قاموس الصناعات الشامية"، (تخريج)، طبع دمشق.

۸٤: "قصة المسيح الدجال"، المكتبة الإسلامية، الطبعة الأولى، سنة ۱٤۲۱هـ.

۸۵: "فقه الواقع"، المكتبة الإسلامية، الطبعة الثانية، سنة ۱٤۲۲هـ.

۸٦: "قيام رمضان"، دار الثقة، المكتبة الإسلامية، الطبعة الثانية، سنة ۱٤۰٤هـ.

۸۷: "كشف النقاب عما في كلمات أبي غدة من الأباطيل والافتراءات".

۸۸: "الكلم الطيب"، (تخريج)، مكتبة المعارف، الطبعة الأولى، طبعة جديدة ومزيدة، سنة ۱٤۲۲هـ.

۸۹: "الكلم الطيب" (تخريج)، المكتب الإسلامي، الطبعة الخامسة، سنة ۱٤۰۵هـ.

۹۰: "كلمة الإخلاص وتحقيق معناها" (تخريج)، المكتب الإسلامي، الطبعة الرابعة، سنة ۱۳۹۷هـ.

۹۱: "اللحية في نظر الدين"، الشركة الإسلامية للطباعة والنشر المحدودة، الطبعة الأولى، سنة ۱۳۷۵هـ.

۹۲: لفتة الكبد إلى نصيحة الولد" (تخريج)، مطبعة الترقي، سنة ۱۳۷٤هـ.

۹۳: "ما دلّ عليه القرآن مما يعضد الهيئة الجديدة القويمة البرهان" (تخريج)، المكتب الإسلامي، الطبعة الثانية، سنة ۱۳۹۱هـ.

۹٤: "مختصر الشمائل المحمدية"، مكتبة المعارف، الطبعة الثالثة، سنة ۱٤۱۰هـ.

۹۵: "مختصر صحيح البخاري" المجلد الأول: المكتب الإسلامي، الطبعة الخامسة، سنة ١٤٠٦هـ.

۹٦: "مختصر صحيح البخاري" كاملا، مكتبة المعارف، الطبعة الأولى، سنة ١٤٢٢هـ.

۹۷: "مختصر صحيح مسلم" (تخريج وتعليق). المكتبة الإسلامية، دار ابن عفان، الطبعة الأولى، طبعة جديدة مزيدة، سنة ١٤١١هـ.

۹۸: "مختصر العلو للعلي العظيم"، المكتب الإسلامي، الطبعة الأولى، سنة ١٤٠١هـ.

۹۹: "المرأة المسلمة"، لحسن البنا (تخريج)، مكتبة السنة، سنة ١٤١٤هـ.

١٠٠: (المزارعة) من "البرهان في ردّ البهتان والعدوان"، المكتب الإسلامي، الطبعة الأولى.

١٠١: "مسائل عبد العزيز غلام الخلال" (تخريج)، المكتب الإسلامي.

١٠٢: "مساجلة علمية بين الإمامين الجليلين العز بن عبد السلام وابن الصلاح حول الرغائب المبتدعة" (تخريج)، المكتب الإسلامي، الطبعة الثانية، سنة ١٤٠٥هـ.

١٠٣: "المسح على الجوربين والنعلين" (تخريج)، المكتب الإسلامي، الطبعة الخامسة، سنة ١٤٠٦هـ.

١٠٤: "مشكاة المصابيح" (تخريج وتعليق)، المكتب الإسلامي، الطبعة الثانية، سنة ١٣٩٩هـ.

١٠٥: "المصطلحات الأربعة في القرآن" (تخريج)، دار القلم- الكويت، الطبعة الثامنة، سنة ١٤٠١هـ.

١٠٦: "مناسك الحج والعمرة في الكتاب والسنة وآثار السلف"، المكتبة الإسلامية، الطبعة الرابعة، سنة ١٤٠٧هـ.

١٠٧: "مناقب الشام وأهله" (تخريج)، المكتب الإسلامي، الطبعة الرابعة، سنة ١٤٠٥هـ.

١٠٨: "منزلة السنة في الإسلام وبيان أنه لا يستغنى عنها بالقرآن".

١٠٩: "نصب المجانيق لنسف قصة الغرانيق"، المكتب الإسلامي، بدون التاريخ.

١١٠: "النصيحة بالتحذير من تخريب (ابن عبد المنان)......"، دار ابن عفان، الطبعة

الأولى سنة ١٤٢٠هـ.

١١١: "نقد نصوص حديثية" في الثقافة الإسلامية"، مطبعة الترقي

١١٢: "هداية الرواة إلى تخريج أحاديث المصابيح والمشكاة" (تخريج)، دار ابن عفان، الطبعة الأولى، سنة ١٤٢٢هـ.

١١٣: "وجوب الأخذ بأحاديث الآحاد في العقيدة والرد على شبه المخالفين".

الملحقات

١١٤: "مجلّتنا الأصالة":

العدد الثاني، سنة ١٤١٣هـ.

العدد الثاني، سنة ١٤١٥هـ. العدد السابع عشر، سنة ١٤١٦هـ.

العدد الثامن عشر، سنة ١٤١٨هـ.

العدد السابع والعشرون، سنة ١٤٢١هـ.

العدد الثامن والعشرون، سنة ١٤٢١هـ.

١١٥: "مجلة التمدن الإسلامي": وجوب التفقه في الحديث/ المجلد ١٩ (ص٥٢٩-٥٣٠)، سنة ١٣٧٢هـ.

جواب عن السفر الذي يبيح الفطر في رمضان/ المجلد ٢٠ (ص ٥٠١-٥٠٢، ٦٠٧-٦٣١، ٦٧٨-٦٨٨، ٧٨٣-٧٨٩)، سنة ١٣٧٣هـ.

جواب حول فتوى قتل الوالد ابنه/ المجلد ٢٠ (ص٧٧٥-٧٨١)، سنة ١٣٧٤هـ.

من معجزات الإسلام العلمية/ المجلد ٢٢ (ص٥٨١-٥٨٢)، سنة ١٣٧٥هـ.

حول المهدي / المجلد ٢٢ (ص٦٤٢-٦٤٦)، سنة ١٣٧٦هـ.

حول حديث: "يوشك أن تداعى عليكم الأمم"/ المجلد ٢٤ (ص ٤٢١، ٤٢٦)، سنة ١٣٧٨هـ.

حادثة الراهب المسمى (بحيرا) حقيقة لا خرافة/ المجلد ٢٥ (ص١٦٧-١٧٥)، سنة ١٣٧٩هـ.

حول المهر / المجلد ٢٨ (ص٥١٤-٥١٩)، سنة ١٣٨١هـ. حول الحج

والعمرة/ المجلد ٣٢ (ص ٧٦١-٧٧٠)، سنة ١٣٨٥هـ.

١١٦: مجلة "المسلمون":

مقالات بعنوان "عودة إلى السنة"/ المجلد (٥/ ١٧٢-١٧٦، ٢٨٠-٢٨٥، ٤٦٣-٤٧٠، ٩١٣-٩١٦).

حول حديث: "لو اعتقد أحدكم في حجر لنفعه"/ المجلد (٦/ ٢٩٣-٢٩٤).

حول حديث: "يوم صومكم يوم نحركم"/ المجلد (٦-٤٩٠-٤٩١).

حول حديث: "العنان"/ المجلد (٦/ ٦٨٨-٦٩٣).

نقد كتاب "التاج في الحديث" / المجلد (٦/ ١٠٠٧-١٠١٢).

حول رواية بني أمية للأحاديث وطعن المستشرقين بها/ المجلد (٥/ ٢٩٠-٢٩٢). حديث تظليل الغمام له أصل أصيل/ المجلد (٦/ ٧٩٣-٧٩٧).

الأحاديث في العمامة/ المجلد (٦/ ٩٠٩-٩١٣).

حول أحاديث ميمون بن مهران/ المجلد (٧/ ٥٧٥-٥٧٦).

١١٧: "كيف يجب علينا أن نفسر القرآن الكريم؟" المكتبة الإسلامية، الطبعة الأولى، سنة ١٤٢١هـ.

١١٨: "التصفية والتربية وحاجة المسلمين إليها"، المكتبة الإسلامية، الطبعة الأولى، سنة ١٤٢١هـ.

١١٩: فتوى ❶ الشيخ رحمہ اللہ في آخر كتاب "جزيرة فيلكا وخرافة أثر الخضر فيها" للأستاذ أحمد بن عبد العزيز الحصين، نشر الدار السلفية، الكويت (ص ٤٣-٥٧) (سقناها بتمامها وكمالها) ...... ''ہم نے اسے مکمل طور پر بیان کیا ہے۔''

ہم نے اپنی اس کتاب کے مواد کو جمع کرنے کے لیے ان تمام مؤلفات کو پڑھا ہے، ❷ تاکہ ان میں سے جو

---

❶ ہمارے شیخ نے مختصر صحیح بخاری (۱/۱۷۴) میں فرمایا کہ یہ اہم ہے۔

❷ اس کتاب کے تیار ہو جانے کے بعد طبع ہونے والی کتاب التعليقات الحسان على صحيح ابن حبان، جسے دار باوزیر نے شائع کیا، کو بھی ان مؤلفات کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح اغاثة اللهفان بتخريج الباني اور السلسلة الضعيفه کی چوتھی (آخری) جلد کو بھی ان کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔

مواد بدعات سے متعلق ہے اسے وہاں سے حاصل کیا جائے اور پھر اسے عنوانات کے تحت تقسیم کیا جائے اور بدعت کے بیان میں ان میں سے انتہائی واضح عبارات کا انتخاب کیا گیا اور ہم یہ ذکر کرنا نہیں بھولے کہ اس کی بدعیت کے متعلق قول کہاں سے آیا ❶ اور شیخ نے کن علماء سے اسے نقل کیا ہے۔ بدعت کے متعلق شیخ کے کلام کو ان کی تمام کتب سے ایک جگہ جمع کیا گیا ہے، شیخ نے جو مصادر بیان کیے میں نے ان کا بھی اہتمام کیا ہے، کبھی کبھی اگر ضرورت محسوس ہوئی ❷ تو میں نے اس کی مزید توثیق کی ہے اور بسا اوقات میں نے ان پر اضافہ بھی کیا ہے، میں نے جہاں ضروری یا مفید محسوس کیا وہاں تبصرہ بھی کیا ہے، اور شیخ نے جو یہاں نقل کیا اور پھر اس کے بعض حصے سے رجوع کر لیا تو میں نے اپنی معلومات کی حد تک اسے ذکر کر دیا ہے یا کسی اجمالی حکم کی تفصیل کی ضرورت تھی یا کوئی بدعت جسے انہوں نے اپنی کتب میں سے کسی کتاب میں ذکر کیا اور وہ اس کے متعلق موضوع خاص پر لکھی گئی کتاب میں درج ہونے سے رہ گئی تو میں نے اسے ذکر کر دیا ہے اور میں نے تکرار سے بچنے کی مقدور بھر کوشش کی ہے۔

یہ ذکر کرنا مفید رہے گا کہ شیخ رحمہ اللہ کی منقولات میں سے جسے ہم نے پیش کیا ہے اس کا مقصد سنت کے بارے میں غیرت ایمانی، اس (سنت) پر اور اس کے شائع کرنے اور پھیلانے کا شوق اور لوگوں کو اس پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونے کی رغبت دلانا ہے اور اس میں بعض کے لیے تاریخی اشارات ہیں، جس طرح آپ دیکھیں گے۔ مثلاً بدع الحج والعمرۃ (رقم ۱۵۶، ۱۶۳ اور حاشیہ، رقم ۱۶۸) اور اس میں دور حاضر کی بعض بدعات پر بھی قلم اٹھایا گیا ہے۔

اس میں ان کے بعض عینی مشاہدات اور بدعت کو ترویج دینے والے بعض افراد کے ساتھ یا کسی شخص کے پاس بدعت رواج پا گئی اور اسے پتہ ہی نہیں، ایسے افراد کے ساتھ ان کے مناظرے اور مباحثے ذکر کیے گئے ہیں۔

جو کچھ بیان ہوا ہم اس کا خلاصہ کچھ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ کتاب کا مواد نافع، بہت عمدہ، مفصل اور دور حاضر کے مطابق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ بدعت، اس کے وجود اور اس کے داعیان کا علاج کرتا ہے اور اس (بدعت) پر عمل کرنے والوں کے شبہات کے ازالے اور احادیث و آثار کے ساتھ روابط یا بعض علماء کے کلام کے لیے انتہائی مفید ہے۔ اور اس سارے بیان سے یہ واضح ہوا کہ یہ معالجہ دو قسم کی مقدس وحی (قرآن و حدیث) کی

---

❶ بعض جدید کتب کے مواد کو نقل کرنا میری مجبوری اس لیے بنا تاکہ کمزور یا شاذ بات یا منکر الفاظ کے خلاف دلیل پیش کی جائے جو کہ کسی بدعت پھیلانے کا موجب تھے۔

❷ ہم نے اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ جب ہم نے شیخ کے لکھے ہوئے حواشی نقل کیے تو ان کے بعد "منہ" لکھ دیا اور جب ان میں مشکل نظر آئی حاشیہ پر حاشیہ لگایا گیا اور اُسے بریکٹوں [ ] کے درمیان رکھا۔ بعض معمولی حواشی کا اضافہ ہماری طرف سے ہے۔ جس کا سبب طباعتی غلطی یا لفظی تحریف میں اشتباہ ہے۔

نصوص سے حاصل شدہ اور ثقہ ائمہ کے مقرر کردہ اصولوں کی علمی اور عملی تطبیقات کا نتیجہ ہے۔

ہم نے انھیں شیخ رحمہ اللہ کی کتب سے لیا ہے اور ہم نے انہیں اپنی اس کتاب کے آغاز پر مدخل البحث (تمہیدی فصل) کے تحت ذکر کیا ہے۔

ہماری اس تصنیف میں ترجمانی کے ساتھ تحقیق وعمدگی یکجا ہوگئی ہے، ان دونوں کے ساتھ انکساری بھی شامل ہے، اس لیے ہم امید کرتے ہیں کہ ہماری یہ کتاب اپنا وہ مقام حاصل کرے گی جو کہ اس کے لائق ہے اور یہ (دعا ہے) کہ اللہ اس کے ذریعے جویانِ علم کو نفع پہنچائے، اسے قبولیت عطا فرمائے، ہم اس کے دنیا وآخرت کے اجر سے محروم نہ رہیں اور یہ کہ وہ روزِ قیامت تک ہمارے شیخ الالبانی رحمہ اللہ کے اعمال نامے میں صدقہ جاریہ ہو، پس وہ انہی کے علم نافع میں سے ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه أجمعين.

راقم

ابوعبیدہ مشہور بن حسن آل سلمان

اردن۔عمان

بوقت چاشت بروز منگل ۲۰ صفر ۱۴۲۴ھ

تمہیدی فصل

اوّل: بدعات کی معرفت کی ضرورت اور ان سے بچاؤ

دوم: بدعت کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

سوم: بدعت اور عبادت کے قواعد

۱- قبولِ عمل کی دو شرطیں تاکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے قبول فرمالے

۲- سنت کی دو قسمیں ہیں: فعلی سنت، تَرکی سنت

۳- نبی ﷺ کے فرمان: ''ہر بدعت گمراہی ہے۔'' کا عموم

۴- مخالفت حق سے نفرت کرنا ضروری ہے۔ خواہ مخالفت کرنے والے زیادہ ہوں اور حق والے کم میں ہوں، بلکہ وہ ایک [illegible]ت ہے۔ (جو حق پر قائم رہے گی)

۵- استحباب [illegible]ں حکم ہے اور وہ ضعیف حدیث سے ثابت نہیں ہوتا

۶- 'فلاں امر' سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ جائز نہیں یا یہ کہ وہ بدعت ہے، کہ جس نے اس کے متعلق کہا ہے وہ گمراہ اور بدعتی ہے

۷- بدعت جب سنت سے متصادم ہو تو وہ بالاتفاق گمراہی والی بدعت ہے

۸- اللہ تعالیٰ کا قرب صرف انہی امور سے حاصل ہوتا ہے جو اس نے مشروع قرار دیے ہیں، صحابہ کرام نے سب سے پہلے ایسے تقرب الی اللہ کا انکار کیا جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے شریعت قرار نہیں دیا

۹- عمل خیر کے لیے ضروری ہے کہ اس کی شریعت میں دلیل ہو

۱۰- عبادات تجربات سے اخذ نہیں کی جاتیں

۱۱- کونی و شرعی وسائل

۱۲- عبادات توقیفی ہوتی ہیں

۱۳- عبادات میں اصل منع ہے مگر یہ کہ کوئی نص ہو اور عادات (معمولات) میں اصل اباحت (جواز) ہے مگر یہ کہ کوئی نص ہو

اوّل: بدعات کی پہچان کی ضرورت اور ان سے بچاؤ

دین کی مختلف فروعات میں بدعات کے متعلق لوگوں کو متنبہ کرنے کی شیخ کو حرص تھی۔ بدعات کی پہچان ایک انتہائی ضروری امر ہے، اور بدعت ایسا شر ہے جس کی معرفت واجب ہے اور یہ اسے اپنانے کے لیے نہیں بلکہ اس سے اجتناب کرنے کے لیے ہے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنی علمی کتاب "الاجوبة النافعة" کے آخر پر (ص ۱۰۹۔۱۱۵) جمعہ کی بدعات کی فصل کے تحت فرمایا:

اس فصل سے پہلے مختصراً کچھ کہنا ضروری ہے، میں عرض کرتا ہوں:

اس کے متعلق علم ہونا ضروری ہے، بدعات، جو کہ دین میں داخل کردی گئی ہیں، کی پہچان بہت اہم ہے، کیونکہ ان (بدعات) سے اجتناب کر کے ہی مسلمان شخص اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرسکتا ہے، اور یہ ان کی تفصیلات کی معرفت ہی سے ممکن ہے، جب ان کے قواعد و اصول نہیں جانے گا تو وہ غیر شعوری طور پر بدعت کا مرتکب ہوجائے گا، پس یہ (معرفت) اس اصول کے تحت ہے: ''جس چیز کے بغیر واجب کی ادائیگی نہ ہوتی ہو تو وہ چیز بھی واجب ہوتی ہے۔'' جیسا کہ علمائے اصول رحمہم اللہ نے فرمایا ہے، اسی طرح شرک اور اس کی انواع کی معرفت ہے، کیونکہ جو اسے نہیں پہچانتا وہ اس میں مبتلا ہوجاتا ہے، جس کا بہت سے مسلمانوں میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، جو شرکیہ عمل کے ذریعے اللہ کا تقرب چاہتے ہیں، جیسا کہ اولیاء کے نام کی نذر ماننا، صالحین کے نام کی قسم اٹھانا، ان کی قبروں کے گرد چکر لگانا، ان کی قبروں پر مساجد تعمیر کرنا وغیرہ، ان اعمال کا جن کا شرک ہونا اہل علم کے ہاں معلوم ہے۔

اس لیے عبادت کرنے میں صرف سنت کی معرفت پر ہی اکتفا کرنا کافی نہیں، بلکہ اس کے متضاد بدعات کی پہچان بھی ضروری ہے، جس طرح ایمان میں توحید کی معرفت کافی نہیں جب تک کہ اس کے متضاد شرکیہ اعمال کی معرفت حاصل نہ کرلی جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

((مَنْ قَالَ: لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ، وَكَفَرَ بِمَا يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ، حَرُمَ مَالُهُ وَدَمُهُ وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ.)) [1]

---

[1] صحيح مسلم، الايمان، رقم: ٢٣.

''جس نے کہا: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ کے سوا جس کی پوجا کی جاتی ہے اس کا انکار کیا تو اس کا مال اور اس کی جان محفوظ ہوگئی اور اس کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔''

آپ ﷺ نے صرف توحید پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کے ساتھ اس کے علاوہ کے انکار کو اس کے ساتھ ملایا اور اس وجہ سے کفر کو پہچاننا ضروری ہو جاتا ہے ورنہ وہ اس میں غیر شعوری طور پر مبتلا ہو جائے گا، بغیر کسی فرق کے یہی بات سنت و بدعت کے بارے میں کہی جائے گی، اس لیے کہ اسلام دو عظیم بنیادوں پر قائم ہے۔ یہ کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، اور یہ کہ ہم صرف اسی طرح اللہ کی عبادت کریں جس طرح اس نے بتایا ہے۔ جس نے ان میں سے ایک کو چھوڑ دیا تو اس نے دوسرے کو بھی چھوڑ دیا اور اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت نہ کی، ان دو بنیادوں کی تفصیل و تحقیق آپ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ الاسلام ابن القیم رحمہما اللہ کی کتابوں میں دیکھ سکتے ہیں۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ بدعات کی پہچان انتہائی ضروری ہے، تا کہ مومن کی عبادت بدعت سے محفوظ رہے جو کہ اللہ کی خالص عبادت کے منافی ہے، پس بدعت وہ شر ہے جسے جاننا واجب ہے اور یہ پہچان اسے اختیار کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس سے اجتناب کی خاطر ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ؎

عَرَفْتُ الشَّرَّ لَا لِلشَّرِّ لٰكِنْ لِتَوَقِّيْهِ
وَمَنْ لَا يَعْرِفُ الشَّرَّ مِنَ الْخَيْرِ يَقَعُ فِيْهِ

''میں نے شر کی پہچان شر کے لیے نہیں بلکہ اس سے بچنے کے لیے کی ہے، جو خیر کو شر سے ممتاز نہیں کرتا وہ اس (شر) میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''

اور یہ معنی سنت سے معلوم ہے، حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''لوگ رسول اللہ ﷺ سے خیر کے متعلق سوال کیا کرتے تھے، جبکہ میں آپ سے شر کے بارے میں سوال کرتا تھا، اس اندیشے کے پیش نظر کہ وہ کہیں میری زندگی میں نہ آ جائے، میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم جاہلیت اور شر میں تھے تو اللہ نے ہمیں یہ خیر عطا فرمائی تو کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں''۔ میں نے عرض کیا: اس شر کے بعد کوئی خیر ہوگی؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں'' اور اس میں کچھ دُخن'' ہے۔ میں نے عرض کیا: اور اس کا ''دُخن'' کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''وہ لوگ میری سنت کے علاوہ دیگر راستوں پر چلیں گے، میری ہدایت چھوڑ کر اور راہ اختیار کریں گے۔ ان کے کچھ اعمال کو تم جانتے ہو گے اور کچھ کو نہیں جانتے ہو گے۔'' میں نے عرض کیا: کیا اس خیر کے بعد کوئی شر ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں'' جہنم کے دروازوں پر کچھ بلانے والے ہوں گے، جس نے ان کی بات مان لی تو وہ اسے اس میں پھینک دیں گے۔'' میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہمیں ان

کے حالات بیان فرمائیں! آپ نے فرمایا: ''ہاں؛ وہ ہمارے نسب سے ہوں گے اور ہماری زبان بولیں گے......'' ❶

اسی لیے مسلمانوں کو ان بدعات کے متعلق، جو کہ دین میں داخل ہوگئیں، متنبہ کرنا انتہائی ضروری ہے، معاملہ اس طرح نہیں جس طرح کہ بعض لوگ سوچتے ہیں کہ اگر وہ توحید وسنت کی معرفت ہی حاصل کرلیں تو کافی ہے، اور شرکیات وبدعیات کے بیان سے تعرض کرنا ضروری نہیں، بلکہ اس کے متعلق بات نہیں کرنی چاہیے!

یہ کوتاہ بینی توحید کی حقیقت، جو شرک کو جدا کرتی ہے، کے متعلق علم ومعرفت کی کمی کا نتیجہ ہے اور اس سنت کے متعلق کم علمی کا نتیجہ ہے جو بدعت کو جدا کرتی ہے اور وہ امر درحقیقت ان بعض لوگوں کی جہالت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ بدعت میں بسا اوقات عالم شخص بھی مبتلا ہوجاتا ہے، اور یہ اس لیے ہے کہ بدعت کے اسباب بہت زیادہ ہیں، ان سب کے بیان کرنے کا یہ موقع نہیں، تاہم ان میں سے ایک سبب اور اس کی ایک مثال بیان کرتا ہوں، دین میں بدعت کا ایک سبب ضعیف اور موضوع احادیث ہیں، بعض اہل علم سے بھی کبھی یہ بات پوشیدہ رہ جاتی ہے اور وہ انہیں صحیح احادیث سمجھتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں اور اس کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ کا قرب چاہتے ہیں، پھر اس بارے میں طلباء اور عوام الناس اس کی تقلید کرتے ہیں تو وہ سنت متبعہ بن جاتی ہے۔

تو یہ ہے معاملہ......مثلاً......شیخ فاضل علامہ محقق سید جمال الدین قاسمی نے اپنی علمی کتاب "إصلاح المساجد من البدع والعوائد" تالیف فرمائی، میں نے اس سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے، انہوں نے ان امور سے متعلق ایک فصل لکھی ہے جن سے متنبہ ہونا چاہیے، انہوں نے اس فصل میں بیس مسائل ذکر کیے ہیں اور ان میں سے مسئلہ (۱۶۔ بچوں کا مساجد میں آنا) ہے، انہوں نے فرمایا: حدیث میں ہے: ''بچوں اور دیوانوں کو مساجد میں نہ لاؤ۔'' ❷ اور یہ اس لیے کہ بچے کی عادت کھیلنا ہے، وہ اپنے کھیل کی وجہ سے نمازیوں کو تشویش میں مبتلا کردے گا، بعض اوقات وہ اسے کھیل کا میدان بنالے گا، پس یہ مسجد کے (تقدس) کے منافی ہے، اس لیے اسے مسجد میں نہ آنے دیا جائے۔'' (ص ۲۰۵)۔ میں کہتا ہوں: یہ حدیث ضعیف ہے لہٰذا قابل حجت نہیں، ائمہ کی ایک جماعت نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، جیسے عبدالحق اشبیلی، ابن الجوزی، منذری، بوصیری، ہیثمی اور عسقلانی وغیرہم، اس کے باوجود اس کا حال شیخ قاسمی پر مخفی رہا اور انہوں نے اس پر ایک شرعی حکم بنالیا اور وہ ہے مسجد کی تعظیم کی

---

❶ بخاری، الفتن، کیف الامر اذا لم تکن جماعة، ح: ۷۰۸٤۔ مسلم، الامارة، وجوب ملازمة جماعة المسلمین عند ظهور الفتن......، ح: ۱۸٤۷۔ ابن ماجه، الفتن، العزلة، ح: ۳۹۷۹۔ ابن ماجہ کی روایت مختصر ہے۔ (شہباز حسن)

❷ ابن ماجه، المساجد والجماعات، ما یکره فی المساجد، ح: ۷۵۰، اس حدیث کی اسناد موضوع ہیں۔ نیز یہ صحیح احادیث کے خلاف ہے۔ عہد نبوی میں بچے مساجد میں آتے تھے اور انہیں کوئی روکتا نہیں تھا۔ بچے مساجد میں آئیں گے تو نماز کی ادائیگی کا طریقہ سیکھیں گے۔ صحابہ کے بعض بچوں کا تو چھ سال کی عمر میں فرض نماز کی امامت کروانا ثابت ہے۔ (شہباز حسن)

خاطر بچوں کو مسجد میں آنے سے روکنا، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک بدعت ہے، کیونکہ وہ اس صورتِ حال کے خلاف ہے جو نبی کریم ﷺ کے دور میں تھی، جیسا کہ کتب حدیث میں اس کے موقع ومحل پر اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

دیکھئے: ہماری کتاب: "صفة صلاة النبی ﷺ" (ص: ۷۳، ط: ۳)

اس لیے بدعات سے آگاہی حاصل کرنا اہل علم پر امر واجب ہے، ان میں سے ایک گروہ نے اس کا بیڑہ اٹھایا ہے، انہوں نے اس باب میں بہت سی کتابیں تالیف کی ہیں، ان میں سے بعض بدعات کے اصول وقواعد کے بارے میں ہیں۔ ❶ ان میں سے بعض ان کی فروع کے متعلق ہیں، جبکہ ان میں سے بعض میں دونوں اقسام جمع ہیں، میں نے ان سب کا مطالعہ کیا ہے اور میں نے ان کے ساتھ حدیث وفقہ اور ادب وغیرہ کے متعلق دوسری سینکڑوں کتابیں پڑھی ہیں اور میں نے ان میں سے بدعات کے بارے میں عظیم مواد جمع کیا ہے، میں نہیں سمجھتا کہ مجھ سے پہلے کسی نے ایسی کتاب تالیف کی ہو اور یہی میری کتاب **"قاموس البدع"** کی بنیاد ❷ ہے جس کے متعلق میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ میرے لیے آسانی پیدا کرے کہ میں اس کی تنقیح وتصنیف کرسکوں اور اسے لوگوں کی خدمت میں پیش کرسکوں۔

❶ اس سلسلے میں عمدہ ترین تالیف الاعتصام للشاطبی ہے۔ میں نے اس کا بہت مطالعہ کیا ہے۔ یہ میری تحقیق کے ساتھ دار التوحید کی طرف سے چار جلدوں میں شائع شدہ ہے۔ سب تعریفات اللہ کے لیے ہیں جس نے یہ توفیق عطا فرمائی۔

❷ دیکھئے: الاجوبة النافعة، ص: ۱۰۹ اور احکام الجنائز، ص: ۳۰۵

دوم: بدعت کی تعریف

بدعت کی لغوی تعریف

صدیق حسن خان نے فرمایا:

بدعت کی لغوی تعریف: ایسا عمل کرنا جس کی پہلے سے مثال نہ ہو۔ (الاجوبة النافعة، ص: ۹۷)

لغوی طور پر بدعت کا معنی

العز بن عبدالسلام رحمہ اللہ نے مساجلہ علمیہ، ص:۳ پر فرمایا:

''......امابعد! بدعت کی تین اقسام ہیں۔''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے العز بن عبدالسلام کے کلام کے اس جملے (بدعت کی تین اقسام ہیں) پر تبصرہ کرتے ہوئے مساجلہ (ص:۳) کے حاشیہ پر فرمایا کہ یہ بدعت کے لغوی معنی میں ہوسکتا ہے، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے عموم کے مطابق شرعی طور پر ہر قسم کی بدعت گمراہی ہے، فرمایا:

((كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ، وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ .)) [1]

''ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی (کا انجام) جہنم ہے۔''

بدعت کی اصطلاحی تعریف

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے صاحب ''الابداع'' ص ۱۵ سے اپنے کتابچے ''صلاۃ التراویح'' (ص۳۵۔۳۶) میں بدعت کی مندرجہ ذیل اصطلاحی تعریف نقل کی ہے:

''وہ دین میں نکالا گیا نیا طریقہ ہے جو شریعت سے مشابہت رکھتا ہے، اس پر اس لیے عمل کیا جاتا ہے تاکہ اللہ سبحانہ کی عبادت کرنے میں مبالغہ کیا جائے۔''

---

[1] مسلم، الجمعة، تخفيف الصلاة والخطبة، ح: ۸٦۷۔ نسائی، العيدين، كيف الخطبة، ح: ۱۵۷۹۔ ابن ماجه، المقدمة، اجتناب البدع والجدل، ح: ٤٥ (شہباز حسن)

سوم: بدعت اور عبادت کے قواعد

ا: قبول عمل کے لیے دو شرطیں ہیں تا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے قبول فرمائے

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "حجة النبی ﷺ" (ص: ۱۰۰) پر فرمایا:...... یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تب عمل قبول کرتا ہے جب اس میں دو شرطیں پائی جائیں:

ا: یہ کہ وہ عمل خالص اللہ عزوجل کی ذات کے لیے ہو۔

۲: یہ کہ وہ عمل صالح ہو، اور اس کے صالح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ سنت کے موافق ہو اس کے مخالف نہ ہو۔

۲: سنت کی دو قسمیں ہیں: سنت فعلیہ، سنت ترکیہ

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "حجة النبی ﷺ" (ص: ۱۰۰-۱۰۱) میں فرمایا: "محقق اہل علم کے نزدیک طے شدہ اصول ہے کہ ہر وہ عمل جس کے عبادت ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہو اگر اسے رسول اللہ نے اپنے فرمان کے ذریعے ہمارے لیے مشروع نہ کیا ہو اور نہ آپ نے اپنے فعل سے اس عبادت کے ذریعے اللہ کا تقرب حاصل کیا ہو تو وہ سنت کی مخالفت ہے، کیونکہ سنت کی دو قسمیں ہیں: سنت فعلیہ اور سنت ترکیہ۔ آپ ﷺ نے ان عبادات میں سے جسے ترک کیا تو اسے ترک کرنا سنت ہے، کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ عیدین کی نمازوں اور نماز جنازہ کے لیے اذان نہیں دی جاتی حالانکہ وہ اللہ عزوجل کے لیے ذکر و تعظیم ہے، اس کے ذریعے اللہ کا تقرب حاصل کرنا جائز نہیں اور یہ (عیدین وغیرہ کے لیے اذان نہ دینا) ایسی سنت ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے ترک کر دیا ہے، آپ ﷺ کے اصحاب یہ معنی سمجھ گئے، اس لیے انہوں نے بدعات سے بہت زیادہ بچاؤ کیا، اس کا تذکرہ اس کے موقع و محل پر کیا گیا ہے، حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ہر وہ عبادت جو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے نہ کی ہو تو تم اسے بجا نہ لاؤ۔"

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اتباع کرو، بدعت نہ کرو، تمھارے لیے وہ (اتباع) کافی ہے، تم قدیم حکم کو ہی اختیار کرو۔"

وہ شخص مبارک باد کا مستحق ہے جسے اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی سنت کی اتباع کرنے کی توفیق سے نوازا اور اس نے اس (سنت) کے ساتھ بدعت کی آمیزش نہیں کی، تب اسے خوش ہونا چاہیے کہ اللہ عزوجل نے اپنی

اطاعت کے لیے اور اپنی جنت میں داخل کرنے کے لیے اسے قبول فرمالیا، اللہ ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل فرمائے جو بات سنتے ہیں اور اچھی بات پر عمل کرتے ہیں۔"

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "عـودة إلى السنة" کے عنوان سے اپنے مضمون میں ایک اہم سوال "داعیان سنت، سنت کی طرف ہی کیوں دعوت دیتے ہیں؟" کا جواب دیتے ہوئے کئی اہم اشیاء کا تذکرہ کیا اور ان کے فرمان میں سے جو ہمارے موضوع سے متعلق ہے، وہ یہ ہے:

"پانچویں بات: مسلمانوں میں جو بدعات اور گمراہیاں داخل ہوئی ہیں ان کے خلاف طریق سنت سے ہی فیصلہ کرنا ممکن ہے، جس طرح کے وہ (سنت) تخریبی مذاہب اور عجیب آراء کے سامنے ایک محفوظ اور مضبوط بند ہے جن (آراء) کو پیش کرنے والے مسلمانوں کے لیے ملمع سازی کرتے ہیں، اور ان کے داعیان تجدید واصلاح وغیرہ کا دعویٰ کرتے ہیں۔"

۳: نبی ﷺ کا فرمان: "ہر بدعت گمراہی" اپنے عموم پر ہے

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنے کتابچے "الأجـوبة النـافعة" (ص ۷۳-۱۰۷) میں علامہ محقق ابوالطیب صدیق حسن خان کی تالیف "الموعظة الحسنة بما يخطب فى شهور السنة" (ص: ۳۵) سے نماز جمعہ کے بارے میں ایک خاص فصل نقل کی ہے۔ [1]

اس کتاب کی اس فصل میں جو بیان ہوا ہے وہ خطبہ حاجت سے متعلق ہے، میں اس میں سے نبی ﷺ سے مروی جابر رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کرتا ہوں۔ اس روایت میں ہمارے لیے جو چیز اہم ہے وہ نبی ﷺ کا بدعات اور دین میں جاری کیے گئے نئے نئے کاموں سے متنبہ فرمانا ہے، پھر وہ جو صدیق حسن خان نے بدعت کی تعریف کی ہے کہ گمراہی تمام بدعات کو شامل ہے، ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے صدیق حسن خان رحمہ اللہ کا قول "الأجـوبة النافعة" (ص ۹۶-۹۷) میں نقل کیا ہے:

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"رسول اللہ ﷺ جب خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہوجاتی تھیں، آواز بلند ہوجاتی تھی اور آپ کا غصہ شدت اختیار کرجاتا، حتیٰ کہ یہ کیفیت ہوجاتی گویا کہ آپ کسی لشکر سے ڈرا رہے ہیں، آپ فرماتے: "وہ تم پر صبح کے وقت حملہ کردے گا، وہ تم پر شام کے وقت حملہ کردے گا۔"

اور آپ فرماتے:

((أما بعد: فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَشَرَّ

---

[1] یہ مقالہ مجلہ 'المسلمون' جلد ۵، صفحات ۱۷۲-۱۷۶، ۲۸۰-۲۸۵، ۳۶۳، ۴۷۰-۹۱۳، ۹۱۶-۹۱۶ میں شائع شدہ ہے۔

الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ .)) ❶

صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے:

''نبی ﷺ کا جمعہ کے دن خطبہ اس طرح ہوتا تھا کہ آپ اللہ کی حمد وثنا بیان کرتے، پھر اس کے بعد فرماتے ......اور آپ کی آواز بلند ہو جاتی تھی۔''

صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں ہے:

((مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ .)) ❷

اور جابر سے مروی سنن نسائی کی روایت میں ہے:

"وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ . " ❸ یعنی "كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" کہنے کے بعد۔ اور آپ کے فرمان "كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" سے یہ مراد ہے کہ ہر بدعتی گمراہ ہے۔

بدعت کا لغوی معنی: ایسا عمل کرنا جس کی پہلے سے مثال نہ ہو، اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا عمل کرنا جسے کتاب اللہ یا سنت نے شریعت قرار نہ دیا ہو۔ اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے نیز یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ قول عام ہے مخصوص عام نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''مساجلة علمية'' (ص:٣٠) پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: آپ ﷺ کے فرمان کے عموم کے مطابق شرعی بدعات (بلا تخصیص) ساری کی ساری گمراہی ہیں۔

((كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ .))❹

''ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی جہنم میں جانے کا باعث ہے۔''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صلاة التراويح" (ص ٢٤-٢٥) پر ''مجالس الابرار'' کے مؤلف شیخ ملا احمد رومی حنفی کا قول نقل کیا ہے:

''......فقہاء نے صلاۃ الرغائب، اس کی جماعت، خطبوں اور اذانوں میں انواع نغمات، رکوع میں قراءت قرآن، جنازے کے آگے آگے بلند آواز سے ذکر وغیرہ کو منکر بدعات قرار دیا، تو جس نے

---

❶ مسلم، الجمعة، تخفيف الصلاة والخطبة، حديث: ٨٦٧- نسائي، العيدين، كيف الخطبة، حديث: ١٥٧٩- ابن ماجه، المقدمة، اجتناب البدع والجدل، ح: ٤٥ (شہباز حسن)

❷ میں کہتا ہوں: یہ نبی ﷺ کے اس خطبہ حاجت کا ایک قطعہ ہے جو نبی ﷺ اپنے اصحاب کو تعلیم دیا کرتے تھے اور آپ ہر خطبہ سے پہلے اور خاص طور پر خطبہ جمعہ سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔ اور خطبہ حاجت کے بارے میں میرا ایک خصوصی کتابچہ ہے جو کہ مطبوع ہے۔ (منہ)

❸ میں کہتا ہوں: اس کی اسناد صحیح ہیں، اسی طرح کی روایت الاسماء والصفات میں بیہقی نے روایت کی ہے۔ (منہ)

❹ صحيح ابن خزيمه، باب صفة خطبة النبي ﷺ، رقم: ١٧٨٥.

ان کے ''حسنہ'' ہونے کا ذکر کیا، اسے کہا جائے گا:

جن امور کا 'حسنہ' (اچھا) ہونا شرعی دلائل سے ثابت ہے، وہ یا تو غیر بدعت ہے، لہٰذا حدیث: ''كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ'' اور حدیث: ''ہر عمل جس پر ہمارا امر نہ ہو تو وہ (عمل) مردود ہے۔'' ❶ میں عام کا عموم اپنے حال پر باقی رہے گا اور اس عام سے مخصوص ہوگا، اور عام مخصوص اس میں حجت ہے جو اس کے علاوہ ہو جو اس سے خاص کیا گیا ہے، پس جس نے کوئی نیا کام کیا اور اس کے متعلق خصوص کا بھی دعویٰ کیا تو تخصیص کے لیے کتاب اللہ یا سنت یا مجتہدین کے اجماع سے دلیل کی ضرورت ہے۔ عوام اور اکثر ملکوں کی عادت و رواج کی طرف نہیں دیکھا جائے گا......''

۴: مخالفت حق کے وقت انکار کرنا ضروری ہے، خواہ مخالفت کرنے والے زیادہ ہوں اور حق والے قلیل ہوں، جو کہ ایک جماعت ہے

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنے وقیع رسالے ''صلاۃ العیدین'' میں (ص:۳۹۔۴۱) کے آخر میں فرمایا:

''لیکن یہ اس وقت بالکل واضح ہے کہ یہ ذمہ داری ان لوگوں پر عائد نہیں ہوتی جنھوں نے اس سنت کو زندہ کیا اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی، یہ تو ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو اس کی مخالفت پر ڈٹے رہے پس انکار تو ان کے خلاف جاتا ہے، رہا پہلا گروہ تو ان کی جماعت شرعی ہے، کیونکہ وہ اس سنت پر ہیں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرقہ ناجیہ کے بارے میں فرمایا:

((هِيَ الْجَمَاعَةُ.)) ❷ ''وہ جماعت ہے۔''

ایک دوسری روایت میں ہے:

((وَهِيَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ.)) ❸

''اور وہ (جماعت) اس (سنت) پر ہے جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔''

ان کی مخالفت کرنے والوں کی مخالفت انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی خواہ وہ تعداد میں ان سے زیادہ ہی کیوں نہ ہوں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

❶ بخاری، الصلح، اذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود، ح: ٢٦٩٧۔ مسلم، الاقضیة، نقض الاحکام الباطلة و رد محدثات الامور، ح: ١٧١٨ (شہباز حسن)

❷ حدیث صحیح ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ودیگر نے فرمایا۔ اس کے کئی طرق ہیں، میں نے اسے الصحیحة (۲۰۴) میں نقل کیا ہے۔ (منہ)

❸ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ (۲۶۴۳)، اس کے اور بھی 'شاہد' ہیں جنہیں میں نے مذکورہ مرجع میں نقل کیا ہے۔ (منہ)

((لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كَذَالِكَ .)) ❶

''میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر ہوتے ہوئے غالب رہے گی۔ ان کو بے یارو مددگار چھوڑنے والا انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔حتیٰ کہ اللہ کا امر آ جائے گا اور وہ اسی طرح ہوں گے۔''

مومن راہِ ہدایت پر چلنے والوں کے کم ہونے سے نہیں گھبراتا اور ہلاکت کی راہوں میں غرق ہونے والے مخالفین کی کثرت اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی، شاطبی نے ''الاعتصام'' (۱/۱۱۔۱۲) میں فرمایا:

مخلوق میں اللہ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اہل باطل کے مقابلے میں اہل حق کم رہے ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

• ﴿وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ (یوسف : ۱۰۳)

''اگر آپ کوشش بھی کر لیں تو اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔''

نیز فرمایا:

﴿وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾ (سبا : ۱۳)

''میرے بندوں میں سے کم ہی شکر گزار ہیں۔''

تاکہ اللہ اپنے اس وعدے کو پورا فرمائے جو اس نے اپنے نبی ﷺ سے کیا کہ اجنبیت کا وصف ان کی طرف لوٹ آئے گا، ❷ اجنبیت اہل لوگوں کے مفقود ہونے یا ان کی قلت کی وجہ سے ہی ہوتی ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب معروف منکر جبکہ منکر معروف ہو جائے۔ سنت بدعت ہو جائے اور بدعت سنت کا درجہ حاصل کر لے، اہل السنۃ کی ملامت کی جائے اور انہیں سخت سست کہا جائے، جس طرح شروع میں بدعتی سے نفرت کے طور پر اہل بدعت سے ایسا سلوک کیا جاتا تھا کہ کہیں گمراہی کی بات اکٹھی نہ ہو جائے اور اللہ نہیں چاہتا کہ وہ (گمراہی کی بات) جمع ہو جائے حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے، تمام فرقے اپنی کثرت کے باوجود عادت اور سنی ہوئی بات کے طور پر اہل سنت کی مخالفت پر جمع نہیں ہو سکتے، بلکہ ضروری ہے کہ اہل السنہ کی جماعت ثابت رہے حتیٰ کہ اللہ کا حکم آ جائے، اس کے علاوہ کہ گمراہ فرقوں نے ان سے بہت لڑائی کی اور ان کے ساتھ عداوت و بغض پر اتر آئے تاکہ وہ

---

❶ متفق علیہ، یہ حدیث متواتر ہے۔ امام بخاری و مسلم نے اسے بہت سے صحابہ سے روایت کیا ہے۔ ان صحابہ کی احادیث کو میں نے 'الصحیحة' (۲۷۰، ۱۱۶۵، ۱۹۵۵۔۱۹۶۲، ۱۹۷۱، ۲۴۴۲) اور تخریج فضائل الشام (۵۔۶) میں نقل کیا ہے۔ (منہ)

❷ اس سے مراد اسلام ہے، وہ آپ ﷺ کے اس فرمان کی طرف اشارہ کرتے ہیں: ''اسلام کا آغاز اجنبیت سے ہوا۔ وہ اجنبیت کی طرف لوٹ جائے گا، جس طرح اجنبی کے طور پر شروع ہوا تھا، پس اجنبیوں کے لیے خوش خبری ہو۔'' (اسے صحیح مسلم (۱/ ۹۰) نے روایت کیا ہے اور یہ الصحیحة (۱۲۷۳) اور الروض النضیر (۳۰۰) وغیرہما میں بھی ہے۔ (منہ)

ان سے موافقت کرلیں۔ وہ (اہل حق) رات اور دن کے اوقات میں جہاد و نزاع اور مدافعت ولڑائی کرتے رہیں گے اور اس طرح اللہ ان کے لیے اجر جزیل بڑھا دے گا اور انہیں ثواب عظیم عطا فرمائے گا۔''

۵: حکم شرعی کا استحباب، ضعیف حدیث سے ثابت نہیں ہوتا

استحباب شرعی حکم ہے جو ضعیف حدیث سے ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ ابن تیمیہ کی بعض تصنیفات وغیرہ میں ان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔(أحكام الجنائز، ص: ۲۴۳)

۶: فلاں کے امر سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ جائز نہیں یا یہ کہ وہ بدعت ہے، کہ جس نے اس کے متعلق کہا ہے وہ گمراہ اور بدعتی ہے

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنے مقالے "صلاة التراويح" (ص ۳۵۔۳۶) میں "موقفنا من المخالفين لنا في هذه المسألة [1] وغيرها" کے عنوان کے تحت فرمایا:

جب آپ نے یہ جان لیا تو پھر جب ہم نے تراویح کی رکعتوں کی تعداد میں سنت پر اکتفا کرنے کو اختیار کیا اور اس پر اضافے کو عدم جواز قرار دیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم پہلے پچھلے ان علماء کو گمراہ یا بدعتی قرار دیتے ہیں جو یہ موقف نہیں رکھتے، جس طرح کہ بعض لوگوں نے یہ گمان کیا اور اسے ہم پر طعن کرنے کے لیے حجت بنایا! انہیں یہ وہم ہوا کہ ہمارے قول کہ فلاں کام جائز نہیں، وہ بدعت ہے، سے لازم آتا ہے کہ جس نے بھی اس کے جواز و استحباب کے متعلق کہا تو وہ گمراہ اور بدعتی ہے! ایسا ہرگز نہیں۔ یہ وہم باطل اور انتہائی جہالت ہے، اس لیے کہ وہ بدعت، جس کی وجہ سے بدعتی کی مذمت کی جاتی ہے اور اس پر بدعت کی زجر وتوبیخ کرنے والی احادیث کا حکم لاگو کیا جاتا تو یہ ہے:

> ''دین میں ایجاد کردہ طریقہ جو شریعت سے مشابہت رکھتا ہو اور اس پر عمل کرنے سے اللہ سبحانہ کی عبادت کرنے میں مبالغہ کرنا مقصود ہو۔'' [2]

تو جس نے عبادت کرنے میں مبالغہ کے قصد سے کوئی بدعت ایجاد کی، اور وہ جانتا ہے کہ وہ شریعت سے ثابت نہیں تو ایسا شخص ان احادیث کو اپنے خلاف حجت بناتا ہے، رہا وہ شخص جس نے لاعلمی میں بدعت کو اختیار کیا اور اس نے عبادت کرنے میں مبالغے کا ارادہ نہ کیا تو ان احادیث کا حکم ایسے شخص کو مطلق طور پر شامل نہیں ہے، ان احادیث سے ایسا شخص ہرگز مراد نہیں یہ تو ان بدعتیوں سے متعلق ہیں جو سنت کی اشاعت کی راہ میں کھڑے ہوئے ہیں اور وہ کسی علم و ہدایت اور کتاب روشن کے بغیر ہی ہر بدعت کو اچھا سمجھتے ہیں، بلکہ وہ اہل علم کی تقلید کرتے ہوئے بھی ایسا نہیں کرتے، بلکہ وہ تو خواہشات کی پیروی میں اور عوام کو خوش کرنے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔

---

[1] یعنی نماز تراویح کی رکعتوں کی تعداد کا مسئلہ۔

[2] "الإبداع في مضار الابتداع" ص: ۱۵. (منه)

وہ علماء جو اپنے علم وصدق اور صلاح واخلاص میں معروف ہیں، ان میں سے کوئی ایک بھی ہرگز ایسے لوگوں میں سے نہیں ہے، خاص طور پر چاروں ائمہ مجتہدین، اللہ ان سب سے راضی ہو! ہم قطعی طور پر انہیں اس بات سے پاک سمجھتے ہیں کہ انہوں نے عبادت کرنے میں مبالغہ کی بدعت کو اچھا قرار دیا ہو، یہ کس طرح ہوسکتا ہے جبکہ انہوں نے اس سے منع کیا ہے، ہم عنقریب بدعت سے متعلق خاص مقالے میں ان کے فرامین ذکر کریں گے۔ان شاء اللہ!

ہاں! ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کوئی اس میں مبتلا ہوا ہو تو وہ شرعی طور پر غلطی ہو، لیکن اس پر ان کا مؤاخذہ نہیں ہوگا، بلکہ وہ انہیں معاف ہے اور اس پر انہیں اجر ملے گا جیسا کہ پہلے کئی بار بیان ہو چکا ہے، ہوسکتا ہے تحقیق وتفتیش کرنے والے کے لیے واضح ہو جائے گا کہ یہ خطا بدعت کی قسم سے ہے، پس انہیں معافی ملنے اور اس پر انہیں اجر ملنے میں حکم مختلف نہیں ہوتا، کیونکہ یہ ان کی طرف سے اجتہاد کی بنا پر ہوا ہے، عالم کو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ان کی طرف سے غلطی سے ہوا ہے کہ عالم کی طرف سے اس خیال سے بدعت کرنے سے کہ وہ سنت ہے، اس کے درمیان اور اس کے اس خیال سے کسی حرام کے ارتکاب کرنے کے لیے کہ وہ حلال ہے، کے درمیان کوئی فرق نہیں، یہ سب ایسی غلطیاں ہیں جو معاف ہیں، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے اس لیے ہم علماء کو دیکھتے ہیں کہ وہ بعض مسائل میں شدید اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کو نہ تو گمراہ کہتے ہیں اور نہ ایک دوسرے کو بدعتی گردانتے ہیں، ہم اس پر ایک مثال بیان کرتے ہیں، دورانِ سفر میں فرض نماز پوری پڑھنے کے بارے میں صحابہ کرام کے دور سے اختلاف رہا ہے، ان میں سے بعض نے اس کی اجازت دی ہے اور ان میں سے بعض نے اسے بدعت اور سنت کی مخالفت قرار دیا ہے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنے موقف سے اختلاف کرنے والوں کو بدعتی قرار نہیں دیا، دیکھئے ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

> ''مسافر کی نماز دو رکعتیں ہے، جس نے سنت کی مخالفت کی اس نے کفر کیا۔'' (مسند السراج: ۲۱/ ۱۲۲۔۱۲۳، یہ دو صحیح سندوں سے مروی ہے۔)

اس کے باوجود انہوں نے اجتہادی طور پر اس سنت کی مخالفت کرنے والے کو کافر قرار دیا نہ اسے گمراہ کہا، مسند السراج ہی میں صحیح سند سے مروی ہے کہ نبی ﷺ، حضرت ابوبکر وحضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر حضرت عثمان نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں، ابن عمر جب ان کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو چار رکعتیں پڑھتے تھے اور جب وہ اکیلے نماز پڑھتے تھے تو دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ [1]

---

[1] صحیح بخاری ۲/ ۴۵۱۔۴۵۲ میں اسی طرح کی روایت ابن مسعود سے بھی مروی ہے اور اس میں ہے کہ جب انہیں عثمان کے متعلق پتہ چلا کہ وہ نماز قصر کے بجائے پوری پڑھا کرتے تھے تو انہوں نے "انا للّٰہ وانا الیہ راجعون" پڑھا۔(منہ)

غور کریں کہ ابن عمر کو ان کے اعتقاد نے غلطی سے اس بات پر آمادہ نہیں کیا کہ وہ ثابت شدہ سنت کی مخالفت کرتے ہوئے سفر میں پوری نماز پڑھنے والے کو گمراہ قرار دیں یا اسے بدعتی کہیں، بلکہ انہوں نے اس کے پیچھے نماز پڑھی، اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے معاذ اللہ خواہشِ نفس کی پیروی میں پوری نماز نہیں پڑھی، بلکہ یہ ان کی طرف سے اجتہاد کی وجہ سے تھا۔ [1]

یہ وہ درمیانی راہ ہے جسے ہم مسلمانوں پر واجب سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے درمیان ہونے والے اختلافات کے حل کے لیے اسے اپنائیں، یہ کہ ان میں سے جو بھی جس چیز کو درست سمجھے کہ وہ کتاب وسنت کے موافق ہے تو وہ اس کا برملا اعلان کرے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو گمراہ قرار دے نہ اسے بدعتی کہے جو کسی پیش آمدہ شبہ کے پیش نظر اسے درست نہیں سمجھتا، کیونکہ یہ وہ واحد راستہ ہے جس کے ذریعے مسلمانوں میں وحدت اور یگانگت پیدا ہوتی ہے اور اس میں حق ظاہر وجلی طور پر باقی رہتا ہے اور نشانات ان مٹ رہتے ہیں اور اس لیے ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ مسلمان متعدد اماموں کے پیچھے متفرق طور پر نمازیں پڑھتے ہیں: کوئی حنفی ہے اور کوئی شافعی ہے...... یہ چیز یعنی ایک امام کے پیچھے مل کر نماز پڑھنے اور متعدد اماموں کے پیچھے جدا جدا نہ ہونے کی مخالفت ہے۔

مسلمانوں کے درمیان اختلافی مسائل کے بارے میں ہمارا موقف یہ ہے:

بہترین انداز سے حق کا برملا اعلان کرنا، اور شبہہ کی بنا پر، نہ کہ خواہش نفس کی پیروی کی بنا پر، اپنے موقف کی مخالفت کرنے والے کو گمراہ قرار نہ دینا، تقریباً بیس سال سے جب سے اللہ نے ہمیں اتباع سنت کی توفیق دی، تب سے ہم اس موقف پر گامزن ہیں۔ ہم ان حضرات سے بھی اس موقف کو اختیار کرنے کی امید رکھتے ہیں جو مسلمانوں پر گمراہی کا فتویٰ لگانے میں جلد بازی سے کام لیتے ہیں، جن کا اپنے مذہب کے بارے میں یہ موقف ہے:

''جب ہم سے ہمارے مذہب کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو ہم کہتے ہیں: درست ہے اور اس میں خطا کا احتمال ہے اور جب ہم سے ہمارے علاوہ دوسروں کے مذہب کے متعلق پوچھا جاتا ہے تو ہم کہتے ہیں: خطا ہے اور اس کے درست ہونے کا احتمال ہے۔ اور اسی طرح ان کے مذہب میں یہ بھی ہے کہ (مذہب ومسلک کے) مخالف شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے یا اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، اسی لیے وہ ایک ہی مسجد میں انتشار کا شکار ہو گئے۔

---

[1] اسی طرح کی روایت ابو داؤد (۱/ ۳۰۸) نے زہری کے حوالے سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان نے منیٰ میں اس لیے پوری نماز پڑھی کہ اس سال اعرابی زیادہ تعداد میں آئے تھے تو آپ نے لوگوں کو چار رکعتیں پڑھائیں، تا کہ وہ انہیں سکھائیں کہ نماز چار رکعت ہے، اس سند کے راوی ثقہ ہیں، لیکن یہ روایت منقطع ہے۔ (منہ)

۷: بدعت جب سنت سے متصادم ہوتو وہ بالاتفاق گمراہی ہے (التوسل ص ۱۵۱)

۸: اللہ کا قرب

اللہ تعالیٰ کا قرب صرف انہی امور سے حاصل ہوتا ہے جو اس نے مشروع قرار دیے ہوں، صحابہ نے سب سے پہلے ایسے تقرب الی اللہ کا انکار کیا جسے اللہ تعالیٰ نے مشروع قرار دیا، نہ اس کے رسول ﷺ نے۔

انس بن مالک نے فرمایا: میں ابی اور ابوطلحہ بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے گوشت روٹی کھائی، پھر میں نے وضو کے لیے پانی منگایا تو ان دونوں نے فرمایا: ''تم کس لیے وضو کرتے ہو؟'' میں نے کہا: ''اس کھانے کی وجہ سے جو ہم نے کھایا ہے۔'' انہوں نے فرمایا: ''کیا تم پاکیزہ وحلال چیزیں کھا کر وضو کرتے ہو؟ اس (کھانے) سے اس ذات نے وضو نہیں کیا جو تم سے بہتر ہے۔'' ❶

ہمارے شیخ نے مشکوٰۃ (۱/ ۱۰۷) ❷ میں حدیث رقم (۳۲۹) کے تحت فرمایا:

یہ اثر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صحابہ کرام ایسے عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے تقرب کے حصول کو نہیں مانتے تھے جسے اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے قول یا فعل کے ذریعے مشروع قرار نہ دیا ہو، رہی یہ بات کہ حضرت انس نے گوشت کھا کر وضو کرنے کا ارادہ کیا تھا تو ہوسکتا ہے کہ ان کو آپ ﷺ کا یہ فرمان: ''تَوَضَّئُوْا مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ'' ❸ ''آگ پر پکی ہوئی چیز (کھانے) سے وضو کرو۔'' پہنچا ہو اور انہیں اس کے منسوخ ہونے کی خبر نہ پہنچی ہو۔ واللہ اعلم۔

۹: کارِ خیر کے لیے ضروری ہے کہ اس کی شریعت میں دلیل ہو

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے حدیث رقم ❹ (۶۹۸) جو کہ سلسلہ ضعیفہ (۲/ ۱۳۹) میں ہے اس کے تحت فرمایا اور انہوں نے اس پر وضع ہونے کا حکم لگایا ہے۔

اہم نکتہ: ابن الجوزی نے اس حدیث کے آخر میں فرمایا:

''میں نے کہا: میں نے اس حدیث کو بچپن کے زمانے میں سنا تھا اور میں نے رواۃ سے اپنے حسن ظن

---

❶ مسند احمد ۵/ ۱۲۹ ہمارے شیخ نے فرمایا: اس کی اسناد جید ہیں۔

❷ هداية الرواة إلى تخريج احاديث المصابيح والمشكاة ۱/ ۱۹٤.

❸ صحیح مسلم (۳۵۳)، مشکوۃ: ۳۰۳

❹ وہ حدیث یہ ہے: ''سورۃ الفاتحہ، آیت الکرسی اور آل عمران کی آیت نمبر ۱۸، ۲۶، ۲۷ سفارش کریں گی، ان کی شفاعت قبول کی جائے گی، ان کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں، انہوں نے کہا: اے رب! تو ہمیں اپنی زمین اور اپنے نافرمانوں کی طرف اتارے گا؟ اللہ نے فرمایا: میں قسم اٹھاتا ہوں کہ میرے بندوں میں سے جو شخص ہر نماز کے بعد انہیں پڑھے گا میں اس کا ٹھکانا جنت میں بنادوں گا خواہ اس کے اعمال جیسے بھی ہوں، میں اسے جنت الفردوس میں بساؤں گا اور میں ہر روز اس کی ستر حاجتیں پوری کروں گا، ان میں سے سب سے چھوٹی حاجت مغفرت ہے۔''

کی بنا پر تقریباً تیس سال اس پر عمل کیا، پس جب مجھے پتہ چلا کہ یہ موضوع ہے تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔ کسی نے مجھے کہا: کیا وہ نیک کام نہیں؟ میں نے کہا: نیک کام مشروع ہونا چاہیے، پس جب ہمیں پتہ چلا کہ یہ کذب ہے تو وہ شریعت سے خارج ہو گیا۔''

میں کہتا ہوں: جب وہ عمل شریعت سے خارج ہو گیا تو اس میں کوئی خیر نہ رہی، کیونکہ اگر وہ خیر ہوتا تو آپ ﷺ اسے اپنی امت تک پہنچاتے اور اگر آپ پہنچاتے تو ثقہ راوی اسے روایت کرتے، اور اسے روایت کرنے والا کوئی ایسا اکیلا شخص نہ ہوتا جو ثقہ راویوں سے مضطرب روایتیں روایت کرتا ہے۔

ابن جوزی رحمہ اللہ نے اپنے بارے میں جو بیان کیا ہے اس میں بہت بڑی نصیحت ہے، بے شک اس دور کے اور اس سے پہلے دور کے اکثر علماء کا یہی حال ہے کہ وہ اپنے مشائخ سے سنی ہوئی ہر حدیث کے ذریعے اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور وہ اس کے صحیح ہونے کے بارے میں اس کی کوئی تحقیق نہیں کرتے، پس وہ ان کے متعلق محض حسن ظن ہی رکھتے ہیں، پس اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے کسی دوسرے شخص میں سامانِ عبرت دیکھا تو نصیحت حاصل کی۔

۱۰: عبادات تجربوں سے حاصل نہیں کی جاتیں

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''الکلم الطیب'' ❶ کی تخریج میں (ص ۱۴۶-۱۴۷) پر حدیث نمبر (۱۷۷) ❷ کے تحت فرمایا:

یہ مقطوع ہے، کیونکہ وہ یونس بن عبید کا قول ہے، وہ ثقہ تابعی ہیں مگر ان تک سند صحیح نہیں، اس میں منہال بن عیسیٰ مجہول راوی ہے، پھر یہ کہ مقطوع روایت بالاتفاق حجت نہیں، مؤلف رحمہ اللہ نے تو اسے اس لیے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اس کا تجربہ کیا ہے، جیسا کہ اس کے آخر پر ان کا قول ہے: ''ہم نے اس کا تجربہ کیا ہے......''، ابن القیم رحمہ اللہ نے ''الوابل الصیب'' میں ص ۱۷۱ پر صراحت کی ہے کہ وہ ان کے شیخ (ابن تیمیہ رحمہ اللہ) کا قول ہے، لیکن تجربہ سے شرائع ثابت نہیں ہوتے۔

ہمارے شیخ نے مشکوٰۃ (۱/۶۰۱) ❸ میں حدیث (رقم ۱۹۲۶) کے تحت یہ فرمایا:

''جو شخص عاشوراء کے دن اپنے عیال پر خرچ کرنے میں کشادگی سے کام لیتا ہے، اللہ سال بھر اس کی

---

❶ (ص ۹۷) رقم (۱۷۵). ط: المکتب الاسلامی.

❷ اس کا متن یہ ہے: یونس بن عبید اللہ رحمہ اللہ نے فرمایا: جو شخص سرکش سواری پر ہو اور وہ اس کے کان میں کہے: ﴿اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ﴾ (آل عمران ۸۳) تو وہ اللہ کے اذن سے کھڑی ہو جاتی ہے۔ ہم نے اس کا کئی بار اللہ کے حکم سے کامیاب تجربہ کیا۔ (یہ جملہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا ہے۔)

❸ هداية الرواة إلى تخريج أحاديث المصابيح والمشكوة" (۲/۲/۳۰۲).

روزی کشادہ کر دیتا ہے۔''

سفیان نے کہا: ہم نے اس کا تجربہ کیا تو ہم نے اسے اسی طرح پایا۔

اس حدیث کے تمام طرق ضعیف ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس سے بڑھ کر اس پر وضع کا حکم لگایا ہے، اور شریعت تجربہ سے ثابت نہیں ہوتی۔'' (اور ''ہدایۃ الرواۃ'' میں یہ اضافہ نقل کیا: بشرطیکہ وہ سفیان سے ثابت ہو!)

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے سلسلہ ضعیفہ (۲/۱۰۹) میں حدیث ❶ رقم (۶۵۵) کے تحت فرمایا:

حافظ سخاوی نے "الابتهاج بأذكار المسافر والحاج" ❷ میں (ص:۳۹ پر) فرمایا:

''اس کی سند ضعیف ہے، لیکن النووی نے فرمایا:

انہوں نے اور ان کے بعض بڑے شیوخ نے اس کا تجربہ کیا ہے۔''

میں ❸ کہتا ہوں: عبادات تجربوں سے اخذ نہیں کی جاتیں، خاص طور پر جو امر غیبی سے متعلق ہو جیسا کہ یہ (مذکورہ) حدیث ہے، لہٰذا تجربہ کے ذریعے اس کی تصحیح کی طرف میلان نہیں ہونا چاہیے! یہ کیونکر ہوسکتا ہے اور بعض نے اس کی بنا پر مشکلات و مصائب کے وقت مُردوں سے مدد طلب کرنے کو جائز قرار دیا ہے جبکہ وہ خالص شرک ہے۔ واللہ المستعان.

الھروی نے ''ذم الکلام'' (۴/۶۸/۱) میں کیا خوب روایت کی ہے:

''عبداللہ بن مبارک اپنے کسی سفر میں راستہ بھول گئے، انہیں یہ خبر پہنچی تھی کہ جو شخص کسی جنگل میں مجبور و بے بس ہو جائے (کتاب میں اسی طرح ہے، لیکن ہوسکتا ہے کہ درست اس طرح ہو: جو شخص راہ بھول جائے) تو وہ آواز دے: اللہ کے بندو! میری مدد کرو! اس کی مدد کی جاتی ہے، انہوں نے کہا: میں وہ جزء تلاش کرنے لگا تاکہ اس کی اسناد دیکھوں۔ الھروی نے فرمایا: ایسی دعا کرنا جائز نہیں جس کی اسناد نہ دیکھی جائیں۔''

میں (البانی) کہتا ہوں: اتباع اس طرح ہونی چاہیے۔

علامہ شوکانی نے ''تحفۃ الذاکرین'' میں (ص ۱۴۰) پر اسی کی مناسبت کے مثل ایسی ہی اچھی بات فرمائی ہے:

---

❶ ہمارے شیخ نے اس پر ضعف کا حکم لگایا ہے اور وہ حدیث یہ ہے: ''جب تم میں سے کسی کی سواری جنگل میں چھوٹ جائے تو وہ آواز دے: اللہ کے بندو! اسے میرے لیے روکو، اللہ کے بندو! اسے میرے لیے روکو، کیونکہ زمین میں اللہ کے لیے کچھ لوگ (جن/فرشتے) حاضر رہتے ہیں، پس وہ اسے تمہارے لیے روک لیں گے۔''

❷ میں نے شیخ کے مطبوعہ نسخے سے اس کی فوٹو کاپی کرائی۔ اس کا موازنہ ظاہریہ کے نسخہ سے کیا گیا ہے۔ یہ کام شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے سرانجام دیا جیسا کہ اس کے طرق سے ثابت کیا گیا ہے۔

❸ یہ کہنے والے ہمارے شیخ البانی ہیں۔

''میں کہتا ہوں: سنت محض تجربہ سے ثابت نہیں ہوتی، کسی چیز (بدعت) کو اس اعتقاد سے کرنے والا کہ وہ سنت ہے اپنے بدعتی ہونے (کے حکم) سے خارج نہیں ہوسکتا اور دعا کا قبول ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ قبولیت کا سبب رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، کبھی اللہ مسنون توسل کے بغیر بھی دعا قبول فرمالیتا ہے، وہ بہترین رحم کرنے والا ہے، اور کبھی دعا کی قبولیت استدراج (مہلت و ڈھیل) کی خاطر بھی ہوسکتی ہے۔''

ہمارے شیخ نے ضعیف الترغیب (۱/۲۱۶۔۲۱۷) سے حدیث رقم (۴۱۸) [1] کے تحت منذری کے قول کا تعاقب کرتے ہوئے حدیث رقم (۴۱۸) کے تحت فرمایا:

''......اس طرح کی باتوں میں اعتماد تجربہ پر ہے، اسناد پر نہیں۔'' میں کہتا ہوں: بلکہ اس جیسے امور میں تجربہ پر بھی اعتماد جائز نہیں، الشوکانی نے ''تحفۃ الذاکرین'' میں (ص:۱۴۰ پر) اس مؤلف کا کلام ذکر کرنے کے بعد کس قدر خوبصورت بات کی ہے:

''میں کہتا ہوں: سنت محض تجربے سے ثابت نہیں ہوتی، اور کسی چیز (بدعت) کو اس اعتقاد سے کرنے والا کہ وہ سنت ہے اپنے بدعتی ہونے (کے حکم) سے خارج نہیں ہوسکتا اور دعا کی قبولیت اس بات کی دلیل نہیں کہ قبولیت کا سبب رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، کبھی اللہ غیر مسنون توسل سے بھی دعا قبول کرلیتا ہے، وہ بہترین رحم کرنے والا ہے، اور کبھی دعا کی قبولیت استدراج کے طور پر ہوتی ہے، اس کے باوجود اس کے بارے میں جو کہا جاتا ہے کہ وہ حدیث ہے، سنت مطہرہ کی مخالفت ہے، سنت سے بلاشبہ ثابت ہے کہ رکوع وسجود میں قراءت قرآن سے منع کیا گیا ہے، یہ سب سے بڑی دلیل ہے کہ یہ روایت موضوع ہے، خاص طور پر یہ کہ اس کی اسناد میں عمر بن ہارون بن یزید ثقفی بلخی متروک و متہم ہے، خواہ وہ حافظ ہو، ہوسکتا ہے کہ ابن مہدی نے اس کے حافظے کے حوالے سے اس کی تعریف کی ہو، اسی طرح اس کے شاگرد عامر بن خداش نے بھی، ہوسکتا ہے کہ یہ اس کی منکر روایات میں سے ہو جنھیں وہ روایت کرنے لگا، حاکم، بیہقی، واحدی اور ان کے بعد والے ائمہ پر اس بات پر تعجب ہے کہ

---

[1] ہمارے شیخ نے اسے موضوع قرار دیا ہے، اور حدیث درج ذیل ہے: ''تم رات یا دن کے وقت بارہ رکعتیں پڑھو، ہر دو رکعت کے درمیان تشہد پڑھو، پس جب تم اپنی نماز کے آخر پر تشہد میں بیٹھو تو اللہ عزوجل کی ثنا بیان کرو، نبی ﷺ پر درود بھیجو، سجدے کی حالت میں سات مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھو، سات مرتبہ آیت الکرسی، دس مرتبہ "لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك له، له الملك، وله الحمد، وهو علی کل شیء قدیر" پڑھو، پھر یہ دعا پڑھو: "اللھم انی أسالك بمعاقد العز من عرشك، ومنتهی الرحمة من کتابك، واسمك الاعظم، وجدك الاعلی، وکلماتك التامة" پھر اپنی ضرورت کا سوال کرو، پھر سر اٹھاؤ، پھر دائیں بائیں سلام پھیرو، تم اسے نادانوں کو نہ سکھاؤ، کیونکہ وہ اس میں دعا کریں گے تو ان کی دعا قبول ہو جائے گی۔''

وہ ایسے امر کے بارے میں تجربے پر اعتماد کرتے ہیں جبکہ وہ سارے جانتے ہیں کہ وہ سنت مطہرہ کے خلاف ہے اور اس کے منع کردہ کام میں مبتلا ہونے کے مترادف ہے۔''

۱۱: کونی و شرعی وسائل

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اس مسئلے میں عمدہ شروح وسط اور طوالت اختیار کی ہے، بلکہ انہوں نے ایک مکمل فصل قائم کی ہے، انہوں نے اپنی وقیع کتاب ''التوسل'' (ص۱۸۔۳۰) میں اس (فصل) کا نام ''الوسائل الكونية والشرعية'' ❶ رکھا ہے۔ استفادہ کے لیے ہم اس فصل سے ان کے کلام سے ایک حصہ نقل کرتے ہیں:

انہوں نے ''التوسل'' (ص۲۱) میں فرمایا:

تصوراتی شرعی اسباب میں سے لوگوں کا بعض اسباب اختیار کرنا جن کے متعلق وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ انہیں اللہ سبحانہ کا قرب عطا کرتے ہیں جبکہ حقیقت میں وہ انہیں اس سے دور کرتے ہیں، وہ ان کے لیے ناراضی و غضب بلکہ لعنت و عذاب کا سبب بنتے ہیں، پس ان میں سے کچھ لوگوں کا قبروں میں مدفون اولیاء و صالحین سے مدد طلب کرنا، تاکہ وہ ان کے لیے ان کی ضرورتیں پوری کریں جنھیں صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی پورا کر سکتا ہے، جیسا کہ ان کا نقصان سے بچنے کے لیے انہیں پکارنا، بیماروں کے لیے شفا مانگنا، رزق طلب کرنا، اندھے پن کا ختم ہو جانا، دشمن کے خلاف مدد طلب کرنا اور اس طرح کی دیگر ضرورتیں طلب کرنا......

اور انہوں نے (ص:۲۴ پر) فرمایا:

رہا شرعی وسیلہ تو اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ صرف شریعت میں ثابت ہو نہ کہ کسی اور سے۔

اور انہوں نے ''التوسل'' میں (ص۲۴۔۲۵ پر) بھی فرمایا:

ان امور میں بہت سے لوگ جو اخلاط کا شکار ہوئے ہیں، ان کا خیال ہے کہ وسیلے کے جائز و مشروع ہونے کے ثبوت کے لیے محض وسیلے کے ذریعے نفع حاصل ہونا ہی کافی ہے، بسا اوقات ایسے ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی کسی ولی سے دعا کرتا ہے یا کسی میت سے مدد طلب کرتا ہے تو اس کی مراد اور تمنا پوری ہو جاتی ہے، تو وہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مردے اور اولیاء لوگوں کی مرادیں پوری کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اور یہ ان سے دعا کرنے اور ان کے ذریعے مدد طلب کرنے کے جواز پر استدلال کرتا ہے، اس کی مراد پوری ہونے کے علاوہ اس پر اس کے پاس کوئی اور دلیل نہیں، افسوس کی بات ہے کہ، ہم نے بعض دینی کتب میں اس طرح کی بہت سی چیزیں پڑھی ہیں، جب انھیں لکھنے والا کہتا ہے یا وہ ان میں سے بعض سے اس کا قول نقل کرتا ہے مثلاً: وہ کسی

❶ ہمارے شیخ نے ''التوسل'' ص ۱۸ پر وضاحت فرمائی: کہ ایسا ہر سبب جو اللہ تعالیٰ کے مشروع طریق سے مقصود تک پہنچادے، وہ سبب جسے اس نے اپنی کتاب اور اپنے نبی کی سنت میں بیان کیا، اور وہ ایسے مومن کے لیے خاص ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے امر کی اتباع کرتا ہے۔

مصیبت میں مبتلا ہو اور اس نے فلاں ولی یا فلاں صالح شخص سے مدد طلب کی اور اس کا نام لے کر پکارا تو وہ اسی وقت حاضر ہوگیا یا وہ خواب میں اس کے پاس آیا، تو اس نے اس سے مدد طلب کی اور اس کی مراد پوری ہوگئی۔

یہ اور اس جیسے دیگر لاعلم نہیں جانتے کہ یہ...... اگر یہ واقعہ صحیح ہے...... تو اللہ عزوجل کی طرف سے مشرکوں اور بدعتیوں کے لیے استدراج، اس کی طرف سے ان کے لیے ایک آزمائش اور اس کی طرف سے ان کے ساتھ ایک چال ہے، تاکہ ان کے کتاب وسنت سے اعراض کرنے، اپنی خواہشات اور اپنے شیاطین (سرداروں) کی اتباع کرنے پر انھیں پورا پورا بدلہ مل جائے۔

اور انہوں نے (ص:۲۶ پر) فرمایا:

اس سب سے مقصود یہ ہے کہ ہم جان لیں کہ تجربے اور یہ اطلاعات دینی اعمال کی مشروعیت جاننے کا صحیح ذریعہ نہیں، بلکہ اس کے لیے واحد مقبول و بے نظیر ذریعہ وہ شرعی حکم ہے جس کا کتاب وسنت میں وجود ہو، اس کے علاوہ اور کوئی نہیں۔

انہوں نے (ص:۳۰ پر) فرمایا:

خلاصہ یہ ہے کہ کوئی اسباب کے متعلق یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ وہ اسباب شرعی ہیں، ان کا (اس طرح) اثبات اور انہیں اپنانا جائز نہیں اِلا یہ کہ شریعت میں اس کا جائز ہونا ثابت ہوجائے۔

اور (ص:۳۰ پر) یہ بھی فرمایا:

رہے شرعی وسائل، تو ان کو اپنانے کے جواز کے لیے یہی کافی نہیں کہ شارع حکیم نے ان سے منع نہیں فرمایا، بہت سارے لوگوں کا یہی خیال ہے، ان کے متعلق بھی شرعی دلیل سے ثبوت ضروری ہے جو ان کی مشروعیت اور استحباب کو مستلزم ہو۔''[1]

۱۲: عبادات توقیفی ہوتی ہیں

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''صلاۃ التراویح'' میں فرمایا:

''عبادات میں بنیادی بات یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نص کے ذریعے ثابت ہوتی ہیں، اور یہ ایسی بنیاد ہے جس پر تمام علماء کا اتفاق ہے، ہم نہیں سمجھتے کہ کوئی مسلمان عالم اس بارے میں اختلاف کرتا ہو، اگر یہ اصول نہ ہو، تو پھر کسی بھی مسلمان کے لیے جائز ہوتا کہ وہ سنتوں کی رکعتوں کی تعداد بلکہ فرائض میں بھی کہ جن کی تعداد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور ان پر استمرار سے ثابت ہے، میں اضافہ کرلیتا اور وہ یہ اس خیال سے کرتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں اضافہ کرنے سے نہیں روکا! اور اس (خیال) کا باطل ہونا بالکل واضح ہے، لہٰذا اس کے

---

[1] دیکھیں: "التوسل" ص: ۱۵۰.

متعلق گفتگو کو طول دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔

ہمارے شیخ نے ''صلاۃ التراویح'' میں (ص:۷۶ پر)، تراویح کی رکعتوں کی تعداد میں اضافہ کا مسئلہ بیان کرنے کے دوران میں فرمایا:

''......اور ہم سمجھتے ہیں کہ ان کی تعداد میں اضافہ کرنا❶ اس (نماز تراویح) کی مخالفت ہے، کیونکہ عبادات میں حکم توقیف واتباع پر ہے، نہ کہ تحسین عقلی اور بدعت پر......''

۱۳: عبادات میں اصل منع ہے مگر یہ کہ کوئی دلیل ہو اور عادات (معمولات) میں اصل اباحت ہے مگر یہ کہ کوئی دلیل ہو

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''التوسل'' (ص:۳۰) میں فرمایا: اس بات سے آگاہی واجب ہے کہ اس کا وسیلہ کوئی ہونا ثابت ہوا، تو اس کے مباح ہونے اور اس کی پابندی کرنے کے لیے یہی کافی ہے، کہ شریعت میں اس سے منع نہ کیا گیا ہو، اس کے متعلق فقہاء فرماتے ہیں: اشیاء میں اصل اباحت ہے، رہے شرعی وسائل تو انھیں اختیار کرنے کے لیے یہی کافی نہیں کہ شارع حکیم نے اس سے منع نہیں کیا، جیسا کہ بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے، بلکہ ان کے لیے شرعی دلیل سے ثبوت ضروری ہے جو ان کی مشروعیت اور استحباب کو مستلزم ہو، کیونکہ استحباب، اباحت سے ایک اضافی چیز ہے، کیونکہ اس کا تعلق ان اعمال سے ہے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے اور تقرب حاصل کرنے والے امور محض اس لیے ثابت نہیں ہوتے کہ ان کے متعلق ممانعت وارد نہیں ہوتی، اسی لیے سلف میں سے بعض حضرات نے فرمایا:

''ہر وہ عبادت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے نہ کی ہو تو تم بھی اسے عبادت قرار نہ دو۔''❷

یہ بات دین میں بدعت کی ممانعت سے متعلق وارد احادیث سے معلوم ہوتی ہے اور وہ مشہور ومعروف ہے، ایسے ہی موقع پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

''عبادات میں اصولاً ممانعت ہے مگر یہ کہ کوئی دلیل ہو اور عادات (معاملات) میں بنیادی طور پر اباحت ہے مگر یہ کہ کوئی دلیل ہو۔''

یہ اصول یاد رکھیں کیونکہ یہ بہت ہی اہم ہے، جن امور میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے ان میں حق دیکھنے کے لیے یہ اصول آپ کی مدد کرے گا۔

---

❶ نماز تراویح کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ گیارہ رکعات ہیں۔
(ان میں تین وتر بھی شامل ہیں۔ شہباز حسن)

❷ یہ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اس کا حوالہ پیچھے گزر چکا ہے۔

ہمارے شیخ نے "الإرواء" (۲۹۴/۵) میں فرمایا: معاملات میں بنیاد جواز ہے مگر یہ کہ کوئی دلیل ہو، جبکہ عبادات میں اس طرح نہیں، وہاں بنیاد منع ہے مگر یہ کہ کوئی دلیل ہو، جس طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کی تفصیل بیان فرمائی۔

۱۴: اہم قاعدہ: اوراد واذکار توقیفی ہیں

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''صحیح الترغیب'' (۳۸۸/۱) میں قدرے مختلف الفاظ میں فرمایا: اوراد واذکار توقیفی ہیں، ان میں کمی بیشی کرنا جائز نہیں خواہ ایسے لفظ کے ساتھ تبدیلی کی جائے جس سے معنی بھی نہ بدلتا ہو...... مگر بدعتیوں کا حال دیکھیں جو ذکر میں کمی بیشی کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے ؟! ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟''

۱۵: بدعتی سے قطع تعلقی

عبداللہ بن مغفل نے فرمایا:

((نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْخَذْفِ......))

''رسول اللہ ﷺ نے انگلی اور انگوٹھے کے ساتھ کنکری پھینکنے سے منع فرمایا۔''

روایت میں ہے کہ: ابن مغفل رضی اللہ عنہ کے ایک قریبی رشتے دار نے کنکری پھینکی تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے کنکری پھینکنے سے منع فرمایا ہے...... اس نے پھر کنکری پھینکی تو انہوں نے فرمایا: میں نے تمہیں بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور تم نے دوبارہ کنکری پھینکی ہے! میں تم سے کبھی کلام نہیں کروں گا!

ہمارے شیخ نے عبداللہ بن مغفل کی حدیث کی شرح میں ''ریاض الصالحین'' (۱۷۰) کے حاشیہ میں (ص ۱۰۵ پر) فرمایا:

اس حدیث سے بدعتیوں، فاسقوں اور جانتے بوجھتے ہوئے سنت کی مخالفت کرنے والوں سے قطع تعلقی کا جواز معلوم ہوتا ہے اور یہ کہ ان سے ہمیشہ کے لیے قطع تعلقی جائز ہے۔

۱۶: عبادات کی بنا اتباع پر ہے نہ کہ بدعت

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''التوسل'' (ص ۱۴۳-۱۴۴) میں بیان کیا: شیخ الاسلام نے "الرد علی البکری" میں (ص ۶۸-۷۴ پر) فرمایا:

''...... جہاں تک شریعت کا تعلق ہے تو کہا جائے گا کہ ساری کی ساری عبادات کی بنا اتباع پر ہے نہ کہ بدعت پر، کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دین کا کوئی ایسا کام کرے جس کے متعلق اللہ نے حکم نہیں فرمایا، کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ آپ کی قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے اور وہ کہے کہ آپ کعبہ کی نسبت اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جائے، حالانکہ

"الصحیح" میں آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: "قبروں پر (مجاور بن کر) بیٹھو نہ ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو۔" ❶ اس کے باوجود غالی عبادت گزار اپنے بزرگوں کی قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں، بلکہ وہ قبلہ کی طرف پیٹھ کرتے ہیں اور بزرگ کی قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور وہ کہتے ہیں: یہ خاص لوگوں کا قبلہ ہے، جبکہ کعبہ عام لوگوں کا قبلہ ہے!"

دوسرا گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ان کے بزرگوں کی قبروں کے پاس نماز پڑھنا مساجد میں حتیٰ کہ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، بہت سے لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی قبروں کے پاس دعا کرنا مساجد میں دعا کرنے سے افضل ہے، دین اسلام کے تمام اہل علم جانتے ہیں کہ یہ سب اسلامی شریعت کے منافی ہے، جو شخص یہاں اور ان جیسے دیگر امور میں کتاب وسنت پر عمل پیرا نہیں ہوتا وہ گمراہ ہو جاتا ہے اور (دوسروں کو بھی) گمراہ کرتا ہے اور وہ تباہی کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرتا ہے، پس بندے پر لازم ہے کہ وہ واضح، کامل، روشن شریعت محمدیہ کی اطاعت اختیار کرے اور یہ بات تسلیم کرلے کہ وہ مصالح کے حصول وتکمیل اور مفاسد کو روکنے اور انہیں کم کرنے کے لئے آئی ہے، اور جب اس نے عبادات، زاہدانہ طرز زیست اور دیگر چیزیں دیکھیں، جنھیں وہ اچھی اور نفع مند سمجھتا ہے جو کہ مشروع نہیں، تو اسے معلوم ہوا کہ ان کا نقصان ان کے فائدے سے زیادہ ہے اور ان کا بگاڑ ان کے مصالح پر غالب ہے، شارع (اللہ تعالیٰ) حکیم ذات ہے، وہ مصالح (مفادات) کو بے کار نہیں چھوڑتا۔ پھر انہوں ❷ نے فرمایا:

"دعا عظیم عبادات میں سے ہے، انسان کو چاہیے کہ وہ مشروع دعاؤں کا التزام کرے کیونکہ وہ محفوظ ہیں جس طرح وہ اپنی باقی عبادات میں مشروع طریقوں کی کوشش کرتا ہے، یہی صراط مستقیم ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے تمام مومن بھائیوں کو (صراطِ مستقیم کی) توفیق عنایت فرمائے۔"

۱۷: نبی ﷺ کی حقیقی اتباع کس طرح ہو سکتی ہے؟

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "التوسل" (ص: ۱۳۰) میں معمولی سے فرق کے ساتھ فرمایا:

یہ آپ ﷺ کے مقام ومرتبے کا تقاضا ہے کہ ہم پر آپ کی اتباع واطاعت واجب ہوتی ہے، جس طرح آپ کے رب کی اطاعت واجب ہے۔ آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

((مَا تَرَكْتُ شَيْئًا يُقَرِّبُكُمْ إِلَى اللّٰهِ إِلَّا أَمَرْتُكُمْ بِهِ .)) ❸

---

❶ مسلم، الجنائز، النھی عن الجلوس علی القبر والصلاۃ علیه، ح: ۹۷۲۔ ابو داؤد، الجنائز، فی کراھیة القعود علی القبر، ح: ۳۲۲۹ (شہباز حسن)

❷ اس سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ مراد ہیں۔

❸ اسے شافعی اور طبرانی ودیگر نے روایت کیا ہے۔ (منہ)

’’میں نے تمھیں ہر اس چیز کا حکم فرما دیا جو تمھیں اللہ کا قرب عطا کر سکتی ہے۔‘‘

لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ ہم آپ کی اتباع کریں اور یہ کہ ہم ذاتی پسند کو ایک جانب رکھیں اور اس کے لیے کوئی گنجائش ہی نہ چھوڑیں حتیٰ کہ ہم ا۔ آپ ﷺ سے محبت کے دعوے پر اللہ کے دین میں داخل کر دیں جو کہ اس (دین) میں سے نہیں، سچی محبت تو اتباع سے ہوتی ہے، وہ بدعت سے نہیں ہوتی، جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (ال عمران: ۳۱)

’’کہہ دیجیے! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔‘‘

اسی طرح شاعر نے کہا:

تَعْصِي الْإِلٰهَ وَأَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهُ ... هٰذَا لَعَمْرُكَ فِي الْقِيَاسِ بَدِيْعُ

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَأَطَعْتَهُ ... إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيْعُ

’’تم معبود کی نافرمانی کرتے ہو اور اس کی محبت کا بھی اظہار کرتے ہو۔ عقلی طور پر یہ بات، تیری عمر کی قسم! بڑی عجیب ہے۔

اگر تمہاری محبت سچی ہوتی تو تم اس (معبود) کی اطاعت کرتے۔ کیونکہ محب محبوب کا مطیع ہوتا ہے۔‘‘

۱۸: اتباع کے بارے میں ایک نکتہ

ہمارے شیخ البانی نے "تمام المنة" میں (ص ۱۸۵ پر) فرمایا:

’’...... اتباع صحیح کا تقاضا یہ ہے کہ دلیل آنے پر (اپنے آپ کو) اس پر روک لیا جائے اور اس میں قیاس ورائے کے لیے گنجائش نہ چھوڑی جائے، کیونکہ اگر وہ فرائض [1] میں بھی مشروع ہوتا تو آپ ﷺ نے اسے کیا ہوتا، اگر آپ نے اسے کیا ہوتا تو وہ منقول ہوتا، بلکہ اس کا (فرائض میں پڑھنے کے بارے میں) نقل ہونا اس کے نوافل میں نقل ہونے سے زیادہ حق رکھتا جیسا کہ ظاہر ہے۔‘‘

۱۹: گمراہوں اور بدعتیوں کی نشانی

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (۲/ ۷۱۳) میں بیان کیا:

علامہ شاطبی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الاعتصام" (۳/ ۹۹) میں گمراہوں اور بدعتیوں کی علامات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

---

[1] یعنی: جب آیت رحمت پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرنا

''عالم (غور کرو انہوں نے طالب علم نہیں کہا!) ❶ جب تک علماء اس کے حق میں گواہی نہ دیں تو وہ غیر عالم ہی شمار کیا جائے گا حتیٰ کہ اس کے بارے میں کوئی اور گواہی دے، اور وہ اپنی طرف سے جانتا ہو جس کی اس نے اس کے متعلق گواہی دی ہے، ورنہ وہ عالم نہ ہونے کے بارے میں یقین یا شک پر ہے، ان دونوں حالتوں میں پیچھے ہٹنے پر آگے بڑھنے کو ترجیح دینا محض خواہشات کی اتباع ہی سے ہوتا ہے، جب کہ اسے چاہیے کہ وہ اپنے بارے میں کسی اور سے دریافت کرے اور اس نے یہ نہ کیا، اس کا حق تھا کہ وہ آگے نہ بڑھتا حتیٰ کہ اس کے علاوہ کوئی اور اسے آگے کرتا جبکہ اس نے یہ نہ کیا۔''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے الشاطبی رحمہ اللہ کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

یہ امام شاطبی رحمہ اللہ کی اس عالم کے لیے نصیحت ہے جس کے بارے میں امکان ہے کہ وہ علم سے کوئی چیز لوگوں کو پیش کرے گا، وہ اسے نصیحت کرتے ہیں کہ وہ کوئی چیز پیش نہ کرے حتیٰ کہ علماء اس کے حق میں گواہی دیں، اس اندیشے کے پیش نظر کہ وہ گمراہوں میں سے ہو، دیکھو اگر وہ ہمارے اس دور میں اس علم سے متعلق لوگوں کو دیکھتے تو وہ انہیں کیا نصیحت فرماتے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ فرماتے: ''یہ تمھارا ٹھکانہ نہیں کہیں اور جا''، ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟!......

۲۰: بدعتیوں کی علامت ہے کہ وہ اہل اثر کی غیبت و مذمت کرتے ہیں

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعيفة" (۱/ ۸۱) حدیث (رقم ۲۳) کے تحت الکوثری کا رد کرتے ہوئے فرمایا: اس آدمی کا عجیب معاملہ ہے کہ وہ اپنے علم کی وسعت کے باوجود سنت کے حامیوں اور حدیث کے پیروکاروں کے خلاف مذہبی تعصب رکھتا ہے اور وہ خواہشات سے مغلوب ہوگیا ہے جنھیں وہ ازراہ ظلم حشویہ ❷ ہونے کا الزام دیتا ہے۔'' ❸

پھر ہمارے شیخ نے "الضعيفة" (۱/ ۸۱) کے حاشیہ میں حشویہ والی بات کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

میں نے دیکھا ہے کہ امام ابن ابی حاتم الرازی رحمہ اللہ "اصول السنة واعتقاد الدين" کتابچے کے آخر میں بیان کرتے ہیں:

''میں نے اپنے والد (اللہ ان سے راضی ہو) کو بیان کرتے ہوئے سنا: بدعتیوں کی علامت اہل اثر کی غیبت و مذمت کرنا اور زندیقوں کی علامت اہل اثر کو حشویہ کے نام سے موسوم کرنا ہے، وہ (اس

❶ قوسین کے درمیان اضافہ ہمارے شیخ الالبانی کی طرف سے ہے۔

❷ ظاہر پرست فرقہ جو جسمیت باری کا قائل ہے۔ (مترجم)

❸ دیکھیے: "مختصر العلو" (ص ۱٤، ۱٥، ۷۲، ۱٥٦، ۲٥٦)

طرح) آثار کو باطل کرنا چاہتے ہیں......''❶ اور وہ مفید کتابچہ ہے۔

۲۱: آباء و آراء کی اتباع سے سنت کی اتباع کرنا زیادہ ضروری ہے

حافظ نے فرمایا:

''ابن عمر رضی اللہ عنہما اس بارے میں اپنے باپ کی اتباع کرتے تھے، وہ احرام کے بعد خوشبو برقرار رکھنے کو ناپسند کیا کرتے تھے جیسا کہ عنقریب اس کا بیان ہوگا، جبکہ حضرت عائشہ ان کی اس بات (موقف) کو تسلیم نہیں کرتی تھیں، سعید بن منصور نے عبداللہ بن عبداللہ بن عمر کے طریق سے روایت کیا کہ حضرت عائشہ فرمایا کرتی تھیں: احرام کے وقت خوشبو لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں، انہوں نے کہا: میں نے ایک آدمی کو بلایا جبکہ میں ابن عمر کے پاس بیٹھا ہوا تھا، میں نے اسے ان (عائشہ رضی اللہ عنہا) کے پاس بھیجا، مجھے ان کا موقف معلوم تھا لیکن میں چاہتا تھا کہ میرے والد بھی اسے سن لیں! میرا قاصد میرے پاس آیا تو اس نے کہا: حضرت عائشہ فرماتی ہیں: احرام کے وقت خوشبو لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لہٰذا آپ اپنا موقف درست کرلیں، انہوں نے کہا: ابن عمر خاموش ہوگئے۔ اسی طرح سالم بن عبداللہ بن عمر اس بارے میں حضرت عائشہ کی حدیث کی وجہ سے اپنے والد اور اپنے دادا کی مخالفت کیا کرتے تھے، ابن عیینہ نے فرمایا: عمرو بن دینار نے سالم کے حوالے سے ہمیں بیان کیا کہ انہوں نے خوشبو کے بارے میں حضرت عمر کا فرمان ذکر کیا، پھر کہا: حضرت عائشہ نے فرمایا:...... پھر انہوں نے وہ حدیث ذکر کی، سالم نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی سنت زیادہ حق رکھتی ہے کہ اس کی اتباع کی جائے۔''

ہمارے شیخ الالبانی رحمہ اللہ نے مختصر صحیح البخاری (۱/۴۵۵)❷ (رقم ۷۳۳) میں فرمایا:

رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو اسی طرح ثابت کرنا چاہیے، اللہ ان والدین پر رحم فرمائے جنھوں نے ان جیسے بیٹے جانشین بنائے، جو رسول اللہ ﷺ کی سنت کو اپنے والدین کے اجتہاد پر مقدم رکھتے ہیں، کہاں یہ اور کہاں وہ جن پر کسی مسئلے میں صریح سنت بالکل واضح ہو جاتی ہے لیکن وہ پھر بھی اس کی اتباع نہیں کرتے اور وہ اس دلیل کی وجہ سے مسلک یا جمہور کی تقلید کو اس (سنت) پر ترجیح دیتے ہیں کہ وہ سنت کے متعلق ہم سے زیادہ معلومات رکھتے تھے۔ کیا حضرت عمر اور ان کے بیٹے عبداللہ بن عمر کے دونوں بیٹوں عبداللہ اور سالم سے سنت کو عموماً زیادہ نہیں جانتے تھے، تو پھر کس چیز نے انہیں اپنے باپ دادا کی مخالفت پر آمادہ کیا؟ کیا ان کا اعتقاد تھا کہ وہ دونوں (بیٹے) ان دونوں سے زیادہ عالم تھے؟ وہ دونوں اس (فکر) سے لاتعلق ہیں اور یہ ان کے ہاں صرف ثبوتِ سنت

---

❶ دیکھیں: "مختصر العلو" (ص: ۲۰۷) ابوحاتم الرازی کے حالاتِ زندگی، رقم: (۷۸).

❷ "مختصر البخاری" (۱/۳٦٦)، رقم: (۷٦۳)، ط: المکتب الاسلامی.

کی وجہ سے تھا اور ان دونوں کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اس کے علاوہ تمام امور میں اپنے باپ دادا سے زیادہ علم رکھتے ہیں، کیا مقلدین کو نہیں چاہیے کہ وہ اس سے عبرت حاصل کریں اور صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کی اتباع کریں؟

۲۲: اتباع خالص اللہ عزوجل کی محبت کی دلیل ہے

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (۳/ ۸۲) میں حدیث (۱۰۹۵) "یا ابا أمامة! إن من المومنین من یلین لي قلبه" کی شرح کرتے ہوئے فرمایا:

"یلین لی قلبه" کا معنی ہے: وہ (دل) مودت ومحبت کے ساتھ میری طرف میلان رکھتا ہے، واللہ اعلم۔

اور یہ کسی اور انسان کے بجائے صرف آپ ﷺ کی خالص اتباع ہی سے ممکن ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف اسی (اتباع) کو اپنی محبت کی دلیل قرار دیا، تو فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾

(آل عمران: ۳۱)

"کہہ دیجیے! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔"

کیا ان لوگوں کے لیے ابھی وقت نہیں آیا جو اپنی باتوں اور اپنے اشعار میں آپ ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس سچی محبت کو تھامنے کی طرف رجوع کریں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی محبت کی طرف پہنچانے والی ہے اور وہ اس شخص کی طرح نہ ہو جائیں، جس کے متعلق شاعر نے کہا ہے:

تَعْصِي الْاِلٰهَ وَاَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهُ
هٰذَا لَعَمْرُكَ فِي الْقِيَاسِ بَدِيْعُ
لَوْكَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَأَطَعْتَهُ
اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيْعُ

"تم اللہ (معبود) کی نافرمانی کرتے ہو اور تم اس کی محبت کا اظہار بھی کرتے ہو۔ تیری عمر کی قسم! یہ عقلاً بہت عجیب ہے۔ اگر تمہاری محبت سچی ہوتی تو تم اس کی اطاعت کرتے۔ کیونکہ محبت کرنے والا اپنے محبوب کا مطیع ہوتا ہے۔"

۲۳: جنازوں کی کثیر بدعات کے موقع پر مسلمان کیا کرے؟

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "احکام الجنائز" (ص ۱۷۔۱۸) اور "تلخیص الجنائز" (ص: ۱۰) میں فرمایا:

اس دور میں جبکہ بہت سے لوگ اپنے دین میں بدعت کا شکار ہو چکے ہیں، خاص طور پر ان مسائل میں جو کہ جنازے کے متعلق ہیں، تو پھر یہ واجب ہے کہ مسلمان وصیت کرے کہ اس کی تجہیز وتکفین اور تدفین سنت کے مطابق کی جائے، تاکہ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان پر عمل ہو سکے.

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ (التحريم: ٦)

''ایمان دارو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں، اس پر تند خو اور سخت مزاج فرشتے (داروغے) ہیں، اور اللہ نے انہیں جو حکم دیا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور انہیں جو حکم دیا جاتا ہے وہ اسے بجالاتے ہیں۔''

اسی لیے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اس کی وصیت کیا کرتے تھے، ہم نے ان سے جو آثار ذکر کیے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں...... [1]

مذکورہ بالا کے متعلق امام نووی رحمہ اللہ نے "الأذکار" میں بیان کیا:

''اس کے لیے تاکیدی طور پر مستحب ہے کہ وہ انہیں جنازے کے متعلق مروجہ بدعات سے بچنے کی وصیت کرے اور وہ اس کے متعلق عہد کی تاکید کرے۔''

۲۴: ان عبادات کے فضائل جن میں تعداد کی شرط ہے، ان میں اس تعداد کی پابندی کرنا ضروری ہے

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صحیح الترغیب والترھیب" (۲/۲۶) میں حدیث رقم (۱۱۳۹) جو کہ ہے:

"ومن طاف أسبوعا يحصيه، وصلى ركعتين، كان كعدل رقبة."

''جو گن کر طواف کے ساتھ چکر پورے کرے اور دو رکعات ادا کرے تو یہ ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔''

اس کا مطلب یہ ہے: جو شخص بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے صرف سات چکر لگاتا ہے وہ ان میں کوئی کمی بیشی نہیں کرتا۔ اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ وہ عبادات جن میں تعداد کی شرط ہے ان کی فضیلت یہی ہے کہ ان میں اس تعداد کی پابندی کرنا ضروری ہے، اس میں کسی کمی بیشی کی کوئی گنجائش نہیں، لہٰذا اس سے آگاہ رہیں۔

۲۵: وہ عبارت جس کے عمومی حکم پر عمل نہیں ہوتا رہا وہ سلف کی فقہ میں سے نہیں

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''ریاض الصالحین'' کی تحقیق کے دوران میں حدیث رقم (۲۵۰) کے تحت (ص ۱۳۶ پر) فرمایا، وہ درج ذیل ہے:

وہ عبارت جس کے عمومی حکم پر عمل نہیں ہوا وہ سلف کی فقہ میں سے نہیں، کیونکہ ہر بدعت، جسے بعض لوگ

---

[1] انہیں ''الجنائز'' (ص ۱۷۔۱۸) میں ملاحظہ فرمائیں۔

مستحسن قرار دیتے ہیں، وہ عموماً عام دلیل سے خالی نہیں ہوتی، جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں، اس بات کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، اس کے لیے ''الاعتصام'' اور اصول البدعْ کے متعلق دیگر کتب کی طرف رجوع کریں۔

۲۶: بدعات کی تفصیلات کے انکار میں یہ شرط نہیں لگائی جائے گی کہ وہ (انکار) ہمارے ہاں سلف میں سے کسی ایک سے صحیح اسناد سے منقول ہو

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الرد علی التعقیب الحثیث" میں (ص۵۴ پر) شیخ حبشی پر رد کرتے ہوئے اور تسبیح (جس پر گنتی کر کے ورد و ذکر کیا جاتا ہے۔ مترجم) کے بدعت ہونے میں اس سے سوال وجواب کے دوران میں فرمایا:

''.....کیا اہل علم و عقل کے ہاں بدعات کی تفصیلات کے انکار میں یہ شرط لگائی جائے گی کہ وہ ہمارے ہاں سلف میں سے کسی ایک سے صحیح اسناد کے ساتھ منقول ہو جس میں ایک ایک بدعت کا انکار کیا گیا ہو؟ جسے علم کی ہوا بھی لگی ہو وہ ایسی بات نہیں کر سکتا۔''

۲۷: عبادات میں بدعت، بدعت سیئہ ہے

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صلاۃ التراویح" میں (ص۲۵ پر) "مجالس الأبرار" کے مؤلف شیخ ملا احمد حنفی کا قول نقل کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:

''.....جس نے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے قول یا فعل کے حوالے سے کوئی نیا کام جاری کیا تو اس نے دین سازی کی جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا، تو معلوم ہوا کہ خالص بدنی عبادات میں ہر بدعت، بدعت سیئہ ہی ہے۔''

۲۸: اصول: عبادات کی ایسے اوقات اور ایسی جگہوں سے تخصیص نہیں کرنی چاہیے جن کا شریعت میں ذکر نہ ہو

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الثمر المستطاب" (۲/ ۵۷۵_۵۷۸) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درج ذیل حدیث "أَنَّهُ كَانَ يَأْتِي قُبَاءَ (كُلَّ سَبْتٍ) رَاكِبًا وَمَاشِيًا، (فَيُصَلِّي فِيهِ رَكْعَتَيْنِ)." [1] ''آپ (ہر ہفتے) سواری پر یا پیدل مسجد قباء آیا کرتے تھے (آپ وہاں (مسجد قبا میں) دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔)''

بیان کرنے کے بعد فرمایا:

اس حدیث میں.....اس کے مختلف طرق کی بنا پر.....بعض صالح اعمال بجالانے اور ان پر دوام اختیار کرنے کے لیے بعض ایام کی تخصیص کے جواز پر دلیل ہے، اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ تین مساجد کے علاوہ رخت سفر

[1] حدیث بخاری و مسلم کی ہے اس کی تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے: الثمر المستطاب: ۱/ ۵۷٤.

باندھنے کی ممانعت تحریم کے لیے نہیں، اس لیے کہ نبی ﷺ سواری پر مسجد قباء آیا کرتے تھے، اور انہوں نے تبصرہ کیا کہ آپ ﷺ کا مسجد قباء آنا محض انصار کے ساتھ تعلق بحال رکھنے، ان کے احوال اور ان کے آپ کے ساتھ جمعہ پڑھنے کے لیے نہ آنے کے متعلق معلوم کرنے کے لیے تھا، اور ہفتے کو خاص کرنے میں یہ راز ہے۔''

میں کہتا ہوں: اس کے مطابق یعنی آپ علیہ السلام کا ہفتے کے دن جانا مقصود بالذات نہ تھا، بلکہ مذکورہ حالات معلوم کرنے کی مصلحت کی خاطر تھا، اور اسی وجہ سے مسجد قباء کی زیارت کی فضیلت کے بارے میں تمام ایام برابر ہیں، کیونکہ تخصیص کے قصد کا وجود نہیں، پس القاری نے الطیبی کے حوالے سے "المرقاة" (١/ ٤٤٨) میں جو ذکر کیا ہے کہ ''ہفتے کے دن زیارت کرنا سنت ہے۔''

جس طرح چاہیے اس طرح نہیں۔ ❶

---

❶. مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے بعض علماء سے پڑھا کہ ان کا یہ موقف ہے کہ حدیث میں آپ ﷺ کے فرمان "کل سبت" سے مراد: ''ہر ہفتہ'' ہے جو سات دنوں کا ہوتا ہے، اور ہفتے کا دن (Saturday) مراد نہیں، اور انہوں نے اس کے لیے لغت سے دلیل لی جو اس وقت میرے ذہن میں ہے نہ مجھے یاد ہے کہ میں نے اسے کس کتاب میں پڑھا ہے، جسے مل جائے وہ اسے تحریر کر دے، تو جب یہ صحیح ہے تو پھر اس حدیث میں تخصیص کی کوئی دلیل نہیں۔ پھر مجھے اس کا پتہ چلا کہ امام ابوشامہ الشافعی نے اپنی کتاب "الباعث علی إنکار البدع والحوادث" میں اسے ذکر کیا۔ انہوں نے اس میں جو ذکر کیا ہے وہ ہمارے تخصیص کے عدم جواز کے موقف کے مطابق ہے، آپ اس میں ساری گفتگو پڑھ سکتے ہیں، آپ رحمہ اللہ نے (ص ۴۴ پر) فرمایا: ''ان عبادات کو اوقات کے ساتھ مختص نہیں کرنا چاہیے جنھیں شریعت نے مختص نہیں کیا، بلکہ نیکی کے تمام کام تمام اوقات میں بلا تخصیص و تقیید ہونے چاہئیں، عبادت کی جس نوع کو شریعت نے فضیلت و تخصیص دی ہے اس کے علاوہ کسی عبادت کو کسی اور عبادت پر فضیلت حاصل نہیں، معاملہ اگر یہ ہے تو وہی عبادت اسی فضیلت کے ساتھ مختص ہے کوئی دوسری نہیں، جس طرح کہ عرفہ اور عاشوراء کے دن کا روزہ، نماز تہجد اور رمضان میں عمرہ۔

اور کچھ ایسے اوقات ہیں جن میں شریعت نے تمام نیک اعمال کو فضیلت بخشی ہے، جس طرح کہ ذوالحجہ کے دس دن، شب قدر جو کہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے، یعنی اس میں عمل کرنا دیگر ہزار مہینوں میں، جن میں شب قدر نہ ہو، عمل کرنے سے بہتر ہے، لہٰذا اس میں کیا ہوا نیک عمل کسی دوسرے وقت میں اسی طرح کے کیے ہوئے نیک عمل سے بہتر ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ مکلف کو تخصیص کا منصب حاصل نہیں، بلکہ اس کا تعلق شارع سے ہے اور یہ نبی ﷺ کی عبادت کی خوبی تھی۔ پھر انہوں نے صحیحین میں حضرت عائشہ سے مروی روایت بیان کی کہ انہوں نے بیان فرمایا: رسول اللہ ﷺ (نفل) روزے رکھا کرتے تھے حتیٰ کہ ہم کہتے کہ آپ افطار (ناغہ) نہیں کریں گے اور آپ (نفل) روزے نہ رکھتے حتیٰ کہ ہم کہتے کہ آپ روزہ نہیں رکھیں گے، علقمہ کی روایت میں ہے، انہوں نے کہا: میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ کسی دن کی (کسی نیک عمل کے لیے) تخصیص کیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں آپ کا عمل مسلسل ہوتا تھا۔ پھر انہوں نے بیان کیا: ''محمد بن مسلمہ نے بیان کیا: تین مساجد کے بعد مسجد قباء کے علاوہ کسی اور مسجد کی فضیلت کا اعتقاد نہیں رکھنا چاہیے، انہوں نے کہا: انہوں نے اس کے لیے کسی خاص دن تیاری کر کے وہاں جانے کو ناپسند کیا ہے، کہ کہیں بدعت نہ ہو اور یہ کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ اسے یادگار بنالیں اور اس کا قصد کریں یا اسے فریضہ قرار دے لیں اور کسی بھی وقت وہاں جانے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ اس میں کوئی بدعت نہ آنے پائے۔

میں کہتا ہوں: یہ صحیح ثابت ہے کہ نبی ﷺ ہر ہفتے قباء آیا کرتے تھے، لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہر ہفتے اس کی زیارت کیا کرتے تھے اور "السبت" سے "اسبوع" (ہفتہ) کی تعبیر کی گئی ہے جس طرح اس سے جمعہ کی تعبیر کی گئی ہے اور اس کی مثال صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے جمعہ کے دن نبی کریم ﷺ کی دعاء استسقاء کے متعلق مروی روایت ہے، انہوں نے اس میں بیان کیا: اللہ کی قسم! ہم نے ہفتہ بھر سورج نہ دیکھا۔ واللہ اعلم۔'' (منہ)

اور اسی طرح حدیث سے تخصیص مذکور کے جواز پر استدلال کرنا بھی اچھا نہیں! البتہ یہ کہ اس سے مراد وہ تخصیص ہو جو مصلحت کی خاطر ہو نہ کہ کسی ایک دن کو دوسرے دن پر ترجیح کی خاطر ہو جس کے متعلق نبی ﷺ سے کوئی نص ثابت نہ ہو، اس کی مثال: تدریس یا لیکچر دینے کے لیے کسی دن کی تخصیص کرنا تا کہ لوگ اس روز اسے سننے کے لیے اکٹھے ہو جائیں، تو اس سے کوئی چیز مانع نہیں، کیونکہ وہ دن مقصود بالذات نہیں، اور اسی لیے کسی مصلحت کی خاطر وہ دن کئی بار بدلتا بھی رہتا ہے اور یہ بعض ایام کو بعض عبادات کے لیے مختص کرنے سے مختلف ہے کیونکہ اس میں یہ خیال ہوتا ہے کہ، ان ایام میں عبادت کرنا ان کے علاوہ دیگر ایام میں عبادت کرنے سے بہتر ہے، جس طرح دونوں عیدوں کی دونوں راتوں کو قیام و عبادت کے لیے مختص کرنا اور ان دونوں کے دنوں کو قبروں کی زیارت کے لیے خاص کرنا اور ربیع الاوّل کے مہینے کو رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کا قصہ پڑھنے کے ساتھ مختص کرنا، پس یہ سب اور اس طرح کی دیگر چیزیں بدعات و منکرات ہیں، انہیں ترک کرنا اور ان سے روکنا واجب ہے، اسی لیے جب نووی رحمہ اللہ نے ''شرح مسلم'' میں حدیث کے ساتھ تخصیص کے جواز پر استدلال کیا، تو انہوں نے کہا:

''ابن مسلمہ المالکی نے اسے ناپسند کیا ہے، ہوسکتا ہے کہ انہیں یہ احادیث نہ پہنچی ہوں۔''

میں کہتا ہوں: یہ بعید ہے اور زیادہ قریب بات یہ ہے کہ وہ احادیث ان تک پہنچی ہیں، لیکن وہ ان سے امام نووی اور دیگر کا موقف نہیں سمجھ سکے، انہوں نے وہ بیان کیا جو کہ مسئلہ میں...... ہمارے ہاں...... حق ہے، واللہ اعلم۔

ملحوظہ ......: شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے ''فتاویٰ'' (۶/۱۸۲) میں فرمایا:

''بعض متاخر علماء نے ذکر کیا کہ قبروں کی طرف سفر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اور انہوں نے دلیل لی کہ نبی ﷺ ہر ہفتے سواری پر یا پیدل قباء آیا کرتے تھے، اس میں ان کے لیے کوئی دلیل نہیں، کیونکہ قباء کوئی قبر نہیں، بلکہ مسجد ہے، اور صرف اسی کی طرف سفر کرنے (کے قصد) کی ممانعت پر ائمہ کا اتفاق ہے، اس لیے کہ یہ سفر مشروع نہیں، بلکہ اگر وہ اپنے اہل خانہ سے قباء کی طرف سفر کرے تو وہ جائز نہیں، لیکن اگر وہ مسجد نبوی کی طرف سفر کرے، پھر وہاں سے قباء جائے تو یہ مستحب ہے، جس طرح اہل بقیع اور شہداء احد کی قبروں کی زیارت مستحب ہے۔''

۲۹: بعض لوگوں کی کتاب و سنت کی طرف دعوت سے نفرت انگیزی اور ان بدعات سے بچاؤ جو ان دونوں (کتاب و سنت) کی مخالفت کرتی ہیں

ہمارے شیخ الالبانی رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (٦/ ٧٨١) کی حدیث رقم: ۲۸۲۳ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

میں کہتا ہوں:

اس حدیث میں صریح دلیل ہے کہ تفریق (فرقہ بندی) بذات خود مذموم نہیں، پس بعض لوگوں کی کتاب و

سنت کی طرف دعوت سے نفرت انگیزی اور ان بدعات سے بچاؤ جو ان دونوں کی مخالفت کرتی ہیں، یا یہ زعم و خیال کہ بعد میں اس کا وقت نہیں آیا اور یہ دعویٰ کرنا کہ وہ (دعوت) لوگوں کو متنفر کرتی اور انہیں فرقوں میں مبتلا کرتی ہے، یہ دعوت حق کے متعلق بہت بڑی جہالت اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی مخالفت اور اس کے متعلق زیادتی ہے جس طرح کہ ہر زمان و مکان میں ہوتا رہا ہے، اللہ کی اپنی مخلوق کے متعلق سنت و دستور یہی ہے، اور تم اللہ کی سنت و دستور میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔

﴿وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ٥ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ﴾ (ہود: ۱۱۸۔ ۱۱۹)

''اگر تیرا رب چاہتا تو وہ تمام لوگوں کو ایک امت بنا دیتا جبکہ وہ اختلاف کا شکار رہیں گے سوائے اس کے جس پر تیرا رب رحم فرمائے۔''

۳۰: سنی اور بدعتی کے درمیان مکالمہ

''مجلہ الاصالہ'' شمارہ ۱۸ سن ۱۴۱۸ھ سوال و جواب ص ۶۹۔۷۰ میں ہمارے شیخ رحمہ اللہ کو درج ذیل سوال بھیجا گیا: کیا اس مکالمے کے درمیان کوئی خصوصیات ہیں جو اہل السنہ کے درمیان اور اس خطاب کے درمیان ہوتا ہے جو سنی کی طرف سے کسی بدعتی کے ساتھ ہوتا ہے؟

اور وہ کیا ہیں؟

شیخ: اس میں کوئی شک نہیں کہ امتیازات کبھی ہوتے ہیں اور کبھی نہیں ہوتے، وہ مکالمہ جو خود اہل السنۃ کے درمیان ہوتا ہے اس کے درمیان اور اس کے درمیان جو ایک طرف سے اہل السنۃ اور دوسری طرف سے بدعتیوں کے درمیان ہوتا ہے، دونوں کے درمیان دائرہ امتیاز بالکل واضح ہے، یہ کہ وہ مفروض جس کے متعلق خود اہل السنہ کے درمیان مکالمہ و مناقشہ اور سوال و جواب ہوتے ہیں وہ تو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس فرمان: ﴿وَالْعَصْرِ ..... وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ کی قبیل سے ہوتے ہیں، پس اہل السنہ کے درمیان جو بھی مکالمہ اور مناقشہ ہوگا تو اس کے کلام کے جو سوتے پھوٹیں گے وہ لازی طور پر اس آیت ﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ (العصر: ۳) کے مثل سے ہوں گے۔

اور اسی طرح ہونا چاہیے کہ اہل السنہ کے درمیان معاملہ ایک جہت سے ہو اور سنت میں ان کی مخالفت کرنے والوں...... بدعتیوں ...... کے درمیان دوسری جہت سے ہو، لیکن خود اہل السنہ کے درمیان اور اہل السنہ اور بدعتیوں کے درمیان دوسری جانب سے اسلوب مختلف ہوتا ہے، جس وقت مکالمہ اور مناقشہ خود اہل السنہ کے درمیان ہوتا ہے تو پھر انھیں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ﴿رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ ''آپس میں رحم دل'' ملحوظ رکھنا چاہیے جو عام مسلمانوں کی

سرشت ہے، تاہم جس وقت مکالمہ و مناظرہ ان مسلمانوں میں سے اہل السنہ اور اہل بدعت کے درمیان ہوتا ہے تو پھر وہاں اسلوب میں کچھ شدت اور سختی ہوتی ہے۔ وہ اس بدعت کے ساتھ ان کی بدعت پر ملامت کرتا ہے، فرق یہی ہے کہ جب اہل السنہ ایک دوسرے سے مکالمہ کرتے ہیں تو وہ ایک جہت سے ہوتا ہے، اور جس وقت اہل السنہ بدعتیوں سے مناظرہ کرتے اور ان کا رد کرتے ہیں تو وہ دوسری جہت سے ہوتا ہے۔

لیکن ہمیں چاہیے کہ ان تمام امور میں ایک بات ملحوظ رکھیں کہ ہم اس کے ذریعے ایک گروہ کو دوسرے سے بہتر قرار نہ دیں، کسی ضرورت کی وجہ سے ایک کو چھوڑ کر دوسرے میں طعن نہ کریں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو مدنظر رکھیں:

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ﴾ (النحل: ۱۲۵)

''اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت سے دعوت دیں۔''

جس وقت سنی، سنی کو جواب دیتا ہے تو زیادہ تر اس طرح ہوتا ہے کہ اس جواب میں حکمت ودانائی کی پابندی نہیں کی جاتی بلکہ اس میں اس سے بھی زیادہ اہم چیز کی پابندی کرنی چاہیے، جس کی طرف ہمارے رب عزوجل نے اپنے اس جیسے فرامین میں اشارہ کیا ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (المائدة: ۸)

''کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر نہ اکسائے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔''

ایک دوسرے کو جواب دیتے ہوئے زیادہ تر شروع ہی میں برا اسلوب اختیار کرلیا جاتا ہے، یہ...... افسوس کی بات ہے...... اب دور حاضر میں ایسی صورت میں ظاہر ہوا ہے کہ ہم نہیں چاہتے تھے کہ ہم اسے دیکھیں، وہ سنی معاشرہ، جسے ہم سلفی معاشرہ کہتے ہیں، میں واقع ہوتا دیکھتے ہیں۔

میں اس سوال کا یہی جواب دے سکا ہوں۔

چہارم: بدعات اضافیہ

ہمارے شیخ الالبانی رحمہ اللہ نے "صحیح الترغیب والترھیب" (۱/۵۴۔۵۵) کے مقدمے میں فرمایا:
زیادہ تر بدعات عام بنیاد کے تحت شامل ہوتی ہیں، اس کے باوجود وہ غیر مشروع ہیں، اور یہ وہ ہیں جنہیں امام شاطبی رحمہ اللہ اضافی بدعات کا نام دیتے ہیں اور یہ بات واضح ہے کہ ضعیف حدیث انہیں شریعت ثابت کرنے کی سکت نہیں رکھتی۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الرد علی التعقیب الحثیث" (ص٤٨) میں بیان کیا:
شاطبی رحمہ اللہ نے (۲/۱۴۰) فرمایا:

"فصل: بدعات اضافیہ میں سے جو حقیقت کے قریب ہیں، یہ کہ عبادت بنیادی طور پر مشروع ہو، الاّ یہ کہ اسے اپنی شرعی بنیاد سے بلادلیل خارج کیا گیا ہو، اس وہم سے کہ وہ دلیل کے مقتضی کے تحت اپنے اطلاق پر باقی ہے، اور یہ کہ اس کے مطلق ہونے کو رائے کے ساتھ مقید کیا جائے یا اس کے مقید ہونے کو مطلق قرار دیا جائے۔"

پھر انہوں نے اس کی وضاحت کے طور پر بہت زیادہ مقید مثالیں بیان کی ہیں، تو جو شخص اس اہم بحث کی تفصیل چاہتا ہے وہ اس کا مطالعہ کرے اور اسی طرح ہمارے شیخ نے بھی "الضعیفة" (٥/ ٥، ٣٨٠) میں بدعت اضافیہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

پنجم: بدعت کی معرفت میں قواعد واساس

ہمارے شیخ علامہ البانی رحمہ اللہ نے ''احکام الجنائز'' (ص ۳۰۶) اور ''تلخیص الجنائز'' (ص:۹۶) میں فرمایا:
شارع کی طرف سے جس بدعت کو گمراہی قرار دیا گیا ہے وہ درج ذیل ہے:

ا: وہ تمام اقوال، افعال یا عقائد جو سنت کے خلاف ہوں، خواہ وہ اجتہاد کی وجہ سے ہوں۔

ب: ہر وہ کام جس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہو۔

ج: ہر کام کا مشروع ہونا دلیل یا توقیف سے ممکن ہوتا ہے اور اس (امر) پر کوئی دلیل نہ ہو تو وہ بدعت ہے، مگر وہ عمل جو کسی صحابی کی طرف سے ہو اور اس نے یہ عمل بار بار کیا ہو اور کسی نے اس پر اعتراض نہ کیا ہو۔

د: کفار کی عادات جنہیں عبادت کے ساتھ چمٹا دیا گیا ہو۔

ہ: بعض علماء نے جس کے استحباب کی صراحت کی ہو...... بالخصوص متاخرین نے...... جبکہ اس پر کوئی دلیل نہ ہو۔

و: ہر عبادت جس کی کیفیت کسی ضعیف یا موضوع روایت میں بیان ہوئی ہو۔

ز: عبادت میں غلو۔

ح: ہر عبادت جسے شارع نے مطلق رکھا ہو اور لوگوں نے بعض شرائط سے اسے مقید کر دیا ہو جس طرح مکان و زمان یا صفت یا عدد کی قید۔

ہمارے شیخ نے جو ''احکام الجنائز'' (ص ۳۰۶) میں فرمایا ہے، اس کی انہوں نے "البدعة المنصوص علی ضلالتها من الشارع" کے عنوان کے تحت حجۃ النبی ﷺ (ص ۱۰۲-۱۰۳) میں توثیق کی ہے کہ بدعات کا مرجع چار امور ہیں، [1] انہوں نے فرمایا:

اوّل......: ضعیف احادیث سے دلیل لینا جائز نہیں اور نہ انھیں نبی ﷺ کی طرف منسوب کرنا جائز ہے [2] اور ہمارے نزدیک اس جیسی باتوں پر عمل کرنا جائز نہیں، میں نے اسے "صفة صلاة النبی ﷺ" کے مقدمے میں بیان کیا ہے اور اہل علم کے ایک گروہ ابن تیمیہ ودیگر کا یہی موقف ہے۔

---

[1] پہلے تین امور تو احکام الجنائز (ص:۳۰۶) میں شیخ کے بیان کردہ امور سے تقریباً مطابق ہیں۔ چوتھا ان سے زیادہ ہے۔ اس مطابقت کے ساتھ ساتھ، اس اہم مسئلے یعنی مرجع بدعات سے متعلق، شیخ رحمہ اللہ کے نظریے کے مطابق، ہم نے کچھ درج کرنے کی کوشش کی ہے۔

[2] دیکھئے: صحیح الترغیب والترھیب (ص: ٥٤) کا مقدمہ، ط: المعارف.

دوم ......: موضوع احادیث یا وہ جن کی کوئی اصل ہی نہیں، بعض فقہاء پر ان کا معاملہ مخفی رہا، تو انہوں نے ان پر احکام کی بنیاد رکھی۔ وہ بدعات اور نئے نئے امور کی بنیاد ہے۔

سوم ......: اجتہادات و استحسانات جو بعض فقہاء بالخصوص متاخرین سے صادر ہوئے۔ انہوں نے انہیں اپنی سی شرعی دلیل کے ساتھ مضبوط و مستحکم نہیں کیا، بلکہ انہوں نے انہیں مسلم امور کے طور پر بیان کر دیا حتیٰ کہ سنن کے طور پر ان کی پیروی کی جانے لگی۔

دینی بصیرت رکھنے والے شخص پر یہ مخفی نہیں کہ یہ ان امور میں سے ہیں جن کی اتباع کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ شرعی حکم وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شرعی قرار دیا ہے، اگر مستحسن مجتہد ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ جسے مستحسن قرار دے رہا ہے اس پر عمل کرے اور یہ کہ اللہ اس پر اس کا مؤاخذہ نہیں کرے گا، رہا یہ کہ لوگ اسے شریعت اور سنت قرار دے لیں تو اس کی قطعاً اجازت نہیں یہ کس طرح ہوسکتا ہے جبکہ ان میں سے بعض عملی سنت کے مخالف ہیں۔

چہارم ......: عادات و خرافات جن کی شریعت میں دلیل ہوتی ہے نہ اس کے لیے عقل گواہی دیتی ہے، اگرچہ بعض جاہلوں نے ان پر عمل کیا اور انہیں اپنے لیے شریعت بنالیا اور انہوں نے علم کا دعویٰ کرنے والے اور ان جیسی ہیئت اختیار کرنے والے کسی شخص (سے دریافت کرنے) کا نہیں سوچا جو ان کی تائید کرے خواہ اس کے کسی حصے کی۔

ششم: سنگینی کے حوالے سے بدعات میں فرق ہے تاہم چھوٹی بڑی تمام بدعات حرام ہیں

ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے "حجة النبی ﷺ" (ص:۱۰۳) میں فرمایا:

پھر یہ معلوم ہونا چاہیے کہ بدعات اپنی سنگینی کے اعتبار سے ایک جیسی نہیں ہیں، بلکہ ان کی درجہ بندی ہے، ان میں سے بعض شرک اور صریح کفر ہیں۔ جبکہ بعض اس سے کم درجہ کی ہیں، لیکن ضروری ہے کہ ہمیں یہ معلوم ہو کہ سب سے چھوٹی بدعت جسے آدمی اس کے بدعت ہونے کے واضح ہوجانے کے بعد بھی دین میں لائے تو وہ حرام ہے، بدعات میں...... جیسا کہ بعض کا خیال ہے...... ایسی نہیں ہیں کہ وہ صرف مکروہ کے درجہ میں ہوں، یہ کس طرح ہوسکتا ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔" [1]

اس سے مراد بدعتی شخص کا انجام ہے۔ امام شاطبی رحمہ اللہ نے اپنی عظیم کتاب "الاعتصام" میں اس کی مکمل تحقیق پیش کی ہے۔

بدعت کا معاملہ تو بہت ہی سنگین ہے، بہت سے لوگ اس معاملے میں غفلت میں ہی رہتے ہیں، اہل علم کا صرف ایک گروہ ہی اس کی معرفت رکھتا ہے۔ بدعت کی سنگینی کے متعلق دلیل کے طور پر آپ ﷺ کا یہ فرمان ہی آپ کے لیے کافی ہے:

"اللہ ہر بدعتی سے توبہ روک لیتا ہے (وہ بدعتی کو توبہ کی توفیق نہیں دیتا) حتیٰ کہ وہ اپنی بدعت چھوڑ دے۔"

(اسے طبرانی نے اور ضیاء المقدسی نے "الاحادیث المختارۃ" میں اور دیگر نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، جبکہ منذری نے اسے حسن قرار دیا ہے)۔

---

[1] مسلم، الجمعة، تخفیف الصلاۃ والخطبة، ح: ۸۶۷۔ نسائی، العیدین، کیف الخطبة، ح: ۱۵۷۹۔ ابن ماجه، المقدمة، اجتناب البدع والجدل، ح: ٤٥ (شہباز حسن)

ہفتم: چھوٹی بدعات کو عادت بنالیا جائے تو وہ بڑی بدعات کا روپ دھار لیتی ہیں، امام بربہاری کی سنہری نصیحت

ہمارے شیخ نے اپنی کتاب "حجة النبی ﷺ" (ص ۱۰۳۔۱۰۴) اوّل مسلمان علماء میں سے امام کبیر، شیخ حسن بن علی البربہاری، جو کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (م ۳۲۹ھ) کے اصحاب میں سے ہیں، کی نصیحت کے ساتھ ختم کی، شیخ البربہاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

> ''چھوٹی بدعات سے بچو، کیونکہ چھوٹی بدعات بار بار کرنے سے بڑی بن جاتی ہیں، اسی طرح اس امت میں جو بھی بدعت جاری ہوئی اس کا آغاز چھوٹی بدعت سے ہوا اور وہ حق سے مشابہت رکھتی تھی، اسے اپنانے والا اس سے دھوکا کھا گیا، پھر وہ وہاں سے نکل نہ سکا، وہ بڑی ہوگئی اور دین کا حصہ بنا دی گئی، غور کریں...... اللہ آپ پر رحم فرمائے...... آپ خاص طور پر اپنے دور کے لوگوں سے جو بھی سنیں تو جلدی نہ کریں اور اس میں سے کسی چیز کو نہ اپنائیں حتیٰ کہ آپ یہ پوچھ گچھ اور تحقیق کرلیں کہ کیا اس کے متعلق اصحاب رسول ﷺ یا علماء میں سے کسی نے اس کی تعریف کی ہے، اگر آپ کو ان کی طرف سے کوئی روایت مل جائے تو اسے تھام لیں، اس پر عمل کریں اور کسی طور پر اس سے تجاوز نہ کریں، اور کسی چیز کو اس پر ترجیح نہ دیں ورنہ آپ جہنم میں چلے جائیں گے اور جان لیں...... اللہ آپ پر رحم فرمائے...... کسی بندے کا اسلام مکمل نہیں ہوتا حتیٰ کہ وہ اتباع کرنے والا، تصدیق کرنے والا، اطاعت گزار ہوجائے، تو جو شخص یہ کہے کہ اسلام کے احکام میں سے کوئی چیز باقی رہ گئی ہے جسے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے ہم تک پورا پورا نہیں پہنچایا تو اس نے ان کی تکذیب کی۔ یہ تفرقہ ہے اور ان (صحابہ) پر طعن ہے، ایسا شخص بدعتی گمراہ اور گمراہ کن ہے، اسلام میں ایسی چیزیں ایجاد و جاری کرنے والا ہے جو اس (اسلام) میں نہیں ہیں۔'' [1]

---

[1] طبقات الحنابلة لابن ابی یعلی (۲/۱۸۔۱۹)۔ (منہ)

فصل: بدعت حسنہ

اوّل: اسلام میں کوئی بدعت حسنہ نہیں
دوم: عبادات میں بدعت اور دین میں استحسان کو بدعت حسنہ کا نام دینا بھی بدعات کے زمرے میں آتا ہے
سوم: بدعت حسنہ دین میں سے نہیں ہے

بدعت حسنہ

العز بن عبدالسلام رحمہ اللہ نے "المساجلة" (ص:۸) میں فرمایا:

"...... اور اسی طرح ہر وقت اور ہر موقع پر نماز روزے کے ذریعے اللہ عزوجل کا قرب حاصل نہیں کیا جاتا، بسا اوقات جاہل ایسے عمل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں جو اس سے دور کرتا ہے جبکہ انہیں شعور بھی نہیں ہوتا۔"

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "المساجلة" (ص:۸) کے حاشیہ میں اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف رحمہ اللہ بدعت حسنہ کا وہ مفہوم نہیں لیتے جو متاخرین کے ہاں مروج ہے اور وہ ایسی چیز کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے جسے اللہ نے کسی دلیل کے ساتھ مشروع نہیں کیا کہ اس کی بنیاد مشروع ہے۔

اوّل: ......اسلام میں کوئی بدعت حسنہ نہیں

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "ضعیف الترغیب والترھیب" (۴۱/۱) میں حدیث (رقم:۴۲) "......جس نے کوئی گمراہ کن بدعت جاری کی اللہ اور اس کے رسول اس (بدعت) کو پسند نہیں فرماتے۔" [1] کے تحت فرمایا:...... اسی لیے بعض بدعتیوں نے اسے تھام لیا اور اس کے مفہوم سے استدلال کیا کہ اسلام میں بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے جسے اللہ اور اس کے رسول پسند فرماتے ہیں! تو اسے کہا جائے گا۔

"پہلے اصل ثابت کرو پھر بحث کرو۔"

اور ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے "الادب المفرد" میں ابوایوب انصاری کی روایت (رقم ۶۹۱) [2] کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہا: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ......" پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

پھر یہ کہ ابوایوب کی روایت میں بدعت حسنہ کے نام سے دین میں بدعت سازی کے جواز کی کوئی دلیل نہیں،

---

[1] ہمارے شیخ نے اس حدیث کو سخت ضعیف قرار دیا ہے، کیونکہ اس کا راوی شدید ضعیف ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ حدیث کے ان الفاظ کا کوئی شاہد نہیں۔

[2] "صحیح الادب المفرد" (ص ۲۵٦-۲۵۷) رقم (۵۳٤/٦۹۱).

جیسا کہ بعض جہلاء کا خیال ہے، اور اس کی بہت سی وجوہات ہیں، جنہیں اب بیان کرنے کا موقع نہیں، ان میں سب سے اہم یہ ہے: کہ اس میں جو الحمد مذکور ہے اس کی شرعیت آپ ﷺ کے اسے برقرار رکھنے کی وجہ سے معلوم ہوئی ہے، یہ بات خوب ظاہر ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس آدمی نے آپ کی کسی دعا میں اسے آپ ﷺ سے سنا ہو، تو آپ ﷺ نے اسے اس کی فضیلت بیان کی ہو، اور یہ بات درست ہونے کے زیادہ قریب ہے۔

دوم:...... دین میں سے استحسان اور عبادات میں بدعت سازی کا نام بدعت حسنہ رکھنا بھی بدعات کے زمرے میں آتا ہے

حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے اپنے رسالے "كلمة الاخلاص وتحقيق معناها" (ص:۲۱) میں فرمایا:

یہ سب قلبی عمل کی طرف اشارہ ہے، اور شہادتین کے معنی کا اثبات ہے، "لا الـه الا الله" کہنے کا اثبات یہ ہے کہ محبت، امید، خوف، توکل، استعانت، خضوع، انابت اور مانگنے کے حوالے سے دل اسے اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف مائل نہ کرے اور محمد اللہ کے رسول ہیں کا اثبات یہ ہے کہ اللہ کی صرف اسی طرح عبادت کی جائے جس طرح اللہ نے محمد ﷺ کی زبانی مشروع قرار دیا ہے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "كلمة الاخلاص" مقالے کے (ص ۲۱ پر) حاشیے میں حافظ ابن رجب رحمہ اللہ کے کلام کے آخری جملے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

اور یہ تب ہی ہوسکتا ہے کہ بدعت حسنہ کے نام سے دین میں استحسان اور عبادات میں بدعت سازی کا دروازہ بند کردیا جائے، کیونکہ بذات خود یہ نام بھی بدعات کے زمرے میں آتا ہے۔ نیز یہ کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا انجام جہنم میں ہے" اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعيفة" (۲/ ۱۷) میں حدیث رقم (۵۳۳) کے تحت فرمایا:

دنیا کے عجوبوں میں سے ہے کہ بعض لوگ اس حدیث سے اس پر دلیل لیتے ہیں کہ دین میں بدعت حسنہ بھی ہے اور اس کے حسنہ ہونے پر دلیل یہ ہے کہ مسلمان اسے بار بار کرتے ہیں اور یہ امر معلوم ہے کہ جس وقت بھی مسئلہ کھڑا ہوتا ہے تو یہ لوگ جلدی سے اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، اور انہیں یہ نہیں معلوم کہ یہ حدیث تو موقوف ہے۔ قطعی دلائل کے خلاف اس (موقوف) حدیث سے دلیل لینا جائز نہیں کیونکہ آپ ﷺ سے صحیح سند

---

[1] اس حدیث کی عبارت یہ ہے: "مَا رَأَى الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ" "جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھی ہے۔" یہ روایت ابن مسعود پر موقوف صحیح ہے۔ جیسا کہ ہمارے شیخ نے اوپر درج کردہ مصدر میں فرمایا ہے۔ اس اثر (روایت) کی مزید تشریح اور تفصیلی بیان "بدعت سے متعلق احادیث وآثار کی تشریح" والی فصل میں آئے گا۔

سے ثابت ہے کہ کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ''ہر بدعت گمراہی ہے۔''

سوم:...... بدعت حسنہ دین میں سے نہیں

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنے مقالے ''صلاۃ التراویح'' (ص۲۴۔۲۵) میں فرمایا:

''مجالس الابرار'' کے مؤلف شیخ ملا احمد رومی حنفی نے جو فرمایا، اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

''ابتدائی دور میں کسی کام کا نہ کرنا یا تو اس کی عدمِ حاجت یا کسی مانع کے پائے جانے یا آ گاہ نہ ہونے یا سستی یا کراہت یا عدم مشروعیت کی وجہ سے ہوسکتا ہے۔ پہلی دو صورتیں (عدم حاجت اور مانع کا پایا جانا) خالص بدنی عبادات میں نہیں ہوسکتیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تقرب کی حاجت وضرورت ختم نہیں ہوتی اور ظہور اسلام کے بعد اس سے کوئی مانع بھی نہ تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آ گاہ نہ ہونے کا اور سستی و کاہلی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، یہ تو بہت ہی برا گمان ہے جو کفر تک پہنچا دیتا ہے، پس اس کا سیئہ غیر مشروع ہونا ہی باقی بچتا ہے، اسی طرح اس شخص کے متعلق کہا جائے گا جو خالص بدنی عبادات اس طریقے سے کرتا ہے جو صحابہ کرام کے دور میں نہیں تھا، جب بدعتی کا کام عبادت سے متعلق ہو تو وہ اس کے بدعت حسنہ ہونے کا تقاضا کرتا ہے، جب عبادات میں بدعت مکروہ پائی جائے، جب فقہاء نے صلاۃ الرغائب اور اس کی جماعت، تقریروں اور اذان میں طرح طرح کی سریں، رکوع میں قرآن پڑھنا، جنازے کے آگے آگے بلند آواز سے ذکر کرنا اور ان جیسی دیگر چیزوں کو منکر بدعات قرار دیا، جس نے اس کے حسنہ ہونے کے متعلق کہا، اسے کہا جائے گا: جس کا حسنہ ہونا شرعی دلائل سے ثابت ہو وہ بدعت نہیں ہے، لہٰذا ''کل بدعة ضلالة'' میں اور حدیث ''مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ'' ''جس نے کوئی عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہ ہو تو وہ مردود ہے۔'' میں عام کا عموم اپنے حال پر باقی رہتا ہے اور وہ اس عام سے مخصوص ہوگا اور العام المخصوص حجت ہے سوائے خاص (استثنا) کے، جس نے بدعت خاص ہونے کا دعویٰ کیا وہ اس دلیل کا محتاج ہے جو کتاب یا سنت یا اہل اجتہاد کے اجماع سے ہو اور تخصیص کے لیے درست ہو، عوام اور اس بارے میں اکثر علاقوں کے رسم و رواج کی کوئی حیثیت نہیں۔ تو جس نے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے قول یا فعل کے حوالے سے کوئی نئی چیز جاری کی تو اس نے دین میں ایسا کام کیا جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا، تو معلوم ہوا کہ خالص بدنی عبادات میں ہر بدعت سیئہ ہے [1]

اور انہوں نے ''الضعیفة'' (۱۴/ ۲۵) میں حدیث (۶۵۰۹) کے تحت ''فتح الباری''

---

[1] ''الابداع فی مضار الابتداع'' للشیخ علی محفوظ (ص۲۱۔۲۲) یہ کتاب بہت زبردست ہے، جو شخص دین میں بدعت کی حقیقت جاننا چاہتا ہے اسے یہ کتاب پڑھنی چاہیے۔ اسی لیے یہ کتاب الازہر (یونیورسٹی) میں الوعظ والخطابہ کے شعبہ میں پہلے اور دوسرے سال کے نصاب میں رکھی گئی ہے۔ (منہ)

(۱۰/ ۲۷۵) میں ابن حجر رحمہ اللہ کے کلام کے بعد فرمایا: ''یہود کے قصے سے استشہاد اس وقت درست تھا جب سبز رنگ کی شال کندھوں پر ڈالنا ان کے شعائر میں سے تھا، اس دور میں وہ ختم ہو چکا، لہٰذا وہ مباح کے عموم میں داخل ہو گیا، ابن عبدالسلام نے اسے مباح بدعت کی مثالوں میں ذکر کیا ہے۔'' انہوں نے جو کہا وہ یہ ہے:

''میں کہتا ہوں: انہوں نے جو ''مباح بدعت'' کہا تو ہو سکتا ہے کہ وہ لغوی بدعت مراد لیتے ہوں، کیونکہ شرعی بدعت کو مباح یا حسنہ نہیں کہا جا سکتا، بلکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق ساری کی ساری ''ضلالہ'' (گمراہی) ہیں۔ اس کی وضاحت اس کے موقع ومحل پر کی گئی ہے۔ اور اسے لغوی بدعت قرار دینا محل نظر ہے، جیسا کہ آثار سلفیہ میں بیان ہوا، تو ظاہر ہے کہ ابن عبد السلام ان سے آگاہ نہیں ہو سکے، جیسا کہ الحافظ نے اس میں سے کچھ بھی ذکر نہیں کیا، اور یہ ان کی عجیب وغریب باتوں میں سے ہے۔''

فصل: فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل

فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل

ہمارے لیے یہ کہنا جائز ہوگا کہ ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ اپنے ہم عصر علماء میں سے اس قاعدے کے متعلق، جو کہ مختلف فیہ ہے، سب سے زیادہ آگاہ تھے، وہ قاعدہ جس کے متعلق خاص لوگوں میں سے زیادہ تر یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ مسلم قاعدوں میں سے ہے، وہ اختلافی نہیں، وہ امام نووی کے نقل کرنے پر اعتماد کرتے ہوئے یہ موقف رکھتے ہیں، جنھوں نے اپنی زیادہ تر کتابوں میں اس پر اتفاق نقل کیا ہے۔ [1]

شیخ رحمہ اللہ نے اپنے بہت سے رسالوں اور کتابوں میں اس پر متنبہ کیا ہے کہ اس قاعدے پر عمل کرنا جائز نہیں، کیونکہ فضائل اعمال شریعت ہیں یا کسی بھی چیز کا استحباب جو ضعیف حدیث پر مبنی ہو، کیونکہ استحباب شرعی حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب اسی چیز سے حاصل ہوتا ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں واضح کیا یا وہ اس کے رسول ﷺ کی سنت سے صحیح ثابت ہو اور احکام شرعیہ ...... جیسا کہ شوکانی نے فرمایا ...... برابر ہیں، جب ضعیف احادیث، اور وہ بڑی تعداد میں سے تھوڑی ہیں، ان میں سے اکثر بدعات اور گمراہیوں کی جڑ ہیں اور وہ ثابت شدہ دلائل کی مخالفت کے اسباب میں سے ہیں۔" [2] ہم نے اس اہم باب میں اس مسئلے کے لیے شیخ کے تمام کلام کو ابواب التأصیل میں سے دیکھا ہے۔

اور شیخ رحمہ اللہ نے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا، اس قاعدے کا ذکر کیا، اسے جھٹلایا اور درج ذیل مصادر میں اس کے متعلق وسیع پیمانے پر بیان کیا:

۱: "صحیح الترغیب والترهیب" کا مقدمہ (۱/۴۷۔۶۶) ط: المعارف۔

۲: "تمام المنة" (ص۳۴۔۴۰)

۳: مقدمة "صحیح الجامع" (ص۴۹۔۵۶).

انہوں نے اس مسئلہ کی طرف "الضعیفة" (۱/۴۷۱، ۴۹۲، ۶۵۱، ۲/۶۵، ۱۵۲، ۲۶۴)، "ضعیف سنن ابی داود" (۱/۲۴۷۔۲۴۸، ط: غراس)، "الصراط المستقیم رسالة فیما رواہ الثقات الأثبات فی لیلة النصف من شعبان" (ص۹۔۱۰) کی تخریج، "أحکام الجنائز" (ص۱۹۴۔۱۹۸)۔ ط: المعارف، "الکلم الطیب" (ص۵۲۔۵۴) [3] کی تخریج۔ ط: المعارف، "الثمر المستطاب" (ص۲۱۷۔۲۱۹) اور

---

[1] دیکھیں: "تمام المنة" (ص ۳٤) وغیرہ۔ [2] "بدعة التعصب المذهبی" ص ۱۵۳.

[3] (ص۱٤۔۱٦)۔ ط: المکتب الاسلامی.

"حجة النبی ﷺ" (ص ۱۲۷-۱۲۹) میں اشارہ کیا ہے۔ اس مسئلہ کی تمام تفصیلات کا احاطہ کرنا ان کا مقصود نہ تھا۔

شرع میں فضائل کی احادیث اور احکام کی احادیث میں کوئی فرق نہیں

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الکلم الطیب" (ص ۵۲-۵۴) میں اپنی تحقیق وتخریج کے مقدمے میں فرمایا:

ہم ضعیف حدیث کا ضعف بیان کرنے کے بغیر اسے روایت کرنے میں تساہل نہیں برتتے اور اس بارے میں ہمارے نزدیک احکام کی احادیث اور فضائل کی احادیث کے درمیان کوئی فرق نہیں کیونکہ وہ سب (احکام وفضائل) شریعت ہیں، یہ بات اہل علم پر مخفی نہیں کہ اس کتاب میں وارد ضعیف احادیث مثلاً، ان کی دلالت سے استحباب کا فائدہ ہوتا ہے جو دعاؤں اور اذکار کو متضمن ہیں اور جس نے بھی انہیں ذکر کیا ہے وہ اسی لیے ذکر کیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ استحباب ایک شرعی حکم ہے اور وہ بالاتفاق ثابت شدہ دلیل ہی سے ثابت ہوتا ہے، [1] لہٰذا ضعیف حدیث کے ساتھ فضائل کا اثبات کس طرح کیا جاسکتا ہے۔

اور یہ رائے ہی مؤلف ...... رحمہ اللہ تعالیٰ ...... کا موقف ہے، ہوسکتا ہے کہ اس سے متعلق ہمیں آگاہ کرنے کا سہرا اللہ تعالیٰ کے بعد انہی کے سر ہو، انہوں نے "القاعدة الجلیلة" میں (ص:۹۷) پر فرمایا:

"شریعت میں ضعیف احادیث، جو کہ صحیح ہیں نہ حسن، پر اعتماد کرنا جائز نہیں، لیکن علماء میں سے احمد بن حنبل اور دیگر علماء نے جائز قرار دیا ہے کہ فضائل اعمال میں روایت کی جائے جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ وہ ثابت ہے، جب یہ معلوم نہ ہو کہ وہ جھوٹ ہے اور یہ کہ وہ عمل جب معلوم ہوجائے کہ وہ شرعی دلیل کے ساتھ مشروع ہے، اور اس کی فضیلت کے متعلق حدیث روایت کی جائے اور معلوم نہ ہو کہ وہ جھوٹ ہے، جائز ہے کہ وہ ثواب درست ہو، اور ائمہ میں سے کسی نے بھی نہیں کہا کہ کسی چیز کو ضعیف حدیث کے ساتھ واجب یا مستحب قرار دینا جائز ہے اور جس نے یہ کہا تو اس نے اجماع کی مخالفت کی اور یہ اسی طرح ہے جس طرح شرعی دلیل کے بغیر کسی چیز کو حرام قرار دینا جائز نہیں، لیکن جب اس کی حرمت معلوم ہوجائے اور اس کے فاعل کی وعید کے بارے میں حدیث روایت کی جائے، اور معلوم نہ ہو کہ وہ جھوٹ ہے تو اسے روایت کرنا جائز ہے، تو اسے ترغیب وترہیب میں روایت کرنا جائز ہے جب معلوم نہ ہو کہ وہ جھوٹ ہے، لیکن اس بارے میں جو معلوم ہو کہ اللہ نے اس کے متعلق اس مجہول الحال حدیث کے علاوہ کسی دوسری دلیل سے ترغیب دی ہے یا اس سے ڈرایا ہے۔"

شیخ علی بن عروہ نے "الکواکب" (۲/ ۷۸/ ۱) میں فرمایا اور انہوں نے "صلاة التسبیح" کے

---

[1] ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "ضعیف سنن ابی داود" (۱/ ۲٤۷) میں فرمایا: "استحباب ایک شرعی حکم ہے۔ اس کے لیے قابل حجت دلیل کا ہونا ضروری ہے اور ضعیف حدیث سے کوئی بھی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا۔"

بارے میں علماء کے موقف ذکر کیے:

''اور شیخ ابومحمد المقدسی نے فرمایا: اس میں کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ فضائل کے لیے روایت کے صحیح ہونے کی شرط نہیں لگائی جاتی۔ یہ ان کا قول ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے فرمایا:

''ضعیف خبر (روایت) پر عمل، اس معنی میں کہ آدمی اس ثواب کی امید رکھتا ہے یا اس عقاب (سزا) سے ڈرتا ہے، اس کی مثال اسرائیلی روایات اور خوابوں کے ذریعے ترغیب و ترہیب، اور محض اس طرح کے امور کے ساتھ شرعی حکم کا اثبات جائز ہے نہ استحباب اور نہ کوئی اور چیز، لیکن اسے ترغیب و ترہیب میں ذکر کرنا جائز ہے، اس میں جو شرعی دلائل کے ساتھ اس کا حسن و قبح معلوم ہو، کیونکہ وہ مفید ہے مضر نہیں اور ثواب و عقاب کے حساب سے اعتقاد اس کا موجب ہے، شرعی دلیل پر توقف کیا جائے گا۔''

میں کہتا ہوں: یہ وہ چیز ہے جو مصنف رحمہ اللہ نے ان نصوص میں بات مکمل کی ہے، کہ ضعیف حدیث کے ساتھ کسی شرعی حکم کا اثبات جائز نہیں وہ مستحب ہو یا اس کے علاوہ کچھ اور، وہ حق ہے جس کے علاوہ اور موقف ہمارے نزدیک جائز نہیں، اور اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فضائل کی احادیث اور احکام کی احادیث کے درمیان کوئی فرق نہیں، اس کو روایت کرنے میں عدم تساہل مگر اس کے ثبوت کی تحقیق کے بعد، یا اس کے عدم ثبوت کے بیان کے ساتھ، خواہ وہ اس کی طرف اشارے کے ساتھ ہو، جس طرح مؤلف نے اس کتاب کی بعض احادیث کے بارے میں کیا ہے، اور محقق علماء کی کثیر تعداد کا یہی موقف ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر، امام شوکانی، علامہ صدیق حسن خاں اور شیخ احمد شاکر اور دیگر کا موقف ہے۔ اب ان کے اقوال ذکر کرنے کا موقع نہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ کسی دوسری جگہ انہیں ذکر کیا جائے گا۔

میں اس بحث کو امام شوکانی رحمہ اللہ کی مختصر سی بات کے ساتھ سمیٹتا ہوں، انہوں نے فرمایا:

''شرعی احکام برابر ہیں ان کے درمیان کوئی فرق نہیں، ان میں سے کسی چیز کو ایسی چیز کے بغیر مشہور کرنا جس کے ساتھ حجت قائم نہ ہوتی ہو جائز نہیں، ورنہ پھر وہ اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے جو اس نے نہیں کہا اور اس جرم کی جو سزا ہے وہ معلوم ہے۔''

ہمارے شیخ نے اپنی قیمتی کتاب "الثمر المستطاب" (۱/ ۲۱۷۔۲۱۹) میں فرمایا:

امام نووی رحمہ اللہ نے "المجموع" (۳/۱۲۲) میں فرماتے ہیں کہ ''وہ حدیث ضعیف ہے، [1] کیونکہ وہ آدمی

---

[1] اور وہ حدیث یہ ہے: بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہنا شروع کی، جب انہوں نے کہا: "قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ"، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أَقَامَهَا اللّٰهُ وَأَدَامَهَا".

مجہول ہے، محمد بن ثابت العبدی بالاتفاق ضعیف ہے، اور شہر اپنی منصف مزاجی میں مختلف فیہ ہے۔"

حافظ نے "التلخیص" (۳/ ۲۰۴) میں فرمایا:

"وہ حدیث ضعیف ہے۔" پھر نووی نے فرمایا:

"لیکن فضائل اعمال میں ضعیف روایت پر عمل کیا جائے گا، اس پر علماء کا اتفاق ہے اور یہ (حدیث) بھی اسی زمرے میں آتی ہے۔"

میں کہتا ہوں: یہ ضعیف حدیث، اس صحیح حدیث کے عموم کے خلاف ہے: "جس طرح وہ (مؤذن) کہتا ہے اسی طرح تم کہو۔" ❶ اس کی مثل جو ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک بھی اس پر عمل کرنا جائز نہیں، اور یہ عجیب بات ہے کہ شافعیہ نے بھی اس کے ضعیف ہونے کے باوجود اس کو اپنایا ہے اور وہ صحیح حدیث کے عموم پر عمل کرنا ترک کرتے ہیں۔

پھر انہوں نے جو ذکر کیا کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے پر اتفاق ہے تو یہ اس طرح نہیں ہے، ❷ کیونکہ ایسے علماء بھی ہیں جو ضعیف حدیث پر مطلق طور پر عمل نہیں کرتے، احکام میں نہ فضائل میں، ابن سید

---

❶ بخاری، الاذان، ما یقول اذا سمع المنادی، ح: ٦١١ ۔ مسلم، الصلوۃ، استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه......، ح: ٣٨٣، ٣٨٤ ۔ سنن ابو داؤد، الصلوۃ، ما یقول اذا سمع المؤذن، ح: ٥٢٢، ٥٢٣. (شہباز حسن)

❷ ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "ضعیف سنن ابی داؤد" (۱/ ۲۴۶ ۔ ۲۴۷) میں نووی کا اتفاق ذکر کیا ہے اور انہوں نے اس کے متعلق فرمایا: "اور یہ صحیح نہیں، کیونکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اس کے متعلق تین اقوال ہیں، شیخ قاسمی نے اپنی "قواعد التحدیث" میں (ص ۹۴) پر ذکر کیا ہے۔ (ا)...... یہ کہ اس پر مطلق طور پر عمل نہ کیا جائے، احکام میں نہ فضائل میں، اسے ابن سید الناس نے یحییٰ بن معین کے حوالے سے "عیون الاثر" میں بیان کیا ہے اور "فتح المغیث" میں اسے ابوبکر بن العربی سے منسوب کیا ہے اور وہ ابن حزم کا مذہب ہے، جس طرح کہ انہوں نے اس کی اپنی کتابوں میں صراحت کی ہے، ان میں سے "الإحکام فی اصول الأحکام" (۱/ ۱۳۶) ہے۔

اس پر عمل کرنا کس طرح جائز ہے، اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ضعیف حدیث ظن (خیال، گمان) ہی کا فائدہ پہنچاتی ہے...... ظن مرجوح اور وہ (ظن) نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق سب سے جھوٹی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم سے پہلے لوگوں پر طعن کیا جو ظن وخیال کے مطابق عمل کرتے تھے، فرمایا: ﴿إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنفُسُ﴾ (النجم: ۲۳) "وہ لوگ محض گمان اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ (النجم: ۲۸) "حق بات کے مقابلے میں ظن وگمان کچھ کام نہیں آتا۔"

اسی لیے نبی ﷺ نے اپنی امت کو روایت کی صحت معلوم ہوجانے کے بعد آپ سے حدیث روایت کرنے کی اجازت دی، آپ نے فرمایا: "مجھ سے صرف وہی حدیث بیان کرو جو تم جانتے ہو۔"

کیا آپ اپنی حدیث کی صحت معلوم ہونے سے پہلے اس پر عمل کرنے کی اجازت دیں گے، جبکہ آپ نے اسے روایت کرنے سے منع فرمایا ہے؟ یقیناً نہیں، اور یہ بالکل واضح ہے مخفی نہیں، اور ان کے متعلق اس قول کی تفصیل مقدمہ میں بیان ہوچکی ہے۔

میں نے: المقدمہ سے ان کی مراد ضعیف سنن ابی داود کا مقدمہ ہے، شیخ رحمہ اللہ وفات پا گئے اور انہوں نے اس میں سے کچھ بھی نہیں لکھا۔

الناس نے یحییٰ بن معین سے "عیون الاثر" میں یہ بیان کیا ہے اور اسے "فتح المغیث" میں ابوبکر بن العربی سے منسوب کیا ہے۔ علامہ جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ نے "قواعد التحدیث فی مصطلح الحدیث" میں (ص ۹۴ پر) فرمایا:

''اور ظاہر ہے کہ بخاری و مسلم کا موقف بھی یہی ہے، اس پر بخاری کی اپنی صحیح میں شرط اس پر دلالت کرتی ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ کی ان ضعیف راویوں پر طعن و تشنیع، جن کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا، اور ابن حزم رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے، جیسا کہ انہوں "الملل والنحل" میں فرمایا۔ اس میں ان کے کلام کا مطالعہ فرمائیں اور بحث "المحلی" میں بھی ہے، اور یہاں ان شروط کا اضافہ کیا جاتا ہے جنھیں حافظ ابن حجر نے "تبیین العجب فیما ورد فی فضل رجب" میں ذکر کیا ہے۔''

میرا عقیدہ یہ ہے کہ اس مسئلے میں وہ علماء حق پر ہیں جو فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل نہیں کرتے، اور وہ کچھ امور کی وجہ سے ہے:

(۱)...... ضعیف حدیث بالاتفاق صرف ظن و گمان ہی کا فائدہ دیتی ہے، جبکہ ظن و گمان پر عمل کرنا جائز نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ (النجم:۲۸) ''وہ محض گمان کی اتباع کرتے ہیں، بے شک حق کے مقابلے میں گمان بالکل کچھ بھی کام نہیں آتا۔'' اور آپ ﷺ کا فرمان بھی ہے: "إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّهُ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ." [1] ''ظن و گمان سے بچو، کیونکہ وہ سب سے بڑی جھوٹی بات ہے۔''

(۲)...... نبی ﷺ نے آپ سے روایت کرنے سے اجتناب برتنے کا ہمیں حکم فرمایا مگر وہ جس کی صحت ہمیں آپ سے معلوم ہو جائے، آپ نے فرمایا: ''مجھ سے حدیث بیان کرنے سے بچو مگر وہ جو تمہیں معلوم ہو۔'' [2] اور یہ معلوم ہے کہ روایت حدیث تو صرف اس عمل کا ذریعہ ہے جس کے متعلق یہ ثابت ہے، تو جب آپ علیہ الصلاۃ والسلام ہمیں اس روایت کے بیان کرنے سے ہمیں منع فرماتے ہیں جو آپ سے ثابت نہیں، تو پھر اس (ضعیف روایت) پر عمل کرنے کی ممانعت بدرجہ اولیٰ ہوگی، اور یہ بالکل واضح ہے۔ [3]

---

[1] بخاری، الادب، باب: یأیها الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ...... ح: ۶۰۶۶۔ مسلم، البر والصلة، تحریم الظن والتجسس والتنافس والتناجش ونحوها، ح: ۲۵۶۳۔ ابوداؤد، الأدب، فی الظن، ح: ۴۹۱۷ (شہباز حسن)

[2] ترمذی، تفسیر القرآن عن رسول الله ﷺ، ما جاء فی الذی یفسر القرآن برأیه، ح: ۲۹۵۱ (شہباز حسن)

[3] "الصراط المستقیم" (ص ۱۰ پر) تعلیق میں ہے کہ ''یہ بات لائق نہ تھی کہ آپ ﷺ اپنی امت کو اس ضعیف حدیث پر عمل کرنے سے منع فرماتے جس کی وہ صحت نہیں جانتے، جیسا کہ وہ بالکل واضح ہے مخفی نہیں۔

(۳)...... آپ ﷺ سے جو ثابت ہے وہ غیر ثابت سے بے نیاز کر دیتا ہے، جس طرح کہ اس مسئلے کے بارے میں امر ہے، بے شک یہ صحیح حدیث اپنے عموم کی وجہ سے ضعیف حدیث سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

انہوں نے ''احکام الجنائز'' (ص۱۹۲) میں فرمایا:

تفصیل مذکور ❶ شرع میں ثابت نہیں کہ وہ فضائل اعمال میں سے ہے کہ کہا جائے: اس حدیث پر عمل کیا جائے گا کیونکہ وہ فضائل اعمال میں ہے، بلکہ ضعیف حدیث پر عمل کرنے کو جائز قرار دینا اس کی مشروعیت کا اثبات ہے، اور یہ اس لیے ہے کہ مشروعیت کا سب سے کم درجہ استحباب ہے، اور وہ پانچ احکام میں سے ایک حکم ہے جو کہ صرف صحیح دلیل ہی سے ثابت ہوتے ہیں اور علماء کا اتفاق ہے کہ ضعیف اس میں مفید نہیں۔

صنعانی نے ''سبل السلام'' (۱۶۱/۲) میں موت کے بعد تلقین کی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''اس پر عمل کرنا بدعت ہے۔''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''احکام الجنائز'' (ص ۱۹۸) کے حاشیے میں الصنعانی رحمہ اللہ کے قول: ''اس پر عمل کرنا بدعت ہے۔'' پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ بہت سے علماء اس سے غافل ہیں، کیونکہ وہ اس جیسی حدیث ❷ کے ذریعے ایک قاعدے ''فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے گا'' پر جو کہ ان کی طرف سے ہے، اعتماد کرتے ہوئے بہت سے امور کو مشروع اور مستحب قرار دیتے ہیں اور انہوں نے اس طرف توجہ نہیں کی کہ اس کی مشروعیت کا مرکز کتاب وسنت سے ثابت ہونا ہے، نہ کہ محض ضعیف حدیث۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعيفه" (۱/ ٦٥٠-٦٥١) میں حدیث رقم (۴۵۱) کے تحت فرمایا:

اور اس حدیث ❸ کے برے آثار میں سے ہے کہ ثواب کی امید پر کسی بھی روایت پر عمل کرنے کا حکم دیا جائے، خواہ وہ روایت اہل علم کے ہاں صحیح ہو یا ضعیف یا موضوع، اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جمہور مسلمانوں علماء، خطباء اور مدرسین اور دیگر نے احادیث روایت کرنے اور ان پر عمل کرنے میں تساہل سے کام لیا، جبکہ اس میں ان صحیح احادیث کی صریح مخالفت ہے جن میں آپ ﷺ سے حدیث روایت کرنے سے روکا گیا حتیٰ کہ اس روایت کا صحیح ہونا آپ ﷺ سے ثابت ہو جائے، ہم نے اسے مقدمے میں بیان کر دیا ہے۔

---

❶ میت پر (دفن کرتے وقت) تین بار ہاتھ سے مٹی ڈالنا اور مٹی ڈالتے وقت آیت کا یہ ٹکڑا تلاوت کرنا ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾ (طٰہٰ: ۵۵))

❷ یعنی: موت کے بعد تلقین والی روایت۔ (تاہم قریب الموت کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرنے کا حکم خود پیغمبر نے دیا ہے۔ شہباز حسن)

❸ اور وہ حدیث یہ ہے: ''جسے اللہ کی طرف سے کوئی چیز پہنچے جس میں فضیلت ہو، وہ اس پر ایمان کے ساتھ اس کی پابندی کرے، ثواب کی امید سے اس پر عمل کرے، اللہ اسے وہ عطا کر دیتا ہے، اگرچہ وہ اس طرح نہ ہو۔ یہ روایت موضوع ہے جیسا کہ ہمارے شیخ نے فرمایا ہے۔

پھر یہ حدیث اور اس کے معنی کی دیگر احادیث، گویا کہ وہ اس گناہ کا ایک سہارا ہے جو یہ کہتا ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف روایت پر عمل کرنا جائز ہے، جبکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ حدیث پر اس کے ثبوت کے بعد ہی عمل کرنا جائز ہے، جیسا کہ محقق علماء کا موقف ہے، جیسے کہ ابن حزم اور ابن العربی المالکی [1] اور دیگر کا موقف ہے۔ جنھوں نے ضعیف روایت پر عمل کرنے کو جائز قرار دیا ہے انہوں نے کچھ شرائط مقرر کی ہیں، ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

(۱)...... اس پر عمل کرنے والا اعتقاد رکھے کہ وہ حدیث ضعیف ہے۔

(۲)...... وہ اسے مشہور نہ کرے، تا کہ کوئی دوسرا آدمی ضعیف حدیث پر عمل نہ کرے، اور وہ کسی ایسے عمل کو مشروع قرار نہ دے جو کہ مشروع نہیں، یا کوئی جاہل اسے دیکھے گا تو وہ سمجھے گا کہ وہ صحیح سنت ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "تبیین العجب بما ورد فی فضل رجب" (ص:٣-٤) میں اس کی صراحت کی ہے، انہوں نے فرمایا:

> "الاستاذ ابن عبدالسلام ودیگر نے اس معنی کی صراحت کی ہے، آدمی کو آپ ﷺ کے فرمان: "جس نے مجھ سے کوئی حدیث روایت کی جسے وہ کذب سمجھتا ہے تو وہ ایک جھوٹا شخص ہے۔" کے زمرے میں داخل ہونے سے بچنا چاہیے، احکام یا فضائل میں حدیث پر عمل کرنے میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ وہ سب شریعت ہیں۔"

میں کہتا ہوں: یہ امر مخفی نہیں کہ ان شرائط پر عمل کرنا اس موضوع روایت کے منافی ہے، اسے بیان کرنے والے گویا کہ وہ اس کے موضوع ہونے کے متعلق کہہ رہے ہیں، یہی مطلوب ہے، غور کریں۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (٢/٢٦٤) میں حدیث [2] (٨٧٢) کے تحت فرمایا:

اس کے ذریعے حکم شرعی پر کس طرح استدلال کیا جائے گا جب کہ وہ کراہت ہے؟! بلکہ اس کے ذریعے اس پر استدلال کرنا جائز نہیں، اگر فرض کیا جائے کہ وہ صرف ضعیف ہے، یعنی: وہ موضوع ہے نہ بہت ہی ضعیف، کیونکہ احکام شریعت بالاتفاق ضعیف حدیث سے ثابت نہیں ہوتے، میرا خیال ہے کہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کو غلط قاعدے کہ "فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے گا" کی طرف سے اس طرح کا خیال آیا ہے، جبکہ وہ قاعدہ صحیح

---

[1] ہمارے شیخ نے "الصراط المستقیم" (ص١٠) پر اپنی تعلیق میں ان دونوں سے نقل کیا اور فرمایا: اور ان دونوں کے علاوہ محقق علماء، جیسا کہ شیخ جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ نے اسے "قواعد التحدیث" میں ذکر کیا، اور وہ حق ہے جس کی طرف حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا: "احکام اور فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے میں کوئی فرق نہیں، اس لیے کہ وہ سب شریعت ہیں۔"

[2] اور وہ حدیث یہ ہے: "تم قوس قزح (قزح کی قوس) مت کہو، کیونکہ قزح تو شیطان (کا نام) ہے، لیکن تم کہو، اللہ تعالیٰ کی قوس (کمان) وہ زمین والوں کے غرق ہونے سے امان (کی علامت) ہے۔" یہ روایت موضوع ہے جیسا کہ "الضعیفة" میں ہے۔

نہیں جیسا کہ میں نے اسے اپنی کتاب "تمام المنة فی التعلیق علی فقه السنة" کے مقدمے میں ثابت کیا ہے، امید ہے کہ وہ ان شاء اللہ جلد ہی شائع ہو جائے گی۔ [1] پس انہوں نے یعنی نووی نے گمان کیا کہ وہ حدیث صرف ضعیف ہے! جبکہ وہ تو اس سے زیادہ سنگین ہے جیسا کہ آپ نے دیکھا ہے، واللہ المستعان۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۲/ ٦٥) میں حدیث [2] رقم (۵۹۹) کے تحت فرمایا:

یہاں فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کے متعلق مشہور جو قول ہے وہ لازم نہیں آتا، کیونکہ یہ تو اس کے متعلق بات کرنے کا مقام ہے جس کی مشروعیت کتاب یا سنت صحیحہ سے ثابت ہو، اور جو اس کے علاوہ ہو تو اس میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز نہیں؟ کیونکہ وہ شریعت ہے اور وہ ضعیف حدیث سے جائز نہیں، کیونکہ وہ تو بالاتفاق صرف مرجوح گمان ہی کا فائدہ دیتی ہے، تو پھر اس طرح کی روایات پر کس طرح عمل کرنا جائز ہے؟! جو شخص اپنے دین کو سلامت رکھنا چاہتا ہے وہ اس سے آگاہ رہے، کیونکہ اکثریت اس سے بے خبر ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے ہدایت و توفیق کی درخواست کرتے ہیں۔

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "حجة الوداع" (ص۱۲۷۔۱۲۹) میں عرفات کی بدعات میں سے بدعت رقم (۹۱) پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: ''جو یہ بات لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہے کہ جمعہ کے دن عرفات میں وقوف کرنا بہتر (۷۲) حجوں کے برابر ثواب رکھتا ہے۔'' اس بدعت کی بنیاد ایک موضوع روایت ہے، ابن القیم رحمہ اللہ نے ''زاد المعاد'' (۱/۲۳) میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے، انہوں نے فرمایا:

''یہ روایت باطل ہے اس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اصل نہیں ملتی۔''

لہٰذا علامہ لکھنوی نے "الاجوبة الفاضلة" (ص۳۷۔ طبع حلب) میں شیخ (ملا) علی القاری سے جو نقل کیا ہے اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے، انہوں نے فرمایا:

''رہا وہ جو بعض محدثین نے اس حدیث کی اسناد میں جو ذکر کیا ہے کہ وہ ضعیف ہے، تو اس حدیث کے ضعیف ہونے کے باوجود مقصود کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، کیونکہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث ارباب کمال میں سے تمام علماء کے ہاں قابل اعتبار ہے۔''

تو ہم نہیں جانتے کہ کسی نے صرف اس کے ضعیف ہونے کی صراحت کی ہو، جبکہ محقق ابن القیم نے اس پر باطل ہونے کا حکم لگایا ہے۔

اور اس میں فی الواقع اس موقف کی مذمت کی مثالوں میں سے ایک مثال ہے جو فضائل اعمال میں ضعیف

---

[1] اس میں سے جلد اوّل چھپ چکی ہے اور شیخ رحمہ اللہ نے صرف یہی مطبوعہ حصہ ہی تالیف کیا ہے۔

[2] وہ حدیث میت کو اس کی تدفین کے بعد تلقین سے متعلق ہے۔ اسی کتاب مین جنازے کی بدعات کے ضمن میں اس بدعت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

حدیث پر عمل کرنے کا موقف رکھتے ہیں حالانکہ اس موقف کی تفسیر میں ان کے درمیان بہت اختلاف ہے جیسا کہ آپ اسے ان جوابات میں مفصل پائیں گے جن کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا ہے، تو کبھی حدیث اس طرح باطل ہوتی ہے کہ کوئی اس پر اطلاق کرتا ہے کہ وہ ضعیف ہے، دوسرا آتا ہے تو وہ کہتا ہے: فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر یہ تحقیق کیے بغیر کہ وہ اس سخت ضعف سے محفوظ ہے جو کہ اس پر عمل کرنے کی شرائط میں سے ہے، عمل کیا جائے گا۔ باوجود یہ کہ ضعف مطلق ضعف شدید کے منافی نہیں، بلکہ وضع کے بھی منافی نہیں، کیونکہ وہ دونوں ضعیف کی اقسام میں سے ہیں جیسا کہ اصطلاحات میں طے شدہ ہے۔

پھر کاش مجھے معلوم ہوتا اس حدیث کا ضعیف حدیث پر عمل کرنے سے کیا تعلق ہے، کیونکہ یہ تو وہ موقع ہے جس میں انسان کو کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہو، اور جمعہ کے دن عرفات میں وقوف اس طرح نہیں ہے!

آپ اس باطل حدیث کی نص، جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، میری کتاب "سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة" رقم (۲۰۷) میں پائیں گے۔ جہاں ان علماء کا بھی ذکر ہے جنھوں نے ابن القیم رحمہ اللہ سے اس حدیث پر باطل کا حکم لگانے پر اتفاق کیا۔

تنبیہ: شیخ (ملا) القاری نے جو کہا کہ ''فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا تمام علماء کے نزدیک معتبر ہے۔'' صحیح نہیں، اس مسئلے میں جو اختلاف ہے آپ اسے "الأجوبة الفاضلة" میں دیکھ سکتے ہیں اگرچہ انہوں نے اس مسئلے کو کھل کر بیان نہیں کیا۔

اس مسئلے کے متعلق "صحیح الترغیب والترھیب" میں شیخ کا کلام

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صحیح الترغیب والترھیب" (ص ۴۷۔۶۰) میں فرمایا:

''ضعیف حدیث پر عمل'' یہ قاعدہ مطلق طور پر نہیں

پھر یہ کہ وہ قاعدہ مزعومہ مطلق طور پر نہیں، بلکہ وہ دو مقامات پر مقید ہے، ان میں سے ایک حدیثی اور دوسرا فقہی ہے۔ [1]

قید حدیثی :......رہی حدیثی قید تو وہ ان کا یہ قول ہے: ''ضعیف حدیث'' وہ بالاتفاق ایسے ضعیف کے ساتھ مقید ہے جس کا ضعف شدید نہ ہو، موضوع کو چھوڑ و، جیسا کہ حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے اپنے رسالے "تبیین العجب فیما ورد فی فضل رجب" میں اسے بیان کیا ہے، اس وقت وہ مجھے میری لائبریری میں نہیں ملا، میں اسے ان کے ثقہ شاگرد حافظ سخاوی کے واسطے سے ان سے نقل کرتا ہوں، انہوں نے اپنی علمی کتاب

[1] اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ (منہ)

"القول البدیع فی فضل الصلوۃ علی الحبیب الشفیع" (ص ۱۹۵۔طبع الہند) کے آخر پر النووی سے نقل کرنے کے بعد بیان کیا، انہوں نے فرمایا:

''محدثین اور فقہاء اور دیگر علماء نے کہا: ''فضائل اور ترغیب وترہیب میں ضعیف روایت پر عمل کرنا جائز اور مستحب ہے، بشرطیکہ وہ موضوع نہ ہو، رہے احکام جیسا کہ حلال وحرام، خرید وفروخت اور نکاح وطلاق وغیرہ تو ان میں صحیح یا حسن روایت پر ہی عمل کیا جائے گا، مگر یہ کہ اس میں سے کس چیز میں احتیاط ہو۔''

ابن العربی المالکی سے ہے کہ انہوں نے اس بارے میں مخالفت کی ہے، انہوں نے فرمایا:

''ضعیف روایت پر کسی طور پر عمل نہیں کیا جائے گا۔''

حافظ سخاوی نے فرمایا:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک عمل کے لیے شرائط [1]

میں نے شیخ رحمہ اللہ کو کئی بار فرماتے ہوئے سنا اور انہوں نے میرے لیے اپنے ہاتھ سے لکھا:

ضعیف روایت پر عمل کرنے کی تین شرائط ہیں:

اوّل......: اس پر اتفاق ہے کہ وہ ضعف شدید نہ ہو، پس جو شخص جھوٹا اور متہم بالکذب ہو اور جس کی غلطی بہت بری ہو اور وہ (اسے روایت کرنے میں) اکیلا ہو تو وہ خارج ہو جائے گی۔

دوم......: یہ کہ وہ کسی عمومی بنیاد کے تحت آتی ہو، وہ خارج ہو جائے گی جو اس طرح اختراع کی گئی ہو کہ اس کی کوئی اصل نہ ہو۔

سوم......: عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھا جائے۔ تاکہ نبی ﷺ نے جو فرمایا نہیں وہ آپ کی طرف منسوب نہ کیا جائے۔

انہوں نے کہا: آخری دو شرطیں ابن عبد السلام اور ان کے رفیق ابن دقیق العید (رحمہما اللہ) سے ہیں، جبکہ اوّل پر العلائی نے اتفاق نقل کیا ہے۔

مذکورہ شرائط آگاہی کے حوالے سے اہل علم پر کیا واجب کرتی ہیں

میں کہتا ہوں: سمجھ دار عقل مند شخص پر مخفی نہیں رہ سکتا کہ یہ شرائط اہل علم ومعرفت پر اس بات کو لازم کرتی ہیں

---

[1] ہمارے شیخ الالبانی رحمہ اللہ نے "الصراط المستقیم" (ص:۹) پر اپنی تعلیق میں ان سے نقل کیا اور کہا: ''پھر انہوں نے یعنی ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے بعد (ص:۳۔۴) پر فرمایا: اور الاستاذ ابو محمد بن عبد الملک ودیگر نے اس معنی کی صراحت کی، اوّل تو آپ ﷺ کے فرمان: ''جس نے مجھ سے کوئی حدیث روایت کی، وہ سمجھتا ہے کہ وہ کذب ہے تو وہ بھی جھوٹا شخص ہے۔'' کے زمرے میں آنے سے بچنا چاہیے، تو جو اس پر عمل کرتا ہے اس کی کیا کیفیت ہوگی۔ حدیث پر عمل کرنے میں احکام یا فضائل میں کوئی فرق نہیں، وہ سب شرع ہیں۔''

کہ وہ صحیح اور ضعیف حدیث کے حوالے سے لوگوں کے لیے دو اہم چیزوں میں فرق کریں۔

اوّل......: صحیح احادیث سے ضعیف احادیث کا فرق، تا کہ ان پر عمل کرنے والے ان کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھیں، ورنہ وہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھنے کی آفت میں مبتلا ہو جائیں گے جیسا کہ امام مسلم اور دیگر ائمہ کے کلام میں بیان ہو چکا ہے۔

دوم......: شدید ضعف والی احادیث کو دوسری احادیث سے علیحدہ کرنا، تا کہ وہ ان پر عمل نہ کریں ورنہ وہ آفت مذکورہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔

حق بات جو ہے...... اور میں حق بات کرتا ہوں: علمائے حدیث...... دوسروں کا تو معاملہ ہی اور ہے...... میں سے بہت کم ہیں...... جو پہلے فرق کا پورا پورا اہتمام کرتے ہیں، جیسا کہ الحافظ المنذری۔ ان کے تساہل پر پہلے بیان ہو چکا ہے۔ الحافظ ابن حجر العسقلانی اپنی کتب میں، ان کے شاگرد الحافظ السخاوی اپنی کتاب "المقاصد الحسنة فی بیان کثیر من الاحادیث المشتهرة علی الالسنة" میں اور ان کے علاوہ دیگر۔ اور ہمارے اس دور میں شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ "مسند احمد" پر اپنی تحقیق و تعلیق میں، آج ان جیسی مثال بہت ہی کم ملتی ہے۔

اور ان میں سے بہت ہی قلیل ہیں جو انتہائی ضعیف احادیث کی دیگر حدیثوں سے فرق کا پورا پورا اہتمام کرتے ہوں، بلکہ میں کسی کو نہیں جانتا کہ اس میدان میں اسے مہارت حاصل ہو، جیسا کہ میں نے اسے ابھی بیان کیا اور وہ میرے نزدیک اس سے زیادہ اہم ہے جو وہ حسن حدیث کو صحیح حدیث سے علیحدہ کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، حالانکہ اس کے ضمن میں کوئی بڑا فائدہ بھی نہیں، کیونکہ احکام میں ان دونوں (صحیح اور حسن) سے دلیل لی جاتی ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ البتہ تعارض و ترجیح کے موقع پر شاذ و نادر ہی ایسے ہوتا ہے کہ حسن کے مقابلے میں صحیح کو ترجیح دی جائے، جس مسئلے پہ ہم بات کر رہے ہیں وہ اس کے برعکس ہے، کیونکہ فضائل میں صرف ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے گا بہت زیادہ ضعیف پر نہیں، لہٰذا اس کی وضاحت کرنا زیادہ ضروری ہے۔

منذری رحمہ اللہ نے ترغیب و ترہیب میں علماء کے تساہل سے جو ذکر کیا، اور اس کا جواب

اگر کہا جائے کہ ضعیف حدیث کی روایت میں یہ تفصیل اور سختی کس لیے جبکہ المنذری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کے مقدمے میں ذکر کیا ہے:

> "علماء نے ترغیب و ترہیب کی انواع میں تساہل کو جائز قرار دیا ہے، حتیٰ کہ ان میں سے بہت سوں نے موضوع روایات کو ذکر کیا ہے اور انہوں نے ان کا حال بھی بیان نہیں کیا۔"

میں اس کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہوں:

وہ تساہل جسے انہوں نے جائز قرار دیا ہے دو صورتوں کا احتمال رکھتا ہے:

اوّل......: احادیث کو ان کی اسانید کے ساتھ ذکر کرنا، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، ایسا کیوں نہ ہو جبکہ وہ پہلے تمام حفاظ محدثین کا عمل ہے، سنن اور اس کی احادیث کے حفظ کے حوالے سے ان کا پہلا عمل یہ تھا کہ وہ انہیں ان کے شیوخ سے ان کی اسانید کو جمع کرتے تھے، پھر وہ تمام طبقات سے ان کے راویوں کے حالات زندگی کا علم حاصل کرتے تھے۔ جرح و تعدیل کے طرق اور علل الحدیث کی معرفت حاصل کرتے تھے، ان کے متعلق تحقیق سے یہ ممکن ہوتا ہے کہ صحیح کو ضعیف سے الگ کیا جائے اور انہوں نے اپنے معروف قول ''(معلومات) اکٹھی کر، پھر تفتیش و تحقیق کر'' کے ذریعے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ لہٰذا وہ اس اصول کے تحت درج ہوتی ہے:

''جس چیز کے ساتھ واجب کی ادائیگی ہوتی ہو تو وہ (چیز) بھی واجب ہوتی ہے۔''

اس صورت میں چاہیے کہ علماء کے بارے میں منذری کے قول مذکور کو پہلے تو ان کے ساتھ حسن ظن پر محمول کیا جائے گا، دوسری بات یہ ہے کہ یہ وہی ہے جس پر حفاظ کا کلام دلالت کرتا ہے، یہ بات اس کے علاوہ ہے جس پر ان (علماء) کا عمل رہا ہے، اس کا ہم نے تذکرہ کر دیا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب حلال و حرام کا معاملہ آتا ہے تو ہم اسانید کے بارے میں سختی کرتے ہیں اور جب ترغیب و ترہیب کا معاملہ آتا ہے تو ہم اسانید میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔'' ❶

ہم نے جو کہا یہ اس کے متعلق نص ہے، اور اسی کی مثل ''علوم الحدیث'' (ص ۱۱۳) میں ابن الصلاح کا قول ہے:

''اہل الحدیث (محدثین) اور ان کے علاوہ دیگر کے ہاں اسانید میں تساہل جائز ہے اور اسی طرح موضوع کے علاوہ حدیث کی ضعیف انواع کو روایت کرنا جائز ہے۔ اور انہوں نے اللہ کی صفات اور حلال و حرام کے ضمن میں احکام شریعت کے علاوہ اس کا ضعف بیان کرنے کا بھی اہتمام نہیں کیا اور یہ جیسے مواعظ و قصص، فضائل اعمال، ترغیب و ترہیب کے سارے فنون اور باقی تمام چیزیں جو احکام و عقائد سے تعلق نہیں رکھتیں۔''

لہٰذا ان کے قول ''اسانید میں تساہل'' پر غور کریں، ہم نے جو ذکر کیا اس کا صحیح اور درست ہونا آپ پر واضح ہو جائے گا، اس کا سبب یہ ہے کہ جس نے حدیث کی اسناد ذکر کر دیں تو وہ ملامت اور ذمے سے بری ہو گیا، کیونکہ اس نے آپ کے لیے وہ ذریعہ پیش کر دیا ہے جس نے اس شخص کو موقع فراہم کر دیا جس کے پاس اس فن کا علم ہے

❶ "مجموع فتاویٰ" شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۱۸/۶۵)۔ (منہ) یہ روایت ضعیف ہے۔ (شہباز حسن)

کہ وہ صحیح یا ضعیف ہونے کے حوالے سے حدیث کے حال کی معرفت حاصل کر سکے، جبکہ یہ اس صورت میں ممکن نہیں جب وہ شخص اس کی اسناد حذف کر دے اور اس کے حال کے بارے میں کوئی چیز ذکر نہ کرے، تو اس نے علم کو چھپایا جسے پہنچانا اس کی ذمہ داری تھی۔

ابن الصلاح کے نزدیک ضعیف حدیث روایت کرنے کا طریقہ

اسی لیے ابن الصلاح نے جو پہلے بیان ہوا اس پر اس طرح تنقید و تبصرہ کیا:

''جب آپ اسناد کے بغیر ضعیف حدیث روایت کرنے کا ارادہ کریں تو یوں نہ کہیں: رسول اللہ ﷺ نے اس طرح فرمایا اور اس سے مشابہ حتمی الفاظ (جن سے ظاہر ہوتا ہو) کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا، آپ اسے ان الفاظ کے ساتھ روایت کریں: رسول اللہ ﷺ سے اس طرح روایت کیا گیا، یا آپ سے ہمیں اس طرح پہنچا، پس جس روایت کی صحت وضعف کے بارے میں آپ کو شک ہو تو اس کے متعلق اس طرح حکم ہے لہٰذا آپ (حتمی الفاظ کے ساتھ) ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' اس روایت کے بارے میں کہہ سکتے ہیں...... جس کا صحیح ہونا آپ پر ظاہر ہو۔'' [1]

ضعف کی تصریح ضروری ہے

میں کہتا ہوں کہ ثابت ہوا کہ تب حدیث کا ضعف بیان کرنا ضروری ہے جب اس کی اسناد ذکر نہ ہوں، خواہ اس طریق سے ہو جس پر انہوں نے اصطلاح مقرر کی ہے؟ جیسے: ''رُوِیَ'' ''روایت کیا گیا'' اور اسی طرح کے الفاظ، لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ آج یہ کافی نہیں، کیونکہ جہالت عام ہے، ہوسکتا ہے کہ کوئی مؤلف کی کتب یا منبر پر خطیب کے قول ''رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا گیا کہ آپ نے یہ اور یہ فرمایا'' سے سمجھ نہ پائے کہ وہ حدیث ضعیف ہے، لہٰذا اس کی تصریح ضروری ہے، جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں وارد ہے، فرمایا:

''لوگوں سے وہ باتیں بیان کرو جنہیں وہ پہچانتے ہیں، کیا تم پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے۔'' (مختصر صحیح البخاری، رقم: ۸۳)

شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ نے ''الباعث الحثیث'' (ص: ۱۰۱) میں کیا ہی خوب کہا:

''میں جو سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ ضعیف حدیث کا ضعف بیان کرنا ہر حال میں ضروری ہے، کیونکہ ترک بیان اس پر مطلع ہونے والے کو وہم میں ڈال سکتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، خاص طور پر جب نقل کرنے والا ان علمائے حدیث میں سے ہو جن سے اس بارے میں مشورہ کیا جاتا ہو یا اس بارے میں ان کے قول کی طرف رجوع کیا جاتا ہو، اس لیے کہ ضعیف حدیث سے احکام اور فضائل اعمال اخذ کرنے کے

---

[1] میں کہتا ہوں: اس پر غور کریں، آپ پر المنذ رحمہ اللہ کی، ان کی پہلے بیان کردہ اصطلاح کی غلطی واضح ہو جائے گی۔ (منہ)

درمیان کوئی فرق نہیں، بلکہ ہر ایک کے لیے صرف اسی چیز سے دلیل ہے جو صحیح یا حسن حدیث کے ذریعے رسول اللہ ﷺ سے صحیح ثابت ہو۔"

میں کہتا ہوں: دوسری صورت جس سے منذری رحمہ اللہ کے پیچھے بیان کردہ کلام سے احتمال ہوسکتا ہے، وہ ضعیف احادیث کو ان کی اسانید اور ان کا حال بیان کیے بغیر ذکر کرنا جب کہ ان میں سے موضوع روایات بھی ہوں، تو میرا اعتقاد یہ ہے کہ میں یہ تصور بھی نہیں کرسکتا کہ کوئی متقی عالم ایسی بات کرے، اس میں امام مسلم رحمہ اللہ کے کلام کہ "غیر عدول سے روایت کرنے سے بچنا چاہیے" میں بیان کردہ کتاب وسنت کے دلائل کی مخالفت ہے، نیز اس بارے میں احکام کی احادیث اور ترغیب وترہیب کی احادیث کے درمیان کوئی فرق نہیں، اور امام مسلم کا گزشتہ کلام اس بارے میں بڑا واضح ہے۔

جو شخص ضعیف راوی سے روایت کرتا ہے اور وہ اس کا حال بیان نہیں کرتا، خواہ وہ ترغیب وترہیب کے بارے میں ہو، تو امام مسلم ایسے شخص کو مجرم گردانتے ہیں

میں حدیث کے راویوں کے عیوب سے پردہ ہٹانے کے وجوب سے متعلق اہم بحث اور اس کے متعلق ائمہ کے اقوال ذکر کرنے کے بعد ان کے قول کی صراحت کروں گا، انہوں نے (۱/۲۹) فرمایا:

"انہوں نے روایت کے ناقلین اور حدیث کے راویوں کی خامیوں سے پردہ ہٹانے کو اپنے اوپر لازم کرلیا اور اس میں جو بڑی سنگینی ہے اس کے متعلق فتویٰ دیا، امر دین کے بارے میں جو روایات ہیں ان سے حرام یا حلال یا امر یا نہی یا ترغیب یا ترہیب ثابت ہوتی ہے، تو جب ان کا راوی صدق و امانت کا سرچشمہ نہیں، پھر اس سے وہ شخص روایت لیتا ہے جو اسے پہچانتا ہے اور وہ اپنے علاوہ کسی ایسے شخص کو جو اس سے متعلق نہیں جانتا، اس کے نقائص بیان نہیں کرتا تو وہ اپنے اس فعل کی وجہ سے گناہ گار ہے، عام مسلمانوں کو دھوکا دینے والا ہے، جو شخص یہ روایات سنتا ہے وہ اسے اطمینان نہیں دلاتا کہ وہ ان پر عمل کرے یا اس کے بعض حصے پر عمل کرے، ہوسکتا ہے کہ وہ یا ان میں سے اکثر جھوٹی روایات ہوں، ان کی کوئی اصل نہ ہو، مزید برآں یہ کہ ثقہ اور اہل قناعت راویوں سے مروی صحیح روایات ان سے کہیں زیادہ ہیں کہ کسی ایسے شخص سے نقل کرنے میں لاچاری ظاہر کی جائے جو کہ ثقہ نہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ ہم نے ان ضعیف احادیث اور مجہول اسانید کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے اس کے باوجود بھی لوگ اس طرف مائل ہوں گے اور اس میں جو کمزوری اور ضعف ہے اس کی معرفت کے بعد بھی اسے روایت کرنے کی طرف توجہ دیں گے، البتہ صرف وہی شخص اسے روایت کرے گا اور اسے اہمیت دے گا جو اس کے ذریعے عوام کے ہاں فخر کرنا چاہتا ہو، تاکہ یوں کہا جائے کہ فلاں شخص

نے کتنی زیادہ احادیث جمع کیں اور کتنی کتابیں تالیف کیں!

جو شخص علم میں اس راہ و روش کو اختیار کرتا ہے اور اس طریق پر چلتا ہے تو اس کے لیے اس میں کوئی حصہ نہیں، اسے عام کے بجائے جاہل کہنا زیادہ بہتر ہے۔

ضعیف احادیث روایت کرنے اور اس کا بیان چھپانے میں تساہل برتنے کی سزا اور انجام

اور حقیقت ہے کہ علماء کا ضعیف احادیث روایت کرنے میں تساہل اور ان کا ضعف بیان کرنے سے خاموشی اختیار کر لینا ان قوی اسباب میں سے ایک بہت بڑا سبب تھا جس نے لوگوں کو دین میں بدعت سازی پر آمادہ کیا، بے شک بہت سی عبادات، جن پر ان میں سے بہت سے لوگ عمل پیرا ہیں اور جو عبادات بجا لا رہے ہیں ان کی بنیاد ضعیف بلکہ موضوع روایات پر ہے، جیسا کہ عاشوراء کے دن خرچ کرنے میں توسع، ضعیف الترغیب (حدیث ۶۱۷، ۶۱۸) اور پندرہ شعبان کی شب کا قیام کرنا اور اس دن کا روزہ رکھنا (الحدیث ۶۲۴)، اور وہ بہت زیادہ ہیں، آپ انہیں میری کتاب "سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيء في الأمة" میں پائیں گے اور اس (ابتداع) پر قاعدہ مزعومہ کہ "فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے جواز" نے ان کی مدد کی ہے، جبکہ انہیں معلوم ہی نہیں کہ محقق علماء نے دو قیود کے ساتھ اسے مقید کیا ہے:

(ا) قید حدیثی ...... : اس کی تفصیل گزر چکی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو بھی ضعیف حدیث پر عمل کرنا چاہتا ہے، اسے اس کے ضعف کے متعلق علم ہونا چاہیے، کیونکہ جب شدید ضعف ہو تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں، ضعیف حدیث پر عمل کرنے اور اسے لوگوں کے درمیان پھیلانے کے متعلق یہ لازمی شرط ہے، کاش کہ اہل علم اسے بیان کرنے کی ذمہ داری نبھائیں۔

(ب) قید فقہی ......: رہی دوسری قید تو وہ فقہی ہے، یہ اس کی تفصیل کا موقع ہے لہٰذا میں عرض کرتا ہوں: حافظ ابن حجر نے اس دوسری شرط کے بارے میں غیر واضح بات فرمائی ہے:

"یہ کہ ضعیف حدیث اصل عام کے تحت مندرج ہو......"

مگر یہ قید حقیقت میں کافی نہیں، کیونکہ زیادہ تر بدعات اصل عام کے تحت ہی مندرج ہیں، اور اس کے باوجود وہ غیر مشروع ہیں، یہ وہی ہیں جنہیں امام شاطبی بدعات اضافیہ کا نام دیتے ہیں، اور یہ بات واضح ہے کہ ضعیف حدیث اس کی شریعت کے اثبات کا بیڑہ نہیں اٹھاتی، لہٰذا اس کی ایسی چیز کے ساتھ تقیید ضروری ہے جو اس سے زیادہ دقیق ہو، گویا کہ یوں کہا جائے، یہ کہ وہ ضعیف حدیث اس عمل کے بارے میں ہو جس کی شریعت اس کے علاوہ کسی دوسری چیز سے ثابت ہوتی ہو جو شرعی دلیل ہونے کے لیے درست ہو، اس حالت میں ضعیف حدیث سے شریعت سازی نہیں ہوگی، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس عمل میں، جس کی دل چاہت رکھتا ہے، مزید ترغیب ہے، لہٰذا

دل اس عمل کی طرف، جس کے متعلق یہ ضعیف حدیث روایت کی گئی، زیادہ مائل ومصروف ہو جاتا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے "مجموع فتاوٰی" (۲۵۱/۱) میں فرمایا:

''اور یہ کہ جب معلوم ہو جائے کہ وہ عمل کسی شرعی دلیل سے مشروع ہے، اور اس کی فضیلت کے بارے میں کوئی حدیث روایت کی جائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کذب ہے، تو جائز ہے کہ وہ ثواب حق ہو، اور کسی بھی امام نے یہ نہیں کہا کہ ضعیف حدیث سے کسی چیز کو واجب یا مستحب قرار دیا جائے، اور جس نے یہ کہا اس نے اجماع کی مخالفت کی۔''

اس بارے میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا تفصیلی فرمان ہے کہ فضائل میں محض ضعیف حدیث کی وجہ سے کسی چیز کو مستحب قرار دینا جائز نہیں

شیخ رحمہ اللہ نے اس اہم مسئلے کو دوسرے مقام پر ''مجموع فتاویٰ'' (۱۸/۶۵۔۶۸) میں بہت ہی تفصیل سے بیان کیا ہے میں نے نہیں دیکھا کہ آپ کے علاوہ کسی اور عالم نے اسے اس قدر تفصیل سے بیان کیا ہو، چونکہ اس میں فوائد وعلم ہے اس لیے میں نے ضروری جانا کہ میں اسے قارئین کی خدمت میں پیش کروں، انہوں نے امام احمد رحمہ اللہ کا پیچھے بیان کردہ فرمان ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

''اور اسی طرح فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے متعلق علماء کا جو موقف ہے، اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ مستحب کو کسی ایسی حدیث سے ثابت کیا جس سے دلیل نہیں لی جاتی، کیونکہ استحباب شرعی حکم ہے، وہ صرف شرعی دلیل سے ثابت ہوتا ہے، اور جس نے اللہ کی طرف سے کوئی خبر دی کہ وہ اعمال میں سے کسی عمل کو پسند کرتا ہے لیکن اس پر کوئی شرعی دلیل نہیں تو اس نے دین میں ایسا کام شروع کیا جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی، یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی عمل کے واجب یا حرام ہونے کو ثابت کرنا، اسی لیے علماء استحباب کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں، جس طرح وہ اس کے علاوہ دوسرے امور میں اختلاف کرتے ہیں، بلکہ وہ دین مشروع کی بنیاد ہے۔''

فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے سے علماء کی مراد

ان کی اس سے بس یہی مراد ہے یہ کہ وہ عمل اس ضمن میں سے ہو جو ثابت ہو کہ وہ ایسے اعمال میں سے ہے جسے اللہ پسند کرتا ہے، یا وہ ایسے اعمال میں سے ہے جسے اللہ ناپسند کرتا ہے اور یہ اثبات کسی نص یا اجماع سے ہو، جیسے تلاوت قرآن، تسبیح، دعا، صدقہ، غلام آزاد کرنا اور لوگوں کے ساتھ احسان کرنا اور کذب وخیانت اور اس طرح کے اعمال کی مانند، پس جب بعض مستحب اعمال کی فضیلت اور ان کے ثواب کے متعلق کوئی حدیث روایت کی جائے یا بعض اعمال کی کراہت اور ان کی سزا کے متعلق حدیث روایت کی جائے، لہٰذا ثواب وعقاب کی مقداریں

اور انواع، سے متعلق کوئی حدیث روایت کی جائے اور ہمیں معلوم نہ ہو کہ وہ موضوع ہے، تو اسے اس معنی میں روایت کرنا اور اس پر عمل کرنا جائز ہے کہ دل اس ثواب کی امید رکھتا ہے، یا اس سزا سے ڈرتا ہے، جیسے کوئی آدمی جانتا ہے کہ تجارت نفع دیتی ہے، لیکن اسے خبر ملے کہ وہ بہت زیادہ نفع دیتی ہے، تو اس نے اگر سچ کہا تو اسے فائدہ ہوا، اور اگر جھوٹ بولا تو اس کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔

ضعیف حدیث پر اس کی شرط کے ساتھ عمل کی مثال

اس کی مثال: محض اسرائیلی روایات، خوابوں، سلف اور علماء کے اقوال، علماء کے واقعات اور اس طرح کے دیگر واقعات کے ساتھ ترغیب وترہیب محض جن کے ساتھ حکم شرعی کا اثبات جائز ہے نہ استحباب اور نہ ہی کچھ اور، جائز ہے کہ اسے ترغیب وترہیب نیز امید دلانے اور ڈرانے کے لیے ذکر کیا جائے، پس شرعی دلائل سے اس کا حسن وقبح معلوم ہوا، کیونکہ یہ نفع پہنچاتا ہے نہ نقصان، خواہ وہ نفس امر میں حق ہو یا باطل، تو جب معلوم ہو جائے کہ وہ باطل اور موضوع ہے تو پھر اس کی طرف دیکھنا جائز نہیں، کیونکہ جھوٹ کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچاتا، اور جب ثابت ہو جائے کہ وہ صحیح ہے تو اس کے ذریعے احکام ثابت کیے جائیں گے، اور جب دونوں امور کا احتمال ہو تو اس کے صدق کے امکان اور اس کے کذب کے عدم نقصان کے پیش نظر اسے روایت کیا جائے گا اور امام احمد نے جو کہا ہے کہ "جب ترغیب وترہیب کا معاملہ آیا ہم نے اسانید میں تساہل سے کام لیا۔" اس کا معنی یہ ہے کہ ہم اس بارے میں ان اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں، اگرچہ وہ ایسے ثقات سے مروی نہ ہوں جو قابل حجت ہوں، اور اسی طرح جس نے یہ کہا: "فضائل اعمال میں ان پر عمل کیا جائے گا"، ان پر عمل سے مراد صرف وہ عمل مراد ہے جو اعمال صالحہ میں سے ہو، جیسے تلاوت وذکر، اور جن اعمال سیئہ سے متعلق کراہت ذکر کی گئی ہے ان سے اجتناب کیا جائے گا۔

اس کی مثال صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمرو سے مروی نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے:

((بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً وَحَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.)) [1]

"میری طرف سے پہنچادو خواہ ایک آیت ہو اور بنی اسرائیل سے روایت کرو، اس میں کوئی حرج نہیں اور جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ بولا تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔"

اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کا صحیح حدیث میں یہ فرمان بھی ہے:

---

[1] بخاری، الأنبیاء، ما ذکر عن بنی اسرائیل، ح: ٣٤٦١۔ ترمذی، العلم عن رسول اللہ ﷺ، ما جاء فی الحدیث عن بنی اسرائیل، ح: ٢٦٦٩۔ مسند احمد ٣/ ٤٦ (شہباز حسن)

((إِذَا حَدَّثَكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ فَلَا تُصَدِّقُوْهُمْ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ .)) ❶

''جب اہل کتاب تمہیں بیان کریں تو تم ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب۔''

آپ نے ان سے روایت کرنے کے بارے میں رخصت دی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی تصدیق و تکذیب سے منع فرمایا ہے، اگر ان سے مطلق تحدیث میں کوئی فائدہ نہ ہوتا تو آپ اس کے متعلق اجازت دیتے نہ حکم فرماتے، اگر صرف روایت کرنے کے ساتھ ان کی تصدیق جائز ہوتی تو آپ ان کی تصدیق سے منع نہ فرماتے، پس دل اسی چیز سے فائدہ اٹھاتے ہیں جس کے سچا ہونے کا وہ کئی جگہوں پر سوچتے ہیں۔

فضائل کی احادیث کے ساتھ مقدار مقرر کرنا اور حد بندی کرنا جائز نہیں

جب تم نے مقدار مقرر کرنے اور حد بندی کرنے'' کے حوالے سے فضائل کی ضعیف احادیث کو لیا، جیسے نماز کو کسی وقتِ معین یا قراءت معینہ کے ساتھ یا صفت معینہ کے ساتھ مقید و محدود کرنا جائز نہیں، کیونکہ وصف معین کے لیے یہ استحباب شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہوا، اس کے برعکس اگر اس میں روایت پر عمل کیا جائے: ''جو شخص بازار میں داخل ہوا اور وہ یہ پڑھے: . لا الــه الا الــلــه...... تو اسے اتنا اور اتنا اجر ملے گا'' ❷ بازار میں اللہ کا ذکر کرنا مستحب ہے، کیونکہ ایسا کرنے والا غافلین کے درمیان اللہ کا ذکر کرنے والا ہے، جیسا کہ معروف حدیث میں وارد ہے:

''غافلین میں اللہ کا ذکر کرنے والا، خشک درخت کے درمیان سبز درخت کے مانند ہے۔'' ❸

جہاں تک تعلق ہے اس میں مروی ثواب کی مقدار کا تو اس کا ثبوت اور عدم ثبوت مضر نہیں، اسی طرح کی ایک روایت ترمذی ❹ ہے:

''جسے اللہ کی طرف سے کوئی چیز پہنچے اس میں فضیلت ہو اور وہ اس فضیلت کی امید پر اس پر عمل کرلے اللہ اسے وہ چیز عطا کر دیتا ہے خواہ وہ اس طرح نہ ہو۔'' ❺

---

❶ بخاری، التوحید، ما يجوز من تفسير التوراة وغيرها من كتب الله بالعبرانية وغيرها ......، ح: ٧٥٤٢۔ الفاظ لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبوهم ہیں۔ (شہباز حسن)

❷ میں کہتا ہوں: اسے ترمذی نے 'غریب' کہا ہے، لیکن اس کے اور بھی کئی طرق ہیں جن سے یہ حسن درجے کی حدیث بن جاتی ہے۔ جیسا کہ میں نے الكلم الطيب (ح: ٢٢٩) پر اپنی تعلیقات میں ذکر کیا ہے۔ اس کی ...... اسناد کو منذری نے حسن کہا ہے جیسا کہ 'الصحيح' ١٦۔ البیوع، ٣۔ باب، ح: ١) میں اس کا تذکرہ آئے گا۔ (منہ)

❸ "الضعيف" (١٦۔ البیوع، ٣، باب) میں اس کا بیان آئے گا۔ (منہ)

❹ میں کہتا ہوں: اسے ترمذی کی طرف منسوب کرنا وہم یا قلمی لغزش ہے۔ یہ مذکورہ بالا مصدر میں تین طرق سے مروی ہے اور یہ سب کے سب موضوع طرق ہیں۔ دیکھیں (رقم: ٤٥١۔٤٥٣) اس (مصدر) سے ان کی مراد ضعیف الترغیب والترہیب ہے۔ اور ابن الجوزی نے اسے "الموضوعات" میں ذکر کیا ہے۔ اور سیوطی نے ان سے موافقت کی ہے۔ (منہ)

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ موضوع ترغیب وترہیب کے حوالے سے روایت کیا جاتا ہے اور اس پر عمل کیا جاتا ہے، نہ کہ استحباب میں، پھر اس کے واجب ہونے کا اعتقاد ہے، اور وہ ثواب وعقاب کی مقداریں ہیں تو اس حوالے سے شرعی دلیل پر توقف کیا جاتا ہے۔

فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے متعلق امام ابن تیمیہ کے کلام کا خلاصہ

میں کہتا ہوں کہ یہ سب شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے کلام سے ہے، اللہ انہیں مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور ہم اس کا خلاصہ بیان کرتے ہیں کہ ضعیف حدیث کی دو حالتیں ہیں:

(۱)......اس میں کسی ایسے عمل کے لیے ثواب کی نیت پر محمول کیا جائے جس کی مشروعیت کسی شرعی دلیل سے ثابت ہو، اس صورت میں اس پر عمل کرنا جائز ہے، اس معنی میں کہ دل اس ثواب کی امید رکھتا ہے، ان کے ہاں اس کی مثال بازار میں لا الہ الا اللہ کا ورد کرنا ہے، اس پر بنیاد رکھتے ہوئے کہ وہ ان کے ہاں ثابت نہیں، آپ نے اس کے متعلق ہماری رائے جان لی ہے۔

(۲)...... وہ کسی ایسے عمل پر مشتمل ہو جو کسی شرعی دلیل سے ثابت نہ ہو، کچھ لوگ گمان کرتے ہوں کہ وہ مشروع ہے۔ اس پر عمل کرنا جائز نہیں، اس کی بعض دوسری مثالیں بھی آئیں گی۔

اس پر علامہ اصولی محقق امام ابو اسحاق شاطبی غرناطی نے اپنی عظیم کتاب "الاعتصام" میں ان کی موافقت کی ہے، انہوں نے واضح بیان، بلند دلیل اور علم نافع سے، جس میں وہ معروف ہیں، ایک فصل میں اس مسئلے کو بڑی وضاحت وقوت کے ساتھ بیان کیا ہے، انہوں نے صراط مستقیم سے جعل سازی کرنے والوں کے طریق کے بیان کے لیے ایک فصل مقرر کی ہے اور انہوں نے ذکر کیا کہ وہ اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا شمار کرنا ممکن نہیں، اس پر انہوں نے کتاب وسنت سے استدلال کیا ہے اور وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی جائیں گی، اور یہ کہ ممکن ہے کہ وہ اس کے بعد دوسرے استدلالات پائے۔ خاص طور پر کثرت جہل، قلت علم اور درجہ اجتہاد سے اس میں غور وفکر کرنے والوں کی دوری کے وقت، پس تب اس کا شمار ممکن نہیں، انہوں نے (۱/۲۲۹) کہا:

"لیکن ہم اس سے کلی وجوہ ذکر کرتے ہیں ان پر دیگر کو قیاس کیا جائے گا۔"

بدعتیوں کے طرق میں سے ہے کہ ان کا دارومدار ضعیف احادیث پر ہے

ان کا دارومدار ضعیف احادیث پر ہے اور وہ ان میں رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھتے ہیں، جسے حدیث کی مہارت رکھنے والے انہیں بنیاد بنانے کو قبول نہیں کرتے، جیسے عاشوراء کے دن سرمہ لگانے، سفید مرغے کی عزت کرنے اور اس کی نیت سے بینگن کھانے کے متعلق حدیث [1] اور یہ کہ نبی ﷺ سماع کے وقت وجد میں

[1] یہ احادیث سب کی سب 'موضوع' ہیں۔ ان کی تفصیل آپ 'المقاصد الحسنة' اور دیگر کتب میں دیکھ سکتے ہیں۔ (منہ)

آ جاتے اور جھومتے تھے حتیٰ کہ چادر آپ کے کندھوں سے گر پڑتی۔ ❶ اور اس جیسی دیگر روایات، اس جیسی احادیث جو کہ معلوم ہیں۔ ان پر حکم کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ انہیں تشریع میں کبھی بنیاد نہ بنائیں اور جس نے انہیں اس طرح بنایا تو وہ نقل علم میں جاہل وخطا کار ہے، اس سے کسی چیز کا اخذ منقول نہیں جیسے ہم علم کے طریقے میں شمار کرتے ہیں اور نہ ہی سلوک کے طریقے میں۔

بعض علماء نے حسن حدیث سے اخذ کیا کیونکہ وہ محدثین کے نزدیک صحیح سے منسلک ہے، کیونکہ اس کی سند میں ایسا کوئی راوی نہیں جس پر بالاتفاق جرح کی گئی ہو، اور اسی طرح ان میں سے بعض نے مرسل کے ساتھ احکام اخذ کیے، یہ اسی حیثیت سے ہے کہ اس کا صحیح کے ساتھ الحاق کیا گیا ہو، اس طرح کہ جس کا تذکرہ نہیں کیا گیا وہ ایسے ہو جیسے اس کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اسے عادل قرار دیا گیا ہے۔ ❷

رہا وہ جو اس کے علاوہ ہے تو اسے علمائے حدیث کے نزدیک کسی حال میں بھی نہیں لیا جائے گا۔

اگر اہل اسلام کی یہ حالت ہوتی کہ وہ احادیث کے حوالے سے ہر روایت ہر راوی سے لے لیتے تو پھر ان کا تعدیل یا ترجیح کا فریضہ ادا کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا، اس کے باوجود انہوں نے اس پر اکٹھ کیا، اور طلب اسناد کا بھی کوئی معنی نہ ہوتا، اسی لیے انہوں نے اسناد کو دین کا حصہ قرار دیا اور وہ محض یہ مراد نہ لیتے: "حدثني فلان عن فلان" بلکہ وہ اس سے راویوں کی معرفت بھی مراد لیتے ہیں جو ان سے حدیث بیان کرتے حتیٰ کہ مجہول سے روایت لی جائے نہ مجروح سے اور نہ ہی متہم سے، مگر اس سے جو اپنی روایت کے حوالے سے ثقہ ہو، کیونکہ مسئلے کی روح یہ ہے کہ وہ ظن وگمان پر غالب ہو اور اس میں کوئی شک نہ ہو یہ کہ وہ حدیث ہے جسے نبی ﷺ نے فرمایا ہے تاکہ ہم شریعت میں اس پر اعتماد کرسکیں اور اس کی طرف احکام منسوب کرسکیں۔

ضعیف احادیث ظن وگمان پر غالب نہیں آتیں کہ نبی ﷺ نے انہیں فرمایا ہے، ان کی طرف احکام منسوب کرنا ممکن نہیں، تو ان حدیثوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے جو کذب میں معروف ہیں؟ ہاں، عموماً ان پر وہی اعتماد کرتا ہے جو خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "تمام المنة" (ص ۳۴-۳۸) میں فرمایا:

بارھواں قاعدہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل نہ کرنا

بہت سے اہل علم اور ان کے طلباء میں یہ بات مشہور ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز

❶ یہ حدیث موضوع ہے جیسا کہ بہت سے علماء نے اس کی صراحت کی ہے اور میں نے اسے "الأحاديث الضعيفة والموضوعة" (رقم: ۵۵۸). میں نقل کیا ہے۔ (منہ)

❷ میں کہتا ہوں: اس کے باوجود وہ محدثین کے نزدیک مردود ہے، جیسا کہ خطیب نے اسے "الکفایۃ" (ص ۳۹۱-۳۹۷) میں وضاحت کی۔ (منہ)

ہے اور وہ گمان کرتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں، کیسے نہیں جبکہ نووی رحمہ اللہ نے اپنی کئی کتابوں میں اس پر اتفاق نقل کیا ہے؟ اور انہوں نے جو نقل کیا ہے وہ واضح طور پر محل نظر ہے، کیونکہ اس میں اختلاف مشہور ہے، کیونکہ بعض محقق علماء کا یہ موقف ہے کہ اس پر مطلق طور پر عمل نہیں کیا جائے گا، احکام میں نہ فضائل میں، شیخ قاسمی رحمہ اللہ نے "قواعد التحدیث" (ص:۴۹) میں فرمایا:

''ابن سید الناس نے اسے یحییٰ بن معین کے حوالے سے "عیون الاثر" میں بیان کیا ہے اور "فتح المغیث" میں اسے ابوبکر بن العربی کی طرف منسوب کیا ہے اور ظاہر ہے کہ بخاری و مسلم کا بھی یہی موقف ہے...... اور وہ ابن حزم کا موقف ہے......''

میں نے کہا: یہی حق ہے، اس میں میرے نزدیک کئی امور کے پیش نظر کوئی شک نہیں:

اوّل......: ضعیف حدیث ظن مرجوح کا فائدہ دیتی ہے، اس پر عمل کرنا بالاتفاق جائز نہیں، جو اس سے فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا نکالتا ہے وہ لازمی طور پر دلیل لائے، مگر یہ نہیں ہو سکے گا۔

دوم......: میں ان کے قول ''......فضائل اعمال میں'' سے یہ سمجھتا ہوں: وہ اعمال جن کی مشروعیت اس چیز سے ثابت ہوتی ہے جو شرعی طور پر قابل حجت ہے اور اس کے ساتھ ضعیف حدیث ہو، اس پر عمل کرنے والے کے لیے اجر خاص ہوتا ہے، پس اس صورت میں فضائل اعمال میں اس پر عمل کیا جائے گا، کیونکہ اس میں اس پر عمل کرنے میں کوئی شریعت سازی نہیں، اس میں تو صرف خاص فضیلت ہے جس کے ملنے کی عمل کرنے والا امید رکھتا ہے اور بعض علماء نے قولِ مذکور سے یہی معنی مراد لیا ہے، جیسا کہ شیخ علی قاری رحمہ اللہ نے، انہوں نے ''المرقاۃ'' (۳۸۱/۲) میں فرمایا:

''ان کا یہ کہنا کہ فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے گا، اگرچہ اجماع کے طور پر تقویت نہ ملے جیسا کہ نووی نے فرمایا ہے کہ اس کا موقع و محل ہے کتاب اللہ یا سنت سے ثابت شدہ فضائل۔''

اس پر عمل کرنا جائز ہے، اگر عمل کی مشروعیت جو (عمل) اس (ضعیف روایت) میں ہے اس کے علاوہ ایسی دلیل سے ثابت ہو جو قابل حجت ہو، لیکن مجھے یقین ہے کہ اس قول کے زیادہ تر قائلین اس کی وضاحت کے باوجود اس سے یہ معنی مراد نہیں لیتے، کیونکہ ہم انھیں ایسی ضعیف احادیث پر عمل کرتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ وہ عمل ان کے علاوہ دیگر احادیث ثابتہ سے ثابت نہیں ہوتا، جیسے امام نووی کا استحباب۔ اور مؤلف...... سید سابق...... نے ان کی متابعت کی ہے کہ جب اقامت کہنے والا "قد قامت الصلوۃ" کہے تو سننے والا "أَقَامَهَا اللّٰهُ وَأَدَامَهَا" کہے، حالانکہ اس بارے میں جو حدیث وارد ہے وہ ضعیف ہے، اس کا بیان عنقریب آئے گا، اس کی مشروعیت اس ضعیف حدیث کے علاوہ کسی اور حدیث سے ثابت نہیں ہوئی، اس کے باوجود انہوں نے اسے مستحب قرار دیا ہے، حالانکہ

استحباب پانچ احکام میں سے ایک حکم ہے جن کے اثبات کے لیے ایسی دلیل ضروری ہے جو قابل حجت ہو، یہاں کتنے ہی ایسے متعدد امور ہیں جنھیں انہوں نے لوگوں کے لیے مشروع کیا اور انہیں ان کے لیے مستحب قرار دیا، اور انہوں نے انہیں ضعیف احادیث کے ساتھ مشروع کیا اور اس عمل کی سنت صحیحہ میں کوئی بنیاد نہیں، اس پر مزید مثالیں بیان کرنے کا یہ مقام نہیں، ہم نے جو یہ مثال ذکر کردی ہے وہی کافی ہے۔ اس کتاب میں بہت سی مثالیں ہیں، ان شاء اللہ اپنی اپنی جگہ پر ان سے آگاہی ہوگی۔

یہاں یہ بات بہت اہم ہے کہ مخالفین یہ جان لیں کہ فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل اس کے قائلین کے نزدیک بھی مطلق طور پر نہیں، حافظ ابن حجر نے "تبیین العجب" (ص ۳-۴) میں فرمایا:

"یہ بات مشہور ہے کہ اہل علم فضائل کے متعلق احادیث لانے میں تساہل سے کام لیتے ہیں، خواہ ان میں ضعف ہو بشرطیکہ موضوع نہ ہو، اس کے ساتھ یہ شرط ہے کہ اس پر عمل کرنے والا یہ اعتقاد رکھے کہ وہ حدیث ضعیف ہے اور یہ کہ وہ اسے مشہور نہ کرے، تاکہ کوئی دوسرا شخص ضعیف حدیث پر عمل نہ کرے۔ اس طرح وہ ایسے عمل کو مشروع بنا دے گا جو کہ مشروع نہیں یا کوئی جاہل شخص اسے (عمل کرتے ہوئے) دیکھے گا تو وہ سمجھے گا کہ وہ سنت صحیحہ ہے، ابو محمد بن عبد السلام نے اس معنی کی صراحت کی ہے، آدمی کو آپ ﷺ کے اس فرمان: "جس نے مجھ سے کوئی حدیث بیان کی وہ سمجھتا ہے کہ وہ کذب ہے (اور وہ پھر بھی اسے روایت کرتا ہے) تو وہ بھی ایک جھوٹا شخص ہے۔" کے زمرے میں داخل ہونے سے بچنا چاہیے۔ اس شخص کی کیا حالت ہوگی جو اس پر عمل بھی کرتا ہے؟ حدیث پر عمل کرنے میں احکام یا فضائل میں کوئی فرق نہیں، یہ سب شرع ہے۔"

اس پر عمل کرنے کے جواز کے لیے یہ تین شرائط اہم ہیں:

۱: یہ کہ وہ (ضعیف حدیث) موضوع نہ ہو۔

۲: اس پر عمل کرنے والے کو اس کے ضعیف ہونے کا علم ہو۔

۳: اس پر عمل کرنے کو مشہور نہ کیا جائے۔

افسوس ہے کہ ہم عام لوگوں کو تو کیا بہت سے علماء کو ان شرائط کے بارے میں تساہل سے کام لیتے ہوئے دیکھتے ہیں، وہ حدیث پر اس کے صحیح یا ضعیف ہونے کی معرفت حاصل کیے بغیر عمل کرتے ہیں، اور جب وہ اس کے ضعف کے متعلق جان لیتے ہیں تو انھیں اس (ضعف) کی مقدار کا پتہ نہیں ہوتا کہ کیا وہ معمولی (ضعف) ہے یا شدید جو اس پر عمل کرنے سے مانع ہے، پھر وہ اس پر عمل کرنے کو یوں مشہور کرتے ہیں گویا کہ وہ صحیح حدیث ہو! اسی لیے عبادات بہت زیادہ ہوگئیں جو مسلمانوں کے درمیان درست نہیں اور انہوں نے انہیں ان صحیح عبادات سے دور

کر دیا جو صحیح اسانید سے ثابت ہیں۔

پھر یہ شرائط ہمارے موقف کو ترجیح دیتی ہیں کہ جمہور وہ معنی مراد نہیں لیتے جسے ہم نے ابھی ترجیح دی ہے، کیونکہ اس میں ان شرائط میں سے کسی چیز کی بھی شرط نہیں جیسا کہ واضح ہے۔

میرا خیال ہے کہ الحافظ رحمہ اللہ مرجوح معنی کے ساتھ، ضعیف پر عمل کے عدم جواز کی طرف میلان رکھتے ہیں جیسا کہ انہوں نے مذکورہ بالا سطور میں فرمایا:

''......حدیث پر عمل کرنے میں احکام یا فضائل میں کوئی فرق نہیں، یہ سب شرع ہیں۔''

اور یہ درست بات ہے، کیونکہ ضعیف حدیث جسے تقویت پہنچانے والی کوئی چیز نہ ملے تو احتمال ہے کہ وہ ضعیف ہوگی، بلکہ غالب طور پر وہ کذب اور موضوع ہوگی۔ بعض علماء نے حتمی طور پر یہ موقف اختیار کیا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے زمرے میں آتا ہے:

''......وہ سمجھتا ہے کہ وہ کذب ہے۔'' اسی لیے حافظ نے اپنے قول ''تو اس کا کیا حال ہے جو اس پر عمل کرتا ہے؟'' کے ذریعے اس پر تبصرہ کیا ہے۔ اس کی وہ تائید کرتا ہے جو ''تمام المنة'' میں ابن حبان کے حوالے سے گیارھویں قاعدے میں نقل ہو چکا ہے۔

''اپنی روایت کے بارے میں شک کرنے والا ہر راوی کہ وہ صحیح ہے یا غیر صحیح، اس حکم (کی وعید) میں داخل ہے۔''

لہٰذا ہم وہی کہیں گے جس طرح حافظ نے فرمایا: ''اس پر عمل کرنے والا کس طرح ہوگا......؟!''

یہ حافظ کی اپنے قولِ مذکور کی مراد کی توضیح ہے اور یہ کہنا کہ ان کی مراد موضوع حدیث ہے، یہ کہ وہ اس پر عمل کرنے میں احکام یا فضائل میں کوئی فرق نہیں کرتے، جیسا کہ حلب کے ہم عصر بعض مشائخ نے کہا ہے، تو وہ حافظ کے سیاق کلام سے بہت دور ہے، وہ ضعیف حدیث کے بارے میں ہی ہے نہ کہ موضوع کے بارے میں جیسا کہ مخفی نہیں!

ہم نے جو ذکر کیا وہ اس کے منافی نہیں کہ حافظ نے ضعیف پر عمل کرنے کی شرائط ذکر کی ہیں جیسا کہ شیخ کا خیال ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں: حافظ نے انہیں ان لوگوں کے لیے ذکر کیا جن کے بارے میں انہوں نے ذکر کیا کہ وہ فضائل میں احادیث بیان کرنے میں نرمی سے کام لیتے ہیں جبکہ وہ موضوع نہ ہوں، گویا کہ وہ انہیں کہتے ہیں: جب یہ دیکھو تو تمہیں چاہیے کہ تم ان شرائط کے ساتھ مقید کرو، یہی ہے جو میں نے اس قاعدے میں کیا ہے، اور حافظ نے صراحت نہیں کہ وہ ان شرائط کے ساتھ جواز میں ان کے ساتھ ہیں، خاص طور پر کہ انہوں نے اپنے کلام کے آخر پر

یہ بتا دیا کہ وہ اسی کے خلاف ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

خلاصۂ کلام

فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل جائز نہیں، مرجوع تفسیر کی بنا پر اسے اختیار نہیں کہا جاسکتا تب وہ اصل کے خلاف ہے اور اس پر کوئی دلیل نہیں، اس کے متعلق کہنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ مذکورہ شرائط کو نصیحت حاصل کرنے کی آنکھ سے دیکھے۔ اور وہ اپنے عمل میں ان کی پابندی کرے، واللہ الموفق۔

پھر یہ کہ قول مخالف کے مفاسد میں سے ہے، کہ جب ہم نے اسے ترجیح دی کہ وہ مخالفین کو فضائل کے دائرے سے بڑھا کر احکام شریعت میں اس سے استدلال کرنے تک پہنچا دے گا، بلکہ وہ عقائد بھی اسی (ضعیف حدیث) سے اخذ کریں گے اس کے متعلق میرے پاس بہت سی مثالیں ہیں، لیکن میں ان میں سے صرف ایک مثال پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ ایک حدیث ہے: ''جب نمازی سترے کے لیے کوئی چیز نہ پائے تو وہ اپنے آگے ایک لکیر ہی کھینچ لے۔'' اس کے باوجود کہ بیہقی اور نووی ان حضرات میں سے ہیں جنھوں نے اس کے ضعیف ہونے کی صراحت کی ہے، لیکن انہوں نے اپنے امام شافعی کے خلاف اس پر عمل کرنے کی اجازت بھی دی ہے، جب ہم حدیث مذکور پر کلام کریں گے تو اس کے متعلق ان دونوں کے قول کی جانچ پڑتال ہوگی۔

اور جو شخص اس اہم بحث کے متعلق مزید تفصیل چاہتا ہے وہ ''صحیح الترغیب'' (۱/۱۶۔۳۶) کے مقدمے کا مطالعہ فرمائے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''صحیح الجامع'' (ص ۴۹۔۵۵) کے مقدمے میں فرمایا:

دوسری بات ان کا قول کہ ''اس کے باوجود کہ فضائل اعمال میں محدثین اور اصولیین کے نزدیک ضعیف حدیث پر مقررہ شرائط کے ساتھ عمل کیا جاتا ہے۔''

پس ہم اس پر دو مؤاخذے کرتے ہیں:

(۱) پہلا مؤاخذہ......: بہت سے لوگ اس مثل سے اطلاق کا مفہوم سمجھتے ہیں کہ علماء کے نزدیک عمل مذکور میں کوئی اختلاف نہیں، حالانکہ اس طرح نہیں ہے، بلکہ اس بارے میں اختلاف معروف ہے، جیسا کہ وہ مصطلح الحدیث کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، جیسے علامہ شیخ جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ کی "قواعد التحدیث" انہوں نے اس میں (ص ۱۱۳ پر) ائمہ کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ وہ ضعیف حدیث پر عمل کو مطلق طور پر نہیں سمجھتے، جیسے ابن معین، بخاری، مسلم اور ابوبکر بن العربی الفقیہ وغیرہ۔ اور ان میں سے ابن حزم ہیں، انہوں نے "الملل والنحل" میں فرمایا: ''مشرق ومغرب والوں نے اسے روایت کیا یا بہت سے راویوں نے بہت سوں سے روایت کیا یا ثقہ نے ثقہ سے روایت کیا، حتیٰ کہ وہ (سند) نبی ﷺ تک پہنچ جائے، مگر یہ کہ سند میں ایک ایسا آدمی ہے

جس پر جھوٹ یا غفلت یا مجہول الحال ہونے کی جرح کی گئی ہے، بعض مسلمان اس کے متعلق یہ کہتے ہیں، تو پھر ہمارے نزدیک اس کی بات کرنا، اس کی تصدیق کرنا اور اس سے کوئی چیز اخذ کرنا حلال نہیں۔"

میں نے کہا: حافظ ابن رجب نے "شرح الترمذی" (ق ۱۱۲/۲) میں فرمایا:

"مسلم نے اپنی کتاب (یعنی: "الصحیح") کے مقدمے میں جو ذکر کیا اس کا ظاہری مفہوم تو یہی تقاضا کرتا ہے کہ ترغیب وترہیب کی احادیث بھی صرف اسی شخص سے روایت کی جائیں جس سے احکام کی احادیث روایت کی جاتی ہیں۔"

میں نے کہا: یہی ہے جسے اللہ نے دین بنایا ہے اور میں بھی اسی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہوں کہ ضعیف حدیث پر مطلق طور پر عمل نہیں کیا جائے گا، فضائل مین نہ مستحبات میں اور نہ ہی ان دونوں کے علاوہ میں۔

یہ اس لیے کہ ضعیف حدیث ظن مرجوح کا فائدہ دیتی ہے، میری معلومات کے مطابق اس کے متعلق علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، جب اس طرح ہے تو پھر اس پر عمل کے جواز کے بارے میں کس طرح کہا جاسکتا ہے، اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں کئی آیات میں اس کی مذمت کی ہے، فرمایا:

﴿وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ (النجم: ۲۸) "بے شک ظن وگمان حق بات کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا۔" نیز فرمایا:

﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ﴾ (النجم: ۲۳) "وہ تو محض ظن وگمان ہی کی پیروی کرتے ہیں۔" اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ" [1] "ظن وگمان سے بچو، کیونکہ ظن و گمان سب سے بڑا جھوٹ ہے۔"

جان لیجیے کہ میں نے جو یہ موقف اختیار کیا ہے اس کے لیے مخالفین کے پاس کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہیں، متاخرین میں سے کسی عالم نے اپنی کتاب "الأجوبة الفاضلة" میں ان (مخالفین) کی مدد کی ہے، اس (عالم) نے اس مسئلے کے لیے (۳۹۔۵۹) ایک فصل مقرر کی ہے، اس کے باوجود وہ (عالم) ان کے لیے قابل حجت ایک دلیل بھی ذکر نہیں کرسکے! البتہ بعض عبارتیں مستثنیٰ ہیں، جنھیں انہوں نے بعض سے نقل کیا ہے، ان کی بحث ونزاع کے میدان میں کوئی قیمت نہیں، اس کے علاوہ وہ ایک دوسرے سے متعارض بھی ہیں، جیسا کہ ابن ہمام سے ص ۴۱ پر نقل کیا ہے:

"استحباب ضعیف روایت سے ثابت ہوتا ہے موضوع سے نہیں۔"

پھر (۵۵۔۵۶ پر) محقق جلال الدین الدوانی سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا:

"انہوں نے اس پر اتفاق کیا کہ ضعیف حدیث سے شرعی پانچ احکام ثابت نہیں ہوتے اور استحباب بھی

---

[1] متفق عليه: صحيح الجامع (٢٦٧٩). (منه)

انہی میں سے ہے۔"

میں نے کہا: یہی درست ہے، جیسا کہ بیان ہوا کہ ظن وگمان پر عمل کرنے کی ممانعت ہے جو ضعیف حدیث سے معلوم ہوتا ہے، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا قول "القاعدة الجليلة فى التوسل والوسيلة" میں ہے، جو کہ اس کی تائید کرتا ہے اور وہ درج ذیل ہے:

"شریعت میں احادیث ضعیفہ، جو کہ صحیح ہوں نہ حسن، پر اعتماد کرنا جائز نہیں، لیکن احمد بن حنبل اور دیگر علماء نے جائز قرار دیا ہے کہ انہیں فضائل اعمال میں روایت کرلیا جائے، جب تک معلوم نہ ہو کہ وہ ثابت ہے، جب معلوم نہ ہو کہ وہ کذب ہے اور یہ کہ وہ عمل جب معلوم ہو کہ وہ شرعی دلیل کے ساتھ مشروع ہے اور اس کی فضیلت میں ایک حدیث مروی ہے جس کے متعلق معلوم نہیں کہ وہ جھوٹ ہے، جائز ہے کہ ثواب صحیح ہو اور ائمہ میں سے کسی نے نہیں کہا کہ ضعیف حدیث کے ذریعے کسی چیز کو واجب یا مستحب قرار دینا جائز ہے اور جس نے یہ کہا تو اس نے اجماع کی مخالفت کی۔"

پھر انہوں (یعنی شیخ الاسلام ابن تیمیہ) نے فرمایا:

"احمد بن حنبل اور ان جیسے ائمہ شریعت میں ان جیسی احادیث پر اعتماد نہیں کرتے تھے اور جس نے (ان میں سے) کسی ایک سے نقل کیا کہ وہ ضعیف حدیث، جو کہ صحیح ہے نہ حسن، سے دلیل لیتے تھے، اس نے ان کے متعلق غلط بات کی......"

اور علامہ احمد شاکر نے "الباعث الحثيث" (ص ۱۰۱) میں فرمایا:

"اور رہا وہ جو احمد بن حنبل، عبدالرحمٰن مہدی اور عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: "جب ہم نے حلال و حرام کے متعلق روایت کیا تو ہم نے (روایت کرنے میں) سختی کی اور جب ہم نے فضائل وغیرہ کے متعلق روایت کیا تو ہم نے تساہل سے کام لیا۔" وہ اس سے یہ مراد لیتے ہیں ...... جسے میں ترجیح دیتا ہوں، واللہ اعلم...... کہ تساہل جو ہے وہ صرف حسن حدیث اخذ کرنے کے بارے میں ہے جو صحیح کے درجے کو نہیں پہنچی، صحیح اور حسن کے درمیان فرق کرنے کی اصطلاح ہمارے دور میں واضح طور پر قرار پذیر نہیں تھی، بلکہ اکثر متقدمین حدیث کو صرف صحیح قرار دیتے تھے یا صرف ضعیف۔"

میں نے کہا: اس کے متعلق میرے نزدیک ایک اور پہلو بھی ہے اور وہ یہ ہے:

ان کے تساہل مذکور کو ان کے روایت کرنے پر ہی محمول کیا جائے جو ان کی اسانید کے ساتھ ہوں۔ جیسا کہ ان کی عادت ہے۔ ان اسانید کے ذریعے ان احادیث کے ضعف کی معرفت ممکن ہے، لہٰذا سند کا ذکر کر دینا ضعف کی تصریح سے بے نیاز کر دیتا ہے، یا وہ اسے ان کی اسانید کے بغیر روایت کر دیں، جیسا کہ وہ بعد والوں کا طریقہ ہے

اور اس کے ضعف کا بیان نہیں ہوتا، جیسا کہ وہ جمہور کا طریقہ وعمل ہے، پس وہ اللہ عزوجل کے لیے اس سے کہیں زیادہ ڈرنے والے ہیں کہ وہ یہ فعل کریں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲)...... دوسرا مواخذہ: وہ یہ ہے کہ اس پر لازم ہے کہ وہ ان شرائط کی وضاحت کرے جن کی طرف اس نے اشارہ کیا ہے، جب تک کہ وہ ایک کتاب کی تعریف وتبصرے کے قصد وارادے میں رہے جو کہ سینکڑوں ضعیف اور موضوع احادیث پر مشتمل ہے، تا کہ قارئین واضح طور پر جانتے ہوں جب وہ اس کے قول مذکور پر عمل کا انتخاب کریں، کیونکہ جب وہ اسے نہیں پہچانیں گے تو وہ ہر اس حدیث پر عمل کریں گے جسے وہ پڑھیں گے یا سنیں گے، تو وہ اس کی مخالفت میں مبتلا ہو جائیں گے کہ انہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔ اس لیے میں نے اس مناسبت سے اپنے اوپر لازم سمجھا کہ میں یہاں ثقہ مصدر سے ان شرائط کو لکھوں، تا کہ اس کی پابندی سے لوگوں کی اس امر سے دوری کی حد دیکھی جائے جس نے انہیں واہی اور موضوع احادیث کے ذریعے احکام کی ذمہ داری اور شریعت سازی کے دائرے کی توسیع تک پہنچایا، حافظ سخاوی نے "القول البدیع، فی الصلوۃ علی الحبیب الشفیع" [1] میں فرمایا:

میں نے اپنے شیخ (یعنی: حافظ ابن حجر عسقلانی) سے کئی بار سنا...... اور انہوں نے خود میرے لیے تحریر فرمایا...... ضعیف پر عمل کرنے کی تین شرائط ہیں:

اوّل......: اس پر اتفاق ہے کہ وہ ضعف شدید نہ ہو، (اس طرح) وہ شخص نکل جائے جس نے کذابین و متہمین بالکذب سے ہی روایت کیا اور جس نے فحش غلطیاں کیں۔

دوم......: وہ عمومی بنیاد کے تحت مندرج ہو، تو وہ کچھ اس سے خارج ہو جائے گا جسے اس طرح اختراع کیا گیا ہو جس کی بالکل کوئی بنیاد نہ ہو۔

سوم......: عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھا جائے، تا کہ نبی ﷺ نے جو بات نہ فرمائی ہو وہ آپ کی طرف منسوب نہ کی جائے۔ انہوں نے کہا: آخری دو ابن عبدالسلام اور ان کے صاحب ابن دقیق العید سے ہیں اور پہلی کو العلائی نے نقل کیا ہے اس پر اتفاق ہے۔

میں نے کہا: یہ شرائط بہت ہی اہم اور دقیق ہیں، اگر ضعیف احادیث پر عمل کرنے والے ان شرائط کی پابندی کریں تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ ان پر عمل کرنے کا دائرہ تنگ ہو جائے گا، یا ان کی بنیاد ہی ختم ہو جائے گی اور اس کا بیان تین طرح سے ہے:

(۱)......: پہلی شرط اس حدیث کے حال کی معرفت کے وجوب پر دلالت کرتی ہے جس پر ان میں سے کوئی

---

[1] ص: ۱۹۵، طبع ہند. (منہ)

عمل کرنا چاہتا ہے، تاکہ جب ضعف شدید ہو تو اس پر عمل کرنے سے اجتناب کیا جائے اور یہ وہ معرفت ہے جس پر قائم رہنے کو بہت سے لوگ مشکل سمجھتے ہیں اور علمائے حدیث کی کمی کی وجہ سے وہ ہر ضعیف حدیث پر عمل کرنا چاہتے ہیں، خاص طور پر اس دور میں، ان سے میری مراد، اہل تحقیق ہیں، وہ لوگوں کو صرف وہی حدیث بیان کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو اور وہ انہیں ضعیف حدیثوں کے متعلق بتاتے ہیں اور ان کو ان سے بچاتے ہیں، بلکہ یہ لوگ تو بہت ہی کم ہیں۔ فاللّٰہ المستعان.

اسی لیے تم ضعیف احادیث پر عمل کرنے والوں کو دیکھو گے، انہوں نے اس شرط کی صریح مخالفت کی ہے، بے شک ان میں سے کوئی...... خواہ وہ محدثین کے علاوہ اہل علم میں سے ہو۔ فضائل اعمال میں کسی حدیث سے جونہی آگاہ ہوتا ہے، وہ اس کے ضعف شدید سے محفوظ ہونے کی معرفت حاصل کیے بغیر اس پر عمل کرنے میں جلدی کرتا ہے، تو جب کوئی اس کے پاس آئے جو اسے اس کے ضعف کے متعلق بتائے تو وہ فوراً اس مزعوم قاعدے ''فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جاتا ہے'' کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور اس کا سہارا لیتا ہے، تو جب اس شرط کی یاد دہانی کرائی جاتی ہے تو خاموش ہو جاتا ہے اور زبان سے ایک لفظ نہیں نکالتا!

میں نہیں چاہتا کہ میں نے جو کہا ہے اس کے متعلق مثالیں بیان کرتے ہوئے بہت دور نکل جاؤں، علامہ ابوالحسنات لکھنوی اپنی گزشتہ کتاب "الأجوبة" (ص:۳۷) میں علامہ شیخ علی قاری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک حدیث کے بارے میں کہا:

''......سب سے افضل دن عرفہ کا دن ہے، جب وہ جمعہ کے دن آئے، تو وہ ستر (۷۰) حج سے افضل ہے۔''

اسے رزین نے روایت کیا ہے۔

''رہا وہ جو بعض محدثین نے اس حدیث کی اسناد کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ وہ ضعیف ہے تو ضعیف قرار دینے پر بھی مقصود کے لیے مضر نہیں، کیونکہ ضعیف حدیث فضائل اعمال میں معتبر ہے!'' لکھنوی نے اسے برقرار رکھا۔

محترم قاری! اس پر غور فرمائیں، ان دونوں فاضل حضرات نے کس طرح اس شرط مذکور کو چھوڑا، کیونکہ وہ اس لکھی ہوئی حدیث کی اسناد پر حتمی طور پر نہیں ٹھہرے، ورنہ وہ اس کا حال بیان کرتے، اور انہوں نے اس کا جواب دیتے ہوئے جدل کا طریق اختیار نہیں کیا: "فعلی تقدیر صحته" یعنی ضعیف ہونے کے قول کے درست ہونے پر! ان دونوں کو اس کا کس طرح حق پہنچتا ہے، اور علامہ محقق ابن قیم نے اس کے متعلق "زاد المعاد" (۱/۱۷) میں فرمایا:

''وہ باطل ہے، اس کی رسول اللہ ﷺ سے کوئی بنیاد ثابت ہے نہ صحابہ کرام سے اور نہ ہی تابعین میں

سے کسی سے ثابت ہے۔''

اور اسی طرح جو فاضل مذکور نے (ص ۲۶ پر) زرقانی کی ''شرح المواہب'' سے نقل کیا: حاکم نے روایت کیا ......اور علی سے مرفوعاً مروی ہے:

''جب تم حدیث لکھو تو اسے اس کی اسناد کے ساتھ لکھو، تو اگر وہ حق ہوئی تو تم بھی خیر میں شریک ہو گے اور اگر باطل ہوئی تو اس کا بوجھ اس پر ہوگا۔''

یہ حدیث موضوع ہے جیسا کہ میں نے "سلسلة الاحاديث الضعيفة" (رقم: ۸۲۲) میں اس کی تحقیق کی ہے، اور اس کے ساتھ یہ کہ الفاضل، جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے، یہ کہ وہ فضائل اعمال میں سے ہے! حقیقت میں وہ ضعیف و موضوع احادیث کو نشر کرنے اور ان پر عمل کرنے پر ابھارنے اور دلیر کرنے کا بہت بڑا سبب ہے، ایسا کیوں نہ ہو جبکہ وہ کہتا ہے:

''اگر حق ہوئی تو تم خیر میں شریک ہو، اور اگر باطل ہوئی تو اس کا بوجھ اس پر ہوگا۔''

یعنی: اس کے نقل کرنے والے پر کوئی بوجھ نہیں ہوگا، اور یہ اہل علم کے موقف کے خلاف ہے، یہ کہ موضوع حدیث کو روایت کرنا جائز نہیں مگر اس کے موضوع ہونے کا بیان کرنے کے ساتھ، اور محقق اہل علم کے نزدیک ضعیف حدیث بھی اسی طرح ہے، جیسا کہ ابن حبان و دیگر کا موقف میں نے "سلسلة الأحاديث الضعيفة" کے مقدمے میں بیان کیا ہے، العلامہ احمد محمد شاکر نے مذکورہ تین شرائط ذکر کرنے کے بعد فرمایا[1]:

''میں جو سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ ضعیف حدیث میں ضعف کا بیان کرنا ہر حال میں واجب ہے، کیونکہ ایسا کرنا اس کے پڑھنے والے کو اس خیال میں ڈال دیتا ہے کہ وہ حدیث صحیح ہے، خاص طور پر جب نقل کرنے والا ان علمائے حدیث میں سے ہو جن کی بات اس معاملے میں قابل حجت ہو، اور یہ کہ ضعیف روایت کے عدم اخذ میں احکام اور فضائل اعمال وغیرہ میں کوئی فرق نہیں، بلکہ ہر ایک کے لیے صرف وہی حجت ہے جو صحیح یا حسن حدیث کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ سے صحیح ثابت ہو۔''

میں نے کہا: خلاصہ یہ ہے کہ اس شرط کی پابندی عملی طور پر اس طرف راہنمائی کرتی ہے کہ جو حدیث ثابت نہ ہو اس پر عمل نہ کیا جائے، کیونکہ بہت سے لوگوں پر شدید ضعف کی معرفت حاصل کرنا مشکل ہے، نتیجے کے طور پر اس شرط کی بابت ہو سکتا ہے کہ اس موقف سے جا ملے جسے ہم نے اختیار کیا اور یہی مراد ہے۔

ب......: دوسری شرط سے لازم آتا ہے: ''یہ کہ ضعیف حدیث اصل عام کے تحت مندرج ہو......'' حقیقت میں عمل ضعیف حدیث پر نہیں، وہ تو اصل عام ہے اور اس پر عمل منقول ہے، ضعیف حدیث پائی جائے یا نہ پائی

[1] مختصر الباعث الحثيث ص: ۱۰۱. (منه)

جائے اور اس کے برعکس کچھ نہیں، میری مراد ہے ضعیف حدیث پر عمل تب ہے جب اصل عام نہ ملے، پس ثابت ہوا کہ ضعیف حدیث پر عمل اس شرط کے ساتھ ظاہری طور پر ہے، حقیقی نہیں اور یہی مراد ہے۔

ج ...... تیسری شرط ضعیف حدیث کی معرفت کی ضرورت میں شرط اوّل سے ملتی ہے، تاکہ اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھا جائے اور یہ معلوم ہے کہ وہ حضرات جو فضائل میں ضعیف احادیث پر عمل کرتے ہیں ان میں سے اکثر ان کے ضعف سے واقف نہیں ہوتے اور یہ مطلوب کے خلاف ہے۔

بہر حال ہم مشرق و مغرب میں بسنے والے اپنے تمام مسلمان بھائیوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ مطلق طور پر ضعیف احادیث پر عمل کرنا چھوڑ دیں، اور یہ کہ وہ اپنی تمام ہمتیں اور توانائیاں نبی ﷺ سے صحیح ثابت احادیث پر عمل کرنے پر مرکوز کر دیں، وہ اس قدر ہیں کہ وہ ضعیف سے بے نیاز کر دیتی ہیں، اور اسی میں رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھنے کے ارتکاب سے نجات ہے، کیونکہ ہم تجربے سے جانتے ہیں کہ وہ لوگ جو اس میں اختلاف کرتے ہیں وہ اس کذب میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو ہم نے ذکر کیا ہے، کیونکہ وہ ہر سنی سنائی حدیث پر عمل کرتے ہیں، آپ ﷺ نے اپنے فرمان سے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

((كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ .)) [1]

''کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو بیان کرے۔''

اور اسی پر میں کہتا ہوں: کسی شخص کے گمراہ ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات پر عمل کرے!

---

[1] اسے مسلم رحمہ اللہ نے اسے اپنی 'صحیح' کے مقدمہ میں روایت کیا ہے۔ (منہ)

فصل: ذکر سے متعلق قواعد

اوّل: دلیل کے بغیر مطلق کو مقید اور مقید کو مطلق قرار دینا جائز نہیں

دوم: کیا کسی دلیل کے بغیر عبادت میں مطلق اور عام نصوص کو اختیار کرنا جائز ہے؟

سوم: رائے کے ذریعے مطلق نصوص کی تقیید

① - رائے کے ذریعے مطلق نصوص کی تقیید کو جائز قرار دینے پر شیخ حبشی کی تردید

② - بدعات کے لیے مختلف مثالیں جنھیں شیخ حبشی نے علماء کے خلاف مشروع قرار دیتا ہے

③ - عبادت میں کسی مقید طریقے کی پابندی جس کی عام لوگ کسی دلیل کے بغیر پابندی کرتے ہیں، مشروع نہیں

④ - قاعدہ: اذکار میں آواز پست رکھنا اصل ہے

⑤ - امام شافعی رحمہ اللہ نے اس چیز کو اختیار کیا ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد امام اور مقتدی پست آواز سے ذکر کریں

⑥ - شیخ نے اس چیز کو اختیار کیا ہے کہ نماز کے بعد تعلیم کی غرض سے بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے اور انہوں نے اس مؤقف پر دلائل بھی ذکر کیے ہیں

ذکر سے متعلق قواعد

اوّل: دلیل کے بغیر مطلق کو مقید اور مقید کو مطلق قرار دینا جائز نہیں

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (٦/ ٢٣) میں فرمایا:

''جس چیز کو الشارع الحکیم (اللہ تعالیٰ) نے مطلق رکھا ہے اسے مقید کرنا جائز نہیں، جس طرح کسی چیز کو مطلق قرار دینا جائز نہیں جسے اس نے مقید رکھا ہو۔''

دوم: کیا کسی دلیل کے بغیر عبادت [1] میں عام و مطلق نصوص پر تمسک اختیار کرنا جائز ہے؟

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صلاة التراويح" (ص٢٩-٣٣) میں فرمایا:

ان میں سے بعض نے کسی معین عدد کی تعیین کے بغیر نماز میں اضافے کی ترغیب کے سلسلے میں عام و مطلق دلائل کو اختیار کیا ہے! [2] جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیعہ بن کعب سے فرمایا، انہوں نے آپ سے جنت میں آپ کی مرافقت و ساتھ کی درخواست کی تھی:

((فَأَعِنِّيْ عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ.)) [3]

''کثرت سجود سے میری مدد کرو۔'' [4]

جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: ''وہ قیام رمضان میں رغبت رکھتے تھے۔'' اس طرح کی احادیث، جو اپنے اطلاق و عموم کی وجہ سے نماز کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہیں کہ نمازی جتنی تعداد میں چاہے (رکعتیں) پڑھ سکتا ہے۔

جواب: یہ استدلال انتہائی کمزور ہے، بلکہ وہ ایک شبہہ ہے بیان کرنے کے قابل نہیں جیسا کہ اس سے پہلے

---

[1] یہ وہ شبہہ ہے جسے عبادت میں اضافہ کے قائلین نے اپنایا ہے، شیخ رحمہ اللہ نے میں اس (شبہے) کا رد کیا ہے کہ نماز تراویح میں عدد ثابت پر اضافہ کرنا اور زیادہ تعداد میں نماز تراویح پڑھنا جائز نہیں۔

[2] جیسا کہ الاصابة کے مؤلفین نے کیا ہے۔ (منہ)

[3] صحیح مسلم (٢/ ٥٢)، ابوعوانہ (٢/ ١٨١).

[4] یعنی نفلی عبادت زیادہ کرو جس کی بنا پر تمہارے حق میں اللہ تعالیٰ میری درخواست منظور فرمالے گا کیونکہ یہ ساتھ خود عطا نہیں کرتا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ سے مانگتا تھا، اس لیے نبی اکرم نے فرمایا: ''میری مدد کرو۔'' (شہباز حسن)

تھا!! مطلق پر عمل اس کے اطلاق پر صرف اس میں جائز ہوگا جسے الشارع نے مطلق سے مقید نہیں کیا، ہاں جب الشارع نے کسی مطلق حکم کو کسی قید کے ساتھ مقید کیا تو پھر اس کے ساتھ تقیید واجب ہے، اور مطلق پر اکتفا کیا جائے، جبکہ ہمارا مسئلہ (نماز تراویح) مطلق نوافل میں سے نہیں، کیونکہ وہ ایک ایسی نماز ہے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ایک نص کے ساتھ مقید ہے، جیسا کہ اس کا بیان نماز تراویح کے حوالے سے اس فصل کے شروع میں ہو چکا ہے، لہٰذا مطلق اختیار کرتے ہوئے اس شرط کو چھوڑنا جائز نہیں، اور جو کوئی اسے ادا کرے گا تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو نبی ﷺ کی نماز کی مخالفت کرتا ہے جو آپ ﷺ سے صحیح اسانید کے ساتھ منقول ہے، وہ اس (نماز) کی مقدار و کیفیت کے حوالے سے مخالفت کرتے وقت آپ ﷺ کے فرمان ((صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِيْ أُصَلِّيْ)) [1] ''اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔'' کو بھول جاتا ہے اور ان مطلق نصوص سے دلیل لیتا ہے! مثال کے طور پر جیسے کوئی شخص ظہر کی نماز (فرض) پانچ رکعات اور فجر کی چار سنتیں پڑھتا ہے! اور جیسے کوئی شخص دو رکوع اور کئی سجدے کرتا ہے! تو اس کی خرابی کسی عقل مند شخص پر مخفی نہیں، اسی لیے علامہ شیخ علی محفوظ نے ''الابداع'' (ص:۲۵) میں مذاہب اربعہ کے علماء کی نصوص نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ نبی ﷺ نے جس فعل کو کرنے کا تقاضا ہونے کے باوجود اسے ترک کیا تو اسے ترک کرنا ہی سنت ہے اور اسے بجالانا بدعت مذمومہ ہے، انہوں نے کہا:

''معلوم ہوا کہ عمومات اختیار کرنا جبکہ رسول اللہ ﷺ کے بیان سے اس کا کرنا اور نہ کرنا معلوم نہ ہو تو وہ متشابہات کی پیروی کے زمرے میں آتا ہے جس سے اللہ نے منع فرمایا ہے، اگر ہم عمومات کا پختہ ارادہ کرلیں اور وضاحت سے صرف نظر کرلیں، تو بدعت کے دروازوں میں سے ایک بہت بڑا دروازہ کھل جائے گا جسے بند کرنا ممکن نہ رہے گا اور دین میں اختراع کسی حد پر نہیں رکے گی، اس بارے مذکورہ مثالوں کے علاوہ مزید چند مزید مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

اوّل......: طبرانی کی روایت میں ہے: ''الصلاۃ خیر موضوع'' ''نماز اچھی 'موضوع' ہے۔'' اگر ہم اس کے عموم کو اختیار کریں تو پھر صلاۃ الرغائب کس طرح بدعت مذمومہ [2] ہوگی؟ شعبان کی نماز کس طرح بدعت مذمومہ ہوگی جبکہ وہ دونوں حدیث کے عموم میں داخل ہیں؟ جبکہ علماء نے وضاحت کی ہے کہ وہ دونوں مذموم قبیح بدعتیں ہیں، جس طرح ''صلاۃ التراویح'' میں بیان ہوگا۔

---

[1] صحیح بخاری، الاذان، الاذان للمسافر اذا کانوا جماعة والاقامة، وكذلك بعرفة وجمع......، ح: ۶۳۱۔ مسند احمد ۵/ ۵۳. (شہباز حسن)

[2] دیکھیں: ''مساجلة علمية'' للعز بن عبد السلام و ابن الصلاح، طبع مکتب الاسلامی۔ (منہ)

دوم......: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (حم السجدۃ: ۳۳) ''اس شخص سے بہتر بات کس کی ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے۔'' اور اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿ اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾ (الاحزاب: ٤١) ''اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرو۔'' جب کسی شخص نے دونوں عیدوں، سورج و چاند گرہن اور نماز تراویح کے لیے اذان دینا ہمارے لیے مستحب قرار دیا اور ہم نے کہا: کس طرح جبکہ نبی ﷺ نے ایسے کیا نہ اس کے متعلق حکم فرمایا اور اپنی پوری زندگی اسے ترک کیے رکھا، تو اس نے ہمیں کہا: مؤذن اللہ کی طرف بلانے والا ہے اور مؤذن اللہ کا ذکر کرنے والا ہے، تو پھر تم اس کے خلاف کس طرح حجت قائم کرو گے اور کس طرح اس کی بدعت کو باطل قرار دو گے؟ ❶

سوم......: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ﴾ (الاحزاب: ٥٦) ''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔'' اگر عمومات پر عمل کرنا اور انہیں اخذ کرنا صحیح ہے تو پھر آپ ﷺ پر نماز کے قیام و رکوع، اس کے اعتدال و سجود اور ان کے علاوہ دیگر جگہوں میں صلاۃ و سلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب اختیار کیا جائے، جہاں آپ ﷺ نے اسے پڑھنا قرار نہیں دیا، صحیح ہے۔ کون شخص اس طرح سے اللہ تعالیٰ کا قرب اختیار کرنے کو جائز قرار دیتا ہے اور کیا اس طریقے کے ساتھ عبادت معتبر ہوگی؟ اور یہ اس حدیث "صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِىْ أُصَلِّىْ" ❷ کے ہوتے ہوئے کس طرح ہوسکتا ہے؟

چہارم......: صحیح حدیث میں وارد ہے: ''وہ زمین جو بارش، چشموں اور زمین کی نمی سے سیراب ہوتی ہو تو اس میں عشر ہے اور وہ زمین جسے ذرائع آب پاشی سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) ہے۔'' اگر اس کے عموم کو لیا جائے تو اس میں زکوۃ واجب ہے، اس اصل کے علاوہ ان کے پاس زکوٰۃ کے عدم وجوب کے بارے میں کوئی دلیل نہیں، اور وہ (اصل) یہ ہے: آپ ﷺ نے جس عمل کو اس کے کرنے کا تقاضا ہونے کے باوجود ترک کیا تو اسے ترک کرنا سنت ہے اور اسے بجالانا بدعت ہے۔ ❸

سوم: رائے کے ذریعے مطلق نصوص کی تقیید

ہمارے شیخ البانی نے "الرد علی الحبشی" (ص ۴۷۔۵۱) میں فرمایا:

---

❶ "الضعيفة" (١٤/١٢٣٩) میں جو بیان ہوا ہے اس کے ساتھ موازنہ کریں۔

❷ بخاری، الاذان، الاذان للمسافر اذا كانوا جماعة والاقامة......، ح: ٦٣١۔ مسند احمد ٥/ ٥٣. (شہباز حسن)

❸ اس کی تفصیل بدعت سے متعلق مخصوص مقالے میں...... ان شاء اللہ تعالیٰ...... آئے گی۔ شیخ حبشی نے جو اپنے مقابلے "التعقيب" (ص ۴۸۔۵۱) میں بیان کیا ہے۔ اس کی تردید کے ضمن میں میں نے اس میں سے کچھ بیان کر دیا ہے (منہ)۔ اسے ہم نے نمبر ۳: ''رائے کے ذریعے مطلق نصوص کی تقیید'' کے تحت نقل کر دیا ہے۔

پھر یہ ابن مسعود سے صحیح اثر میرے اس قول کی تائید کرتا ہے جو میں نے ''المقال'' میں کہا ہے:

''کسی مخصوص عدد میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا جسے الشارع الحکیم نے نہیں بتایا، بدعت ہے۔'' [1]

ا: مطلق نصوص کو اپنی رائے سے مقید کرنے کو جائز قرار دینے کے بارے میں شیخ (الحبشی) پر ردّ!

فضیلۃ شیخ (الحبشی) نے اس کا ایک عجیب دلیل سے ردّ کیا ہے میں اس جیسے شخص سے اس کے صدور کا تصور نہیں کرسکتا! انہوں (ص ۲۸۔۲۹) فرمایا: ''میں کہتا ہوں تمھارا قول رد کیا جائے گا کیونکہ ذکر کے اکثار کے بارے میں ترغیب صحیح ثابت ہے جیسا کہ حدیث ہے: "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" کثرت سے پڑھو۔'' معین غایت تک کسی تقیید کے بغیر، حافظ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (۱۰/۸۷) میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا آپ نے فرمایا:

''باقیات صالحات'' کثرت سے کرو، عرض کیا گیا: اللہ کے رسول! وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: "اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، سُبْحَانَ اللّٰه اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه."

(مسند احمد، مسند ابویعلی، ان دونوں کی اسناد حسن ہیں۔) [2]

جواب: یہ حدیث ...... اگر صحیح ہے ...... اس میں صرف ذکر زیادہ کرنے پر ترغیب ہے، یہ ایسا امر ہے کہ اس کے متعلق کسی دو کا بھی اختلاف نہیں، پس اس میں اس بات پر دلیل کہاں ہے کہ کسی مسلمان کے لیے جائز ہے کہ کسی ایسے عدد سے ذکر کرے جسے الشارع نے مقید نہ کیا ہو، تو وہ اپنی طرف سے اسے مقید کردے؟

یہ تو محض اپنی طرف سے شریعت سازی ہے جس کی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔

اصول فقہ کے علم میں یہ بات طے شدہ ہے کہ جس چیز کو الشارع نے مطلق بیان کیا ہو اسے مقید کرنا جائز نہیں، جس طرح اس نے کسی چیز کو مقید کیا ہو تو اسے مطلق قرار دینا جائز نہیں اور (ان دونوں صورتوں میں) کوئی فرق نہیں، پس مطلق اپنے اطلاق پر جاری رہے گا اور مقید اپنی تقیید پر باقی رہے گا، اسی لیے امام محقق ابواسحاق شاطبی نے اپنی عظیم کتاب ''الاعتصام'' (۲/۹۴) میں فرمایا:

''مطلق چیزوں میں تقیید کرنا، جس کی تقیید شرعی دلیل سے ثابت نہ ہو تو، وہ شریعت میں رائے (زنی کرنا) ہے۔''

اور انہوں نے ''الاعتصام'' (۲/۱۴۰) میں ہی فرمایا:

''فصل: بدعات اضافیہ میں سے جو حقیقت کے قریب ہیں: یہ کہ عبادت کی اصل مشروع ہو، مگر یہ کہ وہ

---

[1] "الضعيفة" ١/١١٦.

[2] مسند احمد: ٣/٧٥.

اپنی شریعت کی اصل سے بلا دلیل نکل جائے، اس وہم سے کہ وہ دلیل کے مقتضی کے تحت اپنے اطلاق پر باقی ہے، اور یہ کہ اس کے اطلاق کو رائے سے مقید کیا جائے یا اس کی تقیید کو مطلق قرار دیا جائے۔''

پھر انہوں نے اس کی وضاحت کے طور پر بہت زیادہ مفید مثالیں بیان کی ہیں، جو شخص اس اہم بحث میں مزید معلومات چاہتا ہو وہ اس کا مطالعہ کرے۔ اور انہوں نے استدلال کے ساتھ بدعتیوں کے ماخذ میں باب چہارم (ص ۳۳۴) میں بھی فرمایا:

''اور اس میں سے دلائل کو ان کی جگہ سے بدلنا ہے، یہ کہ دلیل ایک مرتبے اور امر پر وارد ہوتی ہے پس وہ اس رتبے اور امر سے اس وہم میں مبتلا کرتے ہوئے کسی دوسرے امر کی طرف پھیر دیتا ہے کہ دو مرتبے ایک ہی ہیں، اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ دلیل شرعی جب مجموعی طور پر ایسے امر کا تقاضا کرتی ہے جو مثلاً عبادات سے متعلق ہے۔ تو مکلف شخص اسے مجموعی طور پر دیگر امور مثلاً: اللہ کا ذکر، دعا، نوافل مستحبات اور اس کے مشابہ امور، جن میں الشارع کی طرف سے وسعت معلوم ہوتی ہو، لاگو کرے۔ اس کے عمل کے لیے دلیل دو جہت سے معاون ہوگی:

- اس کے معنی کی جہت سے۔
- اور اس پر سلف صالحین کے عمل کی جہت سے۔

پس اگر مکلف شخص اس امر میں کوئی مخصوص کیفیت، یا مخصوص وقت یا مخصوص جگہ کی پابندی کرتا ہے یا وہ کسی مخصوص عبادت سے جوڑتا ہے اور اس نے اس کی اس حیثیت سے پابندی کی کہ اسے خیال گزرنے لگا کہ کیفیت یا وقت، کسی دلیل کے بغیر جو اس پر دلالت کرے، شرعاً مقصود ہے، اور دلیل اس معنی سے جس پر استدلال کیا گیا ہے الگ ہونے والی ہوگی، تو جب شرع نے (مثلاً) اللہ کے ذکر کی طرف دعوت دی تو لوگوں نے اس کے لیے اکٹھے ہو کر یک زبان ذکر کرنے یا باقی اوقات میں سے کسی معلوم مخصوص وقت میں ذکر کرنے کی پابندی کی، وہ شرع میں نہ تھا جو اس تخصیص پر دلالت کرے جس کی پابندی کی گئی، بلکہ اس میں وہ ہے جو اس کی مخالفت پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ ایسے امور کا التزام جو شرعاً لازم نہ ہوں ان کی حالت یہ ہو کہ وہ شریعت سمجھے جائیں اور خصوصاً اس کے ساتھ جس کی لوگوں کے اکٹھے ہونے کی جگہوں جیسے مساجد میں اقتدا کی جاتی ہو، جب یہ عمل ظاہر ہوگا، اور دیگر شعائر کی طرح مساجد میں کیا جائے گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان (شعائر) کو مساجد میں مقرر کیا جس طرح اذان ہے...... اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ وہ سنن ہیں جب فرضیت نہ سمجھی گئی تو، لہٰذا زیادہ مناسب یہی ہے کہ اسے ایسی دلیل نہ بنایا جائے جس سے استدلال کیا جائے، پس وہ اس جہت سے اس وجہ سے بدعت ہوگئی۔''

اسی لیے الفقیہ ابن عابدین نے الحاشیہ (۱/ ۴۷۸) میں فرمایا:

''کسی ایسے وقت سے ذکر کی تخصیص کرنا جو کہ شرع نے ذکر نہ کیا ہو تو وہ مشروع نہیں۔''

اور اسی حوالے سے اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی ایسے وقت سے ذکر کی تخصیص کرنے جو کہ منقول نہیں اور کسی عدد کے ساتھ جو کہ منقول نہیں اس کی تخصیص کرنے کے درمیان کوئی فرق نہیں، وہ سب ایک ہی زمرے میں آتے ہیں، جو اسے جائز قرار نہیں دیتا وہ اسے بھی جائز قرار نہیں دیتا اور اسی طرح عکس کے بدلے عکس جیسے حضرت شیخ، کیونکہ ان کا کلام عدد مطلق کی تقیید کے جواز میں صریح ہے، انہوں نے اس کے بعد (ص۲۹) فرمایا:

''کیا یہ شرعاً نقصان دہ ہے کہ کوئی شخص ان اذکار میں سے (روزانہ) عدد مخصوص پر پابندی کرے اور وہ روزانہ اس (عدد) میں کمی نہ کرے......؟''

تو جو شخص یہ کہتا ہے، وہ ان اذکار کی کسی وقت کے ساتھ تخصیص کے جواز کے متعلق کہتا ہے جس کے ساتھ الشارع الحکیم نے اسے مخصوص قرار نہیں دیا اور یہ اس چیز سے بڑی لاعلمی ہے جو امام شاطبی اور الفقیہ ابن عابدین کے حوالے سے بیان ہوا، اور لوگوں کی اس قاعدے سے جہالت نے انھیں بہت سی بدعات میں مبتلا کر دیا ہے، اور (دوسرا سبب یہ ہے کہ) ان میں سے لوگوں نے عمومات کو اختیار کیا اور ان پر اپنی آراء سے ایسی قیدیں اور شکلیں داخل کیں جن کے متعلق اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری، اور میں سمجھتا ہوں کہ میں اس پر کچھ مثالیں ذکر کر دوں جن کے بدعت ہونے پر علماء نے متنبہ کیا تاکہ وہ غافلین کے لیے تنبیہ ہو اور مومنوں کے لیے نصیحت ہو۔

۲: ان بدعات [1] کی چند مثالیں جن کو شیخ (الحبشی) علماء کے خلاف مشروع قرار دیتا ہے

۱: عیدین کے لیے اذان۔

۲: نماز سے سلام پھیرنے کے بعد سہو کے بغیر سجدے کرنا۔

"الباعث علی انکار البدع والحوادث" (ص۴۲)، الاقتضاء لابن تیمیة (ص۱۴۰)، "حاشیة ابن عابدین" (۱/ ۷۳۱)

۳: نمازوں کے بعد مصافحہ کرنا۔

"حاشیة ابن غابدین" (۵/ ۳۳۶)، "المدخل" (۲/ ۲۱۹)

۴: ختم قرآن کے وقت اجتماعی دعا۔ "الفتاوی الهندیة" (۵/ ۲۸۰)

۵: لوگوں کا یک زبان ہو کر مل کر ایک سورت کی قراءت کرنا۔

---

[1] شیخ نے جن بدعات کا ذکر کیا ہے ہم نے تنبیہ کی خاطر ان میں سے ہر بدعت کو اتمام فائدہ کے لیے اس کی مناسبت سے خاص عنوان کے تحت ذکر کیا ہے۔

"الباعث على انكار البدع والحوادث" (ص٥٨)، "الاعتصام" (١/ ٣٤)، "الموافقات" (٣/ ٧٢)

٦: تعجب کے وقت نبی ﷺ پر درود پڑھنا۔
"الموافقات" (٣/ ٢١٥)، "المدخل" (٤/ ١٠٠)

٧: نماز کسوف اور طواف وغیرہ کے لیے غسل کرنا۔
"الإبداع في مضار الابتداع" (ص٢٢)

٨: وضو کے لیے خاص برتن مقرر کرنا۔
"شرح الطريقة المحمدية" (٤/ ٢٧٨)

٩: بیت الخلاء جانے کے لیے خاص لباس مقرر کرنا۔
"شرح الطريقة" (٤/ ٢٦٠ـ٢٦١)

١٠: روزوں کے لیے ماہ رجب کی تخصیص کرنا۔
"الباعث" (٣٤ـ٣٦)

١١: پندرہ شعبان کے روزے اور اس کی رات کے قیام کی پابندی "الاعتصام" (١/ ٣٤)

یہ اس بہت میں سے تھوڑا سا ہے، جس پر علماء نے حکم لگایا ہے کہ وہ ان بدعات میں سے ہے جن کے ذریعے عبادت گزاری جائز نہیں، اور وہ جیسا کہ آپ نے دیکھا کہ ان میں سے ہر ایک نص عام میں داخل ہے، جیسے اللہ کے ذکر پر رغبت، دعا، اور نبی ﷺ پر درود اور اس طرح کے دیگر نیک کام، اس کے باوجود وہ طاعت (نیکی) ہوتے ہوئے بدعت بن گئے، اس لیے کہ کسی شرعی دلیل کے بغیر ان پر قید و تخصیص لازم کر دی گئی۔

بہرحال! یہ اور ان جیسی دیگر مثالیں کسی عالم کے لیے ممکن نہیں کہ وہ ان کی مشروعیت کے بارے میں بات کرے، پس جب کہ وہ جناب شیخ اس قول کو اس کے استحسان کے ساتھ دیکھتے ہیں جیسا کہ ان کے کلام سابق سے ظاہر ہوتا ہے، جو کہ اس عدد مخصوص کے ساتھ جو کہ وارد نہیں، ذکر کے جواز کے متعلق ہے، وہ درست بات سے دور ہو گئے اور ثقہ علماء کے اقوال کی مخالفت کی، اور ان میں سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے صحابی عبد اللہ بن مسعود ہیں جنھوں نے مطلق ذکر کو غیر منقول عدد کے ساتھ پابند کرنے سے انکار کیا، جیسا کہ انھوں نے کنکریوں پر شمار کرنے سے منع فرمایا جیسا کہ بیان ہوا۔ [1]

---

[1] شیخ نے ان کے اثر کو "الصحيحة" (٥/ ١٣)، نقد نصوص حديثية (ص: ١١) اور الرد على التعقيب الحثيث (ص: ٤٣ـ٤٥) میں نقل کیا ہے۔

آخر پر میں جناب شیخ کی خدمت میں ایک سوال پیش کرتا ہوں ان کی طرف سے اس کا جواب اس مسئلے میں نزاع کا فیصلہ کردے گا، میں کہتا ہوں:

جناب شیخ! کیا یہ جائز ہے کہ آپ سنن مؤکدہ مساجد میں باجماعت ادا کریں، اگر آپ نے کہا: جائز نہیں (اور آپ کے بارے میں یہی گمان ہے) تو ہم کہیں گے: یہ کیوں جائز نہیں جبکہ وہ عام نصوص میں داخل ہے، جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: "يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ" (دیکھئے: صحیح الجامع: ۷۹۲۱) ''اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔''

اگر آپ نے کہا: اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے نہیں کیا۔ (ہم نہیں کرتے) تو ہم کہیں گے: آپ نے سچ فرمایا، پس آپ پر لازم آتا ہے کہ آپ ذکر کو عدد مخصوص کے ساتھ جو کہ منقول نہیں جائز قرار نہ دیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے (مخصوص) نہیں کیا، اور اگر وہ نص مطلق میں داخل ہے، تو نص مطلق یہاں ذکر موصوف کو اس صفت کے ساتھ شامل نہیں جو کہ منقول نہیں، جیسا کہ آپ ﷺ کے فرمان: يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ کا عموم سنن مؤکدہ کی جماعت کو شامل نہیں اس لیے کہ وہ ایسی صفت سے متصف ہے جو کہ منقول نہیں۔

اور اگر آپ نے جواز کے متعلق کہہ دیا، تو اگر آپ نے دو امور کے درمیان فرق کر دیا تو پھر آپ تضاد کا شکار ہیں، اور یہ چیز ہم آپ کے لیے اور نہ کسی اور مسلمان کے لیے چاہتے ہیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ جو کچھ بیان ہوا اس نے آپ کے لیے وہ راہ واضح کر دی ہے جو آپ کے لیے درست بات کی طرف رجوع کو آسان بنا دے گی، ان شاء اللہ! اور وہی ہدایت دینے والا ہے۔

۳: عبادت میں کسی مقید طریقے کی پابندی، جس کی تمام لوگ کسی دلیل کے بغیر پابندی کرتے ہیں، مشروع نہیں

ابن الصلاح رحمہ اللہ نے "المساجلة" (ص ۲۱) میں صلاۃ الرغائب کے متعلق اپنا دفاع کرتے ہوئے فرمایا، کہ وہ جائز ہے:

> ''اس (صلاۃ الرغائب) میں عدد خاص کے ساتھ قصد کے بغیر جو تقیید ہے...... وہ اس شخص کی طرح ہے جو ہر روز قرآن کے ساتویں یا چوتھے حصے کی قراءت کی تقیید کرتا ہے اور جس طرح عابد حضرات اپنے اوراد کی تقیید کرتے ہیں جنھیں وہ اختیار کر لیتے ہیں، وہ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کرتے، واللہ اعلم۔''

ہمارے شیخ نے "المساجلة" (ص ۲۱) کے حاشیے میں اس سوچ کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

اگر یہ تقیید عمل کی ترتیب کے لیے اس حیثیت سے ہو کہ اسے ایک طریقہ نہ بنا لیا جائے کہ تمام لوگ اس کی

پابندی کریں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ وہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے قرب کا قصد نہیں کرتا، اور رہا یہ کہ اگر اسے طریقہ بنالیا جائے اور اسے کتابوں میں لکھ دیا جائے اور تمام لوگ اس کی پابندی کریں جیسا کہ نمازوں اور اوراد کے بعض صیغے، جیسے وہ نماز جو صلاۃ ناریہ کے نام سے معروف ہے جس میں (۴۴۴۴) عدد کی پابندی کی جاتی ہے۔ اس طرح کے اکثر لوگ یہ گمان کریں گے کہ وہ مشروع ہے نبی ﷺ سے منقول ہے پس اس وقت کوئی عقل مند شخص اس بارے میں شک نہیں کرے گا کہ یہ مشروع نہیں، میں ایک شیخ کو جانتا ہوں کہ جب وہ سفر پر جاتے تو ''دلائل الخیرات'' کی کتاب ساتھ رکھتے تھے۔ اس میں ہر دن کا وظیفہ تھا، کبھی ایسا ہوتا کہ ان کی تلاوت قرآن تو چھوٹ جاتی لیکن ان کا ''دلائل'' سے ورد نہیں چھوٹتا تھا، میں ان سے اس بارے میں پوچھتا تھا تو وہ کہتے: تلاوت قرآن کی قضا تو ہر روز میں ممکن ہے، اور رہا ''دلائل'' کا ورد تو وہ اپنے دن کے ساتھ مخصوص ہے! کیا یہ دین میں شریعت سازی نہیں؟ فاللہ المستعان.

۴: قاعدہ: اذکار میں آواز پست رکھنا اصل ہے

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (۷/ ۴۵۴-۴۵۶) میں حدیث رقم (۳۱۶۰) [1] کے تحت فرمایا:

یہ یا اس کے علاوہ کوئی اور ذکر جو آپ ﷺ سے ثابت ہے اسے بلند آواز سے پڑھنے کے لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول گواہی دیتا ہے:

جس وقت لوگ فرض نماز پڑھ کر فارغ ہوتے اس وقت بلند آواز سے ذکر کرنا نبی ﷺ کے عہد میں ثابت ہے، جب میں اس (ذکر) کو سنتا تو میں جان لیتا کہ وہ نماز سے فارغ ہوگئے ہیں۔

امام بخاری، امام مسلم اور ابوعوانہ اور دیگر ائمہ نے اسے روایت کیا ہے اور وہ صحیح سنن ابی داؤد (۹۲۰-۹۲۱) میں بھی ہے اور وہ روایت اس طرح ہے:

((كُنْتُ أَعْرِفُ انقِضَاءَ صَلَاةِ النَّبِيِّ ﷺ بِالتَّكْبِيرِ .))

''میں نبی ﷺ کی نماز کا اختتام اللہ اکبر (کی آواز) سے پہچانتا تھا۔''

میں نے کہا: اللہ اکبر کہنے کی یہ روایت ہوسکتا ہے بالمعنی ہو اور محفوظ روایت جو کہ اس سے پہلے ہے وہ ''ذکر'' سے متعلق ہے، کیونکہ ''صحیحین'' ان کے علاوہ ''السنن''، ''المسانید'' اور ''المعاجم'' وغیرہ میں جواذکار وارد ہیں وہ بہت زیادہ ہیں، حافظ طبرانی رحمہ اللہ نے ان میں سے بہت زیادہ اذکار لے کر اپنی کتاب "الدعاء" (۲/ ۱۰۸۶-۱۱۳۶) سے "جامع أبواب القول فی أدبار الصلوات" میں جمع کیے ہیں، ان میں کہیں بھی نہیں کہ آپ ﷺ

---

[1] وہ حدیث یہ ہے کہ آپ ﷺ جب نماز پڑھ کر سلام پھیرتے تو آپ کھڑے ہونے سے پہلے بلند آواز سے پڑھتے تھے: "لا اله الا الله وحده لا شریك له، له الملك، وله الحمد...... ."

فرض نماز کے بعد اللہ اکبر کہا کرتے تھے، حتیٰ کہ ان اذکار میں بھی نہیں جن کے متعلق آپ ﷺ نے اپنی امت کو ترغیب دی کہ وہ اپنی نمازوں کے بعد پڑھا کریں، شاید سورۃ الاسراء کی آیت: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا....وَ كَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا﴾ (الاسراء: ۱۱۱) کی قراءت کے بارے میں ایک حدیث ہے۔

اسے روایت کرنے میں امام طبرانی اکیلے ہیں اور وہ حدیث منکر ہے جیسا کہ میں نے اسے "الضعیفة" (۶۳۱۷) میں بیان کیا ہے۔

پھر یہ کہ اذکار میں آواز پست رکھنا اصل ہے، جیسا کہ اس کے متعلق کتاب وسنت میں دلائل ہیں البتہ استثنائی صورت الگ ہے، [1] خاص طور پر جب بلند آواز نمازی یا ذکر کرنے والے کے لیے باعث تشویش ہو اور پھر خاص طور پر جب اجتماعی آواز کے ساتھ ذکر کیا جائے، جس طرح وہ عرب کے بعض علاقوں میں تہلیلات عشر کے بارے میں کرتے ہیں اور وہ آپ ﷺ کے اس فرمان کی پروا نہیں کرتے:

((یَـاأَیُّهَـا الـنَّـاسُ! كُلُّكُمْ یُنَاجِیْ رَبَّهٗ، فَلَا یَجْهَرْ بَعْضُكُمْ عَلٰی بَعْضٍ بِالْقِرَاءَةِ، فَتُؤْذُوا الْمُؤْمِنِیْنَ.))

"لوگو! تم سب اپنے رب سے سرگوشی کرتے ہو، تو تم ایک دوسرے سے بلند آواز سے قراءت نہ کرو کہ (اس طرح) تم مومنوں کو ایذا پہنچاؤ گے۔"

یہ حدیث صحیح ہے، امام مالک، امام ابوداؤد اور امام ابن خزیمہ اور دیگر نے اسے روایت کیا ہے، صحیح سنن ابی داود (۱۲۰۳) میں بھی ہے اور امام ابن خزیمہ نے (۲/۱۹۰) اس طرح باب مقرر کیا ہے:

"بـاب الزجر عن الجهر بالقراءة فی الصلاة إذ تأذی بالجهر بعض المصلین غیر الجاهر بها."

اسی لیے امام شافعی رحمہ اللہ نے "الأم" (۱/۱۱۰) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث مذکور کے بعد فرمایا:

میں امام اور مقتدی کے لیے پسند کرتا ہوں کہ وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اللہ کا ذکر کریں اور وہ پست آواز سے ذکر کریں، مگر یہ کہ امام سے سیکھنا واجب ہو تو وہ بلند آواز سے ذکر کرے حتیٰ کہ معلوم ہو جائے کہ اس سے سیکھ لیا گیا ہے، پھر وہ آواز پست کر دے، کیونکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ (الاسراء: ۱۱۰)

"اور اپنی صلاۃ (نماز، دعاء) نہ تو بلند آواز سے کر نہ بالکل چپکے چپکے۔"

---

[1] اسی استثنائی صورت کے تحت نماز کے سلام کے فوراً بعد بلند آواز سے اللہ اکبر کہا جائے کیونکہ ایسا کرنا نبی اکرم ﷺ کے عمل سے ثابت ہے۔ (شہباز حسن)

یعنی (واللہ اعلم): ''صلاۃ'' کا معنی ہے دعاء ''ولا تجهر'' ''بلند نہ کر'' ''ولا تخافت'' ''نہ پست کر'' کہ تم خود بھی نہ سنو، اور میرا خیال ہے کہ ابن زبیر نے نبی ﷺ کی تہلیل کے حوالے سے اور ابن عباس نے آپ کی تکبیر کے حوالے سے جو ذکر کیا ہے...... وہ یہ ہے کہ آپ نے تھوڑی سی بلند آواز سے ذکر کیا، تاکہ لوگ آپ سے سیکھ لیں اور یہ، کیونکہ عام روایات جو ہم نے لکھی ہیں۔ اس کے ساتھ اور جو اس کے علاوہ ہیں۔ ان میں سلام پھیرنے کے بعد تہلیل (لا الہ الا اللہ) کا ذکر ہے نہ تکبیر کا، یہ ذکر کیا گیا ہے کہ آپ نے نماز کے بعد ذکر کیا جیسا کہ بیان ہوا، اور آپ کا ذکر کے بغیر نماز سے فارغ ہونا بھی مذکور ہے، اُمّ سلمہ نے آپ کا ٹھہرنا ذکر کیا ہے اور آپ نے بلند آواز سے ذکر نہیں کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ صرف پست آواز ہی سے ذکر کیا کرتے تھے۔''

میں نے کہا: تحقیق وفقہ میں ان امام صاحب کی طرف سے یہ غایت وانتہا ہے، جزاه الله خيرا۔

اور میں کہتا ہوں: جب سنت سے یہ ثابت ہے کہ امام تعلیم کی غرض سے کبھی کبھی سری نماز میں (کوئی آیت) بلند آواز سے پڑھ سکتا ہے، جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں ہے. کہ نبی ﷺ ظہر اور عصر کی نماز میں انہیں آیت سنا دیا کرتے تھے یہ صحیح ابی داؤد (۷۶۳) میں بھی مذکور ہے، جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح مروی ہے کہ آپ انہیں دعائے استفتاح ''سبحانك اللهم......'' سنایا کرتے تھے، اسود بن یزید نے کہا: ''آپ ہمیں یہ سناتے اور اس کی ہمیں تعلیم دیتے تھے۔'' (الإرواء: ۲/۴۸-۴۹)

میں کہتا ہوں: جب یہ جائز ہے تو پھر اسی غرض یعنی سکھانے کے پیش نظر نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا زیادہ جائز ہے، اور یہ واضح ہے۔ والحمد لله.

فصل: بدعات سے متعلق احادیث و آثار کی تشریح

بدعات سے متعلق احادیث وآثار کی تشریح

۱......حدیث: "هلاك امتي في الكتاب واللبن" کی تشریح

شیخ الالبانی رحمہ اللہ نے "الصحیحہ" (۶/۶۴۹) میں فرمایا:

ملحوظہ......: ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اس حدیث [1] کی وضاحت کے لیے اس طرح باب مقرر کیا ہے:

"باب فيمن تأول القرآن أو تدبره وهو جاهل بالسنة."

''وہ شخص جو قرآن کی تفسیر کرتا ہے یا اس پر غور وفکر کرتا ہے جبکہ وہ سنت کے بارے میں جاہل ہو۔''

پھر انہوں نے اس کے تحت فرمایا:

''بدعتی لوگوں نے سنت سے روکا اور انہوں نے قرآن کی سنت کی بیان کردہ تفسیر سے ہٹ کر تفسیر کی، پس وہ گمراہ ہوئے اور انہوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا، ہم ذلت ورسوائی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، اور ہم اس سے توفیق وحفاظت کا سوال کرتے ہیں۔''

میں نے کہا: ان کی گمراہی کی وجہ اللہ تعالیٰ کے قرآن میں اس فرمان سے بے اعتنائی برتنا ہے جو اس نے اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (النحل: ۴۴)

''اور ہم نے آپ کی طرف اس ذکر (قرآن) کو اتارا تاکہ آپ لوگوں سے بیان کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔''

۲......''جس چیز کو مومن اچھا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھی ہے'' کی تشریح

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر: ''جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھی ہے اور جسے مسلمان برا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی برا ہے۔'' کی تشریح اور اس شخص کا ردّ جو اس سے دلیل لیتا ہے کہ دین میں بدعت حسنہ کا وجود ہے۔

ہمارے شیخ نے "الضعیفة" (۲/۱۷) میں رقم (۵۳۳) کے تحت فرمایا:

---

[1] وہ "الصحیحة" (رقم: ۲۷۷۸) میں ہے، جو یہ ہے: ''میری امت کی ہلاکت ''کتاب اور لبن'' میں ہے۔'' انہوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ''کتاب اور لبن'' سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: ''وہ قرآن کی تعلیم حاصل کریں گے تو اس کی تفسیر اس طرح نہیں کریں گے جس طرح اللہ عزوجل نے اسے نازل فرمایا ہے، اور وہ دودھ پسند کریں گے، وہ معاشرے کو چھوڑ کر جنگل میں جا مقیم ہوں گے۔''

اس کی مرفوع [1] ہونے کے حوالے سے کوئی اصل نہیں، یہ تو ابن مسعود سے موقوفاً مروی ہے، انہوں نے فرمایا:

''اللہ نے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو اس نے بندوں کے دلوں میں سے محمد ﷺ کے دل کو سب سے بہتر پایا، پس اس نے اسے اپنی ذات کے لیے منتخب کرلیا اور انھیں اپنی رسالت کے منصب پر فائز فرمایا، پھر اس نے محمد ﷺ کے دل کے بعد دوسرے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو اس نے بندوں کے دلوں میں سے آپ کے اصحاب کے دلوں کو بہتر پایا تو اس نے انھیں اپنے نبی کے وزراء بنادیا، وہ اس کے دین (کی حفاظت) پر قتال کرتے ہیں، پس مسلمان جسے اچھا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے، اور مسلمان جسے برا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی برا ہے۔'' (مسند احمد: ۳۶۰۰، مسند الطیالسی، (ص:۲۳) اور ابوسعید ابن الاعرابی نے عاصم کے طریق سے زر بن حبیش سے اپنی مجمع (۲/۸۴) میں اسے روایت کیا ہے۔'' اور یہ اسناد حسن ہیں۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے اس سے وہ جملہ روایت کیا، جسے ہم نے اوپر ذکر کیا اور اس کے آخر میں یہ اضافہ نقل کیا:

تمام صحابہ نے سوچا کہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنائیں۔'' اور انہوں نے کہا: ''اس کی اسناد صحیح ہیں۔''

ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے اور حافظ سخاوی نے فرمایا: ''وہ موقوف حسن ہے۔''

پھر ہمارے شیخ نے مصدر مذکور (۲/ ۱۷-۱۹) میں فرمایا:

یہ دنیا کے عجائب میں سے ہے کہ کچھ لوگ اس حدیث سے اس بات پر دلیل لیتے ہیں کہ دین میں بدعت حسنہ بھی ہے اور اس کے حسنہ ہونے پر دلیل مسلمانوں کا اس کے لیے خوگر ہونا ہے اور وہ امر مشہور و معروف ہوگیا کہ جس وقت یہ مسئلہ کھڑا ہوا تو ان لوگوں نے اس حدیث سے استدلال کرنے کی طرف بہت جلدی کی، جبکہ ان پر یہ مخفی رہا کہ

ا......: یہ حدیث موقوف ہے، پس قطعی دلائل کے خلاف اس سے دلیل لینا جائز نہیں، کیونکہ نبی ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ ''ہر بدعت گمراہی ہے۔''

ب......: فرض کیا اس سے دلیل لینا درست ہے، تو وہ ان نصوص سے متعارض نہیں اس کی کئی وجوہات ہیں:

اوّل......: اس سے مراد صحابہ کا کسی امر پر اجماع اور اتفاق ہے، جیسا کہ سیاق اس پر دلالت کرتا ہے اور ابن مسعود کا اس کے ذریعے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ کے انتخاب پر صحابہ کرام کے اجماع پر استدلال کرنا اس کی تائید کرتا ہے اور اس پر ''المسلمون'' میں جو ''الف لام'' ہے وہ استغراق کے لیے نہیں جیسا کہ ان کا وہم ہے، بلکہ وہ 'عہد' کے لیے ہے۔

---

[1] یعنی ابن مسعود کا فرمان: "ما رأى المسلمون حسنا......"، "الضعيفة" (۵۳۳) میں اس کی تخریج دیکھیں۔

دوم ....: ہم نے تسلیم کیا کہ وہ (الف لام) استغراق کے لیے ہے، لیکن اس سے ہر مسلمان فرد قطعی طور پر مراد نہیں، اگر وہ جاہل ہو اسے علم کی کچھ بھی سوجھ بوجھ نہ ہو، تو پھر ضروری ہے کہ اسے ان میں سے اہل علم پر محمول کیا جائے، اور میرے خیال میں اس سے ان میں سے کسی کو بھی مفر نہیں۔

تو جب یہ صحیح ہے، تو پھر وہ اہل علم کون ہیں؟ کیا ان (اہل علم) میں وہ مقلد داخل ہوں گے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے سمجھنے کا دروازہ اپنے اوپر بند کرلیا ہے اور انہوں نے کہا کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا؟ ہرگز نہیں وہ ان میں سے نہیں ہیں، اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

حافظ ابن عبدالبر نے ''جامع العلم'' (۲/۳۶۔۳۷) میں فرمایا:

> ''علماء کے نزدیک علم کی تعریف: جس کا تو یقین کرلے اور جسے تو بیان کرلے، اور جس شخص نے کسی چیز کا یقین کرلیا اور اسے بیان کرلیا تو اس نے اسے جان لیا، اور اسی اصول کے مطابق جس نے اس چیز کا یقین نہ کیا اور اس کے متعلق تقلید کے طور پر کہا، تو اس نے اسے نہیں جانا، علماء کی جماعت کے نزدیک تقلید اتباع نہیں ہے، کیونکہ اتباع یہ ہے کہ تم قائل کی اس بات کی اتباع کرو جس کی صحت و درستی تمھیں ظاہر ہوجائے، جبکہ تقلید یہ ہے کہ تم اس کے قول کے مطابق بات کرو جب کہ تم نہ تو اسے جانتے ہو اور نہ اس کے قول کا سبب جانتے ہو اور نہ ہی اس کا معنی جانتے ہو۔'' [1]

اسی لیے سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا:

> ''مقلد کو عالم نہیں کہا جاسکتا۔''

السندھی نے اسے ''ابن ماجہ کے حاشیے (۱/۷) میں نقل کیا ہے اور اسے برقرار رکھا ہے۔

اور کئی ایک مقلدین اس پر برقرار ہیں۔ بلکہ ان میں سے بعض نے اس حقیقت کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے اضافہ کیا ہے، انہوں نے مقلد کو جاہل کا نام دیا ہے، ''ہدایہ'' کے مؤلف نے اس حاشیے کے قول پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

''قاضی کی فرماں روائی درست نہیں ہوگی حتیٰ کہ...... وہ اہل اجتہاد میں سے ہو'' انہوں نے ''فتح القدیر'' (۵/۴۵۶) میں بیان کیا:

---

[1] میں نے کہا: اس امام سے اس نص پر غور کرو، انہوں نے اسے علماء سے نقل کیا کہ اتباع اور تقلید میں فرق ہے، اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو، کیونکہ لوگ آج اس علم سے ناواقف ہیں، حتیٰ کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کے پاس شرعی علوم پر ڈاکٹریٹ (Ph.D) کی ڈگری ہے، چہ جائیکہ کوئی اور ہوں، بلکہ ان میں سے کوئی اس بارے میں انتہائی برے طریقے بحث و مباحثہ کرے گا اور اس بارے میں سخت عناد رکھے گا، اگر آپ تفصیل چاہتے ہیں تو ہمارے دوست الاستاذ محمد عید عباسی کی کتاب "بدعة التعصب المذهبي" (ص ۳۳۔۳۹) کا مطالعہ کریں۔ (منہ)

''یہ صحیح ہے کہ اجتہاد کی اہلیت شرط اوّل ہے۔ پس رہی جاہل شخص کی تقلید تو وہ ہمارے ہاں صحیح ہے، شافعی کے ہاں نہیں۔''

میں نے کہا: غور کرو کہ انہوں نے قاضی مقلد کو کس طرح جاہل کے نام سے موسوم کیا ہے، تو جب یہ اُن کی حالت ہو اور علم میں ان کے اعتراف کے ساتھ ان کا یہ مقام و مرتبہ ہو، تو پھر تم میرے ساتھ مل کر ان بعض ہم عصر مقلدین سے تعجب کیوں نہیں کرتے، وہ کس طرح ان حدود و قیود سے نکلتے ہیں جنھیں انہوں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے اور انہیں مذہب کے طور پر اپنے لیے پسند کیا ہے، وہ ان سے الگ ہونے کے لیے کس طرح کوشش کرتے ہیں، ظاہر یہ کرتے ہیں کہ وہ اہل علم میں سے ہیں، وہ اس کے ذریعے صرف ان بدعتوں اور گمراہیوں کی حمایت کرنا چاہتے ہیں جن پر عام لوگ ہیں، کیونکہ وہ اسی طرح مطلق اجتہاد کرنے والے مجتہدین میں سے ہو جاتے ہیں، وہ ایسے افکار و آراء اور تاویلات پیش کرتے ہیں جو ائمہ مجتہدین میں سے کسی نے نہیں کہی ہوتیں، وہ یہ معرفت حق کے لیے نہیں کرتے، بلکہ عام لوگوں سے موافقت کے لیے کرتے ہیں! اور رہی وہ چیز جو سنت پر اور اس پر عمل سے تعلق رکھتی ہے جو شریعت کی کسی بھی فرع سے متعلق ہو تو وہاں وہ بڑوں کی آراء پر جم جاتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو سنت کی خاطر ان (آراء) کی مخالفت کرنے کی اجازت نہیں دیتے، خواہ وہ سنت ان (آراء) کے صریح خلاف ہو، یہ کیوں ہے؟ اس لیے کہ وہ مقلد ہیں! تو پھر تم ان بدعات کو ترک کرنے میں مقلد کیوں نہ بنے جنھیں تمھارے اسلاف نہیں جانتے تھے، جو ان کے لیے کافی تھا وہ تمھارے لیے بھی کافی ہونا چاہیے، تم نے اس چیز کو کیوں حسن قرار دیا جسے انہوں نے حسن قرار نہیں دیا کیونکہ یہ اجتہاد تمھاری طرف سے ہے، اور تم اپنے اوپر اس کا دروازہ بند کر چکے ہو؟ بلکہ یہ دین میں وہ شریعت سازی ہے جس کی رب العالمین نے اجازت نہیں دی:

﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ﴾ (الشوریٰ: ۲۱)

''کیا ان کے کچھ شریک ہیں کہ انہوں نے دین سے ان کے لیے ایسی چیزیں مشروع قرار دیں جن کے متعلق اللہ نے اجازت نہیں دی۔''

اور امام شافعی رحمہ اللہ اپنے مشہور قول کے ذریعے اس طرف اشارہ فرماتے ہیں:

"مَنِ اسْتَحْسَنَ فَقَدْ شَرَعَ." [1]

''جس نے (دین کے حوالے سے کسی کام کو اپنی مرضی سے) اچھا سمجھا تو اس نے شریعت سازی کی۔''

---

[1] اس مشہور مقولے کی نسبت امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف ہے، لیکن العطار نے ''حاشیہ علی جمع الجوامع'' (۳۵۹/۲) میں بیان کیا:
''یہ عبارت امام شافعی رحمہ اللہ کے حوالے سے مشہور ہے اور الغزالی نے ''المنخول'' (ص ۳۷۴) وغیرہ پر اسے نقل کیا، لیکن مصنف نے ''الاشباہ والنظائر'' میں بیان کیا: میں نے ابھی تک اسے نص کے طور پر ان کے کلام سے نہیں پایا، لیکن میں نے ''الام'' میں یہ پایا کہ جو 'استحسان' کا قائل ہوا اس نے بہت بڑی (غلط) بات کی.....'' انتہیٰ

⇐⇐

کاش کہ یہ مقلد حضرات جب تقلید پر ڈٹے رہے اور اس سے دلیل لیتے رہے (وہ ان کے مخالفین کے خلاف حجت نہیں ہے) وہ اپنی تقلید میں دوام اختیار کرتے، کیونکہ اگر وہ یہ کرتے تو ان کے لیے بہانہ یا بہانے کا کچھ حصہ ہوتا، کیونکہ یہ وہ ہے جو ان کے بس میں ہے، اور رہا یہ کہ وہ دعویٰ تقلید سے سنت میں ثابت شدہ حق کو رد کردیں، اور تقلید سے نکل کر اجتہادِ مطلق کی طرف آ کر بدعت کی مدد کریں، اور وہ بات جو ان ائمہ میں سے کسی ایک نے نہیں کی، جن کی تقلید کی جاتی ہے، تو یہ وہ راہ ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان شخص اس کا قائل ہو۔

بحث کا خلاصہ ......: ابن مسعود کی یہ روایت موقوف ہے، بدعتیوں کے لیے اس میں کوئی دلیل نہیں، کس طرح ہوسکتا ہے جبکہ وہ رضی اللہ عنہ بدعت کی محاربت ومخالفت اور اس کی پیروی سے روکنے میں صحابہ میں بہت سخت موقف رکھتے تھے۔ ''سنن دارمی'' اور ''حلیۃ الاولیاء'' وغیرہا کتب میں اس کے متعلق ان کے اقوال و واقعات معروف ہیں، ان میں سے اس وقت ہمارے لیے ان کا ایک ہی فرمان کافی ہے:

''اتباع کرو بدعات جاری نہ کرو، تمھیں کافی رہے گا، تم امر عتیق (پرانے، قابل تکریم امر دین) کو لازم پکڑو۔''

مسلمانو! تم سنت کو لازم پکڑو، ہدایت اور فلاح پا جاؤ گے۔''

۳......ضعیف حدیث: ''جس نے میری کسی ایسی سنت کو زندہ کیا جو کہ میرے بعد ختم کردی گئی تھی......'' نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: ''ہر بدعت گمراہی ہے'' کے معنی کو خراب کردیا

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اس پر حکم لگایا کہ وہ انتہائی کمزور روایت ہے۔ انہوں نے مشکوٰۃ (۱/۶۰) ❶ میں حدیث رقم (۱۶۸) کے تحت فرمایا:

⇦ میں نے کہا: امام شافعی رحمہ اللہ نے ''الرسالہ'' (ص۵۰۳) میں ایک مستقل باب اور "الام" (۷/۳۰۹) میں ایک 'کتاب' مقرر کی ہے جس میں انہوں نے استحسان کا ابطال کیا ہے اور اسے خواہش پرستی اور گمراہی قرار دیا ہے اور انہوں نے کہا: ''استحسان تو ایک تلذذ (لطف اندوز ہونا) ہے۔'' اصولیین میں سے جس جس نے استحسان پر بحث کی ہے اس نے سابقہ عبارت کو شافعی کی طرف منسوب کیا ہے۔ دیکھیے: مثلاً "شرح التوضيح على التنقيح" (۳/۱)، "نهاية السول" (٤/ ٤٠٣)، "كشف الأسرار" (٢/ ١٦٨)، "مختصر المنتهى مع شرح العضد" (٢/ ٢٨٨)، "الباعث على إنكار البدع والحوادث" (ص: ٥٠۔ میری تحقیق کے ساتھ) لأبی شامة، "الاعتصام" (٣/ ٦٢ میری تحقیق کے ساتھ)۔ جلال الدین محلی نے "جمع الجوامع" (۲/۲۹۵) میں فرمایا: "شَرَّعَ" راء پر شد اور العطار نے اس کے حاشیے (۲/۳۹۵) پر اس پر تنقید وتبصرہ کیا تو فرمایا:

''الزرکشی وغیرہ نے راء پر شد کے متعلق زور دے کر کہا، اور انہوں نے کہا: ''العراقی نے کہا: اس (راء) پر شد کے متعلق جزم کا کوئی معنی نہیں، مجھے جو یاد ہے وہ تخفیف کے ساتھ (راء پر شد نہیں)، نصب شریعہ میں کہا جاتا ہے: "شَرَعَ" تخفیف کے ساتھ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوحًا﴾ (الشوری: ۱۳)

❶ هداية الرواة إلى تخريج أحاديث المصابيح والمشكاة (١٣٢/١).

یہ ضعیف حدیث ان احادیث صحیحہ کے عموم کے ردّ کے بارے میں ایک شبہہ کو پھیلانے والی ہے کہ جن میں ہے: ''ہر بدعت گمراہی ہے۔'' وہ اس بارے میں اس (ضعیف روایت) میں مذکور اس قول کو تھامے ہوئے ہیں:

((وَمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةً ضَلَالَةً .))

''جس نے بدعت ضلالہ (گمراہ بدعت) جاری کی۔''

اگر یہ صحیح ہے تو اس کا کوئی مفہوم نہیں، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے:

﴿لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾ (آل عمران: ۱۳۰)

''سود کو بڑھا چڑھا کر (دوگنا چوگنا کرکے) نہ کھاؤ۔''

اور اس کی تفصیل امام شاطبی کی کتاب ''الاعتصام'' میں موجود ہے۔ [1]

۴......حدیث: ''ہر بدعت گمراہی ہے'' کی تشریح

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''مختصر صحیح مسلم'' (رقم: ۴۱۰) کے حاشیے میں فرمایا:

یہ (حدیث) اپنے عموم پر ہے، اس پر مطلق طور پر کوئی تخصیص نہیں آئی، اس مؤقف کے خلاف جو آج بہت سے لوگ گمان کرتے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی امر پایا جائے جس کی شریعت اور اس کے وجوب پر شرعی دلیل قائم ہو جائے تو پھر وہ کسی اعتبار سے بدعت کے زمرے میں نہیں آتی، اس اہم بحث کی تفصیل امام شاطبی رحمہ اللہ کی کتاب "الاعتصام" اور اس کتاب کی شرح للصدیق میں بھی موجود ہے۔

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "کلمة الإخلاص" (ص۲۱۔۲۲) میں فرمایا:

یہ ممکن نہیں کہ یہ حدیث مخصوص عام میں سے ہو۔ جیسا کہ بعض متاخرین بیان کرتے ہیں اور اس کے بہت سے اسباب ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں: ایسی کوئی دلیل نہیں ملتی جو اس کی تخصیص کرتی ہو۔ ان میں سے جس کے متعلق انہیں وہم ہے کہ وہ تخصیص کرنے والی ہے تو وہ اس طرح نہیں ہے، بلکہ اس سے جو صحیح ثابت ہوتا ہے وہ اس سے ہے جو اسے اس خصوص کے ساتھ لاتی ہے، تو وہ بعض نئے وسائل کے استحسان کی دلیل ہے، وہ کبھی ایسے امور لے آتے ہیں جو نص کے ذریعے مشروع ہیں، پس یہ وسائل وہ ہیں جو تقسیم کو پانچ اقسام میں منقسم کرنے کو قبول کرتے ہیں، نہ کہ دینی بدعت، اور یہ اسی طرح ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''جس چیز کے بغیر واجب کی ادائیگی نہ ہوتی ہو تو وہ چیز بھی واجب ہوتی ہے۔'' جیسے قرآن کی جمع و تدوین اور کتابوں کی تصنیف وغیرہ، یہ سب مشروع وسائل میں

---

[1] وہ بلال بن حارث المزنی کی روایت ہے، انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے میری سنت میں سے کوئی سنت زندہ کی جو میرے بعد ختم کر دی گئی تھی، تو اس شخص کو اس پر عمل کرنے والوں کے برابر ثواب ملے گا اور ان کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جس نے کوئی بدعت ضلالہ جاری کی جسے اللہ اور اس کے رسول پسند نہیں فرماتے تو اسے اس پر عمل کرنے والوں کے گناہ کے برابر گناہ ملے گا اور ان کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔''

سے ہیں، کیونکہ وہ اس طرف پہنچاتے ہیں جو نصوص کے ساتھ مشروع ہیں جیسا کہ بالکل واضح ہے، پس وہ کسی چیز میں بھی بدعت کے ضمن میں سے نہیں، یہ اس کے خلاف ہے جو وہ گمان کرتے ہیں۔

۵......حدیث: ''مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً......'' [1] کی تشریح

اس حدیث میں اس شخص کا ردّ بھی ہے جو یہ کہتا ہے کہ ''اسلام میں بدعت حسنہ بھی ہے۔''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''مختصر صحیح مسلم'' (رقم ۵۳۳) کے حاشیے میں فرمایا:

اس نے مسلمانوں میں ایک راستہ کھولا ہے، اس نے ان (مسلمانوں) کو یہاں تک پہنچایا ہے کہ وہ سنت حسنہ کریں جبکہ دین نے اس سے روکا ہے، یہ وہ صحیح معنی ہے جس کا لغت اور سیاقِ حدیث تقاضا کرتا ہے۔

اور رہی اس کی تفسیر کہ ''جس نے اسلام میں سنت حسنہ جاری کی'' جیسا کہ متاخرین کے ہاں مشہور ہے اور اسی کی وجہ سے انہوں نے آپ ﷺ کے فرمان: ''ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔'' [2] کے عموم کی تخصیص کی ہے اور یہ جو نبی ﷺ کی طرف معنوی نسبت کی گئی ہے یہ بہت ہی بری ہے، پس انصاری نے اس حدیث میں جو کچھ کیا ہے وہ ان کا صدقہ کی ابتدا کرنا ہے، اور وہ نص کے حوالے سے مشروع ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے اسی مفہوم میں اسے تلاوت کیا ہے، تو پھر اس انصاری کے فعل میں بدعت کہاں ہے، کہ کہا جائے کہ انہوں نے بدعت حسنہ کا ارتکاب کیا اور حدیث کو اس پر محمول کیا جائے؟!

ہمارے شیخ علامہ الالبانی رحمہ اللہ نے ''احکام الجنائز'' (ص۲۲۶) میں فرمایا:

تنبیہ:...... بعض بدعتی اس حدیث میں آپ ﷺ کے فرمان: ''جس نے اسلام میں سنت حسنہ جاری کی'' سے بدعات کے لیے اپنی مزعوم تقسیم پر استدلال کرتے ہیں، کہ ان (بدعات) میں سے کوئی حسن ہے اور کوئی سیئہ!!

اور وہ باطل تقسیم پر فاسد استدلال ہے، جیسا کہ دیکھنے والا حدیث کے شانِ ورود [3] میں اسے ملاحظہ کرسکتا ہے۔ وہ اسے چھپاتے ہیں اور اسے ذکر نہیں کرتے۔ یہ حدیث تو سنتیں زندہ کرنے پر ترغیب کے بارے میں ہے نہ کہ بدعات جاری کرنے کی ترغیب کے بارے میں۔

تردید کی دوسری وجہ: وہ یہ کہ اگر ہم تسلیم کرلیں کہ اس حدیث میں سنت مذکورہ سے بدعت کا قصد کیا ہے، تو ہر پہلی کو حسن کے ساتھ اور دوسری کو قبح کے ساتھ موصوف کیا جائے گا! اور اہل السنہ کے نزدیک یہ بات معلوم ہے کہ حسن و قبح کو کتاب وسنت کی طرف لوٹایا جائے گا، جو کہ معتزلہ اور ان کی حمایت کرنے والے لوگوں کے موقف کے

---

[1] "أحكام الجنائز" (ص ۲۲۵) میں اس کی تخریج دیکھیں، وہاں اس کی روایات، اس کے الفاظ اور اس کا سبب مذکور ہے۔

[2] اصل میں بھی اسی طرح ہے، شاید کہ درست اس طرح ہو: "وكل بدعة ضلالة ." واللہ اعلم۔

[3] قرآنی آیات میں اسبابِ نزول کے لیے ''شانِ نزول'' کے الفاظ کہے جاتے ہیں جبکہ حدیث کے لیے 'شانِ ورود' کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ یعنی کیا موقع ومحل تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے وہ فرمان جاری کیا۔ (شہباز حسن)

خلاف ہے، جیسا کہ وہ تحسین و تقبیح کی بنیاد عقل کو قرار دیتے ہیں! تو جب کسی شرعی فعل کو بدعت حسنہ کہا جائے اور اس پر کتاب وسنت سے تفصیلی دلیل لائی جائے، تو پھر اس کی شریعت میں کوئی اختلاف نہیں، اور اسے بدعت کہنا لغوی اعتبار سے ہوگا نہ کہ کسی اور حوالے سے، جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے نماز تراویح باجماعت پڑھنے کا اہتمام کراتے وقت فرمایا تھا: "نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ" "یہ بدعت (لغوی معنی کے طور پر) اچھی ہے۔" یہ انہوں نے اس کے بعد فرمایا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس (نماز تراویح باجماعت) کو اپنے قول وفعل سے جاری فرما چکے تھے۔

اسی طرح "السنہ السیئہ" کے بارے میں کہا جائے گا جب اسے "البدعۃ" کہا جائے، تو وہ تب سیئہ ہوگی جب اس پر شرعی دلیل قائم ہو جائے گی۔

اور آپ ...... وللہ الحمد ...... بدعتیوں کے اس حدیث سے استدلال کے سقوط کو مذکورہ دونوں صورتوں میں دیکھیں گے، واللہ الموفق۔

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "کلمۃ الإخلاص" (ص ۲۲) کے حاشیے میں فرمایا:

اور یہ وسائل [1] وہ ہیں جن پر صحیح حدیث کو محمول کرنا ممکن ہے:

"جس نے اسلام میں سنت حسنہ جاری کی...... اور جس نے اسلام میں سنت سیئہ جاری کی......"

اس کے ورود کا سبب اس پر قطعی طور پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صحابہ میں سے ایک آدمی کے کھڑے ہونے پر فرمایا...... یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انہیں صدقہ کرنے کی ترغیب دلانے کے بعد تھا...... وہ آدمی اپنے گھر گیا اور پھر واپس آیا تو اس کے پاس کچھ صدقہ تھا۔ اس نے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا، جب باقی صحابہ نے اس کا عمل دیکھا تو وہ بھی اُس کے راستے پر چلے اور ان میں سے جس سے جو ہوسکا وہ صدقہ لے کر آیا تو اللہ نے جتنا چاہا اتنا صدقہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جمع ہوگیا، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث بیان فرمائی، کیا تم سمجھتے ہو کہ جس وقت وہ صحابی صدقہ لے کر آئے تھے انہوں نے بدعت حسنہ کا ارتکاب کیا تھا؟ اسی لیے ہم قطعی طور پر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تقرب کے دروازے سے صرف اور صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے راستے ہی سے داخلہ ممکن ہے، کس طرح نہ ہو جبکہ آپ فرماتے ہیں:

((مَا تَرَكْتُ شَيْئًا يُقَرِّبُكُمْ إِلَى اللّٰهِ إِلَّا وَقَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهٖ .))

"میں نے تمھیں ہر اس چیز کے متعلق حکم فرما دیا ہے جو تمھیں اللہ کے قریب کرتی ہے۔"

ہمارے سلف صالحین رحمہم اللہ اس حقیقت کو سمجھ چکے تھے، اسی لیے انہوں نے ہمیں اس (سنت) کی اتباع کرنے کا حکم فرمایا تو انہوں نے کہا: "اتباع کرو، بدعات جاری نہ کرو (یہ) تمھیں کفایت کرے گی، تم امر عتیق

[1] یعنی مشروع وسائل جو اس تک پہنچاتے ہیں جو نصوص کے ذریعے مشروع ہے جیسا کہ بالکل واضح ہے۔ فائدہ کے لیے دیکھیں: "کلمۃ الإخلاص" (ص ۲۱-۲۲)

(پرانے امر) کو لازم پکڑو (اور نئے امر یعنی بدعات سے اجتناب کرو)۔''[1]

٦......ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر ”كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا لَبِسَتْكُمْ فِتْنَةٌ......“ کی تشریح

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا:

((كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا لَبِسَتْكُمْ فِتْنَةٌ يَهْرَمُ فِيهَا الْكَبِيرُ ، وَيَرْبُو فِيهَا الصَّغِيرُ ، [وَيَتَّخِذُهَا النَّاسُ سُنَّةً] إِذَا تُرِكَ مِنْهَا شَيْءٌ ، قِيلَ: تُرِكَتِ السُّنَّةُ .))

''تمہاری اس وقت کیا کیفیت ہوگی جب تم فتنے کا شکار ہو جاؤ گے، اس میں بڑا جو ہے وہ بہت بوڑھا ہو جائے گا اور چھوٹا پروان چڑھ جائے گا، [اور لوگ اسے سنت بنالیں گے]، جب اس میں سے کوئی چیز ترک کی جائے گی، کہا جائے گا: سنت ترک کردی گئی۔''

لوگوں نے کہا: یہ کب ہوگا؟ انہوں نے فرمایا:

''جب تمھارے علماء ختم ہو جائیں گے، قراء کی کثرت ہو جائے گی، تمھارے فقہاء کم ہو جائیں گے، تمھارے امراء زیادہ ہو جائیں گے اور تمھارے امانت دار کم رہ جائیں گے، عمل آخرت کے ساتھ دنیا کی تلاش کی جائے گی، اور دین کے علاوہ امور میں سمجھ داری حاصل کی جائے گی۔''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنے رسالے ”صلاة التراويح“ (ص:٥) میں اس اثر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

داری (١/٦٠) نے اسے دو اسناد سے روایت کیا ہے، ان میں سے ایک صحیح ہے، اور دوسری حسن۔ حاکم (٤/٥١٤) نے روایت کیا اور ابن عبدالبر نے ''جامع بیان العلم'' (١/١٨٨) میں اسے روایت کیا ہے۔

یہ اثر اگرچہ موقوف ہے لیکن وہ مرفوع کے حکم میں ہے؛ کیونکہ اس میں جو غیبی امور بیان کیے گئے ہیں وہ وحی کے ذریعے ہی کہے جاسکتے ہیں، تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی علامات میں سے ہے، اس کا ہر جملہ ثابت ہو چکا ہے جیسا کہ مشاہدے میں ہے، خاص طور پر وہ جو سنت اور بدعت سے متعلق ہے، بے شک آپ دیکھیں گے کہ جو لوگ سنت کی پیروی اور بدعت سے جنگ کے سب سے زیادہ حریص ہیں، ان پر مخالفین کی طرف سے بدعت اور ترک سنت کا الزام لگایا جاتا ہے! یہ صرف اس لیے ہے کہ وہ لوگوں کی طرف سے جاری کردہ بدعتوں اور ان کے اختیار کرنے کا انکار کرتے ہیں اور وہ انہیں سنن سمجھتے ہیں، اور یہ رسالہ (الاصابہ) اس کی سب سے سچی مثال ہے۔

اور آپ رحمہ اللہ نے ''قیام اللیل'' (ص ٤۔٥) پر کلام سابق کے مانند کلام فرمایا، ہم اسے یہاں نقل کرتے ہیں:

یہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کی صدق رسالت کی نشانیوں میں سے ہے، کیونکہ اس کے فقروں

---

[1] یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے جیسا کہ چند صفحات پیچھے گزرا۔ دیکھئے صفحہ: ١٤٤۔ (شہباز حسن)

میں سے ہر فقرہ عصر حاضر میں ثابت ہو چکا ہے، ان میں سے کثرت بدعات، لوگوں کا ان کے فتنے میں مبتلا ہونا، حتیٰ کہ انہوں نے انہیں سنت قرار دے دیا، انہیں قابل اتباع دین بنالیا، پس جب حقیقی اہل السنہ اس (بدعت) سے اعراض کرتے ہیں اور آپ سے ثابت سنت کو اختیار کرتے ہیں تو مشہور کر دیا جاتا ہے: سنت کو ترک کر دیا گیا ہے!

۷.....حدیث: ''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہ ہو تو وہ (عمل) مردود ہے۔''[1] کی تشریح

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الإرواء" (۱/۱۲۸) میں حدیث رقم (۸۸) کے تحت فرمایا:

یہ حدیث قواعد اسلام میں سے ایک عظیم قاعدہ ہے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع کلمات میں سے ہے، کیونکہ وہ تمام بدعات ومحدثات کی تردید میں صریح ہے، ابتدائی الفاظ [2] تردید میں عام ہیں، کیونکہ وہ بدعت کے متعلق ہر عمل کو شامل ہے، خواہ اس (بدعت) کو ایجاد کرنے والا کوئی اور ہو جبکہ دوسری حدیث کے الفاظ [3] اس سے مختلف ہیں۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''ریاض الصالحین'' (ص۱۰۸) کے حاشیے میں حدیث رقم (۱۷۳)[4] کے تحت فرمایا:

جس نے اسلام میں کوئی ایسا کام جاری کیا جو کہ اسلام کی کسی چیز سے متعلق نہیں اور اس کے اصول میں سے کوئی اصل اس کی گواہی بھی نہ دے تو وہ (عمل) مردود ہے، اس کی طرف دیکھا بھی نہیں جائے گا اور یہ حدیث دین کے جلیل القدر قواعد میں سے ایک قاعدہ ہے، بدعات ومحدثات کے ابطال میں اس حدیث کو یاد کر لینا چاہیے اور اس کی تشہیر کرنی چاہیے۔

۸.....عمر رضی اللہ عنہ کے قول "نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ"[5] کی تشریح

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''صلاۃ التراویح'' (ص۴۲-۴۵) میں عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

جان لیجیے کہ متاخرین کے درمیان عمر رضی اللہ عنہ کے قول: "نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ" (یہ بدعت اچھی ہے۔) سے

---

[1] اس کی تخریج الارواء رقم: ۸۸ میں دیکھیے۔

[2] جو اوپر حدیث میں آیا ہے (یعنی مَنْ عَمِلَ)

[3] اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ" ''جس نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی نیا کام جاری کیا جو کہ اس (دین) میں سے نہیں تو وہ مردود ہے۔''

[4] اس حدیث سے عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایتِ سابق مراد ہے جو دو طرح کے الفاظ سے مروی ہے۔

[5] الموطا للامام مالك (۱/۱۳۶-۱۳۷)، بخاری (۴/۲۰۳) اور الفریابی (۲/۷۳، ۲/۷۴، ۱-۲). ابن ابی شیبہ نے (۲/۹۱/۱) میں "نعمت البدعة هذه" کے الفاظ کے علاوہ روایت کیا۔ ابن سعد (۵/۴۲)، الفریابی نے دوسرے طریق (۲/۴۴) سے ان الفاظ سے روایت کیا ہے: إِنْ كَانَتْ هٰذِهٖ بِدْعَةٌ لَنِعْمَتِ الْبِدْعَةُ ''اگر یہ بدعت ہے تو یہ اچھی بدعت ہے۔'' اس کے راوی ثقہ ہیں، بجز نوفل بن ایاس کے، حافظ رحمہ اللہ نے "التقریب" میں فرمایا: وہ مقبول ہے" یعنی متابعت کے وقت، ورنہ لین الحدیث ہے، جیسا کہ المقدمہ میں اس کی وضاحت انہوں نے خود کی ہے۔ (منہ)

استدلال دو امور پر عام ہوا:

اوّل......: نماز تراویح کے لیے اجتماع بدعت ہے وہ نبی ﷺ کے عہد میں نہیں تھی، یہ (استدلال) بہت بڑی غلطی ہے، ہم اس پر کلام کو طول نہیں دیں گے، کیونکہ وہ واضح ہے، اس (استدلال) کے ابطال پر دلیل کے طور پر وہ احادیث متقدمہ ہمارے لیے کافی ہیں جن میں ہے: آپ ﷺ نے رمضان کی تین راتیں صحابہ کرام کو باجماعت تراویح پڑھائی، اگر آپ نے جماعت ترک کی تھی تو وہ فرض ہو جانے کے اندیشے کے پیش نظر تھی۔

دوم......: بدعت میں قابل مدح حصہ بھی ہے، اور انہوں نے اسے آپ ﷺ کے فرمان: "کل بدعة ضلالة" کے عموم سے خاص کیا ہے اور اس طرح کی دیگر احادیث سے، اور یہ (استدلال) بھی باطل ہے۔ پس وہ حدیث اپنے عموم پر ہے۔ جبکہ عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان: "نعمت البدعة هذه" سے بدعت کا شرعی معنی مراد نہیں، جو دین میں کسی ایسی چیز کو جاری کرنا ہے جس کی پہلے سے مثال نہ ہو، جبکہ معلوم ہے کہ آپ (رضی اللہ عنہ) نے کوئی نئی چیز جاری نہیں کی تھی، بلکہ انہوں نے زیادہ سے زیادہ نبی ﷺ کی سنت کا احیا کیا تھا، انہوں نے بدعت سے اس کا لغوی معنی مراد لیا تھا، وہ ہے: وہ نیا کام جو اس کی ایجاد سے پہلے معروف نہ تھا، اس میں کوئی شک نہیں۔ نمازِ تراویح ایک امام کے پیچھے باجماعت پڑھنا ابوبکر کی خلافت میں معروف و معمول نہ تھا اور نہ عمر کی خلافت کے کچھ حصے میں۔ جیسا کہ بیان ہوا، تو وہ اس اعتبار سے نئی تھی، لیکن غور کریں کہ وہ آپ ﷺ کے فعل کے موافق تھی، وہ سنت ہے بدعت نہیں، اور انہوں نے صرف اسی معنی میں اسے اچھی بدعت سے موصوف قرار دیا ہے، محقق علماء نے عمر کے اس قول کی وضاحت میں اسی معنی کو اختیار کیا ہے:

سبکی (عبدالوہاب) نے "إشراق المصابيح في صلاة التراويح" (١/١٦٨) میں "الفتاویٰ" سے نقل کیا:

"ابن عبدالبر نے فرمایا: عمر نے اس (باجماعت نماز تراویح کے) سلسلے میں وہی کیا جو رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا اور اسے پسند فرمایا تھا، اور آپ نے صرف اس اندیشے کے پیش نظر اس پر دوام اختیار نہیں کیا کہ وہ آپ کی امت پر فرض نہ کر دی جائے اور آپ ﷺ مومنوں پر مشفق و مہربان تھے، پس جب عمر رضی اللہ عنہ نے اسے رسول اللہ ﷺ سے جان لیا، اور انہوں نے جان لیا کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد فرائض میں کمی بیشی نہیں کی جا سکتی، آپ نے لوگوں کے لیے اس کا اہتمام کرایا، اس کا احیا کیا اور اس کے متعلق حکم فرمایا اور یہ ۱۴ھ کا واقعہ ہے، اور یہ وہ چیز ہے جسے اللہ نے ان کے لیے ذخیرہ بنایا اور اس کے ذریعے ان کو فضیلت بخشی اور ابوبکر کو اس کا الہام نہیں کیا، اگرچہ وہ نیکی کے ہر عمل میں عمومی طور پر سب (صحابہ) پر سبقت لے جاتے تھے، اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے اپنے اپنے فضائل ہیں، جو ان کے ساتھ خاص ہیں۔ ایک کے فضائل دوسرے صحابی کے لیے نہیں۔"

سبکی نے فرمایا: ''اگر وہ مطلوب نہ ہوتی تو وہ بدعت مذمومہ ہوتی جیسا کہ ''الرغائب'' شعبان کی پندرھویں شب اور رجب کا پہلا جمعہ، تو اس کا انکار و بطلان تھا (یعنی: تراویح کی جماعت سے انکار کا بطلان) واجب تھا جو دین سے ضروری طور پر معلوم ہے۔''

علامہ ابن حجر ہیثمی نے اپنے فتویٰ میں بیان کیا، اس کی عبارت درج ذیل ہے:

''یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکالنا اور ترکوں سے قتال کرنا جب آپ ﷺ کے حکم سے وقوع پذیر ہوا تو وہ بدعت نہ تھی، اگرچہ وہ آپ کے عہد میں نہیں ہوا اور نماز تراویح کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان: "نعمت البدعة هذه" سے ان کی مراد 'بدعت لغوی' ہے، اور اس کا معنی ہے: وہ کام کرنا جس کی پہلے سے مثال نہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ (الاحقاف: ٤٦) ''میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں۔'' یہ بدعت شرعیہ نہیں، کیونکہ بدعت گمراہی ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا، اور جن علماء نے اس کو حسن اور غیر حسن میں تقسیم کیا ہے، تو وہ 'بدعت لغوی' کی تقسیم ہے، اور جس نے کہا: ہر بدعت گمراہی ہے، تو اس کا معنی ہے: شرعی بدعت، کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ صحابہ کرام اور احسان کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے تابعین، انہوں نے پانچوں نمازوں کے علاوہ، جیسے دونوں عیدوں کے لیے، اذان دینے کی تردید کی۔ جبکہ اس بارے میں ممانعت نہیں ہے، انہوں نے دونوں شامی رکنوں کے استلام کو ناپسند کیا، طواف پر قیاس کرتے ہوئے صفا و مروہ کے درمیان سعی کے بعد نماز پڑھنے کو ناپسند فرمایا، اسی طرح آپ ﷺ نے قیام مقتضی کے باوجود کسی کام کو ترک کیا تو اب اس کا ترک کرنا ہی سنت ہے، جبکہ اس کا کرنا بدعت مذمومہ ہے، اور ہمارے قول سے آپ ﷺ کی حیات میں یہودیوں کو (جزیرہ عرب سے) نکالنا اور مصحف کی جمع و تدوین موقع ہونے کے باوجود خارج ہو گیا، اور آپ نے جسے کسی رکاوٹ کی وجہ سے ترک کیا جیسے باجماعت نماز تراویح، کیونکہ مقتضی تام میں عدم مانع [1] داخل ہوتا ہے۔''[2]

اور قاسمی رحمہ اللہ نے "إصلاح المساجد" (ص ۱۵) میں فرمایا:

بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی تقسیم: محدثات، بدعات مستحسنہ اور بدعات مستقبحہ میں تقسیم ہوتے ہیں۔ حرملہ نے کہا: میں نے شافعی رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا: ''بدعت کی دو قسمیں ہیں: بدعت محمودہ، بدعت

---

[1] ''مقتضی تام'' کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ رکاوٹ نہیں پائی جاتی، اس کی مثال: باجماعت نماز تراویح ہے، کیونکہ اس کے لیے مقتضی قائم تھا، لیکن مانع موجود تھا، وہ فرض ہو جانے کا اندیشہ، پس وہ مقتضی تام نہ تھا۔ (منہ)

[2] "الإبداع في مضار الابتداع" (ص ٢٢-٢٤). (منه)

مذمومہ، پس جو سنت کے موافق ہو جائے تو وہ محمود ہے اور جو سنت کے مخالف ہو وہ مذموم ہے۔‘‘

انہوں نے نماز تراویح کے متعلق عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان: ”نعمت البدعة“ ❶ سے دلیل لی۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ”إصلاح المساجد“ (ص ۱۵) پر اپنے حاشیے میں قاسمی کی سابقہ بات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

یہ کلام دقیق نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح با جماعت پڑھی ہے، بلکہ آپ نے اپنے فرمان کے ذریعے اس کی ترغیب دلائی ہے۔ فرمایا: ’’جس نے امام کے ساتھ قیام کیا حتیٰ کہ وہ (قیام سے) فارغ ہو گیا، اس کے لیے رات کے قیام کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے۔‘‘

اصحاب السنن نے صحیح سند سے اسے روایت کیا ہے اور میں نے اپنے رسالہ ”صلوة التراويح“ (ص:۱۷) میں اسے نقل کیا ہے، تو پھر با جماعت نماز تراویح کے متعلق کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ وہ بدعت ہے اور وہ پہلے نہیں تھی! اے اللہ! معاف فرما! حق بات یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جو فرمایا: ”نعمت البدعة هذه“ اس سے ان کی مراد بدعت شرعیہ نہیں تھی، کیونکہ وہ (بدعت شرعیہ) تو سب کی سب گمراہی ہے، انہوں نے محض بدعت لغویہ کا ارادہ فرمایا اور وہ امر جدید ہے جو کہ پہلے نہ تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک امام کے پیچھے با جماعت نماز تراویح عمر کے دور میں معروف تھی نہ ابو بکر رضی اللہ عنہما کے دور میں، پس انہوں نے اس اعتبار سے اسے بدعت کا نام دیا اور اسے حسن سے موصوف کیا، کیونکہ اس کے حسن ہونے پر شرعی دلیل ہے۔

(اس موضوع پر) یہ جلدی میں لکھ دیا ہے، جبکہ مسئلہ تفصیل طلب ہے اور موقع و محل وسیع نہیں، تو جو شخص تفصیل چاہتا ہو وہ ہمارے اس رسالے کا مطالعہ کرے جس کا ابھی ذکر کیا ہے یا پھر امام شاطبی کی کتاب ’’الاعتصام‘‘ کی طرف رجوع کرے۔

۹...... حدیث: ”لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ آوٰى مُحْدِثًا“ ❷ ...... ’’کسی بدعتی کو پناہ دینے والے پر اللہ کی لعنت ہو‘‘ کی تشریح

ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے ”المشكاة“ (۱۱۹۲/۲) ❸ رقم (۴۰۷۰) میں اس کے معنی کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

---

❶ بخاری نے اسے عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں روایت کیا ہے جو با جماعت نماز تراویح کی سنت کے احیاء کے متعلق ہے۔ میں نے اپنے رسالے صلاۃ التراویح (۴۷، ۴۸) میں اسے تخریج کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (منه)

❷ صحيح مسلم (۱۹۷۸) ابو الطفیل سے مروی ہے، انہوں نے کہا: علی سے پوچھا گیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کوئی خاص چیز عطا فرمائی ہے؟...... اور انہوں نے حدیث بیان کی۔ یہ ٹکڑا اس حدیث کا حصہ ہے۔

❸ ”هداية الرواة إلى تخريج أحاديث المصابيح والمشكاة“ (۱۱۱/٤).

یہ (بدعتی کو پناہ دینے والا) وہ شخص ہے جو اپنے علاوہ کسی دوسرے پر ظلم کرتا ہے اس کے تحت وہ شخص بھی داخل ہے جو کسی بدعت کو ایجاد کر کے اسلام پر ظلم کرتا ہے۔

"ایواؤہ" اس کا اس شخص کو پناہ دینا جو اس سے جھگڑتا ہے۔

عائشہ سے صحیحین میں روایت ہے، انہوں نے بیان کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ .)) [1]

"جس نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی نیا کام جاری کیا جو اس (دین) میں سے نہیں تو وہ مردود ہے۔"

صحیح مسلم میں ہے:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ .))

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں تو وہ (عمل) مردود ہے۔"

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الأدب المفرد" [2] میں حدیث رقم (۱۷) کے تحت فرمایا:

"مـحدثا" دال کے نیچے زیر۔ جو زمین میں فساد پھیلاتا ہے، یعنی جس نے کسی مجرم کی مدد کی یا اسے پناہ دی، یا اس کے مخالف فریق سے اسے پناہ دی اور وہ اس کے اور اس سے بدلہ لیے جانے کے درمیان حائل ہو جائے۔ اور یہ (محدَثا) دال پر زبر کے ساتھ بھی روایت کیا جاتا ہے، اور اس سے وہ امر مبتدع بذات خود مراد ہے اور اس میں "ایـواء" کا معنی ہوگا اس سے راضی ہونا اور اس پر صبر کرنا، کیونکہ جب وہ بدعت پر راضی ہوا اور اس کے فاعل کو ٹھکانہ اور اس (بدعت) کے حوالے سے اس پر اعتراض نہ کیا تو اس نے اسے پناہ دی۔

۱۰......حدیث: "......فمن أحدث فيها حدثا [أو آوى محدثا] کی تشریح

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "مختصر صحيح البخاري" (٤/ ٣١٩، رقم:٢٧٠٧) میں فرمایا:

یعنی (حدثا سے مراد) کوئی بدعت جاری کی یا کوئی ظلم کیا / بدعت کے طور پر یا ظلم کے طور پر۔

[1] اسے بخاری (۳۱۹۸) نے معلق جبکہ مسلم (۱۷۱۸) نے موصول بیان کیا ہے۔

[2] "الادب المفرد" صحیح اور ضعیف ایک جلد میں مطبوع ہیں۔ دیکھیں: "صحيح الادب المفرد" (ص ۳۷)، رقم: (۱۳/۱۷)۔

فصل : اعتقادی بدعات

عقائد میں طرح طرح کی بدعات ہیں:

①- تشیع اور خارجیت کی بدعت

②- کسی کا تاویل کرنا کہ مسیح دجال یورپ کی تہذیب وتمدن، اس کی چکا چوند مادی ترقی اور اس کے فتنوں کا اشارہ ہے۔

③- موت کے فرشتے کو عزرائیل کا نام دینا۔

④- یہ کہنا کہ حدیث آحاد عقائد اسلامی میں حجت نہیں اگر چہ وہ احکام شریعت میں حجت ہوں۔

■ ان کے رسالے سے منقول نفیس حصہ: ''حدیث آحاد قبول کرنا واجب ہے۔''

■ انہی کے رسالے سے دوسرا منقول حصہ: ''حدیث عقائد واحکام میں بذات خود حجت ہے'' اور اس میں ہے:

❀ حدیث آحاد عقائد واحکام میں حجت ہیں۔

❀ ایک شبہہ اور اس کا جواب

❀ وہ عقیدے کی بنیاد وہم وخیال پر رکھتے ہیں (آحاد حدیث سے نہیں لیتے)

❀ عقیدے میں حدیث آحاد کو دلیل نہ بنانا ایک بدعت ہے۔

■ ان کی کتاب سے تیسرا منقول حصہ "صحیح الترغیب والترھیب"

■ نقل چہارم ''عقیدۃ طحاویہ'' فقرہ (۲۹) اور فقرہ (۴۳) پر ان کا تبصرہ

■ ان کی قیمتی کتاب "تمام المنة" سے پانچواں منقول حصہ

■ ان کی کتاب "الصحیحة" جلد اوّل سے چھٹا منقول حصہ

■ رسالے "الآیات البینات" پر ان کے تبصرے سے ساتواں منقول حصہ

⑤- استواء کی کیفیت کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے۔

■ اور حاشیے میں شیخ سے صفات کی کیفیت کے بارے میں عدم مشغولیت کے متعلق ایک منقول عبارت

⑥- یہ کہنا: اللہ ہر جگہ ہے!!

⑦- اللہ تعالیٰ کی طرف مکان وجگہ کی نسبت۔

⑧- یہ کہنا: اللہ نے سب سے پہلے نور محمدی کو پیدا فرمایا۔

⑨- یہ کہنا: قرآن کے الفاظ مخلوق ہیں۔

⑩- التعطیل (اللہ کی صفات کو معطل جاننا)

⑪- یہ کہنا: اللہ بلا مکان موجود ہے! (اللہ ان کی اس بات سے بہت بلند ہے)

⑫- استواء کی استیلاء کے ساتھ تفسیر کرنا بدعت ہے۔

⑬- یہ کہنا بدعت ہے: اللہ اوپر ہے نہ نیچے، دائیں ہے نہ بائیں، آگے ہے نہ پیچھے، عالم میں داخل ہے نہ اس سے خارج۔

⑭- خوارج و معتزلہ کا یہ کہنا کہ کبیرہ گناہ کرنے والے دائمی جہنمی ہیں۔

⑮- اباضیہ اور معتزلہ کا یہ کہنا بدعت ہے کہ قیامت کے دن مومن اپنے رب کو نہیں دیکھیں گے۔

⑯- اللہ تعالیٰ کے اپنی مخلوق سے علو اور اس کے عرش پر مستوی ہونے کے انکار کی بدعت۔

⑰- بدعت تفویض۔

⑱- علم الکلام۔

⑲- اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں ان کا یہ کہنا: مذہب سلف زیادہ محفوظ ہے، جبکہ مذہب خلف زیادہ علم اور زیادہ مضبوطی والا ہے۔

اعتقادی بدعات

۱: بدعت تشیع اور خارجیت مشرق کی طرف سے شروع ہوئی

شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (۲۵۶۵) میں فرمایا:

''سب سے پہلے فتنہ مشرق کی جانب سے تھا، وہی مسلمانوں کے درمیان تفرقہ بازی کا سبب تھا، اسی طرح بدعات کا آغاز بھی اسی جانب سے ہوا جیسے فرقہ بندی اور بغاوت وغیرہ کی بدعت۔''

۲: کسی کا تاویل کرنا کہ مسیح دجال یورپ کی تہذیب وتمدن، اس کی چکا چوند مادی ترقی اور اس کے فتنوں کا اشارہ ہے

ہمارے شیخ نے "الصحیحة" (۳/۱۹۰) میں حدیث (۱۱۹۳) کے تحت فرمایا، اور اس کی نص یہ ہے:

''دجال کانا ہے، گورا سفید رنگ ہے، گویا کہ اس کا سر جیسے سانپ کا سر ہے، وہ سب سے زیادہ عبدالعزی بن قطن سے مشابہ ہوگا، پس ہلاک ہونے والے ہی ہلاک ہوں گے، بے شک تمھارا رب تعالیٰ کانا نہیں ہے۔''

یہ حدیث اس بارے میں صریح ہے کہ دجالِ اکبر انسانوں میں سے ہے، اس کی صفات انسان والی ہیں، خاص طور پر یہ کہ اسے عبدالعزی بن قطن کے مشابہ قرار دیا گیا، اگر کوئی شخص یہ تاویل کرتا ہے کہ دجال کوئی شخص نہیں، وہ تو یورپ کی تہذیب وتمدن، اس کی چکاچوند مادی ترقی اور اس کے فتنوں کے لیے ایک رمز (اشارہ) ہے تو یہ حدیث اس کے بطلان پر کثیر دلائل میں سے ایک ہے! دجال انسانوں میں سے ہے اور اس کا فتنہ اس سے بہت بڑا ہے، جیسا کہ صحیح احادیث [1] سے معلوم ہوتا ہے، ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

۳: موت کے فرشتے کو عزرائیل کا نام دینا

ہمارے شیخ نے عقیدہ طحاویہ فقرہ (۷۹) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

''ہم موت کے فرشتے پر، جو عالمین کی ارواح قبض کرنے پر مامور ہے، ایمان لاتے ہیں۔'' (ص ۷۲)

قرآن میں اس کا یہ نام ہے اور رہا اس کا نام عزرائیل رکھنا (جیسا کہ لوگوں میں مشہور ہے) تو اس کی کوئی اصل نہیں، وہ اسرائیلیات میں سے ہے۔

---

[1] صحیح احادیث کی معرفت کے لیے ہمارے شیخ رحمہ اللہ کی نئی کتاب "قصة المسیح الدجال" کا مطالعہ کریں۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے نبی ﷺ کے فرمان: ......''پھر موت کا فرشتہ ❶ آتا ہے......'' کی ''احکام الجنائز'' (ص۱۹۹، ۳۱۸) میں تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

کتاب وسنت میں اس کا نام یہ (ملک الموت) ہے، رہا اس کا عزرائیل نام رکھنا تو یہ ایسے امور میں سے ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں، حالانکہ لوگوں کے پاس وہ اسی نام (عزرائیل) سے مشہور ہے، ہوسکتا ہے وہ اسرائیلیات میں سے ہو۔

۴: یہ کہنا کہ حدیث آحاد اسلامی عقائد میں حجت نہیں اگرچہ وہ شرعی احکام ❷ میں حجت ہے یا دلیل لینے کے حوالے سے آحاد اور متواتر روایات میں فرق کرنا

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنے رسالے ''وجوب الأخذ بحديث الآحاد'' میں بیس طرح سے اس دعوے کا رد کیا ہے اور اس پر اعتراض کیا ہے، ہم ایک ہی صورت بیان کرنے پر اکتفا کریں گے، جو مزید وتفصیل کا طالب ہو تو وہ جناب شیخ کے دو رسالوں ''وجوب الأخذ بحديث الآحاد'' اور ''الحديث حجة بنفسه'' کا مطالعہ کرے۔

شیخ رحمہ اللہ نے اپنے رسالے ''وجوب الأخذ بحديث الآحاد'' (ص۷۔۸ ط: مکتبہ اسلامیہ) میں فرمایا:

ان میں سے بعض کا یہ موقف ہے کہ عقیدہ صرف قطعی دلیل جیسے کوئی آیت یا وہ متواتر حدیث جس کا تواتر حقیقی ہو، سے ثابت ہوتا ہے، اگر یہ دلیل ہو اس میں تاویل کا احتمال نہ ہو، اور دعویٰ کیا کہ یہ ان مسائل میں سے ہے جس پر علمائے اصول کے ہاں اتفاق کیا گیا ہے اور یہ کہ احادیث آحاد علم ❸ فائدہ پہنچاتی ہیں نہ ان سے عقیدہ ثابت ہوتا ہے! ❹

میں کہتا ہوں: یہ قول، اگرچہ ہمیں معلوم ہے کہ اسے متقدمین علمائے کلام میں سے کسی نے کہا ہے، تو یہ کئی وجوہات کی بنا پر باطل ہے۔

وجہ اوّل......: یہ کسی بدعتی شخص کا قول ہے، اس کی روشن شریعت اسلامی میں کوئی بنیاد نہیں، وہ قرآن کی ہدایت

---

❶ براء بن عازب کی طویل روایت کا ایک ٹکڑا، ''احکام الجنائز'' (ص۲۰۲) پر تفصیل دیکھیں۔

❷ ہمارے شیخ نے ''وجوب الأخذ بحديث الآحاد'' (ص۳۔۴) کے مقدمے میں فرمایا: قدیم وجدید بہت سے علمائے اسلام اور محدثین نے اس شاذ رائے کی تردید میں قلم اٹھایا ہے۔ ان اہم ترین تردیدوں میں سے وہ تردید بھی ہے جو علامہ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے مختصر الصواعق المرسلة اور عظیم امام ابن حزم رحمہ اللہ نے اپنی عظیم کتاب الاحکام فی اصول الاحکام میں لکھی ہے۔

❸ میں نے کہا: ان کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ ممکن ہے کہ وہ کذب ہو یا خطا ہو! (منہ)

❹ یہ جاننا ضروری ہے کہ حدیث آحاد سے مراد صحیح حدیث ہے، خواہ وہ کئی صحیح طرق سے آئی ہو، لیکن وہ درجہ تواتر کو نہ پہنچے۔ تو وہ اس جیسی حدیث کو رد کرتے ہیں اور وہ اسے عقیدے میں قبول نہیں کرتے، اس موضوع کے متعلق حدیث کی اہم تعریفات جاننے کے لیے ہمارے سابقہ رسالے کا مقدمہ ''الحديث حجة بنفسه'' کا مطالعہ کریں۔ (منہ)

اور سنت کی توجیہات سے بیگانہ ہے، سلف صالح ...... رضوان اللہ تعالیٰ علیہم ...... نے اسے نہیں جانا اور وہ ان میں سے کسی ایک سے بھی منقول نہیں، بلکہ وہ ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آیا! دین حنیف میں معلوم اور طے شدہ ہے کہ امور دین میں سے بدعتی کا ہر امر مردود و باطل ہے، نبی ﷺ کے درج ذیل فرامین پر عمل کرتے ہوئے کسی حال میں اسے قبول کرنا جائز نہیں:

((مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ .)) (متفق علیه)

''جس نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی نیا کام جاری کیا جو کہ اس میں سے نہیں تو وہ مردود ہے۔''

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ .))

''دین میں نکالے گئے نئے نئے کاموں سے اجتناب کرو، کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔''

اسے احمد، اصحاب السنن اور بیہقی نے روایت کیا ہے، جبکہ آخری جملہ نسائی اور بیہقی کے نزدیک ہے، اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

یہ قول علمائے کلام کی ایک جماعت نے کہا ہے اور ان سے متاثر ہونے والے بعض متاخر علمائے اصول نے، بعض ہم عصر مؤلفین نے اسے کسی جانچ پڑتال اور کسی دلیل کے بغیر ان سے قبول کیا ہے۔ عقیدے کا معاملہ اس طرح تو نہیں، خاص طور پر جو اس کے ثبوت کے لیے دلالت وثبوت میں قطعیت کی شرط لگاتا ہے!

اور شیخ رحمہ اللہ نے اپنے رسالے "الحديث حجة بنفسه في العقائد والاحكام" (ص۵۱-۵۵) میں فصل سوم کے تحت فرمایا:

☆ آحاد حدیث عقائد واحکام میں حجت ہے:

جو یہ کہتے ہیں کہ حدیث آحاد سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا، وہ اس وقت یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ احکام شریعت حدیث آحاد سے ثابت ہوتے ہیں، انہوں نے اس طرح عقائد واحکام کے درمیان فرق کیا، کیا آپ کتاب وسنت کے پیش کردہ دلائل میں اس تفریق کو پاتے ہیں؟ ہرگز نہیں اور ہزار بار ہرگز نہیں، بلکہ وہ اپنے عموم واطلاقات کے ساتھ عقائد کو بھی شامل ہیں اور وہ اس میں آپ کی اتباع کو واجب قرار دیتی ہیں، کیونکہ وہ بلاشک اس ضمن سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کا فرمان "أَمْرًا" شامل ہے جو کہ اس آیت میں ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ

اَمْرِهِمْ﴾ (الاحزاب: ٣٦)

''کسی مومن اور کسی مومنہ کے لیے جائز نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو وہ اپنی رائے کو اس میں دخل دیں۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی ﷺ کی اطاعت کے متعلق حکم ہے، آپ کی نافرمانی سے ممانعت ہے اور آپ کی مخالفت سے ڈرایا گیا ہے اور ان مومنوں کی تعریف کی ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف فیصلہ کے وقت بلائے جانے پر کہتے ہیں: ہم نے سن لیا اور ہم نے مان لیا، یہ سب عقائد و احکام میں آپ ﷺ کی اطاعت و اتباع کے وجوب پر دلالت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ﴾ (الحشر: ٧)

''اور رسول (ﷺ) جو کچھ تمھیں دے دیں وہ لے لو۔''

لفظ "مــا" عموم کے الفاظ میں سے ہے جیسا کہ معلوم ہے، اگر آپ احکام میں حدیث آحاد کے اخذ کو واجب قرار دینے والوں سے اس کے متعلق دلیل طلب کریں تو وہ انھی آیات سابقہ اور ان کے علاوہ دیگر آیات سے استدلال کریں گے جنھیں ہم اختصار کے پیش نظر ذکر نہیں کر رہے، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ نے انھیں اپنی کتاب "الرسالة" میں تفصیل سے ذکر کیا ہے، تو جو چاہے اس کا مطالعہ کر لے۔

تو کس چیز نے انھیں ان (حدیث آحاد) کے ذریعے وجوب اخذ سے عقیدے کو مستثنیٰ کرنے پر آمادہ کیا جبکہ وہ (عقیدہ) بھی آیات کے عموم میں داخل ہے؟ ان کا عقائد کو چھوڑ کر احکام کے ساتھ تخصیص کرنا ایسی تخصیص ہے جس کی تخصیص کرنے والا کوئی نہیں، اور یہ باطل ہے، اور جس چیز سے باطل لازم آتا ہو تو وہ بھی باطل ہوتی ہے۔

☆ شبہہ اور اس کا جواب:

انھیں ایک شبہہ پیدا ہوا۔ پھر وہ ان کے ہاں عقیدہ بن گیا! اور وہ یہ کہ حدیث آحاد صرف ظن کا فائدہ دیتی ہے، اور وہ اس سے طبعاً ظن راجح مراد لیتے ہیں، اور ظن راجح پر احکام میں عمل کرنا بالاتفاق واجب ہے، اور ان کے نزدیک ان (حدیث آحاد) کے ذریعے اخبار غیبیہ اور مسائل علمیہ اخذ کرنا جائز نہیں اور اس سے عقیدہ مراد ہے، اگر ہم بحث کے طور پر ان کے اس قول کو مطلق طور پر قبول کر لیں کہ ''حدیث آحاد صرف ظن و گمان ہی کا فائدہ دیتی ہیں۔'' تو ہم ان سے سوال کریں گے: تم نے یہ تفریق کہاں سے لی ہے اور اس پر دلیل کیا ہے کہ عقیدے میں حدیث آحاد سے اخذ کرنا جائز نہیں؟

ہم نے بعض معاصرین کو اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان سے اس پر استدلال کرتے ہوئے دیکھا ہے:

﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ﴾ (النجم: ٢٣)

''وہ محض ظن وگمان اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہیں:

﴿وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا﴾ (النجم: ۲۸)

''بے شک حق بات کے سامنے ظن وگمان کچھ کام نہیں آتا۔''

اور اس طرح کی دیگر آیات جن میں اللہ تعالیٰ مشرکوں کی ان کی اتباع ظن پر مذمت کرتا ہے، ان استدلال کرنے والوں سے یہ بات رہ گئی کہ ان آیات میں ظن مذکور سے وہ ظن غالب مراد نہیں جو خبر آحاد سے مستفاد ہوتا ہے، ان (حدیث آحاد) سے اخذ کرنا بالاتفاق واجب ہے اور شک سے مراد اٹکل پچو اور اندازہ ہے، لغت کی کتابوں: ''النھایۃ'' اور ''اللسان'' وغیرہ میں الظن کے یہ معنی ہیں: ''وہ شک کسی چیز کے بارے میں تجھے پیش آئے پس تم اس کی تحقیق کرو اور اس کے ذریعے فیصلہ کرو۔'' تو یہ وہ ظن ہے جس کا اللہ نے مشرکوں کا عیب بیان کرتے ہوئے مشہور کیا اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تائید کرتا ہے:

﴿اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ﴾ (الانعام: ۱۱۶)

''وہ محض ظن وگمان کی پیروی کرتے ہیں اور وہ محض اٹکل و اندازے لگاتے ہیں۔''

تو اس نے الظن کو وہ اندازہ قرار دیا ہے جو محض اندازہ و تخمین ہو۔

اگر ان آیات میں مشرکین پر عیب کے متعلق جس ظن کو بیان کیا گیا ہے وہ ظن غالب ہو۔ (جیسا کہ ان استدلال کرنے والوں کا گمان ہے) تو پھر احکام میں بھی ان سے اخذ کرنا جائز نہ ہوا اور اس کے دو اسباب ہیں:

پہلا سبب......: اللہ نے اس کا ان پر مطلق طور پر انکار کیا ہے اور اسے احکام کو چھوڑ کر عقیدے کے ساتھ مخصوص نہیں کیا۔

دوسرا سبب......: یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بعض آیات میں صراحت کی ہے کہ وہ ظن جس کا اللہ نے مشرکوں پر انکار کیا وہ قول اس کے ساتھ احکام کو بھی محیط ہے، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا صریح فرمان سنیں:

﴿سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا لَوْشَآءَ اللّٰہُ مَآ اَشْرَکْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍ کَذٰلِکَ کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ حَتّٰی ذَاقُوْا بَاْسَنَا قُلْ ھَلْ عِنْدَکُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْہُ لَنَا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَo﴾ (الانعام: ۱۴۸)

''جن لوگوں نے شرک اختیار کیا ہے وہ عنقریب کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے (تو یہ عقیدہ ہے) اور ہم کسی چیز کو حرام نہ ٹھہراتے (یہ حکم ہے) اسی طرح ان لوگوں نے (رسولوں کو) جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ

چکھا، پوچھیے، کہ کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے تو اسے ہمارے سامنے پیش کرو، تم تو محض ظن وگمان کی پیروی کرتے ہو اور محض اٹکل سے باتیں بناتے ہو۔''

اور اللہ تعالیٰ کا درج ذیل فرمان اس کی تفسیر بیان کرتا ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝﴾

(الاعراف: ۳۳)

''کہہ دیجیے کہ میرے رب نے تو بے حیائی کی باتیں خواہ کھلی ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کے کام اور ناحق کی زیادتی اور یہ بات کہ تم اللہ کے ساتھ اس کو شریک کرو جس کے حق میں اس نے کوئی سند و دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ اللہ پر وہ باتیں کہو جن کا تمہیں کوئی علم نہیں، حرام قرار دیا ہے۔''

تو اس بیان سے ثابت ہوا کہ وہ ظن، جس سے اخذ کرنا جائز نہیں، وہ لغوی ظن ہے جو کہ اندازہ وتخمین کے مترادف ہے اور علم کے بغیر قول، احکام میں اس کے ساتھ حکم اسی طرح حرام ہے جس طرح عقائد میں اس سے اخذ کرنا حرام ہے اور (ان دونوں میں) کوئی فرق نہیں۔

جب معاملہ اس طرح ہے تو پھر پیچھے بیان کردہ قول ہمارے حق میں ہوا کہ تمام آیات اور مذکورہ بالا احادیث احکام میں آحاد حدیث کے ساتھ اخذ کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں، وہ اپنے عموم کی وجہ سے ان کے ساتھ عقائد میں اخذ کرنے کے وجوب پر بھی دلالت کرتی ہیں، اور حق بات یہ ہے کہ آحاد حدیث کے ساتھ عقیدہ واحکام میں وجوب اخذ کے بارے میں فرق کرنا ایک فلسفہ ہے جو اسلام میں داخل کر دیا گیا ہے، جسے سلف صالح جانتے ہیں نہ وہ چاروں امام جانتے ہیں جن کی بہت سے مسلمان دور حاضر میں تقلید کرتے ہیں۔

☆ عقیدہ سے متعلق ان کی بنا وہم وخیال پر ہے (احادیث آحاد سے اخذ نہیں کرتے):

آج عاقل مسلمان ایک بڑی عجیب بات سن رہا ہے، وہ یہ بات ہے جسے بہت سے خطباء اور مصنفین جب بھی حدیث کے ساتھ تصدیق کے حوالے سے ان کا ایمان کمزور پڑتا ہے تو وہ اسے بار بار دہراتے ہیں، حتیٰ کہ خواہ وہ اہل علم کے نزدیک حدیث کے ذریعے متواتر ہو جیسے آخری زمانے میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی روایت، کیونکہ وہ اپنے قول: ''حدیث آحاد سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا'' کے ذریعے چھپتے ہیں اور تعجب کی بات یہ ہے کہ ان کا یہ قول بذات خود عقیدہ ہے، جیسا کہ میں نے ایک مرتبہ ان لوگوں میں سے جن سے میں نے اس مسئلے کے بارے میں بحث ومباحثہ کیا، ایک آدمی سے کہا، اور اسی پر بنیاد رکھتے ہوئے کہا، ان پر لازم ہے کہ وہ اس قول کے صحیح ہونے پر کوئی قطعی دلیل پیش کریں، ورنہ وہ اس بارے میں تضاد برتنے والے ہوں گے، افسوس در افسوس! ان کے پاس

کوئی دلیل تو نہیں محض دعویٰ ہی ہے، یہ تو احکام میں بھی مردود ہے، عقیدے میں کس طرح (قبول ہوگی؟) بالفاظ دیگر: انہوں نے عقیدے میں ظن راجح کے متعلق قول سے بھی راہ فرار اختیار کی، اور اس سے بھی بری چیز میں مبتلا ہوگئے اور وہ ہے اس بارے میں ان کا ظن مرجوح کے متعلق قول، ﴿فَاعْتَبِرُوْا يَاأُولِي الْأَبْصَارِ﴾ (الحشر: ۲) ''نظر والو تم عبرت و نصیحت حاصل کرو!'' اور یہ صرف کتاب و سنت کے فہم اور ان دونوں (کتاب و سنت) کے نور سے براہ راست ہدایت پانے سے دوری اور آدمیوں کی آراء کے ذریعے اس سے غفلت برتنے کے باعث ہے۔ ❶

پھر شیخ رحمہ اللہ نے اسی کتاب (ص۶۲۔۶۴) میں فرمایا جس کی عبارت درج ذیل ہے:

☆ **عقیدے میں حدیث آحاد کو حجت نہ ماننا بدعت ہے:**

عمومی طور پر، کتاب و سنت کے دلائل، عمل صحابہ اور علماء کے اقوال، جیسا کہ ہم نے واضح کیا، شریعت کے تمام پہلوؤں میں حدیث آحاد کے ذریعے اخذ کرنے کے وجوب پر قطعی طور پر دلالت کرتے ہیں، خواہ وہ اعتقادیات میں ہو یا عملیات میں، اور یہ کہ ان دونوں کے درمیان تفریق ایک بدعت ہے جسے سلف نہیں جانتے، اسی لیے علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے إعلام الموقعین (۴۱۲/۲) میں فرمایا:

''اجماع امت کے ساتھ یہ تفریق باطل ہے، کیونکہ وہ (امت) ان احادیث کے ساتھ خبریات علمیات (یعنی عقیدے) میں دلیل لیتی رہی ہے جیسا کہ وہ طلبیات و عملیات میں ان کے ساتھ دلیل لیتی رہی ہے، خاص طور پر احکام عملیہ اللہ کی طرف سے اس خبر پر مشتمل ہیں کہ اس نے اس طرح مشروع قرار دیا ہے، اسے واجب قرار دیا، اسے بطور دین پسند کیا ہے، پس اس کی تشریع اور دین اس کے اسماء و صفات کی طرف لوٹتے ہیں۔

صحابہ، تابعین، تبع تابعین، اہل الحدیث والسنۃ ان اخبار (حدیث آحاد) کے ساتھ صفات، تقدیر، اسماء اور احکام کے مسائل میں دلیل لیتے رہے ہیں، ان میں سے کسی ایک سے بھی منقول نہیں کہ اس نے احکام کے مسائل کے بارے میں ان سے دلیل لینے کو جائز قرار دیا ہو لیکن اللہ کے بارے میں معلومات اور اس کے اسماء و صفات میں دلیل لینے کو جائز قرار نہ دیا ہو ان دو ابواب کے درمیان فرق کرنے والے سلف کہاں ہیں؟

ہاں بعض متاخر متکلمین ان کے سلف ہیں جو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور آپ کے اصحاب کی طرف سے جو چیز آئی ہے وہ اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے، بلکہ اس باب میں کتاب و سنت اور اقوال صحابہ کے ذریعے ہدایت حاصل کرنے سے دلوں کو روکتے ہیں اور وہ متکلمین کی آراء اور ان کے قواعد پر توجہ دیتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن

❶ پھر شیخ رحمہ اللہ نے اپنے رسالے ''الحدیث حجة بنفسه'' میں عقیدے میں حدیث آحاد کے ذریعے اخذ کے وجوب پر قرآن کریم اور سنت نبویہ صحیحہ سے دلائل ذکر کیے ہیں۔ (ص۵۵۔۶۰)

سے دو امور کے درمیان تفریق معروف ہے...... اور انہوں نے اس تفریق پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور انہوں نے جسے اجماع قرار دیا ہے وہ مسلمانوں کے ائمہ میں سے کسی امام سے نہیں سنی گئی اور نہ کسی صحابی سے اور نہ ہی کسی تابعی رحمہ اللہ سے...... ہم ان سے صحیح فرق کا مطالبہ کرتے ہیں جو یہ بتائے کہ دین کی کون سی چیز کو خبر واحد کے ساتھ ثابت کرنا جائز ہے اور کس کو ثابت کرنا جائز نہیں، وہ اس فرق کی طرف سوائے باطل دعوؤں کے کوئی اور راہ نہیں پاسکتے...... جیسا کہ ان میں سے کسی کا قول ہے: اصولیات مسائل علمیات ہیں، جبکہ فروعات مسائل عملیہ ہیں، اور یہ تفریق بھی باطل ہے، کیونکہ العملیات سے دو امر مطلوب ہیں: علم اور عمل، اور علمیات سے بھی علم و عمل مطلوب ہیں، اور وہ دل کی محبت اور اس کا بغض ہے، اور اس کی حق کے لیے محبت جس نے اس کی رہنمائی کی اور اس پر چھا گئی، اور باطل کے لیے اس کا بغض جو اس کی مخالفت کرتا ہے، پس عمل صرف عمل جوارح میں محدود نہیں، بلکہ اعمال قلوب عمل جوارح کے لیے بنیاد ہیں، جبکہ اعمال جوارح تابع ہوتے ہیں، پس ہر علمی مسئلہ، بے شک قلبی ایمان ہے اس کی تصدیق اور اس کی محبت اس کے تابع ہوگی اور یہی عمل ہے، بلکہ وہ عمل کی اصل ہے، اور یہ وہ چیز ہے جس سے مسائل ایمان کے بارے میں کلام کرنے والے بہت سے لوگ غافل ہیں، جیسے انہوں نے گمان کیا کہ وہ محض تصدیق ہے اعمال نہیں!

اور یہ سب سے قبیح اور سب سے بڑی غلطی ہے، کیونکہ بہت سے کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت سے متعلق پورا یقین رکھتے تھے، اس بارے میں انھیں کوئی شک نہیں تھا۔ البتہ اس تصدیق کے ساتھ انہوں نے عمل قلب کو نہیں ملایا، وہ ہے آپ کی شریعت سے محبت، اس پر راضی ہونا اور اس کی چاہت کرنا، اسی بنیاد پر دوستی اور دشمنی، پس اس موضوع کو نہ چھوڑنا کیونکہ وہ انتہائی اہم ہے، اسی سے حقیقتِ ایمان کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

پس مسائل علمیہ عملی ہیں اور مسائل عملیہ علمی ہیں، کیونکہ الشارع نے مکلفین سے عملیات میں علم کے بغیر صرف عمل پر اکتفا کیا نہ علمیات میں عمل کے بغیر صرف علم پر اکتفا کیا۔

پس ابن القیم رحمہ اللہ کے کلام سے ثابت ہوا کہ تفریق مذکور بالا اجماع باطل ہے، اس لیے کہ وہ سلف کے موقف کے خلاف ہے اور گزشتہ دلائل بھی اس کی مخالفت میں واضح ہیں، پس وہ فرق کرنے والوں کے اس تصور کے حوالے سے بھی باطل ہے کہ وہ علم کو عمل کے ساتھ اور عمل کو علم کے ساتھ ملانے کے عدم وجوب کے قائل ہیں اور یہ انتہائی اہم نقطہ ہے، وہ مومن کی، اس موضوع کو اچھی طرح سمجھنے اور تفریق مذکور کے بطلان پر یقینی ایمان لانے پر، مدد کرتا ہے۔

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صحیح الترغیب والترھیب" (۱۰۸/۱) میں حدیث رقم (۱۰) اور وہ حدیث "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" "اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔" کے تحت اس مسئلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

اور وہ (مذکورہ حدیث) صحیح احادیث آحاد میں سے ہے جس کے صحیح ہونے پر علماء کا اتفاق ہے، اور امت نے

اسے قبول کیا ہے جیسا کہ حافظ ابن رجب کی ''شرح الاربعین'' میں ہے، پس وہ علم و یقین کا فائدہ دیتی ہے، جو کہ آج کے بعض مصنفین کے شور کے خلاف ہے کہ احادیث آحاد مطلق طور پر علم کا فائدہ نہیں دیتیں، بے شک یہ قول بالکل باطل ہے، اس میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہہ نہیں، اس کا بیان میرے دو رسالوں "وجوب الأخذ بحديث الآحاد في العقيدة" اور "الحديث حجة بنفسه في العقائد والأحكام" میں ہے، اور وہ دونوں مطبوع ہیں۔

ہمارے شیخ محدث علامہ الالبانی قدس الله روحه نے "العقيدة الطحاوية" فقرہ (۶۳) (ص۶۴) پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: جس کی نص امام طحاوی رحمہ اللہ کے کلام سے ہے:

''شرع و بیان کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ سے جو ثابت ہے وہ سب کا سب حق ہے۔''

میں (البانی) کہتا ہوں: یعنی اس تفریق کے بغیر کہ وہ آپ سے خبر آحاد سے ثابت ہے یا خبر متواتر سے، جب کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو اور یہی وہ حق ہے جس میں کوئی شک نہیں، جبکہ ان دونوں کے درمیان تفریق ایک بدعت اور فلسفہ ہے جسے اسلام میں داخل کیا گیا ہے، اور وہ سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین کے موقف کے خلاف ہے، جیسا کہ میں نے اسے اپنے رسالے: "وجوب الأخذ بحديث الآحاد في العقيدة والرد على المخالفين" میں ثابت کیا ہے اور وہ مطبوع اور مشہور ہے۔

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''عقیدہ طحاویہ'' فقرہ (۲۹) (ص۳۸۔۳۹) میں امام طحاوی رحمہ اللہ کے قول: "وأن محمد عبده المصطفى، ونبيه المجتبى، ورسوله المرتضى" ''یہ کہ محمد اس کے برگزیدہ بندے، اس کے پسندیدہ نبی اور اس کے محبوب رسول ہیں۔''

میں نے کہا: یہ عقیدہ بہت سی مشہور احادیث میں ثابت ہے، امت نے اسے قبول و حاصل کیا ہے...... وہ علم و یقین کا فائدہ دیتا ہے، آپ ﷺ یقیناً سید المرسلین ہیں۔ میں یہ بات افسوس سے کہتا ہوں کہ یہ جو عقیدہ ہے اس پر وہ لوگ یقین و ایمان نہیں رکھتے جو اس حدیث میں، جو آپ پر ایمان لانا واجب قرار دیتی ہے، شرائط رکھتے ہیں کہ وہ متواتر ہو، پس وہ شخص اس پر کس طرح ایمان لائے گا جس نے صراحت کی ہے کہ عقیدہ صرف قرآن ہی سے لیا جائے گا جیسے شیخ شلتوت و دیگر، میں نے ان تمام لوگوں کا بیس طرح سے اپنے رسالہ "وجوب الأخذ بحديث الآحاد في العقيدة والرد على شبه المخالفين" میں رد کیا ہے اور میں نے اس کے آخر میں بیس مثالیں ذکر کی ہیں جو صحیح احادیث میں عقائد ثابتہ سے متعلق ہیں وہ ان کو اس کا انکار اور اس پر عدم ایمان کو لازم کرتا ہے اور یہ عقیدہ ان میں سے ایک ہے، اس کتاب کا مطالعہ کریں وہ مطبوع ہے اور اہم بھی۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "تمام المنة" (ص۷۹) میں فرمایا:

احادیث صحیحہ کی دو اقسام ہیں: ایک قسم وہ ہے جسے قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا مسلمان پر واجب ہے اور وہ احکام وغیرہ کی احادیث ہیں اور دوسری قسم وہ ہے جسے قبول کرنا اور اس پر اعتقاد رکھنا واجب نہیں اور وہ عقائد اور اس سے متعلق امور غیبیہ کی احادیث ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ کسی بدعتی کی تقسیم ہے، اس کی اللہ کی کتاب میں کوئی بنیاد ہے نہ اس کے رسول ﷺ کی سنت میں اور نہ ہی سلف صالحین اسے جانتے ہیں، بلکہ حدیث پر عمل کرنے کو واجب کرنے والے عمومی دلائل دونوں قسموں پر عمل کے وجوب کا تقاضا کرتے ہیں، (ان میں) کوئی فرق نہیں، پس جس نے تخصیص کا دعویٰ کیا ہے تو وہ مہربانی فرما کر بیان کرے، ہائے افسوس! ہائے افسوس! میں نے تقسیم مذکور کے بطلان پر نہایت ہی اہم دو رسالے تالیف کیے، پہلا: "وجوب الأخذ بحديث الآحاد في العقيدة" اور دوسرا: "الحديث حجة بنفسه في العقائد والأحكام".

اور ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ ...... اللہ انہیں ثواب جزیل عطا فرمائے اور اپنی وسیع جنات کو ان کا ٹھکانا بنائے ...... نے "الصحيحة" (١/ ٢٩٦) میں فرمایا:

''...... یہ زعم کہ عقیدہ صحیح احادیث آحاد سے ثابت نہیں ہوتا زعم باطل ہے جو اسلام میں داخل کیا گیا ہے، ائمہ اعلام ...... جیسے ائمہ اربعہ وغیرہم ...... میں سے کسی نے یہ نہیں کہا، بلکہ یہ علمائے کلام میں سے کسی کی طرف سے آیا ہے جس پر اللہ کی طرف سے کوئی برہان ہے نہ کوئی سلطان (دلیل)، ہم نے اس اہم موضوع پر اپنی کتاب [1] میں ایک خاص فصل لکھی ہے، میں اس کے مسودے کو صاف کرنے اور اسے لوگوں تک پہنچانے کی توفیق ملنے کا امیدوار ہوں۔''

اور انہوں نے کتاب "الآيات البينات" (ص۸۹) میں عذاب قبر کے منکرین کا ردّ کرتے ہوئے تعلیقاً فرمایا ہے:

''...... اور اسی طرح آج بہت سے لوگ عذاب قبر کے بارے میں صریح صحیح احادیث کے بارے میں شک وشبہہ ڈالتے ہیں اور وہ اپنے زعم کے مطابق اس کا دفاع کرتے ہیں کہ وہ (عذاب قبر والی احادیث) احادیث آحاد ہیں اور قاعدہ ہے: کہ ان کے ذریعے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا! اور میں نے اپنے دو مطبوعہ رسالوں: "الحديث حجة بنفسه......" اور "وجوب الأخذ بحديث الآحاد" میں اس قاعدے کا باطل ہونا واضح کیا ہے۔''

---

[1] یہ فصل "وجوب الأخذ بحديث الآحاد في العقيدة والرد على شبه المخالفين" نامی رسالے میں چھپ چکی ہے جو کہ حجم میں صغیر، فائدے کے لحاظ سے کبیر، کثیر دلائل اور مضبوط حجت والا ہے۔ استفادہ کے لیے دیکھئے شیخ کی عظیم کتاب الحديث حجة بنفسه في العقائد والاحكام کی تیسری فصل۔

۵: استواء ❶ کی کیفیت کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے

عقیدہ طحاویہ کے شارح ابن ابوالعز حنفی رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ جب امام مالک رحمہ اللہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان:
﴿ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ (الاعراف : ٥٤) وغیرھا کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:
''استواء معلوم ہے، جبکہ کیفیت مجہول ہے۔''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "شرح العقیدۃ الطحاویۃ" از ابن ابوالعز الحنفی (ص ۱۲۴) کے حاشیے میں فرمایا، اس کی نص یہ ہے:

مؤلف نے امام مالک رحمہ اللہ کے جواب کے صرف اسی حصے پر اکتفا کیا، مکمل یہ ہے: ''اس پر ایمان لانا واجب ہے، اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے۔' یعنی استواء کی کیفیت کے بارے میں، اور ان کا کہنا: ''معلوم'' اور یہ امام مالک رحمہ اللہ ❷ کے جواب میں ثابت ہے اور رہا وہ جس کے بعض بدعتی ذل دادہ ہیں کہ وہ لفظ ''مذکور'' ہے تو اس کی کوئی بنیاد نہیں، جیسا کہ میں نے اسے "مختصر العلو" (ص ۱۴۲) میں بیان کیا ہے۔''

ہمارے شیخ نے "مختصر العلو" (ص ۴۸۔۴۹) کے مقدمے میں فرمایا:

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "التدمریۃ" (ص ۲۹ طبع المکتب الاسلامی) میں فرمایا:

> ''صفات کے بارے میں قول ' ذات کے بارے میں قول کی طرح ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسی ذات ہے کہ اس کی طرح کوئی چیز نہیں، اس کی ذات میں نہ اس کی صفات میں اور نہ اس کے افعال میں، پس جب اس کی ذات حقیقت ہے وہ کسی اور ذات کے مشابہ نہیں، پس ذات صفات حقیقی سے متصف ہے وہ صفات کے مشابہ نہیں۔''
>
> جب سائل کہے: وہ عرش پر کس طرح مستوی ہوا؟

---

❶ اس سوال میں اللہ جل وعلا کی باقی صفات کی کیفیت کے متعلق سوال کرنا بھی داخل ہے۔ اور اسی کی طرف ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے، انہوں نے "صحیح الترغیب" (۱/۵۴۵۔۵۴۶) میں حدیث رقم (۹۱۵) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا، اور اس حدیث کی نص یہ ہے: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا...... اور فرمایا...... اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے رات اور دن کی بہت زیادہ سخاوت اسے کم نہیں کرتی......' ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے نبی ﷺ کے فرمان: "یَدُ اللّٰہِ" کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: حافظ رحمہ اللہ نے اس شخص کی اس کے ذریعے گرفت کی ہے جس نے یہاں ''ہاتھ'' کی ''نعمت'' سے تفسیر کی ہے اور جس نے اس (ہاتھ) کی ''خزانوں'' سے تفسیر کی ہے وہ بہت دور نکل گیا اور کہا: ہاتھ کا خزانوں پر اطلاق اس کے ان پر تصرف کے لیے ہوگا، اور ہمارے شیخ نے نبی ﷺ کے فرمان: "سحاء اللیل والنھار" کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: ہم اس پر اس کی حقیقت پر ایمان لاتے ہیں جیسے اس کی شان کے لائق ہے اس کی کیفیت کے بارے میں اس کی دیگر صفات کی طرح بحث وتحقیق نہیں کی جائے گی۔

❷ وہ اسی طرح ربیعہ الرای سے بھی منقول ہے ان کی رائے بھی یہی ہے، دیکھیے: "مختصر العلو" (ص ۴۸۔۴۹، ۱۳۲) اور "التنکیل" (ص ۳۲۵)، ط: المکتب الاسلامی۔

اس کو اسی طرح جواب دیا جائے گا جس طرح ربیعہ اور امام مالک، اللہ ان سے راضی ہو، وغیرہما نے دیا:
''استواء معلوم ہے، کیفیت مجہول ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس (کی کیفیت) کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے۔'' کیونکہ وہ ایسی چیز کے بارے میں سوال ہے جسے کوئی بشر نہیں جانتا اور اس سے جواب ملنا ممکن نہیں۔

اور اسی طرح جب کہا جائے: ہمارا رب آسمان دنیا کی طرف کس طرح نزول فرماتا ہے؟

اسے جواب دیا جائے گا: وہ (رب تعالیٰ) کس طرح کا ہے؟ پس جب اس نے کہا: میں اس کی کیفیت نہیں جانتا، اسے کہا جائے گا، ہم اس کے نزول کی کیفیت نہیں جانتے، صفت کی کیفیت کے متعلق علم موصوف کی کیفیت کے متعلق علم کو لازم کرتا ہے، وہ اس کی فرع ہے اور اس کے تابع ہے، تم کس طرح مجھ سے اس کے سمع و بصر، اس کے کلام کرنے اور اس کے استواء ونزول کے بارے میں سوال کرتے ہو جبکہ تم اس کی ذات کی کیفیت کے متعلق نہیں جانتے؟ اور جب تم اقرار کرو کہ نفس امر میں اس کی ثابت شدہ حقیقت صفاتِ کمال کو واجب کرتی ہے، کوئی چیز اس کے مثل نہیں ہوسکتی، اس کا سمع و بصر، اس کا کلام ونزول اور اس کا استواء بذاتِ خود ثابت ہے، وہ ایسی صفات کمال سے متصف ہے ان میں مخلوق کا سمع و بصر، ان کا کلام ونزول اور ان کا استواء اس کے مشابہ نہیں ہوسکتا......''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''مختصر العلو'' (ص۳۶۔۳۷) کے مقدمے میں فرمایا:

۱: ولید بن مسلم نے بیان کیا: میں نے اوزاعی، مالک بن انس، سفیان ثوری، اور لیث بن سعد سے ان احادیث کے متعلق سوال کیا جو صفات کے بارے میں ہیں تو ان سب نے مجھے جواب دیا: وہ جس طرح آئی ہیں انہیں بلا تفسیر اسی طرح رہنے دو۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے: کیفیت کے بغیر۔

۲: ربیعہ الرأی اور مالک وغیرہما نے فرمایا: استواء غیر مجہول (معلوم) ہے، کیفیت غیر معقول ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ''الفتوی الحمویة'' (۱۰۹۔ مطبوعه السنة المحمدية) میں فرمایا:

''ربیعہ اور مالک رحمہما اللہ کا فرمان: استواء غیر مجہول (معلوم) ہے......'' باقیوں کے قول کے مطابق ہے:
''انھیں اسی طرح بلا کیفیت بیان کرو جس طرح وہ آئی ہیں۔'' انہوں نے کیفیت جاننے کی نفی کی، اور انہوں نے حقیقت صفت کی نفی نہیں کی، اگر لوگ محض لفظ پر ایمان لے آئیں اور اس کا معنی نہ سمجھیں بلکہ اس کا معنی اس طرح رہنے دیں جس طرح اللہ کی شان کے لائق ہے تو وہ یوں کہیں:
''استواء معلوم ہے اور کیفیت سمجھ سے باہر ہے۔'' جب انہوں نے کہا: انھیں اسی طرح بیان کرو جس طرح بلا کیفیت آئی ہیں، کیونکہ اس وقت استواء معلوم نہیں ہوگا، بلکہ وہ حروف تہجی کی طرح مجہول ہے۔''

اور یہ بھی، کہ جب لفظ سے معنی سمجھ نہ آئے تو کیفیت کے علم کی نفی کی ضرورت نہیں ہوتی، کیفیت کے علم کی نفی کی ضرورت تو صرف تب پڑتی ہے جب صفات ثابت کی جائیں۔

اور یہ بھی کہ جو جزوی...... یا کلی صفات...... کی نفی کرتا ہے اُسے ''بلا کیفیت'' کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی جو کہے: ''اللہ عرش پر نہیں ہے'' اسے ''بلا کیفیت'' کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر حقیقت امر میں سلف کا موقف صفات کی نفی ہوتا تو پھر انہوں نے یوں کیوں کہا: ''اور بلا کیفیت''؟

اسی طرح ان کا یہ کہنا: ''انھیں ویسے ہی بیان کرو جس طرح آئی ہیں'' تقاضا کرتا ہے کہ ان کے اسی مفہوم کو باقی رہنے دیا جائے جو دراصل ان کا مفہوم ہے۔ کیونکہ وہ الفاظ کے طور پر آئی ہیں جو معانی کی رہنمائی کرتے ہیں، اگر وہ معانی کی طرف رہنمائی نہ کرتی ہوتیں تو یوں کہنا واجب ہوتا: ''اس اعتقاد کے ساتھ ان کے الفاظ کا اقرار کرو کہ ان کا مفہوم مراد نہیں یا ان کے الفاظ کا اس اعتقاد کے ساتھ اقرار کرو کہ اللہ کا وہ وصف بیان نہیں کیا جاتا جس کا حقیقت راہ دکھاتی ہے تب ان کا اسی طرح اقرار ہوگا جس طرح آئی ہیں، اور تب یوں نہیں کہا جائے گا: ''بلا کیفیت''۔ جب اس چیز سے کیفیت کی نفی کی جو ثابت نہیں تو وہ لغو بات ہے۔''

۳: امام خطابی نے فرمایا:

''صفات کے بارے میں سلف کا موقف ان کا اثبات اور ان کے ظاہری معنی پر ان کا اجراء ہے نیز ان کے بارے میں کیفیت وتشبیہ دینے کی نفی ہے۔''

۴: حافظ ابن عبدالبر نے فرمایا:

''اہل السنہ کا کتاب وسنت میں وارد صفات کے اقرار واثبات پر اجماع ہے، وہ انھیں حقیقت پر محمول کرتے ہیں نہ کہ مجاز پر، مگر وہ ان میں سے کسی کی کیفیت بیان نہیں کرتے، رہے جہمیہ، معتزلہ اور خوارج تو وہ سب ان کا انکار کرتے ہیں اور وہ ان میں سے کسی کا حقیقی معنی نہیں لیتے اور وہ کہتے ہیں کہ جس نے ان کا ا[illegible] یا وہ مشبہہ ہے، اور ان کا اقرار کرنے والے کے نزدیک وہ معبود کی نفی کرنے والے ہیں۔''

<u>٦: یہ کہنا: اللہ ہر جگہ ہے!!</u>

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (۳/۳۸) میں حدیث (۱۰۴۶) کے تحت فرمایا:

فائدہ...... آپ ﷺ کے فرمان ((اَنْ يَعْلَمَ اَنَّ اللهَ مَعَهُ حَيْثُ كَانَ)) ''یہ کہ وہ جان لے کہ وہ جہاں بھی ہو اللہ اس کے ساتھ ہے۔'' کے بارے میں امام محمد بن یحییٰ الذہلی نے فرمایا:

''اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا، جبکہ اللہ عرش پر ہے۔''

حافظ الذہبی نے "العلو"، جس کی تحقیق اور اختصار ❶ میں نے کیا ہے، میں ترجمہ رقم (۷۵) میں اسے ذکر کیا ہے۔

رہا عام لوگوں اور بہت سے خاص لوگوں کا یہ کہنا: اللہ ہر جگہ موجود ہے، یا وہ ہر چیز میں موجود ہے، اور وہ اس سے اس کی ذات کے ساتھ مراد لیتے ہیں، یہ گمراہی ہے، بلکہ وہ وحدۃ الوجود کے موقف سے ماخوذ ہے، جسے غلو کرنے والے صوفی بیان کرتے ہیں، جو خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے، ان کا بڑا کہتا ہے: ہر چیز جسے تم اپنی آنکھ سے دیکھتے ہو وہ اللہ ہے! جو وہ بیان کرتے ہیں اللہ اس سے بہت زیادہ بلند ہے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "مختصر العلو" ❷ (۱۷۔۱۸) کے مفید مقدمے میں فرمایا:

''اس بحث سے واضح ہوتا ہے کہ یہ دو لفظ ''بذاتہ'' ❸ (اپنی ذات کے ساتھ) اور ''بائن'' (جدا) صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں معروف نہ تھے، لیکن جب جہم اور اس کے پیروکاروں نے یہ نئی بات نکالی کہ اللہ ہر جگہ ہے، اس بات کی ضرورت لاحق ہوئی کہ یہ بڑے بڑے ائمہ لفظ ''بائن'' بیان کریں، بجائے اس کے کہ ان میں سے کوئی اس کا انکار کرے۔''

بالکل اسی طرح قرآن کریم کے بارے میں ان کا کہنا کہ وہ غیر مخلوق ہے، یہ کلمہ بھی وہی ہے جسے صحابہ کرام نہیں جانتے تھے، وہ اس کے متعلق کہا کرتے تھے کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ہے، وہ اس سے زائد کچھ نہیں کہتے تھے، اس کے متعلق اس حد پر ٹھہرنا چاہیے تھا، اگر جہم اور اس جیسے معتزلہ یوں نہ کہتے کہ وہ مخلوق ہے، لیکن جب ان لوگوں نے جھوٹی بات کی تو پھر اہل حق پر واجب ہوا کہ وہ حق بات بیان کریں، اگرچہ وہ ایسے طریقوں اور الفاظ کے ساتھ ہو جو پہلے معروف نہ تھے، امام احمد رحمہ اللہ سے جس وقت ان لوگوں کے بارے میں سوال کیا گیا جو قرآن کے بارے میں یہ نہیں کہتے کہ وہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق ہے، کیا ان کے لیے رخصت ہے کہ وہ آدمی کہے: ''کلام اللہ'' پھر خاموش ہو جائے؟ اس وقت انہوں نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

کیوں خاموش رہے؟! اگر لوگ اس (مسئلے) میں مبتلا نہ ہوتے تو اس کے لیے خاموش رہنا کافی تھا، لیکن

---

❶ مختصر علو' میں صفحہ ۲۰۱ ہے۔ ❷ اس میں سے (ص ۵۲، ۵۳) دیکھیں۔

❸ ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحۃ" (۷/۴۷۶) میں فرمایا: اس (یعنی: حسن السقاف) کے عجائب و جہالتوں میں سے ہے کہ وہ ابن الجوزی کی تقلید کرتا ہے، پھر صفات کو ثابت کرنے والوں میں سے جو کہتا ہے: ''وہ اپنی ذات کے ساتھ عرش پر مستوی ہے۔'' وہ اس کا انکار کرتا ہے۔ پس ابن الجوزی (ص ۱۲۷) پر اس لفظ ''اپنی ذات کے ساتھ'' کا انکار کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں: ''اور وہ (لفظ بذاتہ) اضافہ ہے جو منقول نہیں۔''

سبحان اللہ! اس طرح کا اضافہ جس سے معطلہ کی تردید مقصود ہوتی ہے، اس کا انکار کیا جائے، اس لیے کہ وہ منقول نہیں، اور اس کا گزشتہ قول: "لیس بداخل......" انکار نہیں کرتا! یقیناً! یہ تو ایک کبیرہ گناہ ہے! [دیکھئے نئی بات: "الله لیس بداخل العالم ولا خارجه ......" اللہ اس جہاں میں داخل ہے نہ خارج]

جب انہوں نے اس بارے میں جو کہنا تھا کہا، تو پھر وہ کس وجہ سے نہیں بولتے؟! [1] ابوداؤد نے اسے ان سے سنا: جیسا کہ ''مسائل ابی داؤد'' (ص ۲۶۳-۲۶۴) میں ہے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنی عظیم کتاب "السلسلة الصحيحة" (۷/۴۷۵) حدیث رقم (۳۱۶۱) [2] کے تحت فرمایا:

''اور مقصود یہ ہے کہ آیت مذکور: ﴿أَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ﴾ (الملك: ١٦) ''کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان پر ہے۔'' کا معنی ہے: یعنی جو آسمان پر ہے، یعنی: جو عرش پر ہے، جیسا کہ ابن عبدالبر (۷/۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۴) اور دیگر نے بیان کیا، جیسے بیہقی نے "الاسماء" (۴۷۷) میں بیان کیا، انہوں نے فرمایا: ''یعنی جو آسمان کے اوپر ہے۔''

یہ وہ تفسیر ہے اس کے بغیر اور کچھ کہنا ممکن ہی نہیں، یہ تفسیر اس شخص کے لیے جس نے قرآن وسنت سے بہت سی نصوص کے معانی مان لیے، جو اللہ کے لیے فوقیت وعلو کے اثبات کی دلیل ہیں اور وہ علو ویسے ہی ہے جیسے اس کی عظمت کے لائق ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے بارے میں فرمایا: ﴿يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ﴾ (النحل: ٥٠) ''وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں جو ان کے اوپر ہے۔''

اور اس کے علاوہ بھی کئی آیات ہیں جو مشہور ومعروف ہیں، اہل السنۃ والجماعۃ کا یہی موقف ہے اور یہ موقف معتزلہ اور جہمیہ کے خلاف ہے، وہ کہتے ہیں: اللہ عزوجل ہر جگہ ہے [3] اور وہ عرش پر نہیں ہے۔

جیسا کہ "التمهيد" (۷/۱۲۹) میں ہے۔

---

[1] میں کہتا ہوں: اگر شیخ مقبلی اس سے آگاہ ہوتے تو وہ امام احمد پر جو برسے ہیں وہ نہ برستے۔ (منہ)

[2] وہ حدیث یہ ہے: ''اسے آزاد کر دے وہ تو مومنہ ہے۔'' یعنی وہ لونڈی جس نے گواہی دی کہ اللہ آسمان پر ہے، اللہ تعالیٰ کے اپنی مخلوق سے اوپر ہونے کے ثبوت کے بارے میں یہ حدیث بہت عظیم اور شان دار ہے، ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اس حدیث پر تحقیق وتصحیح کے طور پر تقریباً چوبیس صفحات لکھے ہیں۔

[3] ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے "صحيح الأدب المفرد" (ص ۲۸۲-۲۸۳، رقم: ۵۸۰-۷۵۳۔ ط: مکتبہ الدلیل)، میں حدیث: يَنزِلُ رَبُّنَا - تَبَارَكَ وَتَعَالَى - فِي كُلِّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا ...... ''ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات قریبی آسمان پر نزول فرماتا ہے......'' کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ صحیح متواتر ہے، جیسا کہ حفاظ حدیث نے اس کے متعلق گواہی دی، ان میں سے ابن عبدالبر بھی ہیں، انہوں نے "التمهيد" (۷/ ۱۲۸)، میں ذکر کیا ہے اور انہوں نے اس میں بیان کیا: ''اس میں دلیل ہے کہ، اللہ عزوجل ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے، جیسا کہ محدثین کی جماعت نے بیان کیا اور یہ معتزلہ اور جہمیہ کے قول ''اللہ عزوجل ہر جگہ موجود ہے'' کے خلاف ان کی دلیل ہے۔ میں (البانی) نے کہا: وہ ان کے پیروکاروں میں سے ہے جو ان کے اس قول کی وجہ سے ان کی تکفیر کا دعویٰ کرتا ہے، پھر وہ ایسی چیز کی صراحت کرتا ہے جو اس سے بھی بری ہے، وہ ہے اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار، وہ اسے ایسی صفات سے متصف کرتا ہے جو معدوم چیز کی ہوتی ہیں، وہ کہتا ہے: ''وہ عالم میں داخل ہے نہ اس سے باہر''! یہ ظالم جو کہتے ہیں اللہ عزوجل اس سے پاک وبرتر ہے۔

یہ جو نفی کرتے ہیں ان کا معاملہ بھی بڑا عجیب ہے کہ وہ اپنی اس نفی سے اپنے رب کی پاکی مراد لیتے ہیں کہ وہ مخلوقات سے اوپر ہو، انہوں نے اسے اس (مخلوق) کے اندر محصور کر دیا، جیسا کہ بشر مریسی سے روایت کیا گیا کہ جب اس نے کہا: وہ ہر چیز میں ہے! اس سے پوچھا گیا: تمہاری اس ٹوپی میں بھی؟ اس نے کہا: ہاں، اور اس سے پوچھا گیا: گدھے کے پیٹ میں بھی؟ اس نے کہا: ہاں!

اور یہ قول ہر اس شخص کو لازم آتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ ہر جگہ ہے، اور رب العالمین الحکیم الحلیم کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے یہ سب سے زیادہ باطل کلام ہے، اسی لیے بعض سلف نے کہا:

ہم یہود و نصاریٰ کا کلام تو بیان کرتے ہیں، لیکن ہم جہمیہ کا کلام بیان نہیں کر سکتے!

۷: اللہ تعالیٰ کی طرف 'جگہ' کی نسبت

ذہبی نے حرب الکرمی سے اس کا قول نقل کیا ہے:

''جہمیہ اللہ کے دشمن ہیں، اور یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے، اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا نہ آخرت میں اس کا دیدار ہوگا اور نہ اللہ کے لیے کوئی معلوم جگہ ہے، وہ عرش پر ہے نہ کرسی پر، یہ کافر ہیں لہٰذا ان سے اجتناب کرو۔''

"مختصر العلو" (ص۲۱۳) ترجمہ رقم: (۸۳)

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "مختصر العلو" (ص۲۱۳) میں حرب الکرمی کے کلام: ''اللہ کے لیے کوئی جگہ ومکاں معروف نہیں۔'' پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کی طرف اس جگہ کی نسبت کرنا جو کتاب وسنت میں منقول ہے نہ اقوال صحابہ میں اور نہ ہی سلف امت کے اقوال میں، ان کے نہج کے لائق یہی ہے کہ ہم اس اندیشے کے پیش نظر کہ کہیں ایسا خیال آجائے جو عزوجل کی شان کے لائق نہیں، ہم اسے اس کی طرف منسوب نہیں کرتے، اس لیے کہ وہ کلام الکرمی میں، جو کہ اس کے بعد ہے، وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔''

۸: اللہ نے سب سے پہلے نور محمدی پیدا فرمایا [1]

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحۃ" (۱/۲۵۷۔۲۵۸) میں حدیث (۱۳۳) کے تحت فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا فرمایا اور اسے حکم فرمایا کہ وہ ہونے والی ہر چیز لکھے۔''

اس حدیث میں اس چیز کے ردّ کی طرف اشارہ ہے جسے لوگ نقل کرتے ہیں، حتیٰ کہ وہ ان میں سے بہت سے لوگوں کے دلوں میں راسخ عقیدہ بن گیا، اور وہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب سے پہلے نور محمدی پیدا فرمایا۔

---

[1] ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "مختصر الشمائل" (ص۱۷۵) میں اس بدعت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس کے لیے صحیح حدیث میں کوئی اساس نہیں، جب کہ عبدالرزاق کی روایت کی اسناد مجہول ہیں۔ ❶

۹: قرآن کے الفاظ کو مخلوق کہنے کا عقیدہ

"مختصر العلو" (ص۔۔)

۱۰: التعطیل ❷، اور وہ: اللہ کی اپنی مخلوق پر صفت علو جو کہ حقیقی علو ہے اور وہ ویسے ہی ہے جیسے اس کی شان کے لائق ہے، کا انکار ہے

"مختصر العلو" (ص ۳۰)

۱۱: ان کا کہنا: اللہ بلا مکان موجود ہے...... اللہ ان کے اس قول سے پاک و برتر ہے

ہمارے شیخ نے "الصحیحۃ" (۷/ ۴۷۷) میں فرمایا:

اور وہ (یعنی: السقاف) مراد لیتا ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) عرش کے اوپر نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت سی آیات میں بتایا، اور اس کے نبی ﷺ نے اپنی احادیث میں بیان فرمایا۔

۱۲: استواء کی استیلاء کے ساتھ تفسیر کرنا بدعت ہے

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے کتاب "مختصر العلو" کے مقدمے میں اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں بدعتیوں کی تاویل پر دو مثالیں ذکر کی ہیں، بدعتی لوگ تاویل کی 'برکت' سے کسی دلیل کے بغیر کس طرح ان کی تاویل کرنے کا بیڑہ اٹھاتے ہیں۔ انہوں نے (ص۲۵۔۲۶) فرمایا:

رہی دوسری مثال ❸ تو وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ (الاعراف: ٥٤) ''تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دنوں میں بنایا پھر وہ عرش پر مستوی (قائم) ہوا۔'' اور اللہ کا ایک فرمان یہ ہے جس کی انہوں نے تاویل کی ہے: ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ (الرعد: ٢) ''اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو جنھیں تم دیکھتے ہو بغیر ستونوں کے بلند کیا پھر وہ عرش پر مستوی ہوا۔'' بعد والوں نے ان دونوں آیتوں اور اس طرح کی آیتوں میں مذکور استواء کی ''استیلاء'' (غلبے) سے تاویل کی ہے اور اس کے جواز میں شاعر کا یہ شعر پیش کرنا ان کے ہاں عام ہو گیا ہے:

---

❶ دیکھیں: "الصحیحۃ" (۱/ ۸۲۰) رقم: (۴۵۸) اور دیکھیں: "الصحیحۃ" کا مقدمہ (۱/ ۱۰)۔ ط: المعارف۔

❷ ''یعنی علو کے مسئلے میں تعطیل'، تعطیل کا اصطلاحی معنی: صفات کا انکار اور انہیں نہ ماننا ہے۔

❸ مثال اول: وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾ (الفجر: ۲۲) ''آپ کا رب اور قطار در قطار فرشتے آموجود ہوں گے۔''

قَدِ اسْتَوٰی بِشْرٌ عَلَی الْعِرَاقِ
بِغَیْرِ سَیْفٍ وَ(لَا) دَمٍ مُّهْرَاقِ

''بشر (بن معمر) تلوار کے بغیر اور خون بہائے بغیر عراق پر غالب آ گیا۔''

وہ اس کے ابطال پر ائمہ تفسیر و حدیث ولغت کے متفقہ کلام سے لاعلم ہیں، بے شک عرش پر استواء سے مراد؛ اس (عرش) پر غالب اور بلند ہونا ہے، جیسا کہ آپ عنقریب ان کی طرف سے کتابوں میں ان کے اقوال مروی دیکھیں گے جو ثابت شدہ اسانید کے ساتھ ہر دور میں روایت ہوتے رہے، اور ان میں وہ بھی ہیں جنھوں نے اس پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے، جیسے: امام اسحاق بن راہویہ (ترجمہ ٦٧) اور حافظ ابن عبد البر (ترجمہ ١٥١)، اس باب میں ان دونوں کے ذریعے حجت و دلیل لینا کافی ہے۔

اس کے باوجود؛ ہم علمائے خلف کو (ان میں سے چند کے سوا) دیکھتے رہے ہیں کہ وہ بے سوچے سمجھے سلف کی آیت استواء وغیرہ اور دیگر آیات صفات اور ان کے متعلق احادیث کی تفسیر کے بارے میں مخالفت ہی کرتے رہے ہیں۔ بعض قارئین کرام اس کا سبب پوچھتے ہیں؟

تو میں کہتا ہوں: یہ ان کا اتباع سلف سے صرف اعراض ہی ہے، پھر ان کا آیات کریمہ میں علو اور استعلاء کے فہم میں غلطی کرنا ہے کہ وہ استعلاء وہ ہے جو مخلوق کے لائق ہے، جبکہ یہ بالاتفاق اللہ کے لیے تنزیہ واجب کے منافی ہے، تو انہوں نے اس فہم سے اپنی طرف سے اس ظن کی وجہ سے کہ وہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ پر ایسی بات کرنے سے بچ جائیں گے جو کہ اس کی شان کے لائق نہیں اپنی پہلی تاویل کی طرف راہِ فرار اختیار کی۔

پھر ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے جوینی کے رسالے ''النصیحة فی صفات الرب جل وعلا'' سے کلام ذکر کیا، جو کہ اس بڑے مسئلے کے بارے میں ہے، انہوں نے (ص ۲۸) کہا:

پھر انہوں نے اللہ کے مستوی اور اوپر ہونے کے بارے میں بعض آیات اور احادیث ذکر کیں، ان میں سے یہ معمولی سا حصہ ہے جو اس کتاب میں بیان ہوگا، پھر انہوں نے (ص ۱۸۱) کہا:

> ''جب ہم نے یہ جان لیا اور اس پر اعتقاد کر لیا، ہم نے تاویل کے شبہے، تعطیل کی گمراہی اور تشبیہ وتمثیل کی حماقت سے نجات حاصل کر لی، اور ہم نے اپنے رب سبحانہ کے علو، اس کے اوپر ہونے اور اس کے اپنے عرش پر مستوی ہونے کو جس طرح اس کی عظمت و شان کے لائق ہے، ثابت کر دیا، اور اس بارے میں حق واضح ہے، اور اس کے متعلق شرح صدر ہے، بے شک تحریف جو ہے صحیح عقول اس کا انکار کرتی ہیں، جیسے: استواء کی استیلاء کے ساتھ تحریف کرنا وغیرہ اور اس پر ڈٹ جانا جہالت اور بے بسی ہے......''

اور ہمارے شیخ نے "مختصر العلو" کے مقدمے (ص ۲۸) میں فرمایا:

پھر انہوں نے وہ سب بیان کرنا شروع کیا جس نے علمائے کلام کو استواء کی استیلاء کے ساتھ تاویل کرنے پر آمادہ کیا، انہوں نے (ص ۱۸۱-۸۳) فرمایا:

''اللہ نے ان شیوخ کے بارے میں، جنھوں نے استواء کی استیلاء سے تاویل کی، میرے سینے کو کھول دیا اور...... وہ میرا علم ہے کہ انہوں نے رب تعالیٰ کی صفات کو بس ایسے ہی سمجھا جیسے مخلوق کی شان کے لائق ہوتی ہیں، انہوں نے اللہ سے اس کی شان کے مطابق استواء سمجھا ہی نہیں، انہوں نے اسی لیے کلام کو اس کے موقع ومحل سے ہٹا دیا اور اللہ نے اپنی ذات کو جن صفات سے متصف کیا انہوں نے انھیں معطل کر دیا اور ان کا انکار کیا......''

پھر ہمارے شیخ نے اسی مصدر (ص ۳۰-۳۱) میں فرمایا:

''میں نے کہا: امام الجوینی رحمہ اللہ کے کلام سے وہ سبب واضح ہوا جس نے خلف...... إلا من شاء الله ...... کو آیت استواء کی تفسیر میں سلف کی مخالفت پر آمادہ کیا اور وہ جو انہوں نے اس سے سمجھا...... وہ غلط ہے جیسا کہ ہم نے عرض کیا...... وہ استواء وہ ہے جو صرف مخلوق کے لائق ہے اور یہ تشبیہ ہے، تو انہوں نے صرف استیلاء کے ساتھ اپنی تاویل کے ذریعے اس کی نفی کی۔''

اور حقیقی طور پر یہ بڑی عجیب بات ہے کہ وہ تاویل کے ذریعے جس چیز سے فرار ہوئے، وہ اسی کے ذریعے ایسی چیز میں مبتلا ہوئے جو کہ اس سے بہت زیادہ بری ہے اور درج ذیل امور کے ذریعے اس کا حصر ممکن ہے:

اوّل:...... تعطیل، اور وہ اللہ کا اپنی مخلوق سے اوپر ہونا ہے اور یہ علو حقیقی ہے اور وہ اسی طرح ہے جیسے اس کی شان کے لائق ہے، کا انکار؛ اور وہ امام جوینی کے کلام سے واضح ہے۔

دوم:...... اللہ کے لیے اس کی مخلوق میں اس شریک کی نسبت کرنا جو اس کے امر میں اس کی مخالفت کرتا ہو، کیونکہ لغوی طور پر استیلاء ایک دوسرے کے غلبے کے بعد ہی ہوگا، جیسا کہ آپ اسے امام لغوی ابن الاعرابی کے 'حالات زندگی' میں دیکھیں گے، وہ یہاں بھی ہے:

ایک آدمی نے ان کے سامنے وضاحت کرتے ہوئے کہا: استواء کا معنی ہے: "استولی" (غالب ہونا)، امام (ابن الاعرابی) نے فرمایا: خاموش رہ، عرب کسی آدمی کے لیے یوں نہیں کہتے: ''وہ اس چیز پر غالب آیا حتیٰ کہ اس کے لیے اس میں مخالف ہو پس ان دونوں میں سے کون غالب آیا؟ کہا گیا: وہ غالب آیا اور اس کا تو کوئی مخالف نہیں۔'' اس کی سند ان سے صحیح ہے، جیسا کہ میں نے اسے التعلیق (۲۱۰) میں بیان کیا ہے اور العلامہ نفطویہ النحوی نے "الرد علی الجهمية" میں اس سے دلیل لی ہے، جیسا کہ آپ اسے ان کے تراجم (۱۱۹) میں

دیکھیں گے۔

ہم تاویل کرنے والوں سے پوچھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرنے والا کون ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس پر غلبہ اور اس سے اپنے ملک پر قبضہ حاصل کر سکے؟

اور یہ ایسا الزام ہے وہ اس سے اسی صورت میں بچ سکتے ہیں کہ وہ اپنی تاویل سے باز آ جائیں اور سلف کی تفسیر کی طرف پلٹ آئیں، جب ان کے متکلمین میں سے کوئی اس سے آگاہ ہوا تو اس نے چالاکی دکھائی! وہ یہ کہ اس نے ''استواء'' کے اس معنی ''الاستیلاء''، جو کہ وہ اپنے ہاں مراد لیتے ہیں، کی تاویل کر دی اور کہا کہ اس استیلاء میں ایک دوسرے پر غالب آنے کا معنی نہیں ہے!

میں نے کہا: یہ لغت کے مخالف ہے (جیسا کہ ابن الاعرابی کے حوالے سے بیان ہوا) اس کے متعلق یوں کہنا کتنا اچھا ہے کہ یہ تاویل کی تاویل ہے! کاش مجھے معلوم ہوتا کہ کس چیز نے انہیں ان پریشانیوں میں مبتلا کر دیا، کیا ان کے لیے یہ زیادہ بہتر نہیں تھا کہ وہ یوں کہتے: استعلی (بلند ہوا) استعلاء مشابہت سے خالی ہے، یہ استعلاء اگر لغت کے اعتبار سے ہوتا تو اس سے مشابہت لازم نہیں آتی، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ وہ لازمہ نہیں؟ کیونکہ قرآن میں استواء...... لغت کے علاوہ...... اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو کر بیان ہوا ہے، جیسا کہ عرش پر استواء کی آیات میں ہے، ان میں سے کچھ بیان ہو چکی ہیں اور یہ لفظ (استواء) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف بھی منسوب ہوا ہے، جیسا کہ نوح علیہ السلام کی کشتی کے متعلق فرمایا: ﴿وَ اسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ﴾ (هود: ٤٤) ''اور وہ (کشتی) جودی (پہاڑ) پر جا ٹھہری۔'' اور نباتات کے متعلق ہے: ﴿فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ﴾ (الفتح: ٢٩) ''پس وہ اپنے تنے پر کھڑی ہو جاتی ہے۔'' پس کشتی کا استواء اور نباتات کا استواء ایک جیسا نہیں، اسی طرح آدمی کا سواری پر استواء اور پرندے کا انسان کے سر پر استواء برابر نہیں اور اس کا سطح پر استواء بھی مختلف ہے۔ اگرچہ یہ سب استواء ہیں، لیکن ہر چیز کا استواء اس کے حساب سے ہے، وہ لفظ میں تو مشترک ہے لیکن حقیقت میں مختلف ہے، پس اللہ تعالیٰ کا استواء اور استعلاء اسی طرح ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔

رہا استیلاء: تو اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر مطلق طور پر صرف متکلمین کی زبانوں پر ہی ہوتا ہے! غور کرو اس کلام نے اپنے اہل کے ساتھ کیا کیا، ان کے لیے مزین کر دیا گیا کہ وہ اللہ کو کسی ایسی چیز سے متصف کریں حالانکہ وہ مخلوق کی طبیعت اور اس کے خاصے میں سے ہے، اور وہ اس پر راضی نہ ہوئے کہ وہ اسے اس استعلاء سے موصوف کریں جس سے کوئی چیز مشابہت و مماثلت نہیں رکھتی اور اس کے متعلق سلف نے کہا ہے، اس کے بعد کوئی عجب نہیں کہ وہ اس کلام اور اس کے اہل کی مذمت پر جمع ہو جائیں۔

ہمارے شیخ نے "الصحیحة" (٧/٤٧٦۔٤٧٧) میں فرمایا:

افسوس ہے کہ علامہ ابن الجوزی، المشبھۃ کی تردید کرتے ہوئے بھی یہ کلام ان سے سرزد ہوا ہے، انہوں نے اپنی کتاب، جس کا پیچھے تذکرہ ہوا، میں "الاستواء" کی "استیلاء" سے تاویل کی اور اس پر الاخطل النصرانی کے شہور شعر سے اس پر استدلال کیا:

قَدِ اسْتَوٰی بِشْرٌ عَلَی الْعِرَاقِ
بِغَیْرِ سَیْفٍ وَ(لَا) دَمٍ مُهْرَاقِ

"بشر (بن المعمر) تلوار کے بغیر اور خون بہائے بغیر عراق پر غالب آ گیا۔"

اور انہوں نے (استیلاء کے) صحیح معنی کو، جو کہ استعلاء ہے، ردّ کرنے میں فلسفیانہ انداز اختیار کیا، انہوں نے کہا:

"اس لیے یوں کہنا چاہیے: وہ عالم میں داخل ہے نہ اس سے خارج۔"

اور حسن السقاف نے اس باطل نفی پر کوئی تبصرہ نہیں کیا، جسے کسی معروف امام نے پہلے بیان نہیں کیا، اور جس میں ذرہ بھر علم نہیں جیسا کہ نفی کرنے والوں کی حالت ہے، اور اس کے عجوبوں اور جہالتوں میں سے ہے کہ وہ ابن الجوزی کی اس مسئلے میں تقلید کرتا ہے جو وہ مشتبہ کا انکار کرتے ہیں: "وہ 'اپنی ذات کے ساتھ' عرش پر مستوی ہے۔" جبکہ ابن الجوزی (ص ۱۲۷) اس لفظ "بذاتہ" (اپنی ذات کے ساتھ) کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"یہ لفظ (بذاتہ) زیادہ ہے، منقول نہیں۔"

سبحان اللہ! اس طرح کا اضافہ جس کے ذریعے تعطیل کی تردید مراد لی جائے اس کا انکار کیا جائے گا، اس لیے کہ وہ منقول نہیں، اور اس کا قول متقدم: "لیس بداخل ......" "وہ داخل نہیں......" اس کا انکار نہ کیا جائے، اے اللہ! یہ تو بڑے گناہوں میں سے ایک ہے!!

اسی طرح اس نے ابن الجوزی کی استواء کی آیت کی تاویل پر کوئی تبصرہ نہیں کیا، بلکہ اسے برقرار رکھا، کیونکہ اس نے (ص ۱۲۳) طویل کلام کے بعد صراحت کی ہے۔ اس نے اس میں بہت تحریف اور کذب بیانی کی ہے، اب اسے بیان کرنے کا موقع نہیں، انہوں نے کہا:

"ہمارے نزدیک "استواء" سے مراد استیلاء، قہر یا یہ کہ اس کا معنی اللہ ہی جانتا ہے۔

اسی طرح انہوں نے کہا: یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے بعد میں حق کو نہیں پہچانا، اس لیے کہ اسے تاویل اور تفویض کے درمیان تردّد ہے۔

لیکن مجھے یقین ہے کہ اس کا یہاں تفویض کو ذکر کرنا، اس کی طرف سے ہیرا پھیری اور ان قارئین کو جو اس کے تاویل کرنے کو ناپسند کرتے ہیں دھوکا دینا اور گمراہ کرنا ہے، اس نے اس کے بعد (ص ۱۲۷) کہا ہے [1]:

---

[1] دیکھئے: "الصحیحۃ" (۱/۸)، ط: المعارف کا مقدمہ۔

''رہا امام ابوالحسن اشعری کا استواء کی استعلاء سے تفسیر کو رد کرنا، تو ہم اس میں اس کی کبھی موافقت نہیں کریں گے، اور ہم کہتے ہیں: انہوں نے یہ اس فعل کے رد کے باعث کیا ہے جو انھیں معتزلہ سے حاصل ہوا اور وہ اگرچہ ہم ان سے ان کے بہت سے مسائل میں موافقت نہیں کرتے، مگر ہم یہاں ان سے موافقت کرتے ہیں اور ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ اس مسئلے میں حق پر ہیں''!

یعنی: ان کے اللہ کے اپنی مخلوق پر بلند ہونے کے انکار کے بارے میں، لیکن معتزلہ اور ان جیسے اباضیہ کہتے ہیں کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے، اور یہ اس میں سے جس کا یہ جاہل نام نہاد عالم بہت سختی سے انکار کرتا ہے، اور جو اس کے متعلق بات کرتا ہے وہ اس کے کافر ہونے کی تصریح کرتا ہے، اور وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ بلا مکان موجود ہے! یعنی یہ (عقیدہ رکھتا ہے) کہ وہ عرش پر نہیں، جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت سی آیات میں بتایا ہے، اور اس کے نبی ﷺ نے اپنی احادیث میں خبر دی، اس بارے میں ''احادیث ضعیفہ'' میں حدیث رقم (۶۳۳۲) کے تحت اس کے کلام کا مطالعہ کریں۔

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱۷/ ۵۰۳۔۵۰۷) میں فرمایا:

تنبیه:...... حافظ الذہبی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی کتاب "العلو" (ص۹۸، ط: الہند، اور ۱۱۔ ط: المنار) میں ذکر کیا ہے۔ حماد بن سلمہ تک سند ذکر کی اور اضافہ نقل کیا:

((ثم استوى عليه .))

مگر یہ کہ اس نے طبع المنار میں اس لفظ کی تحریف کی اور اس میں کہا:

((استولى عليه!!))

اور جو طبع ہندیہ میں ہے وہ درست ہے؛ کیونکہ وہ مخطوطہ ظاہریہ (ق ۱/۷) کے مطابق ہے، کیونکہ انہوں نے 'العلو" میں اسحاق بن راہویہ کی روایت سے یوں تفسیر کی ہے:

''پھر عرش تھا، پس وہ اس پر بلند ہوا۔''

اس تحریف کو شام کے کسی جہمی نے (جہالت یا تجاہل کے طور پر) خاص مقصد کے لیے استعمال کیا، اس نے اپنی کتاب جیسا کہ اس کا زعم ہے...... میں کہا: ''اللہ تعالیٰ کے بارے میں سلف وخلف کا یہ عقیدہ ہے......'' اس نے (ص ۸۷) پر درج ذیل عنوان سے ایک مفصل قائم کی ہے:

((التاویل والرسول۔ علیه الصلوة والسلام......)) اس میں اس نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے عرش پر استواء کی استیلاء سے تفسیر کی ہے اور انہوں نے اس کے ذریعے اپنی امت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ ان کے اثر کی پیروی پر ہر چیز کی، جس کا ظاہر تجسیم کا شبہہ ڈالے، تاویل کرے اور کہا:

''یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے: تم نے جو کہا ہے کیا اس پر دلیل موجود ہے؟ ہاں، دلیل موجود ہے، ذہبی رحمہ اللہ کی کتاب ''العلو'' میں بیان ہوا ہے۔''

پھر اس نے وہ تحریف شدہ حدیث بیان کی، پھر کہا:

''تم نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿اسْتَوٰى عَلٰى﴾ کی اس طرح تاویل کی: ﴿اسْتَوْلٰى عَلَيْهِ﴾ ''اس پر غالب آیا''، اس نے کہا:

''اور اس طرح تاویل کرنے والے رسول علیہ الصلاۃ والسلام کی حدیث کی پیروی کرتے ہیں کہ وہ ہر لفظ کو، جس سے تجسیم سمجھ آتی ہو، اس کے ظاہر سے دوسرے لفظ میں بدل دیتے ہیں جو اس سے اس چیز (تجسیم) کی نفی کرتا ہو۔''

میں کہتا ہوں: اس طرح اس نے معتزلہ کو ہتھیار فراہم کر دیا جو تاویل کے ذریعے اللہ کی بہت سی صفات جیسے سمع و بصر اور اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا انکار کرتے ہیں، جس کا انجام تعطیل ہے، اسی مؤلف نے ان سے (ص ۱۲۳ پر) بیان کیا:

''دعویٰ کرنا کہ اللہ کی رؤیت محال ہے، پس وہ جسمیت کا تقاضا کرتی ہے، جبکہ جسمیت اور جہت ان کے ہاں کفر ہے۔''

میں نے کہا: یہ احمق مؤلف کئی جگہوں پر اس کی صراحت کرتا ہے، تو معلوم ہوا کہ اس کے نزدیک معتزلہ حق پر ہیں، بلکہ وہ انہی میں سے ہے، اگرچہ وہ ظاہر کرے کہ وہ اہل السنۃ والجماعۃ میں سے ہے! وہ اللہ کے اپنی مخلوق پر علو کا منکر ہے، اور یہ کہ قرآن اللہ کا حقیقتاً کلام ہے، اور وہ یہ دلیل لیتا ہے کہ یہ تو تجسیم و تشبیہ ہے! اور وہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ آخرت میں اللہ کی رؤیت پر ایمان رکھتا ہے، اس میں وہ اشاعرہ کی پیروی کرتا ہے، اور وہ لاعلمی کا اظہار کرتا ہے کہ اس کے مذہب کے مطابق اس سے تجسیم لازم آتی ہے؛ اور اسی طرح جہت ہے۔

لیکن یہ وہ ہتھیار ہے جو ہتھیار جاری رہنے والا نہیں، کیونکہ اس کی بنیاد ایک ایسی حدیث پر ہے جس کی بنیاد صرف اس کے کند ذہن میں ہے۔

اور اس کی گمراہی یہ بھی ہے کہ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ معترض اس پر اعتراض کر سکتا ہے کہ وہ حدیث ضعیف السند ہے، وہ جلدی سے اس طرح اس کا جواب دیتا ہے:

''حدیث خواہ صحیح ہو یا ضعیف، وہ اس سے کم نہیں کہ اسے تفسیر پر محمول کیا جائے۔''

احمق! یہ کیسا کلام ہوا؟!! صحیح حدیث سے ثابت ہونے والی تفسیر کے مقابلے میں آنے والی تفسیر کی کیا حیثیت ہے؟

بالفاظِ دیگر حدیث صحیح ہوتی ہے یا ضعیف، جب وہ صحیح ہو، تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور جب ضعیف ہو، تو کیا حیثیت رکھتی ہے؟

کیا دونوں حالتوں میں حدیث سے تفسیر نہیں کی جاسکتی؟! لیکن اس حالت میں جب وہ ضعیف ہو تو اس تفسیر کی کیا قیمت ہے جو آپ ﷺ سے ثابت ہی نہ ہو؟

بہر حال! یہ کلام انتہائی کمزور اور بے ربط ہے، وہ اس جہمی کے ابہام کی دلیل ہے، یہ صرف اس کی زبان ہی پر نہیں، بلکہ اس کی سوچ میں بھی ہے، کیونکہ جس وقت وہ قطعی طور پر کہتا ہے کہ اس بات پر دلیل ہے کہ رسول نے سب سے پہلے تاویل کی جیسا کہ بیان ہوا، اور وہ دوسرے مواقع پر اس کا تکرار کرتا ہے، وہ (ص۸۰) کہتا ہے:

> ''جب رسول ﷺ نے استواء کی استیلاء سے تفسیر بیان کی تو یہ بعینہٖ وہی تاویل ہے''! جب وہ یہ بات کہتا ہے جس کا اسے شعور نہیں رہتا کہ وہ اس کے ذریعے اپنے نظریے کی عمارت کو گرا دیتا ہے، اور یہ اس کے حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے سے لاعلمی کی وجہ سے ہے، تو کس طرح جبکہ اس نے تیسری جگہ پر اس کے ضعف کے متعلق جزم کے ساتھ صراحت کی ہے، اس نے (ص۱۰۳) کہا:
>
> ''میں نے بیان کیا کہ رسول اللہ علیہ السلام نے استواء کی استیلاء سے تفسیر کی ہے، اگرچہ اثر (روایت) ضعیف ہے، وہ تفسیر میں اس سے مانوس ہے۔''

لہٰذا وہ دلیل نہیں، کیونکہ دلیل سے صرف مانوس ہونا ہی کافی نہیں ہوتا، بلکہ اس سے دلیل لینا ہوتی ہے، لہٰذا اس کے لیے کس طرح جائز ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف جھوٹ گھڑے، وہ کہتا ہے: ''آپ ﷺ نے ''استواء'' کی ''استیلاء'' سے تفسیر کی ہے''؟ تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

پھر اس تاویل کا کیا فائدہ جسے اشاعرہ اور ان کے علاوہ جہمیہ اور معطلہ نے بھی اختیار کیا، جب کہ بذاتِ خود وہ تاویل کے بغیر اسے قبول نہیں کرتے؟ یہ اس لیے کہ اہل السنہ نے ان پر حق واضح کیا کہ استواء کی استیلاء سے تاویل کرنے کا معنی ہے کہ وہ اس سے پہلے اس پر غالب و قابض نہیں تھا، خاص طور پر اس آیت کے مدنظر رکھنے سے کہ جس میں ہے: ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ (الاعراف: ٥٤) ''پھر وہ عرش پر مستوی ہوا۔'' کیونکہ ''ثـم'' تراخی کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ معلوم ہے، یہ ایسی تاویل ہے جسے کوئی مسلمان نہیں کہہ سکتا، کیونکہ یہ اس میں صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے اس پر غالب نہیں تھا، بلکہ وہ اپنے امر پر مغلوب تھا، پھر وہ اس پر غالب ہوا! خاص طور پر جبکہ وہ اس شعر سے دلیل لیتے ہیں:

قَدِ اسْتَوٰى بِشْرٌ عَلَى الْعِرَاقِ

بِغَيْرِ سَيْفٍ وَ(لَا) دَمٍ مُهْرَاقِ

”بشر (بن المعمر) تلوار کے بغیر اور خون بہائے بغیر عراق پر غالب آیا۔“

اللہ اس بات سے پاک و برتر ہے جو ظالم کہہ رہے ہیں!

جب ان پر یہ بیان کیا گیا تو وہ اس سے الگ ہوگئے، ان کے متاخرین میں سے کسی نے کہا جیسا کہ امام زہری نے (ص ۲۵) اسے نقل کیا:

”لیکن تجھ پر استیلاء مخلوق اور استیلاءِ خالق کے درمیان فرق مخفی نہیں رہے گا۔“

الکوثری نے ”الاسماء“ (ص ۴۰۶، ۴۱۰) پر اپنے تبصرے میں بیان کیا:

”جس نے اسے استیلاء کے معنی میں لیا ہے، اس نے اسے ’غلبۂ‘ کے معنی سے الگ کر کے یہ معنی لیا ہے۔“

میں کہتا ہوں: جب تم نے ”استیلاء“ کو ’غلبۂ‘ کے معنی سے الگ کیا، تو تم نے اپنی تاویل کو خود ہی باطل ولغو قرار دے دیا، کیونکہ عام طور پر استیلاء سے غلبہ لازم آتا ہے جیسا کہ وہ شعر، جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، دلالت کرتا ہے، پس جب تنزیہ کرتے ہوئے استیلاء کو غلبہ سے الگ کرنا ضروری ہے، تو پھر تم نے ویسے ہی کیوں نہ کہہ دیا جس طرح سلف نے کہا ہے کہ ”استوی کا معنی استعلی (بلند ہوا) ہے۔“ پھر تم نے استعلاء کو ہر چیز سے الگ کر لیا جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں، جیسے مکان واستقرار وغیرہ، خاص طور پر یہ استعلاء سے غیر لازم ہے حتیٰ کہ مخلوق میں، پس آسمان زمین کے اوپر ہے اور وہ اس پر غالب ہے، اس کے باوجود اس نے اس پر قرار نہیں پایا اور نہ ہی اسے اس کی حاجت ہے، پس اللہ تعالیٰ زیادہ حق دار ہے کہ اس کے پاس اپنی ساری مخلوق پر استعلاء سے لازم نہیں آتا کہ اس نے اس پر قرار پایا ہے یا اسے اس کی حاجت وضرورت ہے۔ وہ اس سے پاک ہے اور وہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

اس مثال سے عقل مند قاری کے لیے واضح ہو جاتا ہے کہ سلف کا موقف زیادہ محفوظ، زیادہ مبنی بر علم اور زیادہ مضبوط [1] ہے، جبکہ اس کا مخالف موقف اس طرح نہیں، جبکہ متاخرین علمائے کلام کے نزدیک جو مشہور کر دیا گیا ہے وہ ایسے نہیں جیسے ہم نے سلف کے موقف کے بارے میں بتایا ہے۔

۱۴۳: یہ کہنا بدعت ہے: اللہ اوپر ہے نہ نیچے، دائیں ہے نہ بائیں، آگے ہے نہ پیچھے، عالم کے اندر ہے نہ اس سے باہر!

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ”الصحیحة“ (۱/۸ ط، المعارف) میں فرمایا:

اور ان میں سے جو کہتا ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) اوپر ہے نہ نیچے، دائیں ہے نہ بائیں، آگے ہے نہ پیچھے، وہ عالم

[1] اس کی اس بات کی کہ ”مذهب السلف أسلم ومذهب الخلف أعلم وأحكم“! کی تکذیب کے لیے دیکھئے مقدمہ ”مختصر العلو“ (ص ۳۳۔۳۶) اور دیکھیں: مقدمہ ”الصحیحة“ (۱/۶)۔ ط: المعارف۔

کے اندر ہے نہ اس کے باہر! اور میں نے اسے دمشق میں بعض مشائخ سے خطبہ جمعہ میں سنا ہے۔

ان میں سے بعض تعطیل میں حد سے بڑھ گئے، انہوں نے کہا: وہ اس سے متصل ہے نہ اس سے منفصل (جدا)۔

اور یہ (اللہ کی قسم!) کفر اور وجود الٰہی کا انکار ہے، کیونکہ اگر کسی فصیح العرب گفتگو کرنے والے سے کہا جائے: اس معدوم چیز کے بارے میں ہمیں بتائیں جس کا کوئی وجود نہ ہو، تو وہ اس سے زیادہ اس کے متعلق نہیں بتا پائے گا جتنا انہوں نے اپنے رب کے بارے میں بیان کیا ہے!

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''مختصر العلو'' (ص۵۳) کے مقدمے میں فرمایا:

علو کی نفی کرنے میں حد سے بڑھے ہوئے لوگوں میں کسی کا یہ قول دوسرا مذہب ہے:

''اللہ اوپر ہے نہ نیچے، دائیں ہے نہ بائیں، آگے ہے نہ پیچھے، جہان کے اندر ہے نہ اس سے باہر۔'' [1]

ان میں سے کوئی فلسفی کہتا ہے:

''وہ عالم سے متصل ہے نہ اس سے جدا۔''

میں نے کہا: اس نفی سے تو یہ معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے، کہ اللہ موجود نہیں، یہ تعطیل مطلق اور سب سے بڑا انکار ہے، اللہ ان ظالموں کی باتوں سے بہت بلند اور پاک ہے۔

جس نے اللہ کے متعلق اس طرح کہا، محمود بن سبکتگین نے اس شخص سے بہت خوبصورت بات کی: ''تم اس رب کے درمیان، جسے تم ثابت کرتے ہو، اور معدوم کے درمیان ہمیں فرق کر کے بتاؤ۔'' انہوں نے ''التدمریہ'' (ص۴۱) میں ذکر کیا ہے۔

اور ہمارے شیخ (قدس اللہ روحہ) نے "الصحیحة" (۷/ ۴۷۵۔۴۷۶) میں فرمایا:

بعض علمائے کلام پر اس قول [2] کے بطلان کی وضاحت ہوئی تو وہ اس قول کی طرف بھاگے جو کہ اس سے بھی زیادہ باطل ہے، اور میں نے اسے بعض خطباء کو جمعہ کے دن منبر پر اپنے کانوں سے سنا:

اللہ، اوپر ہے نہ نیچے، دائیں ہے نہ بائیں، آگے ہے نہ پیچھے، جہاں کے اندر ہے نہ باہر [3]، اور کسی فلسفی نے اضافہ کیا، وہ اس سے متصل ہے نہ اس سے جدا!

اور یہ وہ تعطیل مطلق ہے جو کسی فصیح ترین شخص کے لیے ممکن نہیں کہ وہ عدم کے متعلق اس سے زیادہ بیان

---

[1] اسی طرح "البیجوری" نے "الجوھرۃ" (ص:۵۸) کے حاشیے میں بیان کیا ہے اور میں نے یہ نفی کسی شیخ سے جمعہ کے دن منبر پر مسلمانوں کو رب العالمین پر ایمان کی تعلیم دیتے ہوئے سنا۔

[2] وہ ان کا یہ کہنا کہ اللہ ہر جگہ ہے، وہ ان کے اس قول سے برتر ہے۔

[3] دیکھیں: "صحیح الأدب المفرد" (ص۲۸۲۔۲۸۳) رقم: ۵۸/ ۷۵۳۔ ط: مکتبۃ الدلیل اور "مجلۃ الأصالۃ" شمارہ (۲۷) (ص۷۶۔۷۷) سن ۱۴۲۱ھ۔

کر سکے جتنا ان لوگوں نے اپنے رب کے متعلق بتایا ہے، اللہ ان کی باتوں سے بہت برتر ہے! اللہ اس عقل مند امیر پر رحم فرمائے جس نے علمائے کلام میں سے کسی سے یہ سنا تو اس نے کہا: ''یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کو کھو دیا۔''

اسی لیے کسی عالم نے فرمایا:

''مجسم (کا عقیدہ رکھنے والا) کسی صنم کو پوجتا ہے اور معطل عدم کی پوجا کرتا ہے، مجسم شب کور (ضعیف البصر) ہے جبکہ معطل نابینا ہے۔''

افسوس کی بات ہے کہ علامہ ابن الجوزی (مشبہہ پر اپنے رد کے معاملے میں) اس کلام سے متاثر ہو گئے، انہوں نے مذکورہ بالا اپنی کتاب میں "استواء" کی "استیلاء" سے تاویل کرنے کے بعد یہ بات کہی، اور انہوں نے اس پر اخطل نصرانی کے شعر سے استدلال کیا:

قَدِ اسْتَوٰی بِشْرٌ عَلَی الْعِرَاقِ
بِغَیْرِ سَیْفٍ وَّ(لَا) دَمٍ مُّهْرَاقِ

''بشر (بن المعمر) تلوار کے بغیر اور خون بہائے بغیر عراق پر غالب آ گیا۔''

اور اس نے صحیح معنی، جو کہ استعلاء ہے، کے ردّ میں فلسفیانہ انداز اختیار کیا، اس نے کہا:

''اسی لیے یوں کہنا چاہیے: وہ عالم میں داخل ہے نہ اس سے خارج۔''

اور ہمارے شیخ نے مصدر سابق (۷/۵۰۴) میں فرمایا:

''......حتیٰ کہ انہوں نے ذکر کیا[1] کہ اللہ عالم میں داخل ہے نہ اس سے خارج۔''

پاک و برتر ہے وہ اللہ جو کہ عرش پر اس طرح مستوی ہے جیسا استواء اس کے جلال و عظمت کے لائق ہے۔

۱۴: خوارج و معتزلہ کا کہنا کہ کبیرہ گناہ کرنے والے دائمی جہنمی ہیں، خوارج کی تصریح کہ کبیرہ گناہ کرنے والے کافر ہیں

"الصحیحة" (۷/۱۳۶)، التعلیق علی "العقیدة الطحاویة" (٦٠، ٦٢).

۱۵: اباضیہ اور معتزلہ کا یہ کہنا بدعت ہے کہ قیامت کے دن مومن اپنے رب کا دیدار نہیں کریں گے۔

"الصحیحة" (٧/ ١٥٦)، "مجلة الأصالة" شمارہ (٢٧)، (ص٧٦) ١٤٢١ھ.

اور ہمارے شیخ نے "المشکاة"[2] (۳/۱۵۷۷، روایت رقم (۵۶۶۳) کے تحت فرمایا:

---

[1] یعنی ابن الجوزی رحمہ اللہ وغفر لہ۔ انہوں نے اسے اپنی کتاب "دفع شبه التشبیه" میں ذکر کیا۔

[2] "هدایة الرواة إلی تخریج أحادیث المصابیح والمشكاة" (٥/٢٢٢)

ان مقلدین سے، جو ائمہ کی تقلید کا دعویٰ کرتے ہیں، بڑا گمراہ کون ہوسکتا ہے جو رؤیت کا انکار کرتے ہیں وہ قیامت کے دن رب کی رؤیت کے بارے میں ان (ائمہ) کے عقیدے کی مخالفت کے ساتھ ساتھ کتاب وسنت کی بھی مخالفت کرتے ہیں!

رہا قرآن تو وہ اس کی تاویل کرتے ہیں، بلکہ مجاز کا نام دے کر اس کی تعطیل کرتے ہیں۔

اور رہی سنت تو وہ انہیں حدیث آحاد کہہ کر اس کے متعلق شک وشبہ پیدا کرتے ہیں۔

۱۶: اللہ تعالیٰ کے اپنی مخلوق سے علو اور اس کے عرش پر مستوی ہونے کے انکار کی بدعت

"الصحيحة" (۱ / ۸) اور حدیث رقم: (۳۱۶۱)، "مختصر العلو" کا مقدمہ "مجلة الأصالة" شمارہ (۲۷)، (ص ۷۶)، سن ۱۴۲۱ھ۔

۱۷: بدعت تفویض "اختیار، سپردگی کی بدعت"

"مختصر العلو" (ص ۳۵، ۳۶، ۳۷)، "الصحيحة" (۷/ ۴۷۷).

۱۸: علم الکلام

"الصحيحة" (۱/ ۵، ۱۸۷)، مقدمة "مختصر العلو" (۳۳-۳۴)، "العقيده الطحاوية" (شرح وتعليق) (ص ۵۷).

ہمارے شیخ نے "الصحيحة" (۷/ ۱۴۷۸) میں فرمایا:

اللہ علم کلام کو برا بنائے (بھلائی سے دور کردے) جو کبار علماء کو اس جیسے کلام کی طرف لے گیا۔ [1]

ہمارے شیخ نے "الصحيحة" (۱ / ۷)۔ ط: المعارف) میں فرمایا:

علم کلام کے بطلان کی وضاحت ہونے پر ان کے بہت سے فاضل علماء نے اس سے توبہ کرلی۔ [2] جیسے شیخ علامہ ابو محمد عبداللہ بن یوسف الجوینی جو کہ امام الحرمین کے والد ہیں۔ رحمہ اللہ۔ (اللہ تعالیٰ کے) استواء وفوقیت (اوپر ہونا) اور قرآن مجید میں حرف وصوت کے اثبات کے بارے میں ان کا رسالہ اس پر سب سے قوی دلیل ہے، انہوں نے اپنے دینی بھائیوں کو نصیحت کے طور پر اسے تحریر فرمایا، انہوں نے اس میں وہ سب بیان کیا ہے جس وجہ سے انہوں نے اشعریہ کو چھوڑ کر سلفیت اختیار کی، جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اس کے لیے وہ رسالہ بہت مفید ہے، اسے "مجموعة الرسائل المنيرية" (۱/ ۱۷۰-۵۸۷) میں ملاحظہ فرمائیں۔

ان کے بیٹے امام الحرمین نے بھی توبہ اور مذہب سلف کی طرف رجوع کرنے کے حوالے سے اس کا طریقہ

---

[1] اسی مصدر میں اسی صفحہ پر ہمارے شیخ کی حافظ ابن حجر کے متعلق بحث ملاحظہ کریں۔

[2] دیکھیں: "مختصر العلو" (ص ۲۷). (منه)

اختیار کیا، جیسا کہ کئی علماء نے اسے ان سے بیان کیا، ان میں سے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ بھی ہیں، انہوں نے "الفتح" (۱۳/۳۵۰) میں ان سے نقل کیا کہ انہوں نے علم الکلام سے سوائے حیرت کے اور کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا، اسی لیے انہوں نے فرمایا: ''اب میں رجوع کر چکا ہوں اور مذہب سلف پر پختہ یقین رکھتا ہوں اور انہوں نے اپنی موت کے وقت اپنے ساتھیوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا جیسا کہ اس سے پہلے ان کے والد نے کیا تھا:

''میرے ساتھیو! علم کلام میں مصروف نہ ہونا، اگر مجھے پتہ ہوتا کہ وہ مجھے یہاں تک پہنچا دے گا جہاں تک میں پہنچا ہوں تو میں اس میں کبھی مشغول نہ ہوتا۔''

قاری محترم! جب آپ عقل صحیح اور نقل صحیح کے منافی خطرناک علم کلام کے آثار میں سے کوئی اثر دیکھنا چاہیں تو الکوثری اور اس کی روش پر چلنے والوں کی کتب کا مطالعہ کریں۔ اسی طرح شاگرد السقاف میں آپ دیکھیں گے کہ آپ کی بصیرت وقناعت میں اضافہ ہوگا کہ وہ ان سے جو سیکھ رہے ہیں وہ صرف ﴿يَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ﴾ (البقرة: ۱۰۲) (وہ سیکھتے ہیں جو انھیں نقصان پہنچاتا ہے اور وہ انھیں فائدہ نہیں پہنچاتا۔) کا مصداق ہے بلکہ جب انہوں نے اس کی پابندی کی تو وہ بعینہٖ کفر ہے، اللہ کے لیے جو صفت علو ہے جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہے، وہ کتاب وسنت اور سلف وائمہ کے اقوال میں تواتر سے ثابت ہے وہ اس بارے میں اپنی خراب عقلوں کے ذریعے فیصلہ کرتے ہوئے اس صفت کے انکار پر متفق ہیں۔

۱۹: صفات کے بارے میں ان کا کہنا: ''مذہب سلف زیادہ محفوظ ہے جبکہ مذہب خلف زیادہ مبنی برعلم اور زیادہ مضبوط ہے!''[1]

ہمارے شیخ نے مقدمہ "مختصر العلو" (ص ۳۴۔۳۶) میں فرمایا:

تاویل پر اس (تاویل) کے دل دادہ حضرات کے لیے اس کے نقصانات پر سب سے زیادہ دلالت کرنے والا وہ جملہ ہے کہ جب بھی صفات اور اس پر ایمان کے حوالے سے اس کی تاویل پر بحث ہوتی ہے تو وہ درج ذیل قول، جو کہ زبان زد عام ہے، کا سہارا لیتے ہیں۔

''مذہب سلف اسلم (زیادہ محفوظ) ہے، جبکہ مذہب خلف اعلم واحکم (زیادہ علمی اور زیادہ مضبوط) ہے۔''

آج تعلیم یافتہ نوجوان جس نے اپنی شرعی ثقافت کو علم کلام کی کسی چیز سے آلودہ نہیں کیا، وہ بسا اوقات اس بات کی تصدیق نہیں کرتا کہ خلف میں سے کوئی اس طرح کا قول کہتا ہے! اس (قول) کی سنگینی اور اس کی قباحت کی وجہ سے وہ اس میں حق بجانب ہے، لیکن افسوس کی بات ہے وہ طالبانِ شریعت کے ہاں واقع اور متعارف ہے، میں تمھیں ایک مثال پیش کرتا ہوں جو وہ اپنے مشائخ کو سناتے ہیں:

[1] دیکھیں: "مجلة الأصالة" شمارہ (۲۸) (ص ۸۹) اور ہمارے شیخ الالبانی رحمہ اللہ کا کلام "الدعوة السلفية" سن ۱۴۲۱ھ۔

الباجوری نے اس لیے حاشیے (ص۵۵) میں "الجوهرة" کے مصنف کے قول کے تحت بیان کیا:

وَكُلُّ نَصٍّ أَوْهَمَ التَّشْبِيْهَا
أَوِّلْهُ أَوْ فَوِّضْ وَ رُمْ تَنْزِيْهَا

"ہر نص جو تشبیہ کا خیال پیدا کرے اس کی تاویل کر یا تفویض کر اور تنزیہ کا قصد کر۔"

اور خلف کا طریقہ اعلم و احکم ہے، اس لیے کہ اس میں مزید وضاحت ہے، مخالف فریق پر رد ہے اور وہ زیادہ راجح ہے، اسی لیے مصنف نے اسے پیش کیا ہے، سلف کا طریقہ اسلم ہے، اس میں کسی معنی کی تعیین سے سلامتی ہے۔ کبھی اس طرح بھی ہوسکتا ہے کہ ایسے معنی کی تعیین ہو جائے جو اس (اللہ تعالیٰ) کی مراد نہ ہو۔"

الکوثری کا کلام جو کہ اہل السنہ والحدیث کے ساتھ سخت عداوت میں مشہور ہے وہ اس کی تمام تعلیقات میں اسی تفضیل مزعوم سے اسی معنی پر گھومتا ہے اور اس کی "السيف الصيقل" (ص۱۳۲) پر اس کی تعلیق میں تصریح ہے۔

اور یہ قول جب انسان اس پر تدبر کرتا ہے، تو وہ اسے انتہائی جہالت میں پاتا ہے، بلکہ انتہائی گمراہی میں!

ابن تیمیہ نے "العقيدة الحموية" میں فرمایا: "یہ متاخرین کس طرح ہوں گے، خاص طور پر خلف سے متکلمین کی اس نوع کی طرف اشارہ ہے جن کا دین کے بارے میں اضطراب زیادہ ہوگیا، اللہ کی معرفت سے ان کا حجاب سخت ہوگیا، ان کے اقدام کی انتہاء سے آگاہ شخص نے اس چیز کے متعلق بتایا جو ان کے مقاصد کی انتہا ہے، وہ کہتا ہے:

لَعُمْرِيْ قَدْ طُفْتُ الْمَعَاهِدَ كُلَّهَا
وَسَيَّرْتُ طَرْفِيْ بَيْنَ تِلْكَ الْمَعَالِمِ
فَلَمْ أَرَ إِلَّا وَاضِعًا كَفَّ حَائِرٍ
عَلَى ذَقْنٍ أَوْ قَارِعًا سِنَّ نَادِمِ

"میری عمر کی قسم! میں نے ان تمام معاہد کا چکر لگایا۔ میں نے ان نشانات کے دونوں اطراف کے درمیان سفر کیا۔ میں نے ٹھوڑی پر پریشان شخص کا ہاتھ رکھنے والا دیکھا یا نادم کی عمر پر لعن طعن کرنے والا ہی دیکھا۔"

انہوں نے جو کہا اس پر عمل کرتے ہوئے یا اس کے لیے انہوں نے اپنی کتابوں میں جو مضمون نگاری کی اس حوالے سے اپنے خلاف اقرار کیا، جیسا کہ ان رؤساء میں سے کسی نے کہا:

نِهَايَةُ إِقْدَامِ الْعُقُوْلِ عِقَالُ
وَأَكْثَرُ سَعْيِ الْعَالَمِيْنَ ضَلَالُ
وَأَرْوَاحُنَا فِيْ وَحْشَةٍ مِنْ جُسُوْمِنَا
وَحَاصِلُ دُنْيَانَا أَذًى وَوَبَالُ

وَلَـمْ نَسْتَـفِـدْ مِـنْ بَـحْثِنَا طُوْلَ عُمْرِنَا
سِوٰی أَنْ جَـمَـعْـنَـا فِـيْـهِ قِيْلَ وَقَـالُوْا

''عقلوں کے اقدام کی انتہا بے بسی ہے اور دنیا والوں کی زیادہ تر کوشش بے نتیجہ ہے۔ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں وحشت میں ہیں۔ ہماری دنیا کا ماحاصل تکلیف و وبال ہے، ہم نے پوری زندگی اپنی بحث سے صرف یہی حاصل کیا کہ ہم نے اس میں قیل وقیل کو ہی اکٹھا کیا۔''

اوران میں سے ایک اور کہتا ہے:

''اصحاب کلام میں سے زیادہ تر لوگ موت کے وقت شک میں مبتلا ہوتے ہیں۔''

جب معاملے کی تحقیق کی گئی تو ان کے پاس اللہ کے متعلق علم کی کوئی حقیقت پائی گئی نہ معرفت خالص کے متعلق کوئی خبر اور نہ وہ اس کے متعلق کسی حق پر ہیں نہ کسی اثر (حدیث) پر۔

یہ تنقیص کرنے والے، محروم، حیران و پریشان لوگ، اللہ اور اس کی آیات کے متعلق مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولین سے اور ان سے زیادہ کس طرح جان سکتے ہیں، جنھوں نے اچھے طریقے سے ان کی اتباع کی وہ انبیاء اور خلفائے رسل کے وارث ہیں، ہدایت کے نشانات اور تاریکی کو دور کرنے کے لیے چراغ ہیں، کتاب (قرآن) ان کی ذمہ دار بنی اور وہ اس کے، یہ وہ حضرات ہیں جنھیں اللہ نے علم وحکمت عطا فرمائی، جس کے ذریعے وہ تمام انبیاء علیہم السلام کے پیروکاروں سے نمایاں ہوگئے، انہوں نے معارف کے حقائق اور حقائق کے اسرار کا اتنا احاطہ کیا کہ اگر ان کے علاوہ دیگر کی حکمت اس کے سامنے لائی جائے تو مقابلہ طلب کرنے والا شرمندہ ہوجائے۔

پھر امت کے بہترین لوگ علم وحکمت میں خاص طور پر اللہ اور اس کے اسماء وآیات کے احکام کے متعلق ان کی نسبت چھوٹے لوگوں سے کس طرح کم تر ہوسکتے ہیں؟ یا فلسفے کے غلام، اہل ہند اور اہل یونان کے پیروکار اللہ کے بارے میں انبیاء علیہم السلام کے وارثوں اور اہل قرآن واہل ایمان سے کس طرح زیادہ عالم ہوسکتے ہیں؟''

علامہ سفارینی نے ''شرح العقیدة'' (۱/۱۲۱ اختصار) میں بیان کیا:

''یہ محال ہے کہ بعد میں آنے والے سلف سے زیادہ جانتے ہوں، جس طرح اس کے متعلق تحقیق نہ رکھنے والا شخص ایسی بات کرتا ہے، جسے سلف کی قدر ہے نہ اس نے حق معرفت کے طور پر اللہ کو پہچانا نہ اس کے رسول کو اور نہ ہی اس پر ایمان لانے والوں کو، کہ طریقہ سلف زیادہ سلامتی والا ہے اور طریقہ خلف اعلم واحکم ہے۔

اوران لوگوں نے یہ صرف اس گمان کی وجہ سے کہا کہ طریق سلف قرآن وحدیث کے الفاظ پر، ان پڑھوں کی طرح بغیر سوچے سمجھے صرف ایمان لانے کا نام ہے، جبکہ طریقہ خلف یہ ہے کہ نصوص کے معانی کا انواع مجازات

اورغرائب لغات کے ذریعے ان کے حقائق سے بدل کر استنباط کرنا۔

تو اس ظن فاسد نے یہ نظریہ واجب کیا، جس کا مضمون ہے اسلام کو پس پشت ڈالنا، انہوں نے طریقہ سلف پر جھوٹا الزام لگایا، اور طریقہ خلف کو درست قرار دینے میں گمراہ ہوئے، پس انہوں نے دو باطل چیزوں کو جمع کر دیا: طریقہ سلف کے متعلق لاعلمی اور ان پر جھوٹ باندھنا اور ان کے علاوہ دوسروں کے طریقے کو درست قرار دینے کے متعلق جہل و گمراہی۔''

پھر انہوں نے حافظ ابن رجب کے کلام سے ان کی کتاب "فضل علم السلف علی علم الخلف" میں استدلال کیا، جو چاہے اس کا مطالعہ کرے۔

اور وہ گمان جسے مخالفین نے اختیار کیا: وہ اس سے ہے جس کا مذہب سلف کے خلاف مذہب خلف کی تائید کرنے والے تکرار سے ذکر کرتے ہیں اور بعض اسلامی مصنفین جن کے پاس اقوال سلف کے متعلق علم نہیں وہ اس کے صحیح ہونے کا گمان کرتے ہیں اور اسے ''تفویض'' کا نام دیتے ہیں، اور وہ اس میں سے ہے جسے الکوثری ان کی طرف جھوٹ کے طور پر منسوب کرتا ہے، وہ "السیف الصیقل" (ص۱۳) پر اپنے تبصرے میں کہتا ہے: ''جس پر سلف ہیں وہ اللہ کی کتاب اور سنت مشہورہ میں اللہ کی صفات کے بارے میں جو وارد ہے وہ تنزیہ کے ساتھ معنی میں کسی غور وخوض اور مراد کی تعیین کے بغیر زبان چلانا ہے۔''

اور اس نے اس معنی کو دوسری جگہوں پر دہرایا ہے، ان میں سے ص۱۳۱۔۱۴۵ بھی ہیں، اور اس کے طریقے پر اس کا ساتھی چلا جو نصوص کی تحریف پر اس کی معاونت کرتا، یہ امام بیہقی کی کتاب "الاسماء والصفات" پر تعلیق میں ہے، یہ اس کی کتاب کی تقدیم میں ہے۔ اس نے کتاب کا نام رکھا ہے: "فرقان القرآن بین صفات الخالق وصفات الأکوان" میری مراد شیخ سلامہ القضاعی العزامی ہے، انہوں نے اس کے مانند کئی جگہوں پر ذکر کیا ہے، البتہ اس نے یہ کہا: ''زیادہ تر سلف اس معنی مراد کو بیان کرنے سے باز رہے ہیں جو حق تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔'' اسی طرح اس نے ص (۹۴) پر اور اسی کے مانند ص (۸۱،۵) پر، اس نے زیادہ تر سلف کی طرف منسوب کیا ہے کہ وہ اس معنی کو بیان کرنے سے باز رہتے ہیں جو حق تعالیٰ کی شان کے لائق ہے، کیا یہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ان کی طرف سے جہالت ہے یا کتمانِ علم ہے؟ تو انہوں نے دونوں میں سے جو بھی جواب دیا، تو وہ اسی طرح ہے جیسے کہا گیا: ان دونوں میں سے زیادہ شیریں کڑوا ہے، اور اللہ عظیم نے سچ فرمایا: ﴿ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ﴾ (النجم: ۳۰) ''یہ ان کا مبلغ علم ہے۔''

فصل : فرقوں اور گروہوں کی بدعات

(۱) اشاعرہ

۱: اشاعرہ اور ان کا کہنا: اللہ تعالیٰ بلا مکان ہے۔

۲: اشاعرہ اور ان کا کہنا: اللہ تعالیٰ اوپر ہے نہ نیچے، دائیں نہ بائیں اور آگے نہ پیچھے

۳: اشاعرہ اور تقدیر

۴: اشاعرہ اور ان کی استواء کی استیلاء سے تفسیر

۵: اشاعرہ اور صفت کلام

۶: اشاعرہ اور "تعجب کرنے وہنسنے" کی دوصفتوں کی رضا کے معنی سے تاویل

۷: اشاعرہ اور استطاعت عبد

۸: اشاعرہ اور غضب ورضا کی انتقام واحسان کے ارادے سے تاویل

(۲) جہمیہ

۱: جہمیہ اور اللہ تعالیٰ کے اپنی مخلوق پر علو کی نفی، ان کا "ایـن اللـه" (اللہ کہاں ہے؟) والی روایت کو ضعیف قرار دینا اور بہت زیادہ اقسام کی بدعات اور ان کا ردّ

۲: جہمیہ اور صفات باری تعالیٰ کے حقائق کا انکار

۳: جہمیہ اور خروج دجال، نزول مسیح علیہ السلام اور ان کے اسے قتل کرنے کا انکار، نیز صحیح احادیث کا ردّ کرنا اور ان کی تاویل کرنا

(۳) خوارج

۱: خوارج اور سر کے بال منڈوانا

۲: حروری، خوارج ہیں۔

۳: وقت گزارنے کے ساتھ حکام کے خلاف بغاوت خوارج کے نزدیک نمایاں سمت اور دین ہے، ان کا ردّ اور

ہمارے شیخ امام علامہ البانی رحمہ اللہ کی تربیت وتصفیہ کے منہج کے طریق سے برتاؤ کرنے کے متعلق سنہری نصیحت

۴: خوارج اور خروج دجال ونزول مسیح عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے اسے (دجال کو) قتل کرنے کا انکار اور صحیح احادیث کا ردّ اور ان کی تاویل۔

۵: خوارج کبیرہ گناہ کرنے والوں کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ دائمی جہنمی ہیں اور وہ ان کے کافر ہونے کی تصریح کرتے ہیں۔

۶: اباضیہ اور ان کا کہنا کہ اللہ ہر جگہ ہے۔

۷: مومنوں کو قیامت کے دن اپنے رب کا دیدار ہوگا، اباضیہ نے اس کا انکار کیا ہے۔

۸: خوارج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب پر طعن کرتے ہیں

۹: خوارج اور موزوں پر مسح کرنا

۱۰: خوارج اور ان کا صفات باری تعالیٰ کے حقائق کا انکار

۱۱: خوارج کی گمراہیوں میں سے ان کا یہ کہنا ہے کہ قرآن مخلوق ہے۔

۱۲: خوارج کا ایک گروہ شادی شدہ زانی کو رجم کرنے کا منکر ہے۔

(۴) رافضہ (شیعہ)

۱: رافضہ اور کلینی کی کتاب ''الکافی''

❀ کتاب الکافی کے حاشیہ نگار غیر اللہ کی عبدیت اختیار کرنے والے اور اپنا نام عبدالحسین المظفر رکھنے والے کا حال

❀ کتاب الکافی کا تعارف اور یہ کہ اسے ان کی کتب حدیث میں سے ان کے ہاں پہلا مقام حاصل ہے۔

۲: شیعہ کے ہاں کتاب "السقیفة"

۳: رافضہ اور عبدالحسین موسوی کا اپنی کتاب "المراجعات" میں افتراء

❀ کتاب "المراجعات" کا تعارف کہ وہ علی کی فضیلت میں ضعیف اور موضوع احادیث سے بھرپور ہے۔

❀ "المراجعات" کے مؤلف نے احادیث سے دلیل لینے کے حوالے سے علم حدیث کے قواعد کا لحاظ نہیں رکھا، حتیٰ کہ ان کا بھی جو ان کے مذہب کے مطابق ہیں

❀ شیخ نے تمنا کی کہ اگر اہل السنہ اور شیعہ ''مصطلح الحدیث'' میں قواعد بنانے پر متفق ہو جائیں تو روایات

کے مفردات میں اختلافات کے وقت ان سے فیصلہ کرایا جائے۔

❀ سنیوں اور شیعوں کو قریب کرنا ممکن نہیں اور قواعد واصول میں اختلاف باقی رہے گا

❀ عبدالحسین کے کتاب "المراجعات" میں بہت جھوٹ ہیں، جو کہ اس علم سے اس کی جہالت کے علاوہ ہیں، اس کا ضعیف اور موضوع احادیث سے دلیل لینا اور اس کا صحابہ کرام، ائمہ حدیث اور اہل السنہ پر طعن کرنا

۴: رافضیہ اور غدیر (خم) اور "المراجعات" کے مصنف اور خمینی کی "کشف الاسرار" میں افترا پردازیاں

۵: رافضہ اور جو شخص اپنے زمانے کے امام کی معرفت حاصل کیے بغیر فوت ہو جائے

٦: "کشف الاسرار" میں خمینی کا کذب

۷: ابن المطہر الحلی کے جھوٹ

۸: رافضہ اللہ کی سب سے زیادہ جھوٹی مخلوق

۹: شیعہ اور قبروں کی تقدیس اور ان کا بنانا اور انہیں پختہ کرنا

۱۰: رافضہ اور رجعت

۱۱: رافضہ اور کربلا کا تقدس

۱۲: رافضہ اور یوم عاشوراء

۱۳: رافضہ اور آپ ﷺ کی زوجات کی عصمت کے متعلق قول

۱۴: شیعہ کے نزدیک غیر اللہ کے لیے تعبید

۱۵: شیعہ اور اللہ تعالیٰ کی رؤیت کی نفی

۱٦: شیعہ اور حدیث عترت

۱۷: شیعہ اور موزوں پر مسح

۱۸: رافضہ اور ان کا علی رضی اللہ عنہ اور آل بیت رضی اللہ عنہم کے بارے میں غلو اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے بیزاری

۱۹: شیعہ نبی ﷺ کے اصحاب پر طعن کرتے ہیں۔

۲۰: شیعہ نبی ﷺ کے اصحاب کو عادل نہیں مانتے۔

۲۱: شیعہ اور ان کا اپنے اصحاب کے لیے تعصب (بے جا طرف داری) اور ہمارے ائمہ کے علم سے ان کا عدم اہتمام اور ان کا ان پر تنقید کرنا

۲۲: شیعہ کے نزدیک افطاری کا وقت

۲۳: کوئی رافضی رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب کے اسلام کے بارے میں ایک رسالہ تصنیف کرتا ہے

۲۴: شیعہ اور نمازیں جمع کرنا

۲۵: شیعہ اور متعہ کا جواز

فصل: عبدالحسین الموسوی کے اپنی کتاب "المراجعات" میں افتراءات، دسویں جلد، ''سلسلہ ضعیفہ'' کا دوسرا حصہ

۱: ''المراجعات'، کے مصنف کا اپنی کتاب "المراجعات" میں سنن صحیحہ کے اہتمام کا دعویٰ اور اس کا بہت سی احادیث پر سکوت جو باطل کا پرتو ہیں اور اس کے مذہب کی تائید کرتی ہیں

۲: اس کا بعض احادیث کو بعض مصادر کی طرف منسوب کرنے کا دعویٰ جبکہ وہ اس طرح نہیں ہیں

۳: اہل علم نے جن احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے جن سے وہ اپنی کتاب میں استدلال کرتا ہے۔ اس کا ان کے ضعف کو عمداً چھپانا نہ کہ سہواً۔

۴: اس کی طرف سے دو حفاظ ائمہ، حاکم اور ذہبی پر کھلا جھوٹ

۵: حدیث کو بعض مصادر کی طرف منسوب نہ کرنے کے بارے میں اس کی تدلیس تاکہ کہیں اس کا کذب ظاہر نہ ہو

۶: تاریخ کی بنا پر شیعہ کے تین ائمہ کی طرف سے جھوٹ: ابن المطہر، خمینی اور عبدالحسین! انہوں نے ایک موضوع روایت سے علی رضی اللہ عنہ کے لیے امامت و ولایت کے ثبوت میں دعویٰ کیا ہے

۷: اس کے اس دعویٰ میں واضح جھوٹ کہ علی رضی اللہ عنہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ثانی ہیں

۸: اس کی کتاب ضعیف اور موضوع روایات سے بھرپور ہے اور اس کا ایسی احادیث سے دلیل لینا جو ائمہ اہل السنہ کے نزدیک قطعی طور پر موضوع ہیں اور اس نے بہت سی احادیث کو انتساب کے بغیر چھوڑ دیا اور ان کی اصل بیان نہیں کی۔

۹: عبدالحسین نے "المراجعات" میں دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ (المائدة: ۵۵) علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس وقت نازل ہوا جب انہوں نے نماز میں حالت رکوع میں صدقہ کیا، یہ ظاہر جھوٹ ہے۔

۱۰: شیعہ کا علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر موضوع احادیث سے دلیل لینا اور ان کا قرآن کریم کی آیات میں تحریف کرنا اور ان کی ایسے معانی سے تاویل و تفسیر کرنا جس کی شرع رہنمائی کرتی ہے نہ عقل، نیز تینوں عبدالحسین، خمینی اور ابن المطہر الحلی کا دوسرا تاریخی جھوٹ اور ان کی اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ

اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ (المائدة: ٦٧) کی واضح تحریف اور ان کا دعویٰ کہ غدیر (خم) کے روز یہ علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

١١: ان کی تحریفات اور تدلیسات میں سے اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدة: ٣) کی ایک اور تحریف، اور تاریخ کے تین جھوٹے افراد: عبدالحسین، خمینی اور ابن المطہر الحلی۔

١٢: "المراجعات" کے مصنف کا معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کے بارے میں موضوع روایت سے دلیل لینا۔

١٣: "المراجعات" کے مصنف کے نزدیک وسیلے کے جائز ہونے کی غایت خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھ کر ہو۔

١٤: شیعہ کا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر افتراء اور طعن تاریخ کا حصہ ہے۔

١٥: غدیر خم پر بحث اور المراجعات کے مصنف کا ایسی روایات اور الفاظ سے استدلال کرنا جو اس کے بارے میں درست نہیں۔

١٦: شیعہ کا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بغض، جو کہ المراجعات کے مصنف کے قول کے حوالے سے ہے۔

١٧: اس کا ایک ضعیف روایت سے استدلال کرنا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا صفیہ رضی اللہ عنہا سے افضل نہیں۔

١٨: المراجعات کے مصنف کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں طعن

١٩: عبدالحسین الشیعی اور اس کی اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿قُلْ لَّآ اَسْاَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى﴾ (الشورىٰ: ٢٣) کی تفسیر

(۵) تصوف

١: صوفیاء اور اولیاء کے کشف کا دعویٰ

٢: صوفیاء اور تعبد کے لیے انقطاع اور ترک اکتساب

٣: صوفیاء اور ریاضت و نفس کی اصلاح و تربیت و ریاضت کے لیے انفرادی طور پر جنگل کی طرف نکل جانا

٤: صوفیاء اور دعا

٥: صوفیاء اور ذکر میں رقص (دھمال)

٦: صوفیاء اور عبدالغنی النابلسی کی کتاب "إیضاح الدلالات فی سماع الآلات" پر اعتماد کرتے ہوئے گانے اور آلات موسیقی کی اباحت

۷: طریقہ تصوف اور جادو

۸: صوفیاء اور صفات میں شرک

۹: صوفیاء اور ان کی اپنے شیوخ کی اندھی اطاعت اور خیال سے عجیب تر قصہ

۱۰: صوفیاء اور شیخ الاسلام ابو اسماعیل انصاری کی کتاب ''منازل السائرین''

۱۱: صوفیاء اور کرامتیں

۱۲: صوفیاء اور علم حاصل کرنے کا مصدر

۱۳: غالی صوفیاء اور وحدت الوجود

۱۴: وحدت الوجود والے اور اللہ تعالیٰ کے اپنی مخلوق پر علو کے متعلق ان کا انکار

۱۵: وحدت الوجود والے اور ارادہ کونیہ

۱۶: صوفیاء اور ولایت

۱۷: طریق کشف کے ذریعے احادیث کی تصحیح، صوفیاء کی بدعت

۱۸: صوفیاء میں سے بعض کا قول ہے: ''تمہارا اس یعنی اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا اس پر اتہام ہے

۱۹: یہ کہنا: ''میں تیری جنت کے شوق کی خاطر روتا ہوں نہ جہنم کے ڈر سے'' صوفیاء کا فلسفہ ہے۔

۲۰: صوفیاء کا قول: شریعت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔

۲۱: صوفیاء اور طلب علم میں ان کا طریقہ، صرف خلوت اور تقویٰ۔

۲۲: صوفیاء کے مذہب میں گم نامی (چھپنا) ہے ظاہر ہونا نہیں۔

(٦) قادیانیت

۱: قادیانیت اور ان کے مختلف باطل عقائد اور ان کے نام نہاد نبی کا فتویٰ کہ انگریز سے جنگ کرنا حرام ہے۔

۲: مرزا غلام احمد قادیانی ایک دجال ہے۔

۳: مرزا غلام احمد کا دعویٰ نبوت۔

۴: قادیانیت اور بقائے نبوت

۵: مکروہ قادیانیت اور صوفی ابن عربی

۶: ان کا دوسروں کو دعوت دینے کا طریقہ

۷: قادیانیت اور کفار کے عذاب کی انتہاء

۹: قادیانیت اور شرعی حقائق کی تاویل

۱۰: قادیانیت اور حدیث: ''جو فوت ہو جائے اور وہ اپنے دور کے امام کو نہ جانے تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔''

۱۱: قادیانیت کی یہ تاویل کہ دجال خرافات و دجل اور قبیح چیزوں کی رمز ہے۔

۱۲: قادیانیت کی تفسیر میں بدعات

(۷) اہل قرآن

(۸) کرامیہ

(۹) ماتریدیہ

۱: ماتریدیہ اور اللہ تعالیٰ کی صفت کلام

۲: ماتریدیہ اور ایمان کے بارے میں ان کا مذہب: اقرار باللسان اور تصدیق بالجنان

(۱۰) مرجئہ

۱: مرجئہ اور شہادت

۲: ایمان کے بارے میں مرجئہ کی بدعات

۳: مرجئہ اور ان کا کہنا: ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ گار کے لیے گناہ مضر نہیں

(۱۱) معتزلہ

۱: معتزلہ کہتے ہیں: کبیرہ گناہ کرنے والے دائمی جہنمی ہیں۔

۲: معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ مومنوں کو قیامت کے دن اپنے رب کا دیدار نہیں ہوگا۔

۳: معتزلہ اور استواء کی استیلاء سے تفسیر

۴: معتزلہ اور خروج دجال اور مسیح عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور ان کے اسے قتل کرنے کا انکار نیز صحیح احادیث کا رد اور ان کی تاویل

۵: معتزلہ اور صفات کی تاویل

۶: معتزلہ اور غیبی امور کا انکار

۷: معتزلہ کی گمراہیوں میں سے ان کا یہ کہنا بھی ہے کہ قرآن مخلوق ہے۔

۸: بعض معتزلہ نے شادی شدہ زانی کو رجم کرنے سے انکار کیا ہے۔

۹: معتزلہ اور جہمیہ کہتے ہیں: اللہ ہر جگہ ہے، عرش پر نہیں۔

۱۰: معتزلہ اور ان کا عقلی طور پر کسی چیز کو اچھا اور برا ثابت کرنا اور عقل کو فیصل ماننا اور صحیح احادیث کو محض اس لیے رڈ کر دینا کہ وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہیں اور یہ رد اصلاً ہو یا جب وہ انھیں ان کی اصل سے رڈ نہ کر سکیں تو پھر تاویل کے طور پر رڈ کرنا۔

۱۱: معتزلہ اور ان کا کہنا: کہ قرآن کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوئی۔

فرقوں اور گروہوں کی بدعات

ا......اشاعرہ

ا:......اشاعرہ اور ان کا کہنا کہ اللہ تعالیٰ بلا مکان ہے:❶

"الصحیحة" (۱/ ۱۰)، "الصحیحة" (۷/ ٤٧٧).

۲:......اشاعرہ اور ان کا کہنا: اللہ تعالیٰ اوپر ہے نہ نیچے، دائیں نہ بائیں اور آگے نہ پیچھے:❷

"الصحیحة" (۱/ ۸، ۷/ ٤٧٥ـ ٤٧٦، ٥٠٤)، "صحیح الأدب المفرد" (ص۲۸۲ـ۲۸۳)، رقم (۵۸۰/ ۷۵۳)، مقدمہ "مختصر العلو" (ص۵۳)، "مجلة الأصالة" شمارہ (۲۷) (ص۷٦ـ۷۷)، سن ١٤٢١ھ.

۳:......اشاعرہ اور تقدیر:

ہمارے شیخ نے "العقیدة الطحاویة" (ص۵۲) میں شرح و تعلیق کے طور پر "الایمان بالقدر" ❸ کے متعلق ابن تیمیہ کے "مجموع الفتاوی" (۱/ ۱٤۸ـ ۱۵۰) میں کلام سے اختصار کے ساتھ بعض فقرات نقل کیے ہیں:

''......بندے حقیقت میں فاعل ہیں، اللہ ان کے افعال کا خالق ہے، بندہ ہی مومن و کافر، نیک و بد، نمازی اور روزہ دار بھی ہوتا، بندوں کو اپنے افعال پر قدرت ہے، ان کا ارادہ ہے، اور اللہ ان کا، ان کی قدرت اور ان کے ارادے کا خالق ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (التکویر: ۲۸ـ۲۹) ''تم میں سے جو چاہے سیدھی راہ پر چلے اور تم کچھ چاہ نہیں سکتے مگر وہ جو اللہ چاہے جو جہانوں کا پروردگار ہے۔'' تقدیر کا یہ درجہ ہے جس کے ذریعے عام قدریہ تکذیب کرتے ہیں، جنھیں نبی ﷺ نے اس امت کے مجوس قرار دیا ہے اور اہل اثبات کے کچھ لوگ اس میں غلو کرتے ہیں، حتیٰ کہ انہوں نے بندے سے ان کی

---

❶ اس بدعت کو اس کی شرح کے ساتھ بدع العقائد رقم: ۱۱ میں دیکھیں۔

❷ اس بدعت کو اس کی شرح کے ساتھ العقائد رقم: (۱۳) میں دیکھیں۔

❸ جو کچھ ہم نے صرف ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے، وہ شرح عقیدہ طحاویہ (ص:۵۲) میں ہے۔

قدرت و اختیار کو چھین لیا، وہ اللہ کے افعال اور اس کے احکام سے اس (تقدیر) کے حکم و مصالح کو خارج کرتے ہیں۔

ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے شیخ الاسلام کے کلام کے آخر پر (ص۵۲) شرح الطحاویہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

وہ اپنے آخری کلام سے اشاعرہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے غلو کیا اور اس حکمت کا انکار کیا جس پر ابن القیم رحمہ اللہ نے "شفاء العليل فى القضاء والقدر والحكمة والتعليل" میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ اس کا مطالعہ کریں، وہ بہت اہم ہے۔

۴:...... اشاعرہ اور ان کی استواء کی استیلاء سے تفسیر: ❶

"الضعيفة" (۱۱/ ۵۰۵).

۵:...... اشاعرہ اور صفت کلام:

طحاوی نے اپنے "عقيدة" فقرہ (۵۶) میں فرمایا:

''ہم قرآن کے بارے میں بحث و مباحثہ نہیں کرتے اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ تمام جہانوں کے پروردگار کا کلام ہے۔''

ہمارے شیخ نے "العقيدة الطحاوية" (ص۵۷۔۵۸) پر اپنی شرح میں فرمایا:

علم کلام کے باعث اسلام کے بعض فرقے جس بڑے فتنے کا شکار ہوئے وہ یہ کہ: اس نے انھیں اس ایمان سے منحرف کر دیا کہ قرآن کریم رب العالمین کا حقیقی طور پر کلام ہے نہ کہ مجازی طور پر۔

رہے معتزلہ جو کہتے ہیں کہ وہ مخلوق ہے، تو اس بارے میں ان کا معاملہ بالکل واضح ہے۔ لیکن یہاں ایک ایسا گروہ بھی ہے جو اہل سنت کی طرف نسبت کرتا ہے اور وہ معتزلہ کی، اس قول میں اور اس کے علاوہ انہوں نے اسلام سے اس بارے میں جو بھی انحراف کیا ہے، تردید کرتا ہے، وہ اشاعرہ اور ماتریدیہ ہیں، کیونکہ وہ حقیقت میں خلق قرآن کے عقیدے کے متعلق معتزلہ سے موافقت کرتے ہیں کہ وہ رب العالمین کا قول نہیں، صرف اتنا ہے کہ وہ اسے ظاہر نہیں کرتے اور وہ کلام الٰہی کے لیے اپنی تفسیر کے پیچھے چھپتے ہیں کہ وہ قدیم نفسیاتی روحانی کلام ہے جو کہ کسی فرشتے اور کسی رسول سے نہیں سنا گیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے کلام نہیں فرماتا، اس لیے کہ وہ تو ازل سے کلام فرما رہا ہے۔ ❷

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحيحة" (۱/ ۶۔۷) ط: المعارف میں فرمایا:

---

❶ استواء کا معنی استیلاء کرنے کی بدعت کے لیے دیکھیے بدع العقائد (عقائد کی بدعات) رقم: ۱۲

❷ اس مسئلہ پر طحاوی پر تعلیق ص ۵۸۔ ۵۹ پر شیخ الاسلام رحمہ اللہ سے منقول اہم بحث کا مطالعہ کریں۔ مزید فائدہ کے لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے منقول (ص۴۱۔۴۳) ملاحظہ فرمائیں۔

لیکن حقیقی مسلمان کے لیے کافی ہے کہ اسے علم ہو کہ وہ معتزلہ اور خوارج سے ان کی بہت سی گمراہیوں میں موافقت رکھتے ہیں، ان میں سے: ان کا یہ کہنا کہ قرآن اللہ کا کلام مخلوق ہے، لیکن وہ معتزلہ کی طرح صراحت نہیں کرتے۔ لیکن وہ تقیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''کلام اللہ، غیر مخلوق''! پھر اس کی نفسیاتی روحانی کلام سے تاویل کرتے ہیں جو کہ سنی نہ جائے، لیکن وہ سمجھ آجائے! تو اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اپنے کلیم موسیٰ علیہ السلام کے صریح قول کو معطل کر دیا۔ ﴿فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ﴾ (طٰہٰ: ۱۳) ''جو وحی کی جاتی ہے اسے غور سے سنو۔'' پس انہوں نے کلام الٰہی کو علم الٰہی قرار دے دیا۔ [1] تو انہوں نے صفت کلام کو معطل کر دیا، لیکن لپیٹ کر اور چکر دے کر! بالکل اسی طرح جس طرح معتزلہ نے کیا (یا ان میں سے بعض نے) سمع و بصر کی صفت کی تاویل کی، انہوں نے کہا: بے شک اس سے مراد العلم ہے! [2] اس طرح انہوں نے سمع و بصر کی دو صفتوں کو معطل کیا، جس طرح انہوں نے صفت کلام کو معطل قرار دیا، اگر یہ تعطیل نہیں، تو پھر دنیا میں اور کوئی تعطیل نہیں۔

٦:...... اشاعرہ اور ''عجب و ہنسنے'' کی دو صفتوں کی رضا کے معنی سے تاویل:

ہمارے شیخ نے "الصحیحة" (٦/ ٧٣٨) میں حدیث رقم (٢٨١٠) کے تحت فرمایا [3]:

پس وہ دونوں ''تعجب کرنا اور ہنسنا'' اہل السنہ کے نزدیک اللہ عزوجل کی دو صفتیں ہیں۔ جبکہ اشاعرہ کا عقیدہ اس کے خلاف ہے، وہ ان دونوں کا عقیدہ نہیں رکھتے بلکہ وہ ان دونوں کی ''رضا'' کے ساتھ تاویل کرتے ہیں!

٧:...... اشاعرہ اور استطاعت عبد:

طحاوی نے ''عقیدہ طحاویہ'' فقرہ (٨٥) میں فرمایا:

> ''وہ استطاعت جس کے ساتھ فعل واجب ہوتا ہے، وہ اس توفیق کے ضمن سے ہے جس کے ساتھ مخلوق کو متصف قرار دینا جائز نہیں، پس وہ فعل کے ساتھ ہے، رہی وہ استطاعت جو صحت و طاقت، تمکن اور سلامت آلات کے حوالے سے ہے تو وہ فعل سے پہلے ہے، اور اسی سے متعلق خطاب ہے، اور وہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة: ٢٨٦) ''اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے مطابق ہی مکلف ٹھہراتا ہے۔''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "العقيدة الطحاوية" (ص ٨٥) کے اس فقرے پر اپنے تبصرے میں فرمایا:

---

[1] یہ الکوثری الجہمی کا مذہب ہے، جیسا کہ اس نے اپنے ''مقالات'' (ص ٢٧) میں صراحت کی ہے، اس جاہل و باغی کا استاد السقاف ہے۔ (منہ)

[2] دیکھیے میری کتاب مختصر العلوم (ص:٢٦) کا میرا مقدمہ۔ (منہ)

[3] اس کی نص یہ ہے: ضَحِكَ رَبُّنَا عزوجل مِنْ قُنُوطِ عِبَادِهِ ''ہمارے رب عزوجل کو اپنے بندوں کی مایوسی پر ہنسی آئی......''

''پہلا حصہ اشاعرہ کا موقف ہے۔ جبکہ دوسرا معتزلہ نے کہا ہے، جبکہ درست یہ ہے کہ ان دونوں کے متعلق ایک ساتھ تفصیل سے کہا جائے جسے مؤلف رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسے تفصیل سے بیان کیا ہے، اس کی اہمیت کے پیش نظر اسے مکمل طور پر نقل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔''

آپ رحمہ اللہ نے ''مجموع فتاویٰ'' (۸/۳۷۱۔۳۷۶) میں فرمایا:

''ہمارے اصحاب میں سے کچھ لوگوں نے اور کچھ دیگر لوگوں نے ''بندے کی استطاعت'' کے بارے میں کلام کیا ہے: کیا وہ اس کے فعل کے ساتھ ہے یا اس سے پہلے ہے؟ اور انہوں نے اسے دو متضاد قول قرار دیا ہے، کچھ لوگوں نے استطاعت کو صرف فعل کے ساتھ قرار دیا ہے، اور یہ زیادہ تر تقدیر کو ثابت کرنے والوں کا موقف ہے جسے اشعریوں اور ہمارے ساتھیوں میں سے ان سے موافقت کرنے والوں نے اختیار کیا ہے، کچھ لوگوں نے استطاعت کو فعل سے قبل قرار دیا ہے اور یہ زیادہ تر تقدیر کی نفی کرنے والے معتزلہ اور شیعہ کا موقف ہے، پہلے موقف والوں نے قدرت کو یہ قرار دیا کہ وہ صرف ایک فعل کے لیے درست ہے، جب کہ وہ اس (فعل) کے ساتھ لگی ہوئی ہے اس سے الگ نہیں کی جاسکتی، جبکہ دوسرے موقف والوں نے استطاعت کو یہ قرار دیا کہ وہ دو متضاد چیزوں کے لیے درست ہے، اور وہ کبھی بھی فعل کے ساتھ نہیں ہوتی، جبکہ قدریہ انحراف کرنے میں بڑھ کر ہیں، وہ منع کرتے ہیں کہ کسی حال میں بھی قدرت فعل کے ساتھ ہو، ان کا موقف یہ ہے: ضروری ہے کہ مؤثر اثر سے مقدم ہو وہ کسی حال میں بھی اس کے ساتھ نہیں ہوگا، قدرت، ارادہ اور امر اس میں برابر ہیں۔

اور درست وہ ہے جس پر کتاب وسنت کی دلالت ہے یہ کہ استطاعت فعل پر مقدم ہے اور اس کے ساتھ بھی ہے، اور اس کے ساتھ دوسری استطاعت بھی ہے جو اس کے علاوہ کسی اور کے لیے درست نہیں، پس استطاعت کی دو قسمیں ہیں: دو مخالف چیزوں کے لیے صحیح ہو اور ان سے پہلے ہو، اور موازنہ صرف فعل کے ساتھ ہی ہوتا ہے، پس وہ فعل کے لیے درست اور جائز قرار دینے والی ہے، اور یہی فعل کو لازم قرار دینے والی ہے، اس سے فعل ثابت ہوتا ہے......'' [1]

۸:...... اشاعرہ اور غضب ورضا کی انتقام اور ارادے سے تاویل:

امام طحاوی رحمہ اللہ نے ''اپنے عقیدے'' فقرہ (۹۲) میں فرمایا:

''اللہ ناراض ہوتا ہے اور راضی ہوتا ہے، لیکن مخلوق میں سے کسی کی طرح نہیں۔''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "طحاویۃ" (ص ۸۱) پر اپنے تبصرے میں فرمایا:

اس میں اشاعرہ وغیرہ میں سے تاویل کرنے والوں اور صفات کو معطل ماننے والوں کی تردید ہے، جو کہتے ہیں کہ غضب [2] اور رضا سے نیکی کا ارادہ مراد ہے! کاش مجھے معلوم ہوتا ان کے صفت ارادہ کو تسلیم کرنے اور دو مذکورہ صفتوں کی تاویل کے ذریعے انکار کرنے کے درمیان کیا فرق ہے، اور وہ بھی بندے کو اس سے متصف قرار دینے میں ان دونوں کے مثل ہے؟ انہوں نے ان دونوں کے بارے میں ایسے کیوں نہ کہا جیسے انہوں نے اللہ کے ارادے کے بارے میں کہا: یہ اس ارادے کے مخالف ہے جس سے بندے کو متصف کیا جاتا ہے، اگرچہ ان دونوں میں سے ہر ایک وہ حقیقت ہے جو اس کے موصوف کے مناسب ہے، اس بارے میں شارح رحمہ اللہ نے مفصل بیان کیا ہے اس کا مطالعہ کریں۔ [3]

۲......جہمیہ

ا:......جہمیہ اور اللہ تعالیٰ کے اپنے مخلوق پر علو کی نفی، ان کا ''این اللہ'' (اللہ کہاں ہے؟) والی روایت کو ضعیف قرار دینا، اور کئی اقسام کی بدعات اور ان کا رد:

ہمارے شیخ الالبانی نے "الصحیحة" (۷/ ۴۷۰-۴۷۶) میں فرمایا: جملہ بات یہ ہے کہ (اس مسئلے میں) پیش کردہ احادیث میں سب سے زیادہ حدیث وہ معاویہ [4] کی روایت ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر دور کے محدثین اور فقہاء نے کسی اختلاف کے بغیر اس کی تصحیح پر اتفاق کیا ہے، پانچ محدثین نے، جنھوں نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا، اسے صحیح قرار دیا ہے۔ جیسا کہ بیان ہوا، اسی طرح امام بیہقی نے "الاسماء" (۴۲۲) میں، امام بغوی نے ''شرح السنہ'' (۳/۲۳۹) میں، امام ذہبی نے جیسا کہ بیان ہوگا۔ اسے حافظ ابن حجر نے ''الفتح'' (۱۳/۳۵۹) میں روایت کیا۔ ان تمام ائمہ نے اس حدیث اور اس کی اسناد کی صحت کی صراحت کی ہے، نیز حدیث و فقہ اور تفسیر کے تمام ائمہ نے، جو حدیث سے دلیل لیتے ہیں، اپنی سند میں اختلاف پر ان (مذکورہ بالا) ائمہ سے اتفاق کیا ہے اور یہ وہ ائمہ ہیں جنھوں نے ابواب شریعت کے کسی باب میں اس سے دلیل لی ہے، ضروری ہے کہ صرف اسی روایت سے دلیل لی جائے جو صحیح ہو، جیسے امام مالک نے ''الموطا'' (۳/۵-۶) میں، امام شافعی نے

---

[1] شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے کلام کا باقی حصہ مذکورہ مصدر (ص: ۵۷-۵۸) میں دیکھئے۔

[2] وہ کہتے ہیں: غضب وغصہ سے مراد: جو اس کی نافرمانی کرنے والے پر اس کے انتقام سے ظاہر ہوتا ہے۔ دیکھیں: شرح النووی علی صحیح مسلم (۳/۶۸) اور اس کی ہماری کتاب: "الردود والتعقبات" ص (۱۲۳-۱۲۶) میں تردید ہے۔

[3] یعنی: ابن ابوالعز حنفی اور تفصیل دیکھنا چاہتے ہیں تو دیکھیں: مجموع فتاوی ابن تیمیة (۳/۱۷-۱۸، ۶/۱۱۹-۱۲۰)، مختصر صواعق المرسلة ۱/ ۲۳ ردّ الامام عثمان بن سعید الدارمی علی بشر المریسی (۲۰۰)، اقاویل الثقات (۷۰)، قطف الثمر (۶۸)

[4] یعنی معاویہ بن الحکم السلمی، اس حدیث کو مسلم اور دیگر نے روایت کیا ہے۔ اس کی تخریج الصحیحة (۷/ ۴۶۸-۴۶۹) رقم: ۳۱۶۱ کے تحت دیکھئے۔

"الأم" (۲٦٦/٥) میں، امام احمد نے "مسائل عبداللہ" (۳٦۳/۱۰۱) میں اور "مسائل صالح" (۳/ ٧٤/ ١٣٧٤) میں، امام طحاوی نے "شرح المعانی" (۲۵۸/۱) میں، ابن عبدالبر نے "الاستیعاب" میں، ابن الجوزی نے "دفع شبه التشبیه" میں، النووی نے "المجموع" میں اور ابن الوزیر نے "العواصم والقواصم" (۳۷۹/۱۔۳۸۰) میں روایت کیا اور ان کے علاوہ بہت ہی زیادہ ہیں جن کا شمار کرنا ممکن نہیں، اور ان میں بعض ایسے مبتدع بھی ہیں جو اہل السنہ سے اپنی عداوت کے حوالے سے مشہور ہیں، اور ان کے خلاف ردّ میں کئی ایک رسالے لکھے جا چکے ہیں، جیسے شیخ الصابونی، انہوں نے بھی اس حدیث سے دلیل لینے میں حافظ ابن کثیر کی متابعت کی ہے اور انہوں نے "ان کی مختصر" سے اسے دو جگہوں (۱/ ۴۲۱، ۵۲۳) میں ذکر کیا ہے، اس کے متعلق انہوں نے پابندی کی ہے کہ وہ اس میں صرف صحیح حدیث ہی لائیں گے۔

رہے اس دور کے اعلیٰ درجے کے بدعتی اور جہمی! تو ان میں سے بعض نے اس حدیث کو ضعیف قرار دینے کے حوالے سے اعلان کیا ہے اور انہوں نے آپ ﷺ کے فرمان: "أین الله" (اللہ کہاں ہے؟) اور اس لڑکی کے جواب "فی السماء" "آسمان پر" کے صحیح ہونے کا انکار کیا ہے، ان کے سربراہ شیخ الکوثری اور اس کے مقلدین ہیں. میں نے اپنی کتاب "مختصر العلو" (ص۸۲) میں اس کی تردید کی ہے، اب یہاں اس کے دہرانے کی ضرورت نہیں، اور جب تک اس کے ابوہریرہ، ابوجحیفہ اور ابن عباس سے گزشتہ شواہد جمع کرنا میرے لیے میسر نہ تھا اس سے پہلے صرف معاویہ کی اس روایت کی ہی تردید تھی۔ پھر میرے بعض بھائیوں نے "اسد الغابہ" اور "الاصابہ" میں ابن شاہین کی سند سے عکاشہ الغنوی کی روایت سے پانچویں حدیث پر مطلع کیا اور اس کی سند حسن ہے۔

پھر میں نے "تلخیص ابن حجر" (۳/ ۲۲۳) میں یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب سے مروی چھٹی حدیث دیکھی، وہ راوی ثقہ ہے جبکہ روایت مرسل ہے، امام ابو احمد العسال نے اسامہ بن زید کے طریق سے "السنة" میں روایت کیا ہے اور دو حدیثوں میں ہے: "أین الله؟" اس (لڑکی) نے کہا: "آسمان پر۔"

پس ان علمی حقائق، جن کے بلند پایہ علماء معترف ہیں، کے بہت بڑے منکرین کے بارے میں اس کے علاوہ کیا کہا جائے کہ ﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ (الحج: ٤٦) "بے شک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔" اور یہ کہ امت کی تفریق سے متعلق روایت کے بارے میں حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ میں آپ ﷺ کا فرمان ذکر کیا جائے:

"عنقریب میری امت میں کچھ ایسے لوگ ظاہر ہوں گے کہ خواہشات ان میں اس طرح سرایت کر جائیں گی جس طرح کتے کے دیوانے ہو جانے والی بیماری اس کے ساتھ والے کو بھی ہو جاتی ہے، اور وہ اس کی ہر رگ اور ہر جوڑ میں داخل ہو جاتی ہے۔" "صحیح الترغیب" (١/ ٩٧/ ٤٨)

ہم اللہ سے سلامتی اور عافیت طلب کرتے ہیں!

اسی انکار کرنے والے کی روش وطرز پر شیخ المغربی عبداللہ الغماری چلا جو سنت اور اس کے پیروکاروں سے اپنی شدید عداوت کی وجہ سے معروف ہے (جیسے الکوثری) اور وہ اس پر یہ اضافہ نقل کرتا ہے کہ وہ طریقہ درقاویہ کا شیخ ہے، اور وہ کہتا ہے کہ وہ عصر حاضر کا مجدد ہے! اس نے ''التمہید'' (۱۳۵/۷) اپنی تعلیق میں صحیح مسلم کی روایت پر ردّ کیا ہے، اس نے کہا: اس میں آپ ﷺ کا فرمان: "أین اللہ؟" ''اللہ کہاں ہے؟'' اور اس پر لڑکی نے جواب دیا: "فی السماء" ''آسمان پر۔'' یہ راویوں کے تصرف میں سے ہے! اس کا یہ رویہ اور زعم ان حفاظِ حدیث کی اس حدیث کی تصحیح، اس کی صحت کے لیے تاکیدی شواہد اور اس کے اور بعض الفاظ کے درمیان جو کہ اس کے زعم کے مطابق اس کے مخالف ہیں، جمع وتطبیق کے ممکن ہونے سے پہلو تہی کرتا ہے، وہ اور اس کا سلف الکوثری اور ان جیسے لوگ، ان احادیث صحیحہ کو، جنھیں امت (جیسے امام غزالی وہم عصر) کی طرف سے قبولیت کا درجہ ملا، کی تردید کرنے والے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں اس وعید کے زیادہ حق دار ہیں:

﴿وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا﴾ (النساء: ۱۱۵)

''جو شخص ہدایت واضح ہوجانے کے بعد رسول کی مخالفت کرتا ہے اور جو مومنوں کی راہ کی اتباع نہیں کرتا تو وہ جدھر پھرتا ہے ہم اسے ادھر ہی پھیر دیتے ہیں اور ہم اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔''

پھر گمراہی میں غرق اس منکر نے اصح اللفظ کے راویوں کو خطا اور روایت کو بالمعنی کا اتہام دینے کے بعد مزید اضافہ کرتے ہوئے کہا:

''اس کی تائید کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے حال سے معہود آپ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ ﷺ آدمی کے اسلام کا اس سے ان دو شہادتوں کے بارے میں سوال کرکے امتحان لیا کرتے تھے جو کہ دونوں اسلام کی اساس اور اس کی دلیل ہیں۔''

میں کہتا ہوں کہ یہ کئی وجوہ سے باطل ہے:

اوّل...... اس کا تواتر کے متعلق جو زعم ہے وہ محض دعویٰ ہے اس پر کوئی دلیل نہیں، اور جو اس طرح ہو، اسے پھینکنا اور اس میں مصروف نہ ہونا ضروری ہے۔

دوم...... بعض الفاظ جن پر اس نے صحیح ترین الفاظ کو خطا قرار دینے میں اعتماد کیا ہے، وہ اس کے زعم کو باطل قرار دیتے ہیں اور وہ الفاظ ہیں: "من ربك؟" ''تیرا رب کون ہے؟'' پس اس میں شہادتین سے امتحان وآزمائش

نہیں جیسا کہ اس نے کہا ہے۔ اگر یہ کہا جائے: یہ لفظ مذکور کی نفی نہیں کرتا! ہم نے کہا. اور اسی طرح وہ صحیح ترین الفاظ "أين الله؟" کی بھی نفی نہیں کرتا؟ جس طرح واضح خلاصے میں اس کا بیان گزرا، اسے یاد رکھنا چاہیے۔

سوم......: اس نے آخر میں کہا:

''رہا اللہ کا آسمان پر ہونا، تو دور جاہلیت میں یہ عربوں کا عقیدہ تھا، جبکہ وہ مشرک تھے، تو یہ اسلام کے خلاف کس طرح دلیل ہوسکتی ہے؟''

اس کے دانت ٹوٹ جائیں اور وہ صحیح طرح بول نہ سکے، اس نے اس طرح کہا! کیونکہ وہ جانتا ہے کہ دور جاہلیت کے لوگ اپنے شرک کے باوجود توحید ربوبیت پر ایمان رکھتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ (لقمٰن: ٢٥) ''اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کا خالق کون ہے؟ تو وہ کہیں گے اللہ۔'' اور اس طرح کی دیگر آیات۔ وہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے اس کا تلبیہ بھی پکارتے تھے، وہ کہتے تھے: "لَبَّيْكَ لا شَرِيْكَ لَكَ إِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ، تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ." (صحيح مسلم ٨/٤)

جب ان کی یہ توحید حق تھی اور جب ان کا یہ عقیدہ ہونا کہ اللہ آسمان پر ہے حق ہے، کیونکہ یہ قرآن کی دلیل کے مطابق ہے اور اس لڑکی نے بھی یہی جواب دیا تھا جس کے ایمان دار ہونے کی نبی ﷺ نے گواہی دی تھی، کیا یہ عقل مندی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا حق ہے، اور ہم اللہ کے آسمان پر ہونے پر اس لیے ایمان نہیں لاتے کیونکہ یہ مشرکوں کا عقیدہ تھا (کہ اللہ آسمان پر ہے)!! یہ بہت دور کی گمراہی ہے۔

ان جہمی بننے والوں کی اصل گمراہی یہ ہے کہ وہ معتزلہ اور جہمیہ سے متاثر ہیں جو کہ اللہ کے متعلق بہت سے غیبی امور اور اس کی صفات کے انکار کی وجہ سے واضح گمراہی کا شکار ہوگئے، اور اس کا نتیجہ دو امور ہیں:

۱: ان کا اللہ، اس کے رسول اور ان کی طرف سے آئی ہوئی شریعت پر کمزور ایمان۔

۲: ان کی عقلوں کی کمزوری اور نصوص کے متعلق ان کی کم فہمی اور یہ آپ کے سامنے واضح مثال ہے کہ وہ اس پر ایمان نہیں لاتے کہ اللہ آسمان پر ہے، حالانکہ اس بارے میں آیات کی صراحت ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ﴾ (الملك: ١٦)

''کیا تم اس سے جو آسمان پر ہے اس بات کا ڈر نہیں رکھتے کہ وہ تم کو زمین میں دھنسا دے پھر وہ اچانک لرزنے لگے۔''

اور اس لڑکی والی روایت کا صحیح ہونا، جس کے ایمان دار ہونے کی آپ ﷺ نے گواہی دی کیونکہ اس نے

اپنے رب کا اعتراف کیا کہ وہ آسمان پر ہے، اور اسی لیے انہوں نے اس کے صحیح ہونے کا جھٹ سے انکار کر دیا، رہی وہ مذکورہ آیت تو انہوں نے اپنی بیمار عقلوں کے ذریعے اس کی دلالت کو معطل قرار دیا، یہ اس لیے کہ انہوں نے کلی طور پر اپنے ذہنوں کی طرف جلد . کی کہ یہاں "فـي "ظرفیہ ہے، اور یہ واضح غلطی ہے، تو انہوں نے اس سے فرار حاصل کیا تو انہوں نے "مَن" کی فرشتوں سے تاویل کی، تو وہ ایک دوسری غلطی میں مبتلا ہو گئے، لہٰذا آپ ﷺ کا یہ فرمان: "ارْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ، يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ" ''جو زمین پر ہیں ان پر رحم کرو، جو آسمان پر ہے وہ تم پر رحم کرے گا۔'' ان کی راہ میں رکاوٹ بن گیا، پس یہ اس بارے میں صریح ہے کہ حدیث کے دونوں حصوں میں "فی" "علی" کے معنی میں ہے' اور جب بعض جاہل گمراہوں نے دیکھا کہ یہ ان کی تاویل مذکور ختم کر دے گا تو اس (جاہل گمراہ) نے اپنی مکمل ڈھٹائی اور جاہلیت کے ساتھ کہہ دیا کہ وہ حدیث باطل ہے۔ [1] اس میں اس نے تمام علماء حتیٰ کہ اپنے گمراہ شیوخ کی بھی مخالفت کی، جیسا کہ میں نے اسے "الـصـحـيـحـة" جلد دوم، طبع عمان رقم (۱۲) کے آخر میں بیان کیا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ آیت مذکورہ "أَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ" کا معنی ہے: یعنی جو آسمان پر ہے، یعنی: عرش کے اوپر، جیسا کہ ابن عبدالبر نے (۷/ ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۴) بیان کیا، اور جس طرح بیہقی نے "الاسـمـاء" (۳۷۷) میں بیان کیا: ''یعنی جو آسمان کے اوپر ہے۔''

اللہ تعالیٰ کے لیے علو و فوقیت کے اثبات پر دلالت کرنے والی قرآن و سنت کی تمام نصوص کو تسلیم کرنے والا شخص اس تفسیر کے علاوہ کوئی اور تفسیر نہیں کر سکتا اور یہ علو و فوقیت اسی طرح ہے جس طرح اس کی عظمت شان کے لائق ہے، جیسا کہ اس نے فرشتوں کے بارے میں فرمایا: ﴿يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ﴾ (النحل: ۵۰) ''وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں جو ان کے اوپر ہے۔'' اور اس کے علاوہ دیگر مشہور آیات اہل السنہ والجماعہ کا یہی عقیدہ ہے اور وہ معتزلہ اور جہمیہ کے اس عقیدے کہ اللہ ہر جگہ ہے اور وہ عرش پر نہیں ہے، کے خلاف ہیں۔

جیسا کہ "التمهيد" (۷/ ۱۲۹) میں ہے:

ان نفی کرنے والوں کا عجیب معاملہ ہے کہ وہ اپنی اس نفی سے اپنے رب کی تنزیہ مراد لیتے ہیں کہ وہ مخلوقات سے اوپر ہو، پس انہوں نے اسے اس کے اندر محصور کر دیا، جیسا کہ بشر المریسی سے روایت کیا گیا کہ جب اس نے کہا: وہ ہر جگہ ہے! اس سے پوچھا گیا: تمھاری اس ٹوپی میں بھی؟ اس نے کہا: ہاں، اس سے کہا گیا: گدھے کے پیٹ میں بھی؟ اس نے کہا: ہاں!

---

[1] دیکھیں: مقدمه المسمى حسن السقاف لكتاب "دفع شبه التشبيه" لابن الجوزى ص ۶۲، ۶۴. جسے الذہبی نے "السیر" (۲۱/ ۳۶۸) میں بڑے لطیف انداز میں دور کیا ہے، فرمایا: ''کاش کہ وہ تاویل میں الکل لگاتا نہ اپنے امام کی مخالفت کرتا۔'' (منہ)

اور یہ قول پر اس شخص کو لازم آتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے، ❶ اور رب العالمین الحکیم الحلیم کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے یہ سب سے باطل قول ہے، اسی لیے بعض سلف نے کہا ہے: ہم یہود و نصاریٰ کا کلام تو بیان کر سکتے ہیں لیکن جہمیہ کا کلام نقل کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔

بعض علمائے کلام پر اس قول کا بطلان واضح ہوا، تو وہ اس سے بھی زیادہ باطل قول کی طرف بھاگ نکلے، اور میں نے اسے بعض خطباء سے جمعہ کے دن منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا:

اللہ اوپر ہے نہ نیچے، دائیں ہے نہ بائیں، آگے ہے نہ پیچھے، جہان کے اندر ہے نہ اس سے باہر، بعض فلسفیوں نے یہ اضافہ کیا: اس سے متصل ہے نہ اس سے جدا!

اور یہ وہ تعطیل مطلق ہے جو کسی فصیح ترین شخص کے لیے ممکن نہیں کہ وہ عدم کو اس سے زیادہ متصف قرار دے جس سے انہوں نے اپنے رب کو متصف قرار دیا ہے، وہ جو کہتے ہیں اللہ اس سے بہت پاک و برتر ہے! اللہ اس عقلمند امیر پر رحم فرمائے جس نے جب بعض علمائے کلام سے یہ سنا تو فرمایا: ''یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے ربّ کو کھو بیٹھے۔''

اسی لیے بعض علماء نے کہا:

''مجسم صنم کو پوجتا ہے، جبکہ معطل عدم کی پوجا کرتا ہے، مجسم کو رات کے وقت نظر نہیں آتا، جبکہ معطل نابینا ہے......'' ❷

۲:......جہمیہ اور صفاتِ باری تعالیٰ کے حقائق کا انکار: ❸

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''مختصر العلو'' (ص ۲۸) میں شیخ ابن عبدالبر کا قول نقل کیا، انہوں نے فرمایا:

''ابن عبدالبر نے فرمایا: اہل السنہ کتاب و سنت میں آنے والی صفات کے اقرار اور انہیں حقیقت پر، نہ کہ مجاز پر، محمول کرنے پر متفق ہیں، البتہ انہوں نے اس میں سے کسی چیز کی کیفیت و حالت مقرر نہیں کی، رہے جہمیہ، معتزلہ اور خوارج تو وہ سب ان (حقائق صفات باری) کا انکار کرتے ہیں، وہ ان میں سے کسی چیز کو حقیقت پر محمول نہیں کرتے، اور وہ کہتے ہیں جس نے ان کا اقرار و اثبات کیا وہ مشبہہ ہے، اور وہ ان کے اقرار کرنے والے کو معبود کی نفی کرنے والا تصور کرتے ہیں۔''

---

❶ دیکھئے: مختصر العلو (۵۲، ۵۳) کا مقدمہ، صحیح الادب المفرد (ص: ۲۸۲، رقم: ۵۸۰/ ۷۵۳) ط: مکتبة الدلیل، اور بدعت: اللہ ہر جگہ ہے۔

❷ اس لیے اس قول کا بدعت ہونا کہ اللہ اوپر ہے نہ نیچے، دائیں ہے نہ بائیں......اور یہ بدعت کہ استواء کا معنی استیلاء ہے۔

❸ الصحیحة (۱/۱۲، ۱۸۷)، ط: المعارف. میں صفات باری عزوجل کے حقائق سے انکار کے متعلق سقاف اور ابن حزم کے عقیدے کے متعلق دیکھیں۔

۳:......جہمیہ اور خروج دجال، نزول مسیح عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے اسے قتل کرنے کا انکار، نیز صحیح احادیث کا ردّ کرنا اور ان کی تاویل کرنا:

''قصہ مسیح دجال'' (ص۱۲)

۴......خوارج

۱:......خوارج اور سر کے بال منڈوانا:

سر منڈوانا اہل بدعت کے شعار اور علامات میں سے ہے، کیونکہ خوارج اپنے سروں کو مونڈا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا: ''سِیمَاهُمُ التَّحْلِيقُ'' ''سر منڈوانا ان کی علامت ہے'' جیسا کہ بعض خوارج سر مونڈنے کو توبہ وقربانی کا مکمل ہونا شمار کیا کرتے تھے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "مسائل وأجوبتها" میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ''مجلۃ الأصالۃ'' (ص۵۶، شمارہ ۱۲، پندرہ صفر ۱۴۱۵ھ) میں یہی بات کہی ہے۔

۲:......حروری، خوارج ہیں:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''مختصر صحیح مسلم'' (رقم:۱۸۰) پر اپنی تعلیق میں فرمایا: حروریہ خوارج کا ایک گروہ ہے، وہ حائضہ پر واجب قرار دیتے ہیں کہ جب وہ حیض سے پاک ہوجائے تو وہ ایام حیض میں فوت ہوجانے والی نمازوں کی قضا کرے۔

خوارج کے نزدیک براءت کا معنی:

الامام ابوعبید القاسم بن سلام رحمہ اللہ نے سلمہ بن کہیل کی سند سے ''الایمان'' (۲۲) میں فرمایا:

ضحاک، میسرہ اور ابوالبختری اکٹھے ہوئے، تو ان کا اجماع ہے کہ شہادت بدعت ہے، امید بدعت ہے اور براءت بدعت ہے۔ [1]

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''الایمان'' (ص۳۴) کے حاشیے میں اس اثر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

براءت خوارج کی بدعات میں سے ہے، جنھوں نے علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی اور ان سے براءت کا اعلان کیا، پھر براءت ان کے لیے مذہب بن گئی، وہ ان کی پہچان بن گئی، حتیٰ کہ وہ ہر اس شخص سے براءت کا اعلان کردیتے جو کہ مخالف ہوتا، خواہ ایک ہی مسئلے میں ہوتا۔ اس کی تفسیر "مقالات الاسلامیین" لأبی الحسن الاشعری (۱/ ۱۵۶-۱۹۶) میں دیکھیں۔

۳:......وقت گزرنے کے ساتھ حکام کے خلاف بغاوت خوارج کی نمایاں علامت اور دین ہے، ان کا

---

[1] ہمارے شیخ نے مصدر مذکور میں اس کی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے۔

رد اور ہمارے شیخ امام علامہ البانی طیب اللہ ثراہ کی تربیت وتصفیہ کے منہج کے طریق سے برتاؤ کرنے کے متعلق سنہری نصیحت:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحيحة" (۷/ ۱۲٤٠-۱۲٤۳) پر حدیث رقم (۳۴۱۸) ❶ کے تحت فرمایا:

پھر یہ کہ اس حدیث میں بہت سے فوائد اور فقہی مسائل ہیں، علماء نے اپنی شروحات میں ان پر بات کی ہے، ان میں سے خاص طور پر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے "فتح الباری" میں بیان فرمایا ہے: اس میں سے جو مجھے بیان کرنا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں ان خوارج پر صریح رد ہے جنھوں نے امیر المومنین علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی، وہ کسی شک وشبہ کے بغیر جانتے تھے کہ انہوں نے ان سے کفر بواح (واضح کفر) کی کوئی چیز نہیں دیکھی، اس کے باوجود انہوں نے ان (علی رضی اللہ عنہ) کو اور ان کے ساتھ والے صحابہ کرام اور تابعین کو قتل کرنا اور ان کا خون بہانا جائز قرار دیا، تو علی رضی اللہ عنہ ان کے قتل کرنے اور ان کی بیخ کنی کرنے پر مجبور ہوگئے، پس ان میں سے تھوڑے ہی بچے، پھر انہوں نے علی رضی اللہ عنہ سے غداری کی جیسا کہ وہ تاریخ میں معروف ہے۔

مقصود یہ ہے کہ انہوں نے اسلام میں ایک برے طریقے کو جاری کیا اور انہوں نے ہر دور میں مسلمانوں کے حکام کے خلاف بغاوت کو دین قرار دیا، بہت سی احادیث میں ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈرانے کے باوجود، ان میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "اَلْخَوَارِجُ كِلَابُ النَّارِ" ❷ "خوارج جہنم کے کتے ہیں۔"

اور اس کے خلاف کہ انہوں نے ان میں سے صریح کفر نہ دیکھا، بلکہ اس سے کم تر ظلم و فجور اور فسق میں سے بھی کچھ نہ دیکھا۔

اور آج تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔ نوجوان مسلمانوں کی نئی نسل جو آئی ہے' انہوں نے دین میں بہت ہی کم سمجھ بوجھ حاصل کی' اور انہوں نے دیکھا کہ حکام اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق بہت ہی کم فیصلے کرتے ہیں تو انہوں نے اہل علم وفقہ اور دانا لوگوں سے مشورہ کیے بغیر ان (حکام) کے خلاف بغاوت کرنا درست جانا، بلکہ وہ ان کے سروں پر سوار ہوگئے اور انہوں نے اندھے فتنے کو ابھارا، انہوں مصر، شام اور الجزائر میں خون ریزی کی اور اس سے پہلے حرم مکی کا فتنہ، انہوں نے اس طرح اس صحیح حدیث کی مخالفت کی جس پر خوارج کے علاوہ سلف وخلف مسلمانوں کا عمل رہا ہے۔

جبکہ غالب ظن یہی ہے کہ ان نوجوانوں میں جو مخلص ہے اور اللہ کی رضامندی چاہتا ہے لیکن اس کے لیے

---

❶ اس کی نص یہ ہے: بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ "ہم نے تنگ دستی وخوش حالی اور پسند و ناپسند میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع و اطاعت پر بیعت کی۔"

❷ یہ المشكاة (۳۵۵٤) اور "الروض النضير" (۹۰٦ اور ۹۰۸) میں منقول ہے۔ (منہ)

معاملہ مشتبہ ہوگیا یا اس سے دھوکا کیا گیا، تو میں انھیں ایک نصیحت اور یاد دہانی کرانا چاہتا ہوں، جس کے ذریعے انھیں اپنی غلطی معلوم ہوگی اور شاید کہ وہ ہدایت پا جائیں۔

میں کہتا ہوں: یہ معلوم ہے کہ مسلمان کو احکام میں سے جو بھی حکم دیا گیا ہے وہ استطاعت پر موقوف و منحصر ہے، حتیٰ کہ جو ارکان اسلام میں سے ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ (آل عمران: ۹۷)

''لوگوں پر اللہ کی خاطر بیت اللہ کا حج کرنا اس شخص پر فرض کیا گیا ہے جو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔''

یہ تو بالکل واضح ہے اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ جو چیز تفصیل طلب ہے، وہ دو حقیقتوں کا تذکرہ ہے:

۱: اللہ کے دشمنوں سے قتال (خواہ وہ کسی بھی نوع کا ہو) اس میں اللہ کے احکام کے لیے سر تسلیم خم کر دینے اور ان کی اتباع کرنے کے لیے نفس کو تربیت کی ضرورت ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي طَاعَةِ اللّٰهِ .)) [1]

''مجاہد وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اللہ کی اطاعت پر تیار کیا۔''

۲: یہ مادی اور جنگی اسلحہ کی تیاری کا تقاضا کرتا ہے، جو اللہ کے دشمنوں کو ہلاک کرتا ہے، اللہ نے اس کے متعلق امیر المومنین کو حکم دیا تو فرمایا:

﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ﴾ (الانفال: ٦٠)

''ان کے لیے جس قدر ہو سکے قوت اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو، اس کے ذریعے تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو ڈراتے ہو۔''

اور استطاعت کے ہوتے ہوئے اس سے کوتاہی کرنا منافقوں کی علامت ہے، اسی لیے رب العالمین نے ان کے بارے میں فرمایا:

﴿وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً﴾ (التوبة: ٤٦)

''اور اگر وہ (جہاد کے لیے) نکلنے کا ارادہ رکھتے تو وہ اس کے لیے تیاری کرتے۔''

اور میں پختہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ یہ مادی تیاری مومنوں کی جماعت آج اپنے حکام کی طرف سے علم کے بغیر اس کا اہتمام و ادائیگی نہیں کر سکتی (جیسا کہ معلوم ہے) اور یہ اس کی ذمہ داری ہے، لہٰذا کسی جماعت کی طرف سے

---

[1] "الصحيحة" (٥٤٩). (منه)

اللہ کے دشمنوں سے قتال قبل از وقت نہیں ہوتا، جیسا کہ مکی دور کا معاملہ ہے، اسی لیے ان کو صرف مدنی دور میں ہی اس کا حکم دیا گیا اور درج ذیل نص ربانی کا یہی مقتضی ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة: ٢٨٧)

''اللہ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ دار نہیں ٹھہراتا۔''

اسی طرح میں جہاد کے لیے جوش دلانے والے نوجوانوں اور بندرں کے رب کے لیے حقیقی وفادار اور سچے حضرات کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اصلاح داخل کی طرف توجہ کریں اور خارج کے متعلق اہتمام کو مؤخر کردیں اس میں کوئی حیلہ نہیں اور یہ تحقیق د اثبات کے لیے جہد مسلسل اور طویل دورانیے کا مطالبہ کرتا ہے، میں اسے اصلاح و تربیت کا نام دیتا ہوں اور اس کام کا علمائے مصلحین، تربیت کرنے والوں، متقی حضرات کو بیڑہ اٹھانا چاہیے، وہ اس کام کو سرانجام دے سکتے ہیں، اس دور میں ان کی کمی نہیں اور خاص طور پر ان جماعتوں میں جو حکام کے خلاف بغاوت کرتی ہیں۔

ان میں سے بعض اس اصلاح وتربیت کی ضرورت کا انکار کرتے ہیں، جیسا کہ وہ بعض اسلامی جماعتوں میں واقع ہے، اور ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ اس کا دور ختم ہو چکا، انہوں نے سیاسی عمل یا جہاد کی طرف میلان کرلیا، اور اصلاح وتربیت کے اہتمام سے اعراض کیا، اور وہ سب اس بارے میں وہم کا شکار ہیں، پس اصلاح وتربیت کے واجب سے کوتاہی کرنے اور تقلید و مغالطے کی طرف مائل ہونے کے باعث ان سب سے شریعت کی کتنی مخالفت ہوئی، جس کے ذریعے وہ اللہ کی حرام کردہ کئی چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں اور یہ وہ مثال ہے: حکام کے خلاف بغاوت، خواہ ان سے صریح کفر صادر نہ ہو۔

آخر پر میں کہوں گا: ہم اس سے انکار نہیں کرتے کہ بعض ایسے حکام ہوتے ہیں جن کے خلاف بغاوت کرنا واجب ہوجاتا ہے، جیسا کہ وہ جو رمضان کے روزے اور عید الاضحیٰ کے دن قربانیاں کرنے اور اس کے علاوہ وہ امور جو دین سے بالضرور معلوم ہیں ان کا انکار کرے، پس ایسے لوگوں سے حدیث کی نص کے مطابق قتال کرنا واجب ہے، لیکن استطاعت کی شرط کے ساتھ جیسا کہ بیان ہوا۔

لیکن مقدس سرزمین پر جبراً قبضہ کرنے والے اور مسلمانوں کا خون بہانے والے یہودیوں سے جہاد کرنا اس طرح کے حاکم سے قتال کرنے سے کئی لحاظ سے زیادہ واجب ہے، اب ان کے بیان کرنے کا موقع نہیں، ان میں سے زیادہ اہم یہ ہے کہ اس حاکم کے فوجی ہمارے مسلمان بھائی ہیں، ان میں سے زیادہ تر (یا ان میں سے زیادہ سے کچھ) اس (حاکم) سے راضی نہیں، پس جوش دلانے والے یہ نوجوان بعض مسلمان حکام سے لڑنے کے بجائے یہودیوں سے کیوں نہیں جہاد کرتے؟ میرا خیال ہے کہ ان کا جواب سابقہ وضاحت کے مطابق عدم استطاعت ہوگا،

وہی جواب ہمارا جواب ہے، حقیقت حال اس کی تاکید کرتی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کا خروج بے کار خون ریزی کے علاوہ کچھ اور مقصد کے لیے نہیں ہوگا اور مثال (انتہائی افسوس کے ساتھ) جزائر کا واقعہ سامنے موجود رہنا چاہیے، کوئی نصیحت قبول کرنے والا ہے؟!

طحاوی نے ''اپنے عقیدے'' فقرہ (۵۷) میں فرمایا:

''ہم اہل قبلہ میں سے کسی شخص کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر قرار نہیں دیں گے، جب تک وہ اسے حلال و جائز نہ جانے۔''

ہمارے شیخ نے ''عقیدہ طحاویہ'' (ص۶۰۔۶۱) پر اپنی تعلیق میں فرمایا:

میں نے کہا: یعنی دلی اور اعتقادی طور پر حلال جاننا، ورنہ ہر گناہ گار عملی طور پر اپنے گناہ کو جائز سمجھتا ہے، یعنی وہ اس کا ارتکاب کرتا ہے، اس لیے اعتقادی طور پر (گناہ کو) جائز قرار دینے والے کے درمیان اور عملی طور پر جائز قرار دینے والے کے درمیان نہ کہ اعتقادی طور پر، فرق کرنا ضروری ہے، اعتقادی طور پر جائز قرار دینے والا بالاجماع کافر ہے، جبکہ عملی طور پر (گناہ کو) جائز قرار دینے والا گناہ گار اس (گناہ) کے عذاب کا مستحق ہے، مگر یہ کہ اللہ اسے بخش دے، پھر اس کا ایمان اسے بچالے۔ جبکہ خوارج و معتزلہ کا عقیدہ اس کے خلاف ہے وہ اس (گناہ گار) کے خلاف دائمی جہنمی ہونے کا حکم لگاتے ہیں، اگرچہ انہوں نے اسے کافر یا منافق کا نام دینے میں اختلاف کیا ہے، ایک نئی نسل پیدا ہوئی ہے وہ جمہور مسلمانوں کو خواہ وہ حکمران ہوں یا رعایا کافر قرار دینے میں ان کے پیروکار ہیں، ان میں سے کچھ جماعتیں شام اور مکہ وغیرہ میں جمع ہیں، انھیں خوارج کے شبہات کی طرح شبہات ہیں، جیسے وہ نصوص جن میں ہے: جس نے یہ کیا تو اس نے کفر کیا، شارح رحمہ اللہ نے ان میں سے ایک گروہ کا یہاں بیان کیا ہے، اور انہوں نے اہل السنہ کا یہ موقف نقل کیا ہے، کہ ایمان قول و عمل ہے، وہ بڑھتا اور کم ہوتا ہے، بے شک کوئی بھی گناہ ہو، وہ کفر عملی ہے نہ کہ اعتقادی، اور ان کے نزدیک کفر کے بھی مراتب ہیں: کفر سے کم درجہ کا کفر، جیسا کہ ان کے نزدیک ایمان ہے، پھر انہوں نے اس پر ایک اہم مثال بیان کی ہے وہ نئی نسل جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ اس کو سمجھنے سے غافل رہی، انہوں نے (ص۳۶۳) پر فرمایا:

یہاں ایک معاملہ ہے اسے سمجھنا واجب ہے، اور وہ ہے: یہ کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے بغیر فیصلہ کرنا بسا اوقات ایسا کفر ہوتا ہے جو ملت (دین) سے خارج کر دیتا ہے اور کبھی معصیت ہوتا ہے، کبیرہ یا صغیرہ، اور کبھی کفر ہوتا ہے: مجازی طور پر یا کفر اصغر، دونوں مذکورہ اقوال کے مطابق، اور یہ حاکم (فیصلہ کرنے والے) کے حال کے حساب سے ہے، کیونکہ اگر وہ عقیدہ رکھے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا واجب نہیں اور یہ کہ اسے اس میں اختیار ہے یا وہ اس کا مذاق اڑاتا ہے حالانکہ اسے یقین ہے کہ وہ اللہ کا حکم ہے، یہ سب سے بڑا کفر

ہے، اور اگر وہ اعتقاد رکھے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہے اور اس واقعہ میں اس کو علم ہے اور وہ اس اعتراف کے ساتھ اس سے انحراف کرتا ہے کہ وہ عقوبت و سزا کا مستحق ہے تو ایسا حاکم گناہ گار ہے، اسے مجازی طور پر کافر کہا جائے گا یا کفر اصغر کا مرتکب کہا جائے گا، اور اگر وہ اسی بارے میں اللہ کے حکم سے لاعلم رہا حالانکہ اس نے حکم کی معرفت حاصل کرنے کے بارے میں حتی الامکان اپنی پوری کوشش کی اور اس کے باوجود اس سے غلطی ہوگئی تو یہ شخص (حاکم) غلطی پر ہے، اس کے لیے اس کے اجتہاد پر اجر ہے اور اس کی خطا معاف ہے۔

امام طحاوی نے ''اپنے عقیدے'' فقرہ (۶۱) میں یہ بھی کہا ہے:

''بندہ ایمان سے صرف اس چیز کے انکار کرنے سے خارج ہوتا ہے جس نے اسے اس میں داخل کیا تھا۔''

ہمارے شیخ نے "العقيدة الطحاوية" (ص۶۲) پر اپنی تعلیق میں فرمایا: شارح ❶ نے فرمایا:

''شیخ خوارج اور معتزلہ کے ان کے اس قول کہ کبیرہ گناہ کرنے والا ایمان سے خارج ہو جاتا ہے، کے ردّ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔''

میں نے کہا: ان جیسے آج تمام اسلامی ملکوں کے مسلمانوں پر بلا استثناء کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں، اور وہ بالکل اسی طرح جس طرح خوارج نے ان سے پہلے کیا کہ وہ اپنے پیروکاروں پر واجب ٹھہراتے ہیں کہ وہ ان سے الگ رہیں اور ان سے جدا ہو جائیں، اللہ ان کو ہدایت نصیب فرمائے، اور ان حد سے بڑھ جانے والوں کو معاف فرمائے جو اس خطرناک انحراف کا باعث تھے۔

۴:......خوارج اور خروج دجال و نزول مسیح عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے اسے قتل کرنے کا انکار اور صحیح احادیث کا ردّ اور ان کی تاویل:

''قصہ مسیح دجال'' (ص۱۲)۔

۵:......خوارج کبیرہ گناہ کرنے والوں کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ دائمی جہنمی ہیں اور وہ ان کے کافر ہونے کی تصریح کرتے ہیں:

"الصحيحة" (۷/ ۱۳۷)، "عقيده طحاوية" (۶۰، ۶۲) پر ان کی تعلیق۔

(ہمارے شیخ نے "الصحيحة" (۶/ ۱۲۶۸) میں حدیث رقم (۲۹۹۹) ❷ کے تحت فرمایا:

---

❶ یعنی: ابن ابی العز الحنفی شارح "الطحاویہ"۔

❷ وہ حدیث اس طرح ہے: ''جس نے اس میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کیا اور اس کی اسے دنیا میں سزا مل گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جس نے اس میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کیا اور اللہ نے اس کی ستر پوشی کی تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے وہ چاہے تو اسے سزا دے اور اگر چاہے تو اسے بخش دے۔''

حدیث میں جیسا کہ علماء نے فرمایا ان خوارج پر رد ہے جو گناہوں کی وجہ سے تکفیر کرتے ہیں اور معتزلہ پر ردّ ہے جو توبہ کیے بغیر فوت ہو جانے والے فاسق کی تعذیب کو واجب قرار دیتے ہیں، کیونکہ نبی ﷺ نے خبر دی کہ وہ (اللہ تعالیٰ کی) مشیت کے تحت ہے، آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ ضرور اسے عذاب دے گا۔

میں نے کہا: اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النساء: ٤٨)

''بے شک اللہ یہ معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور وہ اس کے علاوہ جسے چاہتا ہے معاف فرما دیتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے شرک اور اس کے علاوہ گناہوں میں فرق کیا ہے، اس نے بتایا کہ وہ شرک کو معاف نہیں کرے گا، اور یہ کہ اس کے علاوہ جو گناہ ہیں وہ اس کی مشیت کے تحت ہیں، اگر وہ چاہے تو اسے عذاب دے اور اگر چاہے تو اسے معاف کر دے، اور یہ ضروری ہے کہ جس نے اس آیت اور اس حدیث کو توبہ نہ کرنے والے پر محمول کیا ہے، ورنہ شرک سے توبہ کرنے والے کی بخشش ہو جاتی ہے تو اس کے علاوہ تو بدرجہ اولیٰ قابل معافی ہے، اس آیت نے ان دونوں کے درمیان فرق کیا۔ اسی سے میں نے دور حاضر میں ابھرنے والی نئی نسل کے خلاف دلیل لی، وہ کبھی تو کبیرہ گناہوں کی وجہ سے مسلمانوں کو کافر تصور کرتے ہیں اور کبھی یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی مشیت کے تحت نہیں، اس لیے کہ وہ صرف توبہ کے ذریعے ہی معاف ہوں گے، انہوں نے اس (کبیرہ گناہ) کو اور شرک کو برابر قرار دیا اور کتاب و سنت کی مخالفت کی، جب میں نے کئی اوقات میں، بلکہ کئی مجلسوں میں اس کے ذریعے ان کے خلاف حجت قائم کی تو ان میں سے بعض نے درست موقف کی طرف رجوع کر لیا، اور وہ بہترین سلفی نوجوانوں میں شمار ہونے لگے، اللہ تعالیٰ باقیوں کو بھی ہدایت نصیب فرمائے

٦:...... اباضیہ اور ان کا کہنا کہ اللہ ہر جگہ ہے.

"الصحيحة" (٢/ ٨، ٧/ ٤٧٧).

٧:...... اباضیہ اور مومنوں کو قیامت کے دن اپنے رب کا دیدار، کا انکار:

ہمارے شیخ نے "الصحيحة" (٧/ ١٥٦) میں حدیث رقم (٣٠٥٦) [1] کے تحت فرمایا:

اور اس میں معتزلہ اور اباضیہ کا جو کہ اس عظیم نعمت: ''قیامت کے دن مومنوں کو اپنے رب کا دیدار ہوگا'' کا انکار کرتے ہیں اور اس کو ثابت کرنے والوں کا، جو کہ اس کی علم کے معنی میں تاویل کرتے ہیں، ردّ ہے۔ دیکھیں: "الفتح".

---

[1] حدیث یہ ہے: ''کس چیز نے تمہاری آنکھوں کو مجھ سے ہٹا دیا؟ انہوں نے عرض کیا: ہم نے چاند کی طرف دیکھا، آپ نے فرمایا: جب تم اللہ کو سامنے دیکھو گے تو اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہوگی؟''

۸:......خوارج نبی ﷺ کے اصحاب اور بالخصوص ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرتے ہیں:

"الصحیحة" (۸۲۹/۷).

۹:......خوارج اور موزوں پر مسح کرنا:

"الصحیحة" (۱۰۵۹/۱)

ہمارے شیخ نے "الصحیحة" (۶/ ۱۰۵۹۔۱۰۶۱) میں حدیث رقم (۲۹۴۰) [1] کے تحت فرمایا:

جان لیجیے کہ موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں جو احادیث ہیں وہ متواتر ہیں، جس کی حدیث وسنت کے کئی ائمہ کرام نے صراحت کی ہے، اور اس پر صحابہ اور سلف کے عمل کے متعلق بہت زیادہ مشہور آثار ہیں، اور ان میں سے بعض کی طرف سے جو انکار مروی ہے، وہ ان تک ان احادیث کے پہنچنے سے پہلے تھا، جیسا کہ بہت سے فقہی مسائل کی حالت ہے، اس لیے جب ان تک وہ احادیث و آثار پہنچے، تو انہوں نے اس قول اور اس پر عمل سے رجوع کر لیا، اور یہ آیت وضو میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ میں قراءت جر (زیر) کے مطابق ہے، لہٰذا بعض اسلامی فرقوں کا اس سنت کے انکار پر باقی رہنا جیسے رافضی اور خارجی ہیں اور ان میں سے اباضیہ [2] ہیں، اس چیز کو مؤکد بتاتا ہے کہ وہ گمراہ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اس فرمان ﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۚ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ (النساء: ۱۱۵) ''جو رسول کی، اس کے بعد کہ اسے ہدایت واضح ہوگئی، مخالفت کرتا ہے اور وہ مومنوں کی راہ اختیار نہیں کرتا تو ہم اسے ادھر ہی پھیر دیتے ہیں جدھر وہ پھرتا ہے اور ہم اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔'' کے ذریعے وعید سنائی ہے۔

اور اگر تعجب و حیرت ہے تو وہ تعجب شیخ عبداللہ بن حمید سالمی اباضی سے ہے کہ وہ ان لوگوں کے رسول ﷺ کی مخالفت اور مومنوں کے علاوہ غیروں کی راہ پر چلنے کے اصرار پر مصر ہے، اور وہ اس میں روایت و درایت کے حوالے سے کمزور آثار پر قائم ہے، جسے ان کے مزعوم امام ربیع بن حبیب نے اپنی طرف منسوب ''المسند'' (۱/ ۳۵۔۳۶) میں ذکر کیا ہے، اور ان کا مدار اس کے شیخ ابوعبیدہ پر ہے، وہ اس کے نزدیک مجہول ہے، اور وہ ضبط و

---

[1] روایت یہ ہے: ''اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔'' یعنی: موزوں پر مسح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

[2] ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "التعلیقات الحسان" (۳/ ۳۴) میں فرمایا:

''پس دور کی گمراہی میں سے ہے: روافض و خوارج کا (اباضیہ ان میں سے ہیں) موزوں پر مسح کرنے کا انکار کرنا، جیسا کہ اس کے متعلق نبی ﷺ سے تواتر سے احادیث، اور آثار سلف ہیں۔ اور رہی "مسند الربیع" (ص ۳۵۔۳۶) کی روایت جو اس کے مخالف موقف کے آثار میں سے ہے تو اس کا مدار اس کے شیخ ابوعبیدہ پر ہے اور وہ مجہول ہے، وہ نافیہ بھی ہے! اور سنت کے مخالف بھی۔ جبکہ ہمارے آثار مثبت اور سنت کے مطابق ہیں۔''

حفظ اور اتقان کے حوالے سے روایت میں ان کے نزدیک غیر موزوں ہے! پھر وہ اسی کی شرح (۱/۱۷۷۔۱۷۹) میں ان صحیح متواتر احادیث اور بہت سے ثابت ومشہور آثار سے اعراض کرتا ہے، اور وہ اپنی اباضیت کے تعصب کے طور پر جنبش قلم سے انہیں ضعیف قرار دیتا ہے، وہ کہتا ہے:

''میں نے جان لیا کہ اس بارے میں سنت ثابت نہیں!''

اس نے جو کہا ہے وہ اس میں دو وجہ سے سچا نہیں:

۱: اس نے تواتر کا انکار کیا ہے، پس اس جیسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ﴾ (النمل: ١٤) ''اور انہوں نے اس سے انکار کیا حالانکہ ان کے دل اسے مان چکے تھے۔'' صادق آتا ہے۔

۲: اس کا یہ کہنا: ''میں نے جان لیا......'' دعویٰ کی صحت کی معرفت تو دلیل و برہان ہی پیش کرنے سے ہوتی ہے جیسا کہ وہ بدیہی طور پر ذہنوں میں قائم ہے، اور اس نے اس میں سے کچھ بھی نہیں کیا محض دعویٰ کیا ہے، اور یہ ان کے اس عالم کی حالت ہے جس کے متعلق بعض مصنفین کا خیال ہے کہ وہ معتدل ہے متعصب نہیں، گمراہوں کو ان متواتر اخبار کو جن کا اہل حدیث نے خوب اہتمام کیا ہے رد کرنے تک تعصب ہی نے تو پہنچایا ہے اور ایسا اہتمام اور توجہ ان گمراہوں کی طرف سے نہیں ہوئی اور وہ اپنے مذہب کی صحت و درستی پر دلیل قائم کرنے سے عاجز ہیں جس (مذہب) میں وہ اہل السنہ اور اہل الحدیث سے الگ ہو گئے۔

فَهٰذَا الْحَقُّ لَيْسَ بِهِ خِفَاءٌ
فَدَعْنِي مِنْ بُنَيَّاتِ الطَّرِيْقِ

''یہ حق ہے، مجھے اس میں کوئی التباس نہیں۔ پس مجھے چھوٹے چھوٹے راستوں سے چھوڑ دو۔''

اس سے پہلے کہ میں قلم تھاموں اور کہوں:

السالمی شخص کی عادت ہے کہ وہ اپنی بے سوچی سمجھی باتوں پر اپنا کلام بیان کرتا ہے جس کے ذریعے وہ اپنے مذہب اور اپنی خواہشات کی تائید کرتا ہے، ان میں سے یہ ہے کہ اس نے بعض علمائے اہل السنہ کو جو کہ ظاہری ہیں شیعہ اور خوارج کے ساتھ ملا دیا ہے، اس نے (ص ۱۷۸ پر) مذکورین پر عطف کے طور پر کہا:

''اور ابوبکر بن داود الظاہری۔''

میں کہتا ہوں: یہ ابوبکر، محمد بن داود بن علی الظاہری ہیں، امام الذہبی نے ''السیر'' (۱۳/۱۰۹) میں ان کے حالات زندگی ذکر کیے ہیں:

''انہوں نے اپنے والد، اور عباس الدوری سے حدیث بیان کی...... وہ حدیث اور اقوال صحابہ کے

متعلق بصیرت کامل رکھتے ہیں، وہ مجتہد تھے اور کسی کے مقلد نہیں تھے۔''

میں کہتا ہوں: ان جیسے شخص سے یہ بہت ہی دور ہے کہ وہ حدیث اور صحابہ کرام کی مخالفت کریں اور موزوں پر مسح کرنے کی سنت کا انکار کرنے میں خوارج سے موافقت کریں، خاص طور پر جبکہ انہوں نے اپنے والد داود سے فقہ حاصل کی، اور یہ موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں فقہ وحدیث کے ائمہ کے ساتھ ہیں [1] جیسا کہ امام ابن حزم نے "المحلی" (۸۹/۲) میں یہ ذکر کیا ہے، پس السالمی وہ چیز کہاں سے لے آیا جسے اس نے ابوبکر الظاہری سے منسوب کر دیا؟

کس قدر خوبصورت بات کی گئی ہے!

وَالدَّعَاوِی مَالَمْ تَقِیْمُوا عَلَیْهَا
بَیِّنَاتٍ أَبْنَاؤُهَا أَدْعِیَاءُ

''وہ دعوے جن پر دلائل قائم نہ ہوں۔ان کے ابناء لے پالک ہی ہوتے ہیں۔''

ہمارے شیخ نے "الصحیحة" (۷/ ۱۳٤۳) میں حدیث رقم (۳۴۵۵) [2] کے تحت فرمایا:

''اور یہ معلوم ہے کہ خوارج موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں سمجھتے۔''

۱۰:......خوارج اور ان کا صفات باری تعالیٰ کے حقائق کا انکار:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "مختصر العلو" (ص ۳۸) کے مقدمے میں ابن عبدالبر کا قول نقل کیا ہے، انہوں نے بیان کیا:

''ابن عبدالبر نے فرمایا: اہل السنہ کا اس پر اجماع ہے کہ وہ کتاب وسنت میں وارد صفات باری تعالیٰ کا اقرار و اثبات کرتے ہیں، اور انھیں حقیقت پر نہ کہ مجاز پر محمول کرتے ہیں، البتہ وہ ان میں سے کسی چیز کی کیفیت و حالت بیان نہیں کرتے، رہے جہمی، معتزلہ اور خوارج وہ سب ان (صفات باری تعالیٰ کے حقائق) کا انکار کرتے ہیں اور وہ ان میں سے کسی چیز کو حقیقت پر محمول نہیں کرتے اور وہ کہتے ہیں کہ جو ان کا اقرار و اثبات کرتا ہے وہ مشبہہ ہے اور ان کا اقرار و اثبات کرنے والا ان کے نزدیک معبود کی نفی کرنے والا ہے۔''

۱۱:......خوارج کی گمراہیوں میں سے ان کا یہ قول ہے کہ قرآن مخلوق ہے:

"الصحیحة" (۱/ ٦).

---

[1] عارف ابوعبید کی کتاب "الامام داود الظاهری وأثره فی الفقه" (ص ۱۹۹) نشر دار ارقم، کویت دیکھیں۔

[2] حدیث یہ ہے: آپ ﷺ نے مسافر کو (موزوں پر مسح کرنے کی) تین دن اور تین راتوں کے لیے اجازت دی، مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات جب وہ وضو کرے پس وہ موزے پہنے کہ وہ ان (موزوں) پر مسح کرے۔

۱۲:......خوارج کا ایک گروہ شادی شدہ زانی کو رجم کرنے کا انکار کرتا ہے:

جیسا کہ حافظ نے فرمایا ہے: "مختصر صحیح البخاری" (٤/ ٢١٣) رقم (٢٥٨٤)

۴......رافضہ (شیعہ)

۱:......رافضہ اور کلینی کی کتاب ''الکافی'':

شیخ الالبانی رحمہ اللہ نے "الضعیفة" سے حدیث رقم (۱۰۸۰): ''زمین پر جو بھی درخت اگا ہے، وہ بنوفلاں ہیں، جب وہ مالک بنیں تو ظلم کریں اور جب ان کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کریں، پھر آپ نے عباس رضی اللہ عنہ کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: چچا! اللہ آپ کی پشت سے ایک آدمی نکالے گا ان کی ہلاکت اس کے ہاتھوں ہوگی۔ ذکر کرنے کے بعد اس پر وضع/ موضوع کا حکم لگایا، انہوں نے "الضعیفة" میں فرمایا:

باطل ہونے میں اس حدیث کے مثل وہ روایت ہے، جو ابن جریر طبری نے روایت کی، انہوں نے کہا:

محمد بن الحسن بن زبالہ سے مجھے حدیث بیان کی گئی، عبدالمہیمن بن عباس، ابن سہل بن سعد نے ہمیں حدیث بیان کی: میرے والد نے میرے دادا سے مجھے حدیث بیان کی اور انہوں نے کہا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوفلاں کو اپنے منبر پر بندروں کی طرح اچھل کود کرتے ہوئے دیکھا، تو آپ کو یہ برا لگا، پس آپ پورے طور سے نہیں ہنسے حتیٰ کہ آپ وفات پاگئے، کہا: اور اللہ نے اس بارے میں، یہ آیت ﴿وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً﴾ (الاسراء: ٦٠) ''ہم نے آپ کو جو خواب دکھایا تھا اسے (لوگوں کے لیے) آزمائش بنایا تھا۔'' نازل فرمائی۔''

اور یہ سند انتہائی ضعیف ہے، جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے فرمایا:

''محمد بن الحسن بن زبالہ متروک ہے اور اس کا شیخ بھی کلی طور پر ضعیف ہے، اسی لیے ابن جریر نے اختیار کیا کہ اس سے مراد شب معراج ہے اور شجرہ ملعونہ وہ زقوم کا درخت ہے، انہوں نے کہا:

اہل تاویل کا اس پر اجماع ہے جو کہ حجت ہے، یعنی: خواب اور درخت کے بارے میں۔''

ان دونوں حدیثوں کا ضعف، بلکہ بطلان میں یہ حال ہے، اور اس کے باوجود، ہم دور حاضر میں بعض شیعہ کو اس طرح کی احادیث روایت کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی تکفیر پر اس سے دلیل لیتے ہیں جسے کلینی کی کتاب "اصول الکافی" پر تعلیق لکھنے والے اور غیر اللہ کی عبدیت اختیار کرنے والے، جس کا نام عبدالحسین المظفر ہے، نے لکھا، بلکہ اس نے معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعنت کرنے اور ان کی تکفیر میں مکمل دو صفحے سیاہ کیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ ان کی موت غیر سنت پر ہوگی، اور یہ کہ آپ نے ان کے قتل کر دینے کا حکم فرمایا تھا، اس نے (ص ۲۳۔۲۴ میں) ان کی تائید میں اپنے من پسند من گھڑت آثار اور باطل احادیث بیان کیں، ان میں سے

یہ دو باطل حدیثیں ہیں، اسی لیے میں نے لوگوں کی خیر خواہی کے لیے ان دونوں کا حال بیان کرنے میں تاخیر نہیں کی، اور غالب ظن یہ ہے کہ یہ عبدالحسین ان دونوں کی اسناد کے حال سے واقف نہیں، اور اگر اسے معلوم ہے تو وہ اسے ان دونوں سے دلیل لینے سے منع نہیں کرتا حالانکہ وہ دونوں روایتیں باطل ہیں، کیونکہ ان من گھڑت کہانیوں کی غایت وسیلے کو جائز قرار دینا ہے اور معاویہ پر لعن طعن کرنا اور ان کی تکفیر کرنا مقصد ہے خواہ موضوع احادیث پر دارو مدار ہو، شیعہ کو اس بارے میں بہت پہلے سے معلوم ہے، جیسا شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اسے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔

میں نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ وہ اسے نہیں جانتا کیونکہ میں نے اس کی تعلیقات دیکھی ہیں، وہ اس پر دلالت کرتی ہیں، مثلاً دیکھیں وہ اس کتاب پر اپنی پہلی تعلیق میں کہتا ہے، اس کے راوی نے الکلینی سے بیان کیا: ''ابوجعفر محمد بن یعقوب الکلینی نے ہمیں خبر دی......'':

''جو وہ کہتا ہے: اس نے ہمیں خبر دی وہ ''الکافی'' کا ایک راوی ہے...... یا وہ قائل بہت سے قدیم مؤلفین لی عادت کی طرح وہ مصنف رحمہ اللہ ہیں۔''

تو اس مزعومہ عادت کی کیا حیثیت ہے، کیا مؤلف الکلینی کے بارے میں (مثلاً) سمجھا جائے گا کہ وہ اپنے بارے میں کہے گا: ''الکلینی نے ہمیں خبر دی''؟ یہ تو اس کا مبلغ علم ہے، رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے دشمنی رکھنے والے اور زمین/ ملک میں اسلام کی تحقیر کرنے والے کے لیے حق ہے کہ وہ علم کے اسی مقام پر ہو۔

☆ ''الکافی'' کی باطل احادیث میں سے ایک اور حدیث:

۱۰۸۱۔ ''جس نے اندازوں (قیاس) پر عمل کیا وہ ہلاک ہوا اور اس نے ہلاک کیا، اور جس نے علم کے بغیر فتویٰ دیا، جبکہ وہ ناسخ و منسوخ اور متشابہ اور محکم کے فرق کو نہ جانتا ہو تو وہ ہلاک ہوا اور اس نے ہلاک کیا۔''

یہ روایت باطل ہے، الکلینی شیعہ نے اسے ''اصول الکافی'' (رقم:۴۔۱۰۴۔ طبع النجف) میں روایت کیا، کہا: علی بن ابراہیم، نے محمد بن عیسی، عن یونس، عن داود بن فرقد، عمن حدثه، عن ابن شبرمه کی سند سے بیان کیا، انہوں نے کہا: میں نے جعفر بن محمد علیہ السلام سے سن کر جو بھی حدیث ذکر کی تو قریب تھا کہ میرا دل پھٹ جاتا، انہوں نے کہا: میرے والد نے، میرے دادا کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ سے مجھے حدیث بیان کی، ابن شبرمہ نے کہا: میں اللہ کی قسم اٹھاتا ہوں! ان کے والد نے ان کے دادا پر جھوٹ بولا نہ ان کے دادا نے رسول اللہ ﷺ پر، انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پس انہوں نے اسے ذکر کیا۔

میں نے کہا: اس پر تعلیق لکھنے والے عبدالحسین مظفر شیعہ نے کہا:

''اس کی اسناد ضعیف ہیں۔''

یعنی: داود بن فرقد کے شیخ کی وجہ سے، کیونکہ اس کا نام نہیں لیا گیا۔ میں نے کہا: صرف یہی نہیں، اس کے علاوہ سارے مجہول ہیں، وہ ہمارے ہاں معروف ہیں نہ ان کے ہاں، یہ داود بن فرقد، الطوسی نے اسے "الفہرست" میں ذکر کیا ہے، اس نے اس کے حالاتِ زندگی (رقم: ۲۷۴) میں اس کے متعلق صرف یہی کہا ہے:

''اس کی ایک کتاب ہے۔''

اور یونس؛ وہ: ابن عبدالرحمٰن مولی آل یقطن ہے۔ الطوسی (۷۸۹) نے کہا:

''اس کی بہت زیادہ کتابیں ہیں، تیس سے بھی زائد کتابیں ہیں...... ابوجعفر بن بابویہ نے کہا: میں نے ابن الولید رحمہ اللہ کو بیان کرتے ہوئے سنا: یونس بن عبدالرحمٰن کی وہ کتابیں جو روایات کے متعلق ہیں وہ سب صحیح ہیں، قابل اعتماد ہیں، بجز اس کے جس میں محمد بن عیسیٰ بن عبید کا یونس سے تفرد ہے، اسے اس کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا کیونکہ اس پر اعتماد کیا جاتا ہے نہ اس سے فتویٰ لیا جاتا ہے۔''

رہا محمد بن عیسیٰ تو وہ ابن عبید الیقطینی ہے، میں نے اس کے حال کے متعلق ان کے پاس گزشتہ حالاتِ زندگی سے معلوم کیا، اور الطوسی نے اس کے حالاتِ زندگی (۶۰۱) میں بیان کیا:

''ضعیف ہے، ابوجعفر محمد بن علی بن بابویہ نے اسے ''نوادر الحکمہ'' کے راویوں سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، اور انہوں نے کہا: میں وہ روایت، روایت نہیں کرتا جو اس کی روایات کے ساتھ خاص ہو، اور کہا گیا: وہ غلو کرنے والوں کے مسلک پر چلتا تھا۔''

اور رہا علی بن ابراہیم تو وہ ابن ہاشم القمی ہے، الطوسی (۳۷۰) نے کہا:

''اس کی کئی کتابیں ہیں، ان میں سے کتاب التفسیر اور...... اور...... ان سب کے متعلق ایک جماعت اور محمد بن علی ماجیلو نے علی بن ابراہیم کے حوالے سے ایک حدیث بیان کی، انہوں نے ''کتاب الشرائع'' سے اونٹ کے گوشت کی حرمت کے بارے میں اسے مستثنیٰ کیا ہے، اور اس نے کہا: میں اسے روایت نہیں کرتا کیونکہ وہ محال ہے۔''

امام ذہبی رحمہ اللہ نے اسے "المیزان" میں ذکر کیا اور کہا:

''رافضی ہے، اس کو کوڑے مارے گئے، اس کی ایک تفسیر ہے اس میں مصائب ہیں۔''

اور حافظ ابن حجر نے اسے ''اللسان'' میں برقرار رکھا ہے۔

اور رہا الکلینی ''الاصول'' کا مؤلف تو وہ ان کے نزدیک امام ہے، الطوسی نے اس کے سوانح حیات بیان کیے ہیں، انہوں نے کہا (۵۹۱):

''ان کی کنیت ابوجعفر ہے، وہ ثقہ اور اخبار کی معرفت رکھتے تھے، ان کی کئی کتابیں ہیں، ان میں سے کتاب ''الکافی'' ہے، وہ تیس کتابوں پر مشتمل ہے، اس کی پہلی کتاب ''کتاب العقل'' اور آخری ''کتاب الروضہ'' ہے، انہوں نے ۳۲۸ھ میں وفات پائی۔''

میں نے کہا: وہ ''لسان المیزان'' کے راویوں میں سے ہے اور انہوں نے اسے ثقہ قرار نہیں دیا، گویا کہ وہ ان کے نزدیک مستور تھا، اور اسی طرح امام ذہبی نے ''سیر اعلام النبلاء'' میں کیا ہے، انہوں نے (۱۰/۱۲۴۔فوٹو کاپی) کہا: ''شیعہ کا شیخ اور امامیہ کا عالم ہے۔اس کی کئی تصانیف ہیں، بغداد میں تھا اور ۳۲۸ھ میں وہیں وفات پائی۔''

اور اس کی کتاب ''الکافی'' دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہے: ''اصول الکافی'' اور ''فروع الکافی'' وہ دونوں ایک سے زائد بار چھپ چکی ہیں، طبع اوّل نجف میں ۱۳۷۶ھ میں، اس پر عبدالحسین المظفر کے قلم سے تعلیقات اور تخریج ہے، میں نے اس کے جزء اوّل اور جزء دوم کا جائزہ لیا، ان دونوں میں ۲۱۱ حدیثیں ہیں، ان میں سے زیادہ تر نبی ﷺ تک غیر مرفوع ہیں:

اور ان کی اس کتاب ''الکافی'' کو ان کے ہاں حدیث کی چار معروف کتابوں میں سے پہلا مقام حاصل ہے، حتیٰ کہ عبدالحسین، جس کا ذکر ہوا، نے التعلیق کے مقدمہ (ص ۱۳) میں ذکر کیا کہ اس میں وارد ہے جیسا کہ ہمارے امام منتظر کے حوالے سے کہا گیا (اللہ اسے جلد ظاہر کرے): ''الکافی ہمارے شیعہ کے لیے کافی ہے۔'' اور ان کے حوالے سے مشہور ہے کہ وہ (الکافی) ہمارے نزدیک ''صحیح البخاری'' کے درجے کی ہے! بلکہ ان کے داعیان میں سے ایک نے مجھے وضاحت سے کہا، وہ شیخ طالب الرفاعی النجفی ہے کہ وہ (الکافی) ان کے ہاں صحیح بخاری سے بھی زیادہ صحیح ہے۔

اور اس نے مذکورہ مقدمے میں یہ بھی ذکر کیا کہ اس کی احادیث کی تعداد سترہ ہزار تک پہنچی ہے! اس تعداد میں جو مبالغہ اور دہشت انگیزی ہے وہ اس کتاب کی احادیث پڑھنے والے اور اس کے متون کی گہرائی میں جانے والے پر مخفی نہیں، میں نے ان دونوں مذکورہ اجزاء کی احادیث کی چھان بین کی ہے اور ان کی تعداد (۲۱۱) ہے، میں نے ان میں سے زیادہ تر علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت میں سے کسی فرد پر موقوف پائی ہیں، جیسے ابوعبداللہ زین العابدین، ابوجعفر الباقر اللہ ان سب سے راضی ہو۔ ان میں سے تقریباً تیئس احادیث مرفوع ہیں، ان میں سے پانچ جزء اوّل میں ہیں، جبکہ باقی دوسرے جزء میں ہیں، یعنی: تقریباً دس فی صد، ان کے نمبر یہ ہیں: (۹، ۱۱، ۱۵، ۲۵، ۲۸، ۳۵، ۳۹، ۴۴، ۵۰، ۵۷، ۸۰، ۸۷، ۱۰۴، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۵، ۱۱۹، ۱۲۷، ۱۵۹، ۱۶۱، ۱۶۹، ۱۹۰، ۱۹۹)

محترم بھائی! آپ ان کے قول: کہ یہ کتاب (الکافی) ''صحیح البخاری'' سے زیادہ صحیح ہے یا کم از کم وہ ان کے

ہاں اس کے مثل ہے، کہاں تک صحیح ہے تاکہ آپ جان لیں میں آپ کو حقیقت بیان کرتا ہوں:

اور وہ (حقیقت) یہ ہے کہ احادیث مرفوعہ کی یہ تعداد، ان میں سے کسی چیز کی اسناد ان کے راویوں کے ضعف اور ان کی اسناد کے انقطاع کی وجہ سے ثابت نہیں ہوتیں، جیسا کہ اس (کتاب الکافی) پر تعلیق لکھنے والے نے احادیث رقم ۵۷، ۸۰ اور ۱۹۹ کے سوا اس کی ہر حدیث پر تعلیق میں اس کے متعلق اسے بیان کیا ہے، البتہ اس نے ان مذکورہ تین احادیث کو قوی قرار دیا ہے اور اس کے باوجود وہ پاک صاف علمی جرح کے سامنے نہیں ٹھہر سکتیں!

درج ذیل گواہی لیں، جو آپ کو اس قول کی حقیقت واضح کرے گی، اور وہ اسی تعلیق لکھنے والے عبد الحسین کی طرف سے ہے، اس نے اس کتاب کے متعلق شرح و اختصار اور جرح کے حوالے سے شیعہ کا اہتمام ذکر کرنے کے بعد (ص ۱۹) بیان کیا:

> ''تمھارے لیے کافی ہے کہ تم اس کے متعلق جرح وتنقید کے اہتمام کی حد و غایت جان لو کہ، انہوں نے جو شمار کیا وہ جن احادیث پر مشتمل ہے اس کا مجموعہ (۱۶۱۹۹) احادیث تھا، پھر انہوں نے توثیق وتصحیح کے حوالے سے انواع احادیث کو شمار کیا تو انہوں نے احادیث صحیحہ شمار کیں تو وہ (۵۰۷۲) تھیں، یعنی: تہائی سے بھی کم، انہوں نے ضعیف احادیث شمار کیں تو وہ (۹۴۸۵) تھیں، یعنی: نصف سے بھی زیادہ، اور یہ موثق قوی اور مرسل کے علاوہ ہیں، پس دیکھیں اس کی جرح وتنقید کی حد وغایت کہاں تک پہنچی ہے۔''

میں کہتا ہوں: ان کی کتاب "الصحیح" کے ''شاباش'' جبکہ ان کی نصف احادیث یعنی: ان کے ائمہ پر مرفوع وموقوف...... صحیح نہیں! اس کے متعلق یہ اس کی گواہی ہے جو سب سے زیادہ اس کا طرف دار اور اس کا دفاع کرنے والا ہے! ﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا﴾ (یوسف: ۲۶) ''اور اس کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی۔''

اور میں نے تمھارے لیے یہ حدیث، سند کے لحاظ سے ان ضعیف احادیث کی مثال کے طور پر پیش کی ہے، تاکہ آپ جان لیں کہ ان میں جو ہے اس علم شریف سے بنیادی و ابتدائی طور پر معلومات رکھنے والا کس طرح متن کے لحاظ سے ان کے بطلان پر قطعی فیصلہ کرتا ہے، بے شک وہ الفاظ جو اس میں وارد ہوئے ہیں، ''ناسخ ومنسوخ اور محکم ومتشابہ'' وہ دوسرے الفاظ کی طرح جن پر اہل علم کا اتفاق ہے، جیسے "العام والخاص، المطلق والمقید" اور اس طرح کی اصطلاحات جو نبی ﷺ کے بعد وجود میں آئیں۔ البتہ وہ اس پر سب سے بڑی دلیل ہے کہ وہ حدیث باطل اور موضوع ہے، نبی ﷺ نے اسے نہیں فرمایا، اور جعفر بن محمد نے اپنے والد - اللہ ان دونوں سے راضی ہو - سے اسے روایت کیا نہ ابن شبرمہ نے اسے روایت کیا، کیونکہ وہ ثقہ فقیہ ہیں، وہ اس سے کہیں

زیادہ متقی ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر کذب روایت کریں، یہ تو ان کے علاوہ شیعہ کے ضعفاء اور مجہول لوگوں کی پیداوار ہے اور ان میں غلو کرنے والے بعض روافض بھی ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔

اور گویا کہ اس حدیث کو وضع کرنے والے نے (اللہ اس سے وہی معاملہ کرے جس کا وہ مستحق ہے) اسے وضع کیا تاکہ وہ اس کے ذریعے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں قبولِ طعن کو آسان بنائے، اس اعتبار سے کہ وہ قیاس کا زیادہ استعمال کرتے تھے، الکلینی نے اپنی کتاب (رقم:١٦٦، ١٧٠) میں اپنی دو اسناد سے ابوالحسن موسیٰ بن جعفر الکاظم سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا: ''اللہ ابوحنیفہ پر لعنت کرے، وہ کہا کرتے تھے: علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جبکہ میں نے یہ کہا، اور صحابہ نے کہا اور میں نے کہا۔''

اس پر تعلیق لکھنے والے عبدالحسین نے اس کی دو اسناد میں سے ایک سند کو حسن قرار دیا ہے، جبکہ وہ حسن نہیں، اس لیے کہ کلینی نے اسے اپنے شیخ علی ابن ابراہیم قمی سے روایت کیا جس نے اونٹ کے گوشت کو حرام کرنے والی حدیث روایت کی جس پر طوسی شیعہ نے حکم لگایا کہ وہ محال ہے، جیسا کہ اس کے حالاتِ زندگی (ص۱۹۸) میں قریب ہی بیان ہوا ہے، اور یہ اسے اپنے باپ ابراہیم (اور وہ ابن ہاشم القمی ہے) سے روایت کرتا ہے، اور وہ مجہول الحال ہے، الطوسی نے اسے ''الفہرست'' (رقم:٦) میں اور پھر الحافظ نے ''اللسان'' میں اسے ذکر کیا ہے اور ان دونوں نے اس کے بارے میں توثیق ذکر نہیں کی۔

اور یہ اسے ابن ابی عمیر کے حوالے سے محمد بن حکیم سے روایت کرتے ہیں۔ جبکہ محمد بن حکیم مجہول العین ہے، اس کا اصلاً ہمارے ہاں کوئی ذکر نہیں، اور جب الطوسی نے اسے (رقم ٦٣٣، ٦٦٦) ذکر کیا تو انہوں نے اس کے علاوہ کچھ نہیں کہا: ''اس کی ایک کتاب ہے۔''

اس جیسی سند کے ذریعے الشیعہ اہل بیت کے ائمہ سے مسلمانوں کے ائمہ کے بارے میں طعن ولعنت روایت کرتے ہیں، پس جب ہم نے انکار کیا کہ یہ بات تو اہل بیت کے کسی عام فرد سے صادر نہیں ہوسکتی چہ جائیکہ ان کے ائمہ سے، انہوں نے کہا: نہیں، بلکہ وہ ہمارے ہاں ان سے مروی ہے، تو جب ہم نے کہا: ﴿هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَٰدِقِينَ﴾ (النمل: ٦٤) ''اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔'' تو وہ جواب نہ دے پائے۔

اور یہ ان سے کوئی عجیب بات نہیں، وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی علانیہ تکفیر سے باز نہیں آتے، جیسا کہ اس کا بیان گزر چکا، اور نہ کبار صحابہ جیسے ابوبکر وعمر اور عائشہ رضی اللہ عنہم کو فاسق کہنے سے، میں نے ان میں سے بعض سے یہ سنا ہے، پھر اس سب کچھ کے ساتھ ساتھ وہ دعوت میں باہمی سوجھ بوجھ اور باہمی قرابت کا اظہار کرتے ہیں، تو انہوں نے صلح کے لیے کوئی موقع کیوں نہیں چھوڑا؟

۲:......شیعہ کے ہاں کتاب "السقیفة":

ہمارے شیخ نے "الضعیفة" (۱۰/ ۷۲۰) میں فرمایا: سابقہ حالاتِ زندگی سے معلوم ہوا کہ کتاب "السقیفه" شیعہ کی ان کتب سے ہے جو ہمارے ہاں قابل اعتماد نہیں۔ السید محمد صادق آل بحر العلوم نے اس پر س طرح تبصرہ کیا ہے:

''اس کتاب "السقیفه" سے ابن ابی الحدید المعتزلی "شرح نهج البلاغه" میں بہت زیادہ نقل کرتا ہے، اس کے ساتھ اس کی ابوبکر احمد بن عبدالعزیز کی طرف نسبت ہے، اس کی طرف رجوع کریں۔''

میں نے کہا: ابن ابی الحدید الشیعی کے حوالے سے، عبدالحسین نے اسے نقل کیا، جیسا کہ اس حدیث کے بعد اس کی صراحت کی، اس کے ساتھ قارئین پر اس کی تدلیس کی اور انھیں وہم میں مبتلا کیا کہ "السقیفة" کا مؤلف اہل السنہ میں سے ہے! جیسا کہ المراجعہ (۹۱) پر غور وفکر کرنے والے کے لیے یہ ظاہر ہوتا ہے اور اس پر اس کا جواب المراجعہ میں ہے جو کہ اس کے بعد ہے!

۳:......رافضہ اور عبدالحسین الموسوی کا اپنی کتاب "المراجعات" میں افتراء:

ہمارے شیخ نے "الضعیفة" سے حدیث رقم (۸۹۲) ذکر کی اور اس پر وضع کا حکم لگایا اور اس کے بعد جس نے اس کو صحیح قرار دیا اس پر ردّ کیا، فائدہ کے لیے، ہم اس حدیث کو ذکر کریں گے اور شیخ نے جو اس کی تخریج کی ہے اور موسوی کے نئے افتراءات کا جو انہوں نے تعاقب کیا ہے ہم اسے ذکر کریں گے۔

شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" میں حدیث رقم (۸۹۲) کے تحت فرمایا:

''جسے پسند ہو کہ وہ میری زندگی کی طرح زندہ رہے اور میری موت مرے، اور وہ دائمی جنت میں رہے جس کا میرے رب عزوجل نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، اس نے اس کی شاخیں اپنے ہاتھوں سے لگائیں، تو وہ علی بن ابی طالب سے دوستی کرے۔ کیونکہ وہ تمھیں ہدایت سے خارج کریں گے نہ تمھیں گمراہی میں داخل کریں گے۔''

یہ روایت موضوع ہے: ابونعیم نے اسے ''الحلیه'' (۴/ ۳۴۹۔۳۵۰، ۳۵۰) میں روایت کیا ہے، امام حاکم نے (۳/ ۱۲۸)، اسی طرح امام طبرانی نے ''الکبیر'' میں، ابن شاہین نے ''شرح السنه'' (۱۸/ ۶۵/ ۲) میں یحییٰ بن یعلی الاسلمی کے طرق سے روایت کیا، انہوں نے کہا: عمار بن رزیق نے ابواسحاق سے، انہوں نے زیاد بن ارقم کے حوالے سے ہمیں بیان کیا، طبرانی نے اضافہ نقل کیا: بسا اوقات انہوں نے زید بن ارقم کا ذکر نہیں کیا۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پس انہوں نے اس (روایت) کو ذکر کیا، اور ابونعیم نے فرمایا:

''ابواسحاق کی روایت سے غریب ہے، یحییٰ کا اس میں تفرد ہے۔''

میں نے کہا: وہ شیعہ ضعیف ہے، ابن معین نے کہا: ''وہ کوئی چیز نہیں'' امام بخاری نے فرمایا: ''مضطرب الحدیث'' ہے، ابن ابی حاتم نے اپنے والد کے حوالے (۱۹۶/۲/۴) سے فرمایا: ''وہ قوی نہیں، ضعیف الحدیث ہے۔''

اور وہ حدیث ہیثمی نے "المجمع" (۱۰۸/۹) میں فرمایا:

''طبرانی نے اسے روایت کیا، اور اس میں یحییٰ بن یعلی الاسلمی ہے، اور وہ ضعیف ہے۔''

میں نے کہا: اور رہے امام حاکم، تو انہوں نے فرمایا: ''صحیح الاسناد'' جبکہ امام الذہبی نے ان کا اس طرح رد کیا۔

''میں نے کہا: وہ کیسے صحیح ہے جبکہ قاسم متروک ہے، اور اس کا شیخ (یعنی: الاسلمی) ضعیف ہے، اور بے ربط کلام ہے، پس وہ وضع کے زیادہ قریب ہے۔''

میں کہتا ہوں: قاسم (اور وہ ابن شیبہ ہے) کا اس میں تفرد نہیں، بلکہ ابونعیم کے نزدیک دو دوسرے راویوں نے اس کی متابعت کی ہے، پس اس میں اس کے علاوہ اکیلے اسلمی پر محمول ہے۔ جی ہاں! حدیث کے متعلق میرے نزدیک دو دوسری علتیں ہیں:

(۱)...... ابواسحاق (سبیعی) وہ اپنی تدلیس کے ساتھ اختلاط کا شکار تھا، اور اس نے عنعن سے روایت کیا ہے۔

(۲)...... اس کی اسناد میں ''اس سے'' یا ''اسلمی سے'' اضطراب ہے، وہ اسے کبھی مسند زید بن ارقم سے، اور کبھی مسند زیاد بن مطرف سے بیان کرتا ہے، اور اس سے اسے مطین نے، الباوردی نے، ابن جریر نے اور ابن شاہین نے ''الصحابہ'' میں روایت کیا ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "الاصابة" میں ذکر کیا اور کہا:

''ابن مندہ نے کہا: ''وہ صحیح نہیں'' میں نے کہا: اس کی اسناد میں یحییٰ بن یعلی المحاربی ہے، اور وہ کمزور (ضعیف) ہے۔''

میں نے کہا: ان کا کہنا: ''المحاربی'' یہ ان کی طرف سے سبقت قلمی ہے، وہ تو اسلمی ہے جیسا کہ بیان ہوا اور آگے بھی آئے گا۔

تنبیہ......: اس حدیث کی تخریج، اس کی تنقید اور اس کی علت بتانے کا باعث کئی اسباب ہیں، ان میں سے یہ ہے کہ میں نے شیخ عبدالحسین الموسوی الشیعی کو دیکھا کہ اس نے اپنی ''مراجعات'' (ص ۲۷) میں اس حدیث کی ایسی تخریج کی کہ اس نے اس کے ذریعے قارئین کو وہم میں مبتلا کر دیا کہ یہ صحیح ہے جیسا کہ اس جیسے لوگوں کی عادت ہے، اس راہ میں حافظ ابن حجر سے قلمی خطا ہوگئی، پس میں نے اسناد سے پردہ اٹھانے، اس کا ضعف بیان کرنے کی طرف جلدی کی، پھر اس وہم پر جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، رد کیا اور یہ اس سے دو طرح سے تھا، میں ان دونوں کو ذکر کروں گا اور ان دونوں پر گرفت کروں گا اور جو اس میں ہے اسے بیان کروں گا، میں کہتا ہوں:

(۱)...... اس نے حدیث کو مطین کی روایت سے بیان کیا ہے اور اس کے ساتھ جسے ہم نے حافظ سے زیاد بن

مطرف کی روایت سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا اور اس کے شروع میں رقم (۳۸) ہے، پھر کہا:

''اس کی مثل زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے.....

پس انہوں نے اسے ذکر کیا، اور اسے (۳۹) نمبر دیا، پھر ان دونوں کے مصادر بیان کرتے ہوئے ان دونوں پر تبصرہ کیا، تو اس نے اس وجہ سے وہم پیدا کیا کہ وہ دونوں حدیثیں اسناد کے لحاظ سے الگ الگ ہیں! جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے؛ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کی اسناد کا مدار اسلمی پر ہے، جیسا کہ اس کا بیان گزرا، اس معاملے میں جو غایت ہے وہ یہ ہے کہ راوی کبھی اسے زیاد بن مطرف عن زید بن ارقم سے روایت کرتا تھا اور کبھی وہ اس میں زید بن ارقم کا ذکر نہیں کرتا تھا اور اسے زیاد بن مطرف پر موقوف رکھتا تھا اور اس کی اسناد میں اضطراب کی وجہ سے حدیث کے ضعف کی تاکید پیدا ہوتی ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

(۲)...... یہ کہ اس نے حدیث کے لیے امام حاکم کی تصحیح بیان کی ہے لیکن اس کے بعد اس کی علت بیان نہیں کی، یا کم از کم اس نے اس کی تنقید میں امام ذہبی کا کلام نقل نہیں کیا، اور اس کے صحیح ہونے کے وہم پیدا کرنے میں اضافہ کیا کہ اس نے حافظ سے ان کا قول ''الاصابہ'' میں نقل کر دیا۔

''میں نے کہا: ''اس کی اسناد میں یحییٰ بن یعلی المحاربی ہے اور وہ کمزور (ضعیف) ہے۔''

عبدالحسین نے یوں کہہ ان کی گرفت کی:

''میں کہتا ہوں: یہ عسقلانی جیسے شخص کی طرف سے عجیب ہے، کیونکہ یحییٰ بن یعلی المحاربی بالاتفاق ثقہ ہے، بخاری اور مسلم نے اس سے روایت لی ہے۔''

میں کہتا ہوں: اس عجیب سے زیادہ غریب و عجیب یہ ہے کہ عبدالحسین اپنا کلام اس طرح پیش کرتا ہے کہ وہ وہم پیدا کر سکے کہ حافظ نے المحاربی کی کمزوری اور ضعف بیان کیا ہے، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس ضعف بیان کرنے کا مقصد وہ اسلمی ہے نہ کہ المحاربی، اس لیے کہ یہ امام بخاری اور مسلم کا شیخ ہونے کے ساتھ ساتھ، حافظ نے ''التقریب'' میں خود انہیں ثقہ قرار دیا ہے، اور انہوں نے ہی الاسلمی کو ضعیف قرار دیا ہے، انہوں نے پہلے (المحاربی) کے سوانح حیات میں فرمایا:

یحییٰ بن یعلی بن الحارث المحاربی الکوفی ثقہ ہیں، وہ نویں طبقہ کے صغار میں سے ہیں، سن سولہ میں وفات پائی اور انہوں نے اس کے بعد ایک اور سوانح حیات بیان کی:

''یحییٰ بن یعلی الاسلمی الکوفی شیعہ ضعیف ہے، وہ نویں طبقہ سے ہے۔''

اور یہ کس طرح سمجھا جائے کہ حافظ نے محاربی، جس کا ذکر ہوا، کی تضعیف کا قصد کیا ہو، جبکہ وہ اس کی توثیق اور صحیح البخاری کے راوی ہونے پر متفق ہیں، جس (صحیح بخاری) کی خدمت و شرح اور اس کے راویوں کے سوانح

حیات کے بارے میں حافظ نے تقریباً چوتھائی صدی صرف کی، پورا معاملہ اس طرح ہے کہ حافظ نے "الاصابة" میں ارادہ کیا کہ وہ کہیں: ''......الاسلمی ضعیف ہے۔'' پس انہوں نے وہم کے طور پر کہہ دیا: ''المحاربی ضعیف ہے۔'' پس شیعہ نے اس وہم کو بہت ہی غلط استعمال کیا، بجائے اس کے کہ وہ آگاہ کرتا کہ وہم کمزور اور ضعیف ہونے کے بارے میں نہیں ہے، اس نے ''الاسلمی'' کی جگہ ''المحاربی'' لکھ دیا اور وہ قارئین کو اس کے برعکس وہم ڈالنے لگا اور وہ یہ کہ حدیث کا راوی المحاربی ثقہ ہے نہ کہ الاسلمی ضعیف! پس کیا اس کا یہ کرنا اس شخص کی بات کی تائید کرتا ہے جس نے کتاب کے شروع میں اس کے سوانح حیات بیان کرتے ہوئے اس کی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا:

''اس کی ساری تالیفات کا یہ امتیاز ہے کہ ان میں بڑی باریک بینی سے علمی گرفت کی گئی ہے......نقل کرنے میں امانت کا اہتمام ہے۔''

جناب! یہ امانتِ نقل کہاں ہے جبکہ وہ "المستدرَك" سے حدیث نقل کرتا ہے اور وہ اس میں یحییٰ بن یعلی کو دیکھتا ہے جو کہ موصوف ہے کہ وہ ''اسلمی'' ہے پس وہ اس سے ناواقف بن جاتا ہے اور الحافظ کی خطا کو غلط استعمال کرتا ہے تا کہ وہ قارئین کو وہم ڈال سکے کہ محاربی ثقہ ہے، اور اس کی امانت کہاں ہے جبکہ وہ حدیث کے لیے اس اسلمی کے متعلق امام ذہبی اور امام ہیثمی کی جرح نقل نہیں کرتا؟ مزید یہ کہ امام ذہبی نے اسے ایسی چیز کے ساتھ معیوب قرار دیا ہے جو ضعف کے حوالے سے اس سے زیادہ شدید ہے جیسا کہ آپ نے دیکھا، اسی لیے امام سیوطی نے اسے ''الجامع الکبیر'' میں اس کے متعلق ضعیف قرار دینے کے حوالے سے قلت اہتمام اور قلت توجہ کے طور پر فرمایا:

''وہ ضعیف ہے۔''

اسی طرح ''کنز العمال'' میں رقم (۲۵۷۸) کے تحت ہے، الشیعی نے وہاں سے حدیث نقل کی، لیکن اس نے اس حدیث کے ساتھ اس کا ضعیف ہونا نقل نہیں کیا، پس وہ امانت جس کا دعویٰ کیا گیا تھا، کہاں ہے؟!

تنبیہ......: حافظ ابن حجر نے زیاد بن مطرف کے حالاتِ زندگی میں ''الصحابہ'' سے قسم اوّل میں ایک حدیث ذکر کی، اور یہ قسم خاص ہے جیسا کہ انہوں نے اس کے مقدمے میں بیان کیا: ''جس کے بارے میں ان سے روایت کیا یا ان کے علاوہ کسی اور سے روایت کے طریق سے اس کا صحابی ہونا وارد ہوا ہو، خواہ طریق صحیحہ ہو یا طریق حسنہ یا ضعیفہ یا اس کا ذکر واقع ہوا ہو جو صحابیت پر دلالت کرتا ہو خواہ وہ کسی بھی طریق سے ہو، میں نے پہلے اس قسم واحد کو تین اقسام پر مرتب کیا تھا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ میں اسے ایک قسم بنادوں اور ہر سوانح حیات میں اسے واضح کردوں۔''

میں نے کہا: حافظ کے صحابی کو اس قسم میں ذکر کرنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا کہ ان کا صحابی ہونا ثابت ہے،

جب تک انہوں نے اس حدیث کی اسناد کے ضعف کی وضاحت نہیں کی، جو اس میں ان کے نبی ﷺ سے سننے کی صراحت کی گئی اور وہ یہ حدیث ہے، پھر اس کے بعد کسی دوسرے طریق سے ایسی چیز بیان نہ کی جو ان کے صحابی ہونے کے ثبوت پر دلالت کرتی ہو، اور یہ "التجرید" میں امام الذہبی کے (۱/۱۹۹) اس طرح کہہ کر نفی کرنے سے زیادہ فصیح ہے:

"زیاد بن مطرف، مطین نے انھیں صحابہ میں ذکر کیا، اور وہ صحیح نہیں۔"

اور جب آپ نے یہ جان لیا تو انہیں مجہول تابعین میں ذکر کرنا اس سے بہتر ہے کہ انہیں صحابہ کرام میں ذکر کیا جائے اور اس پر وہ حدیث میں تیسری علت ہے۔

اس حدیث میں ان تمام علل (عیوب) کے باوجود الشیعی ہم سے چاہتا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے اس کے صحیح ہونے پر یقین کرلیں اور ہم آپ ﷺ کے فرمان: "جس نے مجھ سے کوئی حدیث بیان کی جبکہ وہ سمجھتا ہے کہ وہ کذب ہے تو وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک ہے۔" کی پروا نہ کریں، مسلم نے اس حدیث کو اپنی صحیح کے مقدمے میں روایت کیا ہے۔ فالله المستعان.

شیعہ مذکور کی کتاب "المراجعات" [1] علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ضعیف اور موضوع احادیث سے بھری ہوئی ہے، اس کے ساتھ ساتھ اس علم شریف سے لاعلمی، قارئین پر تدلیس اور حقیقی سچ سے بہکانے سے بھرپور ہے، بلکہ صریح کذب ہے، ممکن ہے کہ کسی قاری محترم کے دل میں خیال آئے کہ کوئی مؤلف جو عزت نفس رکھتا ہو اس طرح کا کام کیونکر کرسکتا ہے، اسی لیے میں نے ان احادیث کی (ان کی کثرت کے ہوتے ہوئے) تخریج اور ان کے علل وضعف بیان کرنے کی ہمت کی اور ان پر تدلیس وتضلیل کے حوالے سے جو جو کلام ہے اس سے بھی پردہ اٹھایا ہے اور اس میں سے یہ عنقریب اللہ کے حکم سے (رقم: ۴۸۸۱-۴۹۷۵) بیان ہوگا۔

ان احادیث میں سے جنھیں الموسوی! نے "المراجعات" میں ذکر کیا ہے حدیث رقم (۸۹۴/۲) "الضعيفة" سے ہمارے شیخ نے اسے ذکر کیا، پھر اس میں الموسوی پر علمی گرفت کی، اس کی کتاب میں موضوعات میں سے یہ ہے:

---

[1] ہمارے شیخ نے "الضعيفة" (۱۰/ ۱۰-۱۱) میں فرمایا:

اور اس کی عادت ہے کہ وہ ان احادیث کی اسانید پر کلام نہیں کرتا جو اس کے مذہب کو تقویت پہنچاتی ہیں، بلکہ وہ انھیں صحیح سالم احادیث کے طور پر بیان کرتا ہے، اگرچہ اسے ان کی صحت کا علم نہ ہو...... مزید برآں وہ ائمہ حدیث سے بیان نہیں کرتا جن کی اسانید میں طعن ہے اور ان کے متون درست نہیں۔

”جسے پسند ہو کہ میری زندگی کی طرح زندہ رہے اور میری موت کی طرح فوت ہو، اور وہ سدابہار جنت میں رہے جہاں میرے رب نے پودے لگائے ہیں، تو وہ میرے بعد علی کو ولی بنائے، اس کے ولی کو ولی (دوست، سرپرست، حمایتی وغیرہ) بنائے۔ میرے بعد ائمہ کی اقتدا کرے، کیونکہ وہ میری عترت (اولاد) میں سے ہیں، وہ میری طینت (مٹی، خمیر) سے پیدا کیے گئے، انہیں فہم وعلم عطا کیا گیا، میری امت میں سے ان کی فضیلت کو جھٹلانے والوں اور ان میں میری رشتہ داری کو قطع کرنے والوں کے لیے ویل (تباہی، بربادی یا جہنم کی ایک وادی) ہے، اللہ انھیں میری شفاعت سے محروم رکھے۔“

یہ روایت موضوع ہے، ابونعیم (۸۶/۱) نے اسے محمد بن جعفر بن عبد الرحیم کے طریق سے روایت کیا ہے: انہوں نے کہا: احمد بن محمد بن یزید بن سلیم نے ہمیں حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: عبدالرحمٰن بن عمران ابن ابی لیلیٰ (محمد بن عمران کے بھائی) نے ہمیں حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: یعقوب بن موسیٰ الہاشمی نے ہمیں ابن ابی داود سے انہوں نے اسماعیل بن امیہ سے انہوں نے عکرمہ سے، اور انہوں نے ابن عباس سے مرفوعاً روایت کیا اور انہوں نے کہا:

”اور وہ غریب ہے۔“

میں نے کہا: یہ اسناد مظلم (تاریک) ہے، ابن ابی داود کے علاوہ سب مجہول ہیں، میں نے ان کا ذکر نہیں پایا، البتہ میرے نزدیک یہ راجح ہے کہ احمد بن محمد یزید بن سلیم، وہ ابن مسلم انصاری طرابلسی ہے جو کہ ابن ابی الحناجر کے نام سے معروف ہے، ابن ابی حاتم (۱/۱/۳۰) نے کہا: ”ہم نے اس کے بارے میں لکھا اور وہ صدوق ہے۔“ اور ”تاریخ ابن عساکر“ (۲/ق ۱۱۳۔۱۱۴/۱) میں اس کے سوانح حیات ہے۔

اور رہے باقی تو میں نے انھیں نہیں پہچانا، ان میں سے ایک تو وہ ہے جس نے اس واضح بطلان ترکیب والی حدیث کو گھڑا، جبکہ علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت اس سے بہت زیادہ مشہور ہے کہ ان پر ان جیسی موضوعات سے استدلال کیا جائے جن سے شیعہ وابستہ ہیں، اور وہ ان جیسی روایات سے اپنی دسیوں کتابیں سیاہ کرتے (لکھتے) ہیں، اور وہ ان کے ذریعے ایک ایسی حقیقت کے اثبات میں بحث ومباحثہ کرتے ہیں جس کا انکار کرنے والا آج کوئی باقی نہیں رہا اور وہ (حقیقت) ہے علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت۔

پھر وہ حدیث جسے اس نے ”الجامع الکبیر“ (۲/ ۲۵۳/ ۱) للرافعی میں بھی ذکر کیا اور اسے ابن عباس کی طرف منسوب کیا، پھر میں نے ابن عساکر کو دیکھا کہ انہوں نے اسے ”تاریخ دمشق“ (۱۲/۱۲۰/۲) میں ابونعیم کے طریق سے روایت کیا، پھر اس کے بعد کہا:

”یہ حدیث منکر ہے، اس میں ایک سے زائد مجہول راوی ہیں۔“

میں نے کہا: یہ کس طرح منکر نہ ہو جبکہ اس میں وہ دعا ہے! ''اللہ ان کو میری شفاعت سے محروم رکھے۔'' اس جیسی دعا نبی ﷺ سے ہو سکتی ہے نہ آپ ﷺ کے اخلاق اور آپ کی اپنی امت سے شفقت و رحمت کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے۔

یہ حدیث ان احادیث سے ہے جنھیں ''المراجعات'' کے مصنف عبدالحسین الموسوی نے کنز العمال (۶/ ۱۵۵، ۲۱۷۔۲۱۸) میں نقل کرتے ہوئے اسے ذکر کیا ہے اور یہ شبہہ ڈالا ہے کہ وہ مسند احمد میں ہے، جبکہ الکنز کے مؤلف نے سیوطی کی متابعت کرتے ہوئے جو اسے ضعیف قرار دیا ہے اس سے اعراض کیا ہے۔

اس کتاب "المراجعات" میں کتنی ہی موضوع احادیث ہیں، الشیعی پوری کوشش کرتا ہے کہ وہ قارئین کو ان کی صحت کے متعلق وہم میں مبتلا کرے، اس کوشش میں وہ علم حدیث کے قواعد کا لحاظ نہیں کرتا حتیٰ کہ ان قواعد کا بھی خیال نہیں کرتا جو ان کے مذہب میں ہیں! اس کی غایت یہ نہیں کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں آپ ﷺ سے مروی روایات ثابت کرے، بلکہ اس کی غایت یہ ہے کہ وہ ان کے متعلق مروی ہر چیز کو جمع کردے! جبکہ علی رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کا مقام اس سے بہت بلند ہے کہ ان کی ایسی چیز سے مدح کی جائے جو رسول اللہ ﷺ سے صحیح ثابت نہ ہو۔

اگر اہل السنہ اور شیعہ ''مصطلح الحدیث'' [1] کے قواعد وضع کرنے پر اتفاق کرلیں، تو روایات کے کی تفصیلات میں اختلاف کے وقت ان سے فیصلہ کرایا جائے گا، پھر اس سے جو صحیح ثابت ہو سب اسی پر اعتماد کرلیں، اگر وہ یہ کرلیں، تو پھر مسائل کی بنیادیں، جن کے متعلق ان کے درمیان اختلاف ہے، کے متعلق تقارب و تفاہم کی امید ہو، آگاہ رہو قواعد و اصول میں اختلاف اپنی سختی پر قائم رہے گا، افسوس کہ ان کے ساتھ تقارب و تفاہم ممکن نہ ہو سکا بلکہ اس سلسلے کی ہر کوشش ناکام ہے، واللہ المستعان.

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (٤/ ٦٣٤۔٦٣٦) میں حدیث رقم (۱۹۸۰) [2] کے تحت فرمایا: جب تمھیں اس کا پتہ چل گیا، تو جان لیجیے کہ اس نے الرازی [3] کا سا کام کیا۔ یہ آدمی متعصب شیعہ میں سے ہے، اور وہ شیخ مذکور عبدالحسین الموسوی کے نام سے موسوم ہے، بلکہ اس نے جو کیا ہے وہ بہت بڑا اور انتہائی قبیح ہے، کیونکہ وہ جان بوجھ کر کیا ہوا فعل ہے! اس نے اپنی کتاب ''المراجعات'' (ص ۱۷۳) میں بیان کیا: ''آپ ﷺ کا حجۃ الوداع میں عرفات کے دن فرمانا: ۱۵۔ علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور ادا نہیں کرے گا مگر میں یا علی۔

---

[1] ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱۱/ ۷۸۹) میں اس پر زور دیا ہے۔ اسی کتاب میں اس کی تفصیل ہے۔

[2] اس کی نص یہ ہے: علي يقضي ديني: علی میرا قرض ادا کریں گے۔

[3] اس کا نام محمد بن حمید الرازی ہے، اس کا حافظہ درست نہیں، اس نے ابھی مذکورہ حدیث میں اضافہ کیا: ''انہوں نے اسے حجۃ الوداع میں بیان کیا۔'' دیکھیں: "الصحیحة" (٤/ ٦٣٣۔٦٣٤).

پھراس نے اس کی تخریج میں حاشیے میں کہا:

''ابن ماجہ نے اسے باب فضائل الصحابۃ میں ص ۹۲ اپنی سنن کے جزء اوّل میں روایت کیا، نیز امام ترمذی اور امام نسائی نے اسے ''اپنی اپنی صحیح'' میں روایت کیا ہے! اور وہ حدیث (۲۵۳۱) ص ۱۵۳، الکنز کے چھٹے جزء سے ہے۔ امام احمد نے اپنی مسند جزء رابع ص ۱۶۴ سے حبشی بن جنادہ کی روایت سے متعدد طرق سے روایت کیا ہے وہ سب (طرق) صحیح ہیں (!) اور تمھارے لیے کافی ہونا چاہیے کہ اس نے اسے یحییٰ بن آدم عن اسرائیل بن یونس عن جدہ ابی اسحاق السبیعی کی سند سے حبشی سے روایت کیا اور یہ سب شیخین کے نزدیک حجت ہیں اور جس نے اس حدیث کو ''مسند احمد'' میں دیکھا تو اس نے جان لیا کہ اس کا صدور حجۃ الوداع ہی میں تھا۔''

میں کہتا ہوں: واللہ المستعان، ان سطور میں کئی جھوٹ ہیں:

(۱)......اس کا یہ کہنا: ''عرفات کے دن'' روایات میں اس کے بارے مطلق طور پر کوئی بنیاد نہیں۔ اس نے یہ اضافہ محض اس امر کو بہت بڑا اور ہولناک بنانے کے لیے گھڑا ہے اور وہ دوسری عبارت کے ساتھ اسے دہراتا ہے۔ اس نے (ص ۱۹۴ پر) کہا: ''جب عرفات میں وقوف کا دن تھا آپ نے لوگوں کو آواز دی: علی مجھ سے ہیں......''!

(۲)......اس کا یہ کہنا: ''حجۃ الوداع میں''۔ میں جانتا ہوں کہ یہ الفاظ صرف ابن عساکر کے کمزور طریق سے وارد ہیں، اور اس نے اس اضافے کے ساتھ حدیث کو ابن عساکر کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا ہے جیسا کہ میں نے دیکھا اور وہ ان کے ہاں نہیں ہے، پس وہ ان پر واضح افتراء ہے۔

(۳)......اس کا یہ کہنا: ''جس نے اس حدیث کو مسند احمد میں دیکھا......'' یہ کھلی گمراہی ہے، ''مسند احمد'' میں صرف ابواسحاق کا قول ہے یا اس کے علاوہ جو حبشی کے بارے میں ہے: ''وہ حجۃ الوداع میں حاضر تھا۔''

ہر عقل مند اور صاحب علم شخص جانتا ہے کہ یہ جملہ صراحت کے طور پر بتاتا ہے نہ کہ اشارے کے طور پر کہ حبشی بن جنادہ نے اس حدیث کو حجۃ الوداع میں آپ ﷺ سے سنا ہو۔

(۴)......اس کا یہ کہنا: ''اپنی اپنی صحیح میں''۔ یہ ایک اور گمراہی ہے، کیونکہ امام ترمذی اور امام نسائی کی کتاب ''السنن'' کے طور پر معروف ہیں نہ کہ ''صحیح'' کے نام سے، یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ ان دونوں کتابوں میں ضعیف احادیث بھی ہیں، کوئی اور تو کیا مؤلف نے ان کے ضعیف ہونے کی خود صراحت کی ہے، خاص طور پر ان دونوں میں سے اوّل، اور یہ کہ امام نسائی نے اس حدیث کو اپنی ''سنن'' میں روایت نہیں کیا، وہ ''الخصائص'' میں ہے۔ جیسا کہ بیان ہوا، پس یہ ایک اور گمراہی ہے، اگرچہ وہ اس پر ''الصحیح'' کا اطلاق کرے، جیسا کہ ظاہر ہے!

(۵)......اس کا یہ کہنا: ''متعدد طرق سے''۔ یہ بھی کذب ہے، کیونکہ وہ المسند میں نہیں، بلکہ نہ اس کے علاوہ

میں ہے، سوائے ایک طریق کے، وہ ابواسحاق السبیعی عن حبشی کا طریق ہے۔ زیادہ تر طرق تو صرف السبیعی تک ہیں، اوراس حال میں یہ کہنا صحیح نہیں: ''متعدد طرق سے'' یہ تو اس شیعی جیسا متساہل یا مدلس شخص ہی کہہ سکتا ہے۔

(۶)...... اس کا یہ کہنا: ''وہ سب صحیح ہیں''۔ میں کہتا ہوں: یہ دوہرا جھوٹ ہے، کیونکہ اس کا صرف ایک ہی طریق ہے، جیسا کہ اس کا بیان ابھی گزرا، کیونکہ اس پر صحیح کا اطلاق درست نہیں، کیونکہ اس میں متفرد کا اختلاط ہے اور وہ السبیعی ہے اور وہ عنعنہ سے روایت کرتا ہے، جیسا کہ اس کا بیان گزرا۔

پھر جان لیجیے کہ اس شیعہ کے اس کی کتاب مذکور میں بہت زیادہ جھوٹ ہیں، مزید برآں وہ اس علم سے لابلد ہے، اور وہ ضعیف و موضوع احادیث سے دلیل لیتا ہے اور وہ صحابہ کرام، ائمہ حدیث اور اہل السنہ پر جو طعن کرتا ہے وہ اس کے علاوہ ہے، یہ ایسا معاملہ ہے جس کی وجہ سے اس کی تردید کرنا ضروری ہو جاتا ہے، اور اس کی کتاب میں جو برائیاں، خطائیں اور جھوٹ ہیں ان سے پردہ اٹھانا لازم ہے، میں نے اس کی ضعیف اور موضوع احادیث کی جرح و تنقید میں بہت ہمت سے کام لیا، میں ان میں سے اب تک تقریباً سو احادیث جمع کر چکا ہوں، ان میں سے زیادہ تر یا سب کی سب علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے بارے میں ہیں اور وہ جو ضعیف اور موضوع کے مابین ہیں اور ان کے نمبر دوسری کتاب (۴۸۸۲ـ۴۹۶۰) [1] میں ہیں، واللہ والمستعان.

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (۵/۶۴۰ـ۶۴۲) حدیث رقم (۲۴۸۷) کے تحت فرمایا:

''تم میں سے کوئی اس قرآن کی تاویل پر قتال کرتا ہے۔ جس طرح میں نے اس کی تنزیل پر قتال کیا۔ پس ہم نے نظر اٹھا کر دیکھا جبکہ ابوبکر و عمر ہم میں موجود تھے۔ آپ نے فرمایا: ''نہیں، لیکن وہ جوتا ٹانکنے والا۔ یعنی علی رضی اللہ عنہ۔'' [2]

تنبیه ......: عبدالحسین الشیعی نے اپنی "المراجعات" (ص:۱۸۰) میں اس حدیث کی تخریج میں بہت ہی بے تکی باتیں کی ہیں، اس نے اسے امام حاکم اور امام احمد کی طرف منسوب کرنے کے بعد کہا:

''امام بیہقی نے اسے ''شعب الایمان'' میں، سعید بن منصور نے اپنی ''سنن'' میں، ابونعیم نے ''حلیہ'' میں اور ابویعلی نے ''السنن''، ۲۵۸۵ میں (ص ۱۵۵) "الکنز" جزء ۶ میں روایت کیا ہے۔''

میں نے کہا: یہ اس کی کتب حدیث سے مکمل لاعلمی اور اس کی قلتِ تحقیق پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ وہ حدیث جو "الکنز" میں ہے جس کی طرف اس نے اشارہ کیا ہے اس (حدیث) کے لیے اس میں یہ رموز ہیں "حم ع

---

[1] وہ "الضعیفة" قسم ثانی جلد ۱۰ میں ہے۔ دیکھیں فصل: افتراء ات عبد الحسین الموسوی فی کتابه "المراجعات" دسویں جلد/قسم ثانی سے......

[2] اس کی تخریج گزشتہ مصدر میں دیکھیں۔

هب، حل ص" رمز (هب ص) میں تصحیف واقع ہوئی ہے، جبکہ درست (حب ، ض) ہے جیسا کہ السیوطی کی "الجامع الکبیر" (۱/ ۲۲۳/ ۲) میں ہے۔ اسی تصحیف پر جس پر الشیعی نے آگاہی حاصل نہ کی، بنیاد بناتے ہوئے، اس (الشیعی) سے وہ نسبت آئی جس کی کوئی اصل نہیں: "البیهقی فی شعب الایمان" اور سعیدبن منصور فی سننه"!

اگر یہ کہا جائے کہ اس بارے میں الشیعی پر کوئی ملامت نہیں، کیونکہ اس نے اس رمز کی تفسیر بیان کی جسے اس نے کتاب میں دیکھا، جو کوئی کسی کتاب سے نقل کرتا ہے تو وہ اس بات کا ذمہ دار نہیں ہوتا کہ وہ اس کی نصوص اور اس کے رموز کے بارے میں تحقیق کرے۔

میں کہتا ہوں: یہ حق ہے، لیکن "الکنز" میں واقعہ رموز کی ترتیب میں عالم کو پتہ نہیں چلتا کہ اس میں تحریف ہے جب تک وہ مراجعت نہ کر لے، پس رمز (هب ، ك ، حل ، ص) اہل علم کے نزدیک غیر معقول ہے اور قابل قبول نہیں۔ کیونکہ (هب) بیہقی کے لیے رمز ہے وہ (ك)، جو کہ حاکم کے لیے رمز ہے شاگرد ہیں، پس ذکر کرنے میں کس طرح شاگرد کو اس کے استاد پر مقدم کیا جا سکتا ہے؟ خاص طور پر جبکہ اس کے استاد کی کتاب (مستدرک حاکم) کا "شعب للبیهقی" کے خلاف ''صحاح'' میں شمار ہوتا ہو، اور بے شک (ص) سعید بن منصور کے لیے رمز ہے، وہ ان کے لیے تمام رموز سے اعلیٰ ہے، پس اسے ان سے کس طرح موخر کیا جا سکتا ہے جبکہ وہ ان پر مقدم ہے؟! لیکن درست وہی ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے یعنی (ض)، اور وہ ''المختارة'' میں ضیاء المقدسی کے لیے رمز ہے، اگر اس شیعی کو ائمہ حدیث کی سوانح حیات کے بارے میں معرفت ہوتی، تو وہ اسے اس طرح کی بے تکی باتوں سے بچانے کے لیے کافی ہوتی۔

اس پر اضافہ کرلیں کہ اس نے (ع) کی "ابو یعلی فی السنن" سے تفسیر کی ہے! حالانکہ وہ تو ابو یعلی فی "المسند" ہے، اور ابتدائی طالب علم جانتے ہیں کہ ابو یعلی کی ''کتاب السنن'' نہیں ہے، اور اس (الشیعی) کی اس جیسی اور بھی عجیب وغریب باتیں ہیں، جیسا کہ اس نے ایک حدیث میں کہا: ''جو نوح کو ان کے عزم میں دیکھنا چاہے......''

''امام بیہقی نے اسے اپنی ''صحیح'' میں اور امام احمد نے اپنی ''مسند'' میں روایت کیا''!

امام بیہقی کی کتاب الصحیح ہے نہ امام احمد نے اسے اپنی ''مسند'' میں روایت کیا ہے، بلکہ وہ موضوع حدیث ہے جیسا کہ میں نے اس کی دوسری کتاب میں رقم (۴۹۰۳) کے تحت تحقیق کی ہے، میں نے اس میں بہت سی ان ضعیف اور موضوع احادیث کی تخریج کی ہے جن سے اس مذکورہ شیعہ نے علی رضی اللہ عنہ کی ولایت اور ان کی عصمت کے بارے میں اہل السنن کے خلاف دلیل لی ہے، لہٰذا (۴۸۸۲۔۴۹۰۷) احادیث کا مطالعہ کریں تو اس

کے بعد آپ کو بہت عجیب صورت حال دکھائی دے گی، اور آپ پر ظاہر ہو جائے گا کہ علم حدیث، اس کے راویوں اور اس کے صحیح وضعیف کے متعلق اس کے پاس کوئی علم نہیں، وہ تو ردی فروش رایندھن اکٹھا کرنے والا لکڑہارا ہے!

دوسری تنبیہ: ......اس مذکورہ شیعہ نے کتاب کے حاشیے (ص ۱۶۶) میں وہی حدیث ان الفاظ سے بیان کی ہے: ((كَمَا قُوتِلْتُمْ عَلَى تَنْزِيلِهِ .))

''جس طرح تم سے اس کی تنزیل پر لڑائی کی گئی۔''

پس اس نے آپ ﷺ کے فرمان: ''قَاتَلْتُ'' کو ''قُوتِلْتُمْ'' سے بدل دیا، اس نے یہ صحابہ کرام پر الزام نے اور ان پر طعن کرنے کی خاطر کیا، اللہ اس کے استحقاق کے مطابق اس سے معاملہ کرے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''الضعیفہ'' (۱۶۷/۵) میں حدیث رقم (۲۱۴۴) کے تحت فرمایا:

عبدالحسین شیعی نے اس من گھڑت اضافے ❶ سے ناجائز فائدہ حاصل کیا، پس اس نے اس کے ذریعے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر طعن کیا، اگر آپ چاہیں تو اس کی کتاب ''المراجعات'' (ص ۲۴۸)۔ حدیث نمبر (۴۹۶۴) ❷ کا مطالعہ کریں۔ تاکہ آپ کو آپ ﷺ کے اہل کے بارے میں اس شیعہ کے موقف کے متعلق یقین ہو جائے۔

۴:......رافضہ اور غدیر (خم) ❸ اور ''المراجعات'' کے مصنف اور خمینی کی ''کشف الاسرار'' میں افتراء پردازیاں:

ہمارے شیخ نے ''الصحیحۃ'' (۶۴۴/۵۔۶۴۶) میں حدیث رقم (۲۴۸۹) کے لیے ''عِصْمَتُهُ مِنَ النَّاسِ'' ''آپ کا لوگوں سے بچاؤ'' عنوان مقرر کیا ہے، اور اس کے بعد تخریج بیان کی ہے، ہم اسے اور رافضہ کے ''المراجعات'' کے مصنف موسوی اور خمینی جیسے بڑوں کے کذب وافتراءات ذکر کریں گے۔ ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے فرمایا:

آپ ﷺ کی حفاظت کی جاتی تھی حتی کہ یہ آیت: ﴿وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (المائدة: ٦٧) ''اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا'' نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے خیمے سے اپنا سر مبارک باہر نکالا تو ان (حفاظتی دستے) سے فرمایا: لوگو! چلے جاؤ اللہ نے مجھے بچا لیا ہے۔''

(ترمذی (۱۷۵/۲)، ابن جریر (۱۹۹:۶)، الحاکم (۳۱۳/۲) حارث بن عبید عن سعید الجریری، عن عبد اللہ بن

---

❶ عائشہ یا حفصہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے شادی کرنے والی خاتون سے کہا: نبی ﷺ کو عورت (اہلیہ) سے یہ جملہ بہت اچھا لگتا ہے کہ جب وہ آپ کے پاس آئے تو کہے: میں آپ سے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں...... یہ اضافہ ضعیف ہے۔ حدیث کی تخریج دیکھیں۔

❷ یعنی: ''سلسلہ ضعیفہ'' (جلد ۱۰) سے۔

❸ دیکھیں ''الضعيفة'' (١٠/ ٦٨١ ـ ٦٨٢) حديث رقم (٤٩٦١). ہم نے اسے اپنی اس کتاب میں اس کے مقام پر نقل کیا ہے۔

شقیق، عن عائشہ کے طریق سے، آپ (عائشہ رضی اللہ عنہا) نے فرمایا: پس اس نے اسے ذکر کیا۔ اور امام ترمذی نے فرمایا:

"حدیث غریب ہے، ان میں سے بعض نے اسے جریری عن عبد اللہ بن شقیق کے حوالے سے روایت کیا، انہوں نے کہا: نبی ﷺ کی نگہبانی کی جاتی تھی۔ اور انہوں نے اس میں، عن عائشہ ذکر نہیں کیا۔"

میں نے کہا: یہ اضافہ صحیح ہے، کیونکہ حارث بن عبید، اور وہ ابو قدامہ الایادی ہے۔ اس کے حفظ کے حوالے سے ضعف ہے، حافظ رحمہ اللہ نے "صُدُوقٌ يُخطِيءُ (سچا ہے مگر غلطی کر جاتا ہے)" کہہ کر اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

امام ترمذی نے جن کی طرف اشارہ کیا ہے ان میں سے بعض نے اس کی مخالفت کی ہے، ان میں سے اسماعیل بن علیہ ثقہ اور حافظ ہیں، ابن جریر نے ان سے دو اسناد سے الجریری کے حوالے سے مرسل روایت کیا ہے۔

میں نے کہا: وہ مرسل کے طور پر صحیح ہے، رہا امام حاکم کا عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے المسند کے بعد یہ کہنا: "صحیح الاسناد" تو وہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے اس حوالے سے مردود ہے، اگرچہ ذہبی نے اس کی متابعت کی ہے۔ ہاں، حدیث صحیح ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس کا ایک شاہد ہے، انہوں نے کہا:

"رسول اللہ ﷺ جب کسی جگہ قیام فرماتے وہ (صحابہ کرام) جس درخت کو سب سے بڑا سمجھتے اسے نبی ﷺ کے لیے مقرر کر دیتے تھے، آپ ﷺ اس کے نیچے قیام فرماتے تھے، اس کے بعد صحابہ درختوں کے سائے تلے پڑاؤ ڈالتے تھے، آپ ﷺ درخت کے نیچے قیام فرما رہے تھے (آپ نے اپنی تلوار اس پر لٹکائی ہوئی تھی) کہ اچانک ایک اعرابی آیا۔ اس نے درخت سے وہ تلوار لی، پھر نبی ﷺ کے قریب آیا جبکہ آپ سو رہے تھے، اس نے آپ کو جگایا، اور کہا: محمد! آج آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: "اللہ" تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (المائدة:٦٧) "رسول! آپ کے رب کی طرف سے جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دیں، اور اگر آپ نے ایسے نہ کیا تو آپ نے اس کی رسالت کو نہ پہنچایا۔ اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔"

ابن حبان نے اسے "اپنی صحیح ۔۱۷۳۹ موارد" میں، ابن مردویہ نے جیسا کہ دو طریق سے حماد بن سلمہ کے حوالے سے ابن کثیر (۱۹۸/۶) میں روایت کیا' انہوں (حماد بن سلمہ) نے کہا: محمد بن عمرو نے ابو سلمہ کے حوالے سے ان سے ہمیں بیان کیا:

میں نے کہا: یہ اسناد حسن ہے۔

ابن کثیر نے حدیث جابر کے حوالے سے اس کا دوسرا شاہد ذکر کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے اسے روایت کیا ہے۔ اس کے سعید بن جبیر اور محمد بن کعب القرظی کے حوالے سے دو دوسرے مرسل شاہد ہیں۔

جان لیجیے کہ شیعہ...... بیان کردہ احادیث کے خلاف...... کہتے ہیں کہ مذکورہ آیت غدیر (خُم) کے روز علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، اور وہ اس بارے میں متعدد روایات ذکر کرتے ہیں ان میں سے زیادہ تر مرسل اور معضل ہیں، ان میں سے ابوسعید خدری کی روایت ہے، جو کہ ان سے صحیح ثابت نہیں جیسا کہ میں نے اسے "الضعیفة" [1] (۴۹۲۲) میں ثابت کیا ہے، دوسری روایات جن کی طرف عبدالحسین شیعی نے اپنی "مراجعات" (ص ۳۸) میں ان کی اسانید کی تحقیق کیے بغیر ان کی طرف اشارہ کیا ہے، جیسا کہ اس کی اپنی کتاب کی تمام احادیث کے بارے میں عادت ہے، کیونکہ اس کی غایت ہر اس چیز کو جمع کرنا ہے جو اس کے مذہب کے حق میں گواہی دے، خواہ وہ ان کے قاعدے: "الغاية تبرر الوسيلة" کے تحت صحیح ہو یا نہ ہو! لہٰذا اس سے اور اس کی روایات سے محتاط رہو، فقط یہی نہیں۔ بلکہ وہ قارئین سے تدلیس کرتا ہے اگر میں یہ نہ کہوں کہ وہ ان سے جھوٹ بولتا ہے کیونکہ اس نے ابوسعید کی روایت کی تخریج میں اس جگہ جس طرف اشارہ کیا گیا ہے منکر بلکہ باطل بات کہی ہے:

"اسے کئی اصحاب السنن...... جیسے امام الواحدی...... نے روایت کیا ہے۔"

اس کے جھوٹ کی وجہ: اس علم کے ابتدائی طالب علم جانتے ہیں کہ الواحدی سنن اربعہ (ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ) کے مؤلفین میں سے نہیں، وہ تو ایک مفسر ہے، وہ اپنی اسانید سے روایت کرتا ہے خواہ صحیح ہو یا نہ ہو، اور ابوسعید کی روایت انہی میں سے ہے جو صحیح نہیں، اس نے اسے اس طریق سے روایت کیا ہے جس میں متروک اور شدید ضعف ہے: جیسا کہ "ضعیفہ" میں اس جگہ جس طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ واضح کیا گیا ہے۔

یہ قدیم و جدید شیعوں کی عادت ہے کہ وہ اہل السنہ کے خلاف جھوٹ بولنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ وہ اپنی کتابوں اور خطبوں میں اس کا عملی ثبوت دیتے رہتے ہیں، اور انہوں نے وضاحت کی کہ وہ تقیہ کے لیے اسے حلال سمجھتے ہیں، جیسا کہ خمینی نے اپنی کتاب "کشف الاسرار" (ص ۱۴۷۔۱۴۸) میں اس کی صراحت کی ہے۔ اور یہ کسی پر مخفی نہیں کہ تقیہ جھوٹ کی ایک قسم ہے، اس لیے ان کے متعلق بہت سے زیادہ جاننے والی شخصیت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

"شیعہ تمام گروہوں سے سب سے زیادہ جھوٹے ہیں۔"

اور میں نے بذات خود ان کے بعض مؤلفین میں ان کے جھوٹ دیکھے ہیں، خاص طور پر یہ عبدالحسین، اور ثبوت آپ کے سامنے ہے، کیونکہ وہ اس کے مذکورہ ایک جھوٹ سے بھی بڑا جھوٹ ہے، اس نے قارئین کو وہم میں ڈالا کہ اہل السنہ کے نزدیک وہ حدیث جس کی علت بیان نہ کی گئی ہو وہ تسلیم شدہ روایات میں سے ہوتی ہے، اور اس نے اس کے کثرت طرق کا دعویٰ کیا ہے، جھوٹ میں خمینی اس (عبدالحسین) سے بھی بڑھ کر تھا، اس نے اس

[1] دیکھیں فصل: (افتراءات عبد الحسين الموسوي في كتابه "المراجعات" رقم (۱۵) غدیر (خم) کے موضوع پر بحث......."

کتاب مذکور (ص ۱۴۹) میں صراحت کی کہ غدیر خم کے دن آیت عصمت، علی بن ابی طالب کی امامت کے بارے میں نازل ہوئی، اس کا اہل السنہ کو اعتراف ہے اور شیعہ کا اتفاق، اس نے اس طرح کیا۔ اللہ اس سے اس کے استحقاق کے مطابق معاملہ کرے۔ میں اس معاملے کو "الضعیفة" میں مزید بیان کروں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۵:......رافضہ اور جو شخص اپنے زمانے کے امام کی معرفت حاصل کیے بغیر فوت ہو جائے:

ہمارے شیخ نے "الضعيفة" (۱/ ۵۲۵) رقم (۳۵۰) اور "الضعيفة" (۵/ ۸۷-۸۸) رقم (۲۰۶۹) ❶ میں درج ذیل حدیث نقل کی:

((مَنْ مَاتَ وَ لَمْ يَعْرِفْ إِمَامَ زَمَانِهِ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً .))

"جو شخص اپنے زمانے کے امام کی معرفت کے بغیر فوت ہو جائے تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔"

پھر انہوں نے اس پر علمی گرفت کرتے ہوئے فرمایا: ان الفاظ کے ساتھ اس کی کوئی اصل نہیں۔ شیخ ابن تیمیہ نے فرمایا:

"اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے اس طرح نہیں فرمایا، معروف صحیح مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "جس نے اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا، وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے حق میں کوئی حجت نہیں ہوگی، اور جس نے اس حال میں وفات پائی کہ اس کی گردن میں بیعت نہ ہو۔ تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔"

امام ذہبی نے اسے "مختصر منهاج السنة" (ص ۲۸) میں برقرار رکھا ہے، اور وہ دونوں ہمارے لیے بطور دلیل کافی ہیں۔

میں نے اس حدیث کو شیعہ کی بعض کتب میں دیکھا، پھر قادیانیوں کی بعض کتابوں میں، وہ اس سے اپنے دجال مرزا غلام احمد، جس نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا' پر ایمان لانے کے وجوب پر استدلال کرتے ہیں، اگر یہ حدیث صحیح ہو تو پھر بھی ان کے زعم و خیال کی طرف اس میں ادنی سا بھی اشارہ نہیں، اس میں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ایک امام بنائیں اور اس کی بیعت کریں، اور یہ حق ہے جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث سے اس کی رہنمائی ملتی ہے۔

پھر میں نے اس حدیث کو شیعہ کے عالم الکلینی کی کتاب "الاصول من الكافى" میں دیکھا، اس نے (۱/ ۳۷۷) اسے محمد بن عبدالجبار عن صفوان، عن الفضيل، عن الحارث بن المغيرة عن أبي عبدالله کی سند سے مرفوعاً روایت کیا۔

---

❶ اس حدیث (۵/ ۸۷-۸۸) پر انہوں نے الضعیفة (۳۵۰) جیسی بحث کی ہے جسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔

اور ابوعبداللہ سے مراد حسین بن علی رضی اللہ عنہما ہیں......

۶......''کشف الاسرار'' میں خمینی کا کذب [1]:

پھر ہمارے شیخ نے "الضعیفة" (۱ ۵۲۶) میں فرمایا:

شیعہ کے بے شمار جھوٹوں میں سے "کسف الاسرار" (ص ۱۹۷) میں خمینی کا قول ہے: ''ایک حدیث ہے جو کہ شیعہ اور اہل السنہ کے ہاں معروف ہے۔ وہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے منقول ہے......''

پھر اس نے اسے آپ پر صلاۃ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے بغیر ذکر کیا (یعنی نبی کہا صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہا)، اور اس کتاب میں یہ اس کی عادت ہے! اس کا یہ کہنا: ''اور اہل السنہ'' پر واضح کذب ہے، کیونکہ وہ ان کے ہاں معروف نہیں، جیسا کہ بیان ہوا، بلکہ وہ واضح طور پر باطل ہے خواہ صحیح مسلم کی روایت سے تفسیر نہ بھی کی جائے، جیسا کہ وہ منہاج اور اس کی ''مختصر'' میں ثابت کیا گیا ہے، تو اس صورت میں وہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے، ان دونوں کا مطالعہ کریں۔

۷:......ابن المطہر الحلی کے جھوٹ [2]:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱/ ۵۳۰) میں حدیث [3] (۳۵۵) کے تحت فرمایا:

شیعہ کے اکاذیب میں سے جن میں وہ ایک دوسرے کی تقلید کرتے ہیں کہ ابن المطہر الشیعی نے اس (یعنی: حدیث) کو اپنی کتاب میں روایت احمد کی طرف منسوب کیا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کا انکار کیا ہے اور اس پر رد کرتے ہوئے فرمایا:

''امام احمد رحمہ اللہ نے اسے روایت نہیں کیا، ''مسند'' میں نہ ''فضائل'' [4] میں، انہوں نے اسے کبھی روایت نہیں کیا......''

۸:......رافضہ اللہ کی سب سے زیادہ جھوٹی مخلوق:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱/ ۲۷۶) میں ابن القیم رحمہ اللہ سے ان کا قول: ''حس اس حدیث [5]

---

[1] اسے دیکھیں: الضعیفة: (۱۰/ ۱۱، ۵۳۸، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۹۰، ۵۹۳، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷) ہم نے ان سب افتراءات کو عبدالحسین الموسوی کی کتاب "المراجعات" میں ایک فصل میں نقل کیا ہے۔

[2] دیکھیں: "الضعیفة" (۱۰/ ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۸۶، ۵۹۱، ۵۹۶، ۶۳۰) ہم نے اس سب کو ایک فصل: افتراءات عبدالحسین الموسوی فی کتابه "المراجعات" میں نقل کیا ہے۔

[3] اور وہ: ''صدیق تین ہیں:......اور علی بن ابی طالب اور وہ ان میں سے افضل ہیں۔''

اور وہ کذب ہے جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا، امام ذہبی نے اسے "مختصر المنهاج" (ص ۳۰۹) میں برقرار رکھا اور وہ دونوں بطور حجت کافی ہیں۔ ہمارے شیخ نے اسے سابق مرجع میں نقل کیا ہے۔

[4] فضائل سے مراد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی کتاب "فضائل الصحابة رضی الله عنهم" ہے۔ (شہباز حسن)

[5] اور وہ: ''سب سے زیادہ جھوٹے، مکار اور ماہر کلام (جھوٹ کو سچ بنانے کے ماہر) ہیں۔'' "ضعیفة" میں اس کا نمبر ۱۴۲ ہے۔

کو رد کرتی ہے، کیونکہ ان کے علاوہ کسی اور میں کذب ان میں کئی گنا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اللہ کی سب سے زیادہ جھوٹی مخلوق ہے۔ کاہن، طرقیہ اور نجومی ......" ❶

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (٥/ ٦٤٦) میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: "شیعہ تمام گروہوں سے سب سے زیادہ جھوٹے ہیں۔"

اور آپ نے "الضعیفة" (٣٣٥:٧) میں فرمایا:

"......شیعہ کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ سب گروہوں میں سب سے زیادہ جھوٹے ہیں مگر وہ جسے اللہ بچائے......"

٩......شیعہ اور قبروں کی تقدیس اور ان پر عمارت قائم کرنا اور انہیں پختہ کرنا:

شیعہ اور قبروں کی تقدیس اور اس پر عمارات تعمیر کرنا بنانا اور انہیں پختہ کرنا اور ان کے علاقوں میں شرک و وثنیت کے بہت سے مظاہر ہیں، جیسے قبروں کے لیے سجدے اور ان کے گرد طواف، ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا اور سجدہ کرنا نیز اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان سے دعا کرنا۔

"تحذیر الساجد" (ص ١١٠، ١١٧)

١٠:......رافضہ اور رجعت (مرنے کے بعد دنیا میں واپسی کا عقیدہ):

ہم نے اسے جابر بن یزید جعفی کے سوانح حیات سے لیا، ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (٢٤٥/٢) سے اس کے حالاتِ زندگی میں بیان کیا۔

......اور وہ ضعیف ہے، بلکہ بعض ائمہ نے اسے جھوٹا کہا ہے، وہ رافضی تھا اس کا عقیدہ تھا کہ علی رضی اللہ عنہ فوت نہیں ہوئے اور وہ بادلوں میں ہیں، وہ دنیا میں دوبارہ آئیں گے۔ ❷

١١:......رافضہ اور کربلا کی پاکی وعظمت نیز اس کی زمین پر سجدہ کرنے کی فضیلت ❸:

"الصحیحة" (٣/ ١٦٢-١٦٣)

---

❶ ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "تحذیر الساجد" (ص ٩٠) میں فرمایا: اور اسی طرح بعض غالی شیعہ نے اپنی کتاب "کشف الارتیاب" (ص ٦٦) میں کیا، اس میں طریق مسلم سے حدیث کے ضعیف ہونے کی صراحت کی ہے! اس کے راویوں پر طعن کیا حالانکہ وہ سب ثقہ ہیں۔

[اور وہ حدیث علی رضی اللہ عنہ ہے جو کہ ابو الہیاج اسدی سے مروی ہے، انہوں نے کہا، علی بن ابو طالب نے مجھے فرمایا: کیا میں تمہیں اس کام پر نہ بھیجوں، جس پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا؟ "یہ کہ تم ہر مورتی کو ختم کر دو اور ہر اونچی قبر کو برابر کر دو۔" "تحذیر الساجد" (ص ٨٨-٨٩) میں اس کی تخریج دیکھیں۔]

❷ "تهذیب التهذیب" (٢/ ٤٢-٤٤)۔ دار الفکر) میں اس کی سوانح حیات دیکھیں۔

❸ نماز کی بدعات میں اس مسئلہ کی تفصیل دیکھیں: تربت حسینی پر سجدہ کرنے کی بدعت۔

۱۲:......رافضہ اور یوم عاشوراء [1]:

ہمارے شیخ نے ابن قیم کا درج ذیل قول "الضعیفة" (۲/ ۸۹) میں حدیث رقم (۶۲۴) کے تحت نقل کیا ہے:

''جس نے عاشوراء کے دن (سرمہ) ڈالا اسے کبھی آشوب چشم نہیں ہوگا۔''

''رہی عاشوراء کے دن سرمہ نے، تیل اور خوشبو لگانے والی احادیث تو وہ کذاب راویوں کی وضع کردہ ہیں، اور دوسروں نے ان کا مقابلہ کیا تو انہوں نے اسے رنج وغم کا دن بنالیا۔ [2] یہ دونوں گروہ بدعتی ہیں، اہل السنۃ سے خارج ہیں، جبکہ اہل السنہ نبی ﷺ کے حکم کے مطابق اس دن روزہ رکھتے ہیں اور شیطان نے جن بدعات کا حکم دیا ہے ان سے اجتناب کرتے ہیں۔'' [3]

۱۳:......رافضہ اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کی عصمت کے متعلق قول:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (۴/ ۵۳۰) سے حدیث رقم (۱۹۰۴) کے تحت فرمایا:

پس ان دونوں [4] میں اس شخص کی جس نے لاعلمی یا تجاہل کے طور پر رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ (الاحزاب: ۳۳) ''اہل بیت! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کو دور رکھے اور تمہیں ہر قسم کا آلائش سے خوب اچھی طرح پاک کرے۔'' سے دلیل لیتے ہوئے آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کی معصومیت کے متعلق نیا قول بیان کیا، قطعی تردید ہے کیونکہ اس آیت میں ارادہ کونی نہیں جس سے مراد کا واقع ہونا لازم آتا ہے، وہ تو ارادہ شرعیہ ہے جس میں محبت و رضا بھی پائی جاتی ہے، ورنہ تو یہ آیت شیعہ کے لیے ائمہ اہل بیت کی عصمت پر استدلال کرنے پر دلیل ہوتی، اور ان (اہل بیت) میں سب سے اوپر علی رضی اللہ عنہ ہیں، اور یہ وہ چیز ہے جس سے یہ مبتدع غافل رہا، اس کے باوجود کہ وہ دعوی کرتا ہے کہ وہ سلفی ہے!

اسی لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے شیعی رافضی (۲/ ۱۱۷) پر اپنے ردّ میں فرمایا:

''آیت تطہیر تو اس میں اہل بیت کی طہارت اور ان سے ناپاکی دور کرنے کے بارے میں خبر نہیں ہے، اس میں تو ان کے لیے امر ہے جو ان کی طہارت اور ان سے ناپاکی دور کرنے کو لازم کرتا ہے۔

---

[1] اس کتاب سے مہینوں، دنوں اور راتوں کی بدعات دیکھیں۔

[2] ابن قیم یہاں روافض کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

[3] دیکھیں: ایام، مہینوں اور راتوں کی بدعات ''عاشوراء کے دن سرمہ لگانا اور بچوں پر زیادہ خرچ کرنا۔''

[4] یعنی: ان دونوں حدیثوں میں جنہیں شیخ الالبانی رحمہ اللہ نے حدیث رقم: ۱۹۰۴۔ اور ایک اور حدیث جو اس کے نیچے ہے اور وہ حدیث یہ ہے: عائشہ! مجھے تمہارے بارے میں یہ اور یہ خبر پہنچی ہے، اگر تم بری ہو تو اللہ عنقریب تمہاری براءت ظاہر کردے گا، اور اگر تم سے کوئی گناہ ہوگیا ہے تو اللہ سے مغفرت طلب کرلو اس کے حضور توبہ کرلو...... '' پھر شیخ نے اسے "الصحیحة" سے حدیث رقم (۲۵۰۷) کے تحت نقل کیا ہے، اسے عنقریب نقل کیا جائے گا۔

اس سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ انہیں حکم دیا گیا ہے نہ کہ اس میں امر واقع کے بارے میں خبر دی گئی ہے،
"الصحیح" میں جو ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے فاطمہ، علی، حسن اور حسین پر چادر اوڑھی، پھر دعا کی: ''اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے ناپاکی دور کر دے اور انہیں خوب اچھی طرح پاک کر دے۔'' (صحیح مسلم) پس اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے اس کے وقوع کے بارے میں خبر نہیں دی، کیونکہ اگر وہ واقع ہوتا تو آپ اس کے وقوع پر اللہ کی ثنا بیان کرتے، اور اس پر اس کا شکر ادا کرتے، آپ صرف دعا پر ہی اکتفا نہ کرتے۔''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (۳/ ۲۱۰) میں حدیث رقم (۱۲۰۸) کے تحت فرمایا: عائشہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''اگر تم نے کوئی گناہ کیا ہے تو اللہ سے مغفرت طلب کر اور اس کے حضور توبہ کر، کیونکہ گناہ سے توبہ ندامت واستغفار ہے۔''

اور اس میں آپ ﷺ کی ازواج کے معصوم نہ ہونے کی دلیل ہے۔ جو کہ بعض گمراہوں کے موقف کے خلاف ہے!

ہمارے شیخ نے اس اہم مسئلے کے بیان میں، جس کی نص "الصحیحة" (٦/ ٢٦-٢٨) میں ہے، حدیث رقم (۲۵۰۷) ❶ کے تحت فرمایا:

اور یہ کہنا: ''أَلْمَمْتِ'' حافظ نے فرمایا: یعنی تم سے خلاف عادت واقع ہوا ہے اور یہ لفظ الالمام کی حقیقت ہے۔ اور اسی سے ہے۔

((أَلَمَّتْ بِنَا وَاللیلُ مُرْخٍ ستورهُ.))

''وہ خلاف عادت ہمارے پاس آئی جبکہ رات چھا رہی تھی۔''

داوودی نے کہا: ''آپ نے انہیں اعتراف کرنے کا حکم فرمایا، اور آپ نے انہیں چھپانے پر آمادہ نہیں کیا تاکہ نبی ﷺ کی ازواج اور دیگر خواتین کے درمیان فرق رہے، پس آپ ﷺ کی ازواج پر ان سے ہونے والے واقعہ کے متعلق اعتراف کرنا واجب ہے اور ان پر واجب ہے کہ وہ اسے نہ چھپا‎ئیں، کیونکہ نبی ﷺ کے لیے اسے روکنا حلال نہیں جو ان میں سے اس میں مبتلا ہو، دیگر لوگوں کی خواتین کے برعکس، کیونکہ انہیں ستر پوشی پر آمادہ کیا جاتا ہے۔''

---

❶ حدیث یہ ہے: "اما بعد! عائشہ! مجھے تمہارے متعلق اس طرح کی خبر ملی ہے، (تم بھی آدم کی بیٹیوں میں سے ہو)، اگر تم بری ہو تو اللہ عنقریب تمہاری براءت ظاہر کر دے گا، اور اگر تم نے کوئی گناہ کیا ہے تو اللہ سے مغفرت طلب کرو اور اس کے حضور توبہ کرو، کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اعتراف کر لیتا ہے اور پھر اللہ کے حضور توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے، ایک روایت میں ہے، گناہ سے توبہ ندامت ہے۔"

پھر حافظ نے قاضی عیاض سے نقل کرتے ہوئے اس کی علمی گرفت کی ہے جس میں اعتراف کے معاملے کے متعلق اس کا خیال ہے، پس جو چاہے اس کی طرف رجوع کرے، لیکن انہوں نے اس کے اس قول کو تسلیم کیا ہے کہ کسی نبی (ﷺ) کے لیے حلال نہیں کہ وہ اس (بیوی) کو اپنے پاس رکھے جس سے اس قسم کا گناہ سرزد ہو۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے نبی ﷺ کے بارے میں غیرت ہے، لیکن اس سبحانہ وتعالیٰ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور باقی تمام امہات المومنین کو اس سے محفوظ رکھا جیسا کہ یہ ان کی زندگی کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے، نیز خاص طور پر عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا نازل ہونا، اگرچہ عقلی طور پر اس کا وقوع ممکن تھا کیونکہ اس کے ان کے متعلق محال ہونے کے عدم وجود پر کوئی نص نہیں تھی۔ اسی لیے اس قصے میں نبی ﷺ کا موقف توقف کرنے (ٹھہرنے) والے کے موقف کی طرح تھا، اور آپ اس بارے میں شک کو ختم کردینے والی وحی کے نزول کے منتظر تھے، جو ترجمہ حدیث میں آپ ﷺ کے فرمان: ''تم آدم کی بیٹیوں میں سے ہو، اگر تم بری ہوئیں تو عنقریب اللہ تمہاری براءت نازل فرمادے گا، اور اگر تم نے کوئی گناہ کیا ہے تو اللہ سے مغفرت طلب کرو اور......'' سے ظاہر ہوتا ہے، اسی لیے الحافظ نے حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''اس (حدیث) میں ہے کہ نبی ﷺ اپنی ذات کے بارے میں بھی نزول وحی کے بعد فیصلہ فرمایا کرتے تھے، شیخ ابومحمد بن ابی حمزہ نے اس (فائدے) پر متنبہ فرمایا۔ اللہ ان کے ذریعے فائدہ پہنچائے۔''

یعنی: کہ نبی ﷺ نے نزول وحی کے بعد ہی عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کے متعلق قطعی بات فرمائی، اس میں قوی علامت ہے کہ وہ امر اپنی حد تک ممکن الوقوع ہے، اور وہی ہے جو قصے کے تمام حوادث اسی کے گرد گھومتے ہیں، اور شارحین کا کلام اسی پر ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِيْنَ﴾ (التحریم: ۱۰) ''اللہ نے کافروں کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان کی ہے، وہ دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں، ان دونوں نے ان دونوں کی خیانت کی، تو اللہ کے مقابلے میں کوئی چیز بھی ان کے کچھ کام نہ آسکی، اور کہا گیا جہنم کی آگ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی داخل ہو جاؤ۔'' کی تفسیر کے بارے میں حافظ ابن کثیر کے اس قول کے منافی نہیں:

''اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ''فَخَانَتَاهُمَا'' ان دونوں نے خیانت کی'' سے بے حیائی کے بارے میں خیانت مراد نہیں، بلکہ وہ دین کے بارے میں خیانت ہے، کیونکہ انبیاء کی ازواج انبیاء کی حرمت کی وجہ سے بے حیائی کا ارتکاب کرنے سے معصوم و محفوظ ہوتی ہیں، جیسا کہ ہم نے اسے سورۃ النور کی تفسیر میں بیان کیا۔''

اور انہوں نے وہاں (۸۱/۶) فرمایا:

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَاللّٰهِ عَظِيْمٌ﴾ (النور: ۱۵) ''اور تم اسے معمولی سمجھتے تھے جبکہ وہ اللہ کے نزدیک بڑی بھاری بات تھی۔'' یعنی: تم نے ام المومنین کی شان میں جو جو باتیں کہیں، اور تم انہیں بالکل معمولی سمجھ رہے تھے، اگر وہ نبی ﷺ کی زوجہ نہ بھی ہوتیں تو بھی یہ (بات) معمولی نہ تھی، پس کس طرح جبکہ وہ نبی اُمی خاتم الانبیاء وسید المرسلین کی زوجہ ہوں، یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی اور بھاری بات ہے کہ اس کے نبی اور اس کے رسول ﷺ کی زوجہ کے بارے میں اس طرح کی باتیں کی جائیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اس پر غیرت آتی ہے، اور اس سبحانہ وتعالیٰ نے انبیاء میں سے کسی نبی کی زوجہ پر اسے مقدر نہیں کیا، یہ قطعاً نہیں ہوسکتا، جب ایسے نہیں ہوا، تو پھر یہ انبیاء کی ازواج کی سردار، آدم کی اولاد کے دنیا وآخرت میں مطلق طور پر سردار کی زوجہ ہو کس طرح میں سکتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ﴿وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَا للّٰهِ عَظِيْمٌ﴾ (النور: ۱۵) ''اور تم اس (بات) کو معمولی سمجھتے تھے جبکہ وہ اللہ کے نزدیک بڑی بھاری بات تھی۔''

میں کہتا ہوں: ہم نے امکان کے حوالے سے جو ذکر کیا ہے یہ اس کے منافی نہیں، کیونکہ آپ رحمہ اللہ کے کلام میں بیان ہونے والی عصمت اور جو اس کے معنی میں ہے اس سے مقصود صرف وہ عصمت ہے جس پر اس وحی نے دلالت کی اگر وہ نہ ہوتی تو اس کا بنیاد پر قائم رہنا لازم آتا، اور جس امکان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ وہی ہے، اس سے وہی مراد ہے جو نبی ﷺ نے اپنے اس فرمان: ''معصوم وہ ہے جسے اللہ نے بچایا ہو۔'' سے مراد لیا، اور یہ حدیث صحیح بخاری وغیرہ میں ہے، اور اس سے وہ عصمت مراد نہیں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے مخصوص ہے، اور وہی ہے جو امکان مذکور کی نفی کرتی ہے، اس کے متعلق غیر انبیاء کے بارے میں بات کرنا اللہ پر علم کے بغیر بات کرنے کے مترادف ہے، اور یہ ہے جس کی ابوبکر صدیق نے بذات خود اس قصے میں بحیثیت باپ اپنی خواہش کے خلاف صراحت کی، البزار نے صحیح سند کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ جب ان (عائشہ رضی اللہ عنہا) کا بے گناہ ہونا نازل ہوا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے سر کو بوسہ دیا، تو آپ نے عرض کیا: آپ نے میرا عذر کیوں نہ پیش کیا (کہ میں بے گناہ ہوں؟) انہوں نے فرمایا: کون سا آسمان مجھ پر سایہ کرتا اور کون سی زمین مجھے اٹھائے پھرتی اگر میں کوئی ایسی بات کرتا جس کا مجھے علم نہیں؟! [1] یہی وہ موقف ہے جو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اسے ہر اس مسئلے کے سامنے روک دے جب تک شرع حنیف ایسی چیز پیش نہ کرے جو اس شخص کی خواہش کے موافق ہو، اور وہ اپنی خواہش کو اپنا معبود نہ بنائے۔

پھر ہمارے شیخ نے اسی مصدر (۶/ ۳۳-۳۵) میں فرمایا:

---

[1] آلوسی کی "روح المعانی" (۶/ ۳۸) میں اسی طرح ہے اور حافظ نے اسے "فتح الباری" (۸/ ۳۶۶) میں طبری اور ابوعوانہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ (منہ)

پس اس کی بنا پر، جب آیت تطہیر ❶ میں ارادہ، ارادہ شرعی تھا تو تطہیر سے جو مراد ہے اس کا وقوع لازم نہیں آتا، وہ تو اللہ تعالیٰ کی اہل بیت کے لیے محبت ہے کہ وہ انہیں پاک کرے، اس کے برعکس اگر ارادہ کونی ہو، تو اس کا معنی ہے کہ ان کی تطہیر ایسا امر ہے جس کا ہونا ضروری ہے، اور اس سے شیعہ اہل بیت کی عصمت کے متعلق اپنے قول پر جمے ہوئے ہیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس بارے میں ان کی گمراہی کے متعلق اپنی کتاب "منہاج السنہ" کے متعدد مقامات پر تسلی بخش وضاحت کی ہے، پس اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ میں اس میں سے کچھ حصہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کردوں کہ ہمارا جو موقف ہے ان کا اس سے کتنا مضبوط ربط وتعلق ہے، مذکورہ آیت سے علی رضی اللہ عنہ کی عصمت کا دعویٰ کرنے والے شیعہ کی تردید کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

''رہی سورہ احزاب کی آیت ﴿وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ تو اس میں پاکیزگی کے ذریعے ناپاکی دور کرنے کی اطلاع نہیں، بلکہ اس میں ان کے لیے امر ہے جو ان دونوں کو واجب کرتا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرامین کی طرح ہے:

﴿مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ﴾ (المائدة: ٦)

''اللہ تم پر کسی طرح کی تنگی کرنا نہیں چاہتا، لیکن وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک صاف رکھے۔''

نیز فرمایا:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ﴾ (النساء: ٢٦)

''اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے (احکام شرعی) واضح کردے اور تمہاری راہنمائی فرمائے۔''

اور فرمایا:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ﴾ (النساء: ٢٨) ''اللہ تو چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے۔''

ان آیات میں ارادہ امر ومحبت اور رضا کو شامل ہے، وہ وقوعِ مراد کو لازم نہیں کرتا، اور اگر وہ اسی طرح ہوتا تو پھر وہی پاک ہوتا جس کے پاک کرنے کا اللہ ارادہ فرماتا، اور یہ ہمارے دور کے شیعہ کے قول کی مطابق ہے، جبکہ معتزلہ کہتے ہیں: اللہ اس چیز کا ارادہ کرتا ہے جو نہ ہوا ہو، پس اس کا فرمان ہے: ﴿لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ﴾ (الاحزاب: ٣٣) ''تاکہ تم سے ناپاکی دور کردے۔'' جب وہ فعل مامور اور ترک محظور سے متعلق ہو تو یہ ان کے ارادوں اور ان کے افعال کے متعلق تھا، تو اگر انہوں نے وہ کرلیا جس کا انہیں حکم دیا گیا تو وہ پاک ہوگئے۔

اس سے جو واضح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ اس چیز سے ہے جس کا انہیں حکم دیا گیا ہے نہ کہ اس سے جس کے

---

❶ وہ آیت یہ ہے: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ [الاحزاب: ٣٣]

وقوع کی خبر دی گئی ہے، نبی ﷺ نے علی [1] فاطمہ اور حسن وحسین پر چادر ڈالی، پھر فرمایا:

''اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے ناپاکی دور کردے اور انہیں خوب اچھی طرح پاک کردے۔''

(صحیح مسلم، عن عائشہ)

اہل السنن نے اسے اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیا، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ناپاکی دور کرنے اور پاک کرنے پر قادر ہے، وہ بندوں کے افعال کا خالق ہے، اس سے معتزلہ کی تردید ہوتی ہے۔

اور اس سے جو واضح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آیت امر ونہی کو شامل ہے۔ سیاق کلام میں اس کا فرمان ہے:

﴿یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنۡ یَّاۡتِ مِنۡکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ یُّضٰعَفۡ لَہَا الۡعَذَابُ ضِعۡفَیۡنِ ؕ وَ کَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرًا ﴿﴾ وَ مَنۡ یَّقۡنُتۡ مِنۡکُنَّ لِلّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ تَعۡمَلۡ صَالِحًا نُّؤۡتِہَاۤ اَجۡرَہَا مَرَّتَیۡنِ ۙ وَ اَعۡتَدۡنَا لَہَا رِزۡقًا کَرِیۡمًا ﴿﴾ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسۡتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیۡتُنَّ فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ فَیَطۡمَعَ الَّذِیۡ فِیۡ قَلۡبِہٖ مَرَضٌ وَّ قُلۡنَ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ﴿ۚ﴾ وَ قَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ وَ لَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاہِلِیَّۃِ الۡاُوۡلٰی وَ اَقِمۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتِیۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ اَطِعۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا ﴿ۚ﴾ وَ اذۡکُرۡنَ مَا یُتۡلٰی فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَ الۡحِکۡمَۃِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ لَطِیۡفًا خَبِیۡرًا﴾

(الاحزاب: ۳۰۔ ۳۴)

''نبی کی ازواج! تم میں سے جو کوئی کھلی ہوئی ناشائستہ حرکت کی مرتکب ہوگی۔ اس کو دگنی سزا دی جائے گی، اور اللہ کے نزدیک یہ آسان ہے۔ اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی اور نیک عمل کرے گی ہم اس کو اس کا دہرا اجر دیں گے، اور ہم نے اس کے لیے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے۔ نبی کی بیویو! تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تمہیں پرہیز گاری منظور ہے تو نرمی اور لوچ سے بات نہ کیا کرو۔ ورنہ وہ شخص کہ جس کے دل میں کھوٹ ہے وہ (غلط) توقعات پیدا کرلے گا اور بات چیت کرو تو جچی تلی، اور اپنے گھروں میں ٹک کر بیٹھی رہو، اور اگلے زمانہ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگار نہ دکھاتی پھرو اور نماز ادا کیا کرو اور زکوۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کرو، پیغمبر کے گھرانے کے لوگو! اللہ چاہتا ہے تم سے ناپاکی کو دور رکھے اور تمہیں خوب

[1] علی کے بارے میں ان کے غلو میں سے...... مثال کے طور پر نہ کہ حصر کے طور پر...... وہ بھی ہے جسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ابن المطہر المحلی کے حوالے سے اس کے رد میں نقل کیا، کہ علی رضی اللہ عنہ دن اور رات میں ہزار رکعتیں پڑھا کرتے تھے! اور یہ صحیح نہیں۔

شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے "صلاۃ التراویح" (ص: ۷۷) میں نقل کیا ہے۔

اچھی طرح پاک کردے، اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور دانائی کی باتیں پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو، بلاشبہہ اللہ ہر باریک سے باریک راز کو جاننے والا ہے۔"

یہ سیاق اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ امر اور نہی ہے، اور یہ کہ ازواج اہل بیت سے ہیں، کیونکہ سیاق انہیں کے مخاطبت میں ہے، اور مذکر ضمیر اس پر دلالت کرتی ہے کہ وہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کے علاوہ عام ہے جیسے علی، فاطمہ اور ان دونوں کے بیٹے (حسن وحسین)"[1]

اور انہوں نے "مجموع فتاوی" (۱۱/ ۲٦۷) میں آیت تطہیر کے بعد فرمایا:

"معنی یہ ہے کہ اس نے تمہیں اس چیز کے متعلق حکم فرمایا ہے جو اہل بیت تم سے ناپاکی دور کر دے گی اور تمہیں خوب پاک کر دے گی، تو جس نے اس کے حکم کی اطاعت کی تو وہ پاک ہو گیا اور اس نے اس سے ناپاکی دور کر دی اس کے برعکس جس نے اس کی نافرمانی کی۔"

محقق آلوسی نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں ابن تیمیہ (۷/۴۷۔ بولاق) کے حوالے سے بیان کردہ معنی ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

"عمومی طور پر، اگر عصمت سے مقصود معنی ثابت ہوتا تو اس طرح کہا جاتا: بے شک اللہ نے تم اہل بیت سے ناپاکی دور کر دی اور اس نے تم کو خوب پاک کر دیا ہے، اور یہ بھی کہ اگر عصمت سے معصوم ہونا ثابت ہوتا تو صحابہ، خاص طور پر وہ جو غزوہ بدر میں شریک تھے، وہ سب معصوم قرار پاتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا:

﴿وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (المائدة: ٦)

"لیکن وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کر دے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دے تاکہ تم شکر کرو۔"

بلکہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ﴾ (المائدة: ٦)

"تاکہ وہ تم پر اپنی نعمت پوری کر دے" میں جو ہے اس کا فائدہ دے، کیونکہ اس اتمام کا وقوع معاصی اور شیطان کے شر سے بچے بغیر تصور نہیں کیا جاسکتا۔"

بحث کے لیے ان کے ہاں تتمہ ہے جو بیان ہوا ان کا مضمون اس سے باہر نہیں، لیکن اس میں اسی کی تاکید ہے، تو جو چاہے اس کی طرف رجوع کرے۔

میں نے اس عصمت 'جس کا دعویٰ کیا گیا' کے مسئلے کے بارے میں، اس کی اہمیت اور اس کے عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے مضبوط تعلق ہونے کی وجہ سے، کلام طویل کر دیا۔

---

[1] المنتقى من منهاج الاعتدال في نقض كلام اهل الرفض والاعتزال" (ص ۱٦۸) اور اس کے صفحات (۸۴، ۴۲۷۔۴۲۸، ۴۴۸، ۴۷۳ اور ۵۵۱) کا مطالعہ کریں۔ (منہ)

۱۴:......شیعہ کے نزدیک غیر اللہ کے لیے عبدیت اختیار کرنا:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱:٥٩٦) میں حدیث رقم (۴۱۱) کے تحت فرمایا:

فائدہ......: ابن حزم رحمہ اللہ نے ہر ایسے نام کی حرمت پر اتفاق نقل کیا ہے جس میں غیر اللہ کی عبدیت اختیار کی گئی ہو، جیسے عبدالعزی، عبدالکعبہ...... وغیرہ۔ اور علامہ ابن قیم نے اسے ''تحفۃ المودود'' (ص ۳۷) میں برقرار رکھا، انہوں نے بھی فرمایا، عبدعلی اور عبدالحسین نام رکھنا جائز نہیں، جیسا کہ وہ شیعہ کے ہاں مشہور ہے، اور نہ ہی عبدالنبی یا عبدالرسول نام رکھنا جائز ہے جیسا کہ اہل السنہ میں سے بعض جاہل لوگ یہ نام رکھتے ہیں۔

ہمارے شیخ نے "الضعیفة" (۱۹۶/۳) میں فرمایا:

......جس طرح کلینی کی کتاب ''اُصول الکافی'' پر تعلیق لکھنے والا غیر اللہ کی عبدیت اختیار کرنا ہے اس کا نام عبدالحسین المظفر ہے۔

۱۵:......شیعہ اور اللہ تعالیٰ کے دیدار کی نفی:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "مختصر العلو" (ص۶۹) میں فرمایا:

''معتزلہ اور شیعہ نے اس کی نفی کی صراحت کی ہے، اور ابن المطہر الشیعی نے اپنی کتاب ''منہاج'' میں نفی مذکور کی اس طرح تعلیل کی ہے: ''کیونکہ وہ کسی جہت میں نہیں ہے (لہٰذا اس کا دیدار نہیں ہوگا)''

۱۶:......شیعہ اور حدیث عترت:

''لوگو! میں نے تم میں جو چھوڑا ہے اگر تم نے اسے تھام لیا تو گمراہ نہیں ہو گے: اللہ کی کتاب اور میری عترت میرے اہل بیت۔''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (۳:۳۵۹-۳۶۱) میں حدیث رقم (۱۷۶۱) کے تحت فرمایا:

قاری محترم! جان لیجئے، یہ معروف ہے کہ یہ وہ حدیث ہے جس سے شیعہ دلیل لیتے ہیں اور اس کا بہت زیادہ ذکر کرتے ہیں۔ حتی کہ بعض اہل السنہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اس بارے میں صحیح ہیں، جبکہ وہ سارے اس بارے میں وہم میں مبتلا ہیں، اس کا بیان دو طرح سے ہے:

(۱)......حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: (عترتی) ''میری عترت'' سے شیعہ جو زیادہ تر مراد لیتے ہیں اور اہل السنہ اس کا رد نہیں کرتے، وہ بھی اسی پر قائم ہیں، سن لو کہ اس حدیث میں عترت سے آپ ﷺ کے اہل بیت ہیں، اس کے بعض طرق میں اس کی وضاحت آئی ہے؟ جیسا کہ حدیث ترجمہ: (عترتی اهل بیتی) اور اصل میں آپ کے اہل بیت آپ ﷺ کی ازواج ہیں، اور ان میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں، جیسا کہ سورۃ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ کا فرمان بالکل واضح ہے: ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ

الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ (الاحزاب : ۳۳) ''اہل بیت اللہ تم سے ناپاکی دور کرنے اور تمہیں خوب اچھی طرح پاک کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔''

اور اس آیت سے پہلے اور اس کے بعد والی آیت اس کی دلیل ہے: فرمایا:

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ (الاحزاب: ۳۲-۳٤)

''نبی کی بیویو! تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تمہیں پرہیز گاری منظور ہے تو نرمی اور لوچ سے بات نہ کیا کرو ورنہ وہ شخص کہ جس کے دل میں کھوٹ ہے وہ (غلط) توقعات پیدا کر لے گا اور بات چیت کرو تو جچی تلی، اور اپنے گھروں میں ٹک کر بیٹھی رہو، اور اگلے زمانہ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگار نہ دکھاتی پھرو، اور نماز ادا کیا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کرو، پیغمبر کے گھرانے والو! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کو دور رکھے اور وہ تمہیں خوب اچھی طرح پاک کر دے، اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور دانائی کی باتیں پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، ان کو یاد رکھو۔ بلاشبہ اللہ ہر باریک سے باریک راز کو جاننے والا ہے۔''

شیعہ کا اس آیت میں ''اہل البیت'' سے علی، فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم اجمعین کی تخصیص کرنا اور آپ ﷺ کی ازواج کو اس میں شامل نہ کرنا ان کی اللہ کی آیات کی تحریف اور اپنی خواہشات کی حمایت ہے جیسا کہ اس کی اپنی جگہ تشریح کر دی گئی ہے، اور وہ چادر والی اور دوسری اس جیسی روایات آیت کی دلالت کی توسیع ہیں، اور اس (چادر) میں علی اور ان کے اہل کو داخل کرنا، جیسا کہ حافظ ابن کثیر ودیگر نے اسے بیان کیا، اور اسی طرح حدیث عترت ہے، نبی ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ آپ ﷺ کے اہل بیت سے مقصود کا مفہوم آپ کی ازواج، علی اور ان کے اہل وعیال کو شامل ہے، اسی لیے التور بشتی [1] نے بیان کیا جیسا کہ "المرقاۃ" (۵:۶۰۰) میں ہے:

''آدمی کی عترت سے مراد اس کے گھر والے اور اس کے قبیلے کے قریبی رشتے دار لوگ ہوتے ہیں، اور ان کا ''عترت'' کو کئی پہلوؤں سے استعمال کرنے کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمان (اھل بیتی) کے ذریعے اس کو بیان کیا کہ معلوم ہو جائے کہ آپ نے اس سے اپنی نسل، اپنے قریبی رشتے دار اور اپنی ازواج مراد لی ہیں۔''

(۲)...... اہل بیت سے مقصود ان میں سے صالح علماء مراد ہیں جو کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامنے والے

---

[1] ان کی کتاب "شرح مشکاۃ المصابیح" میں، جو نئی طبع ہوئی ہے۔

ہیں، امام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ نے فرمایا:

عترت سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت ہیں، جو آپ کے دین پر ہیں، اور آپ کے حکم پر مضبوطی سے قائم ہیں۔"

شیخ علی القاری نے بھی اسی جگہ، جس کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا ہے، اس طرح ذکر کیا ہے، پھر بیان کیا کہ اہل بیت کے ذکر کرنے کی تخصیص میں جو وجہ ہے وہ آپ کے قول سے معلوم ہوتی ہے:

"اہل بیت اکثر گھر والے اور اس کے احوال سے بخوبی آگاہ ہوتے ہیں، ان سے اہل علم مراد ہیں جو آپ کی سیرت سے آگاہ ہوتے ہیں، آپ کے طریق سے واقف ہوتے ہیں اور آپ کے حکم وحکمت کو جاننے والے ہوتے ہیں۔"

اسی لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ کی کتاب کے ساتھ موازنہ ہو جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (الجمعة: ۲) "وہ انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔"

میں نے کہا: اللہ تعالیٰ کا آیت تطہیر میں، جو کہ بیان ہو چکی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے خطاب بھی اس مثل ہے، فرمایا: ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ﴾ (الاحزاب: ۳۴) "اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں اور دانائی کی باتیں پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو۔"

واضح ہوا کہ اہل بیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو مضبوطی سے تھامنے والے مراد ہیں، پس وہ حدیث میں مقصود بالذات ہوگا، اور اسی لیے آپ نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کو ثقلین میں سے ثقل اوّل جو کہ قرآن ہے کے مقابل ایک ثقل قرار دیا، اور "نہایہ" میں ابن الاثیر کا قول اسی طرف اشارہ کرتا ہے:

"آپ نے ان دونوں کا نام "ثقلین" رکھا ہے، کیونکہ ان دونوں (یعنی: قرآن وسنت) کو اخذ کرنا اور ان دونوں پر عمل کرنا ثقیل ہے، اور ہر اہم نفیس چیز کو "ثقل" کہا جاتا ہے، آپ نے ان دونوں کا، ان کی عظیم قدر اور بڑی شان کے پیش نظر "ثقلین" نام رکھا۔"

میں نے کہا: حاصل یہ ہے کہ اس حدیث میں اہل بیت کا ذکر قرآن کے مقابل ذکر کرنا اسی طرح ہے جس طرح خلفاء راشدین کی سنت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ ذکر کرنا ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ)) "تم پر میری اور خلفاء راشدین کی سنت اختیار کرنا لازم ہے......" شیخ القاری نے (۱۹۹:۱) فرمایا:

"کیونکہ انہوں نے میری ہی سنت پر عمل کیا، پس ان کی طرف اضافت، یا تو اس (سنت) کے متعلق ان کے علم کی وجہ سے ہے یا ان کے اس سے استنباط اور اس کے اختیار کرنے کی وجہ سے ہے۔"

جب تم نے اس تفصیل کو جان لیا تو یہ حدیث ''المؤطا'' کی حدیث کے لیے قوی شاہد ہے، اس کے الفاظ ہیں:

((تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُم بِهِمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ رَسُوْلِهِ .))

(المشكاة: ١٨٦)

''میں نے تم میں دو امر چھوڑے ہیں، تم ان پر مضبوطی سے قائم رہے تو تم ہرگز گمراہ نہیں ہو گے، اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔''

ہمارے اس دور کے بعض نوخیز بھائیوں پر اس شاہد کی وجہ مخفی رہی جنہوں نے ''الموطا'' کی روایت کی تضعیف میں کئی صفحات کالے کر دیے، واللہ المستعان .

۱۷:......شیعہ اور موزوں پر مسح:

"الطحاوية" کے مؤلف نے فقرہ (٦٧) میں فرمایا:

''جیسا کہ اثر (حدیث) میں آیا ہے ہم سفر و حضر میں موزوں پر مسح کرنا جائز سمجھتے ہیں۔''

میں نے کہا❶: مصنف نے دیگر مصنفین کی متابعت کرتے ہوئے ذکر کیا کہ موزوں پر مسح کرنا سنت ہے جبکہ جرابوں اور جوتوں پر نہیں، اس کے دو سبب ہیں:

۱: موزوں پر مسح کرنا رسول ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔

۲: رافضہ اس سنت کی مخالفت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے جسے دلیل بنانا ان کے خلاف زیادہ قوی دلیل ہے، پس موزوں کا ذکر جرابوں اور جوتوں پر مسح کرنے کے ثبوت کی بھی نفی نہیں کرتا۔

ہمارے شیخ نے "الصحيحة" (٦:١٠٥٩) میں حدیث رقم (۲۹۴۰)❷ کے تحت فرمایا:

جان لیجیے کہ موزوں پر مسح کرنے کی احادیث متواتر ہیں، جیسا کہ حدیث و سنت کے کئی ایک ائمہ اور اس پر سلف و صحابہ کے عمل کے متعلق بہت زیادہ مشہور آثار نے اس کی صراحت کی ہے، ان میں سے بعض سے جو انکار مروی ہے تو وہ ان تک ان احادیث کے پہنچنے سے پہلے کا ہے، جیسا کہ فقہی مسائل میں زیادہ تر ہے، اسی لیے جب ان تک یہ روایات پہنچیں تو انہوں نے قول و عمل کے ساتھ ان کی طرف رجوع کر لیا، اور یہ آیت وضو میں اللہ تعالیٰ کے فرمان میں جر (زیر)❸ کی قراءت کے مطابق ہے: ﴿وَأَرْجُلِكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ (المائدة: ٦) پس بعض اسلامی فرقوں کا اس سنت کے انکار پر باقی رہنا جیسے رافضہ، خوارج اور اباضیہ، اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ

---

❶ کہنے والے ہمارے شیخ البانی ہیں ان کا اس جیسا کلام التعلیقات (۳/۳۴) میں بھی ہے۔

❷ اس میں یہ ہے: ''یعنی: موزوں پر مسح کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔''

❸ یعنی ارجلِكم یعنی لام پر زیر۔ اس صورت میں اس کا عطف فاغسلوا کے بجائے وامسحوا برؤسکم پر ہوگا۔ (شہباز حسن)

وہ ان گمراہوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ذریعے ڈرایا گیا:

﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ (النساء: ۱۱۵)

''جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرتا ہے اور مومنوں کی راہ کی اتباع نہیں کرتا تو وہ جدھر پھرتا ہے ہم اسے اس طرف پھیر دیتے ہیں اور اسے جہنم پہنچا دیتے ہیں اور وہ برا ٹھکانا ہے۔''

۱۸:...... رافضہ اور ان کا علی رضی اللہ عنہ اور آل بیت رضی اللہ عنہم کے بارے میں غلو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے براءت کرنا:

ہمارے شیخ نے "مشکاۃ" (۱/ ۱۶۹۸) ❶ میں حدیث رقم (۱۰۱۵) کے تحت فرمایا:

اور یہ حدیث صحیح ❷ جسے علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رافضہ کی گمراہی پر واضح دلیل ہے جو شیخین جلیلین (ابو بکر وعمر) رضی اللہ عنہما کو برا بھلا کہتے ہیں، اور وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے پیروکاروں سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ جہنم پر کتنے دلیر ہیں!

امام "الطحاویہ" کے مصنف نے فقرہ (۹۳) میں فرمایا:

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے محبت کرتے ہیں اور ہم ان میں سے کسی ایک کی محبت میں کوتاہی نہیں کرتے۔''

ہمارے شیخ نے ''اس کی شرح وتعلیق'' (ص ۸۱) پر فرمایا:

ہم ان میں سے کسی ایک کی محبت میں حد سے تجاوز نہیں کرتے کہ ہم ان کی عصمت کا دعویٰ کریں، جس طرح شیعہ علی رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ اپنے دیگر ائمہ کے بارے میں کرتے ہیں۔

پھر طحاوی نے فقرہ (۹۳) میں فرمایا: ''اور ہم ان میں سے کسی ایک سے بھی لاتعلق نہیں ہوتے۔''

ہمارے شیخ نے اس کی شرح وتعلیق (ص ۸۱۔۸۲) میں تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: یعنی جس طرح رافضہ نے کیا، ان کے نزدیک براءت کے بغیر ولاء (دوستی، حمایت) نہیں، یعنی:

اہل بیت سے دوستی نہیں ہو سکتی حتی کہ ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما سے براءت ولاتعلقی کا اعلان کیا جائے، جبکہ اہل السنہ سب سے دوستی ومحبت رکھتے ہیں، اور وہ جس مقام ومرتبے کا استحقاق رکھتے ہیں وہ عدل وانصاف کے ساتھ وہ

---

❶ "هداية الرواة الى تخريج احاديث المصابيح و المشكوٰة" (٥: ٣٩٣۔ ٣٩٤).

❷ محمد بن حنفیہ نے بیان کیا: میں نے اپنے والد (علی رضی اللہ عنہ) سے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون شخص سب سے بہتر ہے؟ انہوں نے کہا: ابو بکر۔ میں نے کہا: پھر کون؟ انہوں نے فرمایا عمر۔ اور اس اندیشے کے پیش نظر آپ کہیں یہ نہ کہہ دیں (پھر) عثمان، میں نے کہہ دیا: پھر آپ؟ انہوں نے فرمایا: میں تو مسلمانوں میں سے ایک عام آدمی ہوں۔ (صحیح بخاری)

مقام و مرتبہ انہیں دیتے ہیں، اس میں ہوس اور تعصب نہیں ہوتا۔

۱۹:......شیعہ نبی ﷺ کے اصحاب پر اور خاص طور پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرتے ہیں اور ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ نبی ﷺ پر معاذ اللہ جھوٹ وافتراء باندھتے ہیں:

"الصحیحة" (۱/ ۹۶ اور ۷/ ۸۲۹).

۲۰:......روافض نبی ﷺ کے اصحاب کو معتبر قرار نہیں دیتے، جبکہ معلوم ہے کہ وہ سب معتبر ہیں، جیسا کہ اہل السنہ کے ہاں ثابت ہے:

"الصحیحة" (۷/ ۱۱۸۹)

۲۱:......شیعہ اور ان کا اپنے اصحاب کے لیے تعصب (بے جا طرف داری)، ان کا ہمارے ائمہ کے علم سے عدم اہتمام اور ان کا ان پر تنقید کرنا:

اس کے باوجود، آج ان کے بعض معاصرین شیعہ اور اہل السنہ کے درمیان قربت پیدا کرنے کی دعوت دیتے ہیں، اور یہ میرے نزدیک تو محال ہے، جب تک وہ ہمارے ساتھ ان صحیح علمی قواعد [1] پر اتفاق نہ کرلیں جو کسی سنی کی طرف داری کرتے ہیں نہ کسی شیعہ کی، جبکہ یہ ناممکن ہے ناممکن ہے۔

"الضعیفة" (۱۱/ ۷۸۹).

۲۲:......شیعہ کے نزدیک وقت افطار:

افطار غروب آفتاب کے بعد ہوتا ہے اس کے برعکس شیعہ افطار کو غروب کے بعد مؤخر کرتے ہیں حتی کہ رات کی تاریکی ظاہر ہو جائے۔

"صحیح الترغیب" (۱/ ۵۸۸) تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ۔

۲۳:......بعض اہل روافض رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب کے اسلام کے بارے میں ایک کتابچہ تصنیف کرتے ہیں:

ہمارے شیخ نے "احکام الجنائز" (ص ۱۶۷) میں فرمایا:

''میت کو دفن کرنا واجب ہے خواہ وہ کافر ہو، اور اس بارے میں دو حدیثیں ہیں [2]:

دوسری علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا:

---

[1] اسی طرح "الضعیفة" میں حدیث رقم (۸۹۴) کے تحت ذکر کیا۔

[2] اس حدیث کی تخریج "الصحیحة" (رقم ۱۱۱۰) میں دیکھیں۔

''جب ابو طالب فوت ہوئے تو میں نبی ﷺ کے پاس آیا' تو میں نے عرض کیا: آپ کے بوڑھے (گمراہ) چچا وفات پا گئے ہیں، (انہیں کون دفن کرے گا)، آپ نے فرمایا:

''جاؤ اسے دفن کرو، پھر کوئی کام نہ کرنا حتیٰ کہ میرے پاس پہنچ جاؤ'' انہوں نے کہا: وہ تو شرک کی حالت میں فوت ہوئے ہیں، آپ نے فرمایا: ''جاؤ اسے دفن کرو......''

ہمارے شیخ نے مصدر سابق (ص: ۱۶۹) میں اس حدیث پر حاشیہ لکھتے ہوئے فرمایا:

یہ اس بارے میں صریح ہے کہ ابو طالب کفر و شرک کی حالت میں فوت ہوئے۔ اس بارے میں کوئی احادیث ہیں، ان میں سے سعید بن حزن کی روایت ہے......، حافظ رحمہ اللہ نے اس کی شرح کرتے ہوئے فرمایا:

''میں نے ایک جزء دیکھا جسے بعض اہل رفض نے جمع کیا ہے، اس میں زیادہ تر احادیث ضعیف و کمزور ہیں جو ابو طالب کے اسلام پر دلالت کرتی ہیں، اس سے کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی، وباللہ التوفیق ، میں نے انہیں "الاصابہ" ❶ سے ابو طالب کی سوانح حیات میں مختصراً بیان کیا ہے۔

۲۴:......شیعہ اور نمازیں جمع کرنا:

ہمارے شیخ نے "الصحیحة" (۶/ ۸۱۷) میں فرمایا:

......صرف حرج ہونے کی صورت میں نمازیں جمع کرنا جائز ہے، بصورت دیگر نہیں، اور یہ افراد اور ان کے حالات کے مختلف ہونے کے ساتھ مختلف ہوتا رہتا ہے، ہوسکتا ہے پھر سلف میں سے اسے مطلق طور پر جائز قرار دینے والوں نے اس طرف اشارہ کیا جیسے میں نے ذکر کیا جس وقت انہوں نے شرط قائم کی کہ اسے عادت نہ بنایا جائے جس طرح شیعہ کرتے ہیں۔ ❷

---

❶ دیکھیں "الفتح" (۷/ ۱۹۵) "السیر" (۱۵/ ۵۶۶) اور میری کتاب "کتب حذر منها العلماء" (۱/ ۲۵۲، ۲/ ۱۴۶۔۱۶۵)

❷ شیعہ سمجھتے ہیں کہ زوال آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک ظہر و عصر کے لیے وقت ہے، وہ ظہر کو اس کے اوّل سے اس کی ادائیگی کی مقدار کے ساتھ خاص کرتے ہیں، اور اسی طرح عصر کو اس کے آخر سے اور ان دونوں کے درمیان جو وقت ہے مشترک ہے، اسی طرح جب سورج غروب ہو جاتا ہے مغرب کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اور وہ اس کے اوّل سے تین رکعتوں کی تعداد کے مطابق خاص کرتے ہیں، پھر اس میں عشاء کو شریک کرتے ہیں حتی کہ نصف شب تک اور وہ عشاء آخرہ کو آخری وقت سے چار رکعتوں کی مقدار کے برابر خاص کرتے ہیں۔'' دیکھیں: "شرائع الاسلام" (۱/ ۶۰۔۶۱) اسی لیے ان سے مذہب شیعہ ثابت ہے، وہ دو نمازوں: ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو مطلق طور پر جمع کرنے کا جواز ہے، یعنی سفر و حضر ہو، ہو یا عذر نہ ہو، جمع تقدیم یا جمع تاخیر، اور انہوں نے اس بات میں کتابچے تصنیف کیے ہیں۔

پس اہل السنہ کا موقف اس کے خلاف ہے، یعنی کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ پوری نماز کو یا اس کے کچھ حصے کو اس کے وقت ہونے سے پہلے پڑھے کیونکہ یہ اللہ کی حدود سے تجاوز کرنا ہے، اور اس پر نماز اس کے وقت ہونے پر واجب ہوتی ہے، اس لیے کہ وقت کے ہونے پر اس کا حکم ہوتا ہے، اور عذر کی خاطر نمازیں جمع کرنا جائز ہے۔ اس کی تحدید میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ کئی ایک سلف کا موقف ہے کہ معتبر ضرورت کے لیے یہ مطلق طور پر جائز ہے، میں نے اسے تفصیل کے ساتھ ایک الگ جائزے میں بیان کیا ہے، اور اس کی حقیقت واضح کی ہے۔ وہ کئی مرتبہ چھپ چکا ہے، وللہ الحمد والمنة۔

۲۵:......شیعہ اور جواز متعہ:

ہمارے شیخ نے "مختصر صحیح البخاری" (۳/ ۳۶۲) میں حدیث رقم (۲۰۶۱) پر تعلیقاً لکھا۔

حدیث یہ ہے:

''ابو جمرہ نے بیان کیا، میں نے ابن عباس سے سنا، ان سے عورتوں کے متعہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے رخصت دی، ان کے آزاد کردہ ایک غلام نے کہا، یہ تو سخت حالات اور خواتین میں قلت ہو یا اس طرح کے حالات میں ہے؟ تو ابن عباس نے فرمایا: ہاں۔''

اس میں دلیل ہے کہ ابن عباس مطلق طور پر متعہ کی اباحت کے قائل نہیں جس طرح کہ شیعہ کہتے ہیں، حافظ نے یہاں ابن عباس سے متعدد روایات جمع کی ہیں جو اس کے ساتھ متفق ہیں! جو چاہے ان کی طرف رجوع کرے۔

اس صورت میں واجب ہے کہ اس (متعہ) کے متعلق ان اخبار مطلقہ کو، جو اس کی مخالفت کرتی ہیں، اباحت پر محمول کیا جائے۔ اس کے متعلق اس سے جو مجموعی طور پر وارد ہوا ہے اس میں یہ نہیں ہے جو اس بات کو ممکن بناتا ہو کہ انہوں نے اباحت سے مطلق تحریم کی طرف رجوع کیا ہو جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے۔

جان لیجیے کہ ایسی کوئی دلیل نہیں جس میں ہو کہ متعہ منسوخ ہونے سے پہلے مطلق مباح تھا، بلکہ صریح احادیث ہیں کہ وہ غزوات میں تھا، پھر یہ کہ ابو جمرہ کی روایت کا ان میں سے بعض نے انکار کیا ہے کہ مصنف نے اسے روایت کیا ہو! اگر چاہو تو "التلخیص" (۳:۱۵۸) کا مطالعہ کرو۔

فصل: ......عبدالحسین الموسوی کے اپنی کتاب "المراجعات" میں افتراءات

(سلسلہ ضعیفہ سے حصہ دوم جلد نمبر ۱۰)

۱:......''المراجعات'' کے مؤلف کا اپنی کتاب ''المراجعات'' میں سنن صحیحہ کے اہتمام کا دعوی! اور ایسی بہت سی احادیث سے سکوت جن کا باطل ہونا واضح ہے جو کہ اس کے مذہب کی تائید کرتی ہیں:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱۰/ ٤۹۹) میں حدیث رقم (۴۸۸۲) [1] کے تحت فرمایا:

......اس کے باوجود یہ ان دونوں کی حدیث سے اطمینان پاتا ہے، ان دونوں کے مذہب والا شیخ عبدالحسین اپنے تشیع کے لیے انتہائی متعصب ہے جو کہ اس کی کتاب "المراجعات" (ص ۲۷) میں ہے وہ اس کا ثبوت فراہم کرتا ہے، اس نے اسے اس طرح روایت کیا ہے گویا کہ وہ تسلیم شدہ امور میں سے ہے۔ بلکہ اس نے المقدمة (ص ۵) میں ایسی چیز کو بیان کیا ہے جس کے ذریعے وہ وہم پیدا کرتا ہے کہ وہ اس میں صرف صحیح

[1] روایت یہ ہے: ''میں وصیت کرتا ہوں جو شخص مجھ پر ایمان لایا اور ولایت علی کے ساتھ میری تصدیق کی، جس نے انہیں دوست بنایا اس نے مجھے دوست بنایا اور جس نے مجھے دوست بنایا اس نے اللہ کو دوست بنایا۔'' یہ روایت انتہائی ضعیف ہے۔

روایت ہی نقل کرے گا؟ اس نے کہا:

''میں نے سنن صحیحہ کا اہتمام کیا ہے۔''

ہمارے شیخ نے مصدر بالا (۱۰/۵۴۱) میں حدیث رقم (۴۹۰۰) ❶ کے تحت فرمایا.

وہ حدیث جسے اس شیعی نے اپنی ''مراجعات'' (ص۱۷۸) میں صرف خطیب کی روایت سے ذکر کیا ہے، اس نے اپنی عادت کے طور پر اس پر سکوت اختیار کیا ہے، بلکہ اس نے یوں کہتے ہوئے اس کو دلیل بنایا ہے:

''ابوالحسن نبی کی طرح کیوں کر حجت ہوں گے؟ اگر وہ اپنے عہد کے ولی نہ ہوں، اور آپ کے بعد صاحب امر نہ ہوں؟!''

اسے کہا جائے گا: پہلے تخت ثابت کر پھر نقش و نگار کر، وہ حدیث نقاد امام ذہبی کی شہادت کی وجہ سے باطل ہے، اگر یہ اس کے نزدیک اس کی صفت شیعہ ہونے کی وجہ سے حجت نہ ہو، تو پھر اسے کیا پروا ہے کہ وہ یہ اور اس جیسی دسیوں روایات سے اہل السنہ کے خلاف دلیل لے، وہ اور اس جیسے ائمہ اہل السنہ کے نزدیک حجت ہیں؟! بس یہی نہیں، بلکہ وہ یہ وہم ڈالتا ہے کہ وہ صرف اسے دلیل بناتا ہے جو ان (اہل السنہ) کے نزدیک صحیح ہو، جبکہ فی الواقع وہ اس کی تکذیب کرتا ہے، فاللہ المستعان!

۲:......اس کا بعض احادیث کو بعض مصادر کی طرف منسوب کرنے کا دعویٰ جبکہ وہ اس طرح نہیں ہیں:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱۰/ ۵۱۱) میں حدیث رقم (۴۸۸۹) ❷ کے تحت فرمایا:

تنبیه:...... سیوطی نے حدیث ترجمہ کو "الجامع الکبیر" (۲:۱۵۸/ ۱) میں صرف ابن النجار کی طرف منسوب کیا ہے! وہ اس پر استدراکاً کہتا ہے کہ اسے ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے۔

رہا عبدالحسین الشیعی کا اپنی کتاب "المراجعات" (ص۱۶۹) میں، اس کے بعد کہ اس نے اسے "الکنز" سے نقل کرتے ہوئے ابن النجار کی طرف منسوب کیا، کہنا:

''اس کے علاوہ اصحاب السنن سے۔''

یہ جھوٹ اور جعل سازی ہے! اصحاب السنن میں سے کسی ایک نے بھی اسے روایت نہیں کیا، ان سے مراد اصحاب "السنن الاربعة": ابوداود، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ ہیں! اور وہ یہ قارئین کو بھٹکانے اور حدیث کو تقویت پہنچانے کے لیے کرتا ہے!

---

❶ روایت یہ ہے: ''میں اور یہ (یعنی علی) قیامت کے دن اپنی امت پر حجت ہیں۔'' یہ روایت موضوع ہے۔

❷ روایت یہ ہے: 'معراج کی رات میں اپنے رب عز وجل کے پاس پہنچا، تو اس نے علی کے بارے میں مجھے تین چیزیں وحی کیں کہ وہ مسلمانوں کے سردار ہیں.........'' یہ موضوع ہے''

اسی لیے اس نے اس حدیث میں اور مستدرک حاکم کی روایت، جس کا ابھی ذکر ہوا ہے، کے درمیان فرق کیا ہے، تاکہ وہ وہم پیدا کرے کہ وہ دو حدیثیں ہیں! جبکہ حقیقت میں وہ دونوں ایک حدیث ہیں۔ کیونکہ اس کا مدار عبداللہ بن اسعد پر ہے، معاملے کی غایت یہ ہے کہ راویوں نے اس میں اختلاف کیا ہے، پس بعض نے اسے ان کی مسند سے قرار دیا ہے اور بعض نے ان کے باپ کی مسند سے قرار دیا ہے! اس کے باوجود کہ اس کی طرف تمام طرق صحیح نہیں جیسا کہ آپ نے دیکھا، واللہ المستعان۔

اور ہمارے شیخ نے "الضعیفة" (۱۰/ ۵۲۵۔ ۵۲۶) میں حدیث رقم (۴۸۹۴) [1] کے تحت فرمایا:

تنبیه: ...... شیعی نے اس حدیث کو اپنی ''مراجعات'' (ص۱۷۵) میں حاکم کی روایت کے حوالے سے نقل کیا، اور کہا: ''اور انہوں (امام حاکم) نے شیخین (امام بخاری، امام مسلم رحمہ اللہ) کی شرط پر اسے صحیح قرار دیا۔''

اس نے، جیسا کہ اس کی عادت ہے، اس پر امام ذہبی کا رد نقل نہیں کیا، اس نے وہ مباحثہ نقل کیا جو حاکم کی روایت کے حوالے سے ابن معین اور ابو ازہر کے مابین ہوا، اور اس کے آخر میں ابن ازہر کا قول ہے:

پس انہوں (عبدالرزاق) نے ـــ اللہ کی قسم ـــ یہ حدیث لفظاً مجھے بیان کی۔ یحییٰ بن معین نے اس کی تصدیق کی اور ان سے معذرت کی!''

میں جس پر تنبیہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ ابن معین کی تصدیق سے صحت حدیث کی تصدیق مراد نہیں، جیسا کہ شیعی کا عمل وہم ڈالتا ہے، صرف ابو ازہر کی عبدالرزاق سے اسے روایت کرنے کی صحت کی تصدیق ہے، جو اس کی تائید کرتا ہے، خطیب کی ان الفاظ سے روایت مذکورہ:

''پس یحییٰ بن معین مسکرائے اور کہا: رہے تم، تو تم کذاب نہیں ہو، اور انہوں نے اس کی تصحیح پر تعجب کیا، اور کہا: اس حدیث میں تمہارے علاوہ کسی اور کا گناہ ہے۔''

میں نے کہا: میں نے جو کہا یہ اس کے متعلق دلیل ہے، اور وہ صریح ہے کہ ابن معین کے نزدیک حدیث صحیح نہیں۔

تو اگر وہ شیعی حقیقی عالم اور منصف ہوتا تو وہ الخطیب کی اس روایت کو نقل کرتا جس میں اس حدیث کے بارے میں ابن معین کا ذاتی موقف بالکل واضح ہے، اور اگر اس کے پاس جواب ہوتا تو وہ اس کا جواب دیتا! مگر یہ ناممکن ہے، ناممکن ہے۔

ہمارے شیخ نے مذکورہ مصدر (۵/۵۴۸۔۵۴۹) میں حدیث رقم (۴۹۰۳) [2] کے تحت فرمایا:

---

[1] حدیث یہ ہے: ''علی! تم دنیا میں سردار ہو، آخرت میں سردار ہو، تمہارا حبیب میرا حبیب ہے......'' یہ روایت موضوع ہے۔

[2] روایت یہ ہے: ''جو آدم کو ان کے علم میں، نوح کو ان کے فہم میں اور ابراہیم کو ان کے حلم میں ...... دیکھنا چاہے تو وہ علی بن ابی طالب کو دیکھ لے۔'' (یہ روایت موضوع ہے)

تنبیه:...... شیعی نے اس ترجمہ کی حدیث کو ''مراجعات'' میں نقل کیا اور (ص۱۷۹) پر بیان کیا:

''امام بیہقی نے اسے اپنی ''صحیح'' میں اور امام احمد بن حنبل نے اپنی ''مسند'' میں روایت کیا، اور ابن ابی الحدید نے اسے ان دونوں سے، ان اخبار سے، جنہیں اس نے (ص۴۴۹) جلد دوم "شرح النهج" سے نقل کیا، روایت چہارم میں نقل کیا۔''

میں نے کہا: یہ تخریج کذب ہے، اس کی کوئی اصل نہیں، ہر شخص جس کے پاس اس علم کی معرفت ہے وہ اس کی قطعیت کو پہنچ سکتا ہے، اگر وہ حدیث ''مسند الامام احمد'' میں تھی تو پھر الحافظ ہیثمی نے اسے ''مجمع الزوائد'' میں اور امام سیوطی نے ''جامع الکبیر'' اور ''جامع الصغیر'' میں کیوں نہ نقل کیا، اور نہ ہی ''الزوائد علیہ'' میں؟

اور تمہارے لیے تائید پیدا ہوتی ہے کہ بیہقی کی کتاب کا نام "الصحیح" نہیں۔ ان کی کتاب تو "السنن الکبریٰ" اور "معرفة السنن والآثار" وغیرہ ہے، پس یہ بالکل واضح ہے کہ اس تخریج سے مقصود صرف یہ ہے کہ حدیث کو صحیح کر کے پیش کیا جائے۔

اور ابن ابو الحدید معتزلی، غالی شیعہ ہے، جیسا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ''البدایہ'' (۱۳/۱۹۹) میں فرمایا، اس کی نقل قابل توثیق نہیں! خاص طور پر اس باب میں، جیسا کہ اس سے نقل کرنے والا بھی قابل توثیق نہیں، جیسا کہ ہم نے پہلے مثالیں بیان کیں!!

۳:...... اہل علم نے جن احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے، جن سے وہ اپنی کتاب میں استدلال کرتا ہے اس کا انہیں عمداً چھپانا نہ کہ سہواً:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" میں حدیث رقم (۴۸۹۱) [1] کے تحت فرمایا:

اس حدیث کو سیوطی نے "الجامع الکبیر" (۳/ ٦١/ ٢) میں اکیلے دیلمی کی روایت سے ذکر کیا ہے!

اس شیعی نے اسے "المراجعات" (۱۷۲) میں اس کی طرف منسوب کیا ہے، اور اس کے متعلق حاکم کی تصحیح نقل کی ہے، اور ذہبی نے جو اس کے متعلق جرح کی ہے اسے نقل نہیں کیا، جیسا کہ اپنی شنیع احادیث کے بارے میں اس کی عادت ہے۔ جو اس کو صحیح قرار دیتا ہے تو وہ اس کا کلام نقل کر دیتا ہے اور جو اسے ضعیف قرار دیتا ہے تو وہ اس کا کلام نقل نہیں کرتا!

کیا جو مسلمانوں کی وحدت اور ان کو اکٹھا کرنا چاہتا ہے وہ اس طرح کیا کرتا ہے؟

وہ صرف اس پر ہی اکتفا نہیں کرتا، بلکہ وہ اس کے ذریعے اس پر استدلال کرتا ہے:

''کہ علی رسول اللہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول کے مقام و مرتبے پر ہیں۔..........'' وہ ظالم

---

[1] روایت یہ ہے: ''میری امت کے لوگ میرے بعد جس چیز میں اختلاف کریں گے تم اسے ان پر واضح کرو گے۔'' یہ روایت موضوع ہے۔

جو کہہ رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بہت زیادہ بلند ہے۔

اور جب ذہبی رحمہ اللہ امام حاکم سے تصحیح پر موافقت کرتے ہیں، تو تم اس شیعی کو اس موافقت کو نقل کرنے میں جلدی کرتے ہوئے دیکھو گے، بلکہ وہ اس میں مبالغہ کرتا ہے۔

۴:...... اس کی طرف سے دو حفاظ ائمہ، حاکم اور ذہبی پر کھلا جھوٹ:

ہمارے شیخ نے "الضعيفة" (۸/ ۱۸۷) میں حدیث رقم (۳۷۰۶) کے تحت فرمایا:

تنبیه:...... شیخ عبدالحسین شیعی نے اپنی کتاب "المراجعات" (ص ۱٤٥) میں دعویٰ کیا کہ امام حاکم نے اس حدیث کو شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا، اور جزء سوم (۱۶۵/۳، ۱۸۰) کی طرف اشارہ کیا۔

اور یہ کذب ہے، کیونکہ ان دونوں میں صرف تصحیح مطلق ہے............ میں نے تکذیب کی صراحت کی، اور میں نے اپنے قول: ''خطا'' پر ہی اکتفا نہیں کیا جیسا کہ عام طور پر واجب ہے، کیونکہ میں نے اس پر کذب مذکور کو صرف ایک ہی حدیث میں نہیں آزمایا، پس آنے والی حدیث رقم (۴۸۹۲) ملاحظہ کریں۔ [1]

ہمارے شیخ نے "الضعيفه" (۱۰/۵۱۹۔۵۲۰) میں حدیث رقم (۴۸۹۲) [2] کے تحت فرمایا:

تنبیه: ...... شیعی نے اس حدیث کو "مراجعات" (ص۱۷۴) میں ذکر کیا تو کہا:

''حاکم نے اسے "مستدرك" (۳/ ۱۲۱) میں اور ذہبی نے اسی صفحہ میں اپنی ''تلخیص'' سے روایت کیا: اور ان دونوں نے ''شیخین'' کی شرط پر اس کی صحت کی تصریح کی!!

میں نے کہا: یہ ان دونوں پر کھلا جھوٹ ہے، ان دونوں نے اپنے قول پر اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جسے میں نے ان دونوں سے ابھی نقل کیا: ''صحیح الاسناد۔'' [3]

میں نے چاہا کہ میں کہوں: ہوسکتا ہے شیعی کی نظر اس حدیث سے دوسری حدیث کی طرف منتقل ہوگئی ہو جسے حاکم اور ذہبی نے ان دونوں کی شرط پر صفحہ (۱۲۱) میں صحیح قرار دیا ہے، اور میں نے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾ (المائدة : ۸) ''کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو وہ (عدل کرنا) تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔'' پر عمل کرنے کے لیے چاہا، لیکن ایسا کرنے سے مجھے اس نے منع کیا کہ وہ اس صفحہ میں حدیث نہیں ملتی جسے حاکم اور

---

[1] روایت یہ ہے: ''ہارون نے اپنے دو بیٹوں کا نام شبر اور شبیر رکھا، اور میں نے اپنے دو بیٹوں کا نام حسن اور حسین رکھا......'' یہ حدیث ضعیف ہے۔

[2] وہ اس کے فوراً بعد آئے گی۔

[3] روایت یہ ہے: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جس نے علی کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی......'' یہ روایت ضعیف ہے۔

ذہبی نے ان دونوں کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔!!

بلکہ میں نے ارادہ کیا کہ میں اس کی طرف سے اعتذار میں بہت دور تک وسعت اختیار کروں، تو میں نے کہا: شاید کہ اس کی نظر اس سے پہلے صفحہ پر منتقل ہوئی ہو، کیونکہ اس پر اعتبار کرتے ہوئے کہ وہ کتاب کے پیش لفظ میں ایک ہی صفحہ پر دونوں آپس میں ملتی جلتی ہیں! بسا اوقات سہواً ایسے ہو جاتا ہے کہ نقل کرتے وقت نظر دونوں میں سے ایک سے دوسری کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، لیکن میں نے اس کا معاملہ اس جیسی کے معاملے کی طرح پایا، اس میں بھی ایسی کوئی حدیث نہیں جو شیخین کی شرط پر صحیح ہو! تو مجھے یقین ہو گیا کہ اسے بھی شیعی نے گھڑا ہے اور اس نے عمداً جھوٹ باندھا ہے، تو منصف لوگ اس جیسے مؤلف کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟!

پھر میں نے اس کا اسی کی مثل ایک اور جھوٹ دیکھا، اس نے (ص ۴۵ کے) حاشیے میں کہا:

''امام حاکم نے ''المستدرك'' (۴/۳) میں ابن عباس سے روایت کیا، انہوں نے کہا: ''شری علیٌّ نفسه و لبس ثوب النبی ......'' حاکم نے شیخین کی شرط پر اس کی صحت کی تصریح کی ہے اگرچہ ان دونوں نے اسے روایت نہیں کیا، اور ''تلخیص المستدرک'' میں ذہبی نے اس کا اعتراف کیا ہے۔''!!

جب قاری نے مذکورہ صفحے، جزء اور حدیث کی طرف رجوع کیا، اس نے صرف حاکم کا یہ قول پایا:

''صحیح الاسناد اور ان دونوں نے اسے روایت نہیں کیا! اور امام ذہبی کا قول: ''صحیح'' ہے!

اس حدیث میں اس سے بہانے کے لیے کوئی مجال نہیں۔ ایسے بھی نہیں کہہ سکتا: ہو سکتا ہے اور امید ہے! کیونکہ مذکورہ صفحہ اور اس کے سامنے والا صفحہ ان دونوں میں شیخین کی شرط پر کوئی دوسری حدیث نہیں جسے صحیح قرار دیا گیا ہو۔

پھر یہ کہ ابن عباس کی اسناد میں یہ اس پر حکم لگانے سے منع کرتا ہے کہ وہ شیخین کی شرط پر ہے! سن لو وہ ابو بلج عن عمرو بن میمون کی سند سے ہے......

اور اس رافضی کے حافظ ذہبی رحمہ اللہ پر اکاذیب میں سے یہ بھی ہے:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے مصدر سابق (۱۰/۷۔۶۳۸۔۶۳۸) میں حدیث رقم (۴۹۴۰) [1] کے تحت فرمایا:

تنبیہ: ......اس شیعی نے اس حدیث کو مراجعات (ص ۱۴۷) میں حاکم کی روایت سے اس جگہ نقل کیا ہے جہاں سے میں نے اسے نقل کیا ہے، پھر کہا:

''ذہبی نے اسے اپنی ''تلخیص'' میں اس کی صحت کو تسلیم کرتے ہوئے روایت کیا۔''

---

[1] روایت یہ ہے: ''سکون و راحت سے رہو'' میں نے اپنے اہل بیت میں سے اپنے سب سے پیارے سے تمہارا نکاح کیا ہے۔ روایت ضعیف ہے۔

یہ ذہبی پر کھلا جھوٹ ہے، کیونکہ انہوں نے اس حدیث کو اس طرح بیان کیا ہے کہ وہ غلط ہے جیسا کہ میں نے اسے دیکھا، تو کس طرح کہا جائے، کہ انہوں نے اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے؟!

لیکن اس طرح کا کذب اس شیعی کی طرف سے کوئی عجیب نہیں، ہم نے اس کے دوسرے جھوٹ سے پردہ اٹھایا جو کہ اس سے بھی زیادہ واضح ہے۔

ہمارے شیخ نے ''مصدر سابق'' (۱۰/۶۵۴) میں حدیث رقم (۴۹۴۸) ❶ کے تحت فرمایا:

تنبیہ: اس شیعی نے اپنی ''مراجعات'' (ص ۱۴۸) میں اس حدیث سے ایک حصہ نقل کیا ہے اور اسے حاکم کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اس نے کہا: ''ذہبی نے اسے ''اپنی تلخیص'' میں اس کی صحت کو تسلیم کرتے ہوئے روایت کیا ہے۔''

میں نے کہا: یہ اس کی بہت ساری جعل سازیوں میں سے ہے! کیونکہ ذہبی نے اس پر سکوت فرمایا ہے، اور حاکم نے خود...... اپنی عادت و معمول کے خلاف...... اس کی اسناد کی صحت کی صراحت نہیں کی، انہوں نے بھی اس پر سکوت اختیار کیا، پس انہوں نے تنبیہ کی!!

پھر میں نے اسے بہت فصاحت کے ساتھ جھوٹ بولنے والا دیکھا، اس نے (ص ۲۲۲) پر اس کا اوّل حصہ اور اس کے آخر سے ذکر کرنے کے بعد۔ کہا: ''یہ کلمہ انہی الفاظ کے ساتھ علی سے ثابت ہے، حاکم نے اسے صحیح سند کے ساتھ امام بخاری اور مسلم کی شرط پر "المستدرك" (۳/ ۱۲۶) میں نقل کیا، اور ذہبی نے اپنی تلخیص میں اس کا اعتراف کیا ہے''!!

۵:...... اس کی حدیث کو بعض مصادر کی طرف منسوب نہ کرنے کے بارے میں تدلیس تا کہ اس کا کذب ظاہر نہ ہو:

ہمارے شیخ نے "الضعیفة" (۱۰/ ۵۲۹) میں حدیث رقم (۴۸۹۷) ❷ کے تحت فرمایا:

عبدالحسین شیعی کی "المراجعات" (ص ۱۷۷) میں تدلیس میں سے ہے، کہ جب اس نے جزم کے ساتھ حدیث ذکر کی کہ یہ نبی ﷺ تک مرفوع ہے لیکن اس نے (حسب عادت) ذکر نہیں کیا کہ اسے کس نے روایت کیا ہے، کیونکہ وہ اسے ذکر کرتا خواہ دیلمی ہوتا، اس نے "الکنز" پر انحصار کرتے ہوئے اس کا نمبر، جزء اور اس کا صفحہ تک نقل کیا ہے لیکن یہ ذکر نہیں کیا کہ اسے کس نے روایت کیا ہے، کیونکہ اس میں ہے:

---

❶ روایت یہ ہے: علی رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں کہا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ﴿اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِكُمْ﴾ (آل عمران: ۱۴۴) ''کیا وہ فوت ہو جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے۔'' روایت منکر ہے۔

❷ روایت یہ ہے: ''عدل میں میرا ہاتھ اور علی کا ہاتھ برابر ہیں، روایت موضوع ہے۔

''ابن الجوزی نے اسے ''الواھیات'' میں نقل کیا ہے۔'' کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر اس نے اس کی صراحت کر دی تو لوگوں پر بھید کھل جائے گا کہ وہ اپنی کتاب کو سیاہ کرنے اور اپنے مذہب کے لیے دلیل کی خاطر ضعیف بلکہ موضوع روایات کو ناحق استعمال میں لاتا ہے، واللہ المستعان!

اور ہمارے شیخ نے ''مصدر سابق'' (۱۰/۵۴۳۔۵۴۴) میں حدیث رقم (۴۹۸) ❶ کے تحت فرمایا:

اور السیوطی نے 'الجامع الکبیر'' (۱/۴۴۷) میں، شیخ علاؤ الدین نے ان کی متابعت میں "الکنز" میں، طبرانی نے "الأوسط" میں، الخطیب نے "المتفق و المفترق" میں اور ابن الجوزی نے "الواھیات" میں جابر سے روایت کیا ہے۔

الشیعی نے اسے ''مراجعات'' (ص ۱۷۸) میں ''الکنز'' کی طرف منسوب کرتے ہوئے اسے پہلے دو کی طرف منسوب کیا ہے، اور اسے ان میں سے تیسرے کی طرف منسوب نہیں کیا۔ اور وہ وہی ہے! ❷

ابن الجوزی فی "الواھیات": اس نے قارئین سے جعل سازی اور ان سے اس حدیث کی اس حقیقت حال کو چھپانے کی خاطر کیا جو اس پر اس کے اس کی طرف منسوب کرنے پر دلالت کرتی ہے!

اور اس نے حدیث کا دوسرا حصہ بھی ذکر نہیں کیا، جو عقل مندوں کے ہاں اس کے حال پر دلالت کرتا ہے۔

اور اس کا ایک جھوٹ یہ بھی ہے کہ وہ روایت کو اس کے نقل کرنے والوں میں سے کسی ایک کے ہاں ناقص نقل کرتا ہے، جبکہ وہ بعض مصادر میں اس کی گمراہی اور اس کے کذب سے پردہ اٹھا دیتی ہے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے سابق مصدر (۱۰/۵۵۲) میں حدیث رقم (۴۹۰۴) ❸ کے تحت فرمایا:

تنبیہ: ......اس شیعی نے مراجعات (ص ۱۷۹) میں اس حدیث کو حاکم کی روایت سے نقل کیا اور علی رضی اللہ عنہ کے فرمان کا اضافہ نقل نہیں کیا! سبب واضح ہے، کیونکہ وہ ان کے اور ان کے اہل بیت کی عصمت کے متعلق دعوے کے ابطال میں صریح ہے، کس طرح جبکہ وہ بیان کرتا ہے۔ اگر وہ صحیح ہے......

میں اور میرے علاوہ کوئی بھی تمہیں معصیت کا حکم دے تو پھر کوئی اطاعت نہیں......!

پس انہوں نے معصیت کے متعلق اپنے حکم کے احتمال میں اپنے آپ کو اور اپنے علاوہ کو برابر قرار دیا، تو کیا جو معصوم ہو اس کی یہ حالت ہو سکتی ہے؟

---

❶ اس کی عبارت ہے: (ترجمہ) ''آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے سے جنت کے دراوزے پر لکھا ہے، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علي اخو رسول اللہ" یہ روایت موضوع ہے۔

❷ یعنی اس حاشیے سے پہلے ابھی جس حدیث کا ذکر ہوا۔

❸ روایت یہ ہے: ''علی! تم میں عیسیٰ علیہ السلام سے ایک مثال ہے......'' یہ روایت ضعیف ہے۔

ہمارے شیخ نے مصدر سابق (۱۰/۵۷۵) میں حدیث رقم (۴۹۱۵) ❶ کے تحت فرمایا!

اور حدیث، شیعی نے "مراجعات" (ص۲۸) پر بیان کیا:

''اسے اصحاب السنن کی ایک جماعت نے اسناد کے ساتھ ابوذر تک مرفوعا روایت کیا ہے!''

میں نے کہا: اس تخریج میں خبیث تدلیس ہے، کیونکہ ہم (اہل السنہ) کے نزدیک اصحاب ''السنن'' جب مطلقا کہا جائے اس وقت ان سے مراد ''سنن اربعہ'' کے مؤلفین ہیں: ابوداؤد، ترمذی، نسائی، اور ابن ماجہ، ان میں سے کسی ایک نے اس حدیث کے مثل روایت نہیں کیا۔ پس ظاہر ہے کہ اس کی مراد بعض شیعہ مؤلفین ہیں:

اس کے اکاذیب میں سے باطل کے ساتھ دلیل لینے کے لیے کتب اہل السنہ اور ان کے مؤلفین پر جھوٹ باندھنا ہے۔ ہمارے شیخ نے ''مصدر سابق'' (۱۰/۶۱۷۔۶۲۱) میں اختصار کے ساتھ۔ حدیث رقم (۴۹۳۲) ❷ کے تحت فرمایا:

تنبیه:...... جان لیجیے کہ شیعی نے۔ اپنی کتاب "المراجعات" (ص ۱۲۳۔ ۱۲۵) (میں اپنی عادت کے طور پر) اس حدیث کے متعلق بڑی فحش تدلیس کی ہے، وہ بعینہٖ جھوٹ ہے! پھر اس پر خمینی نے "کشف الاسرار" (ص ۱۷۳۔ ۱۷۵) میں اس کی متابعت کی ہے، وہ بیان حاضر ہے۔

(۱)......اس نے کہا کہ ترجمہ کی حدیث "صحاح السنن الماثورة" ! میں ہے تو یہ کذب ہے، خواہ اس نے اس سے کتب صحاح کا ارادہ کیا ہے یا احادیث صحاح کا! کیونکہ وہ حدیث اُن میں ہے نہ اُن میں، جیسا کہ میں نے دیکھا۔

(۲)......اس نے حدیث کو ائمہ کی ایک جماعت کی طرف منسوب کیا، ان میں سے امام احمد اس نے ''مسند'' کے پہلے تین مواقع پر، نسائی نے، الخصائص'' میں اس صفحہ میں جس طرف اشارہ کیا گیا ہے، ''مستدرک حاکم'' مذکورہ صفحہ میں، اس نے یہ وہم ڈالنے کی کوشش کی ہے کہ ان مصادر میں حدیث بعینہٖ ہے! بلکہ اس نے (ص۱۲۵) صراحت کی تو کہا:

''ابن عباس کی روایت اس نص پر مشتمل ہے۔''

یہ فریب اور افتراء ہے، جیسا کہ اس تخریج کی وضاحت سے تم پر واضح ہو جائے گا، واللہ المستعان.

میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ یہ دونوں جھوٹ ❸ شیعی نے ان کا قصد نہیں کیا، بلکہ وہ اس کے اوہام میں سے ہیں،

---

❶ آل محمد کو وہ مقام عطا کرو جو مقام سر کو جسم میں حاصل ہے۔ اور جو آنکھوں کو سر میں حاصل ہے، کیونکہ جسم سر کے ساتھ ہے اور سر آنکھوں کے ساتھ ہی راہنمائی حاصل کرتا ہے۔'' روایت موضوع ہے۔

❷ روایت یہ ہے: ''یہ میرا بھائی میرا وصی اور تم میں، میرا خلیفہ ہے، لہٰذا اس کی بات سنو اور اطاعت کرو، یعنی علی کی۔'' یہ روایت موضوع ہے۔

❸ ان دونوں کو "الضعيفة" (۱۰/ ٦١٨۔ ٦١٩) میں دیکھیں، طوالت کے اندیشے کے پیش نظر ہم نے ان دونوں کا ذکر نہیں کیا۔

(میں ایسے ہی کہتا) اگر میں نے اس کے بہت سے جھوٹ نہ پکڑے ہوتے جن کی تاویل ممکن نہیں، جیسا کہ کئی بار بیان ہوا۔

شیعی نے جو بھی جھوٹ افتراء کیے اس نے ان پر اکتفا نہیں کیا، حتی کہ اس نے (بڑی ڈھٹائی اور قلت حیا کے پیش نظر) اس پر اپنے قول کی بنیاد رکھی۔

''شیخین اور ان جیسے دوسرے محدثین نے اسے روایت نہیں کیا، کیونکہ انہوں نے اسے خلافت میں ان کی رائے سے متصادم دیکھا، اور ان کے صحیح نصوص سے اعراض کرنے کا یہی وہ سبب ہے، وہ ڈر گئے کہ یہ شیعہ کے لیے ہتھیار ثابت نہ ہو، پس انہوں نے جانتے بوجھتے اسے چھپا لیا، بے شک اہل السنہ کے بہت سے شیوخ (اللہ ان سے درگزر فرمائے) کا یہی وتیرہ تھا، اس سلسلے میں جو بھی تھا وہ اسے چھپاتے تھے!!''

اس طرح اس نے کہا (اللہ اس کے استحقاق کے مطابق اس سے معاملہ کرے) حالانکہ فی الواقع یہ اس کا اور اس کے شیعہ بھائیوں کا وصف ہے، وہ ہیں جو صحیح نصوص کو رد کرتے ہیں، اور ضعیف وموضوع روایات سے دلیل لیتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ وہ قارئین کو یہ وہم ڈالتے ہیں کہ وہ اہل السنہ کے نزدیک صحیح ہیں، جبکہ وہ ان کے نزدیک ضعیف یا موضوع ہوتی ہیں۔

کیا میں اس شیعی کے کرتوت بتاؤں جو ہم نے اس کی عیب کشائی کی اور اس کی کتاب کی تخریج کے دوران میں اس کی کمزوریوں سے پردہ اٹھایا کہ اس کتاب میں کوئی نادر حدیث ہی صحیح ہوگی؟ اگر کوئی مل جائے تو اس میں ان کے زعم کے مطابق علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر مطلق دلالت کرنے والی کوئی دلیل اور نص نہیں ان کے متعلق یہ جو کہتے ہیں، اور جو اکاذیب واباطیل ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اللہ نے ان کو اس سے لاتعلق ٹھہرایا ہے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دفاع، اور اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان کے متعلق رافضہ کی تاویل:

﴿اِذْهُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (التوبة: ٤٠)

''جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے، غم نہ کر بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

پھر ہمارے شیخ نے اسی مصدر (۶۲۲/۱۰۔۶۲۳) میں بیان کیا۔

پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت [1] میں ایک جملہ ہے جسے رافضی نے عمداً حذف کیا ہے، کیونکہ وہ اس کے ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے فضائل کے انکار کے خلاف ہے، اور وہ (جملہ) ان کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرنے کے متعلق ہے، اور روایت یہ ہے:

---

[1] دیکھیں: "الضعیفة" (۶۲۱/۱۰)

ابن عباس نے فرمایا: ابوبکر تشریف لائے جب کہ علی سوئے ہوئے تھے، انہوں نے کہا: ابوبکر سمجھتے تھے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں، تو انہوں نے عرض کیا: اللہ کے نبی! تو علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اللہ کے نبی تو بئر میمون کی طرف تشریف لے گئے ہیں، پس ان سے جا ملو، انہوں نے بیان کیا، پس ابوبکر گئے اور آپ کے ساتھ غار میں داخل ہوئے......

تو جب تم اپنی بات میں سچے ہو کہ ابن عباس کی یہ روایت ان کے طرق سے مروی ہے جن کی صحت پر اتفاق ہے، تو پھر تم نے اس جملے کو کیوں حذف کیا جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق گواہی دیتا ہے کہ وہ غار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے؟

کیا تم پر صادق نہیں آتا کہ تم ان لوگوں کی طرح ہو جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَ تَكۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ﴾ (البقرة: ٨)

''کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان لاتے ہو اور کچھ کا انکار کرتے ہو؟'' کیوں نہیں؟ جبکہ تم نے اس چیز کا انکار کیا جو کہ اس سے صحیح تر ہے، اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمان ہے:

((یَا اَبَابَکْرٍ! مَاظَنُّكَ بِاثْنَیْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا)) (متفق علیه)

''ابوبکر! تمہارا ان دو کے متعلق کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے؟'' یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿اِذۡ هُمَا فِى الۡغَارِ اِذۡ يَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (التوبة: ٤٠) ''جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے، غم نہ کرو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' کی تفسیر ہے۔ یہ روایت فقه السيرة (١٧٣) میں بھی منقول ہے۔

﴿فَاَيۡنَ تَذۡهَبُوۡنَ﴾ (التكوير: ٢٦) ''تو تم کدھر جا رہے ہو؟''

کوئی شخص سوال کرتے ہوئے کہتا ہے: جب شیعہ نے ہمارے سلف صالحین ...... جن میں سرفہرست ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں ...... کے ساتھ اپنی دشمنی اور اپنی گمراہی کی وجہ سے احادیث السنة الصحيحة کا انکار کیا تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تعریف کے بارے میں اس آیت صریحہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ اور وہ اس کا انکار نہیں کر سکتے؟ کیونکہ اگر انہوں نے انکار کیا تو پھر ان کے کفر کے بارے میں کسی کے پاس کوئی گنجائش باقی نہ رہی؟

میں کہتا ہوں: ان کا اس آیت کے متعلق موقف وہی ہے جو گمراہ فرقوں کا اللہ کی کتاب کی ان نصوص کے متعلق ہوتا ہے جو ان کی خواہشات کے خلاف ہوتی ہیں، اور وہ ان کے معانی کی تحریف ہے، جیسا کہ ان سے پہلے یہود نے تورات اور انجیل کے ساتھ کیا! تو یہ ان کا بڑا ہے وہ اپنی ''منہاج'' [1] (ص ١٢٥) میں اس آیت کا جواب دیتے

---

[1] اس سے مراد منهاج الكرامة فى اثبات الامامة لابن مطهر الحلى ہے۔ (شہباز حسن)

ہوئے کہتا ہے:

''اس (ابوبکر) کے لیے غار میں (ساتھ رہنے کی) کوئی فضیلت نہیں، اس لیے کہ آپ (ﷺ) نے اس سے بچنے کے لیے اسے اپنے ساتھ رکھا تاکہ وہ آپ کے معاملے کو ظاہر نہ کر دے......''!

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ''منہاج'' ❶ (٤/ ٢٣٩-٢٧٣) میں بڑی تفصیل کے ساتھ اس کا رد کیا ہے، پس جو زیادہ علم و فائدہ چاہتا ہے وہ اس کی طرف رجوع کرے۔

ہمارے شیخ نے ''اسی مصدر'' (١٠/ ٦٧٠-٦٧١) میں حدیث رقم (۴۹۵۷) ❷ کے تحت فرمایا:

تنبیه: ...... شیعی نے اس حدیث سے دلیل لیتے ہوئے اسے ''المراجعات'' میں ذکر کیا اور کوئی حوالہ نقل نہیں کیا، اس نے بس یہ ذکر کیا ہے کہ وہ ''الکنز'' کی احادیث میں سے ہے (٦/ ٣٩٦)

اس کا صرف اس پر اکتفا کرنا اس کی نہ ختم ہونے والی فریب کاریوں میں سے ہے، قاری ...... بلکہ کثیر قارئین ...... کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اس کا بھید پا سکیں، کیونکہ یہ اس کی عادت ہے کہ وہ زیادہ تر کسی حدیث کو نقل کرتا ہے اور اسے حدیث کے کسی امام کی طرف منسوب کر دیتا ہے، گویا کہ وہ کہتا ہے: اسے احمد اور طبرانی اور...... نے روایت کیا ہے۔ پھر وہ زیادہ تر اس مصدر کا ذکر کرتا ہے جس سے اس نے نقل کیا ہے، جیسے مثال کے طور پر ''الکنز''۔ اس کا غالب عمل یہی ہے، تو پھر اس نے اس حدیث کا ان کے حوالے سے مخرج (حوالہ) کیوں نہیں نقل کیا؟

یہ اس لیے، کہ اگر وہ ایسا کرتا تو اس کا بھید کھل جاتا، یہ کہ ''الکنز'' جس جگہ کی طرف اس شیعی نے خود اشارہ کیا ہے وہاں انہوں نے بیان کیا ہے: ''رواه ابن الجوزی فی ''الواهيات''

میں نے کہا: ہر وہ شخص جس نے حدیث کی ادنی سی واقفیت حاصل کی ہے، اور اس کو اس (حدیث) کے متعلق تصنیف شدہ کتب کا علم ہے، وہ جانتا ہے کہ ''الواهيات'' ابن الجوزی کی کتاب ہے جسے انہوں نے واہی اور منکر روایات کے لیے مختص کیا ہے، جو ان کے نزدیک درجہ وضع تک نہ پہنچیں، اور زیادہ تر ایسے ہی ہے، ورنہ وہ بعض موضوع روایات بھی اس میں ذکر کرتے ہیں، جیسا کہ حفاظ نے اس سے آگاہ کیا ہے۔

پس حدیث کو ''الواهيات'' کی طرف منسوب کرنا اس کو ضعیف قرار دینا ہے، اسی لیے اس شیعی نے ''الکنز'' سے ابن جوزی کی ''الواهيات'' میں روایت کو نقل نہیں کیا۔ ❸

---

❶ امام ابن تیمیہ کی اس معرکہ آرا کتاب کا پورا نام ''منهاج السنة النبوية فی نقض كلام الشيعة والقدرية'' ہے۔ (شہباز حسن)

❷ روایت یہ ہے: ''میں نے تمہارے بارے اللہ سے پانچ چیزوں کا سوال کیا، پس، اس نے چار چیزیں عطا کر دیں اور ایک عطا نہ کی......'' یہ روایت موضوع ہے۔

❸ یعنی ان کا وہ بیان جو اس روایت کی حقیقت سے پردہ اٹھاتا ہے یعنی رواه ابن الجوزی فی الواهيات ''اسے کو ابن جوزی نے 'الواهيات' میں روایت کیا ہے۔'' (شہباز حسن)

کوئی کہہ سکتا ہے: ہوسکتا ہے کہ وہ شیعی ''الواھیات'' کتاب کے موضوع کے متعلق نہ جانتا ہو، تو ہمیں اس کے متعلق برا گمان نہیں رکھنا چاہیے، اور ہمیں حتمی طور پر نہیں کہنا چاہیے کہ اس نے حدیث کو اس کی طرف منسوب کرنا عمداً ترک کر دیا جو آپ نے ذکر کیا!

میں جواب میں عرض کرتا ہوں: میں اسے اس سے دور تصور کرتا ہوں، اگر ہم نے اسے تسلیم کر لیا، تو ہم نے اسے اس کے متعلق سوءِ ظن سے بچا لیا، اور اسے لاعلم قرار دے دیا، جس سے اس علم کے مبتدی بھی احتراز کرتے ہیں، پس برابر ہے خواہ یہ ہو یا وہ! ان دونوں میں سے جو زیادہ شیریں ہے وہ کڑوا ہے!

اس شیعی کی طرف منسوب اس جہل نے مجھے ایک مزاحیہ واقعہ یاد کرا دیا، اس کا خلاصہ یہ ہے: کہ کسی گاؤں میں ایک خطیب نے اپنے خطبے میں ایک حدیث ذکر کی اور اس کے بعد کہا: ابن الجوزی نے اسے ''الموضوعات'' میں روایت کیا ہے''!!

(٦)...... تاریخ کے مدار پر شیعہ کے تین ائمہ ابن المطہر، خمینی اور عبدالحسین کی طرف سے جھوٹ،

انہوں نے ایک موضوع روایت سے علی رضی اللہ عنہ کی امامت و ولایت کے ثبوت کا دعویٰ کیا ہے:

ہمارے شیخ نے "الضعیفة" (١٠/ ٥٣٨ـ٥٤٠) میں حدیث رقم (۴۸۹۹) [1] کے تحت بیان کیا:

وہ حدیث جس کا شیعہ بہت ذکر کرتے ہیں اور اسے اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں، یہ ان کا امام ابن مطہر الحلی ہے، اس نے اسے ''الفردوس'' کی روایت سے اپنی کتاب جس کا اس نے نام "منهاج الكرامة فى اثبات الإمامة" رکھا، (ص ۸۱ـ۸۲) (تحقیق ڈاکٹر محمد رشاد سالم) میں نقل کیا اور کہا:

''اور ابو نعیم نے اس کی مانند روایت کیا، اور وہ (روایت) ان کی ولایت و امامت کے ثبوت میں صحیح ہے۔''

عبدالحسین نے "المراجعات" (ص ٥٥) میں پھر خمینی نے ''کشف الاسرار'' میں اس کی تقلید کی اور اس (خمینی) نے کذب و افتراء میں ان دونوں پر برتری حاصل کی کہ اس نے کہا:

''اہل السنہ کے نزدیک اس بارے میں سات احادیث وارد ہیں۔''

پھر اس نے صرف ایک حدیث ذکر کی اس نے کہا کہ ابراہیم الحموی نے ابو ہریرہ تک اس کی سند بیان کی۔

یہ ابراہیم الحموی کون تھے؟ اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا، میرا نہیں گمان کہ خمینی خود اسے جانتا ہو، پس جب اس کی بات درست ہو کہ وہ اہل السنہ میں سے ہے، تو ہوسکتا ہے کہ وہ ابراہیم بن سلیمان الحموی ہو، جس کے سوانح حیات

---

[1] روایت یہ ہے: ''میں منذر (آگاہ کرنے والا) ہوں، علی ہادی ہیں، علی! (میرے بعد) ہدایت پانے والے تجھ سے ہدایت پائیں گے۔'' یہ روایت موضوع ہے۔

"الدرر الكامنة ، شذرات الذهب ، الفوائد البهية" اورالزرکلی کی "الأعلام" میں موجود ہے، پس اگر تو یہ وہی ہے تو وہ حنفی علماء میں سے ہے التوفی (۷۳۲ھ)، تو اگر وہ وہ ہے جس کا خمینی نے قصد کیا ہے، اور وہ اسے اس کی طرف منسوب کرنے میں سچا ہے، تو اس نے اس کتاب کا ذکر نہیں کیا جس میں سے اس نے حدیث کا حوالہ دیا ہے، پس اس کا اس کی طرف سے کہنا!

"أسند" کھلا جھوٹ ہے، وہ کس طرح سند بیان کرسکتا ہے جو آٹھویں صدی میں ہو، پس اس کا اور ابو ہریرہ کے درمیان بہت بڑا فاصلہ ہے؟

اگر ہم فرض کرلیں کہ اس نے فعلاً اس کی نسبت کی ہے، تو اس طرح کی اسناد نازل کثیر الرواۃ کی کیا قیمت؟! کیونکہ اس طرح کی روایات کم ہیں جو علت سے محفوظ ہوتی ہوں! جیسا کہ اس علم شریف کی معرفت رکھنے والوں کو معلوم ہے!

اس طرح کی نسبت اور اس طرح کی (نسبت) جو ان شیعہ علماء کی طرف سے بیان ہوئی عبرت ہے، کیونکہ وہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کی طرح ہیں! پس سیوطی نے اس آیت کی تفسیر میں "الدر المنثور" میں متعدد روایات بیان کی ہیں۔ لیکن ان میں ابو ہریرہ سے مروی خمینی کی روایت نہیں!

رہی ابن عباس کی روایت جس سے ابن المطہر الحلی نے دلیل لی ہے، تو میں نے اس میں موجود علل جان لی ہیں، ان میں سے بعض اس کے بطلان پر دلالت کرتی ہیں، ان پر کس طرح اتفاق ہوسکتا ہے؟!

اب الحلی پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی پیش کردہ تردید سنیں! تا کہ اس حدیث کے بطلان اور شیعہ کے جہل اور ان کی گمراہی پر یقین ہو جائے، آپ رحمہ اللہ نے (۳۸/۴) فرمایا:

(۱)...... یہ کہ اس کی صحت پر دلیل قائم نہیں ہوئی، لہٰذا اس سے دلیل لینا جائز نہیں، اور دیلمی کی کتاب ''الفردوس'' اس میں بہت زیادہ موضوع روایات ہیں، اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ مجرد یہ ہونا کہ اس نے اسے روایت کیا ہے حدیث کی صحت پر دلالت نہیں کرتا، اور اسی طرح ابونعیم کی روایت صحت پر دلالت نہیں کرتی۔

(۲)...... حدیث کے متعلق علم رکھنے والوں کا اتفاق ہے کہ یہ گھڑا ہوا کذب ہے، پس اس کی تکذیب اور تردید واجب ہے......''

پھر انہوں نے باقی وجوہات بیان کیں! وہ نو ہیں، اگر کلام طویل نہ ہو جاتا تو میں ان کی اہمیت کے پیش نظر وہ سب بیان کرتا، ان میں سے اس کا یہ کہنا:

(۳)...... "بِكَ يَهْتَدِي الْمُهْتَدُوْنَ" ''ہدایت پانے والے تم سے ہدایت پاتے ہیں۔'' اس کا ظاہر یہ ہے کہ محمد ﷺ کی امت میں سے جس نے بھی ہدایت پائی ان سے ہدایت پائی! جبکہ یہ واضح جھوٹ ہے! کیونکہ

نبی ﷺ پر خلق کثیر ایمان لائی، آپ سے ہدایت پائی اور جنت میں داخل ہو گئے! اور انہوں نے علی سے ایک بات بھی نہ سنی، اکثر لوگ نبی ﷺ پر ایمان لائے، ان سے ہدایت پائی اور انہوں نے علی سے کسی چیز میں بھی ہدایت و راہنمائی نہ پائی، اسی طرح جب شہر و ملک فتح ہوئے اور وہاں کے باشندے ایمان لائے اور انہوں نے وہاں موجود صحابہ اور دوسرے لوگوں سے ہدایت حاصل کی۔ جماہیر مسلمانوں نے علی رضی اللہ عنہ سے کچھ بھی نہ سنا، تو پھر یہ کہنا کس طرح جائز ہوگا: ''ہدایت پانے والے تم سے ہدایت پاتے ہیں۔''

پھر چھٹے سبب میں ذکر کیا: آیت کی تفسیر میں صحیح ہے کہ اس سے مقصود نبی ﷺ ہیں، پس وہ نذیر (آگاہ کرنے والے، ڈرانے والے) اور ہادی ہیں، رہا علی رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر کرنا تو یہ باطل ہے! کیونکہ اللہ نے فرمایا: ﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ (الرعد: ۷) ''اور ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہے۔'' اور یہ تقاضا کرتا ہے کہ ان لوگوں کا ہادی اور ہو اور ان کا ہادی کوئی اور ہو، پس ہادی متعدد ہوئے، تو علی کو کس طرح کسی قوم کے اوّل و آخر تمام لوگوں کے لیے ہادی مقرر کیا جا سکتا ہے؟!

۷:......اس کے اس دعوی میں ظاہر جھوٹ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ رسول ﷺ کے ثانی ہیں:

ہمارے شیخ نے "الضعیفة" (۱۰/ ۵۷۲۔۵۷۳) میں حدیث رقم (۴۹۱۳) [1] کے تحت فرمایا:

تنبیہ: ...... اس حدیث کے ذریعے عبدالحسین الشیعی نے اپنی چالیس سے زائد احادیث کو ختم کیا، جنہیں اس نے اپنی ''مراجعات'' میں المراجعہ (۴۷) "اربعون حدیثا من السنن المؤیدة للنصوص" کے عنوان کے تحت بیان کیا! پھر اسے ان الفاظ سے ختم کیا:

''ان تمام تائیدی اور حمایتی سنن کی امثال کی تحقیق کی گنجائش نہیں، وہ سب ایک ہی معنی پر دلالت کرتی ہیں! وہ یہ کہ علی اس امت میں رسول اللہ ﷺ کے ثانی ہیں، نبی ﷺ کو جو سرداری حاصل تھی وہ آپ کے بعد ان (علی رضی اللہ عنہ) کو حاصل ہے، پس وہ اس کے معنی میں متواترہ سنن میں سے ہیں، خواہ ان کے الفاظ متواتر نہ ہوں!''

میں اللہ تعالیٰ وحدہ سے مدد طلب کرتے ہوئے بیان کرتا ہوں: اس نے جو چالیس احادیث بیان کی ہیں ان میں صرف چار احادیث ثابت ہیں، ان میں شیخین کی روایت کردہ ایک بھی حدیث نہیں، سوائے علی کی اس روایت کے:

کہ نبی ﷺ نے وصیت فرمائی: مجھ سے صرف مومن شخص ہی محبت کرے گا اور صرف منافق شخص ہی مجھ سے بغض رکھے گا...... (صحیح مسلم)

---

[1] علی! تمہاری سات خصلتیں ہیں، قیامت کے دن ان کے بارے میں کوئی تم سے بحث و مباحثہ نہیں کرے گا، تم اللہ پر ایمان لانے والے پہلے شخص ہو......'' یہ روایت موضوع ہے۔

ان چار میں سے دوسری حدیث صرف حسن ہے! اور وہ سب مطلق طور پر اس معنی پر دلالت نہیں کرتیں جسے شیعی نے ذکر کیا ہے!

صحیح مسلم کی روایت کی مثال، انہیں کی دوسری روایت کے مثل ہے، جو براء نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپ نے انصار کے بارے میں فرمایا:

((لَا یُحِبُّھُمْ اِلَّا مُؤْمِنٌ، وَلَا یُبْغِضُھُمْ اِلَّا مُنَافِقٌ))

''صرف مومن شخص ہی ان سے محبت کرے گا اور صرف منافق شخص ہی ان سے بغض رکھے گا۔''

باقی جو احادیث ہیں ان میں سے کچھ بھی صحیح نہیں، ان میں سے اکثر موضوع ہیں جیسا کہ ان کا بیان ہو چکا ہے جسے تم کسی دوسری کتاب میں نہیں دیکھو گے، اس کی ابتداء حدیث رقم ۴۸۸۲ سے ہوتی ہے اور انتہا اس حدیث (۴۹۱۳) پر ہوتی ہے، ان کا مجموعہ اکتیس احادیث ہے، اور اربعین کا دوسرا مجموعہ جس کی میں نے نمبر (۳۵۳، ۳۵۵، ۳۵۷، ۲۲۹۵، ۲۳۲۱ اور ۲۹۵۵) کے تحت پہلے تخریج کی تھی۔

اس کی اربعین موضوعہ میں سے صرف دو احایث کی تخریج میرے ذمہ ہے، میں ان دونوں کی اسناد سے ابھی تک آگاہی حاصل نہیں کر سکا۔

(۱)...... ''علی میرے علم کا دروازہ ہیں، اور مجھے جو شریعت دے کر بھیجا گیا وہ میرے بعد میری امت کے لیے اس کی وضاحت کریں گے۔''

(۲)...... ''علی کا میرے ہاں وہی مقام ہے جو میرے رب کے ہاں میرا مقام ہے۔''

اگرچہ موضوع ہونے کے خط وخال تو دونوں میں ظاہر ہیں، امید ہے کہ اللہ مجھے ان دونوں کی سند پر مطلع ہونے کی توفیق بخشے گا۔

پھر ان دونوں سے پہلی اسناد پر مجھے آگاہی ہوئی، تو میں نے رقم (۵۷۹۸) [1] سے اس کی تخریج کی۔

۸:...... اس کی کتاب ضعیف اور موضوع روایات سے بھرپور ہے، اس کا ایسی احادیث سے دلیل لینا جو ائمہ السنہ کے نزدیک قطعی طور پر موضوع ہیں، اور اس نے بہت سی احادیث کو انتساب کے بغیر ترک کر دیا اور ان کی اصل بیان نہیں کی:

ہمارے شیخ الالبانی رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱۰/۵۷۷) میں حدیث رقم (۴۹۱۷) [2] کے تحت بیان کیا:

---

[1] اس کا بیان گزر چکا ہے کہ ہمارے شیخ نے "صحیفة" (۲۱۶۵) میں اس کی تخریج کی ہے۔

[2] روایت یہ ہے: ''آل محمد کی معرفت جہنم سے براءت، آل محمد کی محبت پل صراط سے گزرنے کا باعث ہے اور آل محمد کے لیے ولایت (محبت ودوستی) عذاب سے امان ہے۔'' یہ روایت موضوع ہے۔

اس تخریج ❶ کی مثال سے عقل مند شخص شیعی کی کتاب کی احادیث کی قیمت پر راہنمائی پاتا ہے کہ وہ ضعیف، موضوع اور ایسی احادیث سے بھر پور ہے جن کی کوئی اسناد نہیں، وہ ایسی احادیث نقل کرتے وقت احتیاط نہیں کرتا جو ائمہ السنہ کے نزدیک قطعی طور پر موضوع ہیں، اور وہ عام لوگوں کو جعل سازی کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ وہ ان کے نزدیک صحیح ہیں، محض اس وجہ سے کہ ان میں سے کسی نے اسے نقل کیا ہے خواہ موضوع اسناد سے ہو، یا اسی طرح اسناد کے بغیر ہو!

خمینی نے اس کی تقلید کی اور اسے اپنی کشف (ص ۱۹۷) میں اس پر یقین کرتے ہوئے نقل کیا:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''مصدر سابق'' (۶۳۳/۱۰) میں حدیث رقم (۴۹۳۷) ❷ کے تحت بیان کیا:

تنبیہ:...... اس حدیث کو، شیعی نے کسی تخریج یا اسے کسی طرف منسوب کیے بغیر "المراجعات" (ص ۱۴۴) میں روایت کیا ہے اپنے معمول کے خلاف، البتہ حاشیے میں اس کا قول ہے:

''جیسا کہ باب ۱۷ میں "من ینا بیع المودة" ہے!

یہ شیعہ کی کتب میں سے ہے!

۹:...... عبدالحسین کا "المراجعات" میں یہ دعویٰ کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ (المائدة: ۵۵) علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوا جس وقت انہوں نے نماز میں رکوع کے دوران میں صدقہ کیا، واضح جھوٹ ہے، اور ان کا جھوٹ کو حلال جاننا تقیہ کی قبیل سے ہے اور اس طرف ابن المطہر الشیعی نے سبقت کی اور خمینی نے ایک اور جھوٹ کا اضافہ کیا اور اس کے کئی پہلو ہیں:

ہمارے شیخ نے "الضعیفة" (۱۰/ ۵۸۲۔ ۵۸۳) میں حدیث رقم (۴۹۲۱) ❸ کے تحت فرمایا:

(۱)...... یہ ثابت ہے کہ یہ آیت عبادہ بن صامت کے بارے میں نازل ہوئی جب انہوں نے بنو قینقاع کے یہود سے اور ان کے حلف سے براءت کا اعلان کیا۔

ابن جریر (۱۸۶/۶) نے دو اسناد سے روایت کیا۔ ان میں سے ایک حسن ہے۔

(۲)...... اسے بھی ابن جریر نے اور ابونعیم نے "الحلیہ" (۱۸۵/۳) میں عبدالملک بن ابوسلیمان سے روایت کیا، انہوں نے کہا:

---

❶ یعنی: حدیث (۴۹۱۷) ضعیف ہے۔ دیکھئے گزشتہ حاشیہ

❷ ''علی! مسجد میں جو کچھ میرے لیے حلال ہے وہ تمہارے لیے حلال ہے۔ یہ روایت انتہائی منکر ہے۔

❸ یہ آیت ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ (المائدة: ۵۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔ یہ روایت منکر ہے۔

میں نے ابوجعفر محمد بن علی سے اللہ عزوجل کے فرمان: ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ﴾ کے بارے میں سوال کیا، ہم نے کہا: ایمان لانے والے کون ہیں؟ انہوں نے کہا: ﴿الَّذِينَ اٰمَنُوا﴾ (اور ابونعیم کے الفاظ ہیں کہ انہوں نے کہا: اصحاب محمد ﷺ) ہم نے کہا: ہمیں پتہ چلا ہے کہ وہ علی بن ابی طالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے؟ انہوں نے فرمایا: علی (رضی اللہ عنہ) بھی ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔

اس کی اسناد صحیح ہیں۔

میں نے کہا: اگر یہ آیت خاص طور پر علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، تو ان کے اہل بیت اور ان کی اولاد اس کی معرفت کی زیادہ حق دار تھی، یہ ابوجعفر الباقر رضی اللہ عنہ ہیں ان کے پاس اس کے متعلق کوئی علم نہیں۔

اور یہ بہت سے دلائل میں سے ہے کہ شیعہ اپنے اماموں کے ساتھ ایسی ایسی چیزیں منسلک کر دیتے ہیں جن کے متعلق ان کے پاس علم نہیں ہوتا!

پھر ہمارے شیخ نے ''اسی مصدر'' (۱۰/۵۸۴۔۵۸۹) میں بیان کیا:

تنبیه:...... الشیعی نے اپنی کتاب (ص۳۶) میں بیان کیا:

''مفسرین کا اس پر اجماع ہے۔ جیسا کہ القوشجی نے اس کا اعتراف کیا (اور وہ اشاعرہ کے ائمہ میں سے ہے) کہ یہ آیت علی رضی اللہ عنہ پر نازل ہوئی جس وقت انہوں نے نماز میں حالت رکوع میں صدقہ کیا، امام نسائی نے اسے اپنی ''صحیح''! میں اس کا نزول علی کے متعلق ہوا، روایت کیا: اور یہ عبداللہ بن سلام کے حوالے سے ہے، اس کا ان کے بارے نزول "الجمع بين الصحاح الستة" کے مؤلف نے سورۃ المائدہ کی تفسیر میں نقل کیا ہے!!''

میں نے کہا: اس کلام میں ۔کم از کم۔ کئی جھوٹ ہیں:

(۱)...... اس کا یہ کہنا: ''مفسرین کا اجماع ہے'' باطل ہے۔ خواہ قائل ایسا شخص ہو جس نے اس کے متعلق اعتراف کو اس کی طرف منسوب کیا ہو یا کوئی اور ہو! کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ یہ بیان ہو چکا کہ۔ روایت کے لحاظ سے۔ زیادہ راجح یہ ہے کہ اس کا نزول عبادہ بن صامت کے بارے میں ہے؟ اور وہاں کچھ اقوال ہیں جنہیں محقق آلوسی (۳۳۰/۲) نے اس اجماع مزعوم کے رد پر بیان کیا ہے اور یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ اس بارے میں امام المفسرین ابن جریر طبری نے خلاف نقل کیا ہے؟! اور ابن حبان اور ابن کثیر نے اس کے خلاف کو ترجیح دی ہے جیسا کہ بیان ہوا؟!

(۲)...... اس کا یہ کہنا: ''النسائی نے اسے روایت کیا......'' یہ بھی کذب ہے، امام نسائی نے اپنی معروف کتب میں سے کسی بھی کتاب میں اسے نقل نہیں کیا۔ اپنی "السنن الصغری" میں نہ "السنن الکبری" میں اور نہ ہی

"الخصائص" میں، اور یہ نسبت کس طرح صحیح ہوسکتی ہے، اس نے اسے ان کی طرف منسوب نہیں کیا جنہوں نے اس حدیث کی روایات کو نقل کیا اور اس نے انہیں کتب السنۃ کے معروف مصادر کی طرف منسوب کر دیا، جیسے حافظ ابن کثیر اور سیوطی وغیرہما؟!

اس پر مزید یہ کہ الحافظ المزی رحمہ اللہ نے حدیث کو مطلق طور پر مسند عبداللہ بن سلام میں ان کے اطراف سے نقل نہیں کیا۔ جبکہ وہ اس میں نسائی کی "السنن الکبری" پر اعتماد کرتے ہیں!

اور نہ ہی النابلسی نے "ذخائر" میں (روایت کیا) اس میں ان کا اعتماد "السنن الصغری" پر ہے!

اور رہی "الخصائص" تو میں نے بذات خود اسے دیکھا ہے!

(۳)......اس کا یہ کہنا: "فی صحیحه" (اپنی صحیح میں)!! یہ اس کے کھلے جھوٹوں میں سے ہے، کیونکہ اس علم شریف کے ابتدائی طالب علم بھی جانتے ہیں کہ النسائی رحمہ اللہ کی ایسی کوئی کتاب نہیں جو "الصحیح" سے معروف ہو، ظن غالب یہی ہے کہ شیعہ اس کذب کو تقیہ کی قبیل سے حلال جانتے ہیں یا وسیلے کو جائز قرار دینے کی غایت کی قبیل سے ہے! اس (تقیہ) نے انہیں کھلے جھوٹ کی اباحت میں داخل کر دیا، تاکہ عام قارئین کو گمراہ کر سکیں اور یہ اس کے نزدیک بہت زیادہ ہے! میں نے اسے دیکھا اس نے علی بن المنذر (ص۹۸) کی سوانح حیات میں بیان کیا:

"امام النسائی نے اس کی روایت سے "الصحیح" میں دلیل لی ہے!"

اور اس کا یہ طرز عمل تمام "السنن الاربعة" میں ہے، کبھی سب کے بارے میں، اور کبھی ایک کے بارے میں، وہ (ص۵۰) کہتا ہے:

"یہ ان کی صحاح ستہ ہیں!"

اسی طرح (ص۵۴) پر ہے۔

اسے ابوداؤد اور ترمذی نے ذکر کیا، اور کہا:

"اپنی صحیح میں" (ص۵۵، ۵۷، ۹۵، ۱۱۶)

نسائی اور ابوداؤد نے ذکر کیا، اور کہا:

"ان دونوں کی صحیح کی طرف رجوع کرو!" (ص۵۹)

اور وہ نفیع بن حارث (ص۱۱۱) کے حالاتِ زندگی میں بیان کرتا ہے: "امام ترمذی نے اپنی "صحیح" میں اس سے دلیل لی ہے!"

میں نے کہا: اور اس میں ایک اور جھوٹ ہے، اور وہ ہے اس کا کہنا:

''امام ترمذی نے اس سے دیل ہے۔'' یہ ان پر جھوٹ ہے، یہ کس طرح ہوسکتا ہے جبکہ وہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

''وہ حدیث میں ضعیف قرار دیا گیا ہے۔'' جس طرح "التھذیب" میں ہے؟! اور اس میں ہے کہ ابن عبدالبر نے کہا:

''ان کا اس کے ضعف پر اجماع ہے، اور ان میں سے بعض نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے، اور ان کا اس سے روایت نہ لینے پر اجماع ہے۔''

اس کا "السنن الاربعة" میں سے ہر ایک پر "الصحیح" کا اطلاق کرنا کم تر ہے بنسبت "سنن البیھقی" پر اس اسم کے اطلاق کرنے میں پس حدیث رقم (۴۹۰۳) کے تحت اس پر تنبیہ کی طرف رجوع کریں، اور اللہ کا شکر ادا کریں کہ اس نے تمہیں سنی بنایا تم مخالفین پر کذب اور ان کے خلاف دجل وفریب کو جائز نہیں سمجھتے۔

(۴)......اس کا کہنا: ''اور اس (آیت) کا ان کے بارے میں نزول کو "الجمع بین الصحاح الستة" کے مؤلف نے نقل کیا ہے......!''

میں نے کہا: اس سے ابن الاثیر کی کتاب، جس کا نام ''جامع الاصول'' ہے، مراد لیتا ہے۔ اور یہ ان پر جھوٹ ہے، کیونکہ انہوں نے اسے وہاں نقل کیا نہ ہی اس کے علاوہ کسی اور جگہ، اور وہ اسے کس طرح نقل کرتے جبکہ حدیث ان کی شرط کے مطابق نہیں؟ کیونکہ ان چھ میں سے کسی ایک نے اسے روایت نہیں کیا جن کی احادیث کو انہوں نے اپنی کتاب میں جمع کیا ہے، اور وہ: مالک، شیخین اور ''سنن اربعہ'' کے مؤلفین! سوائے ابن ماجہ کے!

پھر میں نے اسے دیکھا کہ اس نے اپنے اکاذیب مذکورہ کو اپنی کتاب "المراجعات" (ص ۱۶۰) میں مکرر بیان کیا!

اور حدیث کے دوسرے طرق ساقط ہیں، اس کے الفاظ رقم (۴۹۵۸) کے تحت تفصیلاً آئیں گے۔

پھر میں نے ابن المطہر الحلی کو دیکھا کہ وہ اپنے جھوٹ بولنے میں عبدالحسین پر بازی لے گیا ہے، وہ اس (شیعہ) میں اس کا امام ہے، اس کے بہت سے جھوٹوں میں سے جیسا کہ آئیں گے! اس نے اپنی کتاب "منهاج الكرامة فی اثبات الامامة" (ص۴۷۔ تحقیق ڈاکٹر محمد رشاد سالم) میں بیان کیا اور اس نے یہ آیت: ﴿ وَهُمْ رَاكِعُونَ﴾ (المائدة: ۵۵) ذکر کی تو کہا:

''ان کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت علی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ....''

پھر اس نے دوسرے الفاظ کے ساتھ مطول حدیث بیان کی جو زیر بحث حدیث سے زیادہ منکر ہے اس نے اسے ثعلبی کی روایت سے ابوذر سے ذکر کیا، اور خمینی نے (ص۱۵۸) پر اس کی متابعت کی! اور عنقریب رقم

(۴۹۸۵) کے تحت بیان آئے گا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس کے اس استدلال کو کئی وجوہ سے باطل قرار دیا ہے، جو انیس وجوہات تک پہنچتی ہیں، یہاں ہم ان میں سے دوسری وجہ بیان کریں گے، آپ رحمہ اللہ (۴/۴) نے بیان کیا۔ اور الحافظ الذہبی نے "المنتقی" (ص ۴۱۹) میں اسے برقرار رکھا۔

اس کا یہ کہنا: ''ان کا اس پر اجماع ہے کہ وہ علی کے بارے میں نازل ہوئی۔'' سب سے بڑا جھوٹا دعوی ہے، بلکہ روایت کرنے والے اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ وہ خاص طور پر علی کے بارے میں نازل نہیں ہوئی، اور یہ حدیث وضع کردہ کذب میں سے ہے، اور ''تفسیر ثعلبی'' میں موضوع روایات ہیں، وہ رطب و یابس کلام کرنے والے تھے، ان میں خیر اور دین ہے، لیکن وہ احادیث میں سے صحیح وضعیف کی تمیز نہیں کر سکتے تھے، پھر ہم تمہارے دعوی اجماع سے درگزر کرتے ہیں اور تم سے ایک صحیح سند کا مطالبہ کرتے ہیں، اور تم نے جو اسے ثعلبی سے نقل کیا ہے وہ کمزور ہے، اس میں ایسے راوی ہیں جو متہم ہیں......''

پھر شیخ الاسلام نے ذکر کیا کہ اس آیت میں ایسی چیز ہے جو اس روایت کے کذب پر دلالت کرتی ہے، انہوں نے کہا:

''اگر اس آیت سے یہ مراد ہو کہ زکوۃ حالت رکوع میں دی جائے گی، تو پھر واجب تھا کہ یہ معمولات میں شرط ہوتی، اور وہ یہ کہ مسلمان صرف علی ہی کو دوست بنائے، وہ حسن وحسین کو دوست و ولی نہ بنائے! پھر یہ ﴿الَّذِينَ يُقِيمُونَ﴾ (المائدۃ: ۵۵) ''وہ قائم کرتے ہیں۔'' جمع کا صیغہ ہے، وہ فرد واحد پر صادق نہیں آتا، آدمی کی کسی قابل تعریف چیز پر ہی تعریف کی جاتی ہے، اور نماز میں ایسا کرنا (صدقہ کرنا) مستحب نہیں، اگر مستحب ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ایسا کرتے، اور اس پر ترغیب دلاتے اور علی اس فعل کو بار بار کرتے، بے شک نماز میں مصروفیت ہوتی ہے۔ تو پھر کس طرح کہا جائے گا: ''تمہارا کوئی ولی نہیں مگر وہ لوگ جو حالت رکوع میں صدقہ کرتے ہیں......''

اور یہ بہت ہی اہم ہے، اس میں شیخ کا علم ہے جو ان کے علاوہ کسی کے پاس نہیں، اگر طوالت اور قصد سے باہر نکلنا نہ ہوتا تو میں اسے اس کے تمام پہلوؤں کے حوالے سے نقل کرتا، یا کم از کم خلاصہ ضرور نقل کرتا۔

عبدالحسین کی گمراہیوں اور قارئین کو اس کے ابہام ڈالنے میں سے ہے کہ اس نے اس اجماع کاذب کا دعوی کرنے کے بعد یوں کہا:

''......جیسا کہ القوشجی نے اس کا اعتراف کیا، اور وہ اشاعرہ کا امام ہے!''

پس یہ قوشجی کون ہے؟ اور وہ کس دور میں تھا؟

جب میں نے زرکلی کی کتاب ''الاعلام'' کی طرف رجوع کیا، تو میں نے اس میں پایا: اس کی وفات سن (۸۷۹) میں ہوئی، وہ ماہر فلکیات اور ریاضی دان تھا، حنفی فقہاء میں سے تھا...... اور اس میں اس کے مصادر ذکر کیے اور وہ سات ہیں۔

پس اس جیسے فقیہ کی طرف سے اس اعتراف کی کیا قیمت ...... اگر عبدالحسین کا اس سے نقل کرنا صحیح ہے...... اور وہ علماء کے اقوال، ان کے اختلاف اور ان کے اجماع سے معرفت رکھنے سے موصوف نہیں، پھر وہ نویں صدی ہجری میں ہے؟!

اسے یاد رکھو اور اس کا حنفی ہونا، یعنی: وہ ماتریدی ہے، اور اشعری نہیں جیسا کہ عبدالحسین نے کہا! کیا اس کا کہنا: ''اشاعرہ کا امام ہے'' دل میں وارد ہونے والی بات کہنا ہے یا یہ اس کا مبلغ علم ہے؟

خمینی نے ایک اور جھوٹ کا اضافہ کیا، اس کے کئی پہلو ہیں! اس نے ابوذر کی باطل روایت سے پہلے کہا:

''چوبیس حدیثوں میں آیا ہے۔ اہل السنہ کی احادیث سے۔ کہ یہ آیت علی ابن ابی طالب کے بار ے ہے، ہم ان احادیث میں سے جنہیں اہل السنہ نے ذکر کیا ہے ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔''

پھر اس نے ابوذر رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ذکر کی جس کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا، مجھے...... ابن تیمیہ اور امام ذہبی کے کلام سے ...... پتہ چلا کہ وہ من گھڑت کذب میں سے ہے، اسی پر ان دوسری احادیث کو قیاس کر لو، اگر ان کا وجود ہے۔

۱۰:......شیعہ کا علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر موضوع احادیث سے دلیل لینا:

شیعہ کا علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر موضوع احادیث سے دلیل لینا، اور ان کا قرآن کریم کی آیات میں تحریف کرنا اور ان کی ایسے معانی سے تاویل وتفسیر کرنا جس پر شرع دلالت کرتی ہے نہ عقل، نیز تینوں: عبدالحسین، خمینی اور ابن المطہر کا تاریخ میں دوسرا جھوٹ اور ان کی اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿يَآيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (المائدة: ٦٧) کی واضح تحریف کرنا، اور ان کا یہ دعویٰ کہ یہ غدیر (خم) کے دن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی: ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعيفة" (١٠/ ١٣٧) میں حدیث رقم (۴۶۳۱) [1] کے تحت انتہائی معمولی سی تبدیلی کے ساتھ بیان کیا:

عبدالحسین الشیعی نے "مراجعات" (ص ۲۱۰۔۲۱۷) میں علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں چالیس احادیث بیان کیں، ان میں یہ یا ان میں سے زیادہ تر میں۔ تصریح ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ ہیں! دل گواہی دیتا ہے کہ

---

[1] روایت یہ ہے: ''جس نے آنے والے کل کو اپنی عمر میں شمار کیا، تو اس نے موت کے ساتھ بری صحبت کی۔'' یہ روایت ضعیف ہے۔

وہ من گھڑت اور موضوع ہیں۔

ہمارے شیخ الامام العلامہ محمد ناصر الدین الالبانی۔ قدس اللہ روحہ، وطیب اللہ ثراہ۔ نے "الضعیفة" (۱۰/ ۵۸۹۔ ۵۹۳) میں حدیث رقم (۴۹۲۲) ❶ کے تحت فرمایا:

یہ حدیث موضوع ہے جس سے شیعہ نے علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر دلیل لی ہے، وہ اس بارے میں کئی پہلو بدلتے ہیں، کبھی آیات کی تاویل سے اور ان کی ایسے معانی کے ساتھ تفسیر کے ساتھ جن پر شرع دلالت کرتی ہے نہ عقل، کبھی کمزور موضوع روایات کے ساتھ دلیل لے کر، اور وہ اس پر ہی اکتفا نہیں کرتے، بلکہ وہ اہل السنہ کے خلاف مختلف جھوٹ بھی بولتے ہیں، کبھی وہ اپنی احادیث کو اصحاب ''السنن'' کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور وہ: ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ ہیں جیسا کہ بیان ہو چکا۔ جبکہ اس حدیث کو ان میں سے کسی ایک نے بھی روایت نہیں کیا ہوتا، جیسا کہ عبدالحسین شیعی نے پہلی مذکورہ دو حدیثوں (۴۸۸۹، ۴۹۵۱) میں کیا، اور وہ اس کے ساتھ ایک اور جھوٹ ملاتے ہیں! وہ "السنن" کو "الصحاح" کا نام دیتے ہیں کہ جیسا کہ اس سے پہلی حدیث میں بیان ہوا ہے۔

اس شخص کے اور بھی مختلف قسم کے جھوٹ ہیں ان میں سے بعض پر حدیث رقم (۴۸۹۲) کے تحت تنبیہ بیان ہو چکی ہے۔

ان میں سے "مراجعات" (ص ۵۷) میں اس حدیث کے بارے میں اس کا قول ہے:

"اصحاب السنن" میں سے کئی ایک جیسے امام واحدی نے اسے روایت کیا ہے......!''

میں نے کہا: یہ بھی اس کے جھوٹوں میں سے ہے! کیونکہ واحدی ہمارے نزدیک اصحاب ''السنن'' میں سے نہیں، جیسا کہ ابھی ابھی اس کی طرف اشارہ بیان ہوا ہے، وہ اہل السنہ میں سے ایک مفسر ہیں، وہ اپنی روایت میں صحیح احادیث کا التزام نہیں کرتے جیسا کہ حدیث سابق میں اس کا بیان گزرا ہے، پس جس نے قارئین کو وہم ڈالنے کے لیے کہ یہ حدیث صحیح ہے، کسی حدیث کو اس کی طرف منسوب کیا...... جیسا کہ شیعی نے یہاں اور دسیوں دوسری احادیث میں کیا جیسا کہ بیان ہوا اور آگے آئے گا...... تو وہ بلاشک وشبہہ مدلس کذاب ہے! میں نے واحدی کی اسناد کا حال اس حدیث میں معلوم کیا۔

اس دور میں اس کے طریقے۔ کذب وافتراء۔ پر خمینی چلا ہے، اس نے ایک اور جھوٹ گھڑا ہے، اس نے اپنی

---

❶ روایت یہ ہے: ''یہ آیت ﴿يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (المائدۃ: ٦٧) غدیر خم کے دن علی بن ابی طالب کے بارے میں نازل ہوئی۔'' یہ موضوع ہے۔

کتاب ''کشف الاسرار'' ...... وہ اس لائق ہے کہ اس کا نام "فضیحۃ الاشرار" ہو ...... میں کہا، اس نے اس میں فعلاً عقائد شیعہ سے بہت سے عیوب سے پردہ ہٹایا ہے جن سے بہت سے اہل السنہ واقف نہ تھے جیسا کہ آپ دیکھیں گے، خمینی نے اپنی کتاب مذکور کے ص۱۴۹ پر بیان کیا:

''یہ آیت (آیت عصمت جو کہ پہلے بیان ہوئی) اہل السنہ کے اعتراف اور شیعہ کے اتفاق کے مطابق، غدیر (خم) میں علی بن ابی طالب کی امامت کے متعلق نازل ہوئی۔''

میں نے کہا: اس نے جو اتفاق شیعہ ذکر کیا وہ یہاں ہمارے متعلق نہیں، کیونکہ انہوں نے تو اس سے بھی زیادہ گمراہ چیز پر اتفاق کیا! یہاں اس پر بحث ہے جو اس نے کہا ہے کہ 'اہل سنت کا اعتراف ہے' یہ بھی اس کے بہت سے اکاذیب میں سے ہے جن سے وہ اپنی کتاب بھرتا ہے! اس میں اس کا امام ابن المطہر الحلی ہے جس کی کتاب "منهاج الكرامة فى اثبات الامامة" ہے جو عبدالحسین کو تیز کرتا ہے، وہ (ابن المطہر) اس جھوٹ میں ان پر سبقت لے گیا، اور ان میں اکثر کی طرف، ان میں سے ایک اس سے پہلی حدیث میں بیان ہوا، اس نے "منهاج" (ص۷۵) پر کہا:

''انہوں نے اس (آیت) کے علی علیہ السلام پر نازل ہونے پر اتفاق کیا۔''

ابن تیمیہ نے 'منهاج السنہ" (۱۴/۲) میں اس پر رد کرتے ہوئے فرمایا (اور ذہبی نے ان کی متابعت کی):

''آیت سابقہ میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ (المائدة: ۵۵) کی تفسیر کے متعلق جو کہا یہ اس سے بہت بڑا جھوٹ ہے، وہ علماء جو جانتے ہیں، کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، ان میں سے کسی نے بھی یہ کہا نہ وہ ......'' ان کا اس بارے میں مفصل کلام ہے، جو کہ چار حتمی جوابات میں سے ہے، پس جو تفصیل چاہتا ہے وہ اس طرف رجوع کرے۔

تحقیق کرنے والا منصف ان کے اس افتراء پر، جو انہوں نے اتفاق کے حوالے گھڑ ہے، اس پر راہنمائی پاتا ہے: کہ السیوطی نے "الدر المنثور" میں ...... حالانکہ وہ تفسیر میں وارد آثار کو صحیح وضعیف کی تمیز کیے بغیر مفسرین میں سے سب سے زیادہ جمع کرتے ہیں ...... اس آیت کے تحت ابو سعید کی اس حدیث کے علاوہ کوئی اور روایت یا اثر ذکر نہیں کیا، اور دوسری حدیث اسی طرح ابن مردویہ کی روایت سے ابن مسعود کے حوالے سے ہے، ...... اس نے اپنی عادت کے طور پر ...... اس سے سکوت کیا، اور واضح ہے کہ وہ شیعہ کی وضع کردہ ہے جیسا کہ اس کے سیاق سے واضح ہوتا ہے۔ پھر سیوطی نے بہت سی موصول اور مرسل روایات ذکر کیں، وہ سب اس آیت کے نزول میں علی کے تذکرے اور غدیر (خم) کے ذکر کے بطلان پر دلالت کرتی ہیں، اور یہ کہ وہ آیت عام ہے، اس کا علی سے دور و نزدیک کا کوئی تعلق نہیں، تو پھر کس طرح کہا جاتا ہے ...... ان تمام احادیث کے ہوتے ہوئے جنہیں سیوطی نے بیان

کیا...... کہ یہ آیت علی کے بارے میں نازل ہوئی؟ اللہ کی قسم! یہ بہت بڑا جھوٹ ہے!

قارئین کی مزید تاکید کے لیے یہ ہے کہ شیعہ قرآن میں تحریف کرتے ہیں ...... اس باطل حدیث کی مطابقت کے لیے کہ وہ آیت غدیر خم کے دن نازل ہوئی ...... یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (المائدة: ٦٧) ''اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا'' ان مشرکوں سے جنہوں نے آپ کو دعوت سے روکنے، اور آپ کو مختلف طریقوں سے قتل کرنے کی کوشش کی، جیسا کہ شافعی نے فرمایا:

''وہ آپ کو بچائے گا کہ وہ آپ کو قتل کریں حتی کہ آپ وہ آگے پہنچا دیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے۔''

امام بیہقی نے ان سے "الدلائل" (۱۸۵/۲) میں روایت کیا ہے۔

غدیر کے دن ان لوگوں کا وجود نہیں تھا، کیونکہ یہ حجۃ الوداع کے بعد مدینہ کی طرف واپسی پر راستے میں ہوا تھا جیسا کہ معلوم ہے! جبکہ یہ آیت آپ ﷺ کے حج سے پہلے نازل ہوئی جبکہ آپ مدینے میں تھے اور آپ مشرکوں سے جہاد کرتے رہے، جیسا کہ بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں جن کی طرف قریب ہی اشارہ بیان ہوا ہے، ان میں سے ابوہریرہ کی حدیث ہے جس کی طرف اس تخریج کے ابتداء میں اشارہ بیان ہوا ہے۔

جب آپ کو یہ معلوم ہوگیا، تو حدیث کے بطلان' اور شیعہ کے قول کے بطلان کا آپ کو مزید یقین ہوگیا:

کہ اس آیت میں "الناس" سے مقصود نبی ﷺ کے اصحاب ہیں جو غدیر کے دن آپ کے ساتھ تھے! بلکہ ان کے نزدیک مقصود ابوبکر و عمر و عثمان اور کبار صحابہ ہیں! کیونکہ ان کے نزدیک آیت ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ﴾ (المائدة: ٦٧) کا معنی یہ ہے کہ علی ہی آپ کے بعد خلیفہ ہیں، ﴿وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ ''اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا'' جیسے ابوبکر و دیگر ہیں۔

ہم ان پر الزام کے طور پر یہ نہیں کہتے، بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ اس کی اپنی کتابوں میں تصریح نہ کرتے ہوں؟ اگر انہیں اندیشہ نہ ہوتا کہ ان کا معاملہ منکشف ہو جائے گا! جبکہ اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ یہ حقیقت خمینی کے قلم سے آشکارا ہو، تا کہ اس سے اور اس کی مذعومہ اسلامی حکومت سے دھوکا کھا جانے والوں پر اللہ کی حجت قائم ہو جائے، خمینی نے۔ آیت عصمت میں اپنے بیان کردہ جھوٹ کے بعد آیت: ﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ (المائدة: ٣) ''میں نے آج کے دن تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا'' بیان کی، اس نے (ص ۱۵۰) کہا:

یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی، اور یہ واضح ہے کہ محمد (اس نے آپ ﷺ کے نام کے ساتھ واضح طور پر درود لکھا ہے نہ اشارۃً! اور وہ بار بار اس طرح لکھتا ہے) اس وقت تک وہ تمام احکام، جو ان کے پاس تھے، پہنچا چکے تھے، تب اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ تبلیغ (پہنچانا) امامت کے ساتھ خاص ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (المائدة: ٦٧) ''اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔'' وہ اس سے یہ مراد لیتا ہے کہ آپ کی طرف جو نازل کیا گیا ہے وہ آپ پہنچا دیں، کیونکہ دیگر احکام کے بارے میں خوفزدہ اور حفاظت کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔

اور اس طرح ...... ان سب دلائل اور احادیث کے مجموعے سے ...... واضح ہوتا ہے کہ نبی (ﷺ) امامت کی طرف دعوت دینے کے معاملے میں لوگوں سے خوف زدہ تھے، اور جو تواریخ واخبار کا مطالعہ کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ نبی (ﷺ) اپنے ڈرنے میں حق بجانب تھے، مگر یہ کہ اللہ نے انہیں حکم دیا کہ وہ پہنچائیں (تبلیغ کریں) اور ان سے اپنی حمایت کا وعدہ کیا، تو انہوں نے اس فریضے کو ادا کرنے میں اپنی آخری سانس تک کوشش کی، مگر یہ کہ مخالف جماعت نے معاملے کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچنے دیا۔''

﴿ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ﴾ (التوبة: ٣٠) ''یہ ان کے مونہوں کی بات ہے۔'' ﴿قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ أَكْبَرُ﴾ (آل عمران: ١١٨) ''ان کے مونہوں سے بغض ظاہر ہو گیا، اور جو ان کے سینوں (دلوں) میں مخفی ہے وہ بہت بڑا (منصوبہ) ہے۔''

ان کا اس دعوی میں جھوٹ کہ علی رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے بعد سب لوگوں سے افضل ہیں:

ہمارے شیخ نے مصدر سابق (١٠/ ٦٤٤) میں حدیث رقم (۴۹۴۴) [1] کے تحت فرمایا:

تنبیہ: ...... اس شیعی نے طبرانی کی اس حدیث کو نقل کیا، اور اس کے بعد (ص ۲۲۵) یوں کہا:

''یہ ان کے وصی ہونے کی دلیل ہے، اور اس بات میں صریح ہے کہ وہ نبی کے بعد سب لوگوں سے افضل ہیں، اور اس میں ان کی خلافت اور وجوب اطاعت کا پتہ چلتا ہے جو کہ عقل مندوں پر مخفی نہیں۔''

میں کہتا ہوں: عقل مند کہتے ہیں: تخت قائم کرو پھر نقش نگاری کرو، وہ حدیث انتہائی ضعیف ہے، بلکہ موضوع ہے، علی رضی اللہ عنہ سے کئی طرق سے ثابت ہے:

''رسول ﷺ کے بعد سب سے افضل ابوبکر و عمر ہیں، جیسا کہ بخاری اور دیگر کتب حدیث میں ہے، لیکن یہ شیعی اور اس کے ہمنوا اس کا انکار کرتے ہیں۔

۱۱: ...... اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدة: ٧٣) کے متعلق ان کی تحریف وتدلیس، اور ان

---

[1] روایت یہ ہے: ...... علی! کیا میں تمہیں راضی نہ کر دوں؟'' انہوں نے عرض کیا: کیوں نہیں اللہ کے رسول! فرمایا: ''تم میرے بھائی اور میرے وزیر ہو ----'' یہ روایت ضعیف ہے۔

تینوں: عبدالحسین، خمینی اور ابن المطہر الحلی کا ایک اور جھوٹ:

ہمارے شیخ نے "الضعیفۃ" (۱۰/ ۵۹٤ ـ ۵۹۷) حدیث رقم (۴۹۲۳) [1] کے تحت فرمایا:

ابن جریر طبری نے "اپنی تفسیر" (۶/ ۵۴) میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں عمر کی روایت سے متعدد احادیث ذکر کیں، پھر ابن جریر نے فرمایا:

"اس آیت کے نزول کے وقت کے بارے میں بہترین قول وہ ہے جو عمر بن خطاب سے مروی ہے: کہ وہ جمعہ کے دن عرفہ کے روز نازل ہوئی، اس کی سند صحیح ہے اور جو ان کے علاوہ اسانید ہیں وہ کمزور ہیں۔"

حافظ ابن کثیر (۳/ ۶۸) نے ابن مردویہ کی روایت سے پہلی حدیث بیان کرنے کے بعد بیان کیا، اور ان کی روایت سے دوسری حدیث کی طرف بھی اشارہ کیا:

"صحیح نہیں ہے، نہ یہ اور نہ وہ، بلکہ درست وہ ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں: کہ وہ عرفہ کے دن نازل ہوئی، اور جمعہ کا دن تھا، جیسا کہ امیر المومنین عمر بن خطاب، علی بن ابو طالب، اسلام کے پہلے بادشاہ معاویہ بن ابوسفیان، ترجمان القرآن عبداللہ بن مسعود اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم نے اسے روایت کیا۔"

تنبیہ: ...... سیوطی اور ان کے علاوہ کسی اور نے ان دونوں حدیثوں کے علاوہ کوئی اور حدیث ذکر نہیں کی، ان الفاظ سے نہ اس معنی میں، پس شیعی کا (ص ۳۸) قول: "اہل السنہ نے چھ احادیث اپنی اسانید کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع روایت کیں جو کہ اس معنی میں صریح ہیں۔" اس کے بہت سے اکاذیب یا اس کی تدلیسات میں سے ہے، لہٰذا اس سے دھوکا نہ کھائیں ...... خمینی نے (ص ۱۵۶) اس کی متابعت کی ہے! اس کی مثالوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے (ص ۳۸) کہا:

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے اس دن ان کی ولایت کا علانیہ انکار کرنے والے شخص کے ساتھ کیا سلوک کیا، اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے علانیہ طور پر اسے کیا، اس نے کہا: اے اللہ! اگر وہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا، یا ہم پر دردناک عذاب نازل فرما، تو اللہ نے اس (انکار کرنے والے) پر کھنکتی ہوئی مٹی کا پتھر برسایا جیسا کہ اس نے اس سے پہلے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا تھا، اور اس حال میں یہ آیت نازل فرمائی:

---

[1] روایت یہ ہے: "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو غدیر خم پر مامور فرمایا تو آپ نے ان کی ولایت کا اعلان فرمایا: تب جبریل علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (المائدۃ: ۳) یہ روایت موضوع ہے۔

﴿سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ﴾ (المعارج: ۱۔۲) ''سائل نے کافروں کے لیے واقع ہونے والے عذاب کے بارے میں سوال کیا، جسے کوئی روکنے والا نہیں ہوگا۔''

اور اس نے اس کی تخریج میں حاشیے میں کہا:

''امام ثعلبی نے اسے اپنی ''تفسیر کبیر'' میں نقل کیا۔ یہ کھلی فضیلت ہے، حاکم نے ''المستدرک'' میں المعارج کی تفسیر کرتے ہوئے نقل کیا۔ اس کے دوسرے جزء ص ۵۰۲ کو ملاحظہ کریں۔''

اسی کی مثل خمینی نے (ص ۱۵۷) ذکر کیا!

میں نے کہا: میں نے مستدرک کا مذکورہ صفحہ دیکھا! اس میں جو مذکور ہے وہ درج ذیل ہے:

''سعید بن جبیر سے روایت ہے: ﴿سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ﴾ [المعارج: ۱۔۲] ذی المعارج: یعنی درجات والا، سائل نے سوال کیا، وہ نضر بن حارث بن کلدہ ہے، اس نے کہا: اے اللہ! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے، تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔''

''مستدرک'' میں بس یہی مذکورہ بالا عبارت ہے، آپ نے دیکھا کہ انہوں نے اس میں علی کا ذکر کیا نہ اہل بیت کا اور نہ ہی مطلق طور پر ان کی ولایت کا! پس اگر یہ تخریج میں کھلا جھوٹ نہیں، تو وہ کم از کم ناپاک تدلیس ہے۔

پھر یہ کس طرح صحیح ہوسکتا ہے، جبکہ سورۃ المعارج مکہ میں نازل ہوئی، جیسا کہ ''الدر'' (۲۶۳/۶) میں ہے؟! جبکہ اس وقت اہل بیت کا کوئی وجود نہیں تھا! کیونکہ علی نے فاطمہ سے ہجرت کے بعد مدینے میں شادی کی جیسا کہ وہ معروف ہے!!

اگر آپ اس قصے کے بطلان کے متعلق؛ جسے اس نے ثعلبی کی طرف منسوب کیا ہے، مزید تفصیل چاہتے ہیں تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا ابن المطہر الحلی الشیعی (۱۰/۴۔۱۵) پر ردّ ملاحظہ فرمائیں، اور اس کی روایت ...... اس نے اسے بھی ثعلبی کی طرف منسوب کیا ہے ...... کا عبدالحسین کی روایت سے تقابل کریں! آپ دیکھیں گے کہ اس نے اسے مختصر بیان کیا ہے، اس نے یہ اختصار اس چیز کو چھپانے کے لیے کیا ہے جو اس کے بطلان پر دلالت کرتا ہے!

یہ ہے صورت حال جبکہ خمینی نے اس باطل روایت کو بنیاد بناتے ہوئے (ص ۱۵۴۔۱۵۵) اس طرف اشارہ کیا ہے:

''یہ آیت: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ (المائدۃ: ۳) حجۃ الوداع کے بعد امیر المومنین کو امام مقرر کرنے کے بعد نازل ہوئی، اور اس پر شیعہ اور اہل السنہ کی گواہی ہے۔''

شیعہ اسی طرح ...... اپنے بڑوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ...... کسی قسم کے خوف وخطر اور شرم وحیا کے بغیر

رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں پر جھوٹ وافتراء باندھتے چلے آ رہے ہیں۔

خمینی کے تلاعب (کھیل) اور قارئین سے اس کی چال بازی میں سے ہے: کہ یہاں وہ اقرار کرتا ہے کہ وہ آیت حجۃ الوداع کے بعد نازل ہوئی جبکہ (ص۱۵۰) پر کہتا ہے:

''(وہ آیت) حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی'' حدیث سابق کے آخر میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔

یہ قول صحیح احادیث کے مطابق صحیح ہے جیسا کہ بیان ہوا، مجھے یقین نہیں آتا کہ خمینی نے یہ اہل السنہ کے موقف کی موافقت میں کہا، اس نے یہ تدلیس یا تقیہ کے طور پر کہا ہے!

۱۲:...... "المراجعات" کے مصنف کا معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کے بارے میں ایک موضوع روایت سے دلیل لینا:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعيفة" (۶۱۱/۱۰) میں حدیث رقم (۴۹۳۰) کے تحت فرمایا:

یہ حدیث ❶ اس میں سے ہے جس پر الشیعی نے "المراجعات" میں حاشیہ (ص۸۹) میں معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے کے حوالے سے اعتماد کیا ہے، اس نے اہل السنہ میں سے جس نے اس کے اس عمل کو ناپسند کیا اس پر طعن کے حوالے سے اشارہ کیا ہے، وہ اس سے لاعلمی کا اظہار کرتا ہے جو ان تمام صحابہ پر طعن کے حوالے سے اس پر اعتماد کرنے کو لازم کرتا ہے جنہوں نے معاویہ کو آپ ﷺ کے منبر پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے دیکھا، پس ہم ایسی گمراہی اور رسوائی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں!!

۱۳:...... "المراجعات" کے مصنف کا مقصود وسیلے کو جائز قرار دینا ہے خواہ رسول ﷺ پر جھوٹ افتراء کرنے سے ہو:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعيفة" (۱۰ / ٦٢٤) میں حدیث رقم (۴۹۳۳) ❷ کے تحت بیان کیا۔

تنبیه: ......شیعی نے اس حدیث کو ''مراجعات'' (ص۱۴۱) میں تین احادیث میں ذکر کیا ہے؟ اس نے ان سے اس پر استدلال کیا ہے کہ آپ ﷺ نے جس وقت علی کو غزوہ تبوک کے موقع پر مدینے میں جانشین مقرر کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا:

((اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی..........))

''تمہارا میرے نزدیک وہی مقام ومرتبہ ہے جو ہارون کا موسیٰ کے نزدیک ہے......'' (ان کا موقف ہے کہ) یہ خاص اس موقع کے لیے نہیں، اس نے اس پر ان احادیث سے استدلال کیا ہے جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے!

---

❶ ''جب تم معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو تو اسے قتل کر دو۔'' یہ روایت موضوع ہے۔

❷ ''ام سلمہ! بے شک علی کا گوشت میرے گوشت سے ہے اور اس کا خون میرے خون سے ہے......'' یہ روایت موضوع ہے۔

یہ ان میں سے ایک ہے!

یہ تمام اس سلسلے کی کڑی ہے جو ہر منصف کے یقین کو مضبوط کرتی ہے کہ شیعی ...... اپنے استدلالات میں ...... اس قاعدے پر ہی عمل کرتا ہے: ''غایت ومقصد وسیلے کو جائز قرار دیتا ہے۔'' اس لیے وہ اس کو اہمیت نہیں دیتا کہ وہ اس چیز سے استدلال کرے جس کی اسناد نبی ﷺ تک صحیح پہنچتی ہوں، وہ اپنی غرض کو ثابت کرنا چاہتا ہے، خواہ وہ (روایت) کتنی بھی ضعیف ہو۔

اس کی تدلیسات ❶ میں سے ہے: کہ جب حدیث کتب السنہ میں سے کسی کتاب میں مؤلفین میں سے کسی مخرج کی طرف منسوب ہو، وہ حدیث کو اس کتاب کی طرف منسوب کرنا کافی سمجھتا ہے جس نے حدیث نقل کی ہو، وہ جزء اور صفحہ کے بیان کا مکمل اہتمام کرتا ہے...... اور یہ عمل گمراہ کن ہے...... اور مؤلفین میں سے جس نے اسے نقل کیا ہے وہ اسے ذکر نہیں کرتا! کیونکہ اگر وہ یہ کہے تو وہ ان لوگوں کی طرح ہوگا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ﴾ (الحشر: ۲)

''وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اجاڑنے لگے۔''

اس حدیث کو شیعی نے "الکنز" اور "منتخب" کی طرف منسوب کیا ہے، اور کچھ اضافہ نہیں کیا، اور وہ ان دونوں میں عقیلی کی طرف منسوب ہے! اس شیعی نے اس انتساب سے اعراض کیا، کیونکہ وہ حدیث کے ضعف پر دلالت کرتا ہے، یہ اس لیے کہ اس کی کتاب "الضعفاء" کا یہی مقصود ہے۔''

۱۴:...... شیعہ کا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر کذب و افتراء اور طعن:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱۰ / ۶۲۹۔۶۳۰) ❷ میں حدیث رقم: (۴۹۳۵) کے تحت فرمایا:

وہ حدیث ❸ الشیعی کی "مراجعات" (ص: ۱۴۷، ۱۴۸) میں ان احادیث میں سے ہے جسے اس نے حسب عادت صحیح سالم روایت کے طور پر بیان کیا ہے، اور یہ اس کی گمراہی سے موافقت کے لیے ہے! لیکن وہ اس کی اس چیز پر اس کی دلالت سے غافل رہا جو اس کے قول میں موافقت سے متعلق ہے۔

''مجھ سے پہلے انبیاء نے اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کا وارث نہیں بنایا۔'' ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی

---

❶ فقرہ ۵ دیکھیں! اور وہ! ''بعض مصادر کی طرف حدیث کا عدم انتساب ہے تا کہ اس کا کذب ظاہر نہ ہو۔

❷ دیکھیں: رقم (۵) اور اس کے تحت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دفاع ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (التوبة: ۴۰) کے متعلق رافضہ کی تاویل۔

❸ روایت یہ ہے: ''اس ذات کی قسم! جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ میں نے تمہیں اپنی خاطر پیچھے چھوڑا ہے، تمہارا میرے نزدیک وہی مقام ہے جو ہارون کا موسیٰ کے ہاں ہے......'' یہ ضعیف ہے۔

روایت کے مطابق:

''ہماری میراث نہیں ہوتی، ہم جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔''

اور یہ اسی ضمن میں سے ہے جس وجہ سے شیعہ لوگ صدیق رضی اللہ عنہ پر الزام لگاتے ہیں، اور انہوں نے ان کے متعلق اپنی خواہشات اور اپنی گمراہیوں کے مطابق طعن کیا! کیونکہ انہوں نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو وارث نہ بنایا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک اور جماعت نے اسے روایت کیا! جیسے: عمر، عثمان، سعد، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف اور عائشہ وغیرہم، "الصحیحة" (٥/ ٢٠٣٨) دیکھیں، وہ امر جو شیعہ کے کذب اور ان کی جہالت پر دلالت کرتا ہے، ان میں پیش پیش ابن المطہر الحلی ہے، اس نے اپنی کتاب "منهاج" (ص ٣٥) میں بیان کیا:

''ابوبکر کا اس حدیث میں تفرد ہے!''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "منهاج السنة" (٢/ ١٥٧ ـ ١٦٥) میں اس پر بہترین رد کیا ہے اور بڑی تفصیل سے آٹھ بڑے بڑے صفحات پر مشتمل جواب لکھا ہے...... جزاه الله خيرا...... جو شخص شیعہ کے اکاذیب و ضلالات پر مزید حقیقی معرفت چاہتا ہے وہ اس کا مطالعہ کرے۔

اس میں سے میں نے کلینی کو اس کی کتاب ''الکافی'' میں دیکھا...... اسے شیعہ وہ مقام عطا کرتے ہیں جو ہمارے ہاں صحیح بخاری کا ہے...... اس نے اس (الکافی) میں اپنی اسناد (۱/۳۲) سے ابوعبداللہ (جعفر بن محمد الصادق رحمہ اللہ) سے روایت کیا، انہوں نے کہا:

''بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں، وہ میراث میں کوئی درہم چھوڑتے ہیں نہ کوئی دینار، انہوں نے میراث میں اپنی احادیث چھوڑی ہیں، پس جس نے ان میں سے کچھ حاصل کر لیا، تو اس نے وافر حصہ حاصل کر لیا۔''

یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی روایت کی تائید کرتی ہے، اور ان (ابوبکر رضی اللہ عنہ) پر ان کی ناانصافی کو واضح کرتی ہے جو کہ پہلے بیان ہوئی۔

❀ ......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے سب سے بہتر ہونے کے متعلق بحث و مباحثہ:

ہمارے شیخ نے "الضعيفة" (١٠/ ٦٦٠) میں حدیث رقم (۴۹۵۱) [1] کے تحت بیان کیا۔

اور ابن عمر کی اس روایت [2] میں جس پر شیعہ یقین نہیں رکھتے، اور وہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں

[1] ''علی بن ابو طالب کو تین خصلتیں عطا کی گئیں، میرے لیے ان میں سے ایک خصلت ہی ہوتی......'' (یہ روایت انتہائی ضعیف ہے)

[2] ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا، ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کہا کرتے تھے، رسول اللہ تمام لوگوں سے بہتر ہیں، پھر ابوبکر پھر عمر، اور ابن ابو طالب کو تین خصلتیں عطا کی گئیں، میرے لیے ان میں سے ایک خصلت ہی ہوتی تو وہ مجھے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے......'' یہ روایت صحیح ہے۔

سے افضل ابو بکر اور عمر ہیں۔ وہ اس بارے میں باطل طریقے سے بہت بڑا مباحثہ ومجادلہ کرتے ہیں اور اس راہ میں ہر سہل ومشکل چیز کا ارتکاب کرتے ہیں، اور وہ صحیح احادیث سے اعراض کرتے ہیں...... جیسے ابن عمر کی یہ حدیث ہے...... اور وہ ضعیف وموضوع روایات سے استدلال کرتے ہیں...... جیسے عمر کی یہ حدیث ہے، اور اس سے جو پہلے احادیث ہیں، اور جو آئیں گی......

پس یہ شیعی اور اس جیسے وہ لوگ جو اس نص کے اس حصے کو لیتے ہیں جو ان کی خواہشات کے مطابق ہوتا ہے، اور اس میں سے وہ چھوڑ دیتے ہیں جو ان کے مخالف ہوتا ہے، پس ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے خطاب فرماتے ہوئے فرمایا:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ (البقرة: ٨٥)

''کیا تم کتاب کے بعض حصے پر ایمان لاتے ہو اور بعض حصے کا انکار کرتے ہو، پس تم میں سے جو اس طرح کرے گا اس کی بس یہی سزا ہے کہ اس کے لیے دنیا کی زندگی میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن وہ سخت عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اور تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ اس سے غافل نہیں۔''

۱۵:......غدیر (خُم) کے متعلق بحث اور "المراجعات" کے مؤلف کا ایسی روایات اور الفاظ سے استدلال کرنا جو اس کے متعلق صحیح نہیں:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱۰/ ۶۸۰۔ ۶۸۲) حدیث رقم (۴۹۶۱) ❶ کے تحت فرمایا:

رہا شیعی تو اس نے وہ حدیث اس طرح (ص ۱۸۷) پیش کی:

''طبرانی اور اس کے علاوہ دیگر نے زید بن ارقم سے اسی سند سے روایت کیا جس کی صحت پر اتفاق ہے، بیان کیا:......'' اس نے اسے مکمل ذکر کیا، البتہ اس نے اس کی ابتدائی عبارت کا اختصار کیا۔

میں نے کہا: شیعی کے اس کلام میں کم از کم دو غلطیاں ہیں۔ میں نہیں کہتا: دو غلطیاں ہیں:

(۱)...... اس کا یہ کہنا: ''ایسی سند کے ساتھ جس کی صحت پر اتفاق ہے!'' تو یہ ظاہر جھوٹ ہے! کیونکہ اس طرح کے دعوے کا اثبات ممکن نہیں ہوتا حتی کہ کسی ثقہ عالم سے جو کہ علم حدیث میں تخصص رکھتا ہو، تو پھر کس طرح جبکہ اس کا دعویٰ کرنے والا تو کسی شمار میں نہیں؟ بلکہ ہم نے اس کے بہت زیادہ جھوٹ پکڑے ہیں، جس کا بیان کئی بار گزر چکا ہے۔

---

❶ روایت یہ ہے: ''لوگو! باریک بین باخبر ذات نے مجھے خبر دی ہے کہ کسی نبی کی عمر دراز نہیں کی گئی. ......'' یہ روایت ضعیف ہے۔

یہ اس کے خلاف دلیل ہے کہ جب اس نے اس جھوٹے دعوی کو حاشیے میں ثابت کرنا چاہا، اس نے اس کی طرف ایک اور جھوٹا دعوی منسوب کر دیا، تو اس نے کہا:

''کئی ایک نمایاں شخصیات نے اس کی صحت کی تصریح کی ہے: حتی کہ ابن حجر............ نے الصواعق (ص ۲۵) میں اس کا اعتراف کیا ہے!''

میں نے کہا: وہ ابن حجر مذکور کے علاوہ کسی ایک سے اس کی صحت نقل نہ کر سکا، اور وہ (ابن حجر مذکور) حافظ عسقلانی نہیں، وہ تو ہیتمی فقیہ ہے، افسوس کی بات ہے کہ اس نے کتاب مذکور میں اس کی صراحت کی ہے کہ طبرانی کی سند صحیح ہے!

اس جیسے شخص سے یہ بات قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ وہ تصحیح وتضعیف کی معرفت رکھنے والوں میں سے نہیں، خاص طور پر جبکہ اس میں نماطی ہے جس کے متعلق امام العسقلانی نے جزم کے ساتھ بیان کیا ہے کہ وہ ضعیف ہے (جیسا کہ بیان ہوا) تو پھر اس کی اسناد کی صحت کہاں ہے، بلکہ اس پر اجماع ہے؟!

(۲)......اس کا حدیث کو زید بن ارقم کی روایت قرار دینا، حالانکہ وہ حذیفہ (بن اسید) کی روایت سے ہے جیسا کہ میں نے دیکھا! اور ظاہر ہے کہ اس نے حدیث کے راوی صحابی کو مغالطہ دینے کی خاطر عمداً تبدیل کیا ہے، کیونکہ وہ اس کے مثل یا اس طرح بہت زیادہ کرتا ہے! اللہ اس کے استحقاق کے مطابق اس سے معاملہ کرے۔

وہ کلام صرف اس اسناد کے ساتھ مخصوص ہے جو اس سیاق سے آیا ہے، کوئی ہم پر اعتراض نہ کرے کہ وہ حدیث (غدیر) بہت سے طرق سے آئی ہے؟ پس وہ قطعاً صحیح ہے! ہم کہتے ہیں:

ہاں وہ فی الجملہ صحیح ہے، مگر یہ کہ اس کے طرق اس کے متون سے بہت زیادہ اختلاف کرتے ہیں، پس متن جس پر متفق ہو تو وہ صحیح ہے، جیسا کہ درج ذیل میں ہے:

((مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ، اَللّٰهُمَّ! وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ.))

''جس کا میں مولا (دوست) ہوں تو علی اس کے مولا ہیں، اللہ! جو ان سے دوستی رکھے تو اس سے دوستی رکھ، اور جو ان سے دشمنی رکھے تو اس سے دشمنی رکھ۔''

اس کے طرق صحیح ہیں، میں نے "الصحيحة" (۱۷۵۰) میں ان میں سے ایک بڑا حصہ جمع کیا ہے۔

اور جس کے متن پر اختلاف ہو، تب اسناد کی طرف رجوع کیا جائے گا، پس اگر صحیح ہوا تو ٹھیک، اگر صحیح نہ ہوا تو پھر نہیں۔

تب اس نوع کی نوع اوّل کے ساتھ تصحیح جائز نہیں۔ (جس طرح شیعی کرتا ہے) جیسا کہ وہ ظاہر ہے اور وہ داناؤں پر مخفی نہیں، کیونکہ گمراہ لوگ زیادہ تر سنداً ضعیف روایت کا ناجائز استعمال کرتے ہیں، کیونکہ اس کا ایک خاص

سیاق ہے جو اسانید صحیحہ میں وارد نہیں، پھر وہ کہتے ہیں کہ حدیث صحیح ہے، اور وہ اس کی اصل مراد لیتے ہیں، اور وہ اس کے ذریعے سیاق خاص پر استدلال کرتے ہیں۔

پھر ہمارے شیخ نے غدیر (خم) کے متعلق متعدد روایات تخریج کے ساتھ نقل کی ہیں، پھر انہوں نے اس کے بعد "الضعیفة" (۶۸۴/۱۰۔۶۸۷) میں ذکر کیا:

تنبیہ. یہ تخریج تم پر واضح کرے گی کہ حدیث غدیر کے راویوں نے اس کے سیاق میں اختلاف کیا ہے، ان میں سے مطول ہے اور ان میں سے مختصر ہے۔

شیعی کی ائمہ السنۃ کے خلاف ظلم و زیادتی اور سرکشی و حسد و کینے میں سے اس کا یہ کہنا ہے (اس میں بعض روایات بیان کرنے کے بعد) اور ان میں سے نسائی کی زید سے روایت ہے، اس نے (ص۱۹۰) بیان کیا:

''اس حدیث کو مسلم نے اسے زید بن ارقم سے متعدد طرق [1] سے روایت کیا ہے، لیکن انہوں نے اسے اپنی لغزش سے مختصر بیان کیا۔ اور وہ اسی طرح کرتے ہیں!!''

اس نے اس طرح کہا، اللہ کرے وہ ٹھیک بول نہ سکے! اس میں حیاء کی کتنی کمی ہے! اسے کس نے امام مسلم پر تہمت لگانے پر آمادہ کیا کہ انہوں نے اسے مختصر بیان کیا...... اگر چہ وہاں اختصار مقصود تھا...... تو جو اس کے اوپر راوی تھے وہ کون ہیں؟ اس کا ان پر یہ تہمت لگانا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے، امام احمد نے بھی ان کی روایت کی مثل مختصر روایت کیا ہے؟!

پھر وہ نسائی و دیگر کے متعلق کیا کہے گا جنہوں نے اس حدیث کو دوسرے طرق سے روایت کیا ہے! ان میں سے کوئی دوسرے سے زیادہ بیان کرتا ہے، اور کوئی دوسرے سے کم کرتا ہے، خاص طور پر ترمذی اپنی روایت میں، کیا ان سب نے حدیث کو مختصر بیان کیا اور انہوں نے اسے کاٹ دیا؟

بلکہ یہ ظالم شیعی حاکم کے معاملے میں کیا کہتا ہے...... جن پر تشیع کا واضح اتہام ہے...... کہ انہوں نے حدیث کو مختصر کیا جیسا کہ اس کا مذکورہ قول ہے۔

''......تو اس نے حدیث کو مطول بیان کیا؟!''

کیا وہ حاکم زیادہ حق دار نہیں کہ مسلم کی نسبت اختصار حدیث کے حوالے سے انہیں متہم کیا جائے، اگر اختصار کوئی تہمت ہے؟! لیکن رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا:

((اِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ.))

---

[1] میں نے کہا، اس کا یہ کہنا: ''متعدد طرق سے'' اس کے بہت زیادہ اکاذیب میں سے ایک ہے، کیونکہ اس نے اسے صرف ابن حبان کے طریق سے روایت کیا ہے جیسا کہ بیان ہوا، اور اسی طرح احمد سے۔ اس قبیل سے دوسرا جھوٹ بھی قریب ہی بیان ہوگا۔ (منہ)

''جب تو حیا نہ کرے تو پھر جو چاہے سو کر۔''

اللہ کی باریک اور مخفی حکمتوں سے ہے کہ اللہ نے اس معاملے کو کھول دیا جس کا شیعہ نے امام مسلم کو متہم قرار دیا تھا، وہ اس شیعی کی اپنی کرتوت ہے، پس وہ خود ہی روایات کو مختصر کرتا اور انہیں کاٹتا ہے، اور وہ یہ اپنی خواہش نفس کی وجہ سے کرتا ہے، اس نے امام پر یہ ناکام طعنہ زنی کے بعد کہا:

''سعد سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، جب آپ غدیر (خم) پہنچے! آپ لوگوں کے لیے ٹھہر گئے......''

میں نے کہا: اس نے حدیث ذکر کی، وہ متن کے لحاظ سے صحیح ہے جبکہ سند کے لحاظ سے ضعیف ہے، کیونکہ اس میں ایک راوی مجہول ہے، اس کے باوجود اس کے سیاق میں واقع ہوا ہے جو اس کے راوی کے ضعف پر دلالت کرتا ہے، وہ ہے اس کے شروع میں یوں بیان کرتا: ہم مکہ کے راستے پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے جبکہ اب اس (مکہ) کی طرف رخ کیے ہوئے تھے، جب آپ پہنچے.........الحدیث [1]

اس کے مخرج نسائی کے نزدیک اس کی نص اسی طرح ہے جسے شیعی نے اس کی طرف منسوب کیا ہے، اور اس کے باوجود، اس نے اس میں سے یہ بات حذف کر دی:

مکہ کے طریق میں جبکہ آپ اس (مکہ) کی طرف رخ کیے ہوئے تھے! اور اس نے اس کے متعلق بتایا بھی نہیں؟ کیونکہ اگر وہ بتا دیتا تو اسے اندیشہ تھا کہ بعض قارئین کو حدیث کی بنیاد کے صحیح ہونے کے بارے میں شک گزر سکتا ہے، لیکن وہ اس علم سے لاعلمی کی وجہ سے اس شک کو، جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، دور نہیں کر سکتا کہ اس طرح کہا جائے: حدیث کی اصل صحیح ہے!

رہا اس کا قول: آپ اس (مکہ) کی طرف رخ کیے ہوئے تھے......! وہ اس کے بعض روات کی غلطی ہے، کیونکہ زید و دیگر کی روایت میں دوسرے طرق اس پر متفق ہیں کہ یہ واقعہ آپ کے حجۃ الوداع سے واپسی کا ہے، اس شیعی نے بذات خود اس بارے میں بعض روایات ذکر کی ہیں (ص ۱۷۸، ۱۸۹)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس شیعی کے بارے میں مشہور مثل صادق آتی ہے: اس نے اپنی مصیبت مجھ پر ڈالی اور کھسک گئی۔

اور جان لیجیے کہ جس بعض کی طرف میں نے سابقہ بیان میں اشارہ کیا: کہ حدیث غدیر، شیعی نے اسے (۱۹۰) براء بن عازب کی روایت کے حوالے سے امام احمد کی روایت سے دو طرق سے نقل کیا ہے (اس نے اسی طرح کہا) پس اس نے اسے ذکر کیا اور اضافہ کیا۔ آپ ﷺ کے فرمان کے بعد: ''جو اس سے دشمنی رکھے تو اس سے دشمنی

[1] شیعی نے اسے "خصائص النسائی" کی طرف منسوب کیا ہے، ابن عساکر نے بھی اسے (۱۲/۱۵۵/۱-۲) روایت کیا ہے۔ (منہ)

رکھ۔ (وہ اضافہ یہ ہے) اس نے بیان کیا: اس کے بعد عمر انہیں ملے، تو انہوں نے ان سے فرمایا: ابن ابو طالب! آپ کو مبارک ہو! آپ تو ہمیشہ کے لیے ہر مومن اور ہر مومن عورت کے مولا بن گئے!

میں نے کہا: براء کی اس حدیث میں دوسری احادیث پر، جنہیں اس شیعی نے بیان کیا، کوئی اور اضافہ نہیں، تو اس نے ان کی روایت میں اسے اس اضافہ کی وجہ سے ذکر کیا ہے۔

۱۶...... "المراجعات" کے مؤلف کے قول کے حوالے سے شیعہ کا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بغض:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۶۸۸/۱۰۔۶۸۹) میں حدیث رقم (۴۹۶۱) کے تحت بیان کیا:

اس کے بغض میں سے شیعی کا (ص ۱۹۵) قول ہے:

''کئی لوگ ہیں کہ بغض نے انہیں واجب شہادت ادا کرنے سے پیچھے کر دیا ہے، جیسا کہ انس بن مالک!!''

میں نے کہا: وہ اس گواہی کی طرف اشارہ کرتا ہے جو علی رضی اللہ عنہ نے اپیل کی تھی کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غدیر (خم) کے دن جو فرماتے ہوئے سنا ہے وہ اس کی گواہی دے، تو بہت سے لوگ کھڑے ہوئے اور انہوں نے گواہی دی، شیعی نے کہا: ...... اللہ اس سے اس کے استحقاق کے مطابق معاملہ فرمائے ...... کہ انس رضی اللہ عنہ کو بغض نے اس گواہی دینے سے پیچھے کر دیا! (یعنی انہوں نے گواہی نہ دی)

اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا ہے، انس ...... جنہوں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے خیر و برکت کی دعا کی ...... گواہی چھپانے والے نہیں تھے۔

اس شیعی نے — اپنے اس جھوٹے دعوے کے مطابق — دو روایتوں سے اس پر استدلال کیا ہے:

(۱)...... اس نے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ نے انس سے کہا: تمہیں کیا ہوا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے ساتھ کھڑے نہ ہوئے، تم نے اس روز آپ سے جو سنا تھا اس کی گواہی دے دیتے؟! انہوں نے کہا: امیر المومنین! میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور بھول گیا ہوں، تو علی نے فرمایا: اگر تم جھوٹے ہو! تو اللہ تمہیں برص کے مرض میں مبتلا کر دے، عمامہ بھی اسے نہ چھپائے! تو وہ کھڑے نہ ہوئے حتی کہ ان کا چہرہ برص کی وجہ سے سفید ہو گیا، پس وہ بعد میں کہا کرتے تھے: مجھے صالح بندے کی بد دعا لگ گئی۔

میں نے کہا: شیعہ کی اس روایت سے جھوٹ اور گناہ ٹپکتا ہے، وہ ان کی بہت سی روایات میں سے ہے جس کی کوئی کوہان ہے نہ لگام (یعنی اس کا کوئی سر پیر نہیں)، اور اس شیعی نے خود اسے مراجع السنہ میں سے کسی مرجع کی طرف منسوب نہیں کیا۔

رہا اہل السنہ کی کتب میں سے، تو اس کی کوئی اصل نہیں۔

اور رہا شیعہ کی کتب میں سے، تو اس نے ان میں سے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا، وہ اس لیے کہ اسے معلوم

ہے کہ اس جیسی روایت کو اپنی کتابوں میں سے کسی کتاب کی طرف منسوب کرنا وہ ان کے لیے رسوائی ہے! بہر حال اس میں کوئی شاہد (ثبوت) نہیں، آنے والی اہل السنۃ کی روایت میں......'' اور اس نے دوسری روایت ذکر کی۔

۱۷......اس کا ضعیف روایت سے استدلال کرنا کہ عائشہ صفیہ سے افضل نہیں:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱۰/ ۷۰۰) میں حدیث رقم (۴۹۶۳) ❶ کے تحت بیان کیا:

شیعی نے اپنی کتاب "مراجعات" (ص ۲۳۹) میں ضعف الحدیث سے تجاہل برتا، اس نے اس کے ذریعے اس پر استدلال کیا کہ عائشہ، صفیہ رضی اللہ عنہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی ازواج مطہرات سے افضل نہیں۔

اس کے جہل یا اس کے تجاہل کے عجائبات میں سے ہے کہ اس نے اس روایت کو ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن اس نے ان سے اس کے متعلق ان الفاظ سے تضعیف نقل نہیں کی:

''حدیث غریب ہے......'' اسی طرح وہ ابن عبدالبر نے جو اس کے ضعف کا اشارہ کیا ہے اس سے لاعلم رہا یا جانتے بوجھتے جاہل بنا رہا۔ لیکن یہ اس کی طرف سے کوئی عجیب نہیں وہ تو علماء پر صریح جھوٹ بولتا ہے، جیسا کہ اس کا بیان کئی بار تکرار کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔

۱۸......"المراجعات" کے مؤلف کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ عائشہ رضی اللہ عنہا ❷ پر طعن:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱۰/۷۰۲-۷۰۳) میں حدیث رقم (۴۹۴۶) ❸ کے تحت بیان کیا:

اور اس سے بھی منکر ترین وہ روایت ہے جو اس نے عائشہ کے بارے میں ذکر کی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"ما أری شبها" ❹ ''میں کوئی مشابہت نہیں دیکھتی۔''

عبدالحسین الشیعی نے اپنی کتاب "مراجعات" میں ان سے بدترین بغض کا اظہار کیا ہے، اور اس نے سیدہ عائشہ پر ان کے اخلاق و دین کے حوالے سے بہتان لگانے میں اسی روایت پر اعتماد کیا ہے، اس نے (ص ۲۸۷-۲۴۸) پر کہا:

''اس کے لیے جس کی میں نے تائید کی تمہارے لیے ایک مثال ہی کافی ہے۔......نرمی اختیار کرتے ہوئے ......جھوٹے لوگوں کے بہتان میں سے جب انہوں نے ــــ بہتان اور دشمنی کے طور پر ــــ سیدہ ماریہ اور ان کے

---

❶ روایت یہ ہے: ''سن لو میں نے کہا: تم کس طرح مجھ سے بہتر ہو! جبکہ میرے شوہر محمد ہیں، میرے باپ ہارون اور میرے چچا موسیٰ ہیں۔'' روایت ضعیف ہے۔

❷ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کے جنگ جمل میں شریک ہونے کی وجہ سے شیعہ بغض رکھتے ہیں اور انہیں فاسق قرار دیتے ہیں۔ اگر انہیں کافر قرار نہ بھی دیں۔ ہمارے شیخ نے یہ بات "الصحیحة" (۱/ ۸۵۲) میں کہی ہے۔

❸ ''یہ تلوار لو اور جاؤ ماریہ کے چچا زاد کو جہاں پاؤ قتل کر دو'' یہ روایت انتہائی ضعیف ہے۔

❹ واقعہ ملاحظہ فرمائیں (۱۰/۷۰۷-۷۰۱)، حدیث رقم (۴۹۶۴)، روایت انتہائی ضعیف ہے۔

بچے ابراہیم کے بارے میں جو کہا، حتی کہ اللہ عزوجل نے ان دونوں کو — امیر المومنین کے ہاتھ پر — محسوس براءت کے طور پر ان کے ظلم سے بچایا! ﴿وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا﴾ (الاحزاب: ٢٥)

''اور اللہ نے کافروں کو ہٹا دیا اور وہ اپنے غصے میں بھرے ہوئے تھے وہ کچھ بھلائی حاصل نہ کر سکے۔''

اور اس نے اس پر اس طرح تبصرہ کیا:

''جو شخص اس مصیبت کی تفصیل چاہتا ہو! وہ سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے احوال مستدرک حاکم (۳۹/۴) میں یا اس کی ذہبی کی تلخیص میں ملاحظہ کرے! وہ اس سے اس منکر روایت کی طرف اشارہ کرتا ہے!

یہ اس کے مکر و خبث میں سے ہے کہ اس نے — اس کے ضعف شدید کے باوجود — صرف اس پر اعتماد کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس نے اس پر اضافہ کیا کہ اس نے اس کے الفاظ نقل نہیں کیے! اس نے یہ لوگوں پر تدلیس اور انہیں گمراہ کرنے کے لیے کیا، کیونکہ اگر وہ ایسے کرتا اور الفاظ نقل کرتا تو ہر عقل مند اور دین دار شخص پر یہ واضح ہو جاتا کہ عائشہ اب سے بری ہیں جس کی طرف اس نے اس منکر روایت میں انہیں منسوب کیا ہے۔ اللہ نے انہیں اس تہمت سے بھی بری قرار دیا تھا جو منافقوں نے ان پر لگائی تھی اور وہ براءت قرآن میں نازل ہوئی جس کی (قیامت تک) تلاوت ہوتی رہے گی۔ شیعہ اس پر ایمان لائیں یا انکار کریں، اللہ ان جھوٹوں اور ان کی تائید کرنے والوں سے ان کے استحقاق کے مطابق معاملہ فرمائے! انا للہ و انا الیہ راجعون.

اس نے اپنے کلام کے آخر میں جو آیت کریمہ ﴿وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ نقل کی ہے اس پر غور کرو، اس نے سیدہ عائشہ پر کفر کا الزام لگایا ہے، حالانکہ کبھی وہ (ص ۲۲۹) ان سے راضی ہوتا ہے اور (ص ۲۳۸) پر اعتراف کرتا ہے کہ انہیں فضیلت و مقام حاصل ہے۔

وہ یہ (فضیلت و مقام کا ذکر) اس کے ہاں تقیہ کی قبیل سے ہے جو ان کے ہاں معروف ہے۔ ورنہ وہ کس طرح انہیں ان لوگوں کے زمرے میں شامل کرتا جنہوں نے کفر کیا؟ اللہ اس سے اس کے استحقاق کے مطابق معاملہ فرمائے!

ہمارے شیخ نے "الضعيفة" (١٠ / ٧٠٤) میں حدیث رقم (۴۹۶۵) [1] کے تحت بیان کیا:

اس شیعی نے اس باطل روایت کو بھی ایسا ناجائز استعمال کیا ہے جو کہ اچھا نہیں۔ اس نے اس کے ذریعے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر طعن کیا ہے، اس نے انہیں جھوٹ کی طرف منسوب کیا ہے، جیسا کہ اس نے اس سے پہلی حدیث کے ذریعے ان پر طعن کیا ہے! [2]

---

[1] روایت یہ ہے: تم نے اس کے رخسار پر ایک تل دیکھا ہے جس سے تیرے سارے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ یہ روایت موضوع ہے۔

[2] اور وہ رقم: ۴۹۶۴ ہے۔ اس کے الفاظ قریب ہی گزرے ہیں۔

ہمارے شیخ نے "الضعیفة" (۱۰/ ۷۱۳ـ۷۱۵) میں حدیث رقم (۴۹۶۹) ❶ کے تحت بیان کیا:

میں نے کہا: یہ موضوع روایات عبدالحسین الشیعی نے (حسب عادت) سیدہ عائشہ کی روایت کی مخالفت میں ان سے مخالفت کی وجہ سے استدلال کرنے سے کنارہ کشی اختیار نہیں کی! اس نے یہ عنوان قائم کیا: "الصحاح المعارضة لدعوی ام المومنین" (ص ۲۴۷ـ۲۵۲)! اور اس نے ابن سعد کے علاوہ کسی اور کی طرف اسے منسوب نہیں کیا، اور اس کا سارا مدار ــــ جیسا کہ آپ نے دیکھا ــــ جھوٹے واقدی پر ہے، مزید برآں کہ وہ اس سے جو اس سے اوپر ہے سلامت نہیں ہے۔

شیعی نے اس پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس نے "نهج البلاغة" میں اور ابن ابوالحدید معتزلی نے جو اس کی شرح کی، اس میں جو بیان ہوا اس سے بھی استدلال کیا ہے۔

اس نے ام سلمہ کی روایت جو کہ حدیث رقم (۴۹۴۵) ❷ کے تحت بیان ہوئی اس سے استدلال کو اس کے ساتھ ملا دیا! اور اس کا ان کی روایت کو۔ جبکہ وہ ضعیف ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ عائشہ کی روایت پر مقدم کرنا جو کہ بہت سے صحیح طرق سے مروی ہے! پھر اس نے اسے اس پر طعن کی وجہ سے اور اس کے بعض ایسے امور سے چشم پوشی کرتے ہوئے جو کہ اس سے ثابت ہیں ان کی روایت پر ترجیح دی، ان میں سے کچھ ایسے امور ہیں جو انبیاء معصومین کے علاوہ دیگر کے لیے لازم ہیں جیسا کہ ان کا جنگ جمل میں شریک ہونا، جبکہ انہوں نے اس سے توبہ کی، اور کچھ امور ہیں جن کی وجہ سے ان پر کوئی عیب نہیں جیسا کہ نبی ﷺ کا ان کی سمت میں نماز پڑھنا جبکہ وہ اپنے پاؤں دراز کیے ہوئی تھیں! اور کچھ ایسے امور ہیں جن کا ان کی طرف نسبت کرنا صحیح نہیں، اس بارے میں وہ صرف کتب تاریخ پر اعتماد کرتا ہے جو ہر اچھے برے کو روایت کرتی ہیں، خاص طور پر ابن ابوالحدید معتزلی کی "شرح نهج البلاغة" اس کے علاوہ بھی امور ہیں جن پر بحث وتنقید کی وجہ سے کلام لمبا ہو جائے گا، اس پر مفصل کلام کی طرف ہمت رخ نہیں کرتی۔

لیکن ان میں سے ایک امر پر کلام لازمی ہے! جس شخص کے پاس حدیث کے طرق اور اس کے الفاظ کا علم نہ ہو اس پر وہ امر پیچیدہ ہو جاتا ہے، اور وہ شخص جو اس شیعی کے مکر وفریب، اس کے خبث وگمراہی، اس کے اہل السنہ پر عام طور پر اور ام المومنین صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا پر خاص طور پر طعن کرنے سے واقف نہیں ہوتا، (وہ شخص الجھاؤ کا شکار ہو جاتا ہے)، وہ عبداللہ بن عمر سے مروی صحیح بخاری کی روایت ہے، انہوں نے کہا: نبی ﷺ خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے کھڑے ہوئے، تو آپ نے عائشہ کے مسکن (حجرے) کی طرف اشارہ کیا، تو فرمایا:

---

❶ "آپ (ﷺ) نے وفات پائی تو آپ علی کے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔" یہ روایت موضوع ہے۔

❷ "میرے بھائی یعنی علی کو میرے پاس بلاؤ، آپ ﷺ نے اپنے مرض وفات میں یہ فرمایا۔" یہ موضوع ہے۔

"(تین بار فرمایا) یہاں فتنہ ہے جہاں سے شیطان کا سینگ نکلتا ہے۔" صحیح مسلم میں ہے:

رسول اللہ ﷺ عائشہ کے گھر سے باہر تشریف لائے، تو آپ نے فرمایا:

"کفر کا سرغنہ یہاں سے ہے، جہاں سے شیطان کا سینگ نکلتا ہے۔"

شیعی نے اپنے قارئین کو اس وہم میں مبتلا کیا کہ حدیث میں جس فتنے کا ذکر ہے وہ (نعوذ باللہ) عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، جبکہ اللہ نے انہیں اس سے بری قرار دیا جیسا کہ اس نے اس سے پہلے انہیں منافقوں سے بری قرار دیا تھا!

جو بھی اس حدیث کے بعض طرق پر گہری نظر ڈالے گا وہ یقیناً جان لے گا کہ وہ جہت جس کی طرف نبی ﷺ نے اپنے فرمان "یہاں" اشارہ فرمایا کہ وہ مشرق کی سمت ہے، اور وہ تقیید کے ساتھ عراق ہے، واقعات اس کی گواہی دیتے ہیں کہ وہ قدیم و جدید فتنوں کا منبع ہے۔

میں نے اس حدیث کے الفاظ و طرق جمع کیے اور میں نے "الصحیحة" میں رقم (۲۴۹۳) کے تحت اس کی تخریج کی، میں نے اس شیعی کے دجل و فریب اور بہتان سے پردہ اٹھانے کے لیے اس کا خلاصہ پیش کر دیا ہے جو کہ اس مقصد کے لیے کافی ہے، اسے دہرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

۱۹......عبدالحسین شیعی اور اس کی اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ (الشوریٰ: ۲۳) کی تفسیر:

"میں تم سے بجز رشتہ داری کی محبت کے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا۔" کی تفسیر

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱۰ / ۷۲۶) میں حدیث رقم (۴۹۷۴) ❶ کے تحت بیان کیا:

عبدالحسین نے اپنی کتاب "المراجعات" (ص ۳۳) میں اس آیت مذکورہ کی اس چیز سے تفسیر کی جس پر اس باطل روایت نے دلالت کی، وہ اس طرف توجہ نہیں کرتا کہ وہ آیت مکی ہے، یہ کہ ابن عباس نے اس کے برخلاف تفسیر کی ہے!

۵:......صوفیاء

۱:......صوفیاء اور اولیاء کے لیے کشف کا دعویٰ:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (۱۰۴-۱۰۲/۳) حدیث رقم (۱۱۱۰) میں بیان کیا: ......اس اثنا میں کہ عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، تو انہوں نے کہا: "یا ساریة الجبل، یا ساریة الجبل......"

---

❶ جب یہ آیت: ﴿قُلْ لَا أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ [الشوریٰ: ۲۳] نازل ہوئی، انہوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ کے وہ قرابت دار کون ہیں جن کی مودت ہم پر واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا: "علی، فاطمہ اور ان دونوں کے دونوں بیٹے۔ یہ روایت باطل ہے۔

پس جو بیان ہو چکا[1] اس سے واضح ہوا کہ ان طرق سے کوئی چیز صحیح ثابت نہیں ہوتی، صرف ابن عجلان کے طریق سے صحیح ہے، اوراس میں بھی صرف عمر کا اعلان ہے: "یا ساریة الجبل" اور لشکر کا ان کے اعلان کو سننا، اوراس سبب سے ان کا غالب آنا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ اعلان عمر کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام تھا، اور ان کے حوالے سے یہ کوئی عجیب بھی نہیں، کیونکہ وہ "محدث" (جس کا گمان صحیح ہو، جسے الہام ہوتا ہو) ہیں جیسا کہ نبی ﷺ سے ثابت ہے، لیکن اس میں یہ نہیں کہ عمر کے لیے لشکر کا حال منکشف ہوا تھا، اور یہ کہ انہوں نے ان (لشکر والوں) کو آنکھ کے دیکھنے کی طرح دیکھا تھا، پس بعض صوفیہ کا اس سے ان کے اپنے زعم کے مطابق اولیاء کے لیے کشف پر، اور جو کچھ دلوں میں ہے اس پر مطلع ہونے کے امکان پر استدلال کرنا سب سے بڑا باطل (نظریہ) ہے، کیوں نہ ہو جبکہ یہ رب العالمین کی صفات میں سے ہے، وہ اکیلا ہی غیب جانتا ہے اور سینوں کے بھیدوں سے وہی واقف ہے، کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ یہ لوگ اسی زعم باطل کا کس طرح تصور کرتے ہیں جبکہ اللہ عزوجل اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ﴾

(الجن: ۲۶۔۲۷)

''وہ عالم الغیب ہے اور اپنے غیبی علوم پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، ہاں اپنے رسول کو جس کو وہ منتخب کر لے۔''

تو کیا وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اولیاء رسول ہیں کہ یوں کہنا صحیح ہو: کہ وہ اللہ کی طرف سے اطلاع پانے پر غیب جانتے ہیں! (اے اللہ!) تو پاک ہے یہ بہتان عظیم ہے! اگر عمر رضی اللہ عنہ کے واقعے کا نام کشف رکھنا درست ہو، تو وہ خارق عادت امور میں سے ہے، جو کبھی کافر سے بھی واقع ہو سکتے ہیں، جس شخص سے اس کی مثل کوئی واقعہ صادر ہو تو محض اس واقعے کا صدور اس شخص کے ایمان پر دلالت نہیں کرتا چہ جائیکہ وہ اس کی ولایت پر دلالت کرتا ہو، اسی لیے علماء بیان کرتے ہیں کہ اگر خارق عادت واقعہ کسی مسلمان سے صادر ہو تو وہ کرامت ہے، بصورت دیگر وہ استدراج (ڈھیل) ہے، اور یہ اس پر ان خوارق عادت امور کی مثال بیان کرتے ہیں جو آخری دور میں بڑے دجال کے ہاتھ پر واقع ہوں گے جیسا کہ وہ آسمان سے کہے گا بارش برسا! تو وہ بارش برسائے گا، زمین سے کہے گا: اپنی نباتات اگا، تو وہ نباتات اگائے گی، اور اس کے علاوہ وہ امور جو احادیث صحیحہ میں بیان ہوئے ہیں۔

اس کے متعلق نئی مثالوں میں سے وہ مثال ہے جسے میں نے آج ''المختار'' رسالے سے چھٹے سال کے اگست کے شمارے میں بعنوان "هذا العالم المملوء بالألغاز وراء الحواس الخمس" (یہ جہاں ایسے

---

[1] "الصحيحة" (رقم: ۱۱۱۰) میں حدیث کی تخریج دیکھیں:

مملوء سے بھرپور ہے جو حواس خمسہ کی پہنچ سے دور ہیں) ص ۲۳ پر ایک قصہ پڑھا: ''نوجوان دوشیزہ اپنے منگیتر سے شادی کے لیے جنوبی افریقہ جاتی ہے، لیکن اس کے ساتھ تین ہفتوں کی تلخ لڑائی کے بعد اپنی منگنی توڑ دیتی ہے، اور وہ لڑکی اپنے کمرے میں مستقل پریشان کن کیفیت پیدا کیے رکھتی ہے، وہ اس کے مختلف کونوں میں مسلسل چیختی پکارتی رہتی ہے: ہائے امی جان...... میں کیا کروں؟'' لیکن اس (لڑکی) نے کہا سن لو کہ اس کے ساتھ جو واقعہ ہوا ہے اس سے اس کی ماں پریشان ہوئی، چار ہفتے بعد اس (ماں) کی طرف سے وہ ایک خط موصول کرتی ہے، اس میں تحریر تھا: ''کیا ہوا؟ میں اس وقت سیڑھیوں سے اتر رہی تھی جس وقت میں نے تمہیں بلند آواز سے یہ کہتے ہوئے سنا: 'ہائے امی جان!...... میں کیا کروں؟'' اس خط پر بھی وہی تاریخ درج تھی جس تاریخ کو وہ لڑکی کمرے کے اطراف میں چیخ و پکار کر رہی تھی۔''

اس کلام میں جس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس حوالہ سے اور بھی مثالیں ہیں، اس سے جو آج "التخاطر" (خیال) اور "الاستشفاف" (کشف یا پار کی چیز دیکھنے) کے نام کے تحت آتے ہیں، اور وہ ''دوسری بصیرت'' کے نام سے معروف ہے، ہم نے جو ذکر کیا ہم نے اسی پر اکتفا کیا ہے، کیونکہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کے قصے سے مشابہت کے لحاظ سے سب سے زیادہ قریبی مثال ہے، میں نے بعض مسلمانوں کو اس گمان کے پیش نظر اس واقعے کا انکار کرتے ہوئے سنا کہ اسے عقل تسلیم نہیں کرتی یا اس سے عمر کی طرف علم غیب منسوب کرنا لازم آتا ہے، جبکہ دوسری طرف ان کے علاوہ، جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا، ہم صوفیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ غیب پر اولیاء کے مطلع ہونے کے امکان کے اثبات کے لیے اس واقعہ کو ناجائز استعمال کرتے ہیں، یہ سب (دونوں نظریات والے) غلطی پر ہیں۔

وہ قصہ صحیح ثابت ہے، [1] اور وہ ایک کرامت ہے جس کے ذریعے اللہ نے عمر کو عزت بخشی، اس طرح کہ اللہ نے ان کے ذریعے مسلمانوں کے لشکر کو قیدی بننے یا ہلاک ہونے سے بچالیا، لیکن اس میں وہ نہیں جو علم غیب جاننے کے بارے میں تصوف والے زعم رکھتے ہیں، وہ تو (عرف شرع میں) الہام کی قبیل سے ہے یا عصر حاضر کے عرف میں ''تخاطر'' (خیال) ہے، جو کہ (غلطی سے) محفوظ نہیں، کبھی صحیح بھی ہوسکتا ہے، جیسا کہ اس واقعہ میں ہے، اور کبھی غلط بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ وہ انسانوں میں اکثر پایا جاتا ہے۔

---

[1] قطب حلبی: اس کی صحت کے بارے میں ایک کتابچہ ہے، السیوطی نے "الدرر المنتثرة" رقم (۴۶۱) میں اس سے استفادہ کیا ہے، میں نے اس کو اپنی کتاب "فتح المنان" (۱/ ۲۰۳ـ۲۰۴) میں نقل کیا ہے۔ ابن عساکر نے ''تاریخ دمشق'' (۷/ق ۱۰، سوانح ساریہ بن زنیم) میں اس کے طرق اور الفاظ پر عمدہ بحث کی ہے۔ الغماری نے المقاصد الحسنة (ص: ۴۷۴) پر اپنی تعلیق میں ابن تیمیہ پر ان الفاظ میں تنقید کی ہے: ''اسے ابن تیمیہ نے صحیح کہا ہے اور اسے جنوں کا فعل قرار دیا ہے اور یہ عقل کا بہت بڑا فتور ہے۔'' یہ ان کا جنون ہے۔ آپ ان کا مجموع فتاویٰ (۱۱/ ۲۷۶)، نبوات (ص: ۷ـ۸) فتح الباری لابن رجب (۹/ ۳۷۷) اور السیر (۲/ ۳۵۷) میں جو کچھ ہے اس سے موازنہ ضرور کریں۔

اس لیے ہر ولی کے لیے، اس کی طرف سے صادر ہونے والے ہر قول یا عمل میں شرع کی پابندی ضروری ہے، اس اندیشے کے پیش نظر کہ کہیں وہ مخالفت میں مبتلا نہ ہو جائے، ورنہ وہ اس (مخالفت کی) وجہ سے اس ولایت سے خارج ہو جائے گا جس جامع وصف کے ساتھ اللہ نے اس (ولایت) کو متصف کیا ہے، فرمایا: ﴿اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ (یونس: ٦٢-٦٣)

''سن لو! اللہ کے دوستوں کو کوئی خوف ہے نہ وہ غمگین ہوں گے، جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے۔''

کسی نے خوب کہا:

إِذَا رَأَيْتَ شَخْصًا قَدْ يَطِيرُ
وَ فَوْقَ مَاءِ الْبَحْرِ قَدْ يَسِيرُ
وَ لَمْ يَقِفْ عَلَى حُدُودِ الشَّرْعِ
فَإِنَّهُ مُسْتَدْرَجٌ وَ بِدْعِيٌّ

''جب تم کسی شخص کو اڑتے ہوئے یا سمندر کی سطح (پانی) پر چلتے ہوئے دیکھو اور وہ شرع کی حدود کی پابندی نہ کرے، تو وہ بے شک ڈھیل دیا جانے والا، ہلاکت میں پڑنے والا اور بدعتی ہے۔''

۲:......تصوف اور تعبد (عبادت کرنے) کے لیے انقطاع اور ترک اکتساب:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صحيح الترغيب" (٢/ ٦٤) میں حدیث رقم (١٢١٦) کے تحت بیان کیا: ''اللہ کی راہ میں ایک دن مورچہ بند رہنا دنیا اور اس پر موجود تمام چیزوں سے بہتر ہے......'' مسلمانوں کا پہرہ دینے کے لیے کفار اور مسلمانوں کے درمیان جگہ پر جم کر بیٹھنا رباط کہلاتا ہے۔

میں (البانی) نے کہا: اس وابستگی، تعبد کے لیے ان کا انقطاع، ترکِ اکتساب اور ان کے خیال کے مطابق مسبب الاسباب سبحانہ وتعالیٰ کی کفالت پر ان کی طرف سے اکتفا کرنے کا اس رباط سے کوئی تعلق نہیں۔ (اسباب کو ترک کیسے کیا جا سکتا ہے۔) جبکہ وہ فرماتا ہے: ﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ (الجمعة: ١٠) ''جب نماز ہو جائے تو زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔'' اسی لیے عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم میں سے کوئی مسجد میں بیٹھ کر یوں نہ کہے: اللہ مجھے رزق دے گا، تم جانتے ہو کہ آسمان سے سونے اور چاندی کی بارش نہیں ہوتی۔''

۳:......صوفیاء اور ریاضت و نفس کی تربیت کے لے انفرادی طور پر جنگل کی طرف نکل جانا:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحيحة" (١/ ١٣٢) میں حدیث رقم (٦٢) ''ایک سوار ایک شیطان ہے، دو سوار دو شیطان ہیں۔ جبکہ تین ایک قافلہ ہے۔'' کے تحت بیان کیا:

ہوسکتا ہے حدیث سے جنگلات اور بے آب و گیاہ علاقے کا سفر مراد ہو جہاں کم ہی ایسے ہوتا ہے کہ مسافر لوگوں سے الگ ہوکر اکیلا سفر کرے، اس میں آج کل کا وہ سفر شامل نہیں جو ان ہموار راستوں پر کیا جاتا ہے جہاں مواصلات ذرائع بہت زیادہ ہیں، واللہ اعلم۔

پھر یہ کہ اس میں ان بعض صوفیوں کے ریاضت اور نفس کی تربیت ...... جس کا انہیں دعویٰ ہے ...... کے لیے اکیلے جنگل کی طرف نکل جانے پر صریح ردّ ہے۔ بہت سے اسی اثنا میں بھوک اور پیاس کی وجہ سے موت کا شکار ہو جاتے ہیں، یا پھر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے اس بارے میں ان سے حکایات ذکر کی ہیں، جبکہ بہترین راستہ محمد ﷺ کا راستہ ہے۔

ایک کتابچے ''ہم پر کس طرح واجب ہوتا ہے کہ ہم قرآن کریم کی تفسیر بیان کریں؟'' میں ہے:

سوال (۱):...... جناب شیخ! میں نے ایک چھوٹی کتاب میں ایک حدیث پڑھی: ''قرآن سے جو چاہو، جب چاہو لے لو۔'' ''الضعیفة: ۵۵۷'' کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ ہمیں بتائیں جزاکم اللہ خیرا۔

جواب:...... یہ حدیث: ''قرآن سے جو چاہو جب چاہو لے لو۔'' ایک ایسی حدیث ہے جو مشہور ہے، لیکن انتہائی افسوس ہے کہ وہ ان احادیث میں سے ہے جن کی سنت میں کوئی اصل نہیں، اس لیے اسے روایت کرنا اور اس کی نبی ﷺ کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں۔

پھر یہ معنی جو کہ بہت وسیع ہے اسلامی شریعت میں مطلق طور پر صحیح ہے نہ ثابت ہے: ''قرآن سے جو چاہو جب چاہو لے لو۔'' مثلاً اگر میں اپنے گھر کے درمیانی حصے میں بیٹھ جاؤں اور کوئی کام نہ کروں، اور میں اپنے رب سے رزق طلب کروں کہ وہ اسے آسمان سے مجھ پر نازل فرمائے کیونکہ میں قرآن سے اخذ کرنے والا ہوں! یہ کون کہتا ہے؟!

یہ کلام باطل ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ ان سست و کاہل تصوف والوں کا گھڑا ہوا ہو جو اپنی قیام گاہوں میں جنہیں وہ ''رباطات'' کا نام دیتے ہیں، بیٹھنے اور رہنے کے عادی بنا دیے گئے ہیں۔ وہ وہاں رہتے ہیں اور اللہ کے رزق کا انتظار کرتے ہیں کہ لوگوں میں سے کون اسے ان کے پاس لاتا ہے، معلوم ہونا چاہیے کہ یہ مسلمان کی فطرت نہیں، کیونکہ نبی ﷺ نے تمام مسلمانوں کی بلند ہمتی اور عزت نفس پر تربیت فرمائی، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِنَ الْیَدِ السُّفْلٰی ، فَالْیَدُ الْعُلْیَا هِیَ الْمُنْفِقَةُ وَالْیَدُ السُّفْلٰی هِیَ السَّائِلَةُ .)) (صحیح بخاری: ۱۴۲۹۔ صحیح مسلم: ۱۰۳۳)

''اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے، پس اوپر والا ہاتھ وہ خرچ کرنے والا ہے جبکہ نچلا ہاتھ سوال کرنے (مانگنے) والا ہے۔''

بعض زاہدوں اور صوفیوں کے حوالے سے اس مناسبت سے میں نے پڑھا تو مجھے بڑا تعجب ہوا، میں اس بارے میں بات لمبی نہیں کروں گا، ان کے قصے بہت زیادہ اور بڑے عجیب ہیں۔

انہوں نے کہا کہ ان میں سے ایک شخص زادراہ کے بغیر چلہ کشی کے لیے چل نکلا، اس کی حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ بھوک کی وجہ سے قریب المرگ ہو گیا، اس کو دور سے ایک بستی نظر آئی، وہ وہاں پہنچا، جمعہ کا دن تھا، وہ اپنے زعم میں اللہ پر توکل کرتے ہوئے نکلا تھا، اس نے اپنے مزعوم توکل کے بھرم کو ٹوٹنے سے بچانے کے لیے مسجد میں اپنے آپ کو ظاہر نہ ہونے دیا اور اپنے آپ کو منبر کے نیچے سمیٹ لیا، تا کہ کسی کو اس کے متعلق پتہ نہ چل سکے، لیکن وہ اپنے دل میں سوچتا تھا (اللہ کرے) کسی کو اس کے متعلق پتہ چل جائے، اس طرح خطیب نے اپنا خطبہ پڑھا، اور اس نے جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھی! امام خطبے اور نماز سے فارغ ہو گیا، اور لوگ گروہ در گروہ اور تنہا تنہا مسجد کے دروازوں سے نکلنے لگے، حتی کہ اس آدمی (درویش صاحب) نے محسوس کیا کہ مسجد تو لوگوں سے خالی ہونے کو ہے، دروازوں کو تالے لگا دیے جائیں گے اور وہ کچھ کھائے پیے بغیر مسجد میں اکیلا رہ جائے گا، اب اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ حاضرین کو اپنی موجودگی کا کھانس کر ثبوت دے۔ (وہ کھانسا) تو کچھ لوگوں نے اس کی طرف توجہ کی، تو انہوں نے اسے دیکھا کہ وہ بھوک و پیاس کی وجہ سے ہڈی بن چکا تھا، انہوں نے اسے پکڑا اور اس کی ضرورت پوری کی۔

انہوں نے اس سے پوچھا: آدمی! تم کون ہو؟

اس نے کہا: میں اللہ پر توکل کرنے والا درویش ہوں۔

انہوں نے کہا: تم کس طرح کہتے ہو: اللہ پر توکل کرنے والا، جبکہ تم تو قریب المرگ ہو گئے تھے؟! اگر تم اللہ پر توکل کرنے والے ہوتے تو تم سوال کرتے نہ کھانس کر اپنے بارے میں لوگوں کو مطلع کرتے، حتی کہ تم اپنے گناہ کی وجہ سے مر جاتے! یہ وہ مثال ہے جہاں تک اس جیسی حدیث: ''قرآن سے جو چاہو جب چاہو حاصل کرو۔'' پہنچاتی ہے۔

خلاصہ: اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔

۴:......صوفیاء اور دعاء [1]

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صحیح الترغیب" (۲/ ۵٦) میں حدیث رقم (۱۲۰۰) کے تحت بیان کیا: (وہ حدیث درج ذیل ہے)

---

[1] مزید فائدہ کے لیے: دیکھیں: رقم (۱۸) صوفیوں کی بدعات میں سے بعض صوفیاء کا یہ کہنا بھی ہے: تمہارا اس سے یعنی اللہ تعالی سے مانگنا اس پر تہمت ہے۔ اس کا اس نقطے سے بڑا مضبوط تعلق ہے۔

''اے اللہ! ہمیں جس طرح مکہ محبوب ہے اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ مدینہ ہمیں محبوب بنا دے، اسے ہمارے لیے موزوں بنا دے، ہمارے لیے اس کے صاع اور مد (وزن کے پیمانے) میں برکت فرما، اور اس کے بخار کو جحفہ کی طرف منتقل فرما دے۔''

خطابی ودیگر نے فرمایا: ''...... اس میں مسلمانوں کے لیے صحت، ان کے شہروں کی بہتری، ان میں برکت اور ان سے بیماریوں اور سختیوں کے ٹل جانے کے متعلق دعا ہے، اور یہ تمام علماء کا مذہب ہے۔

قاضی عیاض نے فرمایا: یہ بعض نام نہاد صوفیوں کے قول کے خلاف ہے کہ دعا توکل و رضا میں نقص ہے، اور یہ کہ اسے ترک کرنا چاہیے! اور یہ معتزلہ کے قول کے خلاف ہے کہ جب تقدیر میں سب کچھ لکھا جا چکا ہے تو پھر دعا کرنے میں کیا فائدہ ہے.....''

۵:......صوفیاء اور ذکر میں رقص (دھمال):

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''الصحیحۃ'' (۳/ ۳۰۶۔ ۳۰۷) میں حدیث رقم (۱۳۱۷) میں بیان کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مفردون'' سبقت لے گئے: انہوں نے عرض کیا، اللہ کے رسول! ''مفردون'' کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''وہ اللہ عزوجل کے ذکر میں گم ہو جاتے ہیں۔''

یهترون یعنی وہ فریفتہ ہو جاتے ہیں، ابن الاثیر نے بیان کیا:

کہا جاتا ہے: ''أهتير فلان بكذا، واستهتر فهو مهتر به و مستهتر''

یعنی: وہ اس کا دل دادہ ہے، اس کے بغیر کسی کی بات کرتا ہے نہ کوئی اور کام کرتا ہے۔''

تنبیہ:...... اس حدیث کی تخریج کرنے والے کا ایک دعوی ہے کہ ''الشعب'' میں یہ لفظ اس طرح: ''یهتزون'' 'زاء کے ساتھ' ہے۔ پس اسے ''یهتزون'' پڑھا جائے گا، تو میں نے فوراً اس کی تخریج اور اس لفظ کے اعراب اور نکتوں کی طرف توجہ کی، مجھے خدشہ تھا کہ دھمال ڈالنے والے بعض صوفیاء اس سے استدلال کرتے ہوئے ذکر کرتے ہوئے جو دائیں بائیں جھومتے ہیں اسے جائز قرار نہ دے لیں۔ حالانکہ انہیں علم نہیں یا وہ ویسے ہی لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ لفظ محرف (اس میں تبدیلی کی گئی) ہے، (یہ لفظ ''یهتزون'' زاء کے ساتھ نہیں بلکہ راء کے ساتھ ''یهترون'' ہے) کبھی اس پر شرح مسلم للنووی میں جو بیان ہوا ہے وہ ان کی معاونت کرتا ہے: ایک روایت ہے: ((هم الذين اهتزوا في ذكر الله .)) وہ اللہ کے ذکر کے دل دادہ ہیں۔'' اور اسی طرح ''صحیح مسلم، ط: استنبول'' کے حاشیے میں امام نووی سے منقول ہے:

اگر فرض کریں وہ صحیح بھی ہو تو اس کا معنی ہوگا: وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خوشی اور راحت محسوس کرتے ہیں: جیسا کہ "النهاية" سے مادہ "هزز" سے اخذ کیا گیا، پس تب وہ آپ ﷺ کے اس فرمان جیسا ہوگا: "أَرِحْنَا بِهَا يَا بِلَالُ!" ❶ "بلال! اس (نماز) کے ذریعے ہمیں راحت پہنچاؤ۔" اور یہ اس معنی کے قریب ہے جو امام نووی نے بیان کیا ہے، واللہ اعلم!

اس مناسبت سے امت کی خیر خواہی کے لیے نصیحت کرنا ضروری ہے، کہ بعض جعلی صوفیاء جو علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے، ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کے اصحاب کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"جب وہ اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے تو وہ اس طرح جھومتے تھے جس طرح آندھی والے دن درخت جھومتے ہیں۔"

جان لیں کہ یہ ان (علی رضی اللہ عنہ) سے ثابت نہیں، ابونعیم نے اسے "الحلية" (١/ ٧٦) میں محمد بن یزید ابو ہشام: حدثنا المحاربي، عن مالك بن مغول، عن رجل من (جعفي)، عن السدي، عن ابي اراكة، عن علي کی سند سے روایت کیا ہے۔

میں نے کہا: یہ اسناد ضعیف اور تاریک ہے۔

(۱) ابو أراكة، میں نے اسے نہیں جانا، اور نہ ہی میں نے کسی کو پایا ہے کہ اس نے اس کا ذکر کیا ہو، صرف دولابی نے "الكنى" میں ذکر کیا أبو أراك، اور وہ اس طبقہ سے ہے، اور اس کے لیے عبداللہ بن عمرو سے ایک اثر بیان کیا، اور اس نے حسب عادت اس کے متعلق جرح ذکر کی نہ تعدیل۔

(۲) جعفی آدمی کا نام ذکر نہیں کیا لہٰذا وہ مجہول ہے۔

(۳) محمد بن یزید، بخاری نے فرمایا: "میں نے ان کو اس کے ضعف پر متفق پایا۔"

ہمارے شیخ نے "الضعيفة" (۱/۲۳۴۔۲۳۵) میں موضوع حدیث رقم (۱۱۵) کے تحت بیان کیا: "اپنے کھانے کو اللہ کے ذکر اور نماز کے ذریعے گال لیا کرو (ہضم کرو)۔ اس میں سستی نہ کرو، ورنہ تمہارے دل سخت ہو جائیں گے۔" ❷

جان لیجیے کہ اس مکذوب حدیث کے متعلق سب سے زیادہ بامراد وہ لوگ ہیں جو کھانے والے رقص کرنے والے ہیں، وہ مختلف انواع کے کھانوں اور مشروبات سے اپنے پیٹ بھرتے ہیں، پھر وہ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر

---

❶ اس کی تخریج مشکوۃ (۱۲۵۳) میں کی گئی ہے۔ (منہ)

❷ انہوں نے "الضعيفة" (١٤/ ١١٤٧، ١٢٣٩) میں ذکر کیا کہ صوفیوں نے اسے وضع کیا، اور اس نے ایک جگہ بیان کیا: "عجیب ہے جس نے ان کے متعلق کہا: جس بھی نسل نے بدعت کا آغاز کیا وہ بہت بری نسل ہے۔ تم نے ایک محال امر پیش کیا، کیا میرے اللہ نے قرآن میں تمہیں کہا ہے۔ حیوانوں کی طرح کھاؤ اور میرے لیے رقص کرو!"

کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے خیال کے مطابق۔ اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ دائیں بائیں اور آگے پیچھے جھکتے ر
جھومتے ہیں، اور خوبصورت آواز کے ساتھ خوبصورت اشعار پڑھتے ہیں، حتی کہ ان کے پیٹ میں جو کچھ ہوتا ہے وہ
پگھل (گل) جاتا ہے! اس کے باوجود وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کر رہے ہیں! اور کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے:

مَتٰی عُلِّمَ النَّاسُ فِی دِیْنِنَا
بِأَنَّ الغِنَا سُنَّةٌ تُتَّبَعْ
وَاَنْ یَأْکُلَ الْمَرْءُ أَکْلَ الْحِمَا
رِوَ یَرْقُصَ فِی الْجَمْعِ حَتّٰی یَقَعْ
وَقَالُوا سَکِرْنَا بِحُبِّ الْإِلٰ
ہِ وَمَا اَسْکَرَ الْقَوْمَ اِلَّا الْقِصَعْ
کَذَاكَ الْبَهَائِمُ اِنْ اَشْبِعَتْ
یُرَقِّصُهَا رِیُّهَا وَالشِّبَعْ
فَیَا لَلْعُقُولِ وَیَا لَلنُّهٰی
اَلَا مِنْ مُنْکِرٍ مِنْکُمْ لِلْبِدَعْ
تُهَانُ مَسَاجِدُنَا بِالسَّمَا
عِ وَتُکْرَمُ عَنْ مِثْلِ ذَاكَ الْبِیَعْ

''ہمارے دین کے متعلق لوگوں کو کب بتایا جائے گا۔ کہ گانا ایک سنت ہے جس کی اتباع کی جاتی ہے۔ یہ کہ آدمی گدھے کی طرح کھائے۔ اور مجمع میں رقص کرے حتی کہ گر جائے۔

اور انہوں نے کہا: اللہ کی محبت سے ہم مدہوش ہو گئے۔ جبکہ لوگوں کو بڑے جام نے مدہوش کیا۔ اسی طرح اگر چوپائے شکم سیر کر دیے جائیں، تو ان کی سیرابی اور ان کی شکم سیری انہیں رقص کراتی ہے۔

عقل مندو! اور دانش ورو! کیا تم میں بدعات کا انکار کرنے والا کوئی نہیں۔ سماع کے ذریعے ہماری مساجد کی توہین کی جاتی ہے۔ اسی طرح کی حرکتوں سے کلیساؤں کی عزت کی جاتی ہے۔''

ہمارے شیخ نے ''الضعیفة'' (۲/ ۳٤) میں حدیث رقم (۵۵۸)

((لَیسَ بِکَرِیمٍ مَنْ لَّمْ یَتَوَاجَدْ عَنْ ذِکْرِ الْحَبِیبِ .))

''وہ شخص معزز نہیں جو حبیب کے ذکر کے وقت وجد میں نہیں آتا۔'' کے تحت بیان کیا:

یہ روایت موضوع ہے۔ محمد بن طاہر مقدسی نے اسے ''صفوة التصوف'' میں ذکر کیا، اور اس کے طریق سے

ابو حفص عمر سہروردی نے جو کہ ''عوارف المعارف'' کا مصنف ہے ذکر کیا: کہ ایک اعرابی نے نبی ﷺ کو یہ شعر سنائے:

قَدْ لَسَعَتْ حَيَّةُ الْهَوٰى كَبِدِيْ
فَلَا طَبِيْبَ لَهَا وَلَا رَاقِيْ
إِلَّا الْحَبِيْبَ الَّذِيْ شُغِفْتُ بِهٖ
فَعِنْدَهٗ رُقْيَتِيْ وَ تِرْيَاقِيْ

''خواہش (گمراہی) کے سانپ نے میرے جگر کو ڈس لیا ہے۔ پس اس کا کوئی طبیب ہے نہ کوئی دم جھاڑ کرنے والا ہے۔ صرف وہ حبیب ہیں میں جن کی محبت میں گرفتار ہوں۔ ان کے پاس میرا دم جھاڑ اور میرا تریاق ہے۔''

یہ سن کر آپ وجد میں آ گئے حتی کہ چادر آپ کے کندھوں سے گر پڑی، معاویہ نے کہا: تمہارا تفریحی مشغلہ کتنا اچھا ہے، آپ نے فرمایا: معاویہ! ٹھہرو (ایسا) نہیں ......'' الحدیث۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے رسالہ "السماع والرقص" (ص۱٦۹ من مجموعة الرسائل المنيرية ج: ۳) میں بیان کیا: ''اس علم کے متعلق علم رکھنے والوں کا اتفاق ہے کہ یہ روایت مکذوب اور موضوع ہے، انہوں نے کہا: یہ اور اس جیسی روایات کو صرف وہی شخص روایت کرتا ہے جو ایمان واسلام کی معرفت کے ساتھ نبی ﷺ، آپ کے اصحاب اور ان کے بعد والوں کے حالات سے نابلد ہے۔ [1]

میں نے کہا: پھر میں نے حافظ ابن طاہر المقدسی کی کتاب "صفوة التصوف" کا مطالعہ کیا تو میں نے اس روایت کو اس میں نہیں دیکھا، الحافظ نے اسے "لسان الميزان" میں ان کی ایک دوسری کتاب، جس کا نام "السماع" ہے، کی طرف منسوب کیا ہے، سہروردی نے اس کی اسناد کو "العوارف" (ص ۱۰۸۔۱۰۹) میں بیان کیا ہے، وہ ابوبکر عمار بن اسحاق کے طریق سے ہے، انہوں نے کہا: حدثنا سعيد بن عامر، عن شعبه، عن عبدالعزيز بن صهيب، عن انس به۔ اور انہوں نے کہا:

''یہ حدیث ہم نے اسے مسنداً ذکر کیا جس طرح ہم نے اسے سنا اور اسے پایا، اصحاب الحدیث نے اس کی صحت کے بارے میں کلام کیا ہے، اور ہم نے ایسی کوئی چیز نہیں پائی جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہو وہ اس

---

[1] اسی طرح شیخ الاسلام نے "مجموع فتاوی" (۱۱/ ۵۵۷۔۵٦۳) اور "مجموعة الرسائل الکبری" (۲/ ۲۹۵۔۲۹۹) میں اور اسی طرح ابن القیم نے "المنار المنیف" (ص۱۳۹) میں بیان کیا۔ دیکھئے شیخ الاسلام ابن تیمیة وجهوده فی الحدیث وعلومه (۴/ ۵۳۵۔۵۳۹)، عواطف اللطائف لاحمد الغماری (۲/ ۲۷۰۔۲۷۴) اور میری کتاب فتح المنان (۱/ ۳۰۷۔۳۰۹)

دور کے لوگوں کے سماع، ان کے اجتماع اور ان کی ہیئت سے مشابہت رکھتا ہو، سوائے اس کے۔ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو صوفیاء اور اہل زماں کے لیے ان کے سماع اور اور ان کی خرق کو پارہ پارہ کرنے کے لیے اس سے بہتر کوئی دلیل نہ ہوتی، جبکہ مشکل یہ ہے کہ وہ صحیح نہیں، میں نے اس میں نبی ﷺ کا اپنے اصحاب کے ساتھ اجتماع ذوق نہیں پایا اور نہ ہی وہ اس کا سہارا لیتے تھے جو ہم نے اس حدیث میں پایا ہے، اور دل بھی اسے قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔"

میں نے کہا: یہ عمار بن اسحاق اس قصے کی وجہ سے متہم ہے، ذہبی نے اس کے سوانح حیات میں بیان کیا:

"گویا کہ وہ اس بے سروپا قصے کو گھڑنے والا ہے جس میں ہے: "خواہش وگمراہی کے سانپ نے میرے جگر کو ڈس لیا ہے۔" باقی ثقہ ہیں۔"

۶:......صوفیاء اور عبدالغنی النابلسی کی کتاب "ایضاح الدلالات فی سماع الآلات" پر اعتماد کرتے ہوئے گانے اور آلات موسیقی کی اباحت

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صحیح الترغیب" (۱۷۶/۲) میں حدیث: ((زَيِّنُوْا الْقُرْاٰنَ بِأَصْوَاتِكُمْ)) قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کرو" کے تحت بیان کیا:

شیخ عبدالغنی النابلسی کے رسالے "إيضاح الدلالات فی سماع الآلات" کی تشریح کرنے والے نے بہت بڑی غلطی کی ہے، اس کا محقق احمد راتب حموش ہے، اس نے کہا: "اسے بخاری، دارمی، ابن حنبل، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے۔" یہ بڑا عجیب اختلاط ہے، دارمی کے علاوہ اس اضافے کے ساتھ ان میں سے کسی ایک نے بھی اسے روایت نہیں کیا، لیکن اس مذکورہ شخص نے اس چھوٹی سی کتاب پر اپنی تعلیقات میں بہت بڑی غلطیاں کی ہیں، ان میں سے سب سے اہم یہ کہ ان جیسوں کے لیے مناسب نہیں کہ وہ شیخ عبدالغنی صوفی [1] کی اس جیسی کتاب شائع کرنے پر معاونت کریں، جو اس میں ہر طرح کے آلات موسیقی کو مباح قرار دیتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ یہ اختلاف نیت کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔

---

[1] شیخ عبدالغنی النابلسی کا رسالہ، انہوں نے اسے آلات موسیقی کو ان کے اسماء واشکال اور انواع کے اختلاف پر استعمال کرنے کی اباحت میں تصنیف کیا ہے، وہ دمشق میں دار القلم ادارے کی طرف سے مطبوع ہے، اور انہوں نے۔ عفا الله عنه ۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ﴾ [الجمعة: ۱۱] "کہہ دیجیے جو اللہ کے پاس ہے وہ لہو ولعب (کھیل تماشے) اور تجارت سے بہتر ہے۔" سے افعل التفضیل کو لہو کے لیے تجارت کے مانند اصل خیر کے اثبات کے لیے استدلال کیا ہے، آپ جانتے ہیں کہ یہ محض دعوے اور توہم پر مبنی ہے، اور ان کی طرف سے مباح تجارت کے عطف کے ساتھ آیت کے شروع میں لہو پر استدلال کرنا بہت عجیب ہے، اور سب سے بڑی عجیب یہ بات ہے کہ انہوں نے اس کی اباحت کے متعلق رسالے تالیف کیے، جیسے "تحفة اولی الالباب فی العلوم المستفادة من الناس و الشباب" اسی سے صوفیاء کے بعض گروہ۔ یہ آلات استعمال کرنے لگے۔ ⇐⇐⇐

پس جو شخص حسن نیت سے اس کو غور سے سنتا ہے تو وہ مباح ہے، اس نے مجھے ایک قصہ یاد دلا دیا جو میرے اور ایک طالب علم کے درمیان اس وقت ہوا جب وہ میری دکان پر مجھ سے اپنی گھڑی درست کرانے آیا، میں نے اسے دیکھا کہ اس نے گول سی تختیاں چھپا رکھی ہیں، جو پہلے دور میں گراموفون نامی آلے کے ذریعے گانے سننے میں استعمال ہوتی تھیں، میں نے قصداً اس سے کہا: تم گانا گاتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں، میں گانا نہیں گاتا، میں سنتا ہوں، میں نے کہا: تم کیا سنتے ہو؟ اس نے کہا: میں ام کلثوم کو سنتا ہوں، میں اس آلے رمشین کے پاس بیٹھ جاتا ہوں اور میرے ہاتھ میں تسبیح ہوتی ہے، اور میں سنتا ہوں، تو میں جنت میں خوبصورت آنکھوں والی حور کے گانے کو یاد کرتا ہوں۔ ہم نے اسے کہا: تم کتنے بدنصیب ہو یا اس معنی کی کوئی بات۔ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ تم میں سے کسی پر وہ دن بھی آئے گا کہ وہ اس دعویٰ کے پیش نظر کہ وہ جنت کی شراب کو یاد کر رہا ہے وہ شراب نوشی کو حلال قرار دے دے گا۔ ❶

شیخ عبدالغنی النابلسی کی مسلمانوں کے درمیان گمراہی کی اشاعت کی وجہ سے صوفیاء یہاں تک پہنچ گئے ہیں، کیا کوئی نصیحت قبول کرنے والا ہے!

۷:..... صوفیاء اور سحر:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعيفة" (۳/ ٦٤٢) میں حدیث رقم (۱۴۴۶) کے تحت بیان کیا:

اور اس مقتول جادوگر کے مثل ❷ طرقیہ وہ لوگ ہیں جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اولیاء اللہ ہیں، پس وہ اپنے

⇐⇐ العلامہ الآلوسی نے اپنی تفسیر "روح المعانی" (۲۸/ ۱۰٦) میں اس مذکورہ رسالے سے متنبہ کیا ہے، انہوں نے کہا: "......ان دلائل پر دائرہ ہے جو ہرن کے بچے کی کوکھ سے بھی زیادہ کمزور ہیں، وہ ان کے مقابلے میں بناوٹ کے محور پر گھومتی ہیں، ان میں سے اکاذیب ہیں جن کی کوئی اصل نہیں۔ کوئی عاقل شخص انہیں پسند کرتا ہے نہ انہیں قبول کرتا ہے، میں نہیں سمجھتا کہ وہ صوفیاء سماع ورقص کو رزق کے پرندے کو شکار کرنے والے جال کے علاوہ کسی اور کام کے لیے استعمال کرتے ہوں، جبکہ جاہل اسے غلامی کے پھندے سے آزاد ہونا گمان کرتے ہیں، پس ان کی طرف مائل ہونے سے بچو، اور اللہ المالک پر توکل کرو۔" ہمارے شیخ الالبانی نے "سلسلة الضعيفة" (۱٤/ ۱۰۱٦۔۱۰۲۰) میں حدیث رقم (٦۹۳٦) کے تحت اس کتاب اور اس کے محقق کے برے کرتوت سے بچنے کے متعلق بڑی اہم بات نقل کی ہے۔

اس کے مذکورہ رسالے کے بارے میں کئی ایک علماء نے اس پر رد کیا ہے، اور علماء مصنفین کی ایک جماعت نے موسیقی اور آلات موسیقی کی حرمت کے بارے میں کتابیں تصنیف کی ہیں، اور وہی قول حق ہے۔ اور کتاب وسنت کے موافق ہے۔ اور میری کتاب "کتب حذر منها العلماء" (۱/ ۱۸۸۔۱۸۹) کا مطالعہ فرمائیں۔

❶ اس قصے کو مکمل طور پر کتاب "تحريم آلات الطرب" (ص ۱۷٦ ـ ۱۷۷) میں دیکھیں، اور وہ اس کتاب میں ایک فصل: "الغناء الصوفي و الاناشيد الاسلامية" (ص ۱۸۸۷) ہے۔ اور غناء صوفی اور اسلامی اشعار کے متعلق تفصیل کے ساتھ (ص ۷۷۳) میں دیکھیں۔

❷ اس کا قصہ۔ جیسا کہ پچھلے مذکورہ مصدر میں ہے۔ ابن وہب کے حوالے سے بیہقی میں ہے: ابن لہیعہ نے ابو الاسود کے حوالے سے مجھے خبر دی: "کہ ولید بن عقبہ عراق میں تھے ان کے سامنے ایک جادوگر کرتب دکھاتا تھا، وہ آدمی کے سر کو مارتا، پھر اسے آواز دیتا، وہ باہر کھڑا ہوتا، تو اس کا سر اس کی طرف لوٹ آتا، لوگوں نے کہا: سبحان اللہ! وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے! مہاجرین میں سے ایک صالح شخص نے اسے دیکھا، اس نے اس کی طرف نظر کی، جب اگلا روز ہوا، وہ آدمی (جادوگر) اپنی تلوار پر لیٹ کر اپنا وہ کرتب دکھانے لگا، تو اس آدمی نے اپنی تلوار سونتی اور اس کی گردن اڑا کر کہا: اگر وہ سچا ہے تو اپنے آپ کو زندہ کرتا! ولید نے اس کے متعلق ایک دینار کا حکم دیا۔ وہ نیک آدمی تھا۔ پس اس نے اسے قید کر دیا، اس نے کہا: وہ آدمی اسے اچھا لگا، تو اس نے کہا: کیا تم بھاگ سکتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں، اس نے کہا: پس نکل جا اللہ تمہارے متعلق مجھ سے کبھی نہیں پوچھے گا۔"

میں نے کہا: یہ اسناد صحیح ہیں اگر ابو الاسود نے وہ قصہ دیکھا ہے کیونکہ وہ صغیر تابعی ہیں، ان کا نام محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل یتیم عروہ ہے۔

آپ کو تلوار اور ''شیش'' (بغیر دھار کی چھوٹی تلوار، کانچ، تیشے) کے ساتھ مارتے ہیں، اس کا بعض حصہ جادو اور تخیل ہوتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی، اور بعض تجربے اور مشق ہوتے ہیں، جسے ہر انسان کرسکتا ہے خواہ وہ مومن ہو یا کافر جبکہ اس نے اس کی مشق کی ہو اور اُس کا دل مضبوط ہو، ان کا اپنے مونہوں اور اپنے ہاتھوں سے آگ کو چھونا کرنا اور ان کا تندور میں داخل ہونا اسی قبیل سے ہے۔

حلب (ملک شام کا شہر) میں ان میں سے ایک کے ساتھ گفتگو میں پتہ چلا کہ وہ ان میں سے ہے، کہ وہ اپنے آپ کو شیش (شیشہ، بغیر دھار کے چھوٹی تلوار) کے ساتھ مارتا ہے، انگارے پکڑ لیتا ہے، میں نے اسے نصیحت کی، اور اس پر حقیقت آشکارا کی، اور اسے ڈرایا کہ اگر وہ اپنے اس بے معنی دعویٰ سے باز نہ آیا تو اسے جلا دیا جائے گا! وہ باز نہ آیا، تو میں اس کے پاس کھڑا ہوا اور ڈراتے ہوئے آگ اس کے عمامے کے قریب کر دی، جب اس نے اصرار کیا تو میں نے اسے آگ لگا دی اور وہ (اپنے عمامے کو لگی ہوئی آگ) دیکھ رہا! پھر میں نے اسے بجھا دیا کہ کہیں عمامے کے بعد وہ بھی نہ جل جائے، اور میرا خیال ہے کہ اگر جندب رضی اللہ عنہ ان لوگوں کو دیکھتے تو وہ اپنی تلوار سے انہیں بھی قتل کر دیتے جیسا کہ انہوں نے اس جادوگر کے ساتھ کیا تھا ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَ اَبْقٰی﴾ [طٰهٰ: ۱۲۷] ''اور آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور باقی رہنے والا ہے۔''

۸:......صوفیاء اور صفات میں شرک:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے طحاوی کے ''عقیدۃ طحاویۃ'' میں فقرہ (۱) (ص ۳۱۔۳۲) میں درج ذیل قول پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''ہم (اللہ کی توفیق سے) اللہ کی توحید کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی شریک کی نفی مکمل نہیں ہوتی جب تک شرک کی تین انواع کی نفی نہ کی جائے:

(۱) ربوبیت میں شرک

(۲) الوہیت یا عبودیت میں شرک

(۳) صفات میں شرک، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان صفات میں سے، جو کہ اس کے لیے خاص ہیں، کسی صفت سے اس کی کسی مخلوق کو متصف قرار دینا مثال کے طور پر علم غیب، اور یہ نوع صوفیاء اور ان سے متاثر ہونے والے افراد میں بہت عام ہے، جیسا کہ ان میں سے کوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

((فَإِنَّ مِنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَ ضَرَّتَهَا۔ وَ مِنْ عُلُومِكَ عِلْمُ اللَّوْحِ وَ الْقَلَمِ .))

''دنیا اور اس کا مالِ کثیر آپ کی سخاوت ہے۔ لوح و قلم کا علم آپ کے علوم میں سے ہے۔''

یہاں سے بعض دجالوں کی گمراہی در آئی جو گمان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو آج بھی بیداری کی حالت میں دیکھتے ہیں، اور جو چیزیں ان پر مخفی ہیں اور اپنے دل کی باتوں کے بارے میں ان سے سوال کرتے ہیں اور اپنے بعض امور میں ان سے مشورہ کرتے ہیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ اس طرح کی چیزیں اپنی حیات مبارکہ میں بھی نہیں جانتے تھے: ﴿وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ﴾ (الاعراف: ۱۸۸) ''اگر میں غیب جانتا ہوتا تو میں بہت سی بھلائیاں اکٹھی کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔'' آپ اپنی وفات اور رفیق اعلیٰ کی طرف انتقال فرما جانے کے بعد کس طرح اسے جانتے ہیں؟!

۹:......صوفیاء اور اپنے شیوخ کی اندھی اطاعت اور عجیب تر قصہ

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحيحة" (۱/ ۳۵۲۔۳۵۳) میں حدیث رقم (۱۸۱): "لَا طَاعَةَ لِبَشَرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ، اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ" اللہ کی معصیت میں کسی بشر کی کوئی اطاعت نہیں، اطاعت تو صرف معروف میں ہے۔'' کے تحت بیان کیا:

اس حدیث میں بہت فوائد ہیں: ان میں سے زیادہ اہم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں کسی کی اطاعت جائز نہیں، اس میں امراء، علماء اور شیوخ سب برابر ہیں۔

اس سے بعض گروہوں کی گمراہی معلوم ہوتی ہے:

اوّل [1]......بعض صوفیاء جو اپنے شیوخ کی اطاعت کرتے ہیں۔ خواہ وہ انہیں ظاہری معصیت کا حکم دیں! وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ حقیقت میں وہ معصیت نہیں، کیونکہ شیخ وہ کچھ دیکھتا ہے جو مرید نہیں دیکھتا، میں ان میں سے ایک شیخ کو جانتا ہوں، وہ اپنے آپ کو مرشد کے مقام پر فائز سمجھتا ہے، اس نے مسجد میں اپنے مریدوں کو درس دیتے ہوئے ایک قصہ بیان کیا! اس کا خلاصہ یہ ہے: ایک صوفی شیخ نے ایک رات اپنے ایک مرید کو حکم دیا کہ وہ اپنے والد کے پاس جائے اور وہ اسے اس کی اہلیہ کے ساتھ لیٹے ہوئے اس کے بستر پر قتل کر دے، جب اس نے اسے قتل کر دیا! تو وہ شیخ کے حکم کی تنفیذ کے بعد خوش خوش اپنے شیخ کے پاس واپس آیا تو شیخ نے اس کی طرف دیکھا، اور کہا: کیا تم سمجھتے ہو کہ تم نے اپنے باپ کو حقیقی طور پر قتل کیا ہے؟ وہ تو تمہاری ماں کا دوست ہے! رہا تمہارا باپ تو وہ غائب ہے! پھر اس نے اپنے زعم کے مطابق اس قصے پر حکم شرعی کی بنیاد رکھی، اس نے انہیں کہا: شیخ جب اپنے مرید کو ایسے حکم کے متعلق امر فرمائے جو ظاہری طور پر شریعت کے مخالف ہو تو مرید پہ لازم ہے کہ وہ اس میں

---

[1] شیخ نے دوسرے گروہ کا ذکر کیا کہ وہ مقلدین ہیں، جو نبی ﷺ کے فرمان پر اپنے مذہب کے کلام کی اتباع کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور اسی طرح انہوں نے تیسرے گروہ کا ذکر کیا: وہ ہیں جو حکمرانوں کی ایسے نظاموں اور اقوال میں اطاعت کرتے ہیں جو کہ شریعت کے مخالف ہوتے ہیں اور وہ انہیں لوگوں کے لیے مقرر کرتے ہیں۔

اس کی اطاعت کرے۔ اس نے کہا: کیا تم اس شیخ کی طرف نہیں دیکھتے کہ اس نے ظاہری طور پر تو لڑکے کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے والد کو قتل کر دے، لیکن حقیقت میں اس نے لڑکے کی والدہ کے ساتھ زنا کرنے والے زانی کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے، وہ شرعاً قتل کا مستحق ہے! کئی وجوہ کی بنا پر شرعی طور پر اس قصے کا باطل ہونا مخفی نہیں:

(۱)...... حد نافذ کرنا شیخ کا حق نہیں خواہ اس کا مقام کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، وہ تو حاکم کا حق ہے۔

(۲)...... اگر وہ واقعہ ایسے ہی تھا! تو پھر اس نے صرف مرد پر کیوں حد نافذ کی اور عورت پر حد نافذ نہیں کی، جبکہ اس معاملے میں دونوں برابر ہیں؟

(۳)...... شادی شدہ زانی کو شرعی حکم کے مطابق سنگسار کر کے قتل کرنا ہے، سنگسار کے بغیر قتل کرنا نہیں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس شیخ نے کئی وجوہ سے شرع کی مخالفت کی ہے، اسی طرح اس مرشد کی حالت ہے جس نے اس قصے پر شیخ کی اطاعت کے وجوب کی بنا قائم کی خواہ وہ ظاہری طور پر شریعت کے خلاف ہو، حتیٰ کہ اس نے انہیں کہا: جب تم شیخ کے گلے میں صلیب دیکھو، تو بھی تمہارے لیے اس پر انکار کرنا اور اسے معیوب قرار دینا جائز نہیں!

اس طرح کے کلام کے بطلان کی وضاحت کے باوجود، اور شرع وعقل کی مخالفت کے باوجود ہم لوگوں میں ایسے لوگ بھی دیکھتے ہیں جن پر اس کا کلام اثر دکھا جاتا ہے، جبکہ ان میں بعض تعلیم یافتہ نوجوان ہوتے ہیں۔

میرے اور ان میں سے ایک شخص کے درمیان اس قصے کے متعلق مباحثہ ہو چکا ہے، اس نے اسے اس مرشد سے سن رکھا تھا، اور اس نے اس پر جس حکم کی بنا رکھی تھی وہ بھی اس نے سنا تھا، لیکن اس کے ساتھ جو مباحثہ ہوا اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا، اور اس نے اس قصے پر یقین کر لیا! کہ وہ اس کے خیال میں کرامات میں سے ہے، اس نے کہا: تم کرامت کا انکار کرتے ہو۔ اور جب میں نے اسے کہا: اگر تمہارا شیخ تمہیں حکم دے کہ تم اپنے والد کو قتل کر دو تو کیا تم ایسے کرو گے؟ اس نے کہا: میں اس مقام ومرتبے تک نہیں پہنچ پایا!!

برا ہو ایسی وعظ ونصیحت اور تعلیم کا جو عقلوں پر پردے ڈال دے اور اس مقام ومرتبے تک گمراہوں کے حوالے کر دے! تو کیا اس کے بعد اس شخص پر کوئی ملامت ہے جو ان لوگوں کے دین کے متعلق بیان کرتا ہے کہ وہ لوگوں کی افیون ہے؟!

۱۰:...... صوفیاء اور شیخ الاسلام ابو اسماعیل انصاری کی کتاب "منازل السائرین":

ذہبی رحمہ اللہ نے ابو اسماعیل انصاری کی سوانح حیات میں بیان کیا:

"...... کاش کہ وہ کتاب "المنازل" [1] تالیف نہ کرتے، پس اس میں ایسی اشیاء ہیں جو سلف اوران

---

[1] ذہبی نے بیان کیا کہ وہ کتاب تصوف کے متعلق ہے، جیسا کہ مصدر مذکورہ میں ہے۔

کے شمائل کے منافی ہیں......"

"مختصر العلو" (ص۲۷۸) ترجمة رقم (۱۵۸)

ہمارے شیخ الالبانی رحمہ اللہ نے "مختصر العلو" (ص۲۷۸۔ ۲۷۹) میں ذہبی کے سابق کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

تم اس کے متعلق مثالیں ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتب میں پاؤ گے، ان میں سے ان کا رسالہ بھی ہے جو قضاء وقدر کے متعلق ہے۔

مؤلف نے "تذکرة" [1] (۳/ ۳۵۵) میں بیان کیا:

''میں نے وحدۃ الوجود کے قائل صوفیاء کو دیکھا ''منازل السائرین'' میں اس کے کلام کو بہت بڑا جانتے ہیں، اور وہ دعوی کرتے ہیں کہ وہ ان کے موافق ہے، ان کے وجد کا ذائقہ چکھنے والا اور ان کے فلسفیانہ تصوف کے متعلق بتانے والا ہے! اور یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ وہ داعیان سنت میں سے ہے، اور اس کی حمایت آثار سلف کے لیے ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ "منازل السائرین" میں کچھ اشیاء محض محو وفناء کے لیے ہیں، اس فنا سے اس کی مراد: وجود کے شہود سے غائب، اور اس نے خارج میں عدم وجود مراد نہیں لی۔

مختصر یہ کتاب اس نمونے سے ہٹ کر ایک دوسرا رنگ ہے جس پر تابعین کے صوفیاء نے اتفاق کیا، اور عبادت گزار محدثین نے اسے اختیار کیا، اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔''

۱۱:......صوفیاء اور کرامات:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے طحاوی کے "عقیدة طحاویة" فقرہ (۹۹) (ص۸۴۔۸۵) کے قول: ''ہم ان کی کرامتوں پر یقین رکھتے ہیں، جو ان کی روایات سے ثقہ راویوں سے صحیح ثابت ہیں'' [2] پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

مؤلف نے روایات سے جو صحیح ثابت ہے کی تقیید سے بہت اچھا کیا، یہ اس لیے کہ لوگوں (خاص طور پر ان میں سے متاخرین نے کرامات روایت کرنے میں وسعت سے کام لیا ہے، یہاں تک کہ انہوں نے ان (کرامات) کے نام سے ایسی جھوٹی باتیں روایت کی ہیں کہ معمولی سے معمولی عقل رکھنے والا شخص بھی ان کے بطلان میں شک نہیں کرتا، بلکہ بسا اوقات تو ان میں ربوبیت کے حوالے سے شرک اکبر ہوتا ہے! شعرانی کی کتاب ''طبقات الاولیاء'' میں اس طرح کی جھوٹی باتیں بہت زیادہ ہیں، ان میں سے کسی ولی کا قول ہے: میں نے کسی چیز کے

---

[1] اس سے مراد تذکرة الحفاظ للذہبی ہے۔

[2] بعض صحابہ سے صحیح کرامتیں بھی ثابت ہیں، ان میں کوئی مضائقہ نہیں، دیکھیں "ریاض الصالحین" باب ۲۵۳ (حدیث: ۱۵۱۶۔۱۵۲۳ میری تحقیق کے ساتھ)۔ (منہ)

متعلق اللہ کے ادب کا لحاظ کرتے ہوئے بیس سال یوں کہنے سے احتراز کیا: "کن فیکون" ''ہو جا، پس وہ ہو جاتا ہے۔''

یہ ظالم جو کہہ رہے ہیں اللہ اس سے بہت برتر ہے۔

۱۲:......صوفیاء اور علم واحکام حاصل کرنے کا مصدر:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "حجة النبی ﷺ" (ص۵۴) میں فرمایا:

تصوف والے نبی ﷺ کی سنت اور آپ کی ہدایت وبیان سے بے نیاز ہوتے ہیں، وہ ایسا ''علم لدنی'' (علم ربانی جو بذریعہ الہام من جانب اللہ حاصل ہو) کے زعم میں کرتے ہیں، جس کی طرف ان میں سے کوئی یوں کہہ کر اشارہ کرتا ہے: ''میرے دل نے مجھے میرے رب سے روایت کیا:'' بلکہ شعرانی نے "الطبقات الکبری" میں کہا کہ اس کے شیوخ میں سے کوئی ایک (مجذوب) اور وہ جن سے وہ راضی ہے! ہمیں کو وہ قرآن سناتا تھا جو کہ ہمارے قرآن کے علاوہ تھا، اور وہ اس کی تلاوت کا ثواب فوت شدگان مسلمانوں کو پہنچاتا تھا۔

۱۳:......غالی صوفیاء اور وحدت الوجود

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (۳/ ۳۸) میں حدیث رقم (۱۰۴۶) کے تحت فرمایا:

فائدہ......: آپ ﷺ کا فرمان: "اَنْ يَعْلَمَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَهٗ حَيْثُ كَانَ." ''یہ کہ جان لے کہ وہ جہاں بھی ہو اللہ اس کے ساتھ ہے۔'' امام محمد بن یحیی ذہلی نے فرمایا:

''آپ کی مراد ہے: کہ اللہ کا علم ہر جگہ کو محیط ہے، جبکہ اللہ عرش پر ہے۔''

حافظ ذہبی نے اسے "العلو" ترجمہ نمبر (۷۵) [1] میں (میری تحقیق واختصار کے ساتھ) ذکر کیا۔ [2]

جہاں تک عام لوگوں اور بہت سے خاص لوگوں کے اس قول کا تعلق ہے کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے، یا ہر وجود میں ہے، وہ اس کی ذات مراد لیتے ہیں، وہ گمراہی ہے، بلکہ وہ وحدت الوجود کے قائلین سے ماخوذ ہے، جس کے متعلق حد سے بڑھے ہوئے تصوف والے کہتے ہیں، جو کہ خالق اور مخلوق کے درمیان فرق نہیں کرتے، اور ان کا بڑا کہتا ہے: تم جو بھی چیز دیکھتے ہو وہ اللہ ہے! وہ جو کہہ رہے ہیں اللہ اس سے بہت زیادہ پاک و برتر ہے۔

ہمارے شیخ نے "الصحیحة" (۱/ ۸) ط۔ المعارف کے مقدمے میں بیان کیا:

حلول یا وحدت الوجود کے متعلق قول...... وہ غالی صوفیوں کا عقیدہ ہے۔

اور ہمارے شیخ نے "مختصر العلو" (ص۵۲) کے مقدمے میں بیان کیا:

---

[1] مسودہ میں ۷۳ ہے جبکہ صحیح وہ ہے جو ہم نے لکھا ہے۔

[2] ص: ۲۰۱

غالی صوفیاء میں سے کہنے والا کہتا ہے: ''تم اپنی آنکھ سے جو کچھ دیکھتے ہو وہ اللہ ہے۔'' یہ ظالم جو کچھ کہہ رہے ہیں اللہ اس سے بہت زیادہ بلند ہے۔

۱۴:...... وحدت الوجود والے صوفیاء اور ان کا اللہ تعالیٰ کے اپنی مخلوق سے بلند ہونے سے انکار کرنا:

امام ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا:

رہا تیسرا قول ❶ جو کہ بعد کی پیداوار ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) کسی جگہ میں نہیں، وہ اس سے باہر بھی نہیں، وہ اپنے عرش کے اوپر نہیں، وہ مخلوق سے متصل ہے نہ اس سے جدا، اس کی ذات مقدسہ کسی جانب ہے نہ اپنی مخلوقات سے دور، وہ جہات میں ہے نہ جہات سے خارج، اور نہ یہ ہے، اور نہ وہ ہے، یہ ایک ایسی چیز ہے جو عقل وفہم میں نہیں آتی ...... مختصر العلوص:۲۸۷۔

ہمارے شیخ الالبانی رحمہ اللہ نے "مختصر العلو" (۲۸۷) کے اختتام پر ذہبی کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

ہاں! وحدت الوجود کے قائلین اس سے سمجھتے ہیں کہ خالق اور مخلوق ایک ہی چیز ہے، بلکہ ایسی کوئی چیز نہیں جس کا نام خالق ومخلوق رکھا جائے، تم اپنی آنکھ سے جو کچھ دیکھتے ہو وہ اللہ ہے! وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اللہ اس سے پاک وبرتر ہے۔ شاید کہ جہم اور ان جیسے پہلے داعیان بہتان لگایا کرتے تھے کہ اللہ ہر جگہ ہے۔ وہ عرش پر نہیں ہے، وحدت الوجود کے عقیدہ سے خالق تبارک وتعالیٰ کے وجود کی نفی لازم آتی ہے، لیکن ایک مخفی اور خبیث طریقے سے، اسی لیے سلف نے اس پر اور اس کے پیروکاروں پر شدید نکتہ چینی کی ہے، اور ان میں سے بعض نے ❷ صراحت کی ہے کہ جہمیہ کہتے ہیں کہ اللہ کوئی چیز نہیں!

اگر سلف آج غلو کرنے والے صوفیاء کو سن لیتے تو وہ کیا کہتے، جبکہ وہ لوگ منبروں پر کہتے ہیں: ''اللہ اوپر ہے نہ نیچے، دائیں ہے نہ بائیں، آگے ہے نہ پیچھے، جہاں کے اندر ہے نہ اس سے باہر۔'' ❸

ہمارے شیخ نے "مختصر العلو" کے مقدمے (ص ۵۳۔۵۴) میں بیان کیا:

انتہائی افسوس کی بات ہے کہ ان دونوں میں سے مذہب اوّل آج کل ان شہروں میں عام وخاص لوگوں کی زبانوں پر عام ہے، تم جس مجلس میں بیٹھو جہاں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہو، وہاں بیٹھا ہوا کوئی شخص جلدی سے یوں کہہ دے گا: ''اللہ ہر جگہ موجود ہے۔'' دوسرا کہہ دے گا: ''اللہ ہر وجود میں موجود ہے'' جب تم نے اس کلام کے بطلان

---

❶ یعنی اللہ باری تعالیٰ کے اپنے عرش کے اوپر ہونے کے مسئلے کے بارے میں۔

❷ "مختصر العلو" (ص ۱۵۱) ترجمہ نمبر (۱۹) میں امام عبداللہ بن المبارک کی سوانح حیات دیکھیں۔

❸ اس کے لیے دیکھئے عقائد کی بدعات۔

کے بیان کی جلدی کی، کہ اس میں ایک ایسی نسبت ہے جو اللہ کے اپنی مخلوق کے لیے مظروف ہونے سے اس کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں، اور اس وجہ سے بھی اس کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں کہ اس میں اللہ کے اپنے عرش پر بلند ہونے کی صفت کی مخالفت ہے تو بعض عالم بننے والوں نے اس کے ساتھ ایک جملہ ''اپنے علم کے ساتھ'' ملا کر اس قول کی جلدی سے تاویل کرنے کی کوشش کی، گویا کہ وہ اللہ کی کتاب سے کوئی آیت ہو، یا پھر رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث ہو جس کی تاویل کرنا ضروری ہے! لیکن ان مسکینوں کو پتہ ہی نہیں کہ یہ تو جہمیہ اور معتزلہ کی بات ہے اور ان کا عقیدہ ہے جس پر اس قول کا ظاہر دلالت کرتا ہے جس میں کسی قسم کی تاویل کی ضرورت نہیں، جب تم نے ان کے قول ''اپنے علم کے ساتھ'' ان کی اس کے متعلق تاویل سنی، تو تم نے خیر کا گمان کیا، لیکن جلد ہی تمہارے گمان پر پانی پھر جائے گا جس وقت نبی معصوم سے آدمی کے ایمان کے متعلق یا اللہ کے متعلق اس کی مبلغ معرفت یا اس کے برعکس کی وضاحت کرنے والا سوال موروث (وہ سوال جو نسل در نسل چلا آرہا ہے) سامنے آیا: سن لو وہ آپ ﷺ کا اس لڑکی سے سوال ہے: ((ایـن الله)) ''اللہ کہاں ہے؟'' اس نے عرض کیا: آسمان پر، آپ نے فرمایا: ''اسے آزاد کردے کیونکہ وہ تو مومنہ ہے۔'' پس جب تم نے عام وخاص کے سامنے یہ سوال رکھا، تم ان کو اپنی آنکھیں کھول کر اس کا انکار کرتے ہوئے پاؤ گے، لاعلمی کے طور پر یا جاہل بنتے ہوئے کہ نبی ﷺ ہیں جنہوں نے اسے ہمارے لیے مقرر فرمایا، پھر تم اس کے ساتھ انہیں حیرت زدہ دیکھو گے انہیں پتہ نہیں ہوگا کہ وہ کیا جواب دیں، گویا کہ شریعت اسلامیہ نے اس کے بیان کی مطلق وضاحت نہیں کی، کتاب (قرآن کریم) میں نہ سنت میں! جبکہ ان (کتاب وسنت) میں اس پر متواتر دلائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے، اسی لیے جب اس لڑکی نے سوال کا اس طرح جواب دیا: ''آسمان پر ہے۔'' تو نبی ﷺ نے اس کے حق میں گواہی دی کہ وہ مو[illegible] ہے، اس لیے کہ اس نے وہ جواب دیا جو کہ کتاب وسنت میں معروف ہے۔ وہ کتنا بدنصیب ہے جس کے ایمان کے متعلق رسول اللہ ﷺ گواہی نہ دیں، یا وہ شخص کتنا بدنصیب ہے کہ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے ایمان پر دلیل بنایا ہے وہ اس کا انکار کرتا ہے بلکہ اسے معیوب قرار دیتا ہے، اللہ کی قسم! یہ بہت بڑا مسئلہ ہے جس کا مسلمان شکار ہیں کہ وہ اپنے عقیدے سے منحرف ہیں کہ ان میں سے کوئی جانتا نہیں کہ اس کا رب کہاں ہے جس کی وہ عبادت کرتا ہے اور اسے سجدہ کرتا ہے، کیا وہ اپنی مخلوق کے اوپر ہے ان کے نیچے ہے، بلکہ وہ نہیں جانتا جب وہ اس سے خارج ہوتا ہے یا اس میں داخل ہوتا ہے! حتیٰ کہ ان کے متعلق پہلے اہل علم میں سے کسی کا قول صادق آتا ہے: انہوں نے اپنے معبود کو ضائع کر دیا اس کے باوجود وہ گمراہی میں نہیں پہنچے۔ ان کی حالت یہ ہے کہ انہوں نے اس پر عدم کا حکم لگایا جس وقت انہوں نے کہا: ''وہ اوپر ہے نہ نیچے.....'' تو ان کے بارے میں ان کے بعض کا قول ثابت ہوا: ''معطلہ عدم کو پوجتے ہیں، جبکہ مجسمہ صنم کی پوجا کرتے ہیں۔'' اس سے وہ نفی کرنے والے جہمیہ معطلہ اور مجسمہ ممثلہ کی طرف اشارہ

کرتا ہے، جو صفات کو تجسیم وتشبیہ کے ساتھ ثابت کرتے ہیں، جبکہ حق جو ہے وہ ان دونوں کے درمیان ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

۱۵: .....وحدت الوجود والے صوفیاء اور ارادہ کونیہ:

ہمارے شیخ نے طحاوی کے ''عقیدہ طحاویہ'' میں فقرہ ۲۳ (ص ۳۶۔۳۷) میں قول:

''ہر چیز اس کی تقدیر۔ مشیت کے ساتھ چل رہی ہے، اور اس کی مشیت نافذ ہوتی ہے، بندوں کی کوئی مشیت نہیں! مگر وہ جس کے لیے چاہے، پس اس نے ان کے لیے جو چاہا ہوا، اور جو نہ چاہا نہ ہوا'' پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

یعنی: یہ کہ اس اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کا ارادہ اس جہاں میں ہونے والی ہر خیر ہو یا شر اور ہدایت ہو یا گمراہی سب کو شامل ہے، اس پر دلالت کرنے والی آیات بہت ہیں اور وہ معروف ہیں، شرح وغیرہ میں ان کی مراجعت ممکن ہے......اس فقرے سے مقصود: معتزلہ پر رد ہے جو اس کی مشیت کے عموم کی نفی کرتے ہیں۔

لیکن یہ جاننا واجب ہے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ اسے پسند بھی کرتا ہے، پس پسند ارادے کے علاوہ ہے، ورنہ تو پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں اطاعت گزار اور گناہ گار کے درمیان کوئی فرق نہ ہو، اور اس کی وحدت الوجود کا موقف رکھنے والے بعض کبار نے اس کی صراحت کی ہے، کہ اطاعت کرنے والا اور نافرمانی کرنے والا ہر ایک اللہ تعالیٰ کی اس کے ارادے میں اطاعت کرنے والا ہے! مذہب سلف، فقہاء اور اہل السنہ میں سے تقدیر کا اثبات کرنے والے اکثر حضرات ارادے اور پسند میں فرق کرتے ہیں، "بدء الامالی" ''قصیدہ کے مؤلف نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

((مريد الخير والشرط القبيح۔ ولكن ليس يرضى بالمحال))

''خیر اور شر قبیح کا ارادہ کرنے والا۔ لیکن وہ محال (فساد و بگاڑ والے نتیجے) کو پسند نہیں کرتا۔''

۱۶:......صوفیاء اور ولایت:

ہمارے شیخ نے طحاوی کے ان کے ''عقیدہ طحاویہ'' میں فقرہ (۹۸) (ص ۸۳۔۸۴) قول:

''ہم اولیاء میں سے کسی ولی کو انبیاء علیہم السلام میں سے کسی ایک نبی پر فضیلت نہیں دیتے اور ہم کہتے ہیں: ایک نبی تمام اولیاء سے افضل ہے۔'' پر شرح بیان کرتے ہوئے کہا:

انہوں نے شرح [1] میں بیان کیا: شیخ رحمہ اللہ [2] وحدت الوجود کا عقیدہ رکھنے والوں اور جاہل صوفیاء پر رد کی

---

[1] یعنی: "شرح العقيدة الطحاوية" (ص ۴۹۲) لابن ابی العز الحنفی رحمہ اللہ۔

[2] یعنی طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ

طرف اشارہ کرتے ہیں، ورنہ اہل استقامت علم اور شرع کی متابعت کی وصیت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پر رسولوں کی پیروی کو واجب قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (النساء: ٦٤) ''ہم نے ہر رسول اس لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔''

ان میں سے اکثر [1] کا خیال ہے کہ وہ عبادت میں محنت ومشقت اور اپنے بلند مرتبے اور اپنے نفس کی پاکیزگی کے ذریعے اس مقام تک پہنچ جائے گا جہاں انبیاء پہنچے اور وہ ان کے طریقے کی اتباع بھی نہیں کرے گا! ان میں سے کوئی گمان کرتا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام سے افضل ہو گیا ہے!! ان میں سے کوئی کہتا ہے: انبیاء ورسل خاتم الاولیاء کے طاق سے اللہ کے متعلق علم حاصل کرتے ہیں!! اور وہ اپنی ذات کے لیے دعویٰ کرتا ہے کہ وہ خاتم الاولیاء ہے!! اور یہ علم فرعون کے قول کی حقیقت ہے، وہ یہ کہ یہ وجود مشہود بذات خود واجب ہے، اسے کوئی بنانے والا نہیں، لیکن یہ کہتا ہے: وہ اللہ ہے! فرعون کلی طور پر بہت واضح طور پر انکار کرتا تھا، لیکن فرعون باطنی طور پر اللہ کے بارے میں ان سے زیادہ معرفت رکھتا تھا، وہ صانع کے لیے اثبات کا قائل تھا، اور ان کا گمان ہے کہ وجود مخلوق ہی خالق کا وجود ہے! جیسے ابن العربی اور اس جیسے!! اور جب اس نے دیکھا کہ شرع ظاہر کو بدلنے کی کوئی سبیل نہیں اس نے کہا:

نبوت ختم ہوئی، لیکن ولایت ختم نہیں ہوئی! اس نے ولایت میں وہ دعویٰ کیا جو نبوت سے بہت بڑھ کر ہے جو کہ انبیاء اور رسولوں کے لیے ہونا چاہیے، اور یہ کہ انبیاء اس سے مستفید ہوتے ہیں! جیسا کہ اس نے کہا:

مقام النبوة فی برزخ   فویق الرسول و دون الولی!!

''برزخ میں مقامِ نبوت۔ رسول سے زیادہ ہے جبکہ ولی سے کم ہے۔''

یہ شریعت کو بدلنا ہے، بے شک ولایت متقی مومنوں کے لیے ثابت ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (یونس: ٦٢)

''سن لو! اللہ کے اولیاء پر کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

نبوت ولایت سے زیادہ خاص ہے اور رسالت نبوت سے زیادہ خاص ہے جیسا کہ اس پر تنبیہ بیان ہو چکی۔

۱۷:...... کشف سے احادیث کی تصحیح موجودہ تصوف کی بدعت ہے:

شیخ الالبانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "الضعیفة" (١/ ١٤٥) میں شعرانی کے درج ذیل قول کا رد کرتے ہوئے بیان کیا:

رہا شعرانی کا "المیزان" (١/ ٢٨) میں قول:

---

[1] یہ کلام شیخ البانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔

''اور یہ حدیث ❶ اگر چہ اس میں محدثین کی طرف سے کلام ہے، وہ اہل کشف کے ہاں صحیح ہے۔ ❷ پس (یہ قول) باطل اور فضول ہے اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا، یہ اس لیے کہ کشف کے طریق سے احادیث کی تصحیح موجودہ تصوف کی بدعت ہے، اور اس پر اعتماد باطل احادیث کی تصحیح کی طرف لے جاتا ہے جن کی کوئی اصل ہی نہیں، اس حدیث کی طرح، کیونکہ کشف۔ اگر صحیح ہو۔ اس کی سب سے اچھی حالت یہ ہے کہ وہ رائے کی طرح ہو، وہ غلط بھی ہو سکتی ہے اور درست بھی، اور یہ تب ہے اگر وہ اس میں خواہش و گمراہی کو داخل نہ کرے، ہم اللہ سے اس سے اور اس کی ہر ناپسندیدہ چیز سے سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔

محمد بن ادریس القادری نے اپنے رسالے "أزالة الدهش والوله عن المتحير فى صحة حديث: "ماء زمزم لما شرب له" (ص۱۲۴) میں بیان کیا:

اور عارف اکبر ❸ نے "الفتوحات المكية" میں بیان کیا: دارقطنی نے جابر کی روایت سے نقل کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''زمزم کا پانی جس مقصد کے لیے پیا جائے اس مقصد کے لیے ہے۔'' یہ حدیث ہمارے ہاں ذوق کے ساتھ صحیح ہے......

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے مصدر مذکور (ص۱۲۴) کے حاشیے میں بیان کیا:

میں نے کہا: احادیث کی تصحیح و تضعیف میں علماء شریعت کے نزدیک ذوق کی کوئی حیثیت نہیں، اس میں تو علم حدیث کے قواعد اور راویوں کے احوال کی معرفت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا کہ ان کا اس پر اتفاق ہے کہ ان کے نزدیک حکم شرعی صرف ذوق ہی سے ثابت نہیں ہوتا، حکم شرعی جس سے ثابت ہوتا ہے وہ تو حدیث ہے جب حکم شرعی ذوق سے ثابت نہیں ہوتا تو پھر اس سے حدیث کس طرح ثابت ہو سکتی ہے؟ اسی طرح تجربہ اور کشف کے بارے میں کہا جائے گا۔

۱۸:......**بعض صوفیاء کا قول:** ''تمہارا اس، یعنی: اللہ تعالیٰ، سے سوال کرنا اس کے لیے اتہام ہے'' ❹:

ہمارے شیخ الالبانی رحمہ اللہ تعالیٰ ے حدیث: ''حسبى من سؤالى علمه بحالى ''اس کا میرے حال سے باخبر ہونا میرے سوال سے مجھے کافی ہے'' رقم (۲۱) "الضعيفة" (۱ / ۷۵) کے تحت بیان کیا اور اس پر حکم لگایا کہ مرفوعا اس کی کوئی اصل نہیں، بلکہ وہ اسرائیلیات میں سے ہے۔

---

❶ ''میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں، تم ان میں سے جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔'' یہ روایت موضوع ہے۔ جیسا کہ ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعيفة" (رقم: ۵۸) میں فرمایا ہے۔

❷ اس کے بارے میں انہوں نے "الضعيفة" (۱۲۳۹/۱٤) میں بیان کیا کیونکہ اس کے کوئی قواعد وضوابط نہیں......

❸ ابن عربی صوفی تباہ ہونے والا ہے۔

❹ دیکھیے رقم: ۴۔ صوفیوں کی بدعات کے بیان میں؛ صوفیا اور دعا۔

اس معنی کو اس نے اخذ کیا ہے جس نے حکمت میں طریقہ تصوف پر تصنیف کی تو اس نے کہا: ''تیرا اس، یعنی: اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا اس کے لیے اتہام ہے!''

یہ بہت بڑی گمراہی ہے! کیا انبیاء صلوات اللہ علیہم نے جس وقت اپنے رب سے مختلف سوال کیے تو انہوں نے اپنے رب کو متہم قرار دیا تھا! پس یہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، وہ عرض کرتے ہیں:

﴿رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَ ارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ﴾ (ابراھیم: ۳۷)

''ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے معزز گھر کے قریب چٹیل میدان میں جہاں کھیتی نہیں ہوتی لا بسایا ہے، پروردگار! تاکہ وہ لوگ نماز ادا کریں۔ پس تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو پھلوں سے روزی دے تاکہ وہ تیرا شکر کریں۔'' (آخر آیات تک)

وہ سب دعائیں ہیں، کتاب وسنت میں انبیاء کی بے شمار دعائیں ہیں، جبکہ قائل نے جس کی طرف اشارہ ہے وہ اس سے غافل ہے کہ دعا اللہ تعالیٰ کے حضور تضرع والتجاء ہونا ایک عظیم عبادت ہے، اس نے حاجت مسئولہ سے نظر جھکا لی جائے، اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلدُّعَاءُ ھُوَ الْعِبَادَۃُ)) ❶

''دعا ہی عبادت ہے۔''

ہمارے شیخ نے ''الصحیحۃ (۶/۳۲۶۱) میں حدیث رقم (۲۶۵۴) ❷ کے تحت فرمایا:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی دعا سے تکبر و انکار کرنا اس شخص پر اللہ تعالیٰ کے غضب کو لازم کرتا ہے جو اس سے دعا نہیں کرتا، پس اس حدیث کی شہادت زیر بحث حدیث کے لیے اس کے معنی کے لیے قوی شہادت ہے۔

ان احادیث سے بعض صوفیاء کے نزدیک اپنے اس زعم کی وجہ سے کہ اللہ سے دعا کرنا اللہ کے ساتھ سوء ادب ہے جاہل ہیں یا جاہلانہ طرف اختیار کرتے ہیں! اور وہ اس بارے میں اسرائیلی اثر (روایت) سے متاثر ہیں:

''اس کو میرے حال کا علم مجھے اس سے سوال کرنے سے بے نیاز کر دیتا ہے۔''

پس وہ لاعلم رہے کہ بندے کا اپنے رب تعالیٰ سے دعا کرنا اسے اپنی حاجت بتانے کے باب سے نہیں وہ تو

---

❶ یہ حدیث صحیح ہے۔ جیسا کہ ہمارے شیخ نے "الضعیفۃ" (۱/۷۷۵) کے حاشیے میں، اور "الصحیحۃ" (۶/۳۲۶) میں بیان کیا ہے۔

❷ اس کی عبارت یہ ہے: "مَنْ لَمْ یَدْعُ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ" ''جو اللہ سے دعا نہ کرے تو وہ اس پر ناراض ہوتا ہے۔''

﴿يَعْلَمُ السِّرَّ وَ أَخْفٰى﴾ (طه: ٧) ''وہ پوشیدہ باتوں کو اور مخفی تر رازوں کو بھی جانتا ہے۔'' یہ (دعا کرنا) تو اس کے حضور اپنی عبودیت، اپنی حاجت اور اس کے لیے اپنی محتاجی کے اظہار کے لیے ہے، جیسا کہ "الضعيفة" (١/ ٢٢) میں اس کا بیان گزر چکا۔

١٩:...... یہ کہنا: ''میں تیری جنت کے شوق کی خاطر روتا ہوں نہ جہنم کے ڈر سے'' فلسفۂ تصوف ہے [1]:

ہمارے شیخ۔ قدس الله روحه نے "الضعيفة" (٢/ ٤٢٦) م احدیث رقم (٩٩٨) کے تحت بیان کیا اور اس روایت پر حکم لگایا کہ وہ انتہائی ضعیف ہے:

اس حدیث میں جو اس کے قول: ''میں تیری جنت کے شوق کی خاطر روتا ہوں نہ جہنم کے خوف سے'' کا انکار کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ فلسفہ تصوف ہے، رابعہ عدویہ نے اسے مشہور کیا، اس سے صحیح ہے، انہوں نے ذکر کیا کہ وہ اسے اپنی دعاؤں اور مناجات میں کہا کرتی تھی: ''رب جی! میں نے تیری جنت کے طمع سے تیری عبادت کی ہے نہ تیری جہنم کی آگ کے خوف سے۔''

یہ کلام ایسے ہی شخص سے صادر ہو سکتا ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس طرح نہیں پہچانتا جیسا کہ اس کی معرفت کا حق ہے۔ وہ اس کی عظمت و جلال اور اس کے جود و کرم (سخاوت) سے واقف نہیں، ورنہ اس کے پاس جو دائمی نعمتیں ہیں وہ ان کے طمع کی وجہ سے اس کی عبادت کرتا، ان میں سے: اللہ تبارک وتعالیٰ کا دیدار ہے، اور اس نے جو نافرمانوں کافروں کے لیے جہنم اور دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اس سے ڈرتے ہوئے اس کی عبادت بجالاتا، اور اس میں سے ان کو اپنے دیدار سے محروم رکھنا جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُوْنَ﴾ (المطففين: ١٥) ''خبردار! یہ لوگ اس دن اپنے رب کے سامنے آنے سے روک دیے جائیں گے۔'' اسی لیے پیغمبر اللہ کے متعلق حقیقی معرفت رکھتے تھے، وہ اس طرح کے خیالی کلمات کے ذریعے اس سے دعا نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ وہ اس کی جنت کے طمع میں اس کی عبادت کرتے تھے، کیوں نہ ہو جبکہ اس میں اس سے بھی اعلیٰ چیزیں ہیں جسے مومن کا دل دیکھ سکتا ہے؟ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دیدار ہے، اور وہ اس کی جہنم سے ڈرتے ہوئے اس کی عبادت کرتے ہیں، کیوں نہ ہو، یہ اس (خوف) سے ان کے محروم ہونے کو لازم ہوتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے منتخب انبیاء کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ﴿إِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ﴾ (الانبياء: ٩٠) ''وہ نیکی کے کاموں میں جلدی کرتے تھے اور امید و خوف سے ہمیں پکارتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی سے رہتے تھے۔'' اسی لیے ہمارے نبی محمد ﷺ سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتے تھے، جیسا کہ آپ سے کئی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

---

[1] انتہائی ضعیف روایت کا ایک حصہ ہے، اسے "سلسلة ضعيفة" رقم (٩٩٨) میں دیکھیں۔

اس مختصر جملہ کے متعلق یہ تیز بات جس نے عام تو کیا بہت سے خاص لوگوں کو بھی فتنے میں مبتلا کر دیا اور وہ فی الواقع اس طرح ہے: ﴿كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً﴾ (النور: ٣٩) ''سراب کی مانند جو کسی چٹیل میدان میں ہو، پیاسا شخص اسے پانی خیال کرتا ہے۔'' میں نے علامہ ابن بادیس کی تفسیر میں اس کے متعلق ایک نہایت ہی مفید بحث پڑھی تھی۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''ریاض الصالحین'' میں براء بن عازب سے مروی حدیث رقم (٨١) کی تشریح کرتے ہوئے بیان کیا، وہ روایت اس طرح ہے: ((اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ......))

ہمارے شیخ نے ''ریاض الصالحین'' (ص ٧٢) کے حاشیے میں بیان کیا: یعنی: میں نے اپنے نفس کو تیرا مطیع کر دیا، تیرے حکم کے تابع کر دیا، ''فَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ'' ''میں نے اپنے تمام امور میں تجھ پر توکل کیا کہ ''وَأَلْجَأْتُ'' یعنی: میں نے اپنے امور میں تجھ پر اعتماد کیا تا کہ تو میرے لیے نفع مند چیز پر میری مدد فرمائے، ''رَغْبَةً وَ رَهْبَةً إِلَيْكَ'' ''یعنی: تیری عطاء وثواب کی امید رکھتے ہوئے اور غضب وعقاب (سزا) سے ڈرتے ہوئے۔

میں نے کہا: اس میں اس شخص کے قول کے بطلان کی طرف اشارہ ہے جو اللہ سے مناجات کرتے ہوئے یوں کہتا ہے: ''میں نے تیری جنت کی امید سے تیری عبادت کی نہ تیری جہنم کی آگ سے ڈرتے ہوئے ......'' بے شک اس طرح کی بات وہی شخص کرتا ہے جو حقیقی طور پر اللہ کی معرفت نہیں رکھتا، غور کریں۔

٢٠:......صوفیاء کا کہنا: شریعت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن:

ہمارے شیخ نے ''مختصر صحیح البخاری'' (١/٦٠) رقم (٧٩) میں اس مقولے کے بدعت ہونے کی وضاحت کی ہے۔

ہمارے شیخ نے ''المشکاۃ'' (١/ ٨٩) میں حدیث رقم (٢٧١) پر تعلیق بیان کرتے ہوئے کہا، اس کی نص یہ ہے:

((حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِعَاءَيْنِ: فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ فِيكُمْ، وَ أَمَّا الْآخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُومُ))

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (علم کے) دو برتن لیے، ان میں سے ایک کو میں نے تم میں پھیلا دیا، رہا دوسرا تو اگر میں اسے پھیلا دوں تو میرا گلا کاٹ دیا جائے۔''

بخاری نے اسے ''الفتن'' میں نقل کیا ہے، یہ آپ رحمہ اللہ کی طرف سے اشارہ ہے، کہ اس حدیث کا علم ظاہر اور علم باطن سے کوئی تعلق نہیں، جیسا کہ صوفیاء گمان کرتے ہیں، ورنہ وہ اسے کتاب العلم میں نقل کرتے، اس حدیث کی مفصل شرح کے لیے حافظ ابن حجر کی ''فتح الباری'' دیکھیں۔

۲۱:......صوفیاء اور طلب علم میں ان کا طریقہ: فقط خلوت وتقویٰ

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱۰/ ۱۱٤) میں حدیث رقم (۴۶۰۰) ❶ کے تحت فرمایا:

وہ حدیث میرے نزدیک موضوع ہے، اس پر وضع کے خط و خال واضح ہیں، اور میرا خیال ہے کہ اسے بعض صوفیاء نے وضع کیا ہے، جو گمان کرتے ہیں کہ طلب علم کا طریقہ اس طریقے سے علاوہ ہے جو اہل علم سے حاصل کرنا اور طلب کرنا ہے جنہوں نے اسے سلف سے حاصل کیا تھا، بلکہ وہ ان کے زعم کے مطابق فقط خلوت وتقوی کا طریق ہے! بسا اوقات ان کے بعض جاہلوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ﴾ (البقرة: ۲۸۲) "اللہ سے ڈر جاؤ اور اللہ تمہیں تعلیم دے گا۔" سے استدلال کیا ہے۔ اس مسکین کو معلوم نہیں کہ اس آیت سے یہ مراد نہیں کہ علم سیکھنے کے اسباب ❷ کے ذریعے علم حاصل کرنا ترک کر دیا جائے۔ امام قرطبی نے اپنی تفسیر (۴۰۶/۳) میں فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے کہ جو اس کا تقویٰ اختیار کرے گا وہ اسے تعلیم دے گا! یعنی: وہ اس کے دل میں نور پیدا کر دے گا جس کے ذریعے وہ اپنی طرف القاء کی گئی چیز کو سمجھے گا، کبھی اللہ اس کے دل میں شروع ہی سے "فرقان" پیدا فرما دیتا ہے! یعنی ایسا ملکہ جس کے ذریعے وہ حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا﴾ [الانفال: ۲۹]

"ایمان دارو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہارے لیے فرقان (حق و باطل میں فرق کرنے والا) بنا دے گا۔"

۲۲:......صوفیاء کے مذہب میں گم نامی (چھپنا) ہے ظاہر ہونا نہیں:

ہمارے شیخ نے "الصحیحة" (۵/۱۔ ط۔ المعارف) کے مقدمے میں السقاف پر رد کرتے ہوئے فرمایا:

بڑی عجیب بات ہے کہ وہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ صوفی ہے، جبکہ تصوف تو اس کے خلاف ہے! کیونکہ ان کا مذہب گم نامی (چھپنا) ہے نہ کہ ظاہر ہونا، حتی کہ ان کے قدماء ❸ میں سے کسی نے کہا:

((كُنْ ذَنَبًا وَلَا تَكُنْ رَأْسًا))

"دم بن جا، سر نہ بن۔"

---

❶ روایت یہ ہے: "جو دنیا سے بے رغبت ہو جائے گا اللہ تعالیٰ اسے علم کے بغیر تعلیم دے گا۔" یہ روایت موضوع ہے۔

❷ اگر ایسے ہوتا تو آیت ﴿ويعلمُكم﴾ کے بجائے ﴿ويعلمْكم﴾ ہوتی۔ یعنی میم پر پیش کے بجائے جزم ہوتی۔

❸ وہ ابراہیم بن ادہم ہے۔ دینوری نے اس کو اس سے بیان کیا ہے اور اسے "المجالسة" (رقم: ۹۵۸، ۲۲٤۲) وغیرہ میں ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ میں نے اس پر اپنے تبصرہ میں بیان کیا ہے۔

۶:......قادیانیت

ا:......قادیانیت اور ان کے مختلف باطل عقائد، ان کے نام نہاد نبی کا فتوی کہ انگریز سے جنگ کرنا حرام ہے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (٤/ ٢٥٢-٢٥٣) میں حدیث رقم (۱۶۸۳): ((اِنَّ بَيْنَ يَدَی السَّاعَةِ ثَلَاثِيْنَ دَجَّالًا كَذَّابًا)) ''قیامت سے پہلے تیس جھوٹے دجال ہوں گے۔'' کے تحت بیان کیا:

جان لیجیے کہ ان دجالوں میں سے جنہوں نے نبوت کا دعوی کیا غلام احمد قادیانی ہندوستانی ہے، جس نے ہند کے برطانوی سامراج کے دور میں دعوی کیا کہ وہ مہدی منتظر ہے، پھر یہ کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام ہے، پھر آخر میں دعوی کیا کہ وہ نبی ہے، کتاب وسنت کے علم سے لا بلد بہت سے لوگوں نے اس کی اتباع کی، میں نے ہند اور شام کے ان کے بعض مبلغین سے ملاقات کی، میرے اور ان کے درمیان بہت سے مناظرے ہوئے، ان میں سے ایک تحریری تھا، میں نے اس میں انہیں ان کے اعتقاد کے بارے میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہت سے انبیاء آئیں گے۔ انہیں مناظرے کی دعوت دی! ان (آنے والے انبیاء) میں سے ان کا نبی مرزا غلام احمد قادیانی ہے، انہوں نے اپنے جواب کے شروع میں پہلو تہی کرنا شروع کر دی، وہ اس سے اپنے مذکورہ اعتقاد کے متعلق مناظرے سے صرف نظر کرنا چاہتے تھے، میں نے انکار کیا اور اس پر مصر رہا، انہیں بہت بری شکست ہوئی، اور وہاں حاضرین نے جان لیا کہ وہ لوگ باطل پر ہیں۔

ان کے اور بھی بہت سے باطل عقائد ہیں، جن میں انہوں نے یقینی طور پر اجماع امت کی مخالفت کی ہے، ان میں سے ان کا جسمانی طور پر دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کی نفی کرنا، جنت وجہنم روح کے لیے ہے جسم کے لیے نہیں، کفار کو جو عذاب ہوگا وہ مسلسل نہیں ہوگا، وہ جنوں کے وجود کا انکار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں جن جنوں کا ذکر ہوا ہے وہ انسانوں کی ایک جماعت ہے! قرآن کی جو نصوص ان کے عقائد کے خلاف ہوں وہ ان کی باطنیہ اور قرامطہ کی تاویل کے طرز پر منکر تاویل کرتے ہیں، اسی لیے انگریز مسلمانوں کے خلاف اس کی تائید و مدد کرتا تھا، وہ (مرزا) کہا کرتا تھا: مسلمانوں پر انگریز کے خلاف لڑنا حرام ہے۔ یہ اس کے دیگر بہتانوں اور گمراہیوں میں سے ہے۔ میں نے اس پر رد اور اس کے ارتداد کی وضاحت کے لیے بہت سی کتابیں لکھی ہیں، جو ان کی حقیقت جاننا چاہے وہ ان کا مطالعہ کرے۔

۲:......مرزا غلام احمد قادیانی دجال ہے:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے طحاوی رحمہ اللہ کے "عقيدة طحاوية" فقرہ (۳۱) ص (۳۹) میں قول:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا ہر دعوی سرکشی اور گمراہی ہے۔'' پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

میں (شیخ البانی) نے کہا: نبی ﷺ نے بہت سی احادیث میں اپنی امت کی خیر خواہی کے لیے اور انہیں بچانے کے لیے بتایا کہ ان کے بعد بہت سے دجال ہوں گے، ان میں سے بعض میں فرمایا، ''وہ سب کہیں گے کہ وہ نبی ہے، جبکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔'' (صحیح مسلم وغیرہ)

ان دجالوں میں سے ''مرزا غلام احمد قادیانی'' ہے، جس نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور اس کے پیروکار ہندوستان، جرمنی، انگلینڈ اور امریکہ میں پھیلے ہوئے ہیں، وہاں ان کی مساجد [1] ہیں، جن کے ذریعے وہ مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں، ان میں سے کچھ افراد شام میں تھے، اللہ نے ان کی بیخ کنی کر دی، اور ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دی، ان کے بہت سے عقائد ہیں، جو ان کے اس عقیدے، کہ آپ ﷺ کے بعد نبوت ختم نہیں ہوئی، کے علاوہ ہیں، ان میں ابن عربی صوفی ان سے آگے ہے، [2] اس بارے میں ان کے لیے ایک رسالہ ہے جس میں انہوں نے اپنے مذکورہ اعتقاد کی تائید میں اس کے اقوال جمع کیے ہیں مشائخ اس پر رد نہ کر سکے! کیونکہ وہ اس میں سے ہے جسے ابن عربی نے ان کے جزم کے ساتھ ان کی تکفیر کے متعلق کہا ہے......

ہمارے شیخ نے ''الصحیحۃ'' (٤/ ٦٥٥) میں حدیث رقم [3] (١٩٩٩) کے تحت نبوت کے مدعی اور قادیانیت کے کذب و دجل کے متعلق تاکیداً بیان کیا ہے:

اور اس حدیث میں قادیانیت اور ان سے پہلے ابن عربی پر صریح رد ہے، جو کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے بعد نبوت کا سلسلہ جاری ہے، ان کا نام نہاد نبی مرزا غلام احمد قادیانی کذاب ہے، اور وہ ان دجالوں میں سے ہے۔

٣:......مرزا غلام احمد کا دعوائے نبوت:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''الضعیفۃ'' (١/ ١٧٦) میں حدیث رقم (٧٧) ''لا مهدی الا عیسی'' [4] عیسیٰ (علیہ السلام) کے علاوہ کوئی مہدی نہیں۔'' کے تحت بیان کیا:

حافظ نے ''الفتح'' (٦/ ٣٨٥) میں اس حدیث کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے اس لیے کہ وہ احادیث مہدی کے خلاف ہے۔

یہ وہ حدیث ہے جس کو قادیانی ٹولہ اپنے نام نہاد نبی مرزا غلام احمد قادیانی، جس نے نبوت کا دعویٰ کیا، کے

---

[1] پاکستان میں وہ اپنی عبادت گاہ کو مسجد نہیں کہہ سکتے، کیونکہ پاکستان کے آئین کے مطابق وہ غیر مسلم ہیں۔ (شہباز حسن)

[2] دیکھیے عنوان: قادیانیت اور ابن عربی صوفی۔

[3] اور وہ حدیث یہ ہے: ''میری امت میں کذاب اور دجال ہوں گے، وہ ستائیس ہیں، ان میں سے چار عورتیں ہیں، اور یہ کہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

[4] ہمارے شیخ نے اس پر منکر کا حکم لگایا ہے۔

لیے غلط استعمال کرتے ہیں، پھر اس نے دعویٰ کیا کہ وہی عیسیٰ بن مریم ہے جس کے آخری زمانے میں نزول کی خوشخبری دی گئی ہے، اور یہ کہ عیسیٰ کے علاوہ کوئی مہدی نہیں، اور اس نے یہ دعوی اسی منکر روایت کی بنا پر کیا ہے، اس کا یہ دعوے بہت سے کم عقلوں پر امید افزا رہا ہے، ہر باطل کی حالت ہے کہ اسے بنانے والا اور اس کی طرف دعوت دینے والا خالی نہیں رہتا (کوئی نہ کوئی اس کی دعوت قبول کر لیتا ہے) ان گمراہوں کے رد پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں سے الاستاذ الفاضل المجاہد ابوالاعلی مودودی رحمہ اللہ کا رسالہ بہترین ہے جو اس پر رد کے موضوع پر ہے، انہی کی ایک اور کتاب ہے جو بعد میں شائع ہوئی اس کا نام ''البیانات'' ہے، انہوں نے ان دونوں میں قادیانیوں کی حقیقت واضح کی ہے، کہ وہ شک سے بالاتر دلائل کی وجہ سے مسلمانوں کے دین سے الگ ہوگئے، جو چاہے ان دونوں کتابوں کا مطالعہ کرے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۳/ ۳۸۸) میں حدیث رقم (۲۲۰)

''بے شک ان (یعنی ابراہیم بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے جنت میں ایک دودھ پلانے والی ہے، اگر وہ زندہ رہتے تو سچے نبی ہوتے.....'' [1] کے تحت بیان کیا:

اور یہ روایات، اگرچہ موقوف ہیں، ان کا رفع کا حکم ہے، وہ امور غیبیہ میں سے ہیں، ان میں رائے کو کوئی عمل دخل نہیں، جب آپ نے اسے پہچان لیا، تو آپ پر قادیانیت کی اس جملے: ''اگر ابراہیم زندہ رہتے، تو نبی ہوتے'' سے دلیل لینے کے بارے میں گمراہی واضح ہو جائے گی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کے جاری رہنے کے بارے میں ان کا دعوی باطل ہے۔ کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح صحیح ثابت نہیں......

۴:......قادیانیت اور بقائے نبوت:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱/ ۶۷۹-۶۸۰) میں حدیث رقم: "عُلَمَاءُ أُمَّتِيْ كَأَنْبِيَاءِ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ" [2] ''میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔'' کے تحت بیان کیا:

اس سے گمراہ قادیانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کے بقاء پر استدلال کرتے ہیں۔ اگر یہ صحیح بھی ہو تو وہ ان کے خلاف حجت ہے، جیسا کہ تھوڑے سے تامل سے ظاہر ہو جائے گا۔

ہمارے شیخ نے "الضعیفة" (۶/ ۵۲-۵۳) میں حدیث رقم (۲۵۴۹): ''جب قاضی اپنی جگہ بیٹھتا ہے، دو فرشتے اس پر نازل ہوتے ہیں اور جب تک وہ ظلم نہ کرے وہ اس کو سیدھے راستے پر چلاتے ہیں۔ بھلائی کا الہام کرتے ہیں اور اس کی راہنمائی کرتے ہیں، جب وہ ظلم کرتا ہے تو وہ تنگ ہو کر اسے چھوڑ دیتے ہیں۔'' کے تحت

---

[1] اس کی تخریج اس کی جگہ پر دیکھیں اور جملہ: ''اگر وہ زندہ رہتے، تو سچے نبی ہوتے۔'' موقوف ہے جیسا کہ اس کی تخریج میں ہے۔

[2] علماء کا اتفاق ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں جیسا کہ ہمارے شیخ نے فرمایا۔

بیان کیا:

''میں نے کہا: وہ ان بہت سی باطل روایات میں سے ہے جس سے قادیانیوں کا گمراہ ٹولہ اپنے مذہب و موقف کے لیے دلیل لیتا ہے جس میں وہ کتاب وسنت اور اجماع امت کی مخالفت کرتے ہیں! سن لو ان کا یہ کہنا ہے کہ نبوت و وحی اور فرشتوں کا نزول خاتم الانبیاء محمد ﷺ کے بعد بھی باقی ہے، حالانکہ یہ حدیث اس بارے میں صریح نہیں، پس وہ اس سے استدلال کرتے ہیں، اپنے علم کے باوجود کہ یہ اس کذاب کی روایت سے ہے، کیونکہ علم حدیث اور اس کے قواعد ایسی چیزیں ہیں جس طرف یہ دیکھتے نہیں، اور یہ تمام گمراہوں کی حالت ہے، پس ہر حدیث جو ان کے مذہب اور ان کی خواہشات اور گمراہیوں کے موافق ہو وہ ان کے نزدیک صحیح ہے، خواہ اسے روایت کرنے والا مسیلمہ کذاب ہو!''

اور ہمارے شیخ نے ''الصحیحة'' (۱/ ۸٤٥) میں حدیث رقم (۴۷۳) ''......میرے بعد نبوت باقی نہیں، اچھے خواب ہی باقی رہ جائیں گے۔'' کے تحت بیان کیا:

یہ حدیث اس بارے میں نص ہے کہ نبی ﷺ کے بعد اچھے خوابوں کے علاوہ کوئی نبوت ہے نہ کوئی وحی، اور وہ (اچھے خواب) نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہیں۔

وہ جماعت گمراہ ہوگئی جس نے کہا کہ آپ ﷺ کے بعد نبوت باقی ہے اور جاری وساری ہے، اور انہوں نے اس حدیث کے معنی کی اور اس باب میں اس طرح کی احادیث کی تاویل کی۔ بلکہ انہوں نے انہیں معطل جانا۔ اور اسی طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ [الاحزاب: ٤٠] ''ولیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔'' کے معنی میں ردو بدل کر دیا جیسا کہ انہوں نے کہا، یعنی: انبیاء کی زینت! کبھی وہ کہتے ہیں: وہ شریعت دینے والے انبیاء میں سے آخری نبی ہیں! اور وہ غیر تشریعی نبوت کے باقی رہنے کے قائل ہیں!

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب: ''قصة المسيح الدجال'' کے مقدمے (ص۲۳) میں بیان کیا:

قادیانیوں کی طرح جو اپنے زعم میں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ (الاحزاب: ٤٠) پر ایمان رکھتے ہیں پھر وہ نبوت کے بقاء اور آپ ﷺ کے بعد بہت سے انبیاء کے آنے کے متعلق بھی کہتے ہیں۔ ان میں سے مرزا غلام احمد قادیانی ہے! اور جب تم ان سے اس آیت کے متعلق سوال کرو گے! تو وہ تمہیں طبعاً یہی جواب دیں گے کہ وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اس کا وہ معنی نہیں جو پہلے مسلمانوں نے سمجھا ہے! بلکہ معنی ہے: ''خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ'' یعنی ان (انبیاء) کی زینت! جس طرح انگوٹھی انگلی کی زینت ہوتی ہے! تو کیا ان کا اس پر ایمان لانا اللہ کے ہاں انہیں کچھ فائدہ پہنچائے گا اس کے بعد کہ انہوں نے اس (آیت) کی

تفسیر اس طرح کی جو کہ حق کے خلاف ہے؟!

۵:......قادیانیت اور ابن عربی دھوکے باز صوفی:

ہمارے شیخ نے "الصحیحة" (۱/ ۸٤٦) حدیث رقم (۴۷۳) کے تحت بیان کیا:

افسوس ہے کہ ان میں سے ایک شیخ محی الدین بن عربی (دھوکے باز) کی کتاب "الفتوحات المکیة" سے ایک کتابچے میں ایسے کلمات ظاہر کرتا تھا جو اس نام نہاد نبوت کے بقاء پر دلالت کرتے ہیں، اس نے انہیں لوگوں میں نشر کیا، پھر کوئی شیخ ان پر رد نہ کرسکا، جبکہ اس سے پہلے انہوں نے ان پر رد میں بعض رسائل تالیف کیے تھے، لیکن انہوں نے اس کتابچے پر رد نہ کیا، اس لیے کہ اس رسالے کے مرتب کرنے والے کا مکر ہے کہ اس نے اس میں اپنی طرف سے کوئی چیز نہیں لکھی تھی، اس کے سوا کہ اس نے اس میں شیخ کے کلمات ذکر کیے جو ان کے زعم مذکور میں ان کی گمراہیوں کی تائید کرتے تھے، اگر وہ اس پر رد کرتے! تو وہ شیخ اکبر کا رد ہوتا، اس لیے ان میں سے کسی کو اس کے خلاف جرأت نہ ہوئی! یہ اس وقت ہے کہ جب وہ اسے بے دینی خیال نہ کریں،! تو گویا کہ وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ باطل صرف شخصیت کے اعتبار سے ہے، جب ایسا شخص نبی بن بیٹھا جس کے متعلق وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ کافر ہے؟ تو وہ باطل ہے، اور جب اس شخص نے دعویٰ کیا جس کے متعلق وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ مسلمان ہے۔ بلکہ وہ ولی ہے۔ تو وہ حق ہے!! واللہ المستعان.

٦:......ان کا دوسروں کو دعوت دینے کا طریقہ:

ہمارے شیخ نے "التعلیق علی الطحاویة" (ص۴۰) میں بیان کیا:

ان کی سب سے نمایاں علامت یہ ہے کہ جس وقت وہ اپنی دعوت کے متعلق بات شروع کرتے ہیں، تو وہ سب سے پہلے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے اثبات سے آغاز کرتے ہیں، جب وہ اپنے زعم کے مطابق اسے ثابت کر دیتے ہیں تو وہ دوسرے مرحلے کی طرف منتقل ہوتے ہیں، وہ ہے: عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزول کے متعلق وارد احادیث، وہ ان پر ایمان ظاہر کرتے ہیں، پھر وہ جلد ہی ان کی تاویل کرتے ہیں، وہ تاویل کرتے رہتے ہیں حتی کہ وہ اپنے زعم میں ان کی موت کو ثابت کر دیتے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک عیسیٰ جیسے کے نزول سے مقصود غلام احمد قادیانی ہے!

وہ اس طرح کی بہت زیادہ تاویلات کرتے ہیں، جس سے ہم قطعی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ وہ ملحد باطنیوں کا ایک ٹولہ ہے۔

٧:......قادیانیت اور جنوں پر ایمان: [1]

ہمارے شیخ نے "التعلیق علی الطحاویة" (ص۴۰) میں بیان کیا:

---

[1] اس کتاب میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

قادیانیت کی گمراہیوں میں سے ان کا جنوں کے متعلق انسانوں کے علاوہ مخلوق کے طور پر انکار کرنا ہے، اور وہ ان تمام آیات واحادیث کی تاویل کرتے ہیں جو جنوں کے وجود اور ان کی تخلیق میں انسانوں سے الگ ہونے پر صراحت کرتی ہیں، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ (جنّ) بذات خود انسان ہی ہیں، یا وہ ان میں سے ایک گروہ ہیں، حتی کہ وہ ابلیس (شیطان) کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ شریر انسان ہی ہے! کس چیز نے انہیں گمراہ کر دیا!

۸:......قادیانیت اور کفار کے عذاب کی انتہاء:

ہمارے شیخ نے "الضعیفة" (۲/ ۷۳) میں حدیث رقم (۶۰۷) [1] کے تحت بیان کیا:

جان لیجیے کہ ان گمراہوں کے دم چھلوں میں قادیانی ٹولہ بھی شامل ہے جو کہتے ہیں کہ کافروں کا عذاب ختم ہو جائے گا، بلکہ انہوں نے اپنے گمراہ ساتھیوں کی بات میں اضافہ نقل کیا ہے، انہوں نے کہا کہ کافر جنت میں جائیں گے! ان کے دجال اکبر کے بیٹے محمود بشیر بن غلام احمد نے کتاب "الدعوة الاحمدية" میں اس پر نص قائم کی ہے، جو اس بات کی تائید چاہتا ہے وہ اس کا مطالعہ کرے۔

ہمارے شیخ نے "الضعیفة" (۲/ ۷٤) میں بیان کیا:

مجھے یہ بیان کرتے ہوئے افسوس ہو رہا ہے کہ قادیانیوں نے اپنی ان گمراہیوں میں، جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اپنے لیے ان چیزوں میں سہارا ڈھونڈا ہے جنہیں اہل السنہ کے ہمارے ائمہ نے بعض کتب میں ذکر کیا ہے۔

۹:......قادیانیت اور قرآن وسنت سے ثابت شرعی حقائق کی تاویل:

ہمارے شیخ نے "مختصر العلو" (ص۳۲) میں بیان کیا:

ان کی طرح [2] آج قادیانی ٹولہ ہے جنہوں نے تاویل کے ذریعے بہت سے ایسے شرعی حقائق کا انکار کیا جو امت کے درمیان کوئی اختلافی نہیں بلکہ ان پر اتفاق ہے جیسا کہ انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ کے بعد نبوت باقی ہے، اس بارے میں وہ اپنے نبی مرزا غلام احمد! اور اس سے پہلے "الفتوحات المكية" میں ابن عربی کے نقش قدم پر چلے ہیں، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ (الاحزاب: ٤٠) کی تاویل کی کہ اس کا معنی ہے انبیاء کی زینت نہ کہ ان کے آخری! اور آپ ﷺ کے فرمان: "لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ" "میرے بعد کوئی نبی نہیں" کی یہ تاویل کی: یعنی: میرے ساتھ!

اور انہوں نے جنوں کے وجود کا انکار کیا حالانکہ قرآن کریم میں ان کا ذکر بار بار ہوا ہے، اور سنت میں بھی ان کی متنوع صفات بیان ہوئی ہیں، اور انہوں نے کہا کہ وہ (جنّ) انسانوں کا ایک گروہ ہے! اس کے علاوہ بھی ان کی

---

[1] وہ حدیث یہ ہے: ''جہنم پر ایک دن ایسا آئے گا گویا کہ وہ سوکھی ہوئی کھیتی ہے...... ہمارے شیخ نے فرمایا: یہ باطل ہے۔

[2] تاویل میں اشعریہ اور معتزلہ کی طرح۔

گمراہیاں ہیں۔

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنے رسالے "صفة صلاة النبی ﷺ لصلاة الكسوف" (ص۱۱۴۔۱۱۶) میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث، جو سورج گرہن سے متعلق حدیث کا ایک حصہ ہے: ''پھر مجھے خیال آیا کہ میں نہ کروں، اور اگر میں اسے لے لیتا، تو تم رہتی دنیا تک اس میں سے کھاتے۔'' کی تشریح کرتے ہوئے بیان کیا:

یہ ان بہت سے دلائل میں سے ہے جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ جنت مخلوق ہے، اور یہ کہ اس کی نعمتیں مادی ہیں، جنت میں کھانا پینا ہے، نہریں، درخت اور من پسند میوے ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں بہت سی آیات میں اس کے متعلق صراحت ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا وَ لَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ [البقرة: ۲۵]

''ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے بشارت دو کہ ان کے لیے ایسی جنتیں ہوں گی جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ اور جب انہیں ان میں سے کوئی میوہ کھانے کو دیا جائے گا تو وہ کہیں گے: یہ تو پہلے بھی ہم کھا چکے ہیں، اور ان کو (دنیا کے پھلوں سے) ملتے جلتے پھل دیے جائیں گے، اور ان میں ان کے لیے پاک بیویاں ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''

قادیانیت کی گمراہیوں میں سے ان کا ان حقائق شرعیہ کا انکار ہے، وہ جنت پر ایمان نہیں رکھتے جس کا قرآن اور احادیث نبویہ میں ذکر کیا گیا ہے جیسے یہ حدیث ہے! ان کے نبی غلام احمد قادیانی نے "الخطاب الجليل" (ص۱۱۳) میں جو کہا ہے وہ ملاحظہ کیجیے:

''اور اس بات پر اجماع ہے کہ فرقان حمید کی تعلیم کے اعتبار سے جنت اور جہنم دونوں کوئی جدید جسمانی چیز نہیں جو خارج سے آئے، وہ دونوں حقیقت میں انسانی زندگی کے آثار اور اس کا سایہ ہیں، ٹھیک ہے، حق ہے کہ ان دونوں کو جسم دیا جائے گا، لیکن وہ نفس امر میں نہیں ہوگی مگر روحانی حالات کے آثار اور ان کے نشانات ہرگز نہیں، ہم جنت کے متعلق یہ نہیں کہتے کہ وہ ایک ایسی زمین ہے جس میں بہت گھنے درخت جسمانی طور پر اگائے گئے ہیں۔ اور نہ ہم جہنم کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ گندھک کے پتھر اس کا حقیقی طور پر ایندھن ہیں، بلکہ جنت و جہنم...... اسلامی عقیدے کے مطابق...... ان اعمال کے پرتو ہیں جنہیں انسان آج دنیا کی زندگی میں کرتا ہے۔''

اس کا نتیجہ: آخرت کے گھر کا انکار اور اس میں جنت اور جہنم دو حقیقتیں ہیں ان کا انکار، اسی لیے آپ اسے دیکھتے ہیں کہ وہ آیات کے معانی کی صریح طور پر تاویل کرتا ہے۔ بلکہ تحریف و تعطیل کرتا ہے، اس بارے میں

وہ کتاب مذکور کے ص(۱۱۸) پر بیان کرتا ہے:

''اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا﴾ [الدھر: ۵] ''وہ جام پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی۔'' یہ کہ حقیقی نیک لوگ ایسی شراب پئیں گے جو ان کے نفوس سے دنیا کی زندگی کے غموں کی سکون پہنچادے گی، حسرتوں کی تلخی ختم کردے گی اور ان کے دلوں سے خبیث شہوات کو دور کردے گی......

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا﴾ [الدھر: ۶] کہ وہ قیامت کے دن اس چشمے سے پئیں گے جسے وہ آج اپنے ہاتھوں سے کھود رہے ہیں، یہاں جنت کی حقیقت کے اسرار میں سے ایک نا قابل فہم راز ہے! پس جو چاہے سمجھ لے!''

اور اس نے (ص ۱۷۳) کہا: اس آیت: ﴿اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۠ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا﴾ (الدھر: ۴) ''ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں، طوق اور بڑھکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو حق کا انکار کرتے ہیں، اور نہ دل سے اللہ کو تلاش نہیں کرتے، اللہ انہیں فعل کی سبک دوشی کے ذریعے آزماتا ہے، پس وہ دنیا کی زندگی کے شدید غموں اور اس کی مشکلات کے حوالے سے سخت مصیبت میں گرفتار ہوجاتے ہیں! حتی کہ وہ اس طرح ہو جاتے ہیں گویا کہ وہ زنجیروں میں جکڑ دیے گئے ہیں، اور وہ دنیوی مصروفیات میں غرق ہو جاتے ہیں، گویا کہ ان کی گردنیں طوقوں کے ساتھ باندھ دی گئی ہیں......'' اور وہ ہر اس چیز کی جو آخرت کے حقائق سے متعلق ہو اس کے انکار کے طرز پر تفسیر کرتے ہیں، اور وہ قرامطہ باطنیہ اور اسلام کے لیے فریب کاری کرنے والے غالی صوفیوں کا طریقہ ہے! لیکن اللہ ان کی گھات میں ہے......!

ہمارے شیخ نے "مجلة الاصالة" شمارہ (۲۷) (ص ۷۷۔۷۸) ۱۴۲۱ھ میں بیان کیا:

آج سب سے زیادہ گمراہ فرقہ جو اسلام کی طرف نسبت کرتا ہے پانچوں نمازیں پڑھتا ہے اور بیت اللہ کا حج کرتا ہے وہ قادیانیت ہے، [1] اس کے باوجود وہ حقائق اسلام کا تاویل اور مسلمانوں کے حتی کہ خلف کے عمل کو چھوڑ کر انکار کرتے ہیں، کیونکہ تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، یہ کس طرح کے لوگ آ گئے کہ وہ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: نبی آیا ہے اس کا نام مرزا غلام احمد قادیانی ہے، اور اس کے بعد بھی بہت سے انبیاء آئیں گے، اس کے شاگردوں میں سے ایک آیا اور اس نے اس فکر کو پھیلانے کی کوشش کی، اور الحمد للہ مشائخ کبھی تو کوڑے لے کر، کبھی بلند آواز کے ساتھ اور کبھی کلام کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے، اور الحمد للہ ہم ان کے شر سے بچ گئے، میں ان کے ساتھ بحث و مباحثہ میں بہت زیادہ شرکت کرتا رہا ہوں۔

---

[1] قادیانیوں کے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے اب وہ حج نہیں کر سکتے۔ ان میں اکثر کی حالت یہ ہے کہ وہ بیت اللہ کا حج کرنا بھی نہیں چاہتے۔ ان میں سے جو لوگ حج کرنے چلے جاتے ہیں وہ اپنی قادیانیت کو ظاہر نہیں کرتے۔ (شہباز حسن)

وہ لوگ کس طرح گمراہ ہوئے؟ اس کی گواہی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "لا نَبِیَّ بَعْدِیْ ......" "میرے بعد کوئی نبی نہیں۔" جانتے ہو'میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا' کا معنی کیا ہے؟ انہوں نے کہا: میرے ساتھ کوئی نبی نہیں، لیکن جب میں فوت ہو جاؤں گا تو نبی آ جائے گا، پس انہوں نے نص کی تاویل کی، اور انہوں نے کہا: لیکن رسول اللہ "خاتم النّبین" ہیں

خاتم النّبیین کا کیا معنی ہے؟ انبیاء کی زینت، پس "خاتم" کا معنی ہے: انگلی کی زینت، پس رسول انبیاء کی زینت ہیں، اس کا معنی یہ نہیں کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا! نہیں، تو کیا سارے مسلمان ان نصوص کو سمجھنے میں غلطی پر تھے۔

۱۰:...... قادیانیت اور حدیث: "جو اپنے زمانے کے امام کی معرفت حاصل کیے بغیر فوت ہو جائے! وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے" ❶:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱/ ۵۲۵) میں حدیث رقم (۳۵۰) کے تحت بیان کیا:

میں نے اس روایت کو شیعہ کی بعض کتب میں دیکھا ہے، پھر قادیانیوں کی بعض کتب میں، وہ اس سے نبوت کا دعویٰ کرنے والے اپنے دجال مرزا غلام احمد پر وجوب ایمان پر استدلال کرتے ہیں، اگر وہ حدیث صحیح ہے، تو اس میں ان کے زعم کی طرف معمولی سا بھی اشارہ نہیں، اس میں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ایک امام بنائیں اور وہ اس کی بیعت کریں، اور یہ حق ہے، جیسا کہ صحیح مسلم ❷ وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے:

۱۱:...... قادیانیوں کی تاویل کہ دجال خرافات، دجل اور قبائح کی رمز (اشارہ، علامت) ہے:

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "قصة مسیح الدجال" کے مقدمے (ص ۱۰۔۱۱) میں بیان کیا:

اور عجیب ہے کہ یہ تاویل سب سے پہلے نبوت کا دعویٰ کرنے والے مرزا غلام احمد قادیانی ہندوستانی نے کی ہے، اور اس نے اس کا اپنی کتب اور رسائل میں تکرار کیا ہے، اور اس کی یہ تاویل بہت سی آیات قرآنی کی اس کی تاویل کے بہت مشابہ ہے، وہ ان میں تحریف کرتا ہے اور ان سے اپنی نبوت پر استدلال کرتا ہے، جیسا کہ اس کی عیسیٰ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تاویل ہے: ﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ﴾ (الصف: ٦) "اور ایک رسول کی خوش خبری دینے والا، وہ میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہوگا۔" اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان (احمد) سے مراد وہ خود ہے!

---

❶ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں جیسا کہ ہمارے شیخ نے الضعیفة میں بیان کیا۔

❷ حدیث یہ ہے: جس نے اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا، وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے حق میں کوئی حجت نہ ہوگی، اور جس نے اس حال میں وفات پائی کہ اس کی گردن میں بیعت نہ ہو، تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔"

وہ اس طرح کی بہت زیادہ تاویل کرتا ہے، نامعقولیت کی حد میں، جیسا کہ سید رشید نے اس پررد کے سلسلے میں اپنی تفسیر (۵۸/۶) کی دوسری جگہ پر خود بیان کیا:

''اس نے اپنی دعوت پر قرآن سے وہمی دلائل کے استنباط میں ایران کے شیعہ کا طریقہ اپنایا ہے جنہوں نے مہدی ہونے کا دعوی کیا جیسے بہاء اور باب، حتی کہ اس نے اسے سورۃ الفاتحہ سے استنباط کیا ہے! اور اس کی اس (سورۂ فاتحہ) کی تفسیر میں ایک کتاب ہے جو انتہائی نامعقول ہے۔ وہ دعوی کرتا ہے کہ وہ اس کا ایک معجزہ ہے!! اس نے اسے اپنے ظہور کے لیے خوشخبری قرار دیا ہے، کہ وہ اس امت کا مسیح ہے!''

۱۲:......تفسیر میں قادیانیت کی بدعات:

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (النساء: ۵۹) میں ''منکم'' (تم میں سے) کی تفسیر ''فیکم'' (تم میں) سے کرنا قادیانی بدعت ہے، اور انگریز کی چال بازی ہے۔

علامہ البانی نے طحاوی کے قول: ''ہم ان کی اطاعت کو اللہ عزوجل کی اطاعت سے فرض سمجھتے ہیں......'' (فقرہ ۷۲) (ص ۷۰) پر تبصرہ کرتے ہوئے بیان کیا:

میں نے کہا: یہ واضح ہے کہ یہ ان میں سے مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے! جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (النساء: ۵۹) رہے استعماری کافر تو ان کی کوئی اطاعت نہیں، بلکہ انہیں (مقبوضہ علاقوں سے) بھگانے اور ان کی نجاست سے ملکوں کو پاک کرنے کے لیے مکمل مادی اور معنوی تیاری واجب ہے۔

رہی اللہ تعالیٰ کے فرمان ''مِنْكُمْ'' کی تاویل، یعنی فیکم! تو یہ قادیانی بدعت اور انگریز کی چال بازی ہے، تاکہ وہ مسلمانوں کو گمراہ کریں، اور وہ انہیں استعماری کافروں کی اطاعت پر آمادہ کریں، اللہ ان تمام (کے نجس وجود) سے مسلمانوں کے علاقوں کو پاک صاف کر دے۔ (آمین)

۷:......اہل قرآن

امام ابوخطاب ابن دحیہ نے اپنی کتاب ''أداء ما وجب من بیان وضع الوضاعین فی رجب'' (ص۱۱۹۔۱۲۰) میں بیان کیا جو کہ درج ذیل ہے:

تمام ممالک کے اہل الحدیث (محدثین) اور اہل فقہ کے اہل علم کا معتبر خبر واحد کو قبول کرنے پر اجماع ہے، اس سے دلیل لینا واجب ہے اور اس پر عمل کرنا لازم ہے جبکہ وہ ثابت ہو جائے اور اس کے علاوہ کسی صحیح حدیث یا اجماع نے اسے منسوخ نہ کیا ہو، اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک ہر دور میں تمام علماء کا یہی موقف رہا ہے سوائے ان بدعتیوں کے جنہوں نے اس سے اختلاف کیا، ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "أداء ما وجب......" کے حاشیے (ص ۱۱۹) میں ابن دحیہ کے کلام کے آخری جملے:
"سوائے ان بدعتیوں کے جنہوں نے اس سے اختلاف کیا جن کی کوئی اہمیت نہیں" پر درج ذیل تبصرہ کیا:

ان میں سے دور حاضر کے وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں، جبکہ قرآن ان سے بری ولاتعلق ہے، وہ اصلاً حدیث کے ذریعے دینی مسائل اخذ کرتے ہیں نہ اس کے ساتھ قرآن کی تفسیر کرتے ہیں، اور وہ اس (حدیث) سے وہی کچھ لیتے ہیں جو ان کی خواہشات کے موافق ہوتا ہے اور ان کی تفسیر علم کے بغیر ہوتی ہے، میں حلب میں ان میں سے ایک کے ساتھ کئی سالوں سے مل چکا ہوں، میں نے اس سے مطالبہ کیا کہ وہ دو رکعتیں پڑھے، اس نے ایک رکعت پڑھی، کوئی مسلمان اسے نہیں پڑھتا، وہ ایک نئی نماز ہے جو قرآن میں نہیں چہ جائیکہ سنت میں ہو جس کا انہوں نے انکار کیا جبکہ ان کے دلوں نے اس کا یقین کیا!

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنے قیمتی رسالے "وجوب الاخذ بحديث الآحاد" (ص۳۲) میں ان وجوہ کے متعلق اپنی گفتگو کے دوران بیان کیا جو اس شخص کے رد میں ہیں جس کا زعم ہے کہ عقیدہ صرف قطعی دلیل سے ثابت ہوتا ہے۔ اور وہ (قطعی دلیل) آیت ہے یا متواتر حدیث جو حقیقی تواتر سے مروی ہو:

انیسویں وجہ: اس قول باطل کے لوازم میں سے ہے کہ عقیدے میں صرف اسی پر اکتفا کیا جائے جو صرف قرآن میں بیان ہوا ہے، اور حدیث کو اس سے الگ رکھا جائے، اور اس (حدیث) میں عقائد اور امور غیبیہ کے متعلق جو بیان ہوا ہے اسے اہمیت نہ دی جائے، اور یہ دور حاضر کے اس گروہ کے مطابق ہے، جو اہل قرآن کے نام سے معروف ہیں! کیونکہ وہ مطلق طور پر حدیث سے دینی مسائل اخذ نہیں کرتے مگر اس میں سے وہ جو قرآن کے موافق ہو، اسی لیے ان کی نماز ہماری نماز سے الگ ہے، [1] ان کی زکوۃ ہماری زکوۃ کی طرح نہیں، اور ان کی ہر عبادت ہماری عبادت کی طرح نہیں، نتیجہ کے طور پر ان کے عقائد ہمارے عقائد سے مختلف ہیں، اور یہ طبعاً اس کے برابر ہے کہ وہ مسلمان نہیں، یہ لوگ وہ ہیں جن کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اشارہ فرمایا جو کہ آپ سے صحیح ثابت ہے: "سن لو! مجھے کتاب اور اس کے مثل ایک اور چیز دی گئی ہے، سن لو! ہوسکتا ہے کہ کوئی شکم سیر آدمی اپنے تخت پر یوں کہے: تم پر قرآن لازم ہے، تم حلال میں سے جو اس میں پاؤ اسے حلال جانو، اور تم حرام میں سے جو اس میں پاؤ اسے حرام جانو...... (ابوداود: ۵۰۵/۲)

میں کہتا ہوں جو لوگ یہ قول باطل [2] بناتے ہیں وہ ان گمراہوں سے ان گمراہوں کی بڑی قسم میں شامل ہو

---

[1] میں نے ان میں سے ایک سے مطالبہ کیا کہ وہ ہمیں اپنی نماز پڑھ کر دکھائے، اس نے نماز پڑھی جس پر کوئی دلیل نہیں تھی حتی کہ قرآن بھی اس پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ وہ ایسی دعاؤں اور اذکار کا مرکب تھی جس پر سنت سے بھی کوئی دلیل نہیں تھی۔ (منہ)

[2] عقیدے میں آحاد احادیث سے دلیل نہ لینا۔

جاتے ہیں! اور وہ ہے عقیدے سے متعلق امور میں صرف قرآن پر اکتفا کرنا۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "حجة النبی ﷺ" (ص ۵۴۔۵۵) میں جابر کی روایت فقرہ (۱۴) پر تشریح کرتے ہوئے بیان کیا: اور روایت یہ ہے: ''......رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان تھے اور آپ پر قرآن نازل ہوتا تھا، آپ اس کی تفسیر جانتے تھے، آپ نے جس پر عمل کیا ہم نے بھی اس پر عمل کیا!''

اس میں اس طرف لطیف اشارہ ہے کہ نبی ﷺ پر جو قرآن نازل ہوتا تھا اسے آپ ہی صحابہ کو بیان فرماتے تھے، کیونکہ آپ اکیلے ہی تھے جو اس کی حق معرفت کے طور پر تفسیر جانتے تھے، جبکہ آپ کے علاوہ...... حتی کہ صحابہ میں سے...... کوئی شخص آپ ﷺ کی وضاحت سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، اسی لیے صحابہ رضی اللہ عنہم ۔ دیگر عبادات کی طرح...... اس حج میں بھی آپ کے نقش قدم پر چلتے تھے، جس پر آپ نے عمل کیا انہوں نے بھی اس پر عمل کیا، تو اس میں لوگوں ۔ کے دونوں گروہوں پر واضح رد ہے۔ ❶

ایک گروہ اپنے آپ کو 'اہل قرآن' کہتا ہے، جبکہ قرآن ان سے بری ہے، وہ کہتے ہیں کہ قرآن سمجھنے کے لیے انہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کی کوئی ضرورت نہیں، اور اس میں عربی لغت اور اس کے آداب کی معرفت کافی ہے، حالانکہ یہ چیز (عربی لغت کی معرفت) جابر کو کافی ہوئی نہ ان کے ساتھیوں کو جیسا کہ مجھے معلوم ہے، جبکہ وہ خالص عرب تھے، قرآن ان کی زبان میں نازل ہوا، جبکہ یہ گروہ سارے کا سارا یا ان میں سے زیادہ تر عجمی ہیں، ان کے زعم مذکور کا نتیجہ ہے کہ وہ اسلام سے نکل گئے اور وہ ایک نیا دین لے آئے، ان کی نماز ہماری نماز کے علاوہ، ان کا حج ہمارے حج سے الگ، ان کا روزہ وہ نہیں جو ہمارا روزہ ہے، میں نہیں جانتا، ہوسکتا ہے ان کی توحید بھی ہماری توحید سے مختلف ہو، یہ لوگ ہندوستان میں ظاہر ہوئے، پھر ان کا فتنہ مصر اور شام تک پہنچ گیا، میں نے ''الدین'' کے نام سے ان کی ایک کتاب پڑھی تھی، اس پر اس کے مؤلف کا نام نہیں، جو اسے پڑھے گا وہ ان کی گمراہیوں اور ان کے دین سے خروج کے متعلق جان لے گا۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنے رسالے، "منزلة السنة في الاسلام" (ص ۱۰۔۱۱) میں فصل "ضلال المستغنین بالقرآن عن السنة" (قرآن کے ذریعے سنت سے بے نیازی برتنے والوں کی گمراہی) کے تحت بیان کیا:

بلکہ دور حاضر میں ایک گروہ پایا جاتا ہے جو اہل قرآن نام رکھتے ہیں وہ قرآن کی اپنی خواہشات اور اپنی عقل کے ذریعے تفسیر کرتے ہیں، وہ اس پر سنت صحیحہ سے مدد حاصل نہیں کرتے، بلکہ ان کے ہاں سنت ان کی خواہشات کے تابع ہے، پس ان میں سے جو ان سے موافقت رکھے وہ اس سے وابستہ ہو جاتے ہیں، اور ان میں سے جو ان

❶ دوسرا گروہ صوفیوں کا ہے۔ ہماری اس کتاب میں گروہوں اور فرقوں کی بحث دیکھیں۔

سے موافقت نہ رکھے وہ اسے پس پشت ڈال دیتے ہیں، گویا کہ نبی ﷺ نے صحیح حدیث میں اپنے فرمان کے ذریعے ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے:

''میں تم میں سے کسی کو اپنی مسند پر تکیہ لگائے نہ دیکھوں، اس کے پاس میرے امر میں سے امر آئے جس کا میں نے حکم دیا ہو یا میں نے اس سے منع کیا ہو، تو وہ کہے: میں نہیں جانتا! ہم نے اللہ کی کتاب میں جو پایا ہے ہم نے اس کی اتباع کی ہے۔'' (الترمذی)

ایک دوسری روایت میں ہے: ''ہم نے اس میں جس چیز کو حرام پایا ہم نے اسے حرام قرار دیا، سن لو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کی مثل۔''

اور ایک اور روایت میں ہے: ''آگاہ رہو، رسول اللہ نے جو حرام کیا ہے وہ اللہ کے حرام کردہ کے مثل ہے۔''

بلکہ انتہائی افسوس کی بات ہے کہ کسی فاضل مؤلف نے اسلام کی شریعت اور اس کے عقیدے کے بارے میں ایک کتاب لکھی، اس نے اس کے مقدمے میں (بڑے فخر سے) ذکر کیا کہ اس نے اسے تالیف کیا ہے اور اس کے نزدیک مراجع ومصادر میں صرف قرآن ہے!

۸:...... کرّامیہ

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "اداء ما وجب من بیان وضع الوضاعین فی رجب" (ص۶۵۔۶۶) کے حاشیے میں بیان کیا:

الکرّامیۃ، مشہور قراءت کے مطابق راء پر شد ہے! اور وہ بدعتی فرقوں میں سے ایک گروہ ہے، وہ محمد بن کرّام سجستانی کی طرف نسبت کرتے ہیں، وہ مرجۃ میں سے تھا، اس کا قول ہے:

ایمان زبان سے اقرار کرنا ہے، خواہ وہ دلی طور پر کفر کا اعتقاد رکھے تو وہ مومن ہے!

وہ اپنی بدعت کی بنا پر ساقط الحدیث ہے۔ ابن حبان نے بیان کیا: وہ الگ ہوا حتی کہ اس نے سب سے گھٹیا مذہب وطریق اختیار کیا، اور سب سے زیادہ کمزور احادیث کو حاصل کیا۔

❀......کرامیہ کی بدعات:

معبود تعالیٰ کے بارے میں ان کا کہنا: وہ ایک جسم ہے مگر دیگر اجسام کی طرح نہیں، اور یہ کہ وہ ایک جوہر ہے۔

امام محمد بن اسلم الطوسی نے بیان کیا: ''آسمان کی طرف بلند ہونے والی باتوں میں سے تین باتیں بہت زیادہ خبیث ہیں:

اور ان میں سے پہلی: فرعون نے جب کہا: ﴿أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ﴾ [النازعات: ۲۴] ''میں تمہارا اعلیٰ

رب ہوں۔"

دوسری، بشر مریسی کا یہ کہنا: قرآن مخلوق ہے۔

تیسری اور ابن کرام کا کہنا: معرفت ایمان میں سے نہیں۔"

ان میں سے ''ترغیب وترہیب'' کے سلسلے میں ان کا رسول ﷺ پر جھوٹ بولنا مباح و جائز سمجھنا۔ ان میں سے کوئی کہا کرتا تھا: ہم آپ کی خاطر جھوٹ بولتے ہیں، ہم آپ پر جھوٹ نہیں باندھتے! وہ اس سے اس طرف اشارہ کرتا کہ آپ ﷺ نے صرف یہ فرمایا ہے:

((مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ.....' اور آپ نے یہ نہیں فرمایا: ((مَنْ كَذَبَ لِيْ......))

یہ ان کی کمال جہالت، قلتِ عقل اور کثرت فجور وافتراء میں سے ہے! کیونکہ آپ ﷺ اپنی شریعت اور اس کی عظمت وفضیلت کے کمال کے بارے میں کسی اور کے محتاج نہیں، جیسا کہ حافظ ابن کثیر دمشقی رحمہ اللہ نے فرمایا:

ہمارے ان ایام میں کم عقلوں اور جاہلوں کا ایک گروہ الگ ہوا ہے، وہ ایسے الفاظ اختراع کرتے ہیں جو کفریہ ہیں، انہوں نے لوگوں کو گمراہ کیا...... اللہ کی طرف سے ان پر وہی ہو جس عقوبت کا ان جیسے لوگ استحقاق رکھتے ہیں، ہم ان کے لیے توبہ کے امیدوار ہیں۔

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''الآیات البینات'' (ص۷۲) کے حاشیے میں اللرامیہ کا تعارف کرایا:

وہ گمراہوں کا ایک گروہ ہے وہ تجسیم وغیرہ کے قائل ہیں، وہ محمد بن کرام سجستانی، جو کہ عبادت گزار اور متکلم تھا، کی طرف منسوب ہیں۔

ذہبی نے فرمایا:

شیخ الکرامیہ، اپنی بدعت کی بنا پر ساقط الحدیث ہے، اس نے ۲۵۵ھ میں وفات پائی۔

۹:...... ماتریدیہ

ا:...... ماتریدیہ اور اللہ تعالیٰ کی صفت کلام:

طحاوی نے "عقیدۃ طحاویۃ" فقرہ (۵۶) میں بیان کیا:

''ہم قرآن کے بارے میں بحث ومباحثہ نہیں کرتے، اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ رب العالمین کا کلام ہے۔"

ہمارے شیخ نے ''عقیدۃ طحاویۃ'' (ص۵۷۔۵۸) پر اپنی تعلیق میں فرمایا:

''سب سے بڑا فتنہ جس کا بعض اسلامی فرقے علم کلام کے باعث شکار ہوئے، کہ اس نے انہیں اس ایمان سے منحرف کر دیا کہ قرآن کریم حقیقی طور پر رب العالمین کا کلام ہے نہ کہ مجازی طور پر، رہے معتزلہ، جو کہتے ہیں کہ

وہ مخلوق ہے، تو اس بارے میں ان کا معاملہ واضح طور پر برا ہے، لیکن یہاں ایک ایسا گروہ ہے، جو اہل سنت کی طرف منسوب ہے اور معتزلہ کے قول کو رد کرتا ہے جس وجہ سے وہ اسلام سے منحرف ہوگئے، آگاہ ہوجائیں! وہ اشاعرہ اور ماتریدیہ ہیں، وہ حقیقت میں خلق قرآن کہنے میں معتزلہ کے قول سے موافقت کرتے ہیں کہ وہ رب العالمین کا قول (کلام) نہیں ہے، مگر یہ کہ وہ اس کا برملا اعلان نہیں کرتے، وہ کلام الٰہی کے لیے اپنی تفسیر کے پس پردہ رہے ہیں کہ وہ قدیم نفسیانی روحانی کلام ہے جو کسی فرشتے سے سنا گیا ہے نہ کسی رسول سے، اور یہ کہ اللہ جب چاہتا ہے کلام نہیں کرتا، وہ تو ازل سے متکلم ہے۔" [1]

۲:...... ماتریدیہ اور ایمان کے بارے میں ان کا مذہب: اقرار باللسان، و التصدیق بالجنان! (زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق):

امام طحاوی نے "اپنے عقیدے" فقرے (۶۲) میں بیان کیا:

"ایمان: زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق ہے۔"

یہ حنفیہ اور ماتریدیہ کا مذہب ہے، جو کہ سلف اور جمہور ائمہ کے مذہب کے خلاف ہے، جیسے مالک، شافعی، احمد اور اوزاعی وغیرہم، کیونکہ ان حضرات نے اقرار و تصدیق پر عمل بالارکان [2] (اعضاء کے ساتھ عمل) کا اضافہ

---

[1] پھر انہوں اس مسئلے پر کلام کے متعلق شیخ الاسلام رحمہ اللہ سے ایک اہم بحث نقل کی، اسے "التعلیق علی الطحاویة" (ص۵۸۔۵۹) میں دیکھیں، اور مزید فائدہ کے لیے (ص۴۱۔۴۳) دیکھیں جو کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے منقول ہے۔

[2] ہمارے شیخ نے "الذب لاحمد" (ص۳۳) عن "الماتریدیة" میں بیان کیا:

"یہ معلوم ہے کہ وہ کتاب وسنت اور آثار صحابہ میں واضح طور پر بیان کردہ موقف کہ "ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے" کے متعلق نہیں کہتے، کہ اعمال ایمان کا حصہ ہیں، حنفیہ کے علاوہ سلف و خلف کے جمہور علماء کا یہی موقف ہے...... کیونکہ وہ مخالفت پر مصر رہتے ہیں، بلکہ وہ ان کے خلاف صراحت سے اس موقف کا انکار کرتے ہیں، حتی کہ ان میں سے کسی نے صراحت کی کہ یہ (سلف کا موقف) ارتداد و کفر ہے۔ العیاذ باللہ۔ "البحر الرائق" (لابن نجیم حنفی) (۲۰۵/۸) میں "باب الکراهیة" میں یہ ذکر کیا ہے: "ایمان بڑھتا ہے نہ کم ہوتا ہے: کیونکہ ہمارے نزدیک ایمان اعمال میں سے نہیں۔" اور اس نے "باب احکام المرتدین" (۱۲۹/۵۔۱۳۱) میں یہ بیان کیا: "جب اللہ کسی ایسی چیز سے موصوف کیا جائے گا جو اس کی شان کے لائق نہیں یا اس کے اسماء میں سے کسی نام کا مذاق اڑایا جائے گا تو ایسے شخص کو کافر قرار دیا جائے گا...... پھر اس نے بہت سے مکفرات (کافر بنانے والے امور) بیان کیے، پھر کہا...... ایمان بڑھتا اور کم ہوتا ہے!"

انہوں نے اس پر حاشیے میں اس طرح تبصرہ کیا ہے:

"شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ایمان کے اعمال میں سے ہونے کی وجہ سے بیان کیا ہے، کہ وہ بڑھتا اور کم ہوتا ہے۔ یہ تفصیل ان کی کتاب "الایمان" میں ہے، جو تفصیل چاہتا ہے وہ اس کی طرف رجوع کرے۔

میں کہتا ہوں: میں نے ایمان کے مسائل میں مذہب سلف اور اہل السنہ کا عقیدہ ثابت کرتے ہوئے بیس سال سے لکھا ہوا تھا، وللہ الحمد، پھر آج پرجوش جاہل اور نئی نسل آئی وہ ہمیں ارجاء کا الزام دیتے ہیں!! ان کی جہالت و گمراہی اور رذالت کی، جس پر وہ ہیں، اللہ سے شکوہ کیا جاتا ہے!!

کیا ہے، اور دونوں مذہبوں کے درمیان کوئی ظاہری اختلاف نہیں جیسا کہ شارح رحمہ اللہ نے اس دلیل سے اسے اختیار کیا ہے کہ وہ سب اس پر متفق ہیں کہ کبیرہ گناہ کرنے والا ایمان سے خارج نہیں ہوتا، وہ اللہ کی مشیت میں ہے، اگر وہ چاہے تو اسے عذاب دے، اور اگر چاہے تو اس سے درگزر کرے، یہ اتفاق اگر صحیح ہے۔ اگر حنفیہ اپنے انکار میں کہ عمل ایمان میں سے ہے، جمہور کی حقیقی مخالفت نہ کرتے، اور وہ ان کے ساتھ اتفاق کرتے کہ ایمان بڑھتا اور کم ہوتا ہے، یہ کہ وہ اطاعت سے بڑھتا ہے، اور معصیت سے کم ہوتا ہے، کتاب وسنت اور آثار سلف کے دلائل اس پر معاون ہیں، شارح ❶ نے اس سے طائفة طيبة (ص ۳۸۴۔۳۸۷) (۳۴۲۔۳۴۴) کا ذکر کیا ہے، لیکن حنفیہ (ایمان کے) بڑھنے اور کم ہونے کے بارے میں صریح دلائل کے خلاف اپنے قول پر مصر رہے، اور انہوں نے ان کی تاویل میں ظاہری تکلف سے کام لیا، بلکہ باطل تکلف سے کام لیا، شارح نے اس میں سے (ص ۳۸۵) (۳۴۲) پر ایک مثال نقل کی، بلکہ انہوں نے ابوالمعین نسفی سے بیان کیا کہ اس نے اس حدیث: "أَلْإِيْمَانُ بِضْعٌ وَ سَبْعُوْنَ شُعْبَةً......" "ایمان کی ستر سے کچھ زائد شاخیں ہیں......" کے صحیح ہونے پر طعن کیا ہے، حالانکہ حدیث کے تمام ائمہ نے اس سے دلیل لی ہے، ان میں سے بخاری اور مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں اسے ذکر کیا ہے، اور "الصحيحة" (۱۷۶۹) میں بھی ہے، اور یہ (طعن) صرف اس لیے ہے کہ وہ ان کے مذہب کی مخالفت میں صریح ہے!

پھر کس طرح صحیح ہوسکتا ہے کہ یہ مذکورہ اختلاف صرف شکلی ہو، وہ اپنے کسی فاجر ترین شخص کے لیے جائز قرار دیتے ہیں کہ وہ کہے: میرا ایمان ابوبکر صدیق کے ایمان کی طرح ہے! بلکہ انبیاء ومرسلین اور جبریل ومیکائیل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ایمان کی طرح! وہ یہ کس طرح کہتے ہیں جبکہ وہ اپنے اس مذہب کی بنیاد اس پر رکھتے ہیں کہ وہ اپنے کسی شخص کے لیے جائز قرار نہیں دیتے (خواہ وہ کتنا ہی فاسق وفاجر ہو) کہ وہ کہے: میں ان شاء اللہ تعالیٰ مومن ہوں، بلکہ وہ کہتا ہے: میں حقیقی مومن ہوں، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ إِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ إِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ [الانفال: ۲۔۴]

"درحقیقت مومن وہی ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں، اور جب ان کے سامنے اس کے احکام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تو یہ احکام ان کے ایمان کو اور بڑھا دیتے ہیں، اور وہ لوگ اپنے رب پر کامل بھروسہ کرتے ہیں، وہ لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ

---

❶ یعنی: ابن ابی العز الحنفی رحمہ اللہ۔

ہم نے ان کو دے رکھا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں، یہی لوگ سچے مومن ہیں، انہی کے واسطے ان کے رب کے پاس بلند مرتبے ہیں، مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے۔''

﴿وَ مَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيۡلًا﴾ (النساء: ۱۲۲)

''اور اللہ سے بڑھ کر (وعدہ وفائی) میں کون سچا ہوسکتا ہے۔''

اس سب پر بنیاد رکھتے ہوئے وہ اپنے تعصب میں بہت دور نکل گئے، انہوں نے ذکر کیا کہ جس نے اپنے ایمان کے بارے میں ان شاء اللہ کہا تو اس نے کفر کیا! انہوں نے اسی پر نتیجہ نکالا کہ حنفی کے لیے جائز نہیں کہ وہ شافعی عورت سے شادی کرے! جبکہ ان میں سے بعض نے وسعت سے کام لیا۔ انہوں نے کہا: یہ جائز ہے لیکن بالعکس جائز نہیں (کہ کوئی شافعی حنفی عورت سے شادی کرے)، اور اس نے اس کا سبب یہ بیان کیا: اسے (یعنی شافعی عورت کو) اہل کتاب میں سے سمجھ لیا جائے اور اسے اہل کتاب کی عورت کا مرتبہ دے دیا جائے، [1] میں حنفیہ کے شیوخ میں سے ایک شخص کو جانتا ہوں کہ شافعیہ کے شیوخ میں سے ایک آدمی نے ان کی بیٹی کے لیے پیغام نکاح بھیجا، تو انہوں نے یوں کہتے ہوئے انکار کر دیا: ...... کاش کہ تم شافعی نہ ہوتے! تو کیا اس کے بعد حقیق اختلاف میں کسی شک کی گنجائش رہ جاتی ہے؟ اور جو کوئی اس مسئلے کی تفصیل چاہتا ہے وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب...... ''الایمان'' [2] کا مطالعہ کرے، کیونکہ اس موضوع کے متعلق لکھی گئی کتابوں میں سے وہ بہتر ہے۔

۱۰:...... مرجئہ

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''مختصر صحیح البخاری'' (۱/ ۳۵) رقم (۳۷) [3] ط۔ المعارف میں مرجئہ کے متعلق اس حدیث میں جو کہ زبید سے روایت ہے، انہوں نے کہا: میں نے ابو وائل سے مرجئہ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا: عبداللہ نے مجھے حدیث بیان کی، کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ، وَقِتَالُهٗ كُفْرٌ'' ''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔'' بیان کیا:

وہ (مرجئہ) گمراہ فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے، وہ کہتے ہیں: ایمان کے ساتھ معصیت مضر نہیں۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ابو عبید القاسم ابن سلام کی کتاب ''کتاب الایمان'' (ص ۳۳۔ط۔ المکتب

---

[1] اس پر ''انا للّٰہ وانا الیہ رجعون'' ہی پڑھا جاسکتا ہے! (شہباز حسن)

[2] صدیق حسن خان نے ''السراج الوھاج'' (۱/۴۳۱) میں بیان کیا: ''اگر آپ اس مسئلے کے متعلق تفصیل جاننا چاہتے ہیں تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس اللہ روحہ کی کتاب ''شرح الایمان'' کا مطالعہ کریں، کیونکہ وہ اس باب میں حرف آخر ہے، اس محراب میں خطیب ہے، اس کے پرے کوئی غایت نہیں، اور اس کے علاوہ کوئی اخیر نہیں۔''

[3] مختصر صحیح بخاری (۱/۱۹) رقم: ۳۸ ط: المکتب الاسلامی

الاسلامی) میں بیان کیا:

مرجئہ اسلام کے فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے، وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ معصیت مضر نہیں، جس طرح کفر کی موجودگی میں اطاعت مفید نہیں، ان کے اعتقاد کہ اللہ نے ان کو معاصی پر عذاب دینے کو مؤخر کیا، کی وجہ سے ان کا نام مرجئہ رکھا گیا؟ "اُرجاء" یعنی: اس (عذاب) کو ان سے مؤخر کیا۔ "النهاية" میں اس طرح ہے۔

امام ابوعبید نے اپنے رسالے "الایمان" (رقم:۲۲) میں سلمہ بن کہیل تک اپنی سند سے بیان کیا، انہوں نے کہا:

''ضحاک، میسرہ اور ابوالبختری جمع ہوئے، تو انہوں نے اس پر اتفاق کیا کہ شہادت (گواہی، تصدیق، اقرار) بدعت ہے، ارجاء بدعت ہے اور براءت بدعت ہے۔''[1]

---

[1] ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے مصدر مذکور میں اس کی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور انہوں نے "الصحيحة" (۷/ ۱۳۷) میں فرمایا: ''ارجاء بدعت ہے۔''

ابوعبیدہ نے بیان کیا: اس میں اور اس کے سابقے اور لاحقے میں ہمارے شیخ الالبانی رحمہ اللہ کی ارجاء سے لاتعلق ہونے پر واضح دلیل ہے، اور ان پر اس کا الزام لگانا بلاشک ایک بہتان ہے، ہاں، اس شخص کے، جو کسی مسئلے کی تخریج میں غلطی کرتا ہے اور اس کے متعلق کوئی — اجتہادی طور پر — کوئی چیز نوٹ کرتا ہے جبکہ ایمان کے مسائل کے بارے میں اس کے اصول صحیح ہیں، اور اس شخص کے درمیان بڑا فرق ہے جس کے اصول ٹیڑھے ہوں، وہ سلف صالح کے موقف کی مخالفت کرتے ہوں، اهل السنة والجماعة کے محققین کے نزدیک مذہب کے ساتھ چمٹے رہنا کوئی مذہب نہیں! اور کچھ امور پر فوری تنبیہ ضروری ہے:

۱:...... ہمارے شیخ رحمہ اللہ اپنی کئی مجالس میں اسحاق بن راهویہ کی ''ان کی مسند'' (۳/ ۶۷۰-۶۷۱) میں مروی یہ روایت ذکر کیا کرتے تھے:

شیبان نے ابن المبارک سے کہا: ابوعبدالرحمٰن! تم زانی، شرابی اور اس طرح کے شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو، کیا وہ مومن ہے؟

ابن المبارک نے فرمایا: میں اسے ایمان سے خارج نہیں کرتا۔ انہوں نے کہا: بڑھاپے میں مرجئی ہو گئے ہو؟

ابن المبارک نے فرمایا: ابوعبداللہ! مرجئہ مجھے قبول نہیں کرتے، میں کہتا ہوں: ایمان بڑھتا ہے، جبکہ مرجئہ یہ نہیں کہتے، مرجئہ کہتے ہیں: ہماری نیکیاں قبول ہیں، جبکہ میں نہیں جانتا کہ میری کوئی نیکی قبول ہوتی ہے۔

۲:...... کبار علماء جن کی بات ان مسائل میں معتبر ہے ان سے ارجاء اور البانی کے بارے میں پوچھا گیا، انہوں نے اپنی رائے دی، اور معاملہ ختم ہوا، ولله الحمد والمنة۔

ان (کبار علماء) کے سرخیل علامہ شیخ عبدالعزیز بن باز ہیں، ان سے شوال ۱۴۱۹ھ میں ایک سوال پوچھا گیا یہ اس کی عبارت ہے: ''ان میں سے بعض علامہ شیخ محمد ناصرالدین الالبانی۔ حفظہ اللہ۔ کے عقیدے کے متعلق شبہات پھیلاتے ہیں اور وہ انہیں بعض گمراہ فرقوں، جیسے مرجئہ ہیں، کی طرف منسوب کرتے ہیں، آپ کی ان لوگوں کے لیے کیا نصیحت ہے؟''

پس آپ...... رحمه الله تعالىٰ وغفرله ...... نے یہ جواب دیا: ''شیخ ناصرالدین الالبانی اہل السنہ والجماعہ کے ہمارے معروف محدثین برادران میں سے ہیں، ہم اپنے لیے اور ان کے لیے ہر خیر پر توفیق واعانت کے لیے اللہ سے درخواست کرتے ہیں، ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ علماء کے بارے میں اللہ سے ڈرے اور اللہ کا خوف دل میں رکھے، اور صرف بصیرت سے بات کرے۔'' شیخ کا کلام ختم ہوا۔ یہ "لقاء الصائر" کے عنوان پر ایک کیسٹ سے لکھا گیا ہے۔

⇐ جاری ⇐

۱:......مرجیہ اور گواہی:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ابو عبید کی کتاب ''الایمان'' (ص ۳۴) - ط - المکتب الاسلامی میں اس اثر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

⇐⇐⇐ اور شیخ علامہ محمد صالح عثیمین رحمہ اللہ نے الدعوۃ السلفیۃ کے مشائخ کے ساتھ ٹیلیفونک گفتگو' رقم (۴) میں ایک کیسٹ میں فرمایا: ''جس نے شیخ البانی پر ارجاء (مرجئی ہونے) کا الزام لگایا ہے اس نے غلطی کی ہے، وہ (الزام لگانے والا) یا تو البانی کو نہیں جانتا، یا پھر وہ ارجاء سے واقف نہیں، الالبانی تو اہل السنہ کے آدمی ہیں ...... رحمہ اللہ ...... اور وہ سنت کا دفاع کرنے والے ہیں، وہ حدیث کے امام ہیں، ہم اپنے دور میں کسی کو نہیں جانتے جو ان کے پائے کا ہو، لیکن کوئی !! ...... ہم اللہ سے عافیت طلب کرتے ہیں ...... جس کے دل میں کینہ ہو، جب وہ کسی شخص کی مقبولیت دیکھتا ہے تو وہ منافقوں کی طرح اس پر الزام لگانے لگتا ہے!! وہ صدقات کے بارے میں اطاعت گزار مومنوں پر الزام لگاتے ہیں، جو اپنے پاس محنت کی کمائی سے تھوڑا سا پاتے ہیں (اور وہ اس میں سے بھی صدقہ کرتے ہیں)، وہ (منافق) زیادہ صدقہ کرنے والے پر (ریاکاری کا) الزام لگاتے ہیں اور محتاج شخص پر بھی جو صدقہ کرتا ہے الزام لگاتے ہیں۔

وہ آدمی ...... رحمہ اللہ ...... ہم اسے اس کی کتب کے حوالے سے جانتے ہیں، اور میں بسا اوقات ان کے ساتھ مجلس نشینی کے حوالے سے بھی جانتا ہوں، وہ سلفی العقیدۃ اور سلیم المنہج ہیں، لیکن بعض لوگ!! یہ چاہتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندوں کو کسی ایسی چیز کی وجہ سے کافر قرار دیا جائے جس کی وجہ سے اللہ نے انہیں کافر قرار نہیں دیا، پھر وہ دعویٰ کرتا ہے کہ جو اس تکفیر میں اس کی مخالفت کرے گا وہ مرجئی ہے!! یہ کذب اور بہتان ہے!!! اس لیے آپ اس بات کو نہ سنیں خواہ اسے کرنے والا کوئی بھی ہو۔

ہمارے دینی بھائی شیخ ابو الحسن مصطفیٰ بن اسماعیل الماربی ...... حفظہ اللہ ...... نے اس فتوی کو فضیلۃ شیخ ابن عثیمین ...... رحمہ اللہ ...... کے ساتھ ایک ٹیلیفونک مکالمے میں مزید مضبوط اور مؤید بنایا، شیخ نے فرمایا: ''صحیح ہے، صحیح ہے، صحیح ہے، یہ تو وہ ہیں جن کی رہنمائی سے ہم اللہ کے دین پر عمل کرتے ہیں، ہم ان کی محبت پر اللہ کو گواہ بناتے ہیں، میں آپ سے امید کرتا ہوں کہ آپ اس فتوی کو نشر کریں گے۔'' اور ابو الحسن نے بتاریخ ۲۸/۶/۱۴۲۱ھ اس کو نشر کیا اس پر ان کا نام اور مہر ہے۔

۳:...... وہاں کچھ عبارتیں مجمل ہیں جن پر متعدد معانی کا احتمال ہے، مثلاً: (کیا عمل شرط صحت ہے یا شرط کمال؟) اور عصر حاضر کے جدید مسائل مسائل میں فتاوی کا مدار اس کے اہل کے مرتبے کی تحقیق پر ہے، مثلاً 'اللہ کی نازل کردہ شریعت کے بغیر فیصلہ کرنا' اور اس کی صورتیں مثلاً: حلال قرار دینے کی بعض صورتیں، کیا بعض اقوال و افعال میں تحقیق کی ضرورت ہے؟ مثلاً: ترک صلاۃ کی بعض صورتیں، یہ سب اسلام سے ناواقفیت کے سبب پیدا ہوئیں، اور ان پر علماء کی نقولات اس پر منطبق کرنا جس میں اجتہاد ہے، اس میں کہا جاتا ہے، درست ہے اور حسن ہے، یہ نہیں کہا جاتا: کفر اور ایمان ہے، تمام ماخذ جن کی اس باب میں ہمارے شیخ پر تنقید کی گئی، انہیں فقہ الایمان کے تحت درج کرنا صحیح ہے! اسلاف کے واضح اصول جو ہمارے شیخ کی نفع مند کتب میں ثابت ہیں، ان میں کوئی چیز بھی قابل تنقید نہیں۔

۴:...... شیخ رحمہ اللہ کو سلفی عقیدہ نشر کرنے میں جتنی تکالیف اور آزمائشیں آئیں انہیں صرف اللہ تعالیٰ عزوجل ہی جانتا ہے، اس وجہ سے انہیں کئی ملکوں میں، کئی سرکاری اہل کاروں کی طرف سے دھمکیاں دی گئیں، بلکہ وہ انہیں وہابی کا لقب دیتے تھے، جیسا کہ ہم انہیں اپنی قوم کے لوگوں کے لیے اپنی مجالس ومجالس میں جانتے ہیں، پس جو شخص شیخ الالبانی رحمہ اللہ کو عقیدہ سلفیہ اور دعوت سلفیہ کی نشر واشاعت میں پہنچنے والی تکالیف اور مشقتوں کے متعلق جاننا چاہے اس پر لازم ہے کہ وہ ان ایام میں شام کی مساجد کی زیارت کرے!

پس اس کے اندازے کے بغیر اور ابھی ابھی مذکورہ سبب کی وجہ سے شیخ پر ارجاء کی تہمت لگانا شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا ظلم ہے۔

۵:...... حق وعدل کے ساتھ رد اور ہر قول کو اس کے مقام ومرتبے پر رکھنا، بہت اہم واجبات میں سے ہے، رہا الزام وطعن اور اندازے سے تہمت لگانا، تو یہ محقق منصف اہل علم کے منہج میں سے نہیں ہے داعیان اور علماء کے درمیان یکجہتی واجب ہے، نہ کہ ان کے درمیان لگائی بجھائی (لڑائی)۔ ⇐⇐⇐

''......رہی شہادت پس ظاہر ہے کہ وہ مرجئہ کی بدعات میں سے ہے جو ہر مومن کے لیے جنت کی گواہی دیتے ہیں، جو کہتے ہیں: جس طرح شرک کی موجودگی میں کوئی عمل فائدہ نہیں دیتا، اسی طرح ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی عمل نقصان نہیں دیتا، یا پھر یہ معتزلہ کی بدعات میں سے ہے، انہوں نے شہادت کے مسئلے میں چار اقوال پر اختلاف کیا ہے، ان میں سے بعض کا قول ہے: شہداء وہ قابل اعتماد ہیں، وہ شہید ہوئے یا شہید نہیں ہوئے، ان کے باقی اقوال "مقالات الاسلامیین" (۲۹۶/۱۔ ۲۹۷) میں دیکھیں۔

۲:......ایمان کے بارے میں مرجئہ کی بدعات:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعيفة" (٦/ ١٠١) میں حدیث رقم (۲۵۹۰) ❶ کے تحت بیان کیا اور ہمارے شیخ نے اس پر منکر کا حکم لگایا ہے۔

پھر یہ کہ وہ حدیث میرے نزدیک ''منکر ہے'' اس کا کچھ حصہ دوسرے حصے کی مخالفت کرتا ہے! کیونکہ اس کا لاالہ الا اللہ کہنا تب تک اس کے لیے نافع نہیں جب تک اس کے دل میں ایمان کی کوئی چیز نہ پائی جائے، مگر حد سے بڑھے ہوئے بعض مرجئہ کے مذہب پر، جو کہ قول کے ساتھ ایمان قلبی کو مشروط نہیں ٹھہراتے، غور کریں۔ ❷

۳:......مرجئہ اور ان کا یہ کہنا، ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ گار کے لیے گناہ مضر نہیں:

طحاوی نے "عقيدة الطحاوية" فقرہ (۵۸) میں بیان کیا:

''ہم نہیں کہتے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ گار کے لیے گناہ مضر نہیں۔''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الطحاوية" پر اپنی تعلیق (ص ٦١) پر فرمایا:

⇐⇐⇐ ٦:......آخری بات یہ ہے...... ہمارے طالب علم بھائیوں کی ایک جماعت ہمارے شیخ الالبانی سے اس تہمت کو دور کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی، اللہ ان کی کوششوں پر انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، ان میں سے ہمارے بھائی شیخ علی بن حسن حلبی نے اپنی کتاب: "التعريف و التنبئة بتأصيلات العلامة الشيخ الامام اسد السنه الهمام محمد ناصر الدين الالباني فى مسائل الايمان والرد على المرجئه" میں، اور ہمارے بھائی شیخ عبدالعزیز بن ریس الریس نے اپنے رسالے "الامام الالبانى و موقفه من الارجاء۔" میں، اور ہمارے بھائی شیخ وضاح الشعبی نے "هذا هو ارجاء الفقهاء ، فأين الالبانى من هذا الارجاء" میں، اور ہمارے بھائی شیخ حسین عوایشۃ کا اس کے بارے میں ایک رسالہ ہے۔

❶ وہ حدیث یہ ہے: ''ملک الموت علیہ السلام ایک قریب المرگ شخص کے پاس آیا: تو اس نے اس میں کوئی خیر نہ پائی، اس نے اس کا دل چیر کر دیکھا تو وہاں بھی کچھ نہ تھا، پھر اس نے اس کے جبڑے کھولے تو دیکھا کہ اس کی زبان کا سرا تالو کے ساتھ لگا ہوا ہے اور وہ کہہ رہا ہے: لا الـه الا اللہ، اللہ نے اس کے کلمہ اخلاص کی وجہ سے اسے بخش دیا۔''

❷ ہم نے جو آپ رحمہ اللہ کا کلام بیان کیا ہے اسے دیکھیں۔ اس میں الارجاء سے لاتعلقی ہے، اور جس نے ان پر اس کا الزام لگایا ہے اس پر رد ہے۔ دیکھئے ان کا تبصرہ بعنوان ''ماتریدیہ اور ان کا ایمان کے بارے میں عقیدہ۔''

اور یہ اس لیے کہ وہ مرجئہ کا قول ہے، جس کا نتیجہ وعید والی آیات اور ان احادیث کی تکذیب ہے جو اس امت کے گناہ گاروں کے حق میں آئی ہیں، کیونکہ ان میں سے کچھ گروہ جہنم میں جائیں گے، پھر وہ شفاعت کے ذریعے یا کسی اور وجہ سے اس سے نکل آئیں گے۔

۱۱:......معتزلہ

۱:......معتزلہ کہتے ہیں کبیرہ گناہ کرنے والے دائمی جہنمی ہیں:

"الصحيحة" (٧/ ١٣٧) "عقيدة طحاوية" (ص۶۰، ۶۲) پر تعلیق۔

ہمارے شیخ نے "الصحيحة" (٦/ ١٢٦٨) میں حدیث رقم (۲۹۹۹) ❶ کے تحت فرمایا:

اس حدیث میں جیسا کہ علماء نے بیان کیا، ان خوارج پر رد ہے جو گناہوں کی وجہ سے کفر کا فتوی لگاتے ہیں، اور معتزلہ پر رد ہے جو فاسق پر تعذیب کو واجب قرار دیتے ہیں جب وہ توبہ کے بغیر فوت ہو جائے، کیونکہ نبی ﷺ نے بتایا کہ وہ مشیت الٰہی کے تحت ہے، اور آپ نے یہ نہیں فرمایا: وہ ضرور اسے عذاب دے گا۔

۲:......معتزلہ اور قیامت کے دن مومنوں کو اپنے رب کے دیدار ہونے کا انکار:

ہمارے شیخ نے "الصحيحة" (٧/ ١٥٦) میں حدیث رقم (۳۰۵۶) ❷ کے تحت فرمایا:

اس میں اس نعمت عظیم کا انکار کرنے والے معتزلہ اور اباضیہ کا رد ہے: مومنوں کو قیامت کے دن اپنے رب کا دیدار ہوگا، اور اس کا اثبات کرنے والے ایسے گروہ کا رد ہے جنہوں نے اس کی علم سے تاویل کی۔ دیکھیں: ''الفتح''

اور ہمارے شیخ نے "الضعيفة" (١١/ ٥٠٤) میں بیان کیا:

اور اس کے ذریعے ❸ معتزلہ کو ہتھیار فراہم کیا جو اللہ تعالیٰ کی بہت سی صفات کا انکار کرتے ہیں۔ جیسے سمع و بصر، اس کی رؤیت۔ وہ اس کی اسی طرح تاویل کرتے ہیں جس کا انجام (صفات کی) تعطیل ہے۔

امام طحاوی نے ''عقیدہ طحاویہ'' فقرہ (۳۷) میں بیان کیا:

''جنتیوں کے لیے رؤیت پر ایمان اس شخص کے لیے صحیح نہیں ہوتا جس نے ان میں سے اس پر وہم کے ساتھ اعتبار کیا......'' یہاں تک بیان کیا: ''جو شخص نفی وتشبیہ سے نہ بچے۔ اس نے لغزش کی اور وہ تنزیہ کو نہ پہنچا۔''

---

❶ اس سے ایک شاہد ہے: ''......جس نے اس میں سے کسی چیز کا ارتکاب کیا اور اسے دنیا میں سزا مل گئی تو وہ اس کا کفارہ ہے، اور جس نے اس میں سے کسی چیز کا ارتکاب کیا اور اللہ نے اس پر پردہ ڈال دیا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، اگر اس نے چاہا تو اسے سزا دے گا اور اگر چاہا تو اسے معاف کر دے گا۔

❷ روایت یہ ہے: ''کس چیز نے تمہاری آنکھوں کو مجھ سے اٹھا دیا؟ انہوں نے عرض کیا: ہم نے چاند کی طرف دیکھا، آپ نے فرمایا: ''تمہاری اس وقت کیا کیفیت ہوگی جب تم اللہ کو سامنے دیکھو گے؟!''

❸ یعنی کتاب "هذه عقيدة السلف و الخلف في ذات الله تعالى ......'' کے مؤلف نے۔

ہمارے شیخ نے "الطحاویة" (ص۴۵) پر اپنی تعلیق میں فرمایا:

یہ اس لیے کہ صفات اور رؤیت کا انکار معتزلہ وغیرہ کی طرف سے ہے، وہ ان کی نفی اپنے زعم کے مطابق تشبیہ سے بچنے کے لیے کرتے ہیں، اور یہ لغزش، کجی اور گمراہی ہے، یہ کس طرح تنزیہ ہوسکتی ہے، جبکہ وہ اللہ کی صفاتِ کمال کی نفی کرتے ہیں اوران (صفات) میں سے رؤیت ہے، تب معدوم وہ چیز ہوتی ہے جو دیکھی نہ جائے، کتاب وسنت سے ثابت شدہ رؤیت کے اثبات میں کمال ہے، اور مشبہہ صفات کے اثبات اور خالق کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینے میں غلو کرنے کی وجہ سے لغزش کا شکار ہوئے، جبکہ حق ان کے اور ان کے درمیان ہے، تشبیہ کے بغیر اثبات، تعطیل کے بغیر تنزیہ، کتنی خوبصورت بات کی گئی ہے:

(صفات کو) معطل قرار دینے والا عدم کو پوجتا ہے، جبکہ جسمیت کا قائل صنم کی پوجا کرتا ہے۔

۳:......معتزلہ اور "استواء" کی "استیلاء" سے تفسیر ❶:

"مختصر العلو" (۲۸-۳۲)، "الصحیحة" (۱/ ۸، ۷/ ۴۷۶-۴۷۷)۔ "الضعیفة" (۱۱/ ۵۰۳-۵۰۷)

۴:......معتزلہ اور خروج دجال نیز نزول مسیح عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے اس (دجال) کو قتل کرنے کا انکار اور صحیح احادیث کا رد اور ان کی تاویل:

"قصة مسیح دجال" (ص ۱۲)

۵:......معتزلہ اور صفات کی تاویل ❷:

---

❶ عقائد کی بدعات کے تذکرے میں 'استواء کی استیلاء کے ساتھ تفسیر کی بدعت' کے موضوع پر تفصیل سے دیکھیں۔

❷ فائدہ (۱)......: ہمارے شیخ نے "الصحیحة" (۷/ ۱۶۳۷-۱۶۳۸) میں حدیث رقم (۳۶۲۱) کے تحت بیان کیا:

تنبیہ: "الاحسان" پر تبصرہ لکھنے والے نے...... اقرار کرتے ہوئے...... اللہ تعالیٰ کی "صفات کلام ونظر کی تاویل نقل کی کہ اس سے مراد رضا اور اعراض ہے۔ اور اسی طرح دیگر صفات کی تاویل۔

اور یہ تاویل مذموم ہے! جو کہ سلف صالح کے عقیدے کے مخالف ہے، حالانکہ اصل یہ ہے کہ انہیں ان کے ظاہر پر ویسے ہی رہنے دیا جائے جیسا کہ اللہ عزوجل کی عظمت وشان کے لائق ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ [الشوریٰ: ۱۱] "اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔"

فائدہ (۲)......: ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "مختصر العلو" (ص۳۲-۳۳) میں بیان کیا:

اما بعد! بے شک تاویل کا ضرر اس کے کرنے والوں پر ہے۔ اور انہیں اس شرع سے انحراف کرنے پر آمادہ کرتا ہے جس کی میری نظر میں کوئی حدود نہیں ہیں، اگر یہ نہ ہوتو پھر آج وحدت الوجود کے قائلین کا کوئی وجود نہ ہو، اور نہ ہی ان سے پہلے ان کے بھائیوں قرامطہ باطنیہ کا، جنہوں نے شریعت کا اور اس کے تمام حقائق کا انکار کیا جیسے جنت وجہنم، نماز، زکوۃ، روزہ اور حج اور وہ اس کی معروف تاویل کرتے ہیں، علامہ المرتضی الیمانی نے "ایثار الحق علی الخلق" (ص۱۳۵) میں تاویل کی قباحت کے بیان کے سلسلے میں فرمایا: ⇦⇦⇦

ہمارے شیخ نے "الصحيحة" (۷/ ۳۹۸) میں فرمایا:

......اس بارے میں ان کی مثال ❶ معتزلہ اور معطلہ کے مثل ہے جو آیات صفات اور احادیث صفات کی اپنے زعم کے مطابق تاویل کرتے ہیں کہ ان کے ظواہر سے تجسیم وتشبیہ معلوم ہوتی ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہیں اس لیے تاویل واجب ہے! اہل السنہ کا ان پر رد معروف ہے اور وہ یہ کہ ان نصوص سے تشبیہ سمجھنا غلطی ہے، اس لیے وہ تاویل کے ذریعے اس کا رد کرنے پر مجبور ہوئے اور اس پر ہم انہیں اور تاویل کرنے والے ان جیسے افراد سے کہتے ہیں: نص کے لیے فہم درست کرلو تم تاویل وتعطیل سے بچ جاؤ گے، اساسی مشکل و پیچیدگی سوء فہم ہے یا ضعف ایمان ہے، اور کبھی وہ دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔

ہمارے شیخ نے "الضعيفة" (۱۱/ ۵۰٤) میں فرمایا:

اس کے ذریعے اس ❷ نے ان معتزلہ کو اسلحہ فراہم کیا جو اللہ تعالیٰ کی بہت سی صفات کا انکار کرتے ہیں جیسے سمع و بصر اور اللہ تعالیٰ کی رؤیت، وہ ان صفات کا تاویل کے ذریعے انکار کرتے ہیں جو تعطیل (صفات کی معطل ماننے) تک پہنچا دیتا ہے۔

⇦⇦ "بے شک معتزلہ اور اشعریہ نے جب اسمائے حسنی اور جنت وجہنم کے انکار سے باطنی کفر کیا، باطنی انہیں کہتا ہے: میں نے ان کا انکار نہیں کیا، میں نے تو اتنا کہا ہے کہ وہ مجاز ہے! جس طرح کہ تم نے الرحمٰن الرحیم الحکیم کا انکار نہیں کیا، تم نے تو یہ کہا کہ وہ مجاز ہے! تم کو الرحمٰن الرحیم پر ایمان کے بارے میں مجاز کس طرح کافی ہو گیا جبکہ وہ دونوں اسمائے حسنی میں سے سب سے زیادہ مشہور ہیں یا زیادہ مشہور ہیں، اس نے اس کے باقی میں مجھے کفایت نہ کیا، اور جنت اور جہنم میں حالانکہ وہ دونوں اللہ کے زیادہ تر ناموں کے علاوہ ہیں؟ اللہ پر اور اس کے اسماء پر ایمان اور اس کی مخلوقات پر ایمان کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟! جب تمہیں (اللہ کے) سب سے زیادہ مشہور اسمائے حسنی پر مجازی ایمان لانا کافی ہے تو پھر جنت جہنم اور دوبارہ اٹھائے جانے پر اسی طرح کے (مجازی) ایمان نے مجھے کس طرح کفایت نہ کیا؟!"

میں نے کہا: انہی کی طرح آج قادیانی ٹولہ ہے (دیکھیے، فرقوں اور گروہوں کی بدعات میں قادیانیت کی بحث) جنہوں نے تاویل کے طریق سے بہت سے ایسے حقائق شرعیہ کا انکار کیا جن کے متعلق امت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، جیسا کہ انہوں نے نبی ﷺ کے بعد نبوت کے باقی رہنے کے بارے میں کہا، اس بارے میں انہوں نے اپنے نبی مرزا غلام احمد کی، اور اس سے پہلے "الفتوحات المكية" میں ابن عربی، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ [الاحزاب: ٤٠] کی تاویل کی کہ اس کا معنی ہے انبیاء کی زینت اور اس کا معنی یہ نہیں کہ وہ ان کے آخری ہیں! اور آپ ﷺ کے فرمان "لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ" کی اس طرح تاویل کی: میرے ساتھ! اور انہوں نے جنوں کے وجود کا انکار کیا حالانکہ اس کے علاوہ قرآن کریم میں ان کا ذکر کئی بار آیا ہے، اور ان دونوں میں ان کی مختلف صفات کا ذکر ہے، اور انہوں نے کہا: کہ وہ انسانوں کا ایک گروہ ہے! اس کے علاوہ ان کی اور گمراہیاں بھی ہیں، اور یہ سب تاویل کی 'برکات' ہیں جسے خلف نے آیت استواء اور اس کے علاوہ صفات کی آیات میں اخذ کیا۔

تاویل کا ضرر اس کے کرنے والوں پر گراں نہیں جو اس میں جکڑے ہوئے ہیں اور ان کا یہ قول جو کہ ان کے درمیان عام ہے اور جب کبھی صفات و ایمان کی ان کے حقائق یا ان کی تاویل پر بحث ہوتی ہے تو وہ قول ان کی زبانوں پر عام ہوتا ہے، سن لو اور وہ ان کا قول ہے،

"مذہب سلف زیادہ سلامتی والا ہے، جبکہ مذہب خلف اعلم اور احکم ہے۔" (اس عبارت کے قلع قمع کے لیے بدع العقائد میں دیکھیں)

❶ کتاب "تحرير المرأة فى عصر الرسالة" کے مؤلف۔ کتاب کو پیش کرنے والے شیخ قرضاوی ہیں۔

❷ کتاب هذه عقيدة السلف والخلف فى ذات الله تعالىٰ ...... کے مؤلف۔

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "قصة المسيح الدجال" کے مقدمے (ص ۳۷۔۳۸) میں بیان کیا:

ان کی مثال ایک جہت سے معتزلہ کی مثال کے مانند ہے اور دوسری جہت سے مشبہہ کے مانند ہے، کیونکہ پہلے گروہ نے تاویل باطلہ کے ذریعے صفات والی آیات واحادیث کی تاویل کی جس نے انہیں صفات الہیہ کے انکار تک پہنچا دیا، اس تشبیہ سے فرار نے انہیں اس (تاویل وانکار) پر آمادہ کیا جس میں مشبہہ مبتلا ہوئے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ معتزلہ بذات خود آیات صفات سے فہم تشبیہ میں مشبہہ کے ساتھ شریک ہوئے ہیں، لیکن انہوں نے تاویل کے طریق سے تشبیہ کا انکار کر کے ان سے علیحدگی اختیار کی ہے حالانکہ تشبیہ کی طرح یہ بھی باطل ہے جبکہ اس سے صفات الٰہیہ کا انکار لازم آتا ہے۔

رہے مشبہہ تو وہ اس باطل میں واقع نہیں ہوئے، لیکن وہ تشبیہ پر ثابت رہے۔

جبکہ حق یہ ہے کہ ان کے اور ان کے درمیان حق اکٹھا کیا جائے اور ان کے باطل کا رد کیا جائے، اور یہ اثبات وتنزیہ کے ذریعے ہو سکتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشورى: ۱۱)

"اس کی مثل کوئی نہیں اور وہ بہت سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔"

۶:......معتزلہ اور غیبی امور کا انکار:

ہمارے شیخ نے "الصحيحة" (۷/ ۴۷۴) میں بیان کیا:

معتزلہ اور جہمیہ اللہ تعالیٰ کے متعلق بہت سے غیبی امور اور اس کی صفات کا انکار کرنے کی وجہ سے بہت واضح گمراہی کا شکار ہو گئے، اس کے دو پہلو ہیں:

(۱)......ان کا اللہ، اس کے رسول اور اس کی شریعت پر کمزور ایمان۔

(۲)......ان کی عقلوں کی کمزوری اور نصوص کے متعلق ان کی کم فہمی۔

ہمارے شیخ نے "مختصر العلو" (ص ۳۸) کے مقدمے میں ابن عبدالبر سے ان کا قول نقل کیا ہے:

"......رہے جہمیہ، معتزلہ اور خوارج تو وہ سب کتاب وسنت میں وارد صفات الٰہیہ کا انکار کرتے ہیں اور وہ ان میں سے کسی چیز کو بھی حقیقت پر محمول نہیں کرتے، اور وہ کہتے ہیں کہ جو ان کا اقرار کرتا ہے وہ مشبہہ ہے، اور وہ ان کے اقرار واثبات کرنے والے کو معبود کی نفی کرنے والا سمجھتے ہیں۔"

۷:......معتزلہ کی گمراہیوں میں سے ان کا یہ کہنا کہ قرآن مخلوق ہے:

"الصحيحة" (۱/ ۶۰) "العقيدة الطحاوية" (شرح و تعليق) (ص ۴۱، ۵۷)

۸:......بعض معتزلہ نے شادی شدہ زانی کو رجم کرنے سے انکار کیا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے بیان کیا:

"مختصر صحيح البخاري" (٤/ ٢١٣) رقم (٢٥٨٥)

9:......معتزلہ، جہمیہ اور ان کا قول، کہ اللہ عزوجل ہر جگہ ہے، عرش پر نہیں.

"الصحيحة" (١/ ٨، ٧/ ٤٧٥، ٤٧٧) "صحيح الأدب المفرد" (ص۲۸۲) رقم (۵۸۰، ۷۵۳)۔ ط. مکتبہ الدلیل۔

10:......معتزلہ اور ان کا عقلی طور پر کسی چیز کو اچھا اور برا ثابت کرنا اور عقل کو فیصل ماننا اور صحیح احادیث کو محض اس لیے ردّ کر دینا کہ وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہیں اور یہ رد اصلاً ہو یا جب وہ انھیں ان کی اصل سے ردّ نہ کر سکیں تو پھر تاویل کے طور پر ردّ کرنا [1]:

"صحيح السيرة النبوية" (ص٢٤۔ ٢٥)

---

[1] ان کے ہاں حسن و قبح کا معنی عقلی ہے، ان دونوں کی معرفت اور ان کے اخذ کرنے میں سمعی دلیل پر توقف نہیں کیا جائے گا، وہ حسن و قبح کو فعل کے لیے ذاتی صفات قرار دیتے ہیں جو کہ اس کے لیے لازم ہیں، اور وہ شرع کو ان صفات کو ظاہر کرنے والا قرار دیتے ہیں، صفات میں سے کسی چیز کے لیے سبب کے طور پر نہیں، اس کی تفصیل درج ذیل کتب میں دیکھی جا سکتی ہے: "مجموع فتاوی" (٨/ ٤٣١ اور ١١/ ٦٧٧) "درء تعارض العقل والنقل" (٨/ ٤٩٢) "مدارج السالكين" (١/ ٢٣٨) "مفتاح دار السعاده" (٢/ ٨، ٩٣، ١٠٥) "شرح الاصول الخمسة" (٤١۔ ٤٧) "سلم الوصول شرح نهاية السول" (١/ ٨٣) اور "ارشاد الفحول" (٧).

معتزلہ نے اس اصل پر متعدد امور مرتب کیے ہیں، ان میں سے: بے شک قبح عقل میں اس پر ذم و عقاب شرع میں مرتب کیا جائے گا، اور حسن عقل میں اس پر مدح و ثواب شرع میں مرتب کیا جائے گا، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ اس کام کو سرانجام دے جسے عقل حسن قرار دے، اور اس پر وہ کام سرانجام دینا حرام ہے جسے عقل قبیح قرار دے، اور یہ کہ مصلحت صرف فعل مامور ہی سے پیدا ہوتی ہے، جیسے صدق، عفت، احسان اور عدل، کیونکہ ان کے مصالح ان سے پیدا ہوتے ہیں، اور اس کے علاوہ امور جو اس اصل فاسد پر مرتب ہوتے ہیں اور وہ لوازم جو اس کے لیے لازمی ہیں، جیسا کہ ابن القیم نے "مفتاح دار السعادة" (٢/ ٥٩۔ ٦٠ اور ١٠٥) میں اسے بیان کیا ہے۔

اس قول کے مقابل اشاعرہ کا قول ہے کہ حسن و قبح دو شرعی چیزیں ہیں، اس قول کے بھی فاسدہ لوازمات ہیں، انہوں نے التزام کیا اور ان کے متعلق کہا، ان میں سے ہے۔ جیسا کہ ابن لقیم "مفتاح دار السعادة" (٢/ ٤٢۔ ٥٢) میں بیان کرتے ہیں۔ کہ کاذب شخص کے ہاتھ پر معجزہ کا ظہور جائز ہے یہ کہ وہ قبیح نہیں، یہ کہ اصدق الصادقین (سب سے بڑھ کر سچے) کی طرف کذب کی نسبت جائز ہے، یہ کہ اس سے برا نہیں سمجھا جائے گا، ورود شرع سے پہلے تثلیث و توحید برابر ہے، شرک، بتوں کی پوجا اور معبود سبحانہ تعالیٰ کو برا بھلا کہنا کوئی قبیح نہیں، ماں اور بیٹی کے ساتھ شادی کرنا قبیح نہیں، ان کے علاوہ دیگر لوازم سے جو اس پر ظاہر ہوئے کہ یہ اشیاء عقل کی بنا پر قبیح نہیں، ان کے قبیح ہونے کی جہت صرف سمع (یعنی سن کر معلوم کرنا) ہے۔

یہ سب لوازم فاسدہ ہیں وہ لازم فساد پر دلالت کرتے ہیں، بلکہ اور ان کے اس قول پر لازم آتا ہے کہ یہ صحیح ہے کہ اللہ شرک کا حکم فرمائے! پس وہ قبیح نہ ہوگا، اسی طرح زنا، چوری، ظلم اور دیگر برائیوں کے متعلق حکم دے! پس یہ قبیح نہ ہوگا، اور ان کے نزدیک جائز ہوگا کہ وہ سبحانہ وتعالیٰ توحید، عفت و صدق اور عدل سے منع کر دے، پس یہ سب قبیح ہوگا، جس طرح ایجی نے "المواقف" (۳۲۳) میں بیان کیا: "اگر قضیہ عکس ہو، تو جو قبیح ہے وہ حسن ہو جائے گا اور جو قبیح ہے وہ حسن ہو جائے گا، کوئی رد کنے والا نہ ہوگا اور معاملہ الٹ ہو جائے گا۔" تیسرا قول: وہ قول ان دونوں گروہوں کے درمیان ہے، اور وہ ان دونوں ظالم طرق کے درمیان معتدل طریق ہے، جب اس کے قائلین نے کہا۔ جیسا کہ "مفتاح ⇐⇐⇐

۱۱:...... معتزلہ اوران کا کہنا کہ قرآن کی ابتداء اللہ کی طرف سے نہیں:

طحاوی نے "عقیدة طحاویة" فقرہ (۳۳) میں بیان کیا:

''قرآن اللہ کا کلام ہے، اس سے بلا کیفیت قولاً ظاہر ہوا۔'' ہمارے شیخ نے "الطحاوية" (ص ٤١۔ ٤٢) پر اپنی تعلیق میں بیان کیا:

⇐⇐⇐ دار السعادة" (۵۷/۲) میں ہے۔ اے دونوں گروہو! تم میں سے ہر ایک کے ساتھ حق ہے اور باطل ہے، ہم ہر فریق کی اس کے حق پر مدد کریں گے اور اس کی طرف چلیں گے، اور اس کے ساتھ جو باطل ہے ہم اسے باطل قرار دیں گے اور اس کا رد کریں گے، ہم دونوں گروہوں کے حق کو تیسرا مذہب بنائیں گے، گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ نکلتا ہے وہ پینے والوں کے لیے خوش گوار ہے۔''

اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ حسن و قبح عقل کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں، لیکن یہ بندے کے فعل میں حکم کو لازم نہیں، بلکہ فعل امر و نہی کے استحقاق۔کہ لیے صالح ہوگا یہ ثواب و عقاب اس حکیم (دانا) کی طرف سے ہے جو ایسی مخالف چیز کا حکم نہیں فرماتا جسے عقل حسن سمجھے، یا وہ اس مخالف چیز سے منع نہیں کرتا جسے عقل قبیح جانے؟ کیونکہ جس چیز کو عقل حسن یا قبیح جانے وہ راجح ہے اور اس کا مخالف مرجوح ہے۔ اس معنی میں: کہ فعل میں صفت حسن اس کے متعلق امر کی جانب اس کے مخالف امر قبیح کی جانب پر ترجیح رکھتی ہے، اور فعل میں صفت قبح اس سے نہی کی جانب اس کے مخالف حسن سے نہی کی جانب پر ترجیح رکھتی ہے، اس پر عمل کے لحاظ سے حکمت کا تقاضا ہے وہ حکمت جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے تو حکم صرف خطاب شرعی سے ہے، اور امر و نہی الشارع الحکیم کی طرف سے ہے۔

اور یہ قول عام سلف اور زیادہ تر مسلمانوں کا ہے، جیسا کہ ''مجموع فتاوی ابن تیمیہ'' (۶۷۷/۱۱) میں ہے، اور اس قول کے قائلین اس بات میں اشاعرہ سے موافقت رکھتے ہیں کہ فعل کے بارے میں امر و نہی اور ثواب و عقاب کے متعلق حکم وحی کی طرف سے ہے، اور یہ کہ بندوں پر حجت رسالت کے ذریعے قائم ہوتی ہے، یہ کہ اللہ رسولوں کی بعثت سے پہلے انہیں عذاب نہیں دیتا، اور انہیں جو حکم پہنچا دیتا ہے اس کا ان سے مطالبہ کرتا ہے، اور اس نے جس چیز سے انہیں منع کیا ہو صرف اس کے ارتکاب پر انہیں سزا دیتا ہے۔

اور وہ اس بات میں معتزلہ سے موافقت رکھتے ہیں کہ کسی چیز کے اچھے یا برے ہونے کا فیصلہ عقل کرتی ہے، اور یہ کہ حسن و قبح افعال کی مستقل صفات ہیں جو عقل و شرع کے ذریعے معلوم ہیں، کیونکہ شریعت اس چیز کو ثابت کرنے آئی ہے جو حسن کی تحسین اور اس کے متعلق حکم کے متعلق ہے، اور قبیح کی تقبیح اور اس سے روکنے کے متعلق ہے جو کہ فطرت اور عقل کی رو سے مستحکم ہے، یہ کہ وہ ایسی چیز نہیں لائی جو عقل و فطرت کے خلاف ہو، اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے حکمت کے اثبات میں ان سے موافقت رکھتے ہیں، اور یہ کہ وہ (سبحانہ وتعالیٰ) حکمت سے خالی کوئی کام نہیں کرتا، بلکہ اس کے تمام افعال کا مقصود اس کے عواقب حمیدہ اور ان کی غایات محبوبہ ہے۔ یہ لائق ذکر ہے کہ مصالح و مفاسد کا عقل کے ذریعے ادراک کے متعلق قول سے یہ مراد نہیں کہ اس کا ادراک مطلق طور پر مکمل و کامل ہے، بلکہ وہ پا بھی لیتی ہے اور عاجز بھی رہتی ہے، وہ صحیح بھی ہوسکتی ہے اور غلطی بھی کرسکتی ہے۔ ابن القیم نے یہ نقطہ بیان کیا، انہوں نے "مفتاح دار السعادة" (۱۱۷/۲) میں فرمایا: ''...... بلکہ عقل کی غایت و انتہا یہ ہے کہ وہ حسن کا اجمالی طور پر ادراک کرے جس کی شرع نے تفصیل بیان کی یا اسے قبیح قرار دیا، عقل اسے اجمالی طور پر پاتی ہے، شرع اس کی تفصیل بیان کرتی ہے، اور یہ جیسا کہ عقل عدل کے حسن کا ادراک کرتی ہے، اور اس فعل معین کے عدل یا ظلم ہونے کے حوالے سے، پس یہ اس میں ہے کہ ہر فعل و عقد میں اس کے ادراک سے عقل عاجز رہتی ہے، اور اسی طرح وہ ہر فعل کے حسن اور اس کے قبح کے ادراک سے عاجز رہتی ہے۔

شرائع اس کی تفصیل اور وضاحت بیان کرتی ہیں، اس سے عقل صریح جس کا ادراک کرلیتی ہے شرائع اس کا اثبات کردیتی ہیں، اور جو ایک وقت میں حسن ہو اور ایک وقت میں قبیح ہو، عقل نے اس کے حسن کے وقت سے اس کے قبح کے وقت سے راہنمائی نہیں کی، پس ⇐⇐

ان کا یہ کہنا: ”اللہ کا کلام، اس سے بلا کیفیت قولاً ظاہر ہوا“ معتزلہ وغیرہ پر رد ہے۔

کیونکہ معتزلہ کا کہنا ہے کہ قرآن اس (اللہ تعالیٰ) سے ظاہر نہیں ہوا، جیسا کہ ان کے قول کی حکایت بیان ہوئی، اور شیخ محمد بن مانع رحمہ اللہ نے (ص ۸) پر فرمایا:

”قرآن عظیم اللہ کا کلام ہے اس کے الفاظ بھی اور اس کے معانی بھی، پس معنی کے بغیر لفظ نہیں کہا جائے گا جیسا کہ وہ معتزلہ کا قول ہے، اور نہ ہی لفظ کے بغیر معنی جیسا کہ گمراہ کلابیہ کا قول ہے، اور باطل مذموم اہل کلام میں سے ان کے باطل کی پیروی کرنے والوں کا قول ہے، پس اہل السنہ والجماعہ بیان کرتے اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ قرآن اللہ کا منزل کلام ہے وہ غیر مخلوق ہے، اس کے الفاظ و معانی عین اللہ کا کلام ہیں، جبریل نے انہیں اللہ سے سنا، نبی نے اسے جبریل سے سنا، اور صحابہ نے اسے نبی سے سنا، پس وہ مصاحف میں مکتوب، سینوں میں محفوظ اور زبانوں پر پڑھا گیا ہے۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا:

⇦⇦ شرائع اس امر کے ساتھ آئیں جس کے ساتھ ایک وقت میں اسے حسن قرار دیا، اور اس سے نہی لے کر آئیں جس وقت میں اسے قبیح قرار دیا، اس طرح فعل مصلحت اور مفسدہ کو مشتمل ہوسکتا ہے، عقل نہیں جانتی کہ اس کا مفسدہ راجح ہے یا اس کی مصلحت؟ پس عقل اس بارے میں توقف کرتی ہے، تو شرائع اس کے بیان کو بتاتی ہیں، وہ راجح مصلحت کا حکم دیتی ہیں اور راجح مفسدہ سے روکتی ہیں۔ اسی طرح فعل ہے وہ کسی شخص کے لیے مصلحت ہوسکتا ہے اور اس کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے مفسدہ اور عقل اس کا ادراک نہیں کرتی، تو پھر اسلامی قوانین اس کی وضاحت کرتے ہیں، وہ اس چیز کا اسے حکم کرتے ہیں جو اس کے لیے مصلحت ہوتے ہیں، اور اس سے اسے روکتے ہیں جو اس کے حق میں مفسدہ ہوتے ہیں، اس طرح فعل ظاہر میں مفسدہ ہوسکتا ہے، جبکہ اس کے ضمن میں عظیم مصلحت ہوسکتی ہے، جس کی طرف عقل راہنمائی نہیں کرتی، وہ صرف شرع کے ذریعے ہی معلوم ہوتی ہے، جیسے جہاد اور اللہ کی راہ میں قتل، اور ظاہر میں مصلحت ہوسکتی ہے، جبکہ اس کے ضمن میں عظیم مفسدہ ہوسکتی ہے جس کی طرف عقل راہنمائی نہیں کرتی، پس اسلامی قوانین اس کے ضمن میں جو مصلحت ہے اور جو مفسدہ راجح ہے اسے بیان کرتے ہیں، اس کے باوجود یہ کہ افعال کے حسن و قبح کے ادراک سے جو عقل عاجز آ جاتی ہے تو پھر اس کے علاوہ کوئی چیز نہیں جو اس کا ادراک کر سکے، تو پھر رسولوں کی حاجت ضروری ہے، بلکہ وہ ہر حاجت سے اوپر ہے، پس دنیا و جہاں کو سب سے زیادہ رسولوں صلوات اللہ علیہم اجمعین کی ضرورت ہے۔

اس مسئلہ کی تفصیل ان کتب میں دیکھیں: "مفتاح دارالسعادة" (۲/۲۔ ۱۱۸) "مدارج السالکین" (۱/۹۱، ۲۳۰۔ ۲۵۷، ۴۰۷/۳، ۴۸۸، ۴۹۲) "شفاء العلیل" (۴۳۵)، "مجموع فتاوی ابن تیمیة" (۸/۹۰، ۹۱، ۴۲۸۔ ۴۳۲، ۱۱۴/۳۔ ۱۱۵، ۶۷۵/۱۱۔ ۶۸۷، ۸/۱۵، ۱۶/ ۲۳۵۔۳۶۳)، "درء تعارض العقل و النقل، "(۸/۴۹۲۔۴۹۳)، "الارشاد" للجوینی (۲۲۸، ۲۵۹)، "شرح الکوکب المنیر" (۱/ ۳۰۰، ۳۲۲) "الموافقات" (۲/ ۵۳۴۔۵۳۵) "لوامع الانوار" (۱/ ۲۸۴۔۲۹۱) "روح المعانی" (۱۴/ ۹۴، ۱۵/۳۷۔۴۲)"تیسیر التحریر" (۱/ ۲۸۳۔ ۳۸۷)، "ایقاظ الفکرة لمراجعة الفطرة" للصنعانی (ص۲۰۳۔ ۲۴۸)، "حقیقة البدعة واحکامها" (۲/ ۱۲۷۔ ۱۳۳) "نظریة المقاصد عند الامام الشاطبی" (ص۲۱۶۔۲۲۹)، اور "الاعلام بمخالفات الموافقات و الاعتصام" (ص۱۰۱۔ ۱۱۱)۔

وكذلك القرآن عين كلامه
المسموع منه حقيقة ببيان
هو قول ربي كله لا بعضه
لفظا و معنى ما هما خلفان
تنزيل رب العالمين ووحيه
اللفظ و المعنى بلا روغان

''اور اسی طرح قرآن اس کا عین کلام ہے، وہ اس سے حقیقی طور پر بیان کے ساتھ سنا گیا ہے۔ وہ سارے کا سارا میرے رب کا فرمان ہے نہ کہ اس کا بعض، اور وہ لفظاً و معنیً ایک ساتھ اس کی طرف سے ہے۔ رب العالمین کا نازل کردہ اور لفظ و معنی اس کی وحی ہے، اس میں کوئی دھوکا نہیں۔''

فصل: وسیلے کی بدعات

- بدعتی وسیلہ
- مخالفین کا شرعی وسیلوں سے بے اعتنائی برت کر بدعتی اور غیر شرعی وسیلوں کو اختیار کرنا۔
- بدعتی وسیلہ کو جائز قرار دینے والوں کا استدلال اور اس پر ردّ
- شافعی کا ابوحنیفہ کو وسیلہ بنانے کے قصے کا جھوٹ
- بدعتی وسیلے کے منع کا سبب
- توسل کے بارے میں ضعیف احادیث کے برے اثرات
- نبی ﷺ کی ذات کے ذریعے توسل کو آپ کے آثار کے ذریعے برکت حاصل کرنے پر قیاس کرنا
- فرشتوں، انبیاء اور صالحین سے سفارش کرانا، ابن تیمیہ کا کلام
- مرتبہ، حق اور حرمت کو وسیلہ بنانے کے متعلق ابوحنیفہ کی ناپسند
- شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا اس طرح ذکر کرنا
- یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للہ! کہہ کر شیخ عبدالقادر کا ذکر سب سے قبیح برائی اور سب سے بڑی بدعت ہے!!
- دعا: اے اللہ! اپنے نبی کے صدقے ......

وسیلے کی بدعات

بدعتی وسیلہ

ہمارے شیخ نے مسئلہ توسل پر اپنی متعدد کتب میں بڑی طویل بحث کی ہے؟ مثلاً: "الضعیفة" جلد اوّل، "دفاع عن السنة النبوية" اورانہوں نے اس مسئلے کے تمام پہلوؤں کے حوالے سے ایک خاص کتاب تصنیف کی اورانہوں نے اس کا نام رکھا: "التوسل: أنواعه و أحكامه".

اورانہوں نے مبتدع توسل پر لوگوں کی زبانوں پر رائج عبارات کے ذریعے مثالیں بیان کی ہیں، انہوں نے اپنی کتاب "التوسل" (ص۹) میں فرمایا:

• مثلاً: ''اللہ! اپنے نبی کے صدقے یا ان کا تیرے ہاں جو مقام و مرتبہ ہے اس کے صدقے مجھے عافیت دے اور مجھ سے درگزر فرما۔'' اور: ''اے اللہ! میں تجھ سے بیت الحرام کے صدقے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے۔'' اور: اے اللہ! فلاں فلاں اولیاء وصالحین کے صدقے اور فلاں اور فلاں کے صدقے۔''

یا: ''اے اللہ! اللہ کے بندوں کی تیرے ہاں عزت کے صدقے، ہم جس سے دور ہیں اس کے مقام کے صدقے، اور اس کے سہارے کے تحت، ہم سے اور غم کے ماروں سے غم دور کر دے۔'' اور ''اے اللہ! ہم نے تیرے حضور اپنے عاجز ہاتھ پھیلا رکھے ہیں، ہم صاحب وسیلہ وشفاعت (آپ ﷺ) کا تجھے واسطہ دیتے ہیں کہ تو اسلام اور مسلمانوں کی مدد فرما......''

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے (ص ۱۵۔۱۶) فرمایا:

یہ عجیب بات ہے کہ بعض علم کا دعویٰ کرنے والوں نے درج ذیل دو آیتوں ❶ سے استدلال لیا ہے جس کی

---

❶ پہلی آیت یہ ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (المائدة: ٣٥).

''ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف پہنچنے کا ذریعہ تلاش کرو، اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

دوسری آیت یہ ہے: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ يَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۚ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا﴾ [الاسراء: ۵۷]

''جن کو وہ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کی طرف وسیلہ (قرب) ڈھونڈتے ہیں، کہ کون ان میں سے قریب تر ہے، اور وہ اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں، اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور آپ کے رب کا عذاب بے شک ڈراؤنی چیز ہے۔''

وجہ سے ان میں سے بہت سے انبیاء کی ذات یا ان کے حق یا ان کی حرمت یا ان کے مقام ومرتبہ کو وسیلہ بنانے کے شوقین ہیں، حالانکہ وہ استدلال غلط ہے، ان دو آیتوں کو اس پر محمول کرنا صحیح نہیں، کیونکہ وہ شرعاً ثابت نہیں کہ یہ توسل مشروع اور مرغوب ہے، اس لیے اس استدلال کو سلف صالح میں سے کسی ایک نے بھی ذکر کیا نہ توسل مذکور کو مستحب قرار دیا......

ہمارے شیخ البانی نے "التوسل" (ص ٤٦-٤٧) میں توسل کی شرعی انواع ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

اور جو ان وسیلوں کی انواع کے علاوہ ہیں ان میں اختلاف ہے، ہم اپنے اعتقاد اور جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو لائق عبادت مانتے ہیں اس کے مطابق تو یہ جائز ہیں نہ مشروع، کیونکہ ان کے بارے میں کوئی دلیل وارد نہیں ہوئی جو قابل حجت ہو، تمام اسلامی ادوار میں محقق علماء نے اس کا انکار کیا ہے، اس کے باوجود بعض ائمہ نے اس کے بعض کے متعلق کہا ہے! احمد نے صرف رسول ﷺ کو وسیلہ بنانے کو جائز قرار دیا ہے، اور ان کے علاوہ۔ جیسے شوکانی نے آپ ﷺ اور آپ کے علاوہ انبیاء اور صالح افراد کے ذریعے توسل اختیار کرنے کو جائز قرار دیا ہے، لیکن ہم۔ جیسا کہ تمام اختلافی امور میں ہمارا موقف ہے۔ تو دلیل کے مطابق اپنا موقف قائم کرتے ہیں، ہم آدمیوں کی طرف داری نہیں کرتے، اور ہم تو صرف حق ہی کو اپناتے ہیں، کسی شخصیت کو نہیں جیسا کہ ہم اسے دیکھتے سمجھتے اور اس کا عقیدہ رکھتے ہیں، ہم نے اس توسل کے کی بحث میں دیکھا، ہمارا موقف یہ ہے کہ حق ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے مخلوق کے ساتھ توسل اختیار کرنے سے منع کیا ہے، ہم نے اس کے جائز ہونے کے لیے کوئی صحیح دلیل نہیں دیکھی جو قابل اہمیت ہو، ہم ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ہمیں کتاب وسنت سے کوئی صریح صحیح نص پیش کریں جس میں مخلوق کو وسیلہ بنانے کا ذکر ہو......

پھر انہوں نے فرمایا:

قرآن کریم میں وارد دعائیں۔ جو کہ بہت زیادہ ہیں۔ ہم ان میں سے کسی میں بھی مخلوقات میں سے کسی چیز کے مقام ومرتبہ یا حق یا حرمت یا عزت کے توسل کو نہیں پاتے۔

پھر ہمارے شیخ نے "التوسل" (ص ٤٧-٤٨) میں قرآن کریم سے دعائیں ذکر کیں، اور ان کے بعد بیان کیا:

"......اور واضح ہے کہ ان میں اس توسل مبتدع میں سے کوئی چیز نہیں جس کے گرد متعصب گنگناتے ہیں اور مخالفین اس کے متعلق بحث ومباحثہ کرتے ہیں:

پھر انہوں نے (ص ٤٨-٤٩) بیان کیا:

جب ہم سنت مطہرہ کی طرف جاتے ہیں تو ہم اس میں نبی ﷺ کی ان دعاؤں پر آگاہی حاصل کرتے ہیں

جنہیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے پسند فرمایا، اور وہ آپ کو سکھائیں، اور آپ نے ان کی فضیلت وعمدگی کی طرف ہماری راہنمائی فرمائی! ہم انہیں اس حوالے سے قرآنی دعاؤں کے مطابق پاتے ہیں کہ وہ بھی اس بدعتی وسیلے سے خالی ہیں جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

پھر انہوں نے سنت سے مختلف دعاؤں کا ذکر کرنے کے بعد (ص۵۰) فرمایا:

............ہم ان میں ایک بھی دعا نہیں پاتے جس میں اس بدعتی وسیلے میں سے کوئی چیز ہو جسے مخالفین عمل میں لاتے ہیں۔

مخالفین کا شرعی وسیلوں سے بے اعتنائی برت کر بدعتی اور غیر شرعی وسیلوں کو اختیار کرنا

ہمارے شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے "التوسل". (ص ۵۰-۵۳) میں بیان کیا:

حقیقی طور پر یہ عجیب ہے کہ تم ان لوگوں کو دیکھو گے وہ سابقہ مشروع توسل کی انواع سے اعراض برتتے ہیں۔ [1] پس وہ اپنی دعاؤں سے یا ان کی لوگوں کو تعلیم دینے میں ان (مشروع توسل) میں سے کوئی چیز عمل میں نہیں لاتے، حالانکہ ان کا کتاب وسنت میں ثبوت موجود ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔

تم انہیں دیکھو گے کہ وہ ان کے بجائے ان دعاؤں کا قصد کرتے ہیں جن کو انہوں نے اختراع کیا ہے، اور ان وسیلوں کو اختیار کرتے ہیں جو انہوں نے خود ایجاد کیے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں مشروع قرار دیا نہ اس کے برگزیدہ رسول ﷺ انہیں عمل میں لائے اور نہ ہی وہ اس امت کے پہلے تین افضل زمانوں کے اصحاب سے منقول ہوئے، اس کے متعلق کم از کم یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا مندرجہ ذیل فرمان ان کے متعلق زیادہ لائق ہے:

﴿اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ﴾ (البقرہ: ٦٢)

''کیا تم ایک بہتر چیز کے بدلے ادنیٰ چیز لینا چاہتے ہو؟''

ہوسکتا ہے کہ یہ عملی شواہد میں سے ایک ہو جو جلیل القدر تابعی حسان بن عطیہ المحاربی رحمہ اللہ کے سچ کی تائید کرتا ہے، جیسا کہ انہوں نے فرمایا:

((مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةً فِیْ دِیْنِهِمْ اِلَّا نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا ثُمَّ لَا یُعِیْدُهَا اِلَیْهِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ.)) [2]

''جب کوئی قوم اپنے دین میں کوئی بدعت ایجاد کرتی ہے تو اللہ اس کے مثل سنت سے (کوئی سنت)

---

[1] توسل کی بحث میں مشروع وسیلے اور ان کی اقسام (ص:۳۱) کے تحت دیکھیں۔

[2] "دارمی" (۱/ ٤٥) اس کی اسناد صحیح ہیں۔ (منہ)

چھین لیتا ہے، پھر وہ اسے قیامت تک ان کی طرف نہیں لوٹاتا۔"

ان بدعتی وسیلوں کا انکار کرنے والے ہم اکیلے ہی نہیں، بلکہ کبار ائمہ اور علماء اس کے انکار میں ہم سے سبقت لے گئے، بعض بعد میں آنے والے مذاہب میں اس کا اقرار کیا گیا، سن لو، وہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے، "در مختار" (۲/۶۳۰)...... وہ حنفیہ کی سب سے زیادہ مشہور کتابوں میں سے ہے...... میں بیان ہوا ہے: [1] ابوحنیفہ سے روایت ہے: کسی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اللہ سے کسی اور کے ساتھ دعا کرے اور اسی سے دعا کرنے کی اجازت دی گئی اور اسی کا حکم دیا گیا ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ (الاعراف: ۱۸۰) "اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں پس اسے انہیں ناموں سے پکارو۔" سے مستفاد ہے۔

اور اسی طرح "الفتاوی الهندية" (۵/ ۲۸۰) میں ہے۔ القدوری نے فقہ میں اپنی بڑی کتاب "شرح الكرخي" (باب الكراهة) میں بیان کیا:

قال بشر بن الوليد: حدثنا ابو يوسف، قال ابو حنيفة:

کسی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اللہ سے کسی اور کے ساتھ دعا کرے، اور میں ناپسند کرتا ہوں کہ وہ کہے. جس کا تیرے عرش کے پاس بہت زیادہ قریبی تعلق ہے اس کے ذریعے دعا کرتا ہوں، یا تیری مخلوق کے حق کے ذریعے، اور وہ ابو یوسف کا قول ہے، ابو یوسف نے بیان کیا: اپنے عرش کے پاس بہت زیادہ قریبی تعلق والا تو اللہ ہی ہے، میں اس کو ناپسند نہیں کرتا، اور میں یوں کہنا مکروہ جانتا ہوں: فلاں کے واسطے، یا تیرے انبیاء اور تیرے رسولوں کے واسطے، بیت الحرام اور مشعر حرام کے واسطے، امام قدوری نے بیان کیا: اس کی مخلوق کے واسطے سے سوال کرنا جائز نہیں، [2] کیونکہ مخلوق کے لیے خالق پر کوئی حق نہیں، پس وہ بالاتفاق جائز نہیں۔"

شیخ الاسلام نے اسے "القاعدة الجليلة" میں نقل کیا ہے۔

الزبیدی نے "شرح الاحياء" (۲/ ۲۸۵) میں بیان کیا: "ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) اور ان کے دونوں شاگردوں [3] نے ناپسند کیا ہے کہ آدمی یوں کہے: میں تجھ سے فلاں کے حق کے واسطے سوال کرتا ہوں، یا تیرے انبیاء اور تیرے رسولوں کے حق کے واسطے، یا بیت الحرام اور مشعر حرام کے حق کے واسطے، اور اس طرح کی دیگر باتیں، اس لیے کہ کسی کا اللہ پر کوئی حق نہیں، اور اسی طرح ابوحنیفہ اور محمد نے ناپسند کیا ہے کہ دعا کرنے والا کہے: اے اللہ! میں تجھ سے ان کے واسطے سے دعا کرتا ہوں جن کا تیرے عرش کے پاس بہت زیادہ قریبی مقام ہے، اور ابو یوسف کو جب

---

[1] "الضعيفة" (۱/ ۷۷-۷۸)

[2] یعنی اللہ سے مخلوق کے واسطے سے سوال کرنا۔ (منہ)

[3] امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمہما اللہ۔ (شہباز حسن)

جب اس کے متعلق اثر پہنچا تو انہوں نے اسے جائز قرار دیا۔

میں کہتا ہوں: لیکن وہ اثر (روایت) جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ باطل ہے، صحیح نہیں، ابن الجوزی نے اسے ''موضوعات'' میں روایت کیا ہے۔ اور انہوں نے فرمایا: ''یہ روایت بلاشک موضوع ہے۔'' اور حافظ زیلعی نے اسے "نصب الرایة" (۲۷۳) میں اسے ثابت رکھا ہے، پس وہ قابل حجت دلیل نہیں......

پھر ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اس پر ایک طویل فصل قائم کی، وہ چوتھی فصل ہے: "شبهات و الجواب عليها" انہوں نے اس میں بدعتی وسیلے کو جائز قرار دینے والوں کا (ص ۵۵) سے آخر کتاب تک حدیث کے طور پر اور فقہی طور پر مناقشہ اور تجزیہ کیا ہے، پس جو شخص اس سے واقف ہونا چاہے تو وہ اس کی طرف رجوع کرے، اس میں حق کے ہر متلاشی کے لیے قیمتی اور مفید بحثیں ہیں۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "التوسل" (ص ۱۰۱۔۱۰۲) میں ''تیسرے شبہے'' کے تحت بیان کیا:

''التوسل'' میں ضعیف احادیث:

بدعتی توسل کو جائز قرار دینے والے بہت سی احادیث سے دلیل لیتے ہیں، جب ہم نے ان پر غور وفکر کیا تو ہم انہیں دو انواع کے تحت پاتے ہیں [1]:

پہلی قسم:...... وہ جس کی رسول ﷺ کی طرف نسبت ثابت ہو، لیکن وہ ان کی مراد پر دلالت نہیں کرتی، اور وہ ان کی رائے کی بھی تائید نہیں کرتی جیسا کہ نابینے شخص کی روایت ہے...... [2]

دوسری قسم:...... وہ جس کی رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت ثابت نہیں، اس نوع کی بعض احادیث ان کی مراد پر دلالت کرتی ہیں اور بعض دلالت نہیں کرتیں، اور یہ احادیث وہ ہیں جو زیادہ تر صحیح نہیں۔ [3]

---

[1] دیکھیں: "الضعیفة" (۱/ ۷۹،۷۷).

[2] اسے کتاب "التوسل" میں اس کی جگہ پر دیکھیں، مثال کے طور پر، نہ کہ حصر کے طور پر، ہم دو حدیثیں ذکر کرتے ہیں:

(۱)...... عمر بن خطاب کا عباس بن عبدالمطلب سے بارش کے لیے دعا کرانا اور ہمارے شیخ نے اس سے استدلال کرنے والوں کا "التوسل" (ص ۵۵۔۷۵) میں تفصیل سے رد کیا ہے جو زندہ کے مردہ سے توسل کو جائز قرار دیتے ہیں، اور انہوں نے اس مسئلے پر "مختصر البخاری" (۱/ ۲۰٦) رقم (۵۱۱) پر بھی بحث کی ہے۔

(۲)...... حدیث: ''تمہارے ضعفاء کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے اور تمہیں رزق دیا جاتا ہے۔'' اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "المشكاة" (۱۴۴۲/۳) میں حدیث سابق، جس کا ''المشکاۃ'' میں (۵۲۳۲) نمبر ہے، پر تعلیقاً بیان کیا: یعنی: ان (ضعفاء کی دعاؤں اور ان کے اخلاص کی وجہ سے جیسا کہ بعض صحیح روایات میں ہے، پس اس حدیث میں اشخاص کے ذریعے توسل پر کوئی دلیل نہیں جیسا کہ بعض بدعتی لوگ گمان کرتے ہیں۔ (اسی طرح "هداية الرواة الى تخريج احاديث المصابيح والمشكاة" (۲۹/۵) میں ہے) نابینے سے متعلق حدیث کی ہماری تخریج الجنائیات میں دیکھیں۔ یہ ان شاء اللہ عنقریب مکتبۃ المعارف کی طرف سے شائع ہوگی۔

ہمارے شیخ نے اس پر بحث و تحقیق کی اور ''التوسل'' (ص ۱۰۲۔۱۳۴) میں اس کا ضعف بیان کیا۔

[3] ہمارے شیخ نے ''التوسل'' (ص ۲۔۱۳۱) میں اس کا مناقشہ کیا اور اس کا ضعف بیان کیا۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "التوسل" (ص۳۰) میں فرمایا:

"توسل میں ضعیف احادیث کے ذکر کرنے اور اس کے متعلق قول کی تحقیق سے فارغ ہونے کے بعد، بہتر ہو گا کہ ہم ایک روایت ذکر کریں، جسے اس بدعتی توسل کو جائز قرار دینے والے بہت زیادہ ذکر کرتے ہیں، تا کہ ہم صحت یا ضعف کے حوالے سے اس کا حال بیان کریں، کیا اس کا اس کے ساتھ، جس کی بحث ہم کر رہے ہیں، کوئی تعلق بھی ہے یا نہیں؟" ❶

اسی طرح ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے بدعتی توسل کے مسئلہ پر "الضعیفة" جلد اوّل میں بحث کی ہے، اور انہوں نے وہ احادیث ذکر کی ہیں جو توسل مبتدع کو ظاہر کرتی ہیں، مگر یہ کہ وہ ضعیف معلول ہیں، اور ان کے نمبر یہ ہیں: (۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵) اور انہوں نے حدیث رقم (۲۲) کے تحت الکوثری کا مناقشہ کیا جو کہ امام شافعی کا ابو حنیفہ کو وسیلہ بنانے کے مسئلہ سے متعلق ہے، اور انہوں نے حدیث کے حوالے سے اس کا رد کیا کیونکہ وہ ایک جھوٹا قصہ ہے، اور اسی طرح انہوں نے اس مسئلہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے "اقتضاء الصراط المستقیم" (ص۱۶۵) میں سے مضبوط نقولات نقل کی ہیں۔

اور انہوں نے اس کے علاوہ بھی بدعتی توسل کو جائز قرار دینے والے کا فقہی اور حدیث کے حوالے سے مناقشہ کیا ہے۔

توسل کے بارے میں ضعیف احادیث کے برے اثرات

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱/ ۹۴۔۹۵) میں فرمایا: وہ برے اثرات جو ان ضعیف احادیث نے توسل کے بارے میں چھوڑے ہیں: کہ انہوں نے امت کے بہت سے افراد کو توسل مشروع سے بدعتی توسل کی طرف پھیر دیا ہے؟ یہ کہ علماء — میری معلومات کے مطابق — اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کسی اسم، یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب چاہنے کے استحباب پر متفق ہیں، نیز اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیے گئے عمل کے ذریعے وہ عمل کرنے والا شخص اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کر سکتا ہے، وہ اپنے اس عمل کو اللہ کے حضور وسیلہ بنا سکتا ہے۔

بدعتی توسل کے بارے میں جو بھی کہا گیا، وہ اس سے خارج نہیں ہو سکتا کہ وہ ایک مختلف فیہ امر ہے، تو اگر لوگ انصاف کریں تو وہ احتیاط کے پیش نظر اس (بدعتی توسل) سے باز آ جائیں، اور وہ آپ ﷺ کے فرمان: ((دَعْ مَا يُرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يُرِيبُكَ)) "جو چیز تمہیں شک میں مبتلا کرے اسے چھوڑ دو اور جو شک میں مبتلا نہ

---

❶ وہ اثر ہے جو رسول ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے ذریعے بارش طلب کرنے کے متعلق ہے، اور وہ ضعیف ہے جیسا کہ ہمارے شیخ نے فرمایا: انہوں نے اسی طرح ایک اور اثر ذکر کیا اور اسے "التوسل" (ص۱۴۰) میں ضعیف قرار دیا۔

کرے اسے اختیار کرو۔'' پر عمل کرتے ہوئے اسے چھوڑ کر اس پر عمل کریں جس توسلِ مشروع کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے، لیکن انہوں نے ...... افسوس کی بات ہے ...... اس کو اہمیت نہ دی اور اختلافی توسل سے چمٹ گئے، گویا کہ وہ ان امور لازمہ میں سے ہے جس کے بغیر گزارا نہیں، اور انہوں نے اسے ایسے لازم کر لیا جیسے فرائض ہوں! ہوسکتا ہے کہ تم کسی شیخ یا عالم کو جمعہ کے دن دعا کرتے ہوئے سنتے ہو کہ وہ اس میں بدعتی توسل کو شامل کرتا ہے، اور اس کے برعکس بھی، اور تم ان میں سے کسی کو توسل مستحب کے ذریعے دعا کرتے ہوئے نہیں سنتے ہو گے، کہ وہ یوں دعا کرتا ہو: ''اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ ہر قسم کی حمد تیرے ہی لیے زیبا ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو یکتا ہے تیرا کوئی شریک نہیں، المنان (بہت عطا کرنے والا) آسمانوں اور زمین کے موجد، شان و شوکت اور عزت والے، زندہ و قائم رکھنے والے! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ حالانکہ اس میں اسم اعظم بھی ہے جب اس کے ساتھ دعا کی جائے تو وہ قبول فرماتا ہے، اور جب اس کے ساتھ سوال کیا جائے تو وہ عطا کرتا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا اور وہ آپ سے صحیح ثابت ہے۔

معزز قاری! کیا آپ نے کسی کو اس (مذکورہ بالا) یا اس کے معنی میں کسی اور کے ذریعے تقرب حاصل کرتے ہوئے سنا ہے؟ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں افسوس سے کہتا ہوں کہ میں نے یہ نہیں سنا، اور میرا خیال ہے کہ تمہارا جواب بھی اسی طرح ہوگا، تو اس کا سبب کیا ہے؟ یہ لوگوں کے درمیان ان ضعیف احادیث کے آثار کا پھیل جانا اور ان کی صحیح سنت سے لاعلمی ہے، مسلمانو! تم اس کا علم حاصل کرو تا کہ تم ہدایت پا جاؤ اور عزت حاصل کر لو۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱ / ۹۸) میں بدعتی توسل کو جائز قرار دینے والے کے رد میں بیان کیا:

غیر اللہ کے توسل کے انکار کے متعلق بعض پہلے ائمہ نے بھی صراحت کی ہے جن کی عظمت وفقاہت کا اعتراف ہے، ہم نے حنفیہ کی معتبر کتابوں میں سے اس بارے میں ابوحنیفہ کی نص نقل کی ہے، [1] اس کے متعلق ان کے دو شاگردوں امام محمد اور امام ابو یوسف سے بھی یہی منقول ہے اور وہ ان بدعتیوں کے لیے کمر توڑ مصیبت ہے۔

اے ناعاقبت اندیش! [2] وہ اجماع کہاں ہے جس کا دعویٰ کیا گیا تھا؟! یہ اجماع پر سب سے بڑا جھوٹ ہے کہ مؤلف صالح فوت شدگان سے مدد طلب کرنے کے جواز کو اس (اجماع) کی طرف منسوب کرتا ہے؟ یہ بہت بڑی گمراہی ہے، امت کے سلف اور اس کے علماء میں سے کسی نے اس کے متعلق نہیں کہا، ہم اس مؤلف اور اس طرح کے دیگر افراد کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ اس کے جواز کی ان سے کوئی نص کی طرح ہی کی کوئی چیز ہمیں پیش کریں، بلکہ ان کے پیروکاروں کی کتب میں اس کے خلاف ہے، اگر موقع کی تنگی نہ ہوتی تو ہم ان سے بعض نصوص نقل کرتے۔

---

[1] چند صفحات پیچھے اس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔

[2] شمال کا ایک شیخ اس نے بدعتی توسل کے جواز میں ایک رسالہ تالیف کیا۔ شیخ نے "الضعیفة" (۱ / ۹۵-۹۹) میں اس پر رد کیا۔

پھر ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعيفه" (۱/۹۸۔۹۹) میں بیان کیا:

اس مناسبت سے میں مؤلف کے اس بیسی احادیث کے ذریعے بدعتی توسل پر جہت استدلال کے حوالے سے مختصر بات کرنا چاہتا ہوں، میں کہتا ہوں:

سائلین کا اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ ان کی دعائیں قبول فرمائے، اگر یہ روایت صحیح ہے، اور جو اس کے معنی میں ہے، تو اس میں مخلوق کے ذریعے اللہ کے حضور توسل نہیں ہے، بلکہ وہ اس کی طرف اس کی صفات میں سے ایک صفت کے ساتھ توسل ہے، اور وہ اجابت ہے، اور یہ امر مشروع ہے اور محل نزاع سے خارج ہے، منصف کے طور پر غور کریں۔

اور اس کے ذریعے اس حدیث کے آخر پر مؤلف کا قول ساقط ہو جاتا ہے:

''نبی ﷺ نے احیاء واموات سائلین کو وسیلہ بنایا۔''

اس لیے کہ ہم کہتے ہیں: یہ کلمات کی تحریف ہے، ہم کہتے ہیں: توسل...... اگر حدیث صحیح ہو...... سائلین کے حق کے ذریعے، اور تم نے معنی صحیح سمجھ لیا، اور "بحق الممشى" اور وہ اللہ کی طرف سے بندے کے لیے بدلہ و انعام ہے، اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے، تو پھر بدعتی توسل کہاں ہے، جبکہ وہ توسل بالذات ہے!!

یہ فوری تردید قارئین کرام کو دو آخری امر کی طرف تنبیہ اور رسالہ مذکورہ کے رد میں کفایت کرتی ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ انہوں نے (ص۱۶) پر نابینے شخص کی روایت ذکر کی، اس کے مفہوم کا بیان گزر چکا، پھر اس کے بعد اس نے صاحب حاجت شخص کے ساتھ عثمان بن حنیف کے قصے کا ذکر کیا، اس نے ان سے شکایت کی کہ وہ عثمان بن عفان کے پاس جاتا ہے، تو وہ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے، ابن حنیف نے اسے کہا کہ وہ نابینے شخص کی دعا کے ساتھ دعا کرے۔ وہ عثمان بن عفان کے پاس گیا تو انہوں نے اس کی ضرورت پوری کر دی!

مؤلف نے اس قصے سے آپ ﷺ کو آپ کی وفات کے بعد وسیلہ بنانے پر دلیل لی ہے۔

ہمارا جواب دو طرح سے ہے:

(۱)...... یہ قصہ موقوف ہے، دوسرے صحابہ نے آپ ﷺ کو آپ کی وفات کے بعد مطلق طور پر وسیلہ نہیں بنایا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ کے ذریعے وسیلہ طلب کرنے کا معنی ہے آپ ﷺ کی دعا کو وسیلہ بنانا، اور یہ (آپ کی وفات کے بعد) ناممکن ہے جیسا کہ اس کا بیان گزر چکا ہے۔

(۲)...... یہ قصہ ابن حنیف سے ثابت نہیں، اور اس کا بیان ہمارے خاص رسالہ "التوسل: انواعه و احكامه" (ص۹۲۔۹۹) میں ہے، اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے۔

اور اسی طرح اس نے (ص۲۵) ذکر کیا کہ جب عمر کے دور میں قحط پڑا تو بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی قبر پر آئے، اور آپ کو اس طرح آواز دی: اللہ کے رسول! اپنی امت کے لیے بارش طلب کریں، کیونکہ وہ تو ہلاک ہو گئے!

یہ قصہ بھی ثابت نہیں، مؤلف نے بعض ائمہ کے کلام کی تحریف کرتے ہوئے اس کی صحت کا وہم ڈالا ہے، اس نے یہ اپنے سے پہلے خواہش پرستوں کی تقلید کرتے ہوئے کیا ہے، اس کی تفصیل اس رسالے میں ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''ریاض الصالحین'' (ص۳۷) حدیث رقم (۱۲) پر تعلیقاً بیان کیا، وہ حدیث ان تین حضرات کے متعلق ہے جب وہ غار میں تھے تو چٹان گرنے سے اس غار کا منہ بند ہو گیا تھا[1]:

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کرب وتکلیف کے وقت دعا کرنی چاہیے اور دعا کرنے والا اپنے عمل صالح کو وسیلہ بنا سکتا ہے، اس کی مثال: اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات کو وسیلہ بنانا اور صالح شخص کی دعا کو وسیلہ بنانا۔

رہا انبیاء اور اولیاء کی ذات کو وسیلہ بنانا، تو اس کی کوئی اصل نہیں، بلکہ وہ توسل مشروع کے خلاف ہے، آگاہ رہو!

بدعتی توسل کے منع کا سبب

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اس مسئلے میں ''التوسل'' (ص۱۶۴) پر السیوطی پر رد کرنے کے موقع پر بیان کیا:

یہاں ہم سے رہ نہ جائے کہ ہم اسے اور اس کی امثال کو ذکر نہ کریں جن کو ہم نے اس رسالے کی خاص چیزوں میں بیان کیا، کہ وہ سبب جو ہمیں صالحین کی ہستیوں اور ان کے مقام ومرتبے کو وسیلہ بنانے سے روکتا ہے وہ اس کا تابناک شریعت میں وارد نہ ہونا ہے، نیز نبی ﷺ نے اسے اپنایا نہ آپ کے اصحاب نے، اس لیے وہ نیا توسل اور بدعت ہے، اور وہ ان نصوص سے بھی وارد نہیں جن سے مخالفین دلیل لیتے ہیں، ان میں سے بعض ثابت ہیں، لیکن وہ ان کے دعوے پر دلالت نہیں کرتیں، جبکہ ان میں سے دوسرے بعض ثابت نہیں، اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔

یہ وہ سبب ہے جو ہمیں اس توسل کے انکار پر آمادہ کرتا ہے، اور ہم صراحت سے کہتے ہیں: اگر وہ شریعت میں وارد ہوتا تو ہم بھی اس کے متعلق کہتے، کسی مانع نے ہمیں اس سے منع نہ کیا، کیونکہ ہم تو شریعت کے ہاتھ کے قیدی ہیں، اس نے جسے جائز قرار دیا ہم نے اسے جائز قرار دیا، اور اس نے جس سے منع کیا ہم نے اس سے منع کیا،

---

[1] 'فنون الادب' للنقاش (رقم: ۳۵۔۴۸) کی تعلیق میں، میں نے اس کی تفصیلاً تخریج کی ہے جو کہ مجموعۃ اجزاء حدیثیۃ کے المجموعۃ الاولیٰ میں شائع شدہ ہے۔

عجیب ہے کہ اس ڈاکٹر (پی ایچ ڈی) نے اس اساسی سبب سے بے اعتنائی برتی، اور اپنی طرف سے جس طرح اس کی خواہش نے اسے خیال پیدا کیا، اس نے ایک سبب تخلیق کر دیا، اس نے اسے اس قصد سے کیا کہ وہ ہم پر طعن کر سکے، ہماری تشہیر کر سکے اور ہمارے خلاف پروپیگنڈہ کر سکے، (اللہ آپ پر رحم فرمائے) اس عجیب وغریب دین وعلم کے منافی اسلوب کی طرف دیکھو، اور اس دور میں حق اور اہل حق سے بیگانگی کے بارے میں ہمارے ساتھ اللہ عزو جل کے حضور شکایت کرو۔

''نبی ﷺ کی ذات کے ذریعے توسل کو آپ کے آثار کے ذریعے برکت حاصل کرنے پر قیاس کرنا''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنی علمی کتاب "التوسل" (۱۵۲۔۱۵۳) کو چوتھی فصل (شبهات و الجواب عليها کے تحت بیان کیا:

نبی ﷺ کی ذات کے ذریعے توسل کو آپ کے آثار کے ذریعے برکت حاصل کرنے پر قیاس کرنا

یہ ایک دوسرا شبہ ہے جو پہلے زمانوں میں معروف نہ تھا، ڈاکٹر بوطی نے اسے خود ایجاد کیا اور اسے رائج کیا، جب اس نے اپنی کتاب "فقه السيرة" (ص ٣٤٤۔ ٤٥٥) میں ان دروس کے متعلق اپنی گفتگو کے دوران ثابت کیا جو غزوہ حدیبیہ سے مستفاد ہیں، وہ ہے نبی ﷺ کے آثار کے ذریعے برکت حاصل کرنے کی مشروعیت، پھر اس نے اس پر آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی ذات کے ذریعے توسل کو قیاس کیا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے ایک عجیب وغریب رائے پیش کی، جو علم سے وابستگان میں سے کسی نے نہیں کی، حتی کہ تقلید، جمود، تعصب اور دین میں بدعات جاری کرنے کے مشغلے میں خوب مشغول افراد میں سے بھی کسی نے نہیں کہا۔ ❶

فرشتوں، انبیاء اور صالحین سے سفارش طلب کرنا

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے فرشتوں، انبیاء اور صالحین سے سفارش طلب کرنے کے مسئلے میں اپنی کتاب "التوسل" (ص ١٣٤ ۔ ١٣٧) میں شیخ الاسلام کا کلام نقل کیا ہے، انہوں نے بیان کیا:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے "القاعدة الجليلة" (ص١٩ ۔ ٢٠) میں فرمایا:

''نبی ﷺ بلکہ آپ سے پہلے کسی نبی نے بھی لوگوں کے لیے مشروع قرار نہیں دیا کہ وہ فرشتوں، انبیاء اور صالحین سے دعا کریں، اور ان کو سفارشی بنائیں، ان کی وفات کے بعد نہ ان کی غیر موجودگی میں، لہٰذا کوئی یوں نہ کہے: اللہ کے فرشتو! اللہ کے ہاں میری سفارش کرو، اللہ سے ہماری درخواست کرو کہ وہ ہماری مدد فرمائے یا وہ ہمیں رزق فراہم کرے یا وہ ہماری راہنمائی فرمائے اور اسی طرح وہ فوت

---

❶ پھر ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے مصدر مذکور (ص۱۵۴۔۱۵۶) میں اس پر مؤاخذات کے حوالے سے اس کا کلام نقل کیا۔ ان (صفحات) کے بعد آپ نے (کلام) نقل کر کے اس کا تعاقب کیا اور رد پیش کیا۔

ہو جانے والے انبیاء اور صالحین سے یوں نہ کہے: اللہ کے نبی! اللہ کے ولی! مسودے میں (نبی اللہ کے بجائے رسول اللہ کے الفاظ ہیں) اللہ سے میرے لیے دعا کریں، میرے لیے اللہ سے سوال کریں، اللہ سے میرے لیے درخواست کریں کہ وہ مجھے بخش دے...... اور وہ یوں بھی نہ کہے: میں اپنے گناہوں یا اپنے رزق میں کمی یا دشمن کے اپنے اوپر تسلط کی آپ سے شکایت کرتا ہوں، یا فلاں شخص کی آپ سے شکایت کرتا ہوں جس نے مجھ پر ظلم کیا، اور یوں نہ کہے: میں نے آپ کے ہاں پڑاؤ ڈالا ہے، میں آپ کا مہمان ہوں، میں آپ کا پڑوسی ہوں یا جو کوئی آپ سے پناہ طلب کرتا ہے آپ اسے پناہ دے دیتے ہیں، کوئی کسی کاغذ پر لکھ کر اسے قبروں پر نہ لٹکائے، اور کوئی دستاویز نہ لکھے کہ اس نے فلاں کے ذریعے پناہ طلب کی ہے، اور وہ اس دستاویز کو لے کر اس شخص کی طرف جائے جو اس دستاویز کے مطابق عمل کرتا ہے اور اس طرح کا کام جو اہل کتاب اور بدعتی مسلمان کرتے ہیں، جس طرح عیسائی اپنے گرجوں میں کرتے ہیں، اور جس طرح بدعتی مسلمان انبیاء اور صالحین کی قبروں کے پاس کرتے ہیں، یا ان کی غیر موجودگی میں کرتے ہیں، یہ دین اسلام سے نقل متواتر اور مسلمانوں کے اجماع سے غیر ارادی طور پر معلوم ہے کہ نبی ﷺ نے یہ اپنی امت کے لیے مشروع قرار نہیں دیا، اسی طرح آپ ﷺ سے پہلے انبیاء نے بھی اس میں سے کوئی چیز مشروع نہیں کی، اور نہ آپ ﷺ کے اصحاب اور تابعین میں سے ہی کسی نے یہ کہا، اور مسلمانوں کے اماموں میں سے کسی نے اسے مستحب قرار دیا نہ ائمہ اربعہ (چاروں اماموں) نے اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی اور نے، اور نہ ہی ائمہ میں سے کسی نے اسے مناسک حج میں ذکر کیا نہ اس کے علاوہ کسی اور میں یہ کہ کسی کے لیے مستحب ہے کہ وہ نبی ﷺ سے آپ کی قبر کے پاس سوال کرے کہ آپ اس کی سفارش کریں یا اپنی امت کے لیے دعا کریں یا وہ آپ سے آپ کی امت پر نازل ہونے والے دنیا و دین کے مصائب کی شکایت کرے، آپ ﷺ کے اصحاب آپ کی وفات کے بعد کئی آزمائشوں کا شکار ہوئے، کبھی قحط سالی سے، کبھی رزق کی کمی کے ذریعے، کبھی خوف اور دشمن کی قوت کے ذریعے اور کبھی گناہوں اور معاصی کی وجہ سے، لیکن ان میں سے کوئی بھی رسول کی قبر کے پاس آیا نہ خلیل کی قبر کے پاس اور نہ ہی انبیاء میں سے کسی نبی کی قبر کے پاس، اس میں سے کوئی اگر یہ نہیں کہتا تھا: ہم آپ سے قحط سالی یا دشمن کی قوت یا گناہوں کی کثرت کی شکایت کرتے ہیں، اور نہ ہی وہ یوں کہتا: آپ اللہ سے ہمارے لیے یا اپنی امت کے لیے سوال کریں کہ وہ انہیں رزق فراہم کرے یا ان کی مدد کرے یا انہیں بخش دے، بلکہ یہ اس طرح کی کوئی بدعت جسے مسلمانوں کے کسی امام نے مستحب قرار نہ دیا، تو وہ مسلمانوں کے متفقہ

فیصلے کے مطابق واجب ہے نہ مستحب، اور ہر بدعت جو واجب ہو نہ مستحب تو اس کے بدعت سیئہ اور گمراہی ہونے میں مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ ❶

اور جس نے بعض بدعات کے بارے میں کہا: کہ وہ بدعت حسنہ ہے، تو یہ تب ہے جب اس پر شرعی دلیل ہو کہ وہ مستحب ہے، رہی وہ جو مستحب ہو نہ واجب تو مسلمانوں میں سے کوئی بھی نہیں کہتا: کہ وہ ان نیکیوں میں سے ہے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے، اور جس نے کسی ایسی چیز کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہا جو ان حسنات میں سے نہیں جن کے واجب ہونے یا مستحب ہونے کے متعلق حکم ہے تو وہ شخص گمراہ ہے شیطان کی پیروی کرنے والا ہے، اور اس کی راہ شیطان کی راہ ہے، جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے ایک لکیر کھینچی، اور اس کے دائیں بائیں لکیریں کھینچیں، پھر فرمایا: ''یہ اللہ کی راہ ہے، اور یہ راہیں ہیں، ان میں سے ہر راہ پر ایک شیطان اس کی طرف دعوت دے رہا ہے، پھر یہ آیت تلاوت کی: ﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ﴾ (الانعام: ۱۵۳) ''اور یہ میری سیدھی راہ ہے اس کی اتباع کرو اور سبل (زیادہ راہوں) کی اتباع نہ کرو وہ تمہیں اس کی راہ سے جدا کر دیں گی۔''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''صفة صلاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' (ص:۱۸۶) میں بیان فرمایا:

رہا اس کے علاوہ توسل ...... جیسے مقام و مرتبہ اور حق و حرمت ...... تو ابو حنیفہ رحمہ اللہ (اور ان کے اصحاب) نے اس کے مکروہ ہونے کی تصریح کی ہے، اور وہ مکروہ ...... جب مطلق ہو تو ...... مکروہ تحریمی ہوتا ہے، اور باعث افسوس ہے، کہ تم اکثر لوگوں کو ...... ان میں سے بہت سے مشائخ ہیں ...... دیکھو گے کہ انہوں نے اس توسل مشروع سے اعراض کیا ہے جس کے مشروع ہونے پر اتفاق ہے۔ تم ان میں سے کسی کو اس (مشروع توسل) کے ذریعے توسل اختیار کرتے ہوئے نہیں دیکھو گے! بلکہ وہ بدعتی توسل کی پابندی کرتے ہوں گے، جس کے بارے میں کم از کم یہ کہا جائے گا: کہ وہ مختلف فیہ ہے۔ وہ اس پر مداومت کرتے ہیں گویا کہ جو اس کے علاوہ ہے وہ جائز نہیں! شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا مقالہ ''التوسل والوسیلة'' اس موضوع پر بہت اچھا ہے، اس کا مطالعہ کریں، وہ بہت ہی اہم ہے، وسیلے کے موضوع پر وہ اپنی مثال آپ ہے۔

---

❶ یہاں شیخ الاسلام کا کلام دو میں سے ایک وجہ پر محمول کیا جائے گا، ۱۔ ''مخالفین سے ان کے مطابق مخاطب ہوئے ہوں جو وہ بدعت کی تقسیم کا پانچ احکام (یعنی فرض، واجب، سنت، مستحب، مباح) کے حساب سے عقیدہ رکھتے ہیں، ان میں سے وجوب اور مستحب ہے، ۲۔ بدعت لغوی مراد لیتے ہوں، اور اس سے مراد وہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد واقع ہوا اور اس پر شرعی دلیل دلالت کرتی ہو، جب ہم نے یہ کہا: جو آپ رحمہ اللہ سے معروف ہے کہ وہ بدعت شرعی شمار ہوگی وہ سب گمراہی ہیں، یہاں ان کا پورا کلام اس پر دلالت کرتا ہے۔ (منہ)

ان کا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا اس طرح ذکر کرنا ''شیخ عبدالقادر جیلانی! اللہ کے لیے کچھ دیں'' بہت قبیح برائی اور سب سے بڑی بدعت ہے!!

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "التوسل" (ص ۱۳۸۔۱۴۰) میں بیان کیا: شیخ ابوالطیب شمس الحق عظیم آبادی نے "التعلیق المغنی علی سنن الدار قطنی" (ص۵۲۰-۵۲۱) میں بیان فرمایا:-

''بہت قبیح برائیوں اور سب سی بڑی بدعات میں سے یہ ہے: جو اس طرح کہتے ہیں: ''شیخ عبدالقادر جیلانی! اللہ کے لیے کچھ دیں! اور بغداد کی طرف جھک کر ادا کی جانے والی نمازیں، اور اس کے علاوہ بے شمار بدعات، یہ لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، انہوں نے اللہ کی اس طرح قدر نہ کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق ہے، ان نادانوں کو علم نہیں کہ شیخ رحمہ اللہ کسی کو ذرہ برابر نفع پہنچا سکتے ہیں نہ اس سے ذرہ برابر تکلیف دور کر سکتے ہیں، تو پھر وہ ان سے کیوں فریاد کرتے ہیں اور ان سے کیوں ضرورتیں طلب کرتے ہیں؟! کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں؟ اے اللہ! ہم تیری پناہ چاہتے ہیں کہ ہم تیرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں یا ہم تیری مخلوق میں سے کسی کی تیری عظمت کے مانند تعظیم کریں۔

انہوں نے "البزازیۃ" اور دیگر کتب فتاوی میں بیان کیا: ''جس نے کہا کہ مشائخ کی روحیں حاضر ہیں وہ جانتی ہیں اس کی تکفیر کی جائے گی۔'' ❶ اور شیخ فخر الدین ابوسعد عثمان الجیانی بن سلیمان الحنفی نے اپنے ''رسالے'' میں بیان کیا: ''جس نے گمان کیا کہ میت اللہ کے علاوہ تمام امور میں تصرف کا اختیار رکھتی ہے، اور اس نے اس کا اعتقاد رکھا اس نے کفر کیا۔ اسی طرح ''البحر الرائق'' میں ہے، اور قاضی حمید الدین ناگوری ہندوستانی نے ''التوشیح'' میں بیان کیا: ''ان میں سے جو حاجتوں اور مصائب کے وقت اس اعتقاد سے انبیاء اور اولیاء کو پکارتے ہیں کہ ان کی روحیں حاضر ہیں وہ پکار سنتی ہیں اور ضرورتوں کو جانتی ہیں، یہ شرک قبیح اور جہل صریح ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ﴾ ❷ ''اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوسکتا ہے جو اللہ کو چھوڑ کر اس کو پکارے جو قیامت تک اس کی پکار نہ سن سکے، اور وہ ان کے پکارنے کی خبر تک نہیں رکھتے۔'' اور "البحر" ❸ (۳/ ۹٤) میں ہے: ''اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی گواہی پر شادی کی جائے تو نکاح نہیں ہوگا، اور اس کے اس اعتقاد کی وجہ کہ نبی ﷺ غیب جانتے ہیں تکفیر کی جائے گی۔'' ❹ اور اسی طرح ''فتاوی قاضی خان''، ''العینی''، ''الدر المختار'' اور ''عالم گیری'' وغیرہ

---

❶ البحر: ٥/ ١٣٤. (منه) ❷ سورة الاحقاف، آیت: ٥. (منه) ❸ البحر: ۳/ ۹٤. (منه)

❹ اسی قبیل سے ہے جو بہت سے لوگوں کی عادت ہے کہ وہ جواب کے وقت یوں کہتے ہیں: "اللّٰه ورسوله اعلم" (اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں!) بعض صحابہ کا قول اس بارے وارد ہے، تو یہ صرف آپ ﷺ کی حیات میں تھا، رہا آپ کی وفات کے بعد تو یہ کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ (منه)

حنفی علماء کی کتب میں ہے۔ [1] اور رہی وہ آیات کریمہ اور سنت مطہرہ جو اساس شرک کے ابطال اور مشرک کی توبیخ کے بارے میں ہیں تو وہ بے شمار ہیں، اور اس منکر بدعت کے رد میں ہمارے شیخ علامہ سید محمد نذیر حسین دہلوی کا ایک تسلی بخش مقالہ ہے۔"

دعا: اے اللہ! تیرے نبی کے مقام ومرتبے کے صدقے............

ہمارے شیخ الالبانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "التوسل" (ص۴۵) میں فرمایا:

"بے شک اس طرح کی دعا بدعت ہے اس کی کتاب وسنت میں کوئی اصل ہے نہ سلف صالح ...... رضوان اللہ تعالیٰ علیھم ...... میں سے کسی نے یہ کیا ہے۔ [2]

---

[1] شیخ شمس الدین السلفی الافغانی کی اس موضوع پر "جھود علماء الحنفية فی ابطال عقائد القبورية" کے نام سے تین ضخیم جلدوں میں ایک بڑی کتاب ہے، جسے دار الصمیعی نے شائع کیا ہے۔

[2] دیکھیں: التوسل (ص۹) ط: ٥، المکتب الاسلامی.

فصل: طہارت کی بدعات

اوّل:......قضائے حاجت کی بدعات

① - بیت الخلاء میں جانے کے لیے کوئی خاص لباس مقرر کرنا

② - صفائی کے حصول کے وقت استنجاء کرنے کے لیے تین سے زائد ڈھیلے (پتھر) استعمال کرنا

دوم:......وضو کی بدعات

① - وضو کے لیے کوئی خاص برتن مقرر کرنا

② - وضو میں گردن کا مسح کرنا

طہارت کی بدعات

ا۔ قضائے حاجت کی بدعات

ا:...... بیت الخلاء میں جانے کے لیے کوئی خاص لباس مقرر کرنا:

"شرح طريقة محمدية" (٤/ ٢٦٠۔٢٦١) "الرد على التعقيب الحثيث" (ص ٥٠)

۲:......صفائی کے حصول کے وقت استنجاء کرنے کے لیے تین سے زیادہ ڈھیلے استعمال کرنا:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعيفة" (٣/ ١٠٠) حديث رقم (١٠٢٨) کے تحت بیان کیا:

اس ضعیف روایت [1] پر جس نے طاق عدد میں ڈھیلے استعمال کرنے اور نہ کرنے کے درمیان اختیار دیا، عمل کرنا اور اس چیز کو رد کرنا جس پر سلمان کی روایت [2] دلالت کرتی ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تین سے کم ڈھیلے استعمال کرنا جائز نہیں، یہ (طرز عمل) علمی انصاف سے دوری اور عجیب چیزوں سے ہے، جبکہ ان دونوں کے درمیان تطبیق کا امکان ہو......اگر روایت صحیح ہو...... کہ اس کو تین کے بعد طاق عدد پر محمول کر لیا جائے جیسا کہ بیان ہوا۔

رہا ابن ترکمانی کا اس محمول کرنے کو رد کرنا: ''اگر یہ صحیح ہے، اس سے لازم آیا کہ تین ڈھیلے استعمال کرنے کے بعد طاق عدد میں ڈھیلے استعمال کرنا مستحب ہو، کیونکہ آپ علیہ السلام نے اس کا حکم فرمایا ہے اور یہ دلیل کا تقاضا ہے، اور ان کے نزدیک اگر تین ڈھیلے استعمال کرنے کے بعد صفائی ہو جائے تو پھر ان سے زائد استعمال کرنا مستحب نہیں، بلکہ بدعت ہے۔''

اس پر ہمارا جواب: ہاں یہ تین ڈھیلوں سے صفائی حاصل ہو جانے پر بدعت ہے، ہم اس روایت کو طاق عدد پر اس سے صفائی کے عدم حصول کے وقت محمول کریں گے، اس معنی میں: کہ جب چوتھے ڈھیلے سے صفائی حاصل ہو

---

[1] یعنی: حدیث (۱۰۲۸) اور اس سے شاہد وہ ہے جس کی طرف شیخ نے اشارہ کیا ہے: ''...... جو ڈھیلوں سے استنجاء کرے وہ طاق عدد استعمال کرے، جس نے ایسے کیا تو اچھا کیا، اور جس نے نہ کیا تو کوئی حرج نہیں......''

[2] سلمان کی حدیث یہ ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں منع فرمایا کہ ہم میں سے کوئی تین سے کم ڈھیلوں سے استنجاء کرے۔'' (صحيح مسلم، رقم: ٢٦٢۔ كتاب الطهارة، باب الاستطابة، شیخ رحمہ اللہ نے اس کی صحيح سنن ابی داؤد (١/ ٢٩۔٣٠، رقم: ٥) اور السلسلة الصحيحة (رقم: ٢٧٤٩) میں تخریج کی ہے۔

جائے تو پھراس کے بعد طاق عدد کا اختیار اس کے استحباب کے ساتھ ہے، اس کے برعکس جب صفائی دو ڈھیلوں سے حاصل ہو جائے، تو پھر تیسرا واجب ہو جاتا ہے، جیسا کہ سلمان کی روایت اور اس معنی کی دیگر روایات میں ہے، وباللہ التوفیق۔

۲۔ وضو کی بدعات

(الف)...... وضو کے لیے خاص برتن مقرر کرنا:

"شرح الطریقة المحمدیة" (٤/ ٢٧٨) ، "الرد علی التعقیب الحثیث" (ص ٥٠)

(ب)...... وضو میں گردن پر مسح کرنا:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اس روایت:

''گردن پر مسح کرنا خیانت سے امان ہے۔'' [1] پر "الضعیفة" (١/ ١٦٩۔١٧٠) میں موضوع ہونے کا حکم لگانے کے بعد فرمایا:

''اس طرح کی روایت منکر شمار ہوتی ہے، خاص طور پر کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے طریقے کے بارے میں وارد تمام روایات کے مخالف ہے، جبکہ ان میں سے کسی میں بھی گردن کے مسح کا ذکر نہیں، شائد کہ طلحہ بن مصرف عن ابیه عن جده" کی روایت میں ہے......'' [2]

---

[1] "الضعیفة" رقم (٦٩)

[2] انہوں نے ذکر کیا کہ اس کی تین علتیں ہیں، ان میں سے ہر ایک اسے ضعیف قرار دینے کے لیے کافی ہے، اسے "الضعیفة" (١/ ١٧٠) میں دیکھیں۔ بارك الله فيك

فصل: فطرت کی بدعات

① - داڑھی مونڈنا

② - داڑھی کترنا

③ - مونچھیں مونڈنا

❀ مونچھیں خوب کترنے کے بارے میں صحابہ کی روایات

④ - مطلق طور پر داڑھی بڑھانا:

❀ مٹھی بھر مقدار سے زائد داڑھی کترنے کے مسئلے کی تفصیل۔

❀ مٹھی بھر مقدار سے زائد داڑھی کترنے کے بارے میں سلف سے ثابت آثار

⑤ - بندگی، دین داری اور زہد کے طور پر سر کے بال مونڈنا

فطرت کی بدعات

۱: داڑھیاں مونڈنا

ہمارے شیخ الالبانی رحمہ اللہ نے "اللحیۃ فی نظر الدین" [1] رسالے (ص ۱۶۔۱۷) میں فرمایا:

شیخ علی محفوظ نے اپنی علمی کتاب "الابداع فی مضار الابتداع" میں بیان کیا، آپ رحمہ اللہ نے جو بیان کیا اس کا خلاصہ یہ ہے:

بہت زیادہ قبیح بدعات میں سے ہے کہ آج جو لوگ داڑھیاں مونڈنے کے عادی ہو گئے ہیں، اور یہ بدعت مقامی لوگوں میں غیر ملکیوں کے ساتھ رہن سہن اور ان کی عادتوں کو اچھا سمجھنے سے آئی، حتیٰ کہ انہوں نے اپنے دین کے محاسن کو برا سمجھا اور اپنے نبی محمد ﷺ کی سنت کو ترک کر دیا۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ان لوگوں پر تعجب کرتے ہوئے کہا، جو ایک موضوع روایت کا سہارا لیتے ہوئے نماز کے لیے عمامہ ضرور باندھتے ہیں، جبکہ ان کی داڑھیاں مونڈی ہوتی ہیں، "الضعیفۃ" (۱/ ۲۵۴) حدیث رقم (۱۲۹) کے تحت بیان کیا:

عجائب میں سے ہے کہ تم ان بعض لوگوں کو داڑھی مونڈنے کے گناہ کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھو گے، جب وہ نماز کا قصد کرتے ہیں انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے اس تساہل کے باعث کون سا نقص ان سے وابستہ ہو جائے گا، اور وہ کبھی اہمیت نہیں دیتے۔ رہی عمامے میں نماز، تو وہ ایسا امر ہے جسے وہ بہت اہمیت دیتے ہیں! [2]

---

[1] میں نے الشیخ رحمہ اللہ کو اس کے متعلق بتایا، جبکہ وہ اسے بھول چکے تھے، اور میں نے اسے اپنی کتاب "مقالات الالبانی" میں بیان کیا۔ عنقریب اس کی روشنی (اشاعت) دیکھی جائے گی۔ ان شاء اللہ.

[2] اس مسئلہ میں ہمارے شیخ الالبانی کا بہت علمی اور عمدہ کلام ہے۔ جسے انہوں نے مجلہ "المسلمون" (۶/ ۹۰۶۔۹۱۳) بتاریخ ۲۶/ ۲/ ۱۳۷۹ھ میں "الأحادیث فی العمامۃ" کے عنوان کے تحت تحریر فرمایا، اور اس اصول کے مطابق اس کا ضعف بیان کیا جو کہ علمائے حدیث کے ہاں مقرر ہے۔ اور وہ شیخ محمد الحامد پر ان کے مقالے پر رد ہے جو اسی مجلہ میں "العمامۃ فی الاسلام" کے عنوان کے شائع ہوا، اور وہ شیخ علی طنطاوی کے کلام پر گرفت کے طور پر ہے، اور اس کا عنوان ہے: "صناعۃ المشیخۃ" انہوں نے کہا: ''خلاصہ یہ ہے کہ یہ تمام احادیث انتہائی ضعیف ہیں، وہ اس قدر کمزور اور شدید ضعیف ہیں کہ ان کا دوسرے طرق سے قوی ہونا بھی ممکن نہیں۔

پھر جس وقت میں ان احادیث کو قطعی ضعیف بیان کرتا ہوں، میں یہ بیان کرنا نہیں بھولتا کہ آپ ﷺ کا عمامہ باندھنا آپ ﷺ سے پہلے سے عربوں کی معروف عادت اور رواج کے مطابق تھا اور یہ ایک ایسا امر ہے جو صحیح احادیث میں ثابت ہے کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا، جب اس سے ملایا جائے جسے حافظ شیخ الحامد نے ذکر کیا ہے، اس حوالے سے کہ اسلام اپنے پیروکاروں کو خاص طرح پر ہونا پسند کرتا ہے، ⇦⇦⇦

پھر ہمارے شیخ نے فرمایا:

......دیکھو شیطان نے کس طرح انہیں مفید عمامہ سے بدعتی عمامہ ❶ کی طرف پھیر دیا، اور اس نے انہیں یہ دھوکا دیا کہ یہ اس سے اور داڑھی بڑھانے سے کفایت کرتا اور بے نیاز کر دیتا ہے جو کہ مسلم کی کافر سے تمیز کرتی ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"مشرکوں کی مخالفت کرو، مونچھیں کتراؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔"

یہ روایت ابن عمر اور دیگر کے حوالے سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے، اور "حجاب المرأة المسلمة" (ص۹۳-۹۵) میں اسے نقل کیا گیا ہے۔

جو شخص نماز کے وقت مستعار عمامہ باندھتا ہے وہ اس شخص کے مانند ہے جو نماز کے وقت مستعار داڑھی لگا لیتا ہے! اور اگر ہم نے اپنے علاقوں میں یہ مستعار داڑھیاں نہیں دیکھیں، تو میں اسے دور نہیں سمجھتا کہ میں ایک دن اسے دیکھوں گا کہ مسلمان یورپین کی تقلید و نقالی میں یہ بھی کریں گے، میں نے دمشق کے "جریدة العلم" شمارہ (۲۴۸۵)، بتاریخ ۲۵ ذی القعدہ، ۱۳۶۴ھ میں پڑھا ہے، وہ یہ ہے:

"لندن میں جب گرمی کی شدت میں اضافہ ہوا تو میرز (لارڈز) کی ایک میٹنگ ہوئی، تو رئیس نے انہیں اجازت دی کہ وہ اپنی مستعار داڑھیاں اتار دیں!"

کیا ہے کوئی عبرت حاصل کرنے والا؟!

۲: داڑھی کترنا

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعيفة" (۱۲۵/۵) میں درج ذیل حدیث ((جَزُّوا الشَّوَارِبَ، وَارْخُوا

⇐⇐⇐ وہ ان کو اس سے بچاتا ہے کہ وہ ظاہری ہیئت میں اپنے علاوہ دوسروں سے اختلاط کریں...... ان کے عمدہ کلام کے آخر تک۔ جس میں انہوں نے "الاقتضاء" میں منقول شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے قول کی تفصیل بیان کی ہے، بے شک میں نتیجہ میں عمامے پر ترغیب کے حوالے سے جناب شیخ کے ساتھ ہوں، لیکن میں اسے داڑھی کے لزوم کی طرح امر لازم نہیں سمجھتا جس کے متعلق صحیح احادیث میں حکم ثابت ہے آپ ﷺ کے فرمان ((خالفوا المجوس)) (صحیح مسلم)، "مجوسیوں کی مخالفت کرو" کا سبب بھی بیان کیا گیا ہے۔ اسی لیے میں عمامے کے بارے میں زیادہ اصرار نہیں کرتا جبکہ داڑھی کے بارے میں اصرار ضروری سمجھتا ہوں اور میں بعض شرعی مکاتب فکر کے داڑھی کی نسبت عمامے کے متعلق زیادہ اہتمام کرنے کو سخت ناپسند کرتا ہوں، وہ اس طرح کہ جب وہ طلباء کو دوسری (داڑھی رکھنے) کے علاوہ پہلی (عمامہ باندھنے) کے متعلق حکم دیتے ہیں یا اس سے زیادہ، اور وہ ان طلباء کو کچھ نہیں کہتے جو داڑھیاں منڈاتے ہیں اور جو عمامہ نہیں باندھتے ان پر نکیر کرتے ہیں۔ اس میں حکم شرعی کو الٹ دینا ہے، جیسا کہ بالکل واضح ہے۔

آخر پر میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس کے اسمائے حسنیٰ کے ذریعے سوال کرتا ہوں کہ وہ ہمارے علم کے مطابق ہمیں عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے، اور فضیلۃ الشیخ حامد کو میری طرف سے السلام علیکم ورحمة الله و بركاته۔"

❶ بدعتی عمامہ کی تفصیل اسی کتاب میں آگے آرہی ہے۔

اللُّحٰی، وَ خَالِفُوا الْمَجُوسَ))...... ”مونچھیں کتراؤ، داڑھیاں بڑھاؤ اور مجوس کی مخالفت کرو۔“ کی شرح میں بیان کیا:

حافظ نے ”فتح الباری“ (۱۰/ ۲۰۰) میں بیان کیا:

”اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں وہ مراد ہے، کہ وہ (مجوسی) اپنی داڑھیاں کترتے تھے، اور ان میں سے کوئی اسے مونڈتا بھی تھا۔“

میں نے کہا: اس میں اس طرف قوی اشارہ ہے کہ داڑھی کترنا۔ جیسا کہ بعض جماعتیں کرتی ہیں۔ وہ مشابہت کے حوالے سے داڑھی مونڈنے کی طرح ہے، اور یہ کہ وہ جائز نہیں۔ [1]

۳۔ مونچھیں مونڈنا

شیخ احمد بن یحییٰ نجمی حفظہ اللہ نے اپنی کتاب ”تأسيس الأحكام على ما صح عن خير الانام بشرح أحاديث عمدة الأحكام“ درج ذیل حدیث کی شرح کرتے ہوئے بیان کیا:

((الْفِطْرَةُ خَمْسٌ: الْخِتَانُ، وَالْاِسْتِحْدَادُ، وَ قَصُّ الشَّارِبِ، وَ تَقْلِيمُ الْأَظَافِرِ وَنَتْفُ الْإِبِطِ)) [2]

”پانچ چیزیں فطرت ہیں: ختنے کرانا، زیر ناف بال مونڈنا، مونچھیں کترنا، ناخن تراشنا اور بغلوں کے بال اکھاڑنا۔“

اس حدیث میں پانچ مسائل ہیں، ان میں سے چار کے سنت ہونے پر اتفاق ہے، اور وہ ہیں: زیر ناف بال مونڈنا، مونچھیں کترانا، ناخن تراشنا اور بغلوں کے بال اکھاڑنا۔

پانچویں چیز کے وجوب اور اس کے سنت ہونے کے بارے میں اختلاف ہے: اور وہ ہے ختنہ کرانا...... الخ

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ”تأسيس الاحكام“ (ص ۵۶) کے حاشیے میں فرمایا: یہ اتفاق محل نظر ہے، ابن حزم نے ”المحلی“ (۲/ ۲۱۸) میں صراحت کی ہے کہ مونچھیں کترنا فرض ہے، بلکہ ابن العربی المالکی نے بیان کیا، میرے نزدیک اس حدیث میں مذکورہ پانچوں چیزیں واجب ہیں، کیونکہ جب آدمی انہیں ترک کر دیتا ہے تو اس کی صورت آدمیوں کی صورت پر باقی نہیں رہتی، تو پھر جب تمام مسلمانوں میں اس طرح ہو تو ان کو ترک کیونکر کیا جاسکتا

---

[1] ہمارے شیخ نے داڑھی مونڈنے کی حرمت کے متعلق بات کی ہے اور انہوں نے رسالے ”اللحية في نظر الدين“ اور اپنی کتاب ”آداب الزفاف“ (ص ۲۰۷۔۲۱۲) میں اس کی تفصیل بیان کی ہے، اور انہوں نے اپنے رسالے: ”صلاة العيدين في المصلى“ (ص ۳۶۔ ط۔ مکتبہ اسلامیہ) میں اس کی حرمت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

[2] صحیح بخاری (۵۸۸۹، ۵۸۹۱، ۶۲۹۷) مسلم (۲۵۷)۔ راوی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

ہے اور یہ گہری سمجھ داری ہے، اور جس نے اس کی گرفت کی تو اسے توفیق نہ ملی۔ "تأسیس الأحکام" (٥٦).

اور شیخ نجمی نے مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں بھی بیان کیا:

تیسرا مسئلہ:...... مونچھیں کترنا، اور یہ لفظ امر "قصوا، جزوا" اور "احفوا" کے ساتھ مختلف روایات میں بیان ہوا ہے، اور وہ سب جائز ہے۔

لیکن انہوں نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ ان میں افضل کیا ہے:

"القص" (کترنا) یا "احفاء" (خوب اچھی طرح کترنا)؟ اور احسن قول یہ ہے کہ اس کے بارے میں اختیار ہے، ممکن ہے کہ کہا جائے: جب "قص" کا لفظ تقصیر اور استئصال (خوب کاٹنا) پر صادق آتا ہو، احفاء کی روایت آئی تو اس نے اسے استئصال کو متعین کیا۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "تأسیس الاحکام" (ص٥٧) میں یہ بیان کیا:

روایات کے درمیان جمع وتطبیق کا جو طریق ہے اس کے تقاضے کے مطابق یہی زیادہ راجح ہے، لیکن اس کے استئصال کی مراد میں قابل غور بات باقی ہے: کیا ساری مونچھیں مراد ہیں یا صرف وہ جو ہونٹ کے کنارے پر ہوں؟ یہ وہ چیز ہے جس بارے میں سلف میں اختلاف ہے، اور جب ہم نے درج ذیل امور پر غور کیا تو ہمارے نزدیک قابل ترجیح دوسرا امر ہے، وہ امور یہ ہیں:

١۔ اور آپ ﷺ کا فرمان: ((مَنْ لَّمْ يَأْخُذْ مِنْ شَارِبِهٖ فَلَيْسَ مِنَّا)) [1]

"جو اپنی مونچھوں میں سے نہ لے (نہ کترے) تو وہ ہم میں سے نہیں۔"

آپ نے یہ نہیں فرمایا: "مَنْ لَّمْ يَأْخُذْ شَارِبَهٗ" جو اپنی مونچھیں نہ کترے۔"

٢۔ آپ ﷺ کا فعل آپ کے فرمان کی وضاحت کرتا ہے، آپ ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ نے مغیرہ بن شعبہ کو دیکھا کہ ان کی مونچھیں بہت زیادہ ہوگئی تھیں، تو آپ نے انہیں بلیڈ رچھری کے ساتھ مسواک پر (رکھ کر) کتر دیا، یہ اس مسئلے میں دلیل ہے، اسی لیے مالک رحمہ اللہ مونچھیں مونڈنے کو بدعت کہتے تھے، اور اس میں مبالغہ کرتے، تو جو ایسے کرتا وہ اس کے متعلق کہتے تھے: میں سمجھتا ہوں کہ اس کی پٹائی کر کے اسے تکلیف پہنچائی جائے!!

ہمارے شیخ...... قدس الله روحه ...... نے "صحيح الجامع" کے حاشیے میں حدیث رقم (٦٥٣٣) کے تحت یہ بیان کیا:

---

[1] شیخ رحمہ اللہ نے "المشكاة" (٤٤٣٨) میں بیان کیا: اس کی اسناد جید ہیں۔ اور انہوں نے اسے "صحيح الجامع الصغير" میں حدیث رقم (٦٥٣٣) کے تحت صحیح قرار دیا ہے۔

یہ حدیث ❶ اس پر دلالت کرتی ہے کہ مونچھوں کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ ان میں سے کچھ کتری جائیں، اور یہ وہ ہیں جو ہونٹ پر لمبی ہو جائیں، اور رہا ان ساری کو ختم کر دینا جیسا کہ بعض صوفیاء وغیرہ کرتے ہیں، تو وہ اسی طرح ہے جس طرح مالک نے فرمایا: کہ وہ مثلہ کرنا ہے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "آداب الزفاف" (۲۰۹) میں اس حدیث ((أَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ، وَاعْفُوا اللِّحٰی)) ❷ کی شرح میں بیان کیا:

یعنی (مونچھیں) کترنے میں خوب مبالغہ کرو، اور اس کی مثل "جزوا" ہے، اور کترنے میں مبالغے سے مراد جو ہونٹ پر آ گئی ہوں، نہ کہ ساری مونچھیں، مونڈ دینا مراد ہے، اس لیے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت سنت کے خلاف ہے، اسی لیے جب (امام) مالک سے مونچھیں خوب اچھی طرح کترنے والے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: میں سمجھتا ہوں اس کی پٹائی کر کے اسے تکلیف پہنچائی جائے، اور مونچھیں مونڈنے والے کے بارے میں فرمایا: یہ ایک بدعت ہے جو لوگوں میں ظاہر ہوئی ہے، اسے بیہقی (۱/۱۵۱) نے روایت کیا ہے، اور دیکھیں: "فتح الباری (۱۰/۲۸۵۔۲۸۶)" اسی لیے مالک کی مونچھیں پوری تھیں، جب ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: زید بن اسلم نے مجھے حدیث بیان کی، انہوں نے عامر بن عبداللہ بن زبیر سے کہ عمر رضی اللہ عنہ کو جب غصہ آتا تھا تو وہ اپنی مونچھوں کو بٹ دیتے تھے اور پھونک مارتے تھے، طبرانی نے "المعجم الکبیر" (۱/ ٤/ ۱) میں صحیح سند سے اسے روایت کیا، اور انہوں نے روایت کیا (۱/۳۲۹/۲)، اور ابوزرعہ نے اپنی تاریخ (۱/۴۶) میں، اور بیہقی نے روایت کیا ہے: "پانچ صحابہ اپنی مونچھوں کو مونڈتے تھے (استیصال کرتے تھے)، وہ ہونٹ کے کنارے کے ساتھ صفایا کرتے تھے۔" اس کی سند حسن ہے۔ اور اسی طرح ابن عساکر (۱/۵۲۰/۲) میں ہے۔

ہمارے شیخ نے "مختصر الشمائل" (ص۹۵) حدیث رقم (۱۴۰) کے تحت بیان کیا:

اور حدیث میں ❸ مونچھ کے بارے میں سنت اسے اس کے کنارے سے کترنا ہے، اور اسے مکمل طور پر مونڈنا نہیں، جیسا کہ بعض صوفیاء وغیرہ کرتے ہیں۔

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱۱/ ۷۸۵) میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ بیان کیا:

مونچھوں کا کترنا ان میں سے بعض کو کترنا ہے، سب کو نہیں.........." اور یہ ان کو کترنا ہے جو ہونٹ پر دراز ہو جائیں، اور بعض صحیح احادیث میں وارد لفظ "الحف" اور "الجز" سے یہی مراد ہے، جیسا کہ عملی سنت نے اس کی

---

❶ حدیث یہ ہے: ((مَنْ لَمْ يَأْخُذْ مِنْ شَارِبِهِ فَلَيْسَ مِنَّا)) "جو اپنی مونچھوں میں سے نہیں کاٹتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

❷ صحیح بخاری (۱۰/ ۲۸۹). الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔ صحیح مسلم (۱/ ۱۵۳)، ابوعوانة (۱/ ۱۸۹) ودیگر عن ابن عمر. (منه)

❸ حدیث یہ ہے: "میں اسے تمہارے لیے مسواک پر کتروں گا۔" یعنی مونچھ کتروں گا۔

وضاحت کی ہے۔

❁ مونچھوں کو خوب کترنے کے بارے میں صحابہ کی روایات:

ہمارے شیخ نے "الضعیفة" (۹/ ۵۳) میں حدیث رقم (۴۰۵۶) ❶ کے تحت بیان کیا:

لیکن مونچھیں کترنا سنت ہے نہ کہ مونڈنا۔ ❷

پھر انہوں نے مذکورہ جگہ پر بیان کیا:

اس پر تمام صحابہ کا عمل رہا ہے۔ ❸

اور ہمارے شیخ نے "الضعیفة" (۷۹۵/۱۱۔۷۹۷) میں کچھ تبدیلی کے ساتھ بیان کیا:

بخاری نے تعلیق نقل کی (۳۳۴/۱۰۔ فتح):

''ابن عمر اپنی مونچھیں خوب کرتے تھے، حتی کہ جلد کی سفیدی نظر آتی تھی اور وہ ان دونوں! یعنی: مونچھ اور داڑھی کے درمیان کو کترتے تھے۔'' لیکن اس کی سند میں ضعف ہے؟ ❹ حافظ نے بیان کیا:

''ابوبکر الاثرم نے عمر بن ابی سلمه عن ابیه کے طریق سے اسے موصول بیان کیا ہے، انہوں نے کہا: میں نے ابن عمر کو اپنی مونچھیں خوب کترتے ہوئے دیکھا حتی کہ وہ ان میں سے کوئی چیز نہیں چھوڑتے تھے، طبری نے عبداللہ بن ابی عثمان کے طریق سے روایت کیا: میں نے ابن عمر کو دیکھا وہ اپنی مونچھیں اوپر سے اور نیچے سے کترتے تھے۔''

میں نے کہا: عمر بن ابی سلمہ کو سب نے ضعیف قرار دیا ہے، جبکہ حافظ نے فرمایا:

"صدوق یخطیء"

عبداللہ بن ابی عثمان۔ القرشی۔ ابن ابی حاتم نے اپنے والد کے حوالے سے بیان کیا: ''صدوق (سچا ہے) اس کی روایت میں کوئی مضائقہ نہیں۔''

میں نے کہا: اگر ان تک سند صحیح ہو۔ جیسا کہ وہ ظاہر ہے۔ تو وہ بہت اچھا ہے، لیکن وہ عمر بن ابی سلمہ کی روایت

---

❶ روایت یہ ہے: "قصوا الشارب مع الشفاه" ''مونچھوں کو ان کے کناروں سمیت کترو۔'' یہ روایت نہایت ضعیف ہے۔

❷ مغیرہ بن شعبہ کی روایت ذکر کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی مونچھیں مسواک پر کتریں، شیخ نے اس کو "الضعیفة" (۹، ۱۱) میں روایت کیا جیسا کہ وہ اپنی جگہ پر ہے۔

❸ پھر بعض آثار ذکر کیے۔ وہ "الضعیفة" (۱۱) میں مکرر ہیں۔ اور "الضعیفة" (۱۱) میں آثار وتخریج کے عدد کے حوالے سے اضافے بہت ہیں۔ اسی لیے ہم نے "الضعیفة" (۱۱) کو ترجیح دی اور مشابہت کے مقامات حاشیہ میں متنبہ کیا ہے۔

❹ ہمارے شیخ نے "الضعیفة" (۹/ ۵٤) میں حدیث رقم (۴۰۵۶) کے تحت بیان کیا: ہاں، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح ثابت ہے کہ وہ اپنی مونچھیں خوب کترتے تھے۔ طحاوی نے کئی طرق سے اسے نقل کیا۔ ان میں سے بعض صحیح ہیں، بعض میں اضافہ نقل کیا: ''حتی کہ جلد کی سفیدی نظر آجاتی۔''

کے لیے بطور شاہد درست نہیں! کیونکہ اس کی روایت سے جو ظاہر ہے وہ اس کے خلاف ہے! کیونکہ ان کا قول: وہ اپنی مونچھوں کو اوپر سے اور ان کے نیچے سے کترتے تھے اس بارے میں صریح ہے۔ یا صریح کے مانند ہے۔ کہ وہ انہیں خوب اچھی طرح نہیں کترتے تھے، ورنہ، اگر خوب اچھی طرح کترنے کا ارداہ ہوتا ان کے یہ کہنے: ان کے اوپر سے اور ان کے نیچے سے'' کا معنی نہ ہوتا جیسا کہ ظاہر ہے۔

ابن ابی عثمان کی روایت کے یہ قریب ہے: جسے بیہقی (۱/۱۵۱) نے دوسرے طریق سے ابن عمر سے روایت کیا کہ وہ اپنی مونچھوں کے درپے ہوئے اور انہیں اس طرح کاٹتے جس طرح بکری یا اونٹ کی اون کاٹی جاتی ہے۔

اس کے راوی ثقہ ہیں، سوائے بیہقی کے شیخ جو ابو بکر محمد بن جعفر مزکی ہیں، میں انہیں نہیں جانتا۔

لیکن ظاہر ہے کہ ان کا اس کے متعلق تفرد نہیں، حافظ نے ''الفتح'' (۱۰/۳۴۸) میں اس پر سکوت فرمایا ہے، اور اسے طبری کی طرف منسوب بھی کیا ہے، اور وہ اس مزکی کے طبقہ میں ہے، بلکہ اس سے بھی اعلی ہے۔

اور اس کو وہ بھی تقویت پہنچاتا ہے جو ابن عجلان عن عبیداللہ بن ابی رافع کے طریق سے بیہقی کے نزدیک ہے، انہوں نے کہا:

میں نے ابو سعید خدری، جابر بن عبداللہ، ابن عمر، رافع بن خدیج، ابو اسید انصاری، ابن اکوع اور ابو رافع کو دیکھا کہ وہ اپنی مونچھیں خوب کترتے تھے حتی کہ مونڈتے [1] ...... آخر کلام تک۔

پھر اسی مصدر (۱۱/۷۹۷۔۸۰۲) میں بیان کیا:

لیکن ابن عمر اور ان کے ساتھ والے صحابہ نے ان کے علاوہ دوسرے صحابہ کے خلاف کیا:

طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' (۳/۲۵۵/۳۲۱۸) اور بیہقی نے شرحبیل بن مسلم الخولانی کے طریق سے روایت کیا، انہوں نے کہا:

میں نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے پانچ صحابہ کو دیکھا وہ اپنی مونچھیں کترتے تھے (اور طبرانی کی روایت میں خوب اچھی طرح کترنے کا تذکرہ ہے) اور وہ اپنی داڑھیاں بڑھاتے تھے، اور انہیں (مہندی لگا کر) پیلا کرتے تھے: ابو امامہ الباہلی، عبداللہ بن بسر، عقبہ ابن عبدالسلمی، حجاج بن عامر الثمالی اور مقدام بن معدی کرب الکندی۔ وہ ہونٹ کے کنارے سے اپنی مونچھیں کترتے تھے۔

میں نے کہا: اس کی اسناد جید (اچھی) ہے: جیسا کہ ہیثمی (۵/۱۶۷) نے بیان کیا۔ [2]

---

[1] اس کی اسناد حسن ہیں اور اس کا اس کے ساتھ موازنہ کریں جسے انہوں نے ''الضعیفۃ'' (۹/ ۵۹) میں حدیث رقم (۴۰۶۰) کے تحت برقرار رکھا۔

[2] ہمارے شیخ نے اسے ''الضعیفۃ'' (۹/ ۵۳) میں حدیث رقم (۴۰۵۶) کے تحت نقل کیا اور کہا: یہ سند حسن ہے۔

حافظ نے اس پر سکوت فرمایا، اور اس میں فاحش وہم واقع ہوا ہے کیونکہ انہوں نے اس میں ان کا یہ قول: ''وہ کترتے تھے ...... الخ'' ذکر نہیں کیا، بلکہ اسے عبیداللہ بن ابو رافع کی روایت کے بعد ذکر کیا! انہوں نے اس کے بعد کہا:

''الفاظ طبری کے ہیں، اور بیہقی کی روایت میں ہے: وہ کترتے تھے......!''

انہوں نے وہم پیدا کیا کہ وہ عبیداللہ کی حدیث میں روایت ہے، وہ تو شرحبیل کی روایت سے ہے! ہوسکتا ہے کہ یہ خلط کسی نقل کرنے والے یا طباعت کرنے والے کی طرف سے ہو۔

جب آپ نے، جو بیان ہوا، اسے جان لیا! آپ پر واضح ہو جائے گا کہ خوب اچھی طرح مونچھیں کترنا نبی ﷺ سے فعلاً ثابت نہیں، وہ تو بعض صحابہ سے ثابت ہے، جیسا کہ ان میں سے بعض سے اس کا خلاف بھی ثابت ہے، اور وہ خوب اچھی طرح کترنا ہونٹ کے کنارے والی مونچھوں کے بارے میں ہے اور وہ آپ ﷺ کے مغیرہ کی مونچھوں کے متعلق فعل سے ثابت ہے، اس کا بیان آگے آئے گا، قولی احادیث، جن میں خوب کترنے کا حکم دیا گیا ہے یا جو اس مفہوم کی احادیث ہیں، سے یہی خوب کترنا مراد ہے، اور اس سے ساری مونچھیں کتر دینا مراد نہیں! کیونکہ یہ آپ ﷺ کے درج ذیل فرمان کے منافی ہے:

((مَنْ لَمْ يَأْخُذْ مِنْ شَارِبِهِ ......)) ''جو اپنی مونچھوں میں سے نہ کترے۔'' احادیث ایک دوسری کی تفسیر بیان کرتی ہیں اور یہ وہی ہے جسے امام مالک اور پھر نووی اور دیگر نے اختیار کیا ہے، اور وہی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ درست ہے۔

طحاوی نے خوب اچھی طرح کترنے کو اختیار کیا ہے، اور مغیرہ کی روایت کا اس طرح جواب دیا ہے:

''اس میں اس (ہونٹ کے کنارے سے مونچھیں کترنے) پر کوئی دلیل نہیں! کیونکہ وہ جائز ہے، ہوسکتا ہے کہ نبی ﷺ نے یہ اس لیے کیا ہو کہ آپ کے پاس قینچی نہ ہو جس سے آپ مونچھیں خوب اچھی طرح کترتے۔''

میں کہتا ہوں: یہ جواب تکلف کو ظاہر کرتا ہے کیونکہ نبی ﷺ اپنے گھر میں تشریف فرما تھے کیونکہ حدیث میں ہے۔ جیسا کہ بیان ہوا۔ کہ جب آپ نے ان (مغیرہ رضی اللہ عنہ) کی مونچھیں کتری تھیں وہ آپ کے ہاں مہمان ٹھہرے تھے، کیا یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کے پاس قینچی نہ ہو، بلکہ قینچیاں، جب ہمارے ذہن میں ہوگا کہ آپ کی ازواج مطہرات تھیں؟!

ہوسکتا ہے طحاوی کو مغیرہ کا آپ ﷺ کے ہاں مہمان ٹھہرنا ذہن میں نہ رہا ہو، یا انہیں معلوم نہ ہو، اور ان کے متعلق حسن ظن کے حوالے سے یہی کہنا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ انہوں نے یہ روایت مختصر روایت کی ہے۔

اور اسی طرح شوکانی نے اسے ذکر کیا ہے، اور انہوں نے ...... طحاوی کے کلام کا خلاصہ بیان کرنے کے بعد

......فرمایا: ''انہوں نے کہا: اور یہ ان کے ہاں خوب اچھی طرح کترنا نہ ہوگا۔''

''اس کا یہ جواب دیا جائے گا کہ اس کا احتمال ہے، اور دعویٰ کہ ان کے ہاں خوب اچھی طرح کترنا نہ ہو ممنوع ہے، اور اگر وہ صحیح ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا، آپ ﷺ کے ان فرامین کے خلاف نہیں۔''

میں نے کہا: شوکانی کا جواب طحاوی کے جواب کی نسبت درست ہونے سے بہت دور ہے، کیونکہ احتمال مذکور باطل ہے، اس کا اس شخص سے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جسے مسواک پر مونچھیں کترنا یاد ہو۔

رہا آپ ﷺ کے فرامین کو ترجیح دینا، تو وہ صحیح ہے اگر وہ آپ کے فعل سے ایسے متضاد ہوں کہ جمع و تطبیق ممکن نہ ہو، جبکہ معاملہ اس طرح نہیں جیسا کہ اس کا بیان گزر چکا ہے۔

جان لیجیے کہ اس حدیث کی تخریج کا باعث کہ میں نے دیکھا کہ شوکانی نے اسے ابن القیم سے نقل کرتے ہوئے ابن عباس کی روایت سے ذکر کیا، مجھے اس بارے میں شک گزرا، تو میں نے ان (ابن القیم رحمہ اللہ) کی کتاب "زاد المعاد" کی طرف رجوع کیا، تو میں نے اس میں اس لفظ کے ساتھ روایت دیکھی:

''وہ اپنی مونچھیں کترتے تھے۔''

مجھے معلوم ہوا کہ نقل کرنے والے یا طباعت کرنے والے نے اس لفظ یــجــز (کترنے) کو شوکانی پر لفظ یحفی (خوب اچھی طرح کترتے تھے) سے بدل دیا ہے! اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابن القیم نے ابن عباس کی اس روایت کے فوراً بعد بیان کیا:

''طحاوی نے فرمایا: اور یہ (یعنی الجز: کترنا) اس میں الاحفاء خوب اچھی طرح کترنا زیادہ راجح ہے، اور اس میں دو طرح کا احتمال ہے۔''

میں نے کہا: اگر حدیث کا لفظ "یــحــفــی" (خوب اچھی طرح کترتے تھے) ہوتا، تو پھر انہوں نے جو ذکر کیا اس کی تفسیر درست نہیں، جیسا کہ وہ ظاہر ہے۔

پھر جان لیجیے کہ ابن عباس کی روایت سماك بن حرب عن عكرمه عن ابن عباس کی سند سے کئی الفاظ کے ساتھ مرفوعاً وارد ہے، یہ ان میں سے ایک ہے۔

طحاوی نے ''شرح المعانی'' (۲/۳۳۳) میں اسے نقل کیا ہے۔

دوسرے الفاظ یہ ہیں: كان يقص شاربه: وہ ''اپنی مونچھیں کترتے تھے۔''

امام احمد (۱/۳۰۱) نے الدینوری نے "المجالسة" ① (۲/۲۵-۲۶) میں نقل کیا، اور ان سے ابن عساکر نے "التاريخ" (۲/۱۶۶/۲) میں اور طبرانی نے "المـعـجـم الكبير" (۱۱۷۲۵) میں نقل کیا اور انہوں نے یہ

① ہماری طباعت وہ ۸/ ۲۴۵ رقم: ۳۵۲۱ پر ہے۔

اضافہ نقل کیا:

((وَكَانَ أَبُوكُمْ إِبْرَاهِيمُ مِنْ قَبْلِهِ يَقُصُّ شَارِبَهُ.))

"تمہارے باپ ابراہیم اس سے پہلے اپنی مونچھیں کترا کرتے تھے۔"

تیسرے یہ الفاظ ہیں:

((كَانَ يَقُصُّ أَوْ يَأْخُذُ مِنْ شَارِبِهِ وَكَانَ خَلِيلُ الرَّحْمٰنِ يَفْعَلُهُ.))

"وہ اپنی بعض مونچھیں کترتے تھے، اور ابراہیم خلیل الرحمٰن ایسے کیا کرتے تھے۔"

امام ترمذی (۲۷۶۱) نے اسے اسرائیل عن سماک کے طریق سے نقل کیا۔

اس سے پہلے جو دو قسم الفاظ انہوں نے نقل کیے ہیں وہ دونوں ہم نے حسن بن صالح عن سماك کے طریق سے نقل کیے۔

حسن بن صالح اور اسرائیل دونوں ثقہ ہیں، پس ظاہر ہے کہ یہ اس کے الفاظ میں اختلاف ہے! وہ سماک بن حرب سے ہے! جب وہ عکرمہ سے روایت کرے تو وہ متکلم فیہ ہے، حافظ نے "التقریب" میں بیان کیا:

"صدوق ہے، اور اس کی عکرمہ سے روایت مضطرب ہے، آخری عمر میں تغیر کا شکار ہو گیا تھا بعض اوقات اس سے روایت لی جاتی تھی۔"

میں کہتا ہوں: یہ روایت کی تحقیق ہے، ورنہ میرے نزدیک درایت کے لحاظ سے ان تینوں قسم کے الفاظ میں کوئی فرق نہیں کیونکہ لفظ (یجز)، (یقص) کے معنی میں ہے، اور ان دونوں کے معنی میں ایک اور لفظ ہے: ((یأخذ من شاربه)) کیونکہ "من" تبعیضیہ (بعض کے معنی میں) ہے اور وہ آپ ﷺ کے اس فرمان کی طرح ہے:

((مَنْ لَمْ يَأْخُذْ مِنْ شَارِبِهِ فَلَيْسَ مِنَّا)) "جو اپنی مونچھوں میں سے نہ لے (کترے) تو وہ ہم میں سے نہیں۔"

ترمذی اور دیگر نے اسے روایت کیا اور ان سب نے اسے صحیح قرار دیا۔

اور اس لینے (کترنے) کا طریقہ سنت عملی میں بیان ہوا ہے تو جن قولی احادیث کو سمجھنے میں اختلاف ہو جائے تو ان کی تفسیر جاننے کے لیے ان عملی نصوص کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ یہ طے شدہ قاعدہ ہے: فعل قول کی وضاحت کرتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے ہو۔

سنت سے جتنا میں واقف ہوا ہوں، اسے ملاحظہ فرمائیں:

اوّل:...... مغیرہ بن شعبہ نے فرمایا:

میں ایک رات نبی ﷺ کے ہاں مہمان ٹھہرا، میری مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں، تو آپ نے انہیں مسواک پر (رکھ کر چھری سے) کتر دیا۔ ابوداؤد و دیگر نے اسے روایت کیا (۱۸۲)، ❶ "مختصر الشمائل" (۱۴۰)

طحاوی اور بیہقی کی روایت میں ہے:

آپ نے مسواک اور چھری منگوائی، آپ نے مسواک کو مونچھوں کے نیچے رکھے، اور انہیں کتر دیا۔

دوم:...... ایوب نے یوسف بن طلق بن حبیب سے روایت کیا:

ایک حجام نے نبی ﷺ کی کچھ مونچھیں کتریں تو اس نے آپ کی داڑھی میں کچھ سفید بال دیکھے...... الحدیث۔

ابن سعد نے اسے "الطبقات" (۱/۴۳۳) میں روایت کیا۔

میں نے کہا: اس کے راوی ثقہ ہیں۔ البتہ یوسف بن طلق بن حبیب جو ہے میں اسے نہیں پہچانتا! احتمال ہے کہ اس کا یہ کہنا: 'یوسف بن' نقل کرنے والے یا طباعت کرنے والے کی طرف سے غلطی ہو یا کسی لفظ سے محرف ہو، گویا کہ (ابو یوسف طلق بن حبیب) ہو، کیونکہ یہ طلق جو ہے المزی نے اسے "التھذیب" میں ان راویوں میں ذکر کیا ہے جن سے ایوب سختیانی نے روایت کیا ہے، تو جب یہ احتمال ثابت ہو جائے، تو اسناد صحیح مرسل ہوئی! لہٰذا وہ اپنے قبل کے لیے قوی شاہد ہے۔

سوم:...... عن مندل عن عبدالرحمن بن زیادہ عن اشیاخ لھم، انہوں نے کہا:

"رسول اللہ ﷺ مونچھوں کو ان کے اطراف سے کترتے تھے۔"

ابن سعد (۱/۴۴۹) نے اسے روایت کیا ہے۔

لیکن یہ مندل۔ ابن علی العنزی ہے۔ وہ اپنے حفظ خرابی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

اور عبدالرحمٰن بن زیاد کو میں نہیں جانتا، احتمال ہے کہ وہ عبدالرحمٰن بن زیاد تابعی ہوں، امام ترمذی نے ان سے روایت کیا ہے، یا وہ بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلام عبدالرحمٰن بن زیاد ہوں، اور وہ دونوں حافظ رحمہ اللہ کے نزدیک مقبول ہیں، واللہ اعلم۔

۴: مطلق طور پر داڑھی بڑھانا

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱/ ٤٥٧) میں حدیث رقم (۲۸۸) کے تحت بیان کیا:

"جان لیجیے کہ مٹھی بھر سے زائد داڑھی کترنا ابن عمر اور ابو ہریرہ سے ثابت ہے۔ (اور یہ دونوں حضرات داڑھی کو بڑھانے والی روایت کے راویوں میں سے ہیں) اور ان دونوں کے علاوہ سلف سے ثابت ہے۔ ان میں سے امام احمد ہیں۔ ان کا مخالف کوئی نہیں۔"

---

❶ پیچھے گزر چکا ہے کہ ہمارے شیخ نے الضعیفة (۹/ ٥٣) میں حدیث رقم: ٤٠٥٦ کے تحت تخریج کی ہے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۵/ ۵) میں بیان کیا:

......وہ سنت جس پر سلف میں سے صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین کا عمل رہا ہے: وہ داڑھی کو بڑھانا ہے، سوائے اس کے جو مٹھی سے زائد ہو، پس اسے کترا جائے گا۔ ❶ بعض سلف سے قوی نصوص سے اس کی تائید ہوتی ہے، اور اسے مطلق طور پر بڑھانے کا بیان وہ اس قبیل سے ہے جسے امام شاطبی نے "البدع الاضافیه" کا نام دیا ہے۔

ہمارے شیخ نے "الضعیفة" (۵/ ۱۲۵) میں حدیث رقم (۲۱۰۷) کے تحت بیان کیا:

وہ سنت جس پر سلف میں سے صحابہ اور ان کے علاوہ دیگر حضرات کا عمل رہا ہے وہ داڑھی کو بڑھانا ہے، سوائے اس کے جو مٹھی بھر سے زائد ہو! اسے کترا جائے، میں نے اسے کئی ایک مقام پر تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اور میں نے اس کے لیے قوی استدلال کیا ہے، اس وقت ان میں سے درج ذیل حدیث (۲۳۵۵) اور حدیث (۶۲۰۲) میرے ذہن میں آ رہی ہے۔

❀ مٹھی بھر مقدار سے زائد داڑھی کترنے کے مسئلہ کی تفصیل:

ہمارے شیخ نے "الضعیفة" (۵/ ۳۷۵۔ ۳۸۰) میں حدیث رقم (۲۳۵۵) کے تحت بیان کیا:

جان لیجیے کہ اس روایت ❷ کی طرح نبی ﷺ سے صحیح روایت میں قولاً داڑھی کترنا ثابت ہے نہ گزشتہ روایت (۲۸۸) ❸ کی طرح فعلاً ثابت ہے۔ ❹

ہاں! یہ بعض سلف سے ثابت ہے، اس میں سے جو آسانی سے میسر ہے وہ حاضر ہے:

(۱)......مروان بن سالم مقفع سے، انہوں نے کہا:

---

❶ ہمارے شیخ رحمہ اللہ وجوب سمجھتے تھے، اور متقدمین میں سے جس نے اس کے متعلق کہا وہ اس پر نہیں ٹھہرے، میں نے "فتح القدیر" (۲/ ۳۴۷) میں ابن الہمام کا قول انہیں دکھایا: انہوں نے "النهایه" میں بیان کیا: "جو اس۔ یعنی مٹھی۔ بھر کے بعد ہے اسے کاٹنا واجب ہے۔" تو وہ اس سے خوش ہوئے۔

تنبیہ: میں نے ایک مرتبہ انہیں کہتے ہوئے سنا: مٹھی بھر سے جو زائد ہے وہ اسبال ہے!! اس کے بعد کئی بار ان سے پوچھا گیا، تو وہ یہ کہتے تھے: کیا عدم مشروعیت کافی نہیں۔ میری کتاب "نوادر الالبانی" دیکھیں۔ اللہ اسے خیر وعافیت سے رکھے۔

❷ یعنی حدیث: "اپنی داڑھی اور اپنے سر کے بالوں سے میں سے کچھ لو" (الضعیفة: ۲۳۵۵)۔

❸ یعنی: "الضعیفة" سے اور وہ یہ ہے: "آپ اپنی داڑھی کو اس کے طول وعرض سے کترتے تھے۔"

❹ داڑھی کے مسئلے میں اسی پر عمل ہونا چاہیے۔ کسی بھی صحیح حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے قولاً یا فعلاً داڑھی کٹوانا ثابت نہیں۔ موقوف روایات سے دین ثابت نہیں ہوتا۔ نیز علامہ البانی رحمہ اللہ کے پیش کردہ بیشتر آثار اور موقوف روایات ضعیف ہیں جیسا کہ ان کے حوالہ جات سے ہی ظاہر ہے۔ ان کے حوالے سلسلة الاحادیث الضعیفة سے دیئے گئے ہیں۔ مزید برآں حدیث وسنت کے مقابلے میں امتی کا قول وفعل پیش کرنا منہج سلف کے خلاف ہے۔ عمل نبی ﷺ کے قول وفعل پر ہونا چاہیے نہ کہ حدیث روایت کرنے والے راوی کے عمل اور رائے پر۔ نبی نے داڑھی کے بارے میں مشرکین اور مجوس کی مخالفت کا حکم دیا ہے۔ ان میں بعض منڈواتے اور بعض کٹواتے تھے لہٰذا ان دونوں امور سے بچ کر ہی نبی اکرم ﷺ کے قول وفعل پر عمل ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم (شہباز حسن)

''میں نے ابن عمر کو دیکھا وہ اپنی داڑھی کو ہاتھ میں پکڑتے اور جو اس مٹھی بھر سے زائد ہوتی اسے کاٹ دیتے تھے۔''

امام ابوداؤد و دیگر نے اسے حسن سند سے روایت کیا ہے، جیسا کہ میں نے اسے "الارواء" (۹۲۰) اور ''صحیح ابوداؤد'' (۲۰۴۱) میں روایت کیا ہے۔

(۲)...... نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر جب رمضان کے روزے رکھ لیتے اور وہ حج کا ارادہ کرتے، تو وہ اپنے سر اور داڑھی کے بال نہیں کترتے تھے حتی کہ حج کر لیتے۔

ایک روایت میں ہے:

''عبداللہ بن عمر جب حج یا عمرہ کے وقت اپنے سر کے بال منڈواتے تھے، تو وہ اپنی داڑھی اور مونچھوں کے بال بھی کترتے تھے۔''

مالک نے اسے ''موطا'' (۱/۳۵۲) میں روایت کیا۔

الخلال نے "الترجل" (ص ۱۱۔ فوٹو کاپی) میں مجاہد سے صحیح سند سے روایت کیا، انہوں نے کہا: میں نے ابن عمر کو دیکھا: انہوں نے عید الاضحیٰ کے دن اپنی داڑھی پکڑی، پھر حجام سے فرمایا: جو بال مٹھی کے نیچے (نظر آ رہے) ہیں انہیں کتر دے۔

الباجی نے "شرح الموطا" (۳/ ۳۳۲) میں بیان کیا:

''ان کی مراد ہے کہ وہ سر منڈانے کے ساتھ اس کے کچھ حصے کو کترتے تھے، اور مالک رحمہ اللہ نے اسے مستحب قرار دیا، کیونکہ اس میں سے اس طرح سے کچھ کترنا کہ خلقت نہ بدلے تو یہ جمال میں سے ہے، اور اسے ختم کر دینا مثلہ ہے۔''

(۳)...... ابن عباس سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ﴾ (الحج: ۲۹) کی تفسیر میں فرمایا:

"التفث": سر منڈانا، مونچھیں کترنا، بغلوں کے بال اکھاڑنا، زیر ناف بال مونڈنا، ناخن تراشنا، رخساروں سے کچھ بال کترنا (ایک روایت میں اللحیة (داڑھی) کا لفظ آیا ہے)، جمرات کو کنکریاں مارنا اور عرفات و مزدلفہ میں وقوف کرنا ہے۔''

ابن ابوشیبہ (۴/۸۵) اور ابن جریر نے ''التفسیر'' (۱۷/۱۰۹) میں صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

(۴)...... محمد بن کعب القرظی سے روایت ہے کہ وہ اس آیت ﴿ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ﴾ کی تفسیر میں بیان کیا کرتے تھے، انہوں نے تقدیم و تاخیر کے ساتھ وہی بیان کیا جو ابن عباس نے بیان کیا، اور اس میں ہے:

''انہوں نے مونچھوں اور داڑھی کے کچھ بال کترے۔''

ابن جریر نے اسے بھی صحیح اسناد یا کم از کم حسن اسناد سے روایت کیا۔

(۵)......مجاہد سے اسی کی مثل ان الفاظ سے مروی ہے:

''مونچھیں کترنا......اور داڑھی کترنا۔''

ابن جریر نے اسے بھی صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

(٦)......المحاربی (عبدالرحمٰن بن محمد) سے روایت ہے، انہوں نے کہا: میں نے ایک آدمی کو ابن جریج سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ﴾ (الحج: ٢٩) کی تفسیر کے متعلق پوچھتے ہوئے سنا: انہوں نے فرمایا:

''داڑھی اور مونچھوں کے کچھ بال کترنا......''

ابن جریر نے اسے بھی صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

(۷)......''مؤطا'' میں ہے، کہ انہیں خبر پہنچی:

کہ سالم بن عبداللہ جب احرام باندھنے کا ارادہ کرتے تھے، وہ قینچی منگواتے، تو وہ سوار ہونے سے پہلے اور احرام باندھنے سے پہلے اپنی مونچھیں کترتے اور اپنی داڑھی کے کچھ بال کترتے تھے۔

(۸)......ابو ہلال سے روایت ہے، انہوں نے کہا: ایک شیخ — میرا خیال ہے اہل مدینہ میں سے تھے — نے ہمیں بیان کیا، انہوں نے کہا: میں نے ابو ہریرہ کو دیکھا وہ اپنی داڑھی کے دونوں اطراف سے کترتے تھے، انہوں نے کہا: میں نے انہیں دیکھا انہوں نے داڑھی کو مہندی لگائی ہوئی تھی۔

ابن سعد نے اسے "الطبقات" (٤/ ٣٣٤) میں روایت کیا:

میں نے کہا: یہ شیخ المدنی، میرے خیال میں وہ عثمان بن عبیداللہ ہیں، کیونکہ ابن سعد نے ان کے بعد ان کی صحیح سند کے ساتھ احادیث روایت کیں، وہ سند یہ ہے: عن ابن ابی ذئب، عن عثمان بن عبیداللہ، انہوں نے کہا:

میں نے ابو ہریرہ کو داڑھی کو (مہندی لگا کر) پیلا کرتے ہوئے دیکھا۔

ابن ابی حاتم نے اسے اپنی کتاب (۳/۱/۱۵۶) میں ذکر کیا، تو انہوں نے کہا:

''عثمان بن عبیداللہ بن ابی رافع، سعید بن العاص المدینی کے آزاد کردہ غلام ہیں، اور کہا گیا: سعد بن ابی وقاص کے آزاد کردہ غلام ہیں، انہوں نے ابو ہریرہ، ابو قتادہ، ابن عمر اور ابو اسید کو داڑھیاں پیلی کرتے ہوئے دیکھا۔ ابن ابی ذئب نے ان سے روایت کیا۔''

ابن حبان نے اسے "الثقات" (۳/ ۱۷۷) میں ذکر کیا، پس وہ سند میرے نزدیک حسن ہے، واللہ اعلم۔

میں نے کہا: اس بارے میں صحیح آثار ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ داڑھی کترنا یا اس کے کچھ بال کترنا سلف کے ہاں معروف امر تھا، ہمارے بعض اہل حدیث بھائیوں کے گمان کے خلاف جو کہ داڑھی کترنے کے مسئلے میں سختی کرتے ہیں، اور وہ آپ ﷺ کے فرمان: "وَاعْفُوا اللُّحٰی" ''داڑھیاں بڑھاؤ/داڑھیوں کو معاف کرو۔'' کے عموم کو اختیار کرتے ہیں، انہوں نے عموم سے جو سمجھا ہے وہ اس سے باخبر نہیں کہ سلف کے اس پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے وہ مراد نہیں جو وہ سمجھے ہیں، اور ان (سلف) میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اس عموم مذکور کو روایت کیا ہے، وہ عبداللہ بن عمر......اور ان کی حدیث صحیحین میں ہے......ابو ہریرہ......اور ان کی روایت صحیح مسلم میں ہے اور وہ دونوں روایتیں "جلبات المرأة المسلمة" (ص۱۸۵۔۱۸۷۔ ط المکتبة الاسلامیة) میں منقول ہیں ......اور ابن عباس ہیں اور ان کی روایت "مجمع الزوائد" (۵/ ۱۶۹) میں ہے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حدیث روایت کرنے والا اس کی مراد سے ان لوگوں کی نسبت زیادہ جاننے والا ہوتا ہے جنہوں نے اسے نبی ﷺ سے نہیں سنا، اور وہ ان کی نسبت اس کی اتباع کرنے کا زیادہ حریص ہوتا ہے، یہ اس صورت میں جب یہ فرض کرلیا جائے کہ "الاعفاء" سے بڑھانا اور زیادہ کرنا مراد ہے جیسا کہ مشہور ہے، لیکن الباجی نے "شرح المؤطا" (۷/۲۶۶) میں القاضی ابوالولید سے نقل کرتے ہوئے کہا:

''میرے نزدیک احتمال ہے کہ داڑھیوں کو معاف کرنے/بڑھانے سے یہ مراد ہو کہ انہیں خوب کترنے سے معاف کیا جائے، کیونکہ اس کی کثرت جو ہے وہ اس کے ترک کرنے کے متعلق مامور نہیں، ابن القاسم نے مالک سے روایت کیا: داڑھی کے بکھرے ہوئے بالوں کی کانٹ چھانٹ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، مالک سے کہا گیا: جب وہ بہت زیادہ لمبی ہو؟ [1]

انہوں نے فرمایا: ''میں سمجھتا ہوں کہ اسے کترا جائے گا، عبداللہ بن عمر اور ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ وہ دونوں مٹھی بھر سے زائد داڑھی کتر دیا کرتے تھے۔''

---

[1] میں نے شیخ رحمہ اللہ کو ایک لطیفہ سنایا وہ خوش ہوئے۔ اور انہوں نے اسے دیکھا جو ان کے قول کی تائید کرتا ہے جو انہوں نے یہاں ذکر کیا، اور وہ: جو المکناسی نے "درة الحجال" (۳/ ۳۷۔ ترجمة رقم ۹۳۵) (ضیاء بن سعد بن محمد القزوینی العفیفی) (متوفی ۷۸۰ھ) میں بیان کیا۔ انہوں نے کہا: اس کی داڑھی اتنی لمبی تھی کہ وہ پاؤں تک پہنچتی تھی، جب وہ سوتے تھے تو وہ تھیلی میں ہوتی تھی، اور جب سواری کرتے تھے تو وہ دو حصوں میں بٹ جاتی تھی۔''

علماء اور معاصر محققین نے اسے مسئلے پر توجہ دی ہے، اور انہوں نے اس موضوع پر کتابیں تالیف کی ہیں! جیسے شیخ حمود التویجری رحمہ اللہ کا رسالہ: "الرد علی من اجاز تهذيب اللحية" اور ہمارے دوست ڈاکٹر باسم الجوابرة کا مطبوعہ رسالہ جس کا عنوان ہے: "الحلية فی حکم ما زاد عن القبضة من اللحية"۔ مؤسسہ قرطبہ نے اسے شائع کیا ہے۔

میں نے کہا: الخلال نے ان دونوں سے "الترجل" (ص ۱۱۔ فوٹو کاپی) میں دو صحیح اسناد سے نقل کیا ہے، اور امام احمد سے مروی ہے۔ کہ ان سے داڑھی کترنے کے متعلق پوچھا گیا؟ تو انہوں نے فرمایا:

ابن عمر مٹھی سے زائد داڑھی کو کتر دیا کرتے تھے، گویا کہ انہوں نے اسے اختیار کیا ہے۔ حرب نے بیان کیا: میں نے انہیں کہا: "الاعفاء" کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: نبی ﷺ سے مروی ہے، انہوں نے کہا: ان کے نزدیک یہ اعفاء تھا۔

میں نے کہا: یہ بات معلوم ہے کہ راوی اپنی روایت کے بارے میں کسی دوسرے کی نسبت زیادہ جانتا ہے، خاص طور پر جب کہ وہ سنت پر عمل کرنے کے لیے بہت زیادہ کوشاں ہو، جیسا کہ ابن عمر ہیں، وہ نبی ﷺ — اعفاء کا حکم دینے والے — کو رات دن دیکھتے تھے! غور کریں۔

پھر الخلال نے اسحاق کے طریق سے روایت کیا، انہوں نے کہا:

"میں نے احمد سے داڑھی کترنے والے شخص کے متعلق دریافت کیا؟ انہوں نے کہا: وہ مٹھی سے زائد داڑھی کترتے ہیں۔"

میں نے کہا: نبی ﷺ کی حدیث ہے:

((احفوا الشوارب، واعفوا اللحی؟)).... "مونچھیں کترو، اور داڑھیاں بڑھاؤ۔"

انہوں نے کہا: "وہ اسے اس کے طول سے اور اپنے حلق کے نیچے سے کترتے تھے، اور میں نے ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ داڑھی کو اس کے طول سے اور اپنے حلق کے نیچے سے کترتے تھے۔"

میں نے کہا: میں نے بعض سلف اور ائمہ سے ان نصوص کے ذکر کرنے میں ان کی تقویت کی خاطر تھوڑی سی وسعت پیدا کر دی ہے، اور بہت سے لوگوں کے گمان کی وجہ سے کہ وہ (داڑھی کترنا) آپ ﷺ کے فرمان "واعفوا اللحی" "داڑھیاں بڑھاؤ" کے عموم کے خلاف ہے، انہیں اس قاعدے کی خبر نہ ہوئی کہ عموم کے افراد میں سے فرد (جز) جب اس پر عمل نہ ہو، تو یہ اس پر دلیل ہے کہ اس سے وہ مراد نہیں ہے۔ زیادہ تر بدعات جنہیں امام شاطبی نے "بدعات اضافیہ" کا نام دیا ہے وہ اس قبیل سے ہیں، اس کے باوجود وہ اہل علم کے نزدیک مردود ہیں! کیونکہ وہ سلف کے عمل میں سے نہ تھیں، جبکہ وہ بعد والوں سے زیادہ متقی اور زیادہ جاننے والے تھے، پس اس کے لیے انتباہ کی امید ہے، کیونکہ معاملہ باریک اور اہم ہے۔

ہمارے شیخ نے "الضعیفة" (۸/ ٤٥٧) میں حدیث رقم (۳۹۹۰) [1] کے تحت بیان کیا:

"سلف کی ایک جماعت سے مٹھی سے زائد داڑھی کترنا ثابت ہوا، جیسا کہ میں نے کئی مقامات پر

---

[1] وہ یہ ہے: "تم میں سے کوئی داڑھی کو اس کے طول سے نہ کترے لیکن اس کے اطراف سے۔" انتہائی ضعیف ہے۔

متعدد روایات سے اسے بیان کیا ہے۔"

اور عنقریب وہ حدیث رقم (۵۴۵۳) کچھ اضافے ❶ کے ساتھ آئے گی:

شیخ عبدالرحمٰن بن محمد بن قاسم حنبلی نے اپنے رسالے "اعفاء اللحی و قص الشارب" (ص ۱۴) میں بیان کیا:

"بعض اہل علم نے ابن عمر کے فعل کو دلیل بنا کر مٹھی سے زائد داڑھی کترنے کی رخصت دی ہے۔"

انہوں نے اس پر تبصرہ کیا، تو کہا:

"دلیل ان کی روایت میں ہے نہ کہ ان کی رائے میں، اور کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا قول اور آپ کا فعل ان کے علاوہ کسی کے قول یا فعل سے اتباع کا زیادہ حق دار ہے! خواہ وہ کوئی بھی ہو!"

ہمارے شیخ نے "الضعیفة" (۱۱/ ۷۸۵۔ ۷۸۶) میں حدیث رقم (۵۴۵۳) کے تحت شیخ عبدالرحمٰن بن محمد، جن کا پہلے ذکر ہوا، کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

ہاں، نبی ﷺ اور ابن عمر کے درمیان مخالفت قرار دینا غلطی ہے! اس لیے کہ آپ ﷺ کے فعل سے ایسی کوئی حدیث ثابت نہیں کہ آپ اپنی داڑھی نہیں کترتے تھے، اور آپ کا فرمان:

"وفروا اللحی" ممکن ہے کہ وہ اپنے اطلاق پر نہ ہو، تو ابن عمر کا فعل آپ کے مخالف نہ ہوگا، یہ اختلاف صرف علماء کے درمیان نص کی فہم کے بارے میں ہے، ابن عمر۔ اس کے راوی ہونے کے اعتبار سے۔ ممکن ہے کہا جائے: راوی اپنی روایت کے بارے میں کسی دوسرے کی نسبت زیادہ جاننے والا ہوتا ہے، خاص طور پر جب ان کے اس (داڑھی) کترنے پر بعض سلف نے ان کی موافقت کی ہے، جیسا کہ بیان ہوا، ہمارے علم کے مطابق ان میں سے کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی، واللہ اعلم۔

پھر مجھے ایک اہم روایت پر آگاہی ہوئی جو داڑھی کترنے کی تائید کرتی ہے، وہ سلف سے مروی ہے، امام بیہقی نے "شعب الإیمان" (۲/ ۲۶۳/ ۱) میں روایت کیا: ابوطاہر الفقیہ نے بیان کیا، ابوعثمان بصری نے ہمیں بیان کیا، حدثنا محمد بن عبدالوهاب، اخبرنا یعلی بن عبید، حدثنا سفیان عن منصور، عن ابراهیم، انہوں نے کہا:

"وہ اس یعنی: داڑھی کو اس کے جوانب سے کترتے تھے اور اسے صاف ستھری رکھتے تھے۔"

میں نے کہا: یہ اسناد جید (اچھی) ہے، بصری سے اوپر سارے راوی ثقہ ہیں اور وہ "التهذیب" کے رجال میں سے ہیں......

---

❶ یہ اس کے فوراً بعد آنے والی روایت ہے۔

۵: عبادت، مذہب اور زہد کے طور پر سر کے بال مونڈنا

ہمارے شیخ نے مجلہ "الأصالة" (ص ۵۵) شمارہ دوسرا، بتاریخ صفر ۱۴۱۵ھ میں "أحکام حلق شعر الرأس" کے حوالے سے بیان کیا، انہوں نے کہا:

"یہ کہ وہ اسے بندگی و مذہب اور زہد کے حوالے سے حج و عمرے کے بغیر مونڈے! [1] مثال کے طور پر وہ سر مونڈنے کو دین داروں کا شعار سمجھے، یا وہ سمجھے کہ اس سے زہد و عبادت مکمل ہوتی ہے، یا وہ سر کے بال منڈانے والے کو سر کے بال نہ منڈانے والے کی نسبت بہتر یا زیادہ دین دار یا زیادہ پارسا ٹھہراتا ہو، شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے فرمایا:

> "یہ ایک بدعت ہے، اللہ نے اس کا حکم فرمایا نہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے، وہ ائمہ دین میں سے کسی کے ہاں بھی واجب ہے نہ مستحب، صحابہ، تابعین اور زہد و عبادت میں مشہور مسلمانوں کے شیوخ میں سے کسی نے ایسے کیا، نہ ہی ان کے بعد تبع تابعین میں سے کسی نے کیا۔"

[1] سخاوی کے "الاجوبة المرضية" (۲/ ۵۱۹۔۵۲۱) میں ایک سوال: "کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال ہمیشہ سیدھے لٹکتے رہتے تھے، یا کبھی تھے اور کبھی نہ تھے، کیا زلفیں (مینڈیاں) ظاہر تھیں یا آپ کے عمامے کے نیچے چھپی ہوتی تھیں؟...... کا جواب ہے، اسے ملاحظہ فرمائیں۔

فصل: اذان کی بدعات

① - مسجد میں منبر کے پاس اذان

② - ہر تکبیر الگ الگ کہہ کر اذان دینا، اللہ اکبر، (پھر وقفہ پھر)، اللہ اکبر۔

③ - اذان کے وقت مؤذن کا اپنے سینے کو پھیرنا۔

④ - اذان میں اضافہ

⑤ - خطبوں اور اذان میں طرح طرح کی سریں۔

⑥ - مؤذن کی طرف سے اذان کے بعد پست آواز سے یا بلند آواز سے صلاۃ وسلام۔

⑦ - اذان کے بعد مؤذن کا بلند آواز سے نبی ﷺ پر صلاۃ بھیجنا۔

⑧ - (اذان کے بعد والی دعا میں) "الدرجة الرفیعة" اور "إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ" کا اضافہ۔

⑨ - اقامت سے پہلے نبی ﷺ پر بلند آواز سے صلاۃ وسلام۔

⑩ - مؤذن جس وقت "قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ" کہے تو اس وقت ((أَقَامَهَا اللّٰهُ وَ أَدَامَهَا)) کہنا۔

⑪ - مؤذن "الصلوة خير من النوم" کہے تو اس وقت ((صَدَقْتَ وَ بَرَرْتَ......)) کہنا۔

⑫ - فجر کی نماز کے لیے دوسری اذان میں "الصلوة خير من النوم" کہنا بدعت ہے، سنت کی مخالفت ہے۔

⑬ - اذان کے بعد یوں کہنا: "الصلوة رحمكم الله ، 'الصلوة'۔

⑭ - دمشق میں أذان الجوق کے نام سے معروف اذان۔

⑮ - کسی اسلامی ملک میں متحدہ اذان کی وجہ سے سینکڑوں مساجد سے اذان کے شعار کو معطل کرنا۔

⑯ - بعض اسلامی ممالک میں کیسٹ میں ریکارڈ اذان نشر کر کے مؤذن کی اذان سے بے نیاز ہونا۔

⑰ - مؤذن کی اذان کی آواز سن کر کھڑے ہو جانا۔

اذان کی بدعات

ا...... مسجد میں منبر کے پاس اذان دینا ❶

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الأجوبة النافعة عن أسئلة لجنة مسجد الجامعة" (ص۲۸۔۳۱) میں فصل (تحقیق موضع الأذان النبوی و العثمانی) کے تحت بیان کیا:

یہ اموی بدعت ہے جیسا کہ بیان ہوگا، اس سے اذان کا مقصود حاصل نہیں ہوتا اور وہ ہے: اعلان، ابن عبدالبر نے مالک سے نقل کیا:

''امام کے سامنے اذان دینا امر قدیم نہیں'' یعنی وہ بدعت ہے۔

ابن عابدین نے "الحاشية" (۱/ ۳٦۲) میں، ابن الحاج نے "المدخل" (۲/ ۲۰۸) میں اس کی صراحت کی ہے، اوران دونوں کے علاوہ اس سے جو ان دونوں سے زیادہ قدیم اور زیادہ عالم ہیں، الشاطبی نے "الاعتصام" (۲/ ۱٤٦۔۱٤۷) میں جو فرمایا، اس کا خلاصہ یہ ہے:

''ابن رشد نے بیان کیا: جمعہ میں امام کے سامنے اذان دینا مکروہ ہے، کیونکہ وہ ایک نیا کام ہے، سب سے پہلے ہشام بن عبدالملک نے اسے شروع کیا، کیونکہ اس نے اس اذان کو جو کہ زوراء کے مقام پر تھی اسے گیلری میں منتقل کیا، اور وہ اذان جو گیلری میں تھی اسے اپنے سامنے منتقل کر دیا، اور اس کے بعد خلفاء نے ہمارے اس زمانے تک اس میں اس کی پیروی کی، انہوں نے کہا: وہ بدعت ہے، اور جو رسول اللہ ﷺ نے اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے کیا وہ سنت ہے۔ ابن حبیب نے آپ ﷺ کا اور آپ کے بعد خلفاء راشدین کا فعل ذکر کیا جیسا کہ ابن رشد نے ذکر کیا، اور انہوں نے ہشام کے قصے کا ذکر کیا، پھر انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے جو کیا تھا وہ سنت ہے اور ابن حبیب نے کہا ہے کہ امام کے منبر پر چڑھنے کے وقت جو اذان ہے وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں باقی تھی، وہ اس کے موافق ہے جسے ارباب نقل صحیح نے نقل کیا ہے، کہ عثمان نے اپنے سے پہلے موجود عمل پر صرف زوراء کے مقام والی اذان کا اضافہ کیا پس تب ہشام کا بلند جگہ سے شرعی اذان کو اپنے سامنے

---

❶ اس سے مراد جمعہ کا دن ہے، تاہم ہمارے شیخ رحمہ اللہ سمجھتے ہیں کہ مسجد میں اذان بدعت ہے! کیونکہ اس سے مؤذن کے مسجد کی چھت کے اوپر چڑھ کر اذان دینے کی سنت معطل ہوتی ہے، دیکھیں (بدع الاذان والمؤذنین)

منتقل کرنا اس مشروع میں بدعت ہے۔"

جان لینا چاہیے کہ انہوں نے بالکل ہی منتقل نہیں کیا کیونکہ اذان نبوی منبر کے سامنے اس کے قریب ہوتی تھی۔ علامہ کاشمیری ❶ نے فرمایا:

"میں نے اس اذان کے مسجد کے اندر ہونے کے حوالے سے مذاہب اربعہ کے ہاں کوئی دلیل نہیں پائی، مگر جو "ہدایہ" کے مؤلف نے کہا: کہ وہ توارث (نسل کے بعد نسل) سے آئی ہے، پھر دوسروں نے بھی اسے نقل کیا، میں نے اس سے یہ سمجھا کہ ان کے پاس "ہدایہ" کے مؤلف کی بات کے علاوہ کوئی دلیل نہیں اسی لیے وہ توارث سے وابستہ ہیں۔"

میں نے کہا: کسی بھی صاحب بصیرت پر یہ مخفی نہیں کہ دو امور کی وجہ سے اس طرح کے توارث کی کوئی قیمت نہیں:

اوّل:...... یہ نبی ﷺ کی سنت اور آپ کے بعد خلفاء راشدین کے عمل کے خلاف ہے۔

دوم:...... اس کی ابتداء عہد ہشام سے ہے نہ کہ عہد صحابہ سے جیسا کہ میں نے سمجھا، اور ابن عابدین نے "الحاشية" (١/ ٧٦٩) میں بیان کیا:

"عرف حادث کی کوئی حیثیت نہیں جب وہ نص کی مخالفت کرے کیونکہ عرف جواز پر صرف تب ہی دلیل ہوگا جب وہ صحابہ اور مجتہدین کے دور میں عام تھا جیسا کہ انہوں نے اس کی صراحت کی ہے۔"

جو کچھ بیان ہوا اس سے واضح ہوا کہ اذان عثمانی کو دروازے پر اور اذان محمدی کو مسجد میں مقرر کرنا بدعت ہے، اس کی اتباع واجب نہیں، لہٰذا نبی ﷺ کی سنت کے احیاء کی خاطر اسے جامع مسجد سے ختم کرنا واجب ہے۔

انہوں نے "مصدر سابق" (ص ٣٥) میں بیان کیا:

لیکن ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ مسجد میں لاؤڈ سپیکر کے سامنے اذان دینا کئی امور سے مشروع نہیں، ایک یہ ہے وہاں تلاوت کرنے والوں، نماز پڑھنے والوں اور ذکر کرنے والوں کے لیے باعث تشویش ہے، اور دوم یہ کہ مؤذن کا اپنے جسم سمیت ظاہر نہ ہونا، یہ (اذان) عظیم اسلامی شعار کی تکمیل ہے۔

اسی لیے ہم سمجھتے ہیں کہ مؤذن کا مسجد پر نمایاں ہونا ضروری ہے، اور لاؤڈ سپیکر پر اذان (دینے کی بھی ضرورت ہو تو) دونوں مصلحتوں کو اکٹھا کیا جائے گا، اور یہ تحقیق مسجد کے اوپر ایک خاص جگہ مقرر کرنے کا تقاضا کرتی ہے، مؤذن وہاں چڑھے، لاؤڈ سپیکر (کا مائیکروفون) اس کے پاس وہاں پہنچایا جائے، وہ اس کے سامنے اذان دے، اور وہ لوگوں کو نظر آئے۔

---

❶ "فيض الباری" (٢/ ٣٣٥)، وہ کبار حنفی فقہاء میں سے ہیں، ہندوستان میں حدیث کی خدمت میں مشغول رہے، بسا اوقات وہ مطلقہ حدیث کی اتباع کرتے ہیں خواہ مذہب (حنفی) کی مخالفت ہوتی ہو۔ آپ نے ١٣٥٢ھ میں وفات پائی۔ (منہ)

پھر ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "خلاصة الرساله" ❶ (ص۷۰) کے عنوان کے تحت بیان کیا:

چوتھی بات: مسجد میں اذان دینا ہر حال میں بدعت ہے۔

۲..... ہر تکبیر الگ الگ کہہ کر اذان دینا، اللہ اکبر، (پھر وقفہ پھر) اللہ اکبر

ہمارے شیخ ربانی علامہ رحمہ اللہ نے "الضعيفة" (۱/ ۱۷۲) میں حدیث رقم (۷۱) کے تحت بیان کیا:

''......مصر وغیرہ میں سنت کی طرف نسبت کرنے والا ایک گروہ ہر تکبیر الگ الگ کہہ کر اذان دیتا ہے: اللہ اکبر، اللہ اکبر، انہوں نے کہا وہ اس حدیث ❷ پر عمل کرتے ہیں! جبکہ میری معلومات کے مطابق اس طرح اذان دینے کی سنت میں کوئی اصل نہیں، صحیح حدیث کے ظاہری الفاظ اس کے خلاف ہیں، مسلم نے ''صحیح مسلم'' (۴/۲) میں عمر بن خطاب سے مرفوعا روایت کیا ہے:

''جب مؤذن کہے: الله اکبر الله اکبر، تو تم میں سے ہر ایک کہے: الله اکبر الله اکبر، پھر وہ (مؤذن) کہے: اشهد ان لا اله الا الله، وہ کہے: اشهد ان لا اله الا الله"

''اس میں اس طرف واضح اشارہ ہے کہ مؤذن ہر دو تکبیر اکٹھی کہے گا'' اور سننے والا بھی اسی طرح جواب دے گا۔ نووی کی ''شرح صحیح مسلم'' میں جو ہے اس کی تائید کرتا ہے، جو چاہے اس کی طرف رجوع کرے۔''

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعيفة" (۱/ ۱۷۲) میں بیان کیا:

پھر یہ کہ حدیث، مرفوعا اس کی کوئی اصل نہ ہونے کی بنا پر ابراہیم کا قول ہے، وہ اس سے نماز میں اللہ اکبرُ کہنا مراد لیتے ہیں، جیسا کہ "الحاوی للفتاوی" (۲/ ۷۱) کتاب کے رسالے میں سیوطی کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے، اس کا اذان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں جیسا کہ ان میں سے بعض کو وہم ہوا ہے۔

ہمارے شیخ ...... اللہ ان پر رحم فرمائے اور اپنی وسیع جنتوں میں جگہ عطا فرمائے ...... نے اپنی بے مثال کتاب "صحيح الترغيب والترهيب" (۱/ ۲۲۱) میں اس کو جسے انہوں نے "الضعيفة" میں ذکر کیا مؤکد بناتے ہوئے فرمایا:

''اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ مؤذن دو بار اکٹھا اللہ اکبر اللہ اکبر کہے گا۔ علیحدہ علیحدہ اللہ اکبر نہیں کہے گا جیسا کہ بعض ملکوں رعلاقوں میں مؤذن کرتے ہیں، لہٰذا آگاہ ہو جائیں۔''

---

❶ اس سے ان کی مراد "الاجوبة النافعة" ہے۔

❷ اور وہ حدیث یہ ہے: "التكبير جزم" ''اللہ اکبر کہنا جزم (الگ الگ قطع کرکے پڑھنا) ہے۔ اور اس حدیث کی کوئی اصل نہیں جیسا کہ "سلسلة ضعيفة" رقم (۷۱) میں ہے۔

رہی وہ حدیث کہ ''تکبیر (اللہ اکبر کہنا) جزم ہے'' تو اس کی کوئی اصل نہیں، اس لیے کہ اس کا اذان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، اور یہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں۔

۳......اذان کے وقت مؤذن کا اپنے سینے کو پھیرنا

سید سابق رحمہ اللہ نے مؤذن کے لیے مستحب امور کے بارے میں فرمایا:

''یہ کہ وہ اپنے سر، گردن اور سینے کے ساتھ اپنی دائیں طرف متوجہ ہوگا......''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''تمام المنة'' (ص ۱۵۰) میں فرمایا:

''رہا سینے کو پھیرنا تو اس کی سنت میں بالکل کوئی اصل نہیں، اور نہ ہی گردن موڑنے کے متعلق آنے والی احادیث میں اس کا کوئی ذکر ہے۔''

۴......اذان میں اضافہ

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''صحیح الترغیب'' (۱/ ۲۱۲) میں اور اپنی کتاب ''ضعیف الترغیب'' (۱/ ۹٤) میں بیان فرمایا:

''علماء نے حکم اذان کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔''

درست یہ ہے کہ اذان اقامت کی طرح فرض ہے، کیونکہ ان دونوں کے متعلق کئی ایک احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے، جیسا کہ اپنی نماز میں غلطی کرنے والے کی روایت میں ہے، اسی لیے اس میں اضافہ جائز نہیں، جس طرح اس کے شروع میں اضافہ جائز ہے نہ اس کے آخر میں جائز ہے، یہ (اضافہ) بدعت ہے، اور یہ بیان ہو چکا کہ ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''صلاة التراویح'' (ص ۳۱) میں ''الاصابة'' کے مؤلف کی تردید کرتے ہوئے بیان کیا:

''لیکن ان مؤلفین کا کیا حال ہے جو اس برے تضاد کا شکار ہیں جیسے علماء کے اصول بلکہ ان کے خاص نصوص اس کے عدم جواز کا تقاضا کرتے ہیں وہ انہیں پسند کرتے ہیں؟! اے مؤلفین! اذان میں اضافے اور اس کے بعد اس پر اضافے میں کیا فرق ہے......؟''

۵......خطبوں اور اذان میں طرح طرح کی سریں

''صلاة التراويح'' (ص ۲٤)

۶......اذان کے بعد مؤذن کا پست یا بلند آواز سے صلاۃ وسلام پڑھنا

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے کتاب ''فقه السنة'' کے مؤلف پر اپنی تعلیق کے ذیل میں ان کے قول، ''رسول صلی اللہ علیہ وسلم

پر بلند آواز سے صلاۃ وسلام...... بدعت اور مکروہ ہے۔'' پر اپنی کتاب "تمام المنة" (ص ۱۵۸) میں فرمایا:

میں نے کہا: اس کا مفہوم یہ ہے کہ اسے پست آواز سے پڑھنا سنت ہے، تو اس پر دلیل کہاں ہے؟! اگر یہ کہا جائے: وہ آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے: ''جب تم مؤذن کو سنو تو جس طرح وہ کہتا ہے تم بھی اسی طرح کہو، پھر مجھ پر صلاۃ پڑھو......'' تو جواب ہے: اس میں خطاب ان سامعین کے لیے ہے جو مؤذن کو سن رہے ہیں اور وہ جواب دینے پر مامور ہیں، اس میں مؤذن بذات خود شامل نہیں، ورنہ یہ قول لازم کرتا کہ وہ خود بخود بھی اپنے قول کا جواب دے، اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں، اس کا قائل ہونا دین میں بدعت ہے۔

۷...... اذان کے بعد مؤذن کا نبی ﷺ پر بلند آواز سے صلاۃ پڑھنا

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "فضل الصلاة على النبى ﷺ" (۴۹۔۵۰) میں فرمایا:

اس حدیث ❶ میں تین سنتیں ہیں جن میں اکثر لوگ سستی کرتے ہیں: مؤذن کے کلمات کا جواب دینا، اذان کا جواب دینے سے فارغ ہو کر نبی ﷺ پر صلاۃ بھیجنا، پھر آپ ﷺ کے لیے وسیلہ کا سوال کرنا۔ ❷ اور بڑی عجیب بات ہے کہ تم ان سنتوں میں سستی برتنے والوں کو اذان کے بعد آپ ﷺ پر مؤذن کے بلند آواز سے صلاۃ پڑھنے کی بدعت پر تعصب کے طور پر سب سے زیادہ تمسک کرنے والے دیکھو گے حالانکہ وہ بالاتفاق بدعت ہے، اگر وہ ایسا عمل نبی ﷺ کے ساتھ محبت کے طور پر کرتے ہیں تو وہ اس سنت میں آپ کی اتباع کیوں نہیں کرتے اور اس بدعت کو کیوں نہیں چھوڑتے؟ ہم اللہ سے ہدایت کا سوال کرتے ہیں۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعيفة" (۲/ ۲۹۴) میں بیان فرمایا:

اذان کے بعد نبی ﷺ پر بلند آواز سے صلاۃ وسلام پڑھنا بدعت ہے جیسا کہ محقق علماء نے اسے بیان کیا ہے، اور ہم نے اسے "تسديد الاصابة" کے پہلے رسالے میں ذکر کیا ہے۔

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعيفة" (۲/ ۲۹۴) میں بیان کیا:

تنبیہ:...... بے شک علماء نے جب اس بدعت کا انکار کیا، تو کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں آنی چاہیے کہ وہ نبی ﷺ پر صلاۃ کی مشروعیت سے انکار کرتے ہیں، بلکہ وہ تو صرف اسے اس جگہ پڑھنے کا انکار کرتے ہیں جہاں رسول اللہ ﷺ نے اسے پڑھنے کا نہیں فرمایا، یا یہ کہ وہ صفات وہیئات اس کے ساتھ شامل نہ ہو جائیں جنہیں اللہ نے اپنے نبی کی زبان پر مشروع قرار نہیں دیا، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح ثابت ہے کہ ایک آدمی نے چھینک

---

❶ حدیث یہ ہے: جب تم مؤذن کو سنو تو اسی طرح کہو جس طرح مؤذن کہتا ہے۔ اس کی تخریج "ارواء" (۲۴۲) (۱/ ۲۵۹) میں دیکھیں۔

❷ وسیلے کے بارے میں یہ سوال اذان کی دعا میں موجود ہے جیسا کہ آت محمد الوسيلة کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ (شہباز حسن)

باری تو اس نے کہا: الحمد لله، والصلاة والسلام علی رسول الله ﷺ...... ❶

٨...... اذان سے فارغ ہونے کے بعد کی دعا میں "الدرجة الرفيعة" کا اضافہ

((اللهم رب هذه الدعوة التامة، والصلوة القائمة، آت محمدا الوسيلة والفضيلة، وابعثه مقاما محمودا الذی وعدته .))❷

اور اس دعا کے آخر میں ((انك لا تخلف الميعاد)) یہ الفاظ بدعت ہیں جو وارد نہیں۔ ❸

"المشكاة" (١/ ٢٠٨) رقم (٦٥٩) ❹، "إصلاح المساجد" (ص ١٣١) "الثمر المستطاب فی فقه السنة والكتاب" (١/ ١٩١)، تخريج "الكلم الطيب" (ص٩٦) رقم (٧٣)، "الضعيفة" (١١/ ٢٩٣)

ہمارے شیخ نے "الثمر المستطاب" (١/ ١٩١) میں بیان کیا:

تنبیه:...... اس دعا میں "الدرجة الرفيعة" کا اضافہ زبانوں پر مشہور ہو گیا ہے، اور اس اضافے کی مفید اصول میں سے کسی چیز میں کوئی اصل نہیں، حافظ سخاوی نے "المقاصد الحسنة" میں بیان کیا:

''میں نے روایات میں سے کسی میں اسے نہیں دیکھا۔''

ان کے شیخ حافظ عسقلانی نے "التلخيص" (٣/ ٢٠٣) میں بیان کیا:

''اس کے طرق میں سے کسی میں بھی "الدرجة الرفيعة" کا ذکر نہیں۔''

ہاں! ابن السنی کی روایت میں یہ اضافہ ذکر کیا گیا ہے، لیکن میں قطعی طور پر کہتا ہوں کہ وہ بعض ناقلین سے مدرج ہے......

اور انہوں نے "المشكاة" (١/ ٢٠٨) میں حدیث رقم (٦٥٩)❺ کے تحت یہ بیان کیا ہے:

فائدہ......: بعض لوگ اس حدیث میں دو اضافے کرتے ہیں:

(۱)...... "والدرجة الرفيعة" (۲)...... "انك لا تخلف الميعاد" اس کی کوئی اصل نہیں، میں نے

---

❶ ہم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اثر اور اس کے متعلق شیخ کا کلام اس بدعت: ''چھینک مارنے والے کی طرف سے الحمد کے بعد نبی ﷺ پر درود کا اضافہ'' کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔ یہ اثر وہاں دیکھیں۔

❷ اس کی تخریج "الارواء" رقم (٢٤٣) (١/ ٢٥٩۔٢٦٠) میں دیکھیں۔

❸ اس بدعت کی تحقیق انہوں نے بدع الاذكار میں پیش کی ہے۔ لیکن اس لیے کہ اس کا موقع صرف اذان یا اقامت کے وقت میں ہے۔ اس لیے ہم نے اسے اس فصل میں ذکر کرنے کو ترجیح دی۔

❹ (ص ٥٤) رقم (٧٢)۔ ط: المكتب الاسلامی.

❺ "هداية الرواة فی تخريج احاديث المصابيح و المشكاة" (١/ ٣١٦ رقم ٦٢٩).

"صحیح ابی داؤد" رقم (۵۴۰) میں وضاحت کی ہے۔
اور ہمارے شیخ نے "صحیح سنن ابی داود (۳/ ۲۷۔۲۸) میں حدیث رقم (۵۴۰) کے تحت بیان کیا:

تنبیہات

(۱)...... بیہقی نے محمد بن عوف عن علی بن عیاش ❶ کے طریق سے دو اضافے کیے ہیں:

اوّل: ((اللھم انی اسألك بحق ھذة الدعوة)) اور، **دوم:** اس (دعا) کے آخر میں: ((انك لا تخلف المیعاد))!!

اور یہ دونوں اضافے میرے نزدیک شاذ ہیں، کیونکہ وہ علی بن عیاش کے حوالے سے تمام طرق میں وارد نہیں، اور نہ ہی جابر کے دوسرے طریق سے، دوسرا اضافہ بہت کم ہے، بے شک وہ "صحیح بخاری" کی روایت کشمیھنی میں ثابت ہے۔ اسی طرح سخاوی کی "مقاصد حسنہ" میں ہے، لیکن وہ بھی شاذ ہے، اس لے کہ وہ کشمیھنی کی روایت کے علاوہ کسی اور کی روایت میں "الصحیح" میں ثابت نہیں! گویا کہ اسی لیے حافظ "اپنی شرح (فتح الباری)" میں اس طرف مائل نہیں ہوئے۔

اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ وہ بخاری کی دوسری کتاب میں "افعال العباد" میں وارد نہیں، بایں ہمہ کہ ان دونوں میں اس (روایت) کی اسناد ایک ہے!

(۲)...... حافظ نے "التلخیص" (۲۰۳/۳) میں بیان کیا۔ اور سخاوی نے "المقاصد" میں ان کی متابعت کی ہے:

"طرق حدیث میں سے کسی میں "والدرجة الرفیعة" کا ذکر نہیں۔"

میں نے کہا، ابن السنی کی حدیث باب کی روایت میں واقع ہے، لیکن ظاہر ہے کہ وہ کسی نقل کرنے والے کی طرف سے مدرج ہے! حدیث کی تخریج میں جو بیان ہوا اس سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ وہ ان کے ہاں نسائی کے طریق سے ہے، جبکہ وہ ان کی "السنن" میں نہیں!

اور یہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب "قاعدة جلیلة فی التوسل و الوسیلة" میں بخاری کی طرف نسبت کے حوالے سے آئی ہے! جبکہ وہ کسی نقل کرنے والے کی طرف سے حتمی طور پر فحش وہم ہے، اور بڑی عجیب بات ہے کہ سید رشید رضا رحمہ اللہ کوئی تنبیہ کیے بغیر اس سے گزر گئے، بچا ہوا بس وہی ہے جسے اللہ واحد ہی بچائے!

---

❶ ان کی مراد علی بن عیاش، عن شعیب بن ابی حمزة، عن محمد بن المنکدر، عن جابر بن عبداللہ نے اسے مرفوع روایت کیا ہے: "جس نے اذان سن کر یہ دعا کی: اللھم رب ھذہ الدعوة التامة...... تو قیامت کے دن اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔"

(۳)...... مصنف، بخاری اور جمہور کی روایت: "مقاماً محموداً" نکرہ کے ساتھ ہے۔

رہے امام نسائی اور امام بیہقی تو ان دونوں نے کہا: "المقام المحمود" معرفہ کے ساتھ ہے، اور وہ طحاوی کی بھی روایت ہے، طبرانی کی بھی، اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا، جیسا کہ "الفتح" میں ہے۔ اور صحیح روایت بخاری اور ان لوگوں کی ہے جو ان کے ساتھ ہیں، اس کی بہت سی وجوہ ہیں! محقق ابن القیم نے انہیں "بدائع الفوائد" (٤/ ١٠٥) میں نقل کیا ہے، اس کا مطالعہ کریں۔

۹...... اقامت سے تھوڑا سا پہلے نبی ﷺ پر بلند آواز سے صلاۃ وسلام

ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (٢/ ٢٩٤) میں بیان کیا:

''اقامت سے پہلے نبی ﷺ پر بلند آواز سے صلاۃ وسلام فاش بدعت ہے۔ ہم نے اسے شمال کے علاقوں حلب اور ادلب وغیرہ میں دیکھا ہے۔''

۱۰: مؤذن جب اقامت کے وقت "قد قامت الصلوة" کہے اس وقت "اقامها الله و ادامها، و اجعلنا من صالح أهلها عملًا" کہنا

اس قول کے کہنے والوں کا سہارا ایک ضعیف روایت ہے اور وہ "المشكاة" رقم (٦٧٠)، "الارواء" رقم (٢٤١)، "تمام المنة" (ص١٤٩-١٥٠) اور "الثمر المستطاب" (١/ ٢١٦-٢١٧) میں منقول ہے۔

ابوامامہ یا اصحابِ رسول اللہ ﷺ میں سے کسی سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: بلال نے اقامت شروع کی، جب انہوں نے کہا: "قد قامت الصلوة" رسول اللہ ﷺ نے کہا: "اَقَامَهَا اللّٰهُ وَ أَدَامَهَا" (اللہ اسے قائم و دائم رکھے)، اور باقی اقامت میں، اذان کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مانند کہا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ [1]

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "المشكاة" (١/ ٢١٢) کے حاشیے میں بیان کیا:

تنبیہ:...... جب حدیث کا ضعف معلوم و ثابت ہو جائے تو دو اسباب کی وجہ سے اس پر عمل کرنا جائز نہیں:

(۱)...... کہ وہ فضائل کے باب سے نہیں! کیونکہ اقامت کے وقت اس میں جو قول مذکور ہے کسی دوسری حدیث میں اس کی مشروعیت ثابت ہے نہ اس کی فضیلت، کہ کہا جائے: فضائل میں اس پر عمل کیا جائے گا، رہا صرف اس طرح کی اکیلی ضعیف روایت کے ساتھ اس کا اثبات، اور اسے شریعت بنانا، تو وہ قواعد شریعت سے بہت

---

[1] اس کی اسناد ضعیف ہے، اس میں ایک راوی مجہول اور دو ضعیف ہیں، اسی لیے نووی اور عسقلانی نے بالجزم کہا ہے کہ وہ روایت ضعیف ہے: "ضعيف سنن ابی داود" (رقم: ٨٤)، منقول از المشكاة ١/ ٣٢١.

ہی دور ہے۔

(۲)...... یہ آپ ﷺ کے فرمان کے عموم کے خلاف ہے: ''جب تم مؤذن کو سنو تو اسی طرح کہو جس طرح مؤذن کہتا ہے...... ''الحدیث'' ❶ لہٰذا اس کے عموم پر باقی رہنا واجب ہے، ہم اقامت میں کہیں گے: ''قد قامت الصلوۃ'' غور کریں۔

اور ''تمام المنة'' (ص ۱٤۹۔۱۵۰) میں یہ ہے:

ان ❷ کا قول: ''اقامت سننے والے کے لیے مستحب ہے کہ وہ وہی کہے جو اقامت کہنے والا کہتا ہے، البتہ جب وہ ''قد قامت الصلوۃ'' کہے تو یہ کہنا مستحب ہے: ''أقامها الله و أدامها'' نبی ﷺ کے کسی صحابی سے روایت ہے کہ بلالؓ نے اقامت شروع کی، جب انہوں نے ''قد قامت الصلوۃ'' کہا: تو نبی ﷺ نے کہا: أقامها الله و أدامها . ''

میں ❸ نے کہا: بلکہ مستحب یہ ہے کہ وہ اسی طرح کہے جس طرح اقامت کہنے والا ''قد قامت الصلوۃ'' کہتا ہے، کیونکہ آپ ﷺ کے فرمان کا عموم ہے: ''جب تم مؤذن کو سنو تو جس طرح وہ کہتا ہے تم بھی اسی طرح کہو۔'' ❹ تو اس کی اس جیسی حدیث کے ساتھ تخصیص کرنا جائز نہیں، کیونکہ وہ روایت ضعیف ہے، نووی، عسقلانی اور ان دونوں کے علاوہ ائمہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

ہمارے شیخ نے ''تمام المنة'' (ص ۳۵) کے مقدمے میں بیان کیا:

اس قول کی اس ضعیف حدیث ❺ کے علاوہ کسی اور حدیث میں مشروعیت ثابت نہیں ہوئی، ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''الارواء'' (۱/ ۲۵۸۔۲۵۹) میں حدیث رقم (۲۴۱) کے تحت بیان کیا:

بیہقی نے ان الفاظ سے اس روایت کی تضعیف کی طرف اشارہ کیا اور اس کے بعد کہا:

''اور اگر یہ صحیح ہے تو شافعی نے جسے اچھا قرار دیا ہے وہ ان کے قول سے شاہد ہے: ''اَللّٰهُمَّ اَقِمْهَا وَ اَدِمْهَا وَ اجْعَلْنَا مِنْ صَالِحِ اَهْلِهَا عَمَلاً'' ''اللہ! اسے قائم و دائم رکھ اور ہمیں عمل کرنے کے حوالے سے اس کے صالح افراد میں شامل فرما۔''

میں ❻ نے کہا: یہ جسے شافعی نے اچھا قرار دیا ہے، رافعی نے اسے ان سے لیا ہے پس انہوں نے اسے اس

---

❶ صحیح مسلم، رقم: ۳۸٤.
❷ فقه السنة کے مؤلف سید سابق رحمہ اللہ تعالیٰ.
❸ یعنی شیخ البانی رحمہ اللہ۔
❹ اس کی تخریج قریب ہی پیچھے گزر چکی ہے۔
❺ یعنی وہ حدیث کہ جس سے موذن کے قد قامت الصلاۃ کہنے پر اقامها الله و ادامها مستحب قرار پاتا ہے۔
❻ یعنی شیخ البانی رحمہ اللہ۔

میں ذکر کیا جو مؤذن کو سننے والے کے لیے مستحب ہے کہ وہ اسے کہے! لہٰذا معاملہ محض رائے پر قائم استحسان سے اس استحباب کی طرف منتقل ہوگیا جو کہ حکم شرعی ہے، اس کے لیے نص کا ہونا ضروری ہے!

حافظ نے "التلخیص" (۷۹) میں اس حدیث سے، جسے رافعی نے ذکر کیا، استدلال کیا اور اس کے بعد فرمایا:

''وہ ضعیف ہے، اور اس میں جو اضافہ [1] ہے اس کی کوئی اصل نہیں، اسی طرح اس کی بھی کوئی اصل نہیں جو انہوں نے "الصلوۃ خیر من النوم" (نماز نیند سے بہتر ہے) کے بارے میں ذکر کی ہے۔''

میں نے کہا: یعنی: ("الصلوۃ خیر من النوم" کے جواب میں) اس کا کہنا: "صَدَقْتَ وَ بَرَرْتَ" (یہ کہنے کی کوئی اصل نہیں۔)

ہمارے شیخ نے "الثمر المستطاب" (۱/ ۲۱۶) میں بیان کیا:

رہی ابوامامہ ﷺ کے کسی صحابی کی روایت: کہ بلال نے اقامت شروع کی، جب انہوں یہ کہا: "قد قامت الصلوۃ"، نبی ﷺ نے فرمایا: "اقامها الله و أدامها"، اور باقی اقامت میں اذان کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کی مانند کہا۔

وہ روایت بالاتفاق ضعیف ہے۔

۱۱......مؤذن کے "الصلوۃ خیر من النوم" کے کہنے پر "صَدَقْتَ وَ بَرَرْتَ" کہنا بدعت ہے [2]

"الارواء" (۱/ ۲۵۹)

۱۲......نماز فجر کی دوسری اذان میں تثویب [3] کہنا بدعت اور سنت کے خلاف ہے

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "تمام المنة" (ص۱۴۶۔ ۱۴۸) میں فرمایا:

صبح (نماز فجر) کے لیے اذان اوّل میں "تثویب" (الصلاة خیر من النوم) کہنا مشروع ہے، جو کہ نماز فجر کا وقت شروع ہونے سے تقریباً پندرہ منٹ پہلے ہوتی ہے، جیسا کہ ابن عمر کی روایت میں ہے، انہوں نے فرمایا: ''اذان اوّل میں "حی علی الفلاح" کہنے کے بعد "الصلاۃ خیر من النوم" دو مرتبہ کہا جاتا تھا'' (بیہقی: ۱/ ۴۲۳) اسی طرح طحاوی نے "شرح المعانی" (۱/ ۸۲) میں روایت کیا، اور اس کی اسناد

---

[1] ہمارے شیخ نے ضعیف سنن ابی داؤد (۱۹۰/۱۔غراس) میں ابن حجر کی "التلخیص الحبیر (۳/ ۲۰۴) میں یہ عبارت نقل کی ہے، اور اس عبارت کی تفسیر بیان کی۔ اس میں زیادہ یہ کہنا ہے "واجعلنی من صالحی اهلها" مراد ہے۔

[2] بدعت رقم ۱۰ پر تبصرہ دیکھیں۔

[3] حیعلتین (حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح) کے بعد مؤذن کا الصلاۃ خیر من النوم کہنا تثویب کہلاتا ہے۔ اسی کو ہمارے شیخ نے ترجیح دی ہے۔

حسن ہے جیسا کہ حافظ نے فرمایا۔ اور ابومحذورہ کی روایت مطلق ہے، وہ دو اذانوں کو شامل ہے، لیکن دوسری اذان مراد نہیں، کیونکہ وہ دوسری روایت میں ان الفاظ کے ساتھ مقید بیان ہوئی ہے: ''جب تم صبح کی اذان اوّل دو تو کہو: الصلاۃ خیر من النوم، الصلاۃ خیر من النوم۔'' اسے ابوداوٗد، نسائی اور طحاوی ودیگر نے نقل کیا ہے۔ یہ روایت ''صحیح سنن ابی داوٗد'' (٥١٠۔٥١٦) میں منقول ہے، پس ان کی روایت ابن عمر کی روایت سے متفق ہے، اسی لیے صنعانی نے ''سبل السلام'' (١/ ١٦٧۔١٦٨) میں نسائی کے الفاظ کے بعد بیان کیا:

''اس میں اس کے لیے تقیید ہے جسے روایات نے مطلق بیان کیا۔ ابن رسلان نے کہا: ابن خزیمہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا۔ انہوں نے کہا: پس ''الصلوة خير من النوم'' کہنے کی مشروعیت فجر کی پہلی اذان ہی میں ہے، کیونکہ وہ سونے والے کو بیدار کرنے کے لیے ہے، رہی دوسری اذان تو وہ وقت شروع ہونے کے متعلق اعلان ہے، اور نماز کی طرف دعوت و پکار ہے۔ [1] یہ ''تخريج الزركشی لأحاديث الرافعی'' سے ہے۔ اسی کے مثل ''سنن البیهقی الكبرى'' میں ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے ہے: کہ وہ آپ ﷺ کے حکم سے فجر کی اذان اوّل میں ''الصلوة خير من النوم'' کہا کرتے تھے۔

میں نے کہا: یہ ''الصلوة خير من النوم'' نماز کی طرف بلانے اور اس کے وقت شروع ہونے کی اطلاع دینے کے لیے مشروع اذان کے الفاظ میں سے نہیں، بلکہ وہ ان الفاظ میں سے ہیں جو سونے والے کو جگانے کے لیے مشروع کیے گئے، پس وہ تسبیح اخیر کے الفاظ کی طرح ہے جسے اس بعد کے دور والوں نے اذان اوّل کے عوض میں معمول بنالیا ہے۔

میں نے کہا: میں نے اس مسئلے پر کلام طویل کر دیا۔ اس لیے کہ اسلامی ممالک میں بہت سے مؤذنوں کا اس بارے میں خلاف سنت معمول بن گیا ہے، نیز بہت کم مؤلفین نے اس کی صراحت کی ہے، کیونکہ ان میں سے جمہور اس بارے میں اجمالی طور پر بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، اور وہ یہ بیان نہیں کرتے کہ وہ (تثویب) فجر کی اذان اوّل میں ہے جیسا کہ صحیح احادیث میں اس کی صراحت آتی ہے، ابن رسلان اور صنعانی کے بیان متقدم کے برعکس (کیونکہ ان دونوں نے صراحت کی ہے) جزاهما الله خيرا۔

---

[1] اذان کے مسئلے میں علامہ البانی رحمہ اللہ کا موقف جمہور علماء کے موقف کے خلاف ہے۔ فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد دو مرتبہ الصلاۃ خیر من النوم کہنے کی تعلیم نبی اکرم ﷺ نے دی ہے۔ جسے علامہ البانی نے فجر کی پہلی اذان قرار دیا ہے اسے حدیث میں رات کی اذان کہا گیا ہے۔ جبکہ الصلاۃ خیر من النوم کا ثبوت اذان فجر میں ہے۔ فجر کی پہلی اذان سے مراد فجر کی اذان ہے جسے اقامت کے اعتبار سے پہلی اذان کہا گیا ہے۔ ورنہ ایک نماز کے لیے دو اذانیں کہنا ثابت نہیں۔ (شہباز حسن)

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ دوسری اذان میں تثویب بدعت ہے خلاف سنت ہے۔ اور یہ مخالفت بڑھ جاتی ہے جس وقت وہ اذان اوّل سے کلی طور پر اعراض کرتے ہیں، اور دوسری اذان میں تثویب پر اصرار کرتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے کس قدر حق دار ہیں:

﴿اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ﴾ (البقرة: ٦١)

''کیا تم بہتر چیز کے بدلے میں ادنی چیز لینا چاہتے ہو۔''

﴿لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرة: ١٠٢)

''کاش وہ جانتے ہوتے۔''

فائدہ......: طحاوی نے اذان اوّل میں تثویب کے بارے میں ابومحذورہ اور ابن عمر کی بیان کردہ دو صریح حدیثیں ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

''اور وہ ابوحنیفہ اور ابو یوسف ومحمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔''

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صحیح الترغیب و الترهیب" (۱/۲۱۶۔ط۔المعارف) میں بیان کیا:

''اس تثویب میں سنت صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ وہ فجر کی نماز میں اذان اوّل کے ساتھ خاص ہے۔ اور اسے زیادہ تر مؤذنوں نے چھوڑ رکھا ہے جو کہ قابل افسوس ہے، حتی کہ حرمین شریفین میں، بعض اسلامی ممالک میں اس جیسی سنتوں کے احیاء کے سبب ہمارے سلفی بھائیوں کی جماعت آزمائش کا شکار ہوئی، اس دور کے احوال، اور اس میں انصار السنۃ کی قلت کے بارے میں اللہ کے حضور شکایت کی جاتی ہے۔''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے، کچھ تصرف وتبدیلی کے ساتھ، "المشكاة" (١/ ٢٠٤) [1] میں بیان کیا:

تثویب صرف فجر کی اذان اوّل ہی میں ہے، وہ اس کے علاوہ کسی اور میں مشروع نہیں۔

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے غزالی کی "فقه السيرة" کی تخریج (ص۲۰۱۔ط۔الأولی۔ دار الریان) میں بیان کیا:

فقیہ پر مخفی نہیں رہتا کہ بلال رضی اللہ عنہ فجر کی اذان اوّل دیا کرتے تھے، تو جب ہم نے اسے اس کے ساتھ ملایا جو بیان ہو چکا ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سنت یہ ہے کہ "الصلوة خير من النوم" پہلی اذان میں کہا جائے نہ کہ دوسری اذان میں، اور یہ نص کے مطابق ہے، ابن عمر نے بیان کیا: اذان اوّل میں "حي على الفلاح" کے بعد تھا: "الصلاة خير من النوم"، الصلاة خير من النوم" طحاوی (۱/۸۲) ودیگر نے اسے حسن سند کے ساتھ روایت کیا جیسا کہ حافظ رحمہ اللہ نے "التلخيص" (٣/ ١٦٩) میں بیان کیا۔

---

[1] هداية الرواة الى تخريج احاديث المصابيح والمشكوة (١/ ٣١٠).

اورانہوں نے "صحیح سنن ابی داوٗد" (۲/ ٤١٥ ـ ط۔ غراس) میں حدیث رقم (۵۱۵) کے تحت ابومحذورہ کی اذان کے بارے میں روایت کی تخریج کے وقت بیان کیا:

''جان لیجیے کہ سابقہ روایت میں۔''اگر صبح کی نماز ہو، تو آپ کہیں: "الصلوۃ خیر من النوم"! تو یہ مطلق ہے، اور اس روایت میں فجر کی پہلی اذان کے ساتھ تقید ہے۔''

اور یہی درست ہے: سنت یہ ہے کہ اس جملے کو فجر کی اذان اوّل میں کہا جائے، اور اس پر مختلف طرق سے احادیث آئی ہیں، میں نے انہیں "الثمر المستطاب" میں ذکر کیا ہے! ان میں سے کسی میں بھی نہیں کہ وہ فجر کی دوسری اذان میں ہے، جس پر لوگ آج خلاف سنت عمل پیرا ہیں، اور اس کی دوسری اذان کو چھوڑ کر پہلی اذان کے ساتھ تخصیص انتہائی معقول ہے! تا کہ دونوں کے درمیان تفریق ہو سکے! کیونکہ پہلی اذان سحری کا کھانا حرام کرتی ہے نہ فجر کی نماز پڑھنا حلال کرتی ہے، جبکہ دوسری اذان اس کے برعکس ہے (اس سے سحری کھانا حرام اور نماز فجر پڑھنا حلال ہو جاتا ہے۔)

۱۳......اذان کے بعد یوں تثویب کہنا: الصلوۃ رحمکم اللہ، الصلوۃ

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الإرواء" (۱/ ۲۵۵) میں اثر رقم (۲۳۶) کے تحت بیان کیا:

''ابن عمر کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے داخل ہوئے، تو انہوں نے ایک آدمی کو اذان ظہر میں تثویب کہتے ہوئے سنا تو وہ باہر تشریف لے آئے، اور فرمایا: ''اس بدعت نے مجھے باہر نکال دیا۔'' [1]

فائدہ......!: یہاں تثویب سے اذان کے بعد مؤذن کا یوں اعلان کرنا مراد ہے: الصلوۃ رحمکم اللہ، الصلوٰۃ، وہ اس کی طرف بار بار بلاتا ہے۔

اور وہ بدعت ہے جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اگر چہ وہ بعض علاقوں میں عام ہو۔ اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "المشکاۃ" (۱/ ۲۰٤) [2] میں اسی طرح بیان کیا:

رہا اذان کے بعد یوں کہنا: "الصلاۃ الصلاۃ یرحمکم اللہ"، تو یہ منکر بدعت ہے، اہل علم نے اسے مکروہ قرار دیا ہے! جیسے ابن عمر رضی اللہ عنہ اور اسحاق بن راہویہ، جیسا کہ امام ترمذی نے اسے بیان کیا ہے۔

---

[1] حسن: ابو داود (۵۳۸) نے اسے روایت کیا، اور ان سے بیہقی (۱/۴۲۴) نے اور طبرانی نے "الکبیر" (۳/ ۲۰۳/ ۲) میں سفیان سے۔ حدثنا ابو یحیی القتات، عن مجاھد، انہوں نے کہا: میں ابن عمر کے ساتھ تھا ایک آدمی نے ظہر یا عصر کی اذان میں تثویب کہی، انہوں نے فرمایا: یہاں سے باہر چلیں کیونکہ یہ بدعت ہے۔'' (منہ) اس کی اسناد حسن ہے، "صحیح سنن ابی داود" (۳/ ۵۱ رقم ۵٤۹ ـ ط۔ غراس)، اور انہوں نے تخریج کو اس پر ترمذی (۱/۳۸۱) کی تعلیق نقل کر کے ختم کیا اور اس میں ہے: ''عبداللہ بن عمر مسجد سے باہر نکل آئے، اور انہوں نے فرمایا: ہمیں اس بدعتی کے پاس سے لے چلو، اور انہوں نے وہاں نماز نہ پڑھی۔''

[2] ... = الہداۃ الی تخریج احادیث المصابیح والمشکاۃ (۱/ ۳۱۰).

۱۴...... دمشق میں اذان جوق (گروہ کی اذان) سے معروف اذان

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (۱/ ۲۳۱) میں بیان کیا:

ہر ذکر جس میں آواز بلند کرنا مشروع ہے یا مشروع نہیں، تو اس میں اجتماع مشروع نہیں جیسا کہ دمشق میں گروہ رمجمع کی اذان سے معروف اذان، زیادہ تر یہ اجتماع ''ایسی جگہ کلمے یا جملے کے قطع کا سبب بنتا ہے جہاں وقف کرنا جائز نہیں'' جیسے فجر اور مغرب کے فرض کی تہلیل میں "لا الہ"!! جیسا کہ ہم نے اسے کئی بار سنا ہے۔

اور آپ رحمہ اللہ نے "الارواء" (۱/ ۲۳۱) میں بیان کیا:

بعض متاخرین کے حدیث کے فہم سے جہالت یا ان کے تجاہل سے، میں نے ان میں سے بعض کے غیر مطبوع رسالے میں یک آواز سے گروہ کی اذان کے متعلق تجویز پڑھی، جو دمشق وغیرہ میں اذان جوق (اجتماعی اذان جو سب مل کر یک آواز ہو کر دیں) کے نام سے معروف ہے، انہوں نے اس پر اس حدیث [1] سے استدلال کیا! میرے ذہن میں سوال پیدا ہوا: تو کیا پھر ''اقامت جوق'' بھی جائز ہے، کیونکہ حدیث بیان کرتی ہے: ''دونوں اذان دو اور اقامت کہو۔'' یہ بدعتی جو نصوص شریفہ کی تحریف کرتے ہیں اس کی بہت سی مثالوں میں سے یہ ایک مثال ہے، فالی اللہ المشتکی

۱۵...... کسی اسلامی ملک میں متحدہ اذان کی وجہ سے سینکڑوں مساجد سے اذان کی شعیرہ (علامت، نشانی) کی تعطیل، جو کہ سارے اسلامی ممالک کے سلف وخلف کے اجماع کے خلاف ہے [2]

---

[1] یعنی مالک بن حویرث کی روایت: ''جب تم دونوں سفر کرو تو اذان دو اور اقامت کہو......'' دیکھیں: "الارواء" حدیث رقم (۲۱۵)

[2] فائدہ: (ا)......ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (۷/ ۲، ۱۳۰۲۔۱۳۰۴) میں حدیث رقم (۳۴۴۰) کے تحت بیان کیا، اور اس کی نص یہ ہے: ''اللہ کے پسندیدہ بندے وہ ہیں جو اللہ عزوجل کے ذکر کے لیے سورج، چاند، ستارے اور سایوں کا لحاظ رکھتے ہیں۔''

پھر اس مناسبت سے میرے لیے ضروری ہے کہ میں اس حدیث اور اس میں جو نکات ہیں ان کے متعلق کوئی بات کروں، میں کہتا ہوں:

اہل علم پر یہ مخفی نہیں کہ اذان شعائر اسلام میں سے ایک شعیرہ ہے، کیونکہ اس کی فضیلت میں "الصحاح" اور "السنن" وغیرہ میں بہت معروف حدیثیں آئی ہیں، میں نے دو اسباب کی وجہ سے یہاں اس کی تخریج کا قصد کیا:

(ا) اس کی اسناد میں کلام کی تحقیق، اور ان حضرات کے بارے میں تحقیق جنہوں نے اسے صحیح قرار دیا: کیا انہوں نے اسے صحیح قرار دینے میں درست کہا یا ان سے غلطی ہوگئی؟ پھر حدیث کے علمی قواعد کے تقاضے کے مطابق اس پر صحیح، حسن یا ضعیف کا حکم، اور میں نے اللہ عزوجل سے یہ امید رکھتے ہوئے کہ وہ مجھے اپنی پسند کے مطابق درست بات کرنے کی توفیق عنایت فرمائے' یہ کام کیا۔

(ب) اس چیز کے متعلق یاد دہانی اور نصیحت جو اس اسلامی شعار کے متعلق بعض مساجد میں سستی، لاپروائی، اس کے عدم اہتمام اور اسے معطل کر دینے کے حوالے سے مظاہرہ کیا جاتا ہے جو کہ مؤذنوں پر واجب تھا کہ وہ ان (مساجد) میں بلند آواز سے اذان دیتے، جبکہ وہ صرف اس اذان پر اکتفا کرتے ہیں جو الیکٹرانک میڈیا سے بعض اسلامی ممالک میں سرکاری اذان دی جاتی ہے اور وہ اذان فلکی وقت کی ⇦⇦

....

⇦⇦⇦ بنا پر دی جاتی ہے، جو بعض اوقات شرعی وقت کے مطابق نہیں ہوتی، بہت سے علاقوں میں ہمیں پتہ چلا ہے کہ فجر کی اذان صبح صادق سے تقریباً پندرہ منٹ یا اس سے بھی پہلے دے دی جاتی ہے، اور یہ علاقوں کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہے، ظہر تقریباً پندرہ منٹ پہلے، مغرب تقریباً دس منٹ بعد، اور عشاء تقریباً آدھا گھنٹہ بعد! اور یہ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں بعض نمازیں وقت شرعی سے پہلے پڑھی جاتی ہیں جس کا بگاڑ مخفی نہیں، اور سبب واضح ہے؟ وہ شرع سے لاعلمی، اور علم فلکی اور اس کے اس حساب پر اعتماد ہے جو شرع کے خلاف ہے! وہ امر جس نے ان مؤذنوں کو جو اپنی مساجد میں اذان دیتے ہیں، بدل دیا، وہ سرکاری اذان پر اکتفا نہیں کرتے وہ بصری رؤیت پر مبنی شرعی اوقات کار سے بالکل ناواقف ہیں، جنہیں ہر مکلف کے لے جاننا آسان ہے، شرع سے اس کی معرفت حاصل کر لینے کے بعد اس بارے میں امی (ان پڑھ) میں اور اس کے علاوہ کسی دوسرے میں کوئی فرق نہیں، سفید روشنی کے بلند ہونے اور اس کے افق پر پھیلنے پر فجر کا وقت ہو جاتا ہے، سورج کے آسمان کے وسط سے ڈھلنے پر ظہر کا وقت ہو جاتا ہے، جب ہر چیز کا سایہ اس کے مثل ہو جائے اور اس کے ساتھ زوال کا سایہ شامل کر لیا جائے تو عصر کا وقت ہو جاتا ہے، مغرب کا وقت سورج کے غروب ہونے اور اس کے افق کے پیچھے چھپ جانے پر ہوتا ہے، اور عشاء کا وقت سرخ شفق کے ختم ہونے پر شروع ہوتا ہے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مواقیت ممالک کے مختلف ہونے اور ان کے زمین پر طول وعرض کے خطوط کے حساب سے زمین کی مختلف جگہوں میں واقع ہونے کے حساب سے بدلتے ہیں، اور دوسری جہت میں یہ نشیب وفراز میں واقع ہونے سے بھی یہ اوقات بدلتے ہیں، وہ امر جو مؤذنوں پر واجب کرتا ہے وہ اس کا لحاظ رکھنا اور اس سے آگاہی حاصل کرنا ہے، بڑا شہر جیسے قاہرہ مثلاً، تو اس کے مشرقی حصے پر فجر اس کے مغربی حصے سے پہلے طلوع ہوتی ہے، اور اسی طرح باقی اوقات کے بارے میں کہا جائے گا، بلکہ کبھی وہ شہر بھی ہو سکتا ہے جو اپنی وسعت میں قاہرہ کی طرح نہیں جیسے دمشق مثلاً، پس جو مثال کے طور پر جبل قاسیون میں ہو تو اس کے اوقات اس سے مختلف ہوں گے جو اس کے وسط میں ہو، یا اس کی مسجد مسجد بنی امیہ میں یا مثلاً زیریں علاقے میں ہو، اس کے باوجود وہاں کے سارے باشندے جو بالائی علاقے میں ہوں یا زیریں علاقے میں وہ اپنی مسجد کی اذان پر نماز پڑھتے، روزہ رکھتے اور افطار کرتے ہیں۔ ہم دور نہیں جاتے، میں اور میرے ساتھ والے نے ☆ عمان کی کسی بستی میں (جب ہم اس کی مسجد میں نماز مغرب کے لیے گئے) سورج کو بعد میں غروب ہوتے ہوئے دیکھا جبکہ عمان کے کسی علاقے سے حکومتی ادارے نشر واشاعت سے اذان ہو رہی تھی، اس طرح کا اور اس سے متضاد مشاہدہ بہت سے شہروں میں دیکھنے کو ملتا ہے جیسا کہ ہم نے دیکھا اور اپنے علاوہ دیگر سے سنا، میں نے کسی دوسری جگہ پر تعلیقات وتوجیہات میں اسے بیان کیا ہے۔

مقصود یہ ہے: اس حدیث میں اذان دینے والوں کی مذکورہ تعریف کے وہ غیر مستحق ٹھہرے۔ وہ اس وجہ سے کہ وہ سورج اور...... نماز کے اوقات کی معرفت کا خیال نہیں کرتے جس کے وہ امین تھے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں اپنے اس فرمان میں دعا فرمائی: ''امام ضامن ہے، اور مؤذن قابل اعتماد ہے، اے اللہ! ائمہ کی راہنمائی فرما اور اذان دینے والوں کی مغفرت فرما۔''

ہو سکتا ہے کہ جو مومنوں میں سے اپنی اذان کا مالک ہو، اور جو دین کے احکام کے بارے میں غیور حکام میں سے ہو وہ اذان دینے والوں کو اہمیت دیں اور ان کی اپنے دین اور اپنی اذان کے احکام میں ان کی راہنمائی کریں اور وہ انہیں ادائے امانت کا اختیار دیں جو ان کے سپرد ہے، اور وہ آپ ﷺ کا فرمان: "كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ" ''تم سب ذمہ دار ہو اور تم سب سے اپنی اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔'' جانتے ہیں۔

(۲)......: ہمارے شیخ نے "الصحيحة" (۷/ ۱۶۷۱-۱۶۷۲) میں بھی فرمایا: ⇦⇦⇦

☆ ابوعبیدہ کہتے ہیں: میں اس دن شیخ رحمہ اللہ کے ساتھ ایک اجتماع میں تھا، ناعور میں کسی بھائی کے گھر میں ہمیں افطار کی دعوت دی گئی، ہم نے سنا کہ موذن اس وقت اذان دے رہا تھا جب سورج اوپر اور واضح دکھائی دے رہا تھا۔ ولا قوة الا بالله!

"الأجوبة النافعة" (۱۳۳ / ۷٦) ❶

١٦......بعض اسلامی ممالک میں کیسٹ میں ریکارڈ اذان نشر کر کے مؤذن کی اذان سے بے نیاز ہونا

"الأجوبة النافعة" (۱۳۳ / ۷۷) ❷

١٧......مؤذن کی اذان کی آواز سن کر کھڑے ہو جانا

انہوں نے ایک رسالے "كيف يجب علينا ان نفسر القرآن الكريم؟" (ص۳۲-۳۴) میں بیان کیا: ہم لوگوں کو دیکھتے ہیں...... حتی کہ ان میں فاسق قسم کے لوگ بھی ہوتے ہیں، جن کے دلوں میں کچھ ایمان باقی ہوتا ہے...... جب وہ مؤذن کو سنتے ہیں تو سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جب میں نے ان سے پوچھا: یہ قیام کیسا ہے؟! وہ کہتے ہیں: اللہ عزوجل کی تعظیم کے لیے! جبکہ وہ مسجد میں نہیں جاتے، وہ چوسر اور شطرنج جیسے کھیل کھیلتے رہتے ہیں، لیکن وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ اس قیام سے اپنے رب کی تعظیم کرتے ہیں! یہ قیام کہاں سے آیا؟!

⇐⇐⇐اور میں نے وہاں (یعنی: "صحيح موارد الظمآن" میں) ذکر کیا کہ ان اذان دینے والوں پر اعتماد کی نحوست میں سے ہے جو فلکی ٹائم ٹیبل پر اذان دیتے ہیں جو کہ جنتریوں میں مذکور ہے، کہ بعض لوگ وقت سے پہلے افطار کر لیتے ہیں، کیونکہ ان میں سے بعض وقت سے پہلے اذان دے دیتے ہیں، اور ان میں سے بعض وقت کے بعد، اور اس امر کا ہم نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے، اور ہم نے اسے اپنے کانوں سے سنا ہے، لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس شرعی اذان کی محافظت کریں۔ جس کا وقت ایک علاقے سے دوسرے علاقے سے مختلف ہوتا ہے، اور یہ کہ وہ عبادات کو ان کے شرعی اوقات میں بجالائیں۔

(۳)......ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صحيح الترغيب" (۱ / ۵۸۸) میں حدیث رقم (۱۰۰۵) کے تحت منذری رحمہ اللہ کے اس قول کی شرح بیان کرتے ہوئے کہا جس میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے ایک جزء کی شرح کی ہے: "جو اپنے روزے وقت سے پہلے افطار کر لیتے ہیں،": ابو عبیدہ نے بیان کیا: ہم ایک روز شیخ رحمہ اللہ کے ساتھ ایک اجتماع میں تھے ہمیں ناعور میں ہمارے کسی بھائی کے گھر افطار کی دعوت دی گئی تھی، ہم نے مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنا جبکہ سورج آنکھوں کے سامنے نظر آ رہا تھا، ولا قوة الا بالله!

الذين يفطرون قبل تحلة صومهم کا معنی ہے: "وہ وقت سے پہلے افطار کرتے ہیں"

ہمارے شیخ نے فرمایا: یعنی: غروب آفتاب سے پہلے، نہ کہ اذان سے پہلے، جیسا کہ بعض جاہل سمجھتے ہیں، اسی لیے وہ ان سے ناراض ہیں جو شیعہ کی مخالفت کرتے ہوئے اور صحیح سنت کی اتباع کرتے ہوئے غروب آفتاب پر افطار کرنے میں جلدی کرتے ہیں، اور ان پر تاخیر لازم قرار دیتے ہیں حتی کہ اذان ہو جائے جو کہ بعض علاقوں میں دس منٹ مؤخر ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ تقویم فلکی پر اذان دیتے ہیں نہ کہ بصری رؤیت پر، جبکہ یہ ایک ملک سے دوسرے ملک تک، ایک علاقے سے دوسرے علاقے تک، بلکہ ایک علاقے سے دوسرے علاقے تک ایک ہی ملک و شہر میں مختلف ہوتا ہے جیسا کہ وہ مشاہدے میں ہے، ہم نے بعض علاقوں میں اذان سنی جبکہ سورج غروب نہیں ہوا تھا! فاعتبروا یا اولی الابصار۔ (بصارت والو! عبرت حاصل کرو۔)

(۴)......متعدد اذان پر مرتب ہونے والے شرعی مصائب میری کتاب "القول المبين" (ص ۱۷۵ - ۱۷۷) میں ملاحظہ فرمائیں۔

❶ رسالہ "الأجوبة النافعة" میں پہلا نمبر صفحہ نمبر کی طرف اشارہ کرتا ہے جبکہ دوسرا نمبر بدعات کے متعلق فصل میں بدعت نمبر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

❷ ایضاً

ظاہر ہے وہ ایک موضوع روایت سے آیا جس کی کوئی اصل نہیں، اور وہ روایت یہ ہے:

((إِذَا سَمِعْتُمُ الْأَذَانَ فَقُومُوْا!))

''جب تم اذان سنو تو کھڑے ہو جاؤ۔'' ❶

اس حدیث کی ایک اصل ہے، لیکن بعض ضعفاء یا کذاب لوگوں کی طرف سے اس میں تحریف کر دی گئی، اس نے کہا: "قوموا" جبکہ اصل میں "قولوا" تھا یعنی "قولوا" کو "قوموا" سے بدل دیا، اس صحیح حدیث کا اختصار یہ ہے:

((إِذَا سَمِعْتُمُ الْأَذَانَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ، ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ.)) ❷

''جب تم اذان سنو تو اس مثل کہو جس طرح وہ (مؤذن) کہتا ہے، پھر مجھ پر صلاۃ پڑھو۔''

دیکھو شیطان کس طرح بدعت کو انسان کے لیے مزین کرتا ہے اور اس کے دل کو مطمئن کر دیتا ہے کہ وہ مومن ہے، اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ جب وہ مصحف (قرآن کریم) کو پکڑتا ہے تو اسے چومتا ہے، اور جب اذان سنتا ہے تو وہ اس کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے؟

- لیکن کیا وہ قرآن پر عمل کرتا ہے؟ وہ قرآن پر عمل نہیں کرتا، مثلاً وہ کبھی کبھی نماز پڑھتا ہے، لیکن کیا وہ حرام نہیں کھاتا؟ کیا وہ سود نہیں کھاتا؟ کیا وہ سود نہیں کھلاتا؟ کیا وہ لوگوں میں وہ وسائل عام نہیں کرتا جن کے ذریعے وہ اللہ کی معصیت میں بڑھتے جاتے ہیں؟ کیا......؟ اتنے سوال ہیں کہ جو ختم نہ ہوں، اس لیے ہم اطاعات وعبادات میں اپنے لیے اللہ (معبود) کی طرف سے شریعت قرار دیے گئے امور پر ٹھہرتے ہیں۔ ہم ان پر ایک حرف کا بھی اضافہ نہیں کرتے، کیونکہ وہ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ نے جس کام کا تمہیں حکم دیا وہ میں نے تمہیں بتا دیا اور میں نے اس کا تمہیں حکم دے دیا۔'' ❸

کیا یہ چیز جس پر تم عمل پیرا ہو، کیا تمہیں اس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل ہو جائے گا؟ اگر جواب ہاں میں ہو تو پھر اس پر رسول ﷺ سے دلیل پیش کرو، جواب: وہاں کوئی دلیل نہیں۔ تو پھر یہ بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔

کوئی شخص اس ابہام کا شکار نہ ہو کہ وہ کہے:

اس درجے کا یہ مسئلہ تو معمولی سا ہے، ❹ اس کے باوجود وہ گمراہی ہے اور اسے کرنے والا جہنم کی آگ میں جائے؟!

---

❶ الضعيفة (٧١١). ❷ مسلم (٣٨٤). ❸ الصحيحة (١٨٠٣).

❹ لغت میں اس لفظ کا غلط استعمال دیکھیں۔ اس کا سبب عز الدین القسام اور محمد کامل القصاب کے کتابچے النقد والبيان في دفع أوهام خزيران (ص: ٢٦) پر میری تعلیق ہے۔ میں نے شیخ البانی رحمہ اللہ کے مکتبہ سے اس کی فوٹو کاپی لی ہے۔

امام شاطبی نے اس مسئلے کے بارے میں یوں جواب دیا:

''ہر بدعت خواہ کتنی ہی چھوٹی ہو۔ گمراہی ہے۔''

اس حکم میں اس بدعت کی طرف نہیں دیکھا جائے گا۔ کہ وہ گمراہی ہے۔ بلکہ اس حکم میں اس جلہ اور مقام کی طرف دیکھا جائے جہاں یہ بدعت رکھی گئی ہے! تو وہ جگہ اور مقام کیا ہے؟ یہ جگہ اور مقام شریعت اسلام ہے جو مکمل ہے، کسی شخص کے لیے چھوٹی یا بڑی بدعت کے ارتکاب کی کوئی گنجائش نہیں، یہاں سے بدعت کی گمراہی آتی ہے، صرف اس کے احداث (جاری کرنے) ہی سے نہیں، اس سے ہمارے رب تبارک و تعالیٰ اور ہمارے نبی ﷺ کی مخالفت کا مفہوم نکلتا ہے۔ [1]

---

[1] اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اس بدعتی نے یہ مسئلہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے معلوم کیا ہے۔ یا یہ کہ وہ مسئلہ اللہ اور اس کے رسول سے چھوٹ گیا ہے۔ (شہباز حسن)

فصل : نماز کی بدعات

اوّل:......امام کی بدعات

① - امام کا یوں کہنا: ''نماز اس طرح پڑھو جس طرح الوداع کرنے والا نماز پڑھتا ہے۔'' بدعت ہے۔

② - مؤذن (اقامت کہنے والا) ابھی "قد قامت الصلوۃ" پر ہی ہوتا ہے اور امام تکبیر تحریمہ کہنا شروع کر دیتا ہے۔

دوم:......نماز سے پہلے کی بدعات

① - اقامت کہنے والے کے "قد قامت الصلوۃ" کہنے پر مقتدیوں کا کھڑا ہو جانا۔

② - قیام میں دونوں پاؤں کے درمیان چار انگلیوں کا فاصلہ رکھنا۔

③ - زبان سے نیت کرنا۔

④ - اللّٰہ اکبر کہتے ہوئے انگوٹھوں کو کانوں کی لو سے لگانا۔

سوم:......نماز کی بدعات

① - نماز میں ہاتھ رکھنے کے بارے میں "وضع و قبض" (ہاتھ رکھنے اور دائیں ہاتھ سے بائیں کو پکڑنے) کے درمیان جمع وتطبیق، جسے احناف کے بعض متاخرین نے مستحسن قرار دیا ہے۔

② - جب نمازی کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہا ہو تو اس کا کعبہ کی طرف دیکھنا مستحب ہے۔

③ - امام کا فاتحہ کے بعد اتنی دیر خاموش رہنا کہ مقتدی فاتحہ پڑھ سکے۔

④ - رکوع میں قرآن پڑھنا۔

⑤ - رکوع کے بعد قیام (قومے) میں سینے پر ہاتھ باندھنا۔

⑥ - حسینی تربت (مٹی) پر سجدہ کرنا۔

⑦ - نماز میں اللّٰہ اکبر کہتے ہوئے آواز کو لمبا کرنا۔

⑧ - بعض مذاہب میں آنے والا یہ قول کہ جب وہ (دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھنا بھول جائے اور وہ کھڑا ہو جائے اور) قیام کے زیادہ قریب ہو، تو پھر وہ (تشہد میں بیٹھنے کے لیے) نہ لوٹے، اور جب وہ بیٹھنے کے زیادہ قریب ہو تو پھر بیٹھ جائے۔

⑨- صلاۃ یا تشہد کے شرعی الفاظ میں جعل سازی۔

⑩- تشہد اوّل میں آپ ﷺ پر صلاۃ (درود) میں "اللهم صل على محمد" پر اضافہ کی کراہت کا قول۔

⑪- غیر تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنا۔

⑫- اشارہ کے بعد انگلی رکھ دینا، یا نفی و اثبات کے وقت کے ساتھ اسے مشروط قرار دینا۔

⑬- نماز میں نبی ﷺ پر صلاۃ پڑھتے وقت لفظ سیدنا کا اضافہ۔

⑭- نماز کے دوران یا نماز کے علاوہ قنوت کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنا۔

⑮- قنوت فجر۔

چہارم:......نماز کے بعد کی بدعات

①- فجر کی نماز کے بعد سات بار جہنم سے پناہ طلب کرنا، اور اسی طرح یک زبان ہو کر بلند آواز سے اللہ سے جنت کا سوال کرنا۔

②- نماز کے بعد امام کا دعا کرنا اور مقتدیوں کا آمین، آمین کہنا۔

③- "اللهم انت السلام و منك السلام" دعا میں "واليك يرجع السلام فحينا ربنا بالسلام" کا اضافہ۔

④- نماز سے سلام پھیر کر سہو کے علاوہ سجدے کرنا۔

⑤- ہر نماز کے بعد: "یا ارحم الراحمین ـــ" کہنا۔

⑥- نمازوں کے بعد مصافحہ۔

⑦- سنتوں کے بعد اللہ کا ذکر جبکہ فرضوں کے بعد نہیں جیسا کہ اس کے متعلق صحیح احادیث آئی ہیں۔

پنجم:......نفل نمازوں کی بدعات

①- شرعی نفل نمازوں کی بدعات۔

۱۔ نفل نماز کی بدعات۔

۲۔ نماز تراویح کی بدعات۔

۳۔ نماز عیدین کی بدعات۔

۴۔ نماز کسوف (سورج رچاند گرہن) کی بدعات۔

②- خودساختہ نمازوں کی بدعات۔

۱۔صلاۃ رغائب کی بدعات۔

۲۔غسل خانے سے نکل کر دو رکعتیں پڑھنا۔

۳۔مسافر جب سفر پر روانہ ہو تو دو رکعتیں پڑھنے کا استحباب۔

۴۔فجر کے دو فرض پڑھنے کے بعد نماز۔

۵۔کسی خاص طریقے پر مشتمل نماز جس کے وصف کے متعلق کتاب وسنت میں کوئی دلیل نہ ہو۔

۶۔ایک سلام کے ساتھ پندرہ رکعتیں۔

۷۔دوران سفر ہر میل پر دو رکعتیں نماز۔

۸۔طواف پر قیاس کرتے ہوئے صفا ومروہ کے درمیان سعی کے بعد نماز۔

۹۔رجب کے پہلے جمعہ کی نماز۔

۱۰۔ضعیف روایت کے مطابق بارہ رکعتوں کی نماز جو کہ تجربے پر قائم ہے!!

۱۱۔مغرب کی فرض نماز کے بعد چھ رکعتیں نماز پڑھنے کو صلاۃ الاوابین کا نام دینا۔

۱۲۔ ہر میقات سے احرام کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کی پابندی۔

◈۳- نماز سفر کی بدعات

◈۴- تارک نماز کے کفارے کی بدعت

نماز کی بدعات

اوّل:......امام کی بدعات

ا......امام کا ''الوداع کرنے والے شخص کی نماز کی طرح نماز پڑھو'' کہنے کو عادت بنانا بدعت ہے

ہمارے شیخ الالبانی رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (٦/ ٨٢١) میں بیان کیا:

بعض اماموں نے یہ عادت بنائی ہے کہ وہ نماز کے لیے نمازیوں کی صفیں بناتے وقت انہیں حکم دیتے ہیں:

((صَلُّوا صَلَاةَ مُوَدِّعٍ)) اور وہ اسے کہنے میں درج ذیل روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ ❶

میں سمجھتا ہوں کہ کبھی کبھار اس طرح کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں، رہا اسے عادت بنا لینا تو وہ بدعت ہے۔

۲......مؤذن (اقامت کہنے والا) ابھی "قد قامت الصلوۃ" پر ہی ہوتا ہے اور امام تکبیر تحریمہ کہنا شروع کر دیتا ہے ❷

یہ صحیح سنت کی مخالفت کی وجہ سے بدعت ہے! جیسا کہ اس پر یہ دو حدیثیں ❸ دلالت کرتی ہیں، خاص طور پر ان دونوں میں سے اوّل، وہ دونوں فائدہ دیتی ہیں کہ اقامت صلوۃ کے بعد امام پر واجب ہے کہ وہ اس کا اہتمام کرے، اور وہ ہے لوگوں کی صفوں کو درست کرنے اور برابر ہو کر کھڑے ہونے کا امر، وہ اس کے متعلق انہیں یاد دہانی کرائے، کیونکہ ان کے متعلق اس سے باز پرس ہوگی: ''تم سب نگہبان ہو، اور تم سب اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہو۔''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (۱/۷۴) میں اسے بیان کیا، "الضعیفة" (٩/ ٢٢٤) میں حدیث رقم (۴۲۱۰) کے تحت اضافہ نقل کیا: اس کی نص یہ ہے: ''جب بلال قد قامت الصلوۃ کہتے تھے، آپ تکبیر (اللہ اکبر) کہتے تھے۔'' وہ روایت ضعیف ہے۔

---

❶ "الصحیحة" (٢٨٣٩) میں یوں ہے: ''اپنی نماز میں موت کو یاد کرو، کیونکہ جب آدمی اپنی نماز میں موت کو یاد کرتا ہے تو ممکن ہے کہ وہ اپنی نماز بہتر انداز سے پڑھے، اور اس آدمی کی نماز پڑھ جو گمان نہیں کرتا کہ وہ اس کے علاوہ کوئی نماز پڑھے گا (یعنی گویا کہ وہ آخری نماز پڑھ رہا ہے) ہر حکم کا عذر پیش کرنے سے بچو۔''

❷ دیکھئے 'نماز سے پہلے کی بدعات' مؤذن کے قد قامت الصلاۃ کہنے پر مقتدیوں کا کھڑے ہونا۔

❸ یہ دونوں الصحیحة (۳۲،۳۱) میں دیکھیں۔

اور وہ حدیث میرے نزدیک منکر ہے، کیونکہ وہ تکبیر سے پہلے صفوں کو درست کرنے سے متعلق آپ ﷺ سے جاری ہونے والے امر کے منافی ہے، اور یہ بعید ہے کہ اس طرح ہو جبکہ مؤذن نماز کے لیے اقامت کہہ رہا ہو، ''صحیح مسلم'' وغیرہ میں ثابت ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ اقامت نہیں کہتے تھے حتی کہ نبی ﷺ تشریف لاتے، جب آپ (گھر سے) تشریف لاتے تو وہ جس وقت آپ ﷺ کو دیکھتے تو نماز کے لیے اقامت کہتے۔

پس جب اس نے "قد قامت الصلٰوة" کے وقت ہی اللہ اکبر کہہ دیا! تو پھر صفوں کی برابری اور درستی کے لیے کوئی وقت نہیں بچے گا، پس ثابت ہوا کہ سنت یہ ہے کہ تکبیر اس کے بعد ہو، واللہ اعلم۔

دوم:......نماز سے پہلے کی بدعات .

ا......مؤذن کے اقامت "قد قامت الصلوة" کہنے پر مقتدیوں کا کھڑا ہونا

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "تمام المنة" (ص ۱۵۱۔ ۱۵۲) میں سید سابق رحمہ اللہ کے ''فقہ السنہ'' میں قول: ''ابن المنذر نے انس سے روایت کیا کہ جب مؤذن "قد قامت الصلوة" کہتا تو وہ کھڑے ہوتے تھے۔'' پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

میں نے کہا: اس کی اس کے ساتھ تقیید ہونی چاہیے جبکہ امام مسجد میں ہو، اور اسی پر ابو ہریرہ کی روایت کو محمول کیا جائے گا کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے نماز کی اقامت کہی جاتی، تو صحابہ اس سے پہلے کہ نبی ﷺ اپنی جگہ پر کھڑے ہوں وہ اپنی صفوں میں کھڑے ہو جاتے تھے۔ اسے امام مسلم و دیگر نے روایت کیا ہے، اور وہ "صحیح ابی داوٗد" (۵۵۳) میں منقول ہے، اور رہا یہ کہ جب وہ (امام) مسجد میں نہ ہو تو پھر وہ کھڑے نہ ہوں حتی کہ وہ اسے دیکھ لیں کہ امام صاحب تشریف لے آئے ہیں! جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''جب نماز کے لیے اقامت ہو جائے تو تم کھڑے نہ ہونا حتیٰ کہ تم مجھے دیکھ لو کہ میں (گھر سے) باہر نکل آیا ہوں۔'' (متفق علیہ اور لفظ صحیح مسلم کے ہیں۔ اور وہ صحیح ابی داوٗد (۵۵۰۔۵۵۲) میں بھی منقول ہے۔ دیکھیں: الشوکانی (۳/ ۱۶۲)۔

جان لیجیے کہ اس مسئلہ کا امام کی تکبیر تحریمہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، کیونکہ لوگوں کے (نماز کے لیے) کھڑے ہو جانے کے بعد اس (امام) کی ذمہ داری ہے کہ وہ انہیں شگاف بند کرنے اور صفیں درست کرنے کا حکم دے جیسا کہ نبی ﷺ کیا کرتے تھے، یہ آپ ﷺ سے مروی بہت سی احادیث سے ثابت ہے،...... حتی کہ جب امام دیکھے کہ صفیں درست ہو گئی ہیں تب تکبیر کہے۔ پس جو امام محمد کی الآثار (ص ۱۳) میں بیان ہوا ہے: ''ابراہیم سے روایت ہے انہوں نے کہا: جب مؤذن "حی علی الفلاح" کہے تو لوگوں کو چاہیے کہ وہ کھڑے ہو کر صفیں

بنائیں، جب وہ کہے: "قـد قامت الصلوة" تو اللہ اکبر کہے۔ ❶ (امام) محمد نے کہا: ہم اس پر عمل کرتے ہیں، اور وہ ابوحنیفہ کا قول ہے۔"

میں نے کہا: بہت سے حنفی مقلد، خاص طور پر عجمی علاقوں میں، اسی پر قائم ہیں، اس میں سنت محمدیہ کا ضیاع ہے جیسا کہ اس طرف ابھی اشارہ بیان ہوا ہے، اور اس سے ملتی جلتی بات بعض ائمہ کا صرف اتنا کہنے پر اکتفا کرنا ہے: "برابر ہو جاؤ، برابر ہو جاؤ۔"

یہ نصیحت ہے، اور نصیحت مومنوں کو نفع پہنچاتی ہے۔

۲...... قیام ❷ میں دو قدموں کے درمیان چار انگلیوں کا فاصلہ

پس اگر (اس فاصلے سے) زیادہ کیا تو وہ مکروہ ہے، جیسا کہ "الفقه على المذاهب الاربعة" (۱/ ۲۰۷) میں اس کی تفصیل آئی ہے، سنت میں اس کی کوئی اصل نہیں، وہ محض ایک رائے ہے، اور اگر صحیح ہو تو پھر اس کی امام و منفرد پر تقیید واجب ہے حتی کہ وہ اس صحیح سنت کے معارض نہ ہو! جیسا کہ قواعد اصولیہ اس کا تقاضا کرتے ہیں۔

خلاصۂ قول...... : میں مسلمانوں سے۔ اور خاص طور پر ائمہ مساجد سے اپیل کرتا ہوں جو آپ ﷺ کی اتباع پر حریص ہیں، اور آپ ﷺ کی سنت کے احیاء کی فضیلت حاصل کرنا چاہتے ہیں، کہ وہ اس سنت پر عمل کریں، ❸ اور اس کے لیے کوشش کریں، لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیں، حتی کہ وہ سب اس پر اکٹھے ہو جائیں، اور اس وجہ سے تہدید (دھمکی) سے بچ جائیں: "یا پھر اللہ تمہارے دلوں میں پھوٹ ڈال دے گا۔"

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اسے "الصحيحة" (۱/ ۷۳) میں بیان کیا ہے۔

۳...... زبان سے نیت کرنا

ہمارے شیخ الالبانی رحمہ اللہ نے "حجة النبی ﷺ" (ص۶۹) میں بیان کیا: جان لیجیے کہ احرام میں یا اس کے علاوہ دیگر عبادات جیسے طہارت و صلاۃ اور روزہ وغیرہ میں زبان سے نیت کرنا مشروع نہیں، نیت تو صرف دل سے ہوتی ہے، اور اسے زبان سے ادا کرنا بدعت ہے، "اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔"

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صفة الصلوة" (ص۸۶) میں بیان فرمایا:

---

❶ دیکھیں: ائمہ کی بدعات: مؤذن کے قد قامت الصلاۃ کہنے پر امام کا اللہ اکبر کہنا شروع کرنا بدعت ہے۔

❷ قیام سے مراد نماز باجماعت میں لوگوں کا صفوں میں کھڑا ہونا ہے۔

❸ یعنی صفوں میں باہم مل کر کھڑے ہونا اور صفیں برابر کرنا۔

نماز کے وقت ان کا یہ کہنا: ''میں نے نیت کی کہ میں نماز (فلاں) پڑھوں گا......'' ❶ ''بالاتفاق بدعت ہے، انہوں نے صرف اس میں اختلاف کیا ہے کہ وہ حسنہ ہے یا سیئہ، اور ہم کہتے ہیں: کہ آپ ﷺ کے فرمان: ''كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَ كُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ'' کے عموم کے مطابق عبادت میں ہر بدعت گمراہی ہے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنے رسالے ''تلخيص صفة صلاة النبي ﷺ'' (ص ۱۲) میں بیان کیا:

رہا اس (نیت) کا زبان سے ادا کرنا تو وہ بدعت اور سنت کی مخالفت ہے، اور مقلد جن ائمہ کی تقلید کرتے ہیں ان میں سے کسی نے بھی اس کے بارے میں نہیں کہا۔

شیخ رحمہ اللہ نے ''الصحيحة'' (٦/ ١٣٤) میں، تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ، بیان کیا ہے:

زبان سے نیت کرنے کے سلسلے میں شافعیہ ❷ میں سے بعض خواہش پرستوں کا اختلاف ہے جنہوں نے

---

❶ مثلاً دو رکعت نماز فرض، منہ طرف قبلہ کے اور پیچھے اس امام کے...... (مترجم)

❷ انہوں نے یہ ایک غلطی کی اتباع کرتے ہوئے کہا ہے جس میں ابوعبداللہ الزبیری شافعی امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف واقع ہوا ہے، جب اس نے ایک طرح سے اس زعم کی وجہ سے امام کے کلام سے استدلال کیا ہے کہ وہ نماز میں زبان سے نیت کرنا واجب ٹھہراتے ہیں!

اس کی غلطی کا سبب: وہ شافعی کی عبارت کو نہیں سمجھ سکا۔

شافعی کی عبارت یہ ہے: ''جب اس نے حج یا عمرہ کی نیت کی تو وہ کافی ہے، اگرچہ زبان سے ادا نہ کرے، اور وہ نماز کی طرح نہیں وہ صرف نطق ہی سے درست ہوتی ہے۔''

نووی نے فرمایا: ''ہمارے اصحاب نے بیان کیا: اس قائل نے غلطی کی، شافعی کا نماز میں نطق سے یہ مطلب نہیں، بلکہ ان کی مراد تکبیر ہے۔''

ابن ابی العز الحنفی نے بیان کیا: ''ائمہ اربعہ میں سے کسی نے نہیں کہا اور نہ ہی شافعی ودیگر نے کہا کہ زبانی نیت کرنا شرط ہے، ان کا اس پر اتفاق ہے کہ نیت کا محل دل ہے، مگر بعض متاخرین نے اسے زبان سے ادا کرنا واجب قرار دیا، اور ایک طرح سے مذہب شافعی میں ظاہر ہوا! نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ غلط ہے، انتہی، اس سے پہلے اس پر اجماع ہو چکا ہے۔''

ابن القیم نے بیان کیا: آپ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے، تو آپ پڑھتے تھے: ''اللہ اکبر''۔ اور آپ نے اس سے پہلے کچھ نہ کہا، اور آپ نے زبان سے بالکل نیت نہیں کی، اور آپ نے یوں بھی نہیں کہا: میں اللہ کے لیے فلاں نماز پڑھ رہا ہوں، قبلہ کی طرف رخ ہے، چار رکعت نماز ہے امام کے طور پر یا مقتدی کے طور پر اور آپ نے یہ بھی نہیں فرمایا: ادا کے طور پر نہ قضاء کے طور پر اور نہ ہی وقت کی فرض نماز، یہ دس بدعات ہیں، ان کے بارے میں کسی نے بھی صحیح اسناد سے کچھ نقل کیا نہ ضعیف سے اور نہ ہی مسند نہ مرسل سے، اس بارے میں ایک بھی لفظ منقول نہیں، بلکہ آپ کے کسی صحابی سے بھی منقول نہیں، تابعین میں سے کسی نے اسے مستحسن قرار دیا نہ چاروں اماموں نے، شافعی رحمہ اللہ کے نماز کے بارے میں قول نے بعض متاخرین کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیا، کہ وہ نماز کی طرح نہیں، اس میں کوئی ذکر کے بغیر شامل نہ ہو، اس نے گمان کیا کہ ذکر سے نماز کا زبان سے نیت کرنا مراد ہے، جبکہ شافعی رحمہ اللہ نے ذکر سے تکبیر تحریمہ مراد لی، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں، اور شافعی رحمہ اللہ کسی امر کو کس طرح مستحب قرار دے سکتے ہیں جسے نبی ﷺ نے کسی ایک نماز میں کیا نہ آپ کے خلفاء اور آپ کے اصحاب میں سے کسی نے کیا، یہ ان کا طریقہ اور ان کی سیرت ہے، اگر کسی نے اس بارے میں ان سے ایک حرف بھی ہمیں پیش کیا ہم نے اسے قبول کیا، اور ہم نے اسے دل وجان سے قبول کیا اور اس کا استقبال کیا، ان کے طریقے سے زیادہ کامل کوئی طریقہ نہیں، اور سنت وہی ہے جسے انہوں نے صاحب شرع ﷺ سے حاصل کیا۔ میری کتاب ''القول المبين في أخطاء المصلين'' (ص ۹۱-۹۲) ملاحظہ فرمائیں......

صراحت کی کہ نماز میں زبان سے نیت کرنا سنت ہے، [1] انہوں نے رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھا ہے۔

ہمارے شیخ نے "صحیح موارد الظمآن" (۱/ ۲٦۲) میں السقاف پر رد کرتے ہوئے فرمایا:

تمہارے لیے کافی ہے کہ تم جان لو کہ اس نے صراحت کی ہے کہ زبان سے نیت کرنا نماز کی سنن میں سے ہے!!

۴...... تکبیر کے لیے ہاتھ اٹھاتے وقت انگوٹھے کو کانوں کی لو سے لگانا

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "المشکاۃ" (۱/ ۲٥۲) میں حدیث رقم (۸۰۲) کے تحت بیان کیا:

تنبیہ......: آپ ﷺ سے کانوں کی لو سے انگوٹھے لگانے کے متعلق وارد نہیں، پس انہیں چھونا (انگوٹھے لگانا) بدعت ہے یا وسوسہ ہے، سنت تو صرف یہ ہے کہ ہاتھوں کو کانوں یا کندھوں کے مقابل کیا جائے۔

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "تلخیص صفۃ صلاۃ النبی ﷺ" (ص ۱۳) میں فرمایا:

رہا انگوٹھوں کا کانوں کی لو سے لگانا، تو سنت میں اس کی کوئی اصل نہیں، بلکہ میرے نزدیک وہ وسوسہ کے اسباب میں سے ہے۔

سوم:...... نماز کی بدعات

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صفۃ الصلوۃ" (ص ۸۸) میں فرمایا:

۱...... نماز میں ہاتھ رکھنے کے بارے میں "وضع و قبض" [2] (ہاتھ رکھنا اور دائیں ہاتھ سے بائیں کو پکڑنے) کے درمیان جمع و تطبیق، جسے احناف کے بعض متاخرین نے مستحسن قرار دیا:

---

[1] اس کے باوجود کہ دو اماموں رافعی اور نووی نے صراحت کی ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں۔ "الصحیحۃ"۔ (٦/ ۱۳٤)۔ میں نے کہا: سابقہ حاشیہ دیکھیں۔

[2] یعنی نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنے کے بارے میں۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صفۃ الصلوۃ" (ص ۸۸) میں "تنبیہ" کے عنوان کے تحت بیان کیا: انہیں سینے پر باندھنا سنت میں ثابت ہے، اور اس کے خلاف جو ہے وہ یا تو ضعیف ہے یا اس کی کوئی اصل نہیں۔

اس سنت پر امام اسحاق بن راہویہ نے عمل کیا، المروزی نے "المسائل" (ص ۲۲۲) پر بیان کیا:

"اسحاق ہمیں وتر پڑھاتے تھے...... وہ قنوت میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اور رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔ اور وہ اپنے ہاتھ چھاتی پر یا چھاتی کے نیچے رکھتے تھے۔" اسی طرح قاضی عیاض المالکی نے اپنی کتاب "الإعلام" (ص ۱٥۔ الطبعۃ: ۳۔ الرباط) میں "مستحبات الصلاۃ" کے ذیل میں بیان کیا: "دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے باہر والے حصے پر سینے کے پاس رکھنا۔" اس سے ملتی جلتی بات عبداللہ بن احمد نے اپنے "مسائل" (ص ٦۲) میں روایت کی ہے، انہوں نے کہا:

"میں نے اپنے والد کو دیکھا جب انہوں نے نماز پڑھی تو انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ دوسرے پر ناف کے اوپر رکھا۔" دیکھیں: "إرواء الغلیل" رقم (۳٥۳)

وہ بدعت ہے، اور اس کی صورت، جیسا کہ انہوں نے ذکر کیا، کہ وہ اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھے، کہ وہ اس (بائیں ہاتھ) کی کلائی کو چھنگلی انگلی اور انگوٹھے سے پکڑے اور باقی تین انگلیاں پھیلائے۔ جیسا کہ "الدر" (۱/ ٤٥٤) پر ابن عابدین کے حاشیے میں ہے، آپ بعض متاخرین کے اس کے متعلق قول سے غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔"

اور شیخ رحمہ اللہ نے "تلخيص صفة الصلاة" (ص ۱۳) میں بیان کیا:

اور رہا وہ جو بعض متاخرین نے "وضع وقبض" کے درمیان جمع وتطبیق کی ہے کہ وہ ایک ایسی چیز ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "المشكاة" (۱/ ۲٤۹) میں حدیث رقم (۷۹۸) ❶ کے تحت بیان کیا:

اور یہ کیفیت اس بات کی پابندی چاہتی ہے کہ ہاتھ سینے پر رکھے جائیں، جب تم اس پر غور کرو گے اور اس پر عمل کرو گے (تو یہی کیفیت (سینے پر ہاتھ رکھنے والی) بنے گی) اگر تم چاہو تو تجربہ کرلو۔ اور یہ جان لینا چاہیے کہ آپ ﷺ سے سینے کے علاوہ کہیں اور ہاتھ باندھنا صحیح ثابت نہیں، جیسا کہ یہ حدیث ہے: "نماز میں ہتھیلی (ہاتھ) پر ہتھیلی رکھ کر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔" میں نے اس کا "ضعيف ابی داوٗد" (۱۲۹۔۱۳۱) ❷ میں ضعف بیان کیا ہے۔

صدیق حسن خان نے "الروضة الندية" (۱/ ۲۸۸) میں بیان کیا:

شیخ ابن ہمام نے بیان کیا: "کوئی ایک صحیح حدیث ثابت نہیں جو سینے کے نیچے ہاتھ باندھنے کو واجب کرتی ہو......"

ہمارے شیخ نے "التعليقات الرضية على الروضة الندية" (۱/ ۲۸۸) میں صدیق حسن خان کے کلام کے اس جملے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

میں کہتا ہوں: نہیں، بلکہ امام احمد کے نزدیک قوی سند سے جو وارد ہے وہ اس پر صریح دلالت کرتا ہے کہ سنت سینے پر ہاتھ باندھنا ہے، ❸ جیسا کہ علامہ محقق عبدالعظیم آبادی نے اسے "غنية الالمعی" میں اور ان کے علاوہ

---

❶ هداية الرواة الى تخريج احاديث المصابيح والمشكاة ۱/ ۳٦۷۔ ۳٦۸.

❷ اس (۲۹۲/۱) میں ثابت ہے کہ نووی نے "المجموع" (۳۱۳/۳) میں اور "شرح صحيح مسلم" اور "الخلاصة" میں اس روایت کی تضعیف پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے، اسی طرح الزیلعی نے "نصب الراية" اور ابن حجر نے "الفتح" (۱۷۸/۲) میں نقل کیا۔ دیکھئے صحیح ابی داؤد (۳/ ۳٤٥ غراس)

❸ گزشتہ حوالہ دیکھیں۔

کسی اور نے کسی اور میں ذکر کیا، اس پر عمل کرنا واجب ہے، رہا علی کا قول مذکور، [1] تو اس پر محدثین کا اتفاق ہے کہ وہ ضعیف ہے، وہ قابل اعتماد نہیں۔

۲......نمازی کے لیے دورانِ نماز میں کعبہ کی طرف دیکھنا مستحب ہے جبکہ وہ اس کے قریب ہو

قاسمی رحمہ اللہ نے "اصلاح المساجد" (ص ۹۲) میں بیان کیا:

"نمازی کے لیے مسنون ہے کہ وہ اپنی نظر اپنے سجدے کی جگہ پر ہی رکھے...... اور جب وہ کعبہ کے قریب ہو تو اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ اس کی طرف دیکھے......

شیخ البانی رحمہ اللہ نے "اصلاح المساجد" (ص:۹۲) کے حاشیے میں فرمایا: "سنن صحیحہ میں اس پر کوئی دلیل نہیں۔"

۳......امام کا فاتحہ کے بعد اتنی دیر خاموش رہنا کہ مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھ سکے

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" [2] (۲/ ۲۶) میں حدیث رقم (۵۴۷) کے تحت بیان کیا:

......اسی لیے بعض محققین نے اس کی صراحت کی ہے کہ لمبا سکتہ بدعت ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے "فتاویٰ" (۲/۱۴۶۔۱۴۷) میں بیان کیا:

"احمد نے اسے مستحب قرار نہیں دیا کہ امام مقتدیوں کی قراءت کے لیے سکتہ (کچھ وقت کے لیے خاموشی اختیار) کرے، لیکن ان کے بعض اصحاب نے اسے مستحب قرار دیا ہے، اور معلوم ہے کہ نبی ﷺ اگر فاتحہ کی قراءت کی گنجائش کے مطابق سکتہ فرمایا کرتے تھے، تو یہ بھی اس ضمن میں سے ہوتا جس کے نقل کرنے پر ہمتیں اور اسباب وافر تھے، لیکن کسی ایک نے اسے نقل نہیں کیا! تو معلوم ہوا کہ یہ نہ تھا اور یہ بھی کہ اگر سارے صحابہ آپ ﷺ کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھا کرتے تھے، پہلے سکتہ میں، یا دوسرے میں تو یہ بھی اسی ضمن سے ہوتا جس کے نقل کرنے میں ہمتیں اور اسباب وافر تھے، تو پھر کس طرح صحابہ میں سے کسی ایک نے اسے نقل نہ کیا کہ وہ دوسرے سکتہ میں سورۂ فاتحہ پڑھا کرتے تھے، مزید یہ کہ اگر یہ شرعاً تھا تو دیگر لوگوں کی نسبت صحابہ اسے جاننے کے زیادہ حق دار تھے، معلوم ہوا کہ وہ (سکتہ) بدعت ہے۔"

میں نے کہا: آپ ﷺ کے اس طویل سکتے کے عدم کی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول تائید کرتا ہے:

رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے اللہ اکبر کہتے تو آپ تھوڑی دیر خاموش رہتے تھے، میں نے عرض کیا، اللہ

---

[1] اور وہ قول یہ ہے: "نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے۔"

[2] دیکھیں: حدیث (۵۴۶)، اس کی کوئی اصل نہیں، اور حدیث (۵۴۷) ضعیف ہے۔ یہ بات ہمارے شیخ نے بتائی ہے۔

کے رسول! آپ تکبیر اور قراءت کے درمیان اپنے خاموش رہنے کے متعلق بتائیں کہ آپ (اس وقفے میں) کیا پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''میں یہ دعا پڑھتا ہوں: "اللهم باعد بيني و بين خطاياي......" اگر رسول اللہ ﷺ فاتحہ کے بعد اس (فاتحہ) کی مقدار کے برابر سکتہ فرماتے تو وہ آپ سے اس کے متعلق سوال کرتے، جیسا کہ انہوں نے اس (سکتے) کے متعلق آپ سے سوال کیا تھا۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "تمام المنة" (۱۸۷۔۱۸۸) میں فرمایا:

بے شک یہ مذکورہ سکتہ دین میں بدعت ہے، جبکہ وہ سید المرسلین سے مطلق طور پر وارد نہیں، آپ سے دو سکتے وارد ہیں، ان میں سے ایک تکبیر تحریمہ کے بعد دعائے استفتاح "اللهم باعد بيني" کے لیے، اور دوسرا سکتہ سمرہ بن جندب سے روایت کیا گیا۔ راویوں نے اس کی تعیین میں اختلاف کیا ہے، ان میں سے بعض نے کہا: وہ پوری قراءت سے فارغ ہونے کے بعد ہے، اور یہی درست ہے جیسا کہ میں نے اسے "التعليقات الجياد" وغیرہ ❶ میں بیان کیا، اور ابن القیم کے "رسالة الصلاة" کا مطالعہ فرمائیں۔

بنا بریں یہ کہ یہ حدیث میرے نزدیک انقطاع کی وجہ سے معلل ہے! کیونکہ یہ حسن کی سمرہ کے حوالے سے روایت میں سے ہے، اور اگر اس نے فی الجملہ اس سے سنا ہے، تو وہ مدلس ہے، اس نے عن سے روایت کیا ہے، اور اس نے اس سے اس حدیث کے سماع کے متعلق صراحت نہیں کی، لہٰذا اس کا ضعف ثابت ہوا۔

پھر یہ کہ اس میں تصریح نہیں کہ وہ سکتہ اس کے مطابق طویل تھا، الشافعیہ کے لیے اس میں بالکل کوئی دلیل نہیں، غور کریں۔

رہا وہ جسے شوکانی نے "السيل الجرار" (۱/ ۲۲۵) میں ذکر کیا:

کہ نبی ﷺ سورہ فاتحہ کی قراءت سے فارغ ہو کر ایک طویل سکتہ کیا کرتے تھے اور پھر سورت پڑھتے تھے، حدیث کی روایات میں سے کسی میں طویل (سکتے) کا اضافہ نہیں......

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الارواء" (۲/ ۲۸۳) میں فرمایا:

بے شک جہری نماز میں امام کے پیچھے قراءت فطرت کے منافی ہے، کیونکہ یہ عقل مندی نہیں کہ امام بلند آواز سے قراءت کرے، اور مقتدی قراءت میں مشغول ہو کر اس کی طرف دھیان اور توجہ نہ کرے، ❷ شوافع وغیرہم اس سے آگاہ ہوئے، تو انہوں نے امام کے سکتوں میں قراءت پڑھنے کو کہا، اور جب انہوں نے دیکھا کہ یہ ممکن نہیں

---

❶ مثلاً: "ضعيف سنن ابي داود" (۱/ ۳۰۲۔۳۰۴) رقم (۱۳۶۔۱۳۸۔ط۔ غراس)

❷ مقتدی امام کے پیچھے سورۃ الفاتحہ کے علاوہ اور کچھ نہ پڑھے۔ وہ سورۃ الفاتحہ کی سماعت کے ساتھ ساتھ سراً اس کی تلاوت بھی کرے تا کہ حدیث کے عموم پر عمل ہو سکے۔ (شہباز حسن)

اور قراءَت میں تدبر کی غرض حاصل نہیں ہوتی، تو انہوں نے فاتحہ کے بعد ایک طویل سکتے کے متعلق کہہ دیا جس میں مقتدی فاتحہ پڑھ سکے، حالانکہ اس کی شرع میں کوئی اصل نہیں! کیونکہ سکتے والی روایت ضعیف اور مضطرب ہے۔ ❶ ...... اس میں یہ طویل سکتہ نہیں!

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "المشكاة" (۱/ ۲۵۹) میں حدیث رقم (۸۱۸) ❷ کے تحت بیان کیا، وہ حدیث یہ درج ذیل ہے:

سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سکتے یاد کیے، ایک سکتہ جب آپ تکبیر تحریمہ کہتے اور ایک سکتہ جب غير المغضوب عليهم ولا الضالين کی قراءت سے فارغ ہوتے۔

انہوں نے کہا: پھر راویوں نے اس کے متن میں اس پر اضطراب کیا ہے، ❸ ان میں سے بعض نے دوسرا سکتہ "ولا الضالين" کے بعد قرار دیا ہے، جیسا کہ اس روایت میں ہے، اور بعض نے اسے ساری قراءت سے فارغ ہو کر رکوع سے پہلے قرار دیا ہے، جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں ہے، اور وہ ہمارے نزدیک زیادہ راجح ہے۔ اور ابن تیمیہ اور ابن القیم رحمہما اللہ نے اسی کو ہی صحیح قرار دیا ہے، میں نے اس کی "التعليقات الجياد على زاد المعاد" اور "ضعيف السنن" (۱۳۵ ـ ۱۳۸) میں تحقیق کی ہے۔

اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ فاتحہ کے بعد امام کے اتنی دیر سکوت اختیار کرنے کہ اس میں مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھ سکے، اس کی مشروعیت پر کوئی دلیل نہیں، جیسا کہ بعض متاخرین اس کے متعلق کہتے ہیں۔

۴...... رکوع میں قراءت قرآن

"صلاة التراويح" (ص ۲۴)

۵...... رکوع سے کھڑے ہونے کے بعد سینے پر ہاتھ باندھنا ❹

ہمارے شیخ الالبانی رحمہ اللہ نے "صفة الصلاة" (۱۳۸ ـ ۱۳۹) میں بیان فرمایا:

تنبیہ: ...... بے شک اس حدیث ❺ سے مراد بالکل واضح ہے، وہ اس قیام میں اطمینان ہے، رہا ہمارے

---

❶ اس کی تخریج "الارواء" رقم (۵۰۵) میں دیکھیں۔ اس کے الفاظ عنقریب سمرہ بن جندب کی روایت میں آئیں گے۔

❷ هداية الرواة الى تخريج احاديث المصابيح والمشكاة (۱/ ۳۷۸)

❸ یعنی حسن بصری پر، حسن کی روایات کے لیے دیکھیے: الارواء رقم: ۵۰۵

❹ میں نے اس مسئلے میں شیخ کا کلام بعض کیسٹوں سے اپنے رسالے شفاء السالك في ارسال مالك ص: ۲۹ـ۳۶ میں قاری کے لیے مختصر کیا ہے۔ آپ دیکھنا چاہیں تو اسے دیکھ لیں۔

❺ وہ یہ حدیث ہے کہ جس میں آپ مسیء الصلاۃ شخص کو یوں اطمینان کا حکم دیتے ہیں: "پھر اپنا سر اٹھا حتی کہ تم صحیح طرح کھڑے ہو جاؤ، اور ہر ہڈی اپنی جگہ آ جائے۔" ایک دوسری روایت میں ہے: "جب تم اٹھو تو اپنی کمر سیدھی کرو، سر اٹھاؤ حتی کہ ہڈیاں اپنی جگہوں پر آ جائیں۔"

بعض حجازی اور دیگر بھائیوں کا اس حدیث سے اس (رکوع کے بعد) قیام میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے کی مشروعیت پر استدلال کرنا تو وہ حدیث کی تمام روایات سے بہت دور ہے۔ اور وہ ''اپنی نماز میں بھول جانے والے کی روایت'' سے فقہاء کے نزدیک معروف ہے، بلکہ استدلال باطل ہے، اس لیے کہ وہ وضع مذکور اس کے متعلق قیام اوّل کے بارے میں طرق حدیث اور اس کے الفاظ میں سے کسی چیز میں ذکر نہیں آیا، تو پھر اس بارے میں اخذ مذکور کی بائیں ہاتھ کے ساتھ دائیں کو رکوع کے بعد پکڑنے کی تفسیر کرنا کس طرح جائز ہوگا؟ اگر حدیث کے الفاظ کا مجموعہ اس جگہ اس موقف کی مدد کرتا ہے تو پھر وہ اس کے خلاف پر کس طرح ظاہری دلالت کرتا ہے؟ پھر یہ کہ رکوع کے بعد سینے پر ہاتھ باندھنا حدیث سے بالکل ظاہر نہیں ہوتا! کیونکہ اس روایت میں ہڈیوں سے کمر کی ہڈیاں مراد ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔ اور آپ ﷺ کے فعل سے جو بیان ہوا وہ بھی تائید کرتا ہے: ''......آپ برابر سیدھے کھڑے ہوتے حتی کہ ہر مہرہ اپنی جگہ واپس آ جاتا'' منصف بنتے ہوئے غور فرمائیں۔

مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس (رکوع کے بعد والے) قیام میں سینے پر ہاتھ باندھنا بدعت ضلالۃ [1] ہے کیونکہ وہ نماز کی احادیث میں سے کسی چیز میں بھی وارد نہیں اور اگر اس کی کوئی اصل ہوتی تو وہ ہم تک منقول ہوتی، خواہ ایک ہی طریق سے ہوتی۔ اور اس کی تائید ہوتی ہے کہ سلف میں سے کسی ایک نے بھی اسے نہیں کیا اور میری معلومات کے مطابق تو ائمہ حدیث میں سے کس ایک نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔

اور یہ اس کی مخالفت نہیں کرتا جسے شیخ التویجری نے اپنے رسالے (ص ۱۸۔۱۹) میں امام احمد رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا: ''اگر وہ چاہے تو رکوع سے اٹھنے کے بعد اپنے ہاتھ چھوڑ دے اور اگر چاہے تو انہیں باندھ لے۔'' (یہ وہ معنی ہے جسے صالح ابن الامام احمد نے اپنے والد کے حوالے سے اپنے مسائل (ص ۹۰) میں ذکر کیا ہے) کیونکہ انہوں نے اسے نبی ﷺ تک مرفوع بیان نہیں کیا، انہوں نے اسے اپنے اجتہاد اور اپنی رائے سے بیان کیا ہے، اور رائے کبھی غلط بھی ہو سکتی ہے، پس جب کسی بدعتی امر کے خلاف صحیح دلیل قائم ہو جائے۔ (جیسا کہ وہ جس کی راہ پر ہم ہیں) تو اس کے متعلق امام کا قول اس کے بدعت ہونے کی نفی نہیں کرتا۔ جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتب میں اسے برقرار رکھا، بلکہ میں تو امام احمد رحمہ اللہ کے اس قول مذکور میں وہ چیز پاتا ہوں۔ جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ رکوع کے بعد سینے پر ہاتھ باندھنا ان کے نزدیک سنت سے ثابت نہیں! کیونکہ انہوں

---

[1] اس کا یہاں ذکر کرنا مناسب ہے: جناب شیخ سے اس مسئلے کے بارے میں کئی بار پوچھا گیا۔ بلکہ بعض طلباء نے ان کے اس قول سے رجوع کے صحیح ہونے کے متعلق ان سے سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا: یہ صحیح نہیں، جب ہم نے اسے ذکر کیا تو ہم اس پر قائم رہے۔ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: مجتہد کبھی کوئی نئی بات کہہ دیتا ہے، لیکن اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ بدعتی ہے، کیونکہ وہ اس بدعت میں مبتلا ہوا ہے جو اس کی مراد نہیں تھی، پس ہم نہیں کہیں گے کہ یہ شخص بدعتی ہے لیکن ہم کہیں گے: کہ یہ عمل بدعت ہے: کیونکہ ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ اس (رکوع کے بعد) ہاتھ باندھنے کو سلف نہیں جانتے۔ ابوعبیدہ کہتے ہیں: دیکھئے الموافقات للشاطبی ۳/ ۲۸۶۔ اس پر میری تعلیق دیکھئے۔

نے اس کے کرنے اور اس کے نہ کرنے کے درمیان اختیار دیا ہے! کیا وہ شیخ الفاضل گمان کر سکتا ہے کہ امام احمد اسی طرح رکوع سے پہلے بھی ہاتھ باندھنے اور نہ باندھنے کے درمیان اختیار دے سکتے ہیں؟! ثابت ہوا کہ وہ وضع مذکور (رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا) سنت نہیں، اور یہی مراد ہے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" سے حدیث رقم (۲۲۴۷) کے لیے عنوان قائم کیا ہے: ''رکوع سے پہلے والے قیام میں ہاتھ باندھنا مشروع ہے اس میں نہیں جو کہ اس کے بعد ہے۔'' اور انہوں نے یہ حدیث ذکر کی۔

''جب آپ نماز میں کھڑے ہوتے تو دائیں ہاتھ سے بائیں کو پکڑتے تھے۔''

ہمارے شیخ نے اسے روایت کرنے والوں میں سے بعض کا ذکر کیا، پھر انہوں نے بیان کیا کہ جس نے رکوع کے بعد سینے پر ہاتھ باندھنے کی مشروعیت کے متعلق کہا ہے اس نے ان مختصر روایات پر اعتماد کیا ہے، آپ رحمہ اللہ نے ارادہ کیا کہ وہ اہل علم اور طالب علموں کے لیے واضح کر دیں، اس پر تحقیق کرنے والے پر لازم ہے کہ بحث واطلاع میں بڑی مستقل مزاجی اور محنت سے تحقیق کرے حتی کہ وہ کسی غلطی میں مبتلا نہ ہو جائے۔ ہم یہاں "الصحیحة" (۵/ ۳۰۶۔۳۰۸) میں ان کے کلام کو، معمولی سی تبدیلی کے ساتھ، بیان کرتے ہیں، آپ...... رحمہ اللہ ...... نے اس مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

امام احمد نے (۳۱۶/۴)، ابن ابی شیبہ نے "المصنف" (۱/ ۳۹۰) میں اسے روایت کیا: حدثنا وکیع، حدثنا موسى بن عمير العنبري، سے مختصر طور پر اس طرح بیان کیا:

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے ہوئے دیکھا۔'' انہوں نے قیام کا ذکر نہیں کیا۔

بغوی نے "شرح السنة" (۳/ ۳۰) میں دوسرے طریق سے روایت کیا۔

اسی طرح احمد (۳۱۶/۴۔۳۱۹) نے ایک دوسرے طریق سے وائل بن حجر سے قیام کے ذکر کے بغیر اسے روایت کیا۔

محقق کو اس حدیث کے طرق میں کوئی شک نہیں کہ وہ بھی وکیع کی اس روایت کی طرح مختصر ہے جو وائل سے مروی ہے جو نبی ﷺ کی نماز اور اس قیام کو واضح کرتی ہے جس میں آپ نے ہاتھ باندھے، اور وہ رکوع سے پہلے ہے، یہ دو طریق سے آیا ہے:

۱۔ عبد الجبار بن وائل نے علقمہ بن وائل اور ان کے آزاد کردہ غلام سے روایت کیا کہ ان دونوں نے اس کے والد وائل بن حجر کے حوالے سے اسے بیان کیا:

انہوں نے نبی ﷺ کو دیکھا، جس وقت آپ نے نماز شروع کی اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اللہ اکبر

کہا۔ (اور ہمام نے بیان کیا) اپنے کانوں کے برابر، پھر اپنا کپڑا لپیٹ لیا۔
پھر اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا۔
جب آپ نے رکوع کرنے کا ارادہ کیا، آپ نے کپڑے سے ہاتھ نکالے، پھر انہیں اٹھایا، پھر اللہ اکبر کہا، رکوع کیا، جب آپ نے کہا: "سمع الله لمن حمده" آپ نے ہاتھ اٹھائے۔
جب آپ نے سجدہ کیا۔ آپ نے دونوں ہتھیلیوں/ ہاتھوں کے درمیان سجدہ کیا۔
مسلم (۱۳/۲)، ابو عوانہ (۲/ ۱۰۶۔۱۰۷)، احمد (٤/ ۳۱۷۔ ۳۱۸) اور بیہقی (۲/ ۲۸، ۷۱) نے اسے روایت کیا۔

۲۔ عاصم بن کلیب نے اپنے والد سے، انہوں نے وائل بن حجر سے روایت کیا، انہوں نے کہا:
''میں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کی نماز دیکھوں گا کہ آپ کس طرح نماز پڑھتے ہیں؟ انہوں نے بیان کیا: پس رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوتے تو قبلہ رخ ہوئے، اللہ اکبر کہا، ہاتھ اٹھائے حتی کہ وہ کانوں کے برابر ہو گئے۔ پھر بائیں (ہاتھ) کو دائیں کے ساتھ پکڑا۔
جب رکوع کرنے کا ارادہ فرمایا، تو اسی مثل ان دونوں (ہاتھوں) کو اٹھایا۔
پھر انہوں نے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے۔
جب رکوع سے سر اٹھایا تو ان دونوں کو اسی کی مثل اٹھایا۔
جب سجدہ کیا تو سر کو اسی جگہ ہاتھوں کے درمیان رکھا۔ پھر آپ بیٹھے تو آپ نے بایاں پاؤں بچھایا اور انگشت شہادت سے اشارہ کیا......''
ابوداؤد، نسائی اور احمد وغیرہم نے صحیح سند کے ساتھ اسے روایت کیا، اور وہ "صحیح ابی داود" (۷۱۶۔۷۱۷) میں منقول ہے...... اور ابن ماجہ میں ان سے اس طرح مروی ہے:
''میں نے نبی ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ نے اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑا۔''

میں کہتا ہوں: جب دیکھنے والے نے صرف اسی ایک جملے کو دیکھا، اسے معلوم نہ ہوا، یا کم از کم اس کے ذہن میں نہ آیا کہ وہ حدیث کا اختصار ہے، تو اس نے اس سے سمجھ لیا کہ اس سے ہر قیام میں ہاتھ باندھنے کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے خواہ وہ رکوع سے پہلے ہو یا اس کے بعد، اور یہ خطا ہے جس پر حدیث کا سیاق دلالت کرتا ہے، وہ اس میں صریح ہے کہ ہاتھ باندھنا صرف قیام اوّل میں ہے، اور وہ سیاق عاصم میں زیادہ صریح ہے، کیونکہ انہوں نے تکبیر تحریمہ میں رفع الیدین کا ذکر کیا ہے، پھر رکوع جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت، وہ ان دونوں میں

بیان کرتے ہیں: اسی کی مثل، اگر وائل کے حافظے میں رکوع سے اٹھنے کے بعد ہاتھ باندھنا ہوتا تو وہ اسے بھی ذکر کرتے جیسا کہ وہ ان کے اس سے پہلے تین مرتبہ رفع الیدین کے ذکر سے ظاہر ہے، لیکن جب وہ جملہ اپنے محل سے حدیث سے الگ کر دیا گیا تو اس نے رکوع سے اٹھنے کے بعد ہاتھ باندھنے کا وہم پیدا کر دیا، ہمارے بعض معاصر فاضل علماء نے اس کے متعلق کہا: جبکہ میری معلومات کے مطابق سلف صالحین میں سے کسی کا یہ موقف نہیں۔ ❶

اور اس سے جو تاکید پیدا کرتا ہے وہ ابن ادریس کی عاصم سے اس کے متعلق ان الفاظ سے مختصر روایت ہے:

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جس وقت آپ نے اللّٰـــہ اکبر کہا آپ نے دائیں ہاتھ کے ساتھ بائیں ہاتھ کو پکڑا۔''

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "المشکاۃ" (۱/ ۲۵۲) میں حدیث رقم (۸۰۴) ❷ کے تحت بیان کیا:

''......اپنی کمر دراز کر، جب تم اٹھو تو اپنی کمر سیدھی کرو، اور اپنا سر اٹھاؤ حتی کہ ہڈیاں اپنی جگہوں پر آجائیں......''

وہ آپ ﷺ کی نماز کے طریقے کے بارے میں "المشکاۃ" میں ابوحمید سے مروی حدیث رقم (۹۲) کے معنی میں ہے: ''حتی کہ ریڑھ کی ہڈی کا ہر مہرہ اپنی جگہ آجائے، پس اس حدیث میں اس قیام (دوسرے) میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے کی مشروعیت پر کوئی دلالت نہیں جیسا کہ ہمیں اپنے بعض اہل حدیث بھائیوں کے حوالے سے خبر پہنچی ہے۔

ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے حدیث ❸ رقم (۴۴۴۲) کے تحت، جو کہ "ضعیف الجامع" سے ہے، بیان کیا، اور اس کی نص یہ ہے: ''جب آپ نماز میں کھڑے ہوتے تو دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑتے تھے۔''

ہند میں ہمارے بعض محدث بھائیوں نے اس سے رکوع کے بعد قیام میں ہاتھ باندھنے کی مشروعیت پر استدلال کیا ہے انہوں نے ایک رسالہ تصنیف کیا ہے جس سے مجھے آگاہی ہوئی، میں ۱۳۸۱ھ سے مدینہ منورہ میں ہوں، میں نے مذکورہ رسالہ ❹ اس (رسالے) کی تردید میں تالیف کیا۔

---

❶ دیکھیں: الصحیحۃ (۵/ ۳۱۱).

❷ هداية الرواة الى تخريج احاديث المصابيح والمشكاة ۱/ ۳۷۱.

❸ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: كان اذا قام فى الصلاة قبض على شماله بيمينه. ''جب آپ نماز میں کھڑے ہوتے تو دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑتے'' یہ حدیث وائل بن حجر سے مروی ہے۔

❹ وہ مذکورہ رسالہ "ضعیف الجامع" میں حدیث رقم (٤٤٤٢) کی جانب ہے جس کا نام ہے: "الرد على هدية البديع" ہے۔ اس میں اس وضع مذکور (رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے) کے متعلق بہت اہم بحث ہے، اس میں حدیث کی علت بیان کی گئی ہے۔

ہمارے شیخ...... قدس اللہ روحہ و نور ضریحہ ...... نے "صحیح موارد الظمآن" (۱/ ۲۳۹) میں حدیث رقم (۴۰۱۔۴۸۴) ❶ کے تحت رفاعہ الزرقی کی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا، اور اس میں ہے: "اپنی کمر دراز کر، جب تو اپنا سر اٹھائے، تو اپنی کمر سیدھی کرحتی کہ ہڈیاں اپنی جگہ پر آ جائیں۔"

یعنی: ریڑھ اور کمر کی ہڈیاں، یعنی: ریڑھ کی ہڈیوں کے مہرے اپنی اپنی جگہ پر آ جائیں، جیسا کہ ابوحمید کی اس روایت میں بیان ہے جو انہوں نے آپ ﷺ کی نماز کے متعلق بیان کرتے ہوئے فرمائی اور وہ ابھی بیان ہوگی، اور اس سے اس قیام میں کمال اعتدال مراد ہے، اور اس میں کمی اور بگاڑ سے ممانعت کے بارے میں صحیح احادیث وارد ہیں جیسا کہ بیان ہوگا۔

رہا اس سے اس (رکوع کے بعد والے) قیام میں سینے پر ہاتھ باندھنے کا استدلال تو وہ آپ ﷺ کی نماز میں آپ کے معروف طریقے سے بہت بعید ہے، اور اس حدیث اور اس کے علاوہ دیگر احادیث کے سیاق سے دور ہے، جیسا کہ میں نے اس کی کئی ایک مواقع پر تشریح کی ہے، جو کوئی مزید تفصیل چاہتا ہو تو وہ ان کی طرف رجوع کرے، ان میں سے "صفة صلاة النبی ﷺ" بھی ہے۔

شیخ رحمہ اللہ نے "صحیح موارد الظمآن" (۱/ ۲٤۰) میں حدیث رقم (۴۰۲۔۴۸۵) ❷ کے تحت وائل بن حجر کی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا، اور اس میں ہے:

"پھر جب انہوں نے ارادہ کیا کہ رکوع کریں: اسی کی مثل رفع الیدین کیا، پھر رکوع کیا تو اپنے ہاتھ گھٹنوں پر رکھے، پھر (رکوع سے) اپنا سر اٹھایا تو اسی کی مثل ہاتھ اٹھائے۔"

وائل رضی اللہ عنہ کے آپ ﷺ کے تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھانے کا طریقہ بیان کرنے کے سیاق کے حسن کے متعلق قارئین کو غور کرنا چاہیے، پھر رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کی کس طرح اختصار کے ساتھ تعبیر کرتے ہوئے فرمایا: "پس آپ نے اس کے مثل دونوں ہاتھ اٹھائے۔" اگر وہ، جسے بعض فضلاء رکوع کے بعد قیام میں ہاتھ باندھنے کی طرف منسوب کرتے ہیں، صحیح ہوتا تو وہ مثال کے طور پر اس طرح فرماتے: "اور دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر اسی کی مثل رکھا۔" یا اس کے مانند فرماتے، کیونکہ وہ وقت بیان ہے جیسا کہ وہ ظاہر ہے، بطور منصف غور کریں۔ اور "صفة الصلوة" دیکھیں۔

اور شیخ رحمہ اللہ نے "صحیح موارد الظمآن" (۱/ ۲٤۱) حدیث رقم (۴۰۵۔۴۸۹) ❸ کے تحت اسی

---

❶ صحیح، "صفة الصلوة"، الارواء" (۱/ ۳۲۱۔۳۲۲) "صحیح ابی داود" (۸۰۳۔۸۰۷) (منہ)

❷ صحیح صفة الصلاة، المشکاة: ۹۱۱، صحیح ابی داؤد: ۷۱٤. (منہ)

❸ صحیح۔ صفة الصلاة، صحیح أبی داود: ۷۱٤. (منہ)

طرح وائل بن حجر کی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا، اور اس میں ہے:

''اور جب آپ ﷺ نے رکوع کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے (کپڑے میں سے) ہاتھ نکالے، انہیں اٹھایا ر بلند کیا اور اللہ اکبر کہا، پھر رکوع کیا، جب آپ نے رکوع سے سر اٹھایا تو ہاتھ اٹھائے، پھر اللہ اکبر کہا تو سجدہ کیا، پھر اپنی دونوں ہتھیلیوں ر ہاتھوں کے درمیان اپنا چہرہ رکھا۔''

ابوداؤد نے یہ اضافہ نقل کیا: اور جب سجدوں سے سر اٹھایا تو بھی ہاتھ اٹھائے۔

میں ❶ نے کہا: یہ اضافہ اہم اور صحیح ہے، اس کے بہت سے شواہد ہیں، پس اہل السنہ اس پر عمل کرنے کو پسند کرنے والوں کو اس کے احیاء کی طرف توجہ کرنی چاہیے، اس حدیث میں اس طرف قوی اشارہ ہے کہ رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کے متعلق کوئی اصل نہیں، اس لیے کہ وائل (صحابی) نے اسے ذکر نہیں کیا، اور اگر انہوں نے اسے دیکھا ہوتا تو اس کا ذکر کرتے جیسا کہ انہوں نے تین جگہوں پر رفع الیدین کرنے کا ذکر کیا ہے، جیسا کہ اس کا بیان ابھی گزرا ہے، پس جو ''نسائی'' میں وائل سے آیا ہے، انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ نماز میں کھڑے تھے آپ نے اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑا تھا...... وہ ان کی اس مفصل روایت سے مختصر ہے، اور جو اس سے دو حدیثیں پیچھے ہے، پس وہ قیام ثانی میں ہاتھ باندھنے پر دلالت نہیں کرتی، اسی لیے اس پر سلف کا عمل جاری نہیں ہوا، پس آگاہ رہیں۔

٦......حسینی تربت (مٹی) پر سجدہ کرنا

کربلا کی پاکی و برکت اور اس کی زمین رمٹی پر سجدہ کرنے کی فضیلت!! یا جس کا نام رکھا گیا: تربت حسینیہ اور اس کی پاکی و برکت۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحيحة" (٣/ ١٦٢-١٦٧) میں اس بدعت کے ابطال ❷ میں فرمایا:

فائدہ: ان احادیث میں ایسی کوئی چیز نہیں جو کربلا کی پاکی و برکت اور اس کی مٹی پر سجدوں کی فضیلت اور اس مٹی سے ایک ٹکیہ بنا کر نماز کے وقت اس پر سجدوں کے استحباب پر دلالت کرتی ہو۔

جس پر آج شیعہ عمل کرتے ہیں، اگر وہ مستحب ہوتا تو مکہ و مدینہ کی دو مسجدوں (مسجد حرام، مسجد نبوی) کی مٹی اس کی زیادہ حق دار تھی، وہ شیعہ کی بدعات اور ان کے اہل بیت اور ان کے آثار میں غلو ہے، اور ان کے عجائب میں سے ہے کہ وہ اپنے ہاں عقل کو تشریع کے مصادر میں سے سمجھتے ہیں! اسی لیے وہ تحسین و تقبیح کے لیے عقل کو معیار قرار دیتے ہیں، اور اس کے باوجود وہ ان احادیث سے خاک کربلا پر سجدہ کرنا افضل سمجھتے ہیں جن کے بطلان پر عقل سلیم

---

❶ یہ کہنے والے شیخ البانی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

❷ ہم نے فائدہ کے لیے اس بدعت کے متعلق اور عبدالرضا کے رسالے "السجود على التربة الحسينية" پر رد کے متعلق شیخ رحمہ اللہ کا کلام نقل کیا ہے۔

بدیہی طور پر گواہی دیتی ہے، پس میں نے ان کے السید عبدالرضا! مرعشی شہرستانی کے "السجود علی التربة الحسينية" کے عنوان پر ایک رسالے پر آگاہی حاصل کی، اس کے ص ۱۵ پر لکھا ہے:

''اور اس کے شرف وتقدس اور وہاں مدفون شخصیت کی پاکیزگی کے باعث اس (خاک کربلا) پر سجدہ کرنے کی فضیلت وارد ہے۔ عترت طاہرہ کے ائمہ علیہم السلام سے حدیث وارد ہے کہ اس پر سجدہ کرنا ساتویں زمین تک کو روشن کر دیتا ہے، اور ایک دوسری روایت میں ہے: وہ سات پردوں کو چاک کر دیتا ہے، ایک اور روایت میں ہے: جو اس پر سجدہ کرتا ہے اللہ صرف اسی کی نماز کو قبول کرتا ہے اور جو اس کے علاوہ کسی اور خاک / جگہ پر سجدہ کرتا ہے وہ اسے قبول نہیں کرتا، ایک اور میں ہے: حسین کی قبر کی مٹی پر سجدہ کرنا زمینوں کو منور کر دیتا ہے۔''

اس طرح کی احادیث ہمارے نزدیک بالکل باطل ہیں، اور اہل بیت کے ائمہ رضی اللہ عنہم ان سے بری ہیں، ان کے پاس ان کی اسانید نہیں، تاکہ حدیث کے علم اور اس کے اصول کے نہج پر ان پر جرح وتنقید کرنا ممکن ہو، وہ تو مرسل اور معضل روایات ہیں!

مؤلف نے صرف ائمہ اہل بیت سے ان جیسی نقول مزعومہ ہی سے رسالے کو کالا کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ وہ قارئین کو وہم ڈالنے لگا کہ اسی طرح کی روایات ہم اہل السنہ کی کتب میں بھی مروی ہیں، وہ (ص ۱۹) بیان کرتا ہے:

''اس تربت حسینیہ کی فضیلت اور اس کی پاکی و برکت کے متعلق روایات صرف ائمہ علیہم السلام ہی پر منحصر نہیں، بلکہ اس طرح کی روایات باقی اسلامی فرقوں کی اصل کتابوں میں بھی بہت مشہور ہیں، جو کہ ان کے علماء اور ان کے راویوں کے طریق سے ہیں، ان میں سے وہ روایت ہے جسے سیوطی نے اپنی کتاب "الخصائص الكبرى"، باب اخبار النبی ﷺ بقتل الحسين علیہ السلام میں روایت کی ہے، انہوں نے اس میں اپنے اکابر ثقہ سے تقریباً بیس احادیث روایت کی ہیں، وہ اکابر ثقہ جیسے حاکم، بیہقی، ابونعیم، طبرانی ❶ اور ہیثمی "المجمع" (۹:۱۹۱) میں اور ان جیسے ان کے مشہور راویوں سے مروی ہیں۔''

اے مسلم! (جان لیجیے کہ وہ سیوطی اور ہیثمی کے نزدیک نہیں ہے، ایک حدیث بھی تربت حسینی اور اس کے تقدس اور اس کی فضیلت پر دلالت نہیں کرتی، ان میں جو کچھ ہے اس کی تفصیلات اس پر متفق ہیں کہ وہ آپ ﷺ کی ان کی اس جگہ شہادت کے متعلق خبر ہے، میں نے "الصحيحة" میں ابھی ان میں سے ایک منتخب چیز بیان کی، تو کیا تم اس میں وہ چیز دیکھتے ہو جس کا اس شیعہ نے سیوطی اور ہیثمی کے بارے میں اپنے رسالے میں دعویٰ کیا ہے؟!

---

❶ اصل میں 'طبری' ہے۔

یقیناً نہیں، لیکن شیعہ اپنی گمراہیوں اور اپنی بدعات کی تائید کرنے کے لیے، اس چیز سے بھی چمٹ جاتے ہیں جو مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہو!

اس کا معاملہ قارئین پر اس تدلیس پر ہی نہیں ٹھہرا، بلکہ اس نے اسے رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھنے تک بڑھا دیا، وہ (ص ۱۳) پر بیان کرتا ہے:

> ''سب سے پہلے جس نے اس زمین سے تختی اٹھائی تا کہ وہ اس پر سجدے کرے وہ ہمارے نبی محمد ﷺ ہیں، انہوں نے تین ہجری میں ایسے کیا، جب احد کے مقام پر مسلمانوں اور قریش کے درمیان ہولناک جنگ ہوئی، اس میں اسلام کے رکن اعظم گر گئے، وہ حمزہ بن عبد المطلب، رسول اللہ ﷺ کے چچا ہیں، نبی ﷺ نے مسلمان خواتین کو ہر محفل سوگ میں ان پر نوحہ کرنے کا حکم فرمایا، ان کی تکریم میں معاملہ یہاں تک پھیل گیا کہ وہ ان کی قبر سے مٹی لینے لگے اور اس کو متبرک جاننے لگے اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس پر سجدے کرنے لگے، اور وہ اس سے مسبحات (وہ چیزیں جن پر تسبیح پڑھی جاتی ہے) بنانے لگے، جیسا کہ کتاب "الأرض و التربة الحسينية" میں آیا ہے اور اس کے اصحاب اس پر ہیں، اور ان میں سے فقیہ ہے......''

کتاب مذکور شیعہ کی کتب میں سے ہے، قاری محترم غور فرمائیں! اس نے کس طرح رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھا ہے، اس نے دعوی کیا کہ آپ نے سب سے پہلے ٹکیہ بنائی اور اس پر سجدے کیے، پھر اس نے اپنے دعوی کی تقویت کے لیے ایک اور جھوٹ کا سہارا لیا، اور وہ آپ ﷺ کا خواتین کو غم کی ہر مجلس میں حمزہ پر نوحہ کرنے کا حکم فرمانا، حالانکہ اگر وہ صحیح ہوتو بھی اس کے درمیان اور ٹکیہ بنانے کے درمیان کوئی تعلق نہیں جیسا کہ ظاہر ہے، کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح ثابت نہیں، وہ کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ آپ ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ نے خواتین سے بیعت لیتے وقت انہیں فرمایا تھا کہ وہ نوحہ نہیں کریں گی، جیسا کہ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) اور ان کے علاوہ دیگر محدثین نے اُمّ عطیہ سے روایت کیا ہے (ہماری کتاب "احکام الجنائز"، ص ۲۸، دیکھیں)

اور مجھے ظاہر ہوا کہ اس نے تیسرے جھوٹ پر پہلے دو جھوٹوں کی بنیاد رکھی، اور وہ اس کا نبی ﷺ کے اصحاب کے متعلق کہنا ہے:

> ''ان کی تکریم میں معاملہ یہاں تک پھیل گیا کہ وہ ان کی قبر کی مٹی لینے لگے۔ وہ اسے متبرک سمجھتے اور اللہ تعالیٰ کے لیے اس پر سجدے کرتے......''

یہ صحابہ پر جھوٹ ہے، وہ اس سے بری ہیں کہ وہ اس طرح کی وثنیت (بت پرستی) میں مبتلا ہوں، اس شیعی

کے نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب پر افتراء کے متعلق قاری محترم کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ وہ اسے مسلمانوں کے مصادر میں سے کسی معروف مصدر کی طرف منسوب نہ کر سکا، سوائے کتاب "الأرض والتربه الحسينية" کے، اور وہ ان کے بعض متاخرین کی کتب میں سے ہے اور مؤلف ان میں سے غیر معروف ہے، اور معاملہ یہ ہے کہ وہ شیعی اس کا نام بتانے کی جرأت نہ کر سکا، تاکہ اس کے ذکر کرنے سے اس کے اکاذیب کے مصدر کے متعلق اس کا معاملہ کھل نہ جائے!

اس نے سلف اوّل پر بیان کردہ جھوٹ پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس نے اسے ان کے بعد والوں پر جھوٹ باندھنے تک بڑھا دیا، اس کے تمام کلام سابق کو غور سے سنو:

> ''ان میں سے ایک فقیہ کبیر مسروق بن اجدع التوفی ۶۲ھ ہیں جن کی شخصیت پر سب متفق ہیں، وہ صحاح ستہ کے راویوں میں سے ایک عظیم تابعی ہیں، وہ دوران سفر مدینہ منورہ کی مٹی سے بنی ہوئی ایک کچی اینٹ ساتھ رکھتے تھے اور وہ اس پر سجدہ کرتے تھے، جیسا کہ اسے شیخ المشائخ الحافظ امام السنۃ ابو بکر ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب "المصنف" جلد دوم میں "من كان يحمل فى السفينة شيئا يسجد عليه" کے الفاظ سے ایک باب مقرر کیا ہے، انہوں نے دو اسناد سے اسے روایت کیا ہے کہ مسروق جب سفر کرتے تھے تو وہ کشتی میں مدینہ منورہ کی مٹی سے بنی ہوئی ایک اینٹ اپنے ساتھ رکھتے تھے اور وہ اس پر سجدہ کرتے تھے۔''

میں نے کہا: اس کلام میں متعدد جھوٹ ہیں:

۱۔ اس کا کہنا: ''وہ اپنے سفروں میں رکھتے تھے۔'' وہ اپنے اطلاق کے ساتھ خشکی کے سفر کو بھی شامل ہے، اور اس اثر کے خلاف ہے جو اس نے ذکر کیا ہے!

۲۔ اس کا یقین کے ساتھ کہنا کہ وہ یہ کیا کرتے تھے، اس سے وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ ان سے ثابت ہے جبکہ اس طرح نہیں ہے، بلکہ ضعیف منقطع ہے جیسا کہ اس کا بیان آئے گا۔

۳۔ اس کا کہنا: ''......دو اسناد سے۔'' جھوٹ ہے، وہ تو ایک اسناد ہے اس کا مدار محمد بن سیرین پر ہے، اس میں اس پر اختلاف ہے، ابن ابی شیبہ نے اسے "المصنف" (۲/ ۴۳/ ۲) میں یزید بن ابراہیم، عن ابن سیرین کے طریق سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا: ''مجھے خبر دی گئی کہ مسروق کشتی میں اپنے ساتھ ایک کچی اینٹ لے جاتے تھے، یعنی وہ اس پر سجدہ کرتے تھے۔''

اور ابن عون عن محمد کے طریق سے: ''کہ مسروق جب سفر کرتے تھے تو وہ کشتی میں اپنے ساتھ ایک کچی اینٹ لے جاتے تھے وہ اس پر سجدہ کرتے تھے۔''

تم نے دیکھا کہ اسناد اوّل ابن سیرین کے طریق سے ہے، اور دوسری محمد کے طریق سے، اور وہ ابن سیرین ہیں، لہٰذا وہ حقیقت میں ایک اسناد ہے، لیکن یزید بن ابراہیم نے ان کے حوالے سے کہا: ''مجھے خبر دی گئی'' پس اس نے ثابت کیا کہ ابن سیرین نے اسے مسروق سے بالواسطہ اخذ کیا، اور ابن عون نے اسے ثابت نہیں کیا، جو روایت کیا گیا اس میں وہ دونوں ثقہ ہیں، البتہ یزید بن ابراہیم نے سند میں کچھ اضافہ بیان کیا ہے، پس واجب ہے کہ اسے قبول کیا جائے جیسا کہ وہ ''المصطلح'' میں طے شدہ ہے، کیونکہ جس نے حفظ کیا وہ اس کے خلاف حجت ہے جس نے حفظ نہ کیا، اس پر بنیاد رکھتے ہوئے اس کی اسناد مسروق تک ضعیف ہے، وہ قابل حجت نہیں، کیونکہ اس کا مدار ایک ایسے راوی پر ہے جس کا نام نہیں لیا گیا، وہ مجہول ہے، اس کی مسروق...... اللہ اس سے راضی ہو اور اس پر رحم فرمائے...... کی طرف یقین کے ساتھ نسبت کرنا جائز نہیں جیسا کہ اس شیعی نے کہا۔

۴۔ الشیعی نے اس اثر میں ایک ایسا اضافہ داخل کیا جس کی ''المصنف'' میں کوئی بنیاد نہیں، وہ اس کا یہ کہنا ہے:

''مدینہ منورہ کی مٹی سے''! اس کا ان کے ہاں دونوں روایتوں میں کوئی ذکر نہیں جیسا کہ آپ نے دیکھا۔ کیا تم جانتے ہو کہ اس شیعی نے اس اثر میں اس اضافہ کو کیوں گھڑا ہے؟ اس پر واضح ہو گیا کہ اس میں ارض مبارکہ (مدینہ منورہ) سے ٹکیہ بنا کر اس پر سجدہ کرنے کے بارے میں کوئی مطلق دلیل نہیں، جب اس نے اسے اس پر چھوڑا جسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا، اسی لیے اس نے اس کے ساتھ اس اضافہ کو ملایا تا کہ قارئین کو وہم ڈال سکے کہ مسروق رحمہ اللہ نے مدینہ سے بطور تبرک ٹکیہ لی تا کہ اس پر سجدے کریں، تو جب اسے یہ ثابت ہوا تو اس نے پاکی و برکت میں دونوں زمینوں کے جامع اشتراک کی وجہ سے کربلا کی زمین رمٹی سے ٹکیہ بنانے کو جواز بنایا!!

جب تم نے جان لیا کہ مقیس علیہ (جس پر قیاس کیا گیا) باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں، وہ صرف شیعی کی گھڑت ہے! تو تم نے جان لیا کہ مقیس (جس کو قیاس کیا گیا) بھی باطل ہے! کیونکہ جیسا کہ کہا گیا: کیا سایہ اور ٹیڑھی لکڑی سیدھے ہو سکتے ہیں؟!

قاری محترم! غور کریں شیعہ جھوٹ بولنے پر کس قدر جرأت کرتے ہیں تا کہ اس گمراہی کی تائید کریں جس پر وہ عمل پیرا ہیں۔ انہوں نے نبی ﷺ پر جھوٹ بول دیا، ائمہ میں سے جس نے ان کے متعلق یہ فرمایا: ''رافضی سب سے زیادہ جھوٹے ہیں''! اس کی صداقت تم پر واضح ہو چکی ہو گی!

اس کے جھوٹ میں سے اس کا یہ کہنا (ص ۹):

'''''صحیح بخاری'' صحیفہ! (۳۳۱ ج ۱) میں وارد ہے کہ نبی ﷺ زمین رمٹی کے علاوہ کسی اور چیز پر نماز پڑھنا ناپسند فرماتے تھے!''

یہ دوطرح سے کذب ہے:

اول...... صحیح بخاری میں یہ نص آپ ﷺ سے روایت نہیں اور نہ آپ کے علاوہ دیگر اسلاف سے منقول ہے۔

دوم ...... حافظ ابن حجر نے اسے بخاری پر اپنی شرح (۱/ ۳۸۸۔ المطبعة البهية) میں عروہ سے ذکر کیا ہے۔ انہوں نے کہا:

''ابن ابی شیبہ نے عروہ بن زبیر سے روایت کیا، کہ وہ زمین رمٹی کے علاوہ کسی اور چیز پر نماز پڑھنا ناپسند فرماتے تھے۔''

میں نے کہا: شیعہ کے اکاذیب اوران کی امت پر تدلیس ان گنت ہے، میں نے مثال کے طور پر اس حدیث کی تخریج کی مناسبت سے اس رسالے میں کچھ بیان کرنے کا ارادہ کیا، ورنہ وقت اس سے کہیں زیادہ قیمتی ہے کہ اسے ان کے تعاقب میں ضائع کیا جائے۔

۷......نماز میں اللہ اکبر کہتے ہوئے آواز کو کھینچنا

ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے "الصحيحة" (۲/ ۱۵۵) میں حدیث رقم (۶۰۴) کے تحت بیان کیا: ان کا یہ کہنا: ''جس وقت وہ دو رکعتوں میں بیٹھنے کے بعد کھڑے ہوتے تو وہ اللہ اکبر کہتے۔'' یعنی: قیام کی ابتداء کے وقت، اور حافظ نے "الفتح" (۲/ ۲۲۰۔ السلفية) میں اس کی اس طرح تفسیر کی ہے۔

ہمارے شیخ نے فرمایا...... رہا نووی کا "شرح صحيح مسلم" (٤/ ۹۹) میں قول:

''اوران کا کہنا: ''وہ جس وقت سجدے کے لیے جھکتے تو اللہ اکبر کہتے، پھر اللہ اکبر کہتے......'' یہ تکبیر کو ان حرکات کے ساتھ ملانے اور اس (تکبیر) کو اس (حرکت) پر لمبا کرنے پر دلیل ہے، پس وہ اللہ اکبر کہنا شروع کرے گا جس وقت وہ رکوع وغیرہ کی طرف انتقال شروع کرے گا حتی کہ وہ رکوع کی حالت تک پہنچ جائے گا...... وہ تشہد اوّل سے قیام کے لیے تکبیر شروع کرے گا جس وقت وہ منتقل ہونا شروع کرے گا، اور وہ اس (آواز) کو لمبا کرے گا حتی کہ وہ صحیح طرح کھڑا ہو جائے گا!''

حافظ نے اس کے بعد (۲/۲۷۳) فرمایا:

''اس لفظ کی اس دراز کرنے پر، جو انہوں نے ذکر کیا، دلالت ظاہر نہیں۔''

میں (شیخ البانی) نے کہا: اس سے بھی زیادہ عجیب بعض شوافع کا اس تکبیر کو لمبا کرنا ہے جس وقت وہ دوسرے سجدے سے اٹھتے وقت اللہ اکبر کہتے ہیں، اور وہ دوسری رکعت میں کھڑے ہوتے ہیں اور وہ اس کے درمیان جلسہ استراحت (جو کہ سنت ہے) کے لیے بیٹھتے ہیں، تم اس (شافعی کے پیروکار) کو دیکھو گے کہ وہ اللہ اکبر کو اتنا

لمبا کرتا ہے اتنا لمبا کرتا ہے حتی کہ اس کے کھڑے ہونے سے پہلے اس کا سانس ٹوٹ جانے کے قریب ہو جاتا ہے۔سنت کے عالم کو شک نہیں رہتا کہ یہ بدعات میں سے ہے۔

۸......بعض مذاہب میں قول وارد کہ وہ ❶ جب قیام کے زیادہ قریب ہو، تو واپس (قعدہ کی طرف) نہ لوٹے، اور جب وہ بیٹھنے کی حالت کے قریب ہو تو بیٹھ جائے

اس تفصیل کی سنت میں کوئی اصل نہیں، یہ حدیث ❷ کے خلاف ہے، تم اس (صحیح حدیث) سے وابستہ ہو جاؤ، اور اسے مضبوطی سے تھام لو، آدمیوں کی آراء کو اپنے نزدیک پھٹکنے نہ دو، کیونکہ جب حدیث آجائے تو رائے اور قیاس باطل ہو جاتا ہے، جب اللہ کی نہر آجائے نہر معقل باطل ہو جاتی ہے۔ ہمارے شیخ نے "الصحيحة" (۱/ ۶۳۹) میں یہ رہنمائی کی ہے۔

اور شیخ رحمہ اللہ نے "الصحيحة" (۵/ ۵۸۶) میں بھی حدیث رقم (۲۴۵۷) کے تحت بیان کیا:

فائدہ:......ان کا یہ کہنا: "جب وہ سیدھا کھڑا ہو جائے تو نماز جاری رکھے اور (قعدہ میں بیٹھنے کے لیے) واپس نہ آئے۔" اس میں اس بات کی طرف قوی اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کا تشہد...... جو واجب ہے......اور کی طرف عدم رجوع آپ ﷺ کا سیدھا کھڑا ہونا ہے، اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر وہ سیدھا کھڑا نہ ہو تو وہ (تشہد کے لیے) لوٹ آئے، اور اس پر آپ ﷺ کے فرمان میں نص ہے:

> "جب امام دو رکعتوں میں کھڑا ہو جائے، تو اگر اسے مکمل طور پر سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے یاد آجائے تو وہ بیٹھ جائے، ❸ اور اگر وہ سیدھا کھڑا ہو جائے تو پھر نہ بیٹھے، اور پھر (آخر پر) سہو کے دو سجدے کر لے۔"

وہ حدیث اپنے تمام طرق کے لحاظ سے صحیح ہے، ان میں سے ایک جید ہے، اور وہ "الارواء" (۳۸۸) میں منقول ہے، اور "صحيح ابی داوٗد" (۹۴۹) میں ہے۔ پس جو بعض کتب فقہ میں آیا ہے کہ جب وہ قیام کے قریب تر ہو تو پھر واپس نہ آئے، تو وہ دو حدیثوں کی مخالفت کے ساتھ ساتھ یہ کہ اس کی سنت میں کوئی اصل ہی نہیں۔ لہٰذا اے مسلمان! اپنے دین کے حوالے سے دلیل پر قائم رہ۔

---

❶ یعنی: نمازی جب بھول جائے اور تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے، اور وہ تشہد اول کے لیے نہ بیٹھا ہو۔

❷ حدیث (رقم: ۳۲۱) یہ ہے: "جب امام دو رکعتوں سے اٹھے اگر اسے سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے یاد آجائے تو بیٹھ جائے، اگر سیدھا کھڑا ہو گیا ہو تو پھر نہ بیٹھے اور (آخر میں) سہو کے دو سجدے کرے۔"

❸ یعنی اگر کھڑے ہونے کی حالت کے زیادہ قریب بھی ہو تو تب بھی بیٹھ جائے۔ (شہباز حسن)

۹......صلاۃ (درود) یا تشہد ❶ کے شرعی الفاظ میں جعل سازی

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "فوائد مهمة في الصلوة على نبي الأمة" کے عنوان کے تحت "صفة الصلوة" (ص۱۷۶) میں بیان کیا:

پانچواں فائدہ:...... جان لیجیے کہ ان تمام الفاظ میں سے درود کے ایک طرح کے الفاظ کو ہی دہراتے رہنا مشروع نہیں، اسی طرح تشہد کے الفاظ کے بارے میں کہا جائے گا، بلکہ یہ دین میں بدعت ہے، سنت یہ ہے کہ کبھی یہ کہے جائیں اور کبھی وہ جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اسے "التكبير في العيدين کی بحث میں بیان کیا "مجموع" (۶۹/ ۲۵۳/ ۱)

۱۰......تشہد اوّل میں آپ ﷺ پر درود میں "اللهم صل على محمد" سے زیادہ الفاظ پڑھنے کی کراہت کا بیان

سنت میں اس کی کوئی اصل ہے نہ اس پر کوئی دلیل ہے، بلکہ ہم سمجھتے ہیں کہ جس نے یہ کیا ہے اس نے نبی ﷺ کے فرمان کہو: اللّٰهم صل على محمد و على اٰل محمد ...... الخ پر عمل نہیں کیا۔

"صفة الصلاة" (۱۶۵)

۱۱......تشہد کے علاوہ انگلی سے اشارہ

۱۔ دو سجدوں کے درمیان اشارہ۔
۲۔ جلسہ استراحت میں انگلی سے اشارہ۔
۳۔ ہر جلسہ میں انگلی سے اشارہ۔

ہمارے شیخ البانی نے "الصحيحة" (۵/ ۳۰۸-۳۱۳) میں حدیث رقم (۲۲۴۷) کے تحت یہ بیان کیا:

......میں اپنے بہت سے لیکچروں اور دروس میں اس وضع اور اس کے اسباب کے متعلق کہا کرتا تھا، ہوسکتا ہے کہ کوئی آدمی کوئی نئی بدعت لے آئے وہ اس مطلق روایت پر اعتماد کرتا ہو اور اسے پتہ نہ ہو کہ وہ مقید ہے، اس سے

---

❶ تشہد کے مختلف صیغے "صفة الصلاة" (ص ۱۶۱-۱۶۴) میں دیکھیں، اور اسی طرح درود کے مختلف صیغے "صفة الصلاة" (ص ۱۶۴-۱۶۷) میں دیکھیں۔

ابوعبیدہ نے بیان کیا: ابن القیم نے اپنی کتاب "جلاء الأفهام" دسویں فصل: دعاؤں اور اذکار کے قاعدے میں (ص۴۵۳ اور بعد کے صفحات۔ تحقیقی) مفصل بیان کیا ہے، انہوں نے اذکار کے درمیان ایک ہی طرح کے الفاظ پڑھنے سے ممانعت کی تفصیل بیان کی ہے، اور انہوں نے ممانعت کے بارے میں چھ وجوہ بیان کی ہیں، جن میں ایک ہی طرح کے الفاظ کی پابندی کا مسئلہ نکلتا ہے جس کا شیخ نے یہاں حل نکالا ہے، یہ چیز قابل ذکر ہے کہ شیخ محمود لیس (متوفی ۱۳۶۷ھ بمطابق ۱۹۴۸ء) نے اپنی کتاب "الرحله الى المدينة" (ص۳۵) میں اس مسئلے کی خطا پر آگاہ فرمایا ہے، اور انہوں نے کلام کے بعد فرمایا: "......اس سے بھی زیادہ عجیب یہ ہے کہ ابراہیمی صیغے صحیح بخاری اور صحیح مسلم و دیگر کتب میں متعدد روایات سے روایت کیے گئے ہیں، ان میں یہ الفاظ نہیں جسے لوگ عام طور پر درود میں تشہد کے آخر پر پڑھتے ہیں۔"

مراد غیر تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنا ہے!

تشہد میں اس (انگلی) کے ساتھ اشارہ کرنے کے بارے میں صحیح مسلم میں دو حدیثیں آئی ہیں، ان میں سے ایک ابن عمر کی روایت ہے، اور دوسری ابن زبیر کی روایت ہے، ان دونوں میں سے ہر ایک کے دو طرح کے الفاظ ہیں مطلق اور مقید، یا مجمل اور مفصل: ''جب آپ نماز میں بیٹھتے تو اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھتے تھے، اور آپ انگشت شہادت کو اٹھاتے اور اس سے دعا کرتے ......'' یہاں بیٹھنا مطلق رکھا۔

اور دوسری روایت ہے، ''جب آپ تشہد میں بیٹھتے تھے، آپ بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر، اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر رکھتے......'' تو یہاں بیٹھنا تشہد کے ساتھ مقید کیا، اسی طرح ابن زبیر کی روایت کے اسی طرح کے الفاظ ہیں۔

لفظ اوّل "جلس" ''بیٹھے'' ہر طرح کے بیٹھنے کو شامل ہے، جیسا کہ دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا، دوسرے سجدے اور دوسری رکعت کے درمیان بیٹھنا جو علماء کے نزدیک جلسہ استراحت سے معروف ہے۔

میں کہا کرتا تھا: ہوسکتا ہے کہ ہم کسی کو ان دو جلسوں میں اپنی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے دیکھیں، تھوڑا ہی وقت گزرا تھا، حتیٰ کہ مجھے بتایا گیا کہ بعض طالب علم دو سجدوں کے درمیان اس (انگلی) سے اشارہ کرتے ہیں! پھر میں نے جامعہ اسلامیہ [1] سے فارغ التحصیل ایک صاحب کو، جس وقت انہوں نے ۱۴۰۴ھ میں میرے گھر میں مجھ سے ملاقات کی، یہ کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا! اور ہم تیسری بدعت کے ظاہر ہونے کے انتظار میں ہیں، اور وہ جلسہ استراحت میں اس (انگلی) کے ساتھ اشارہ کرنا ہے! پھر وہ بھی ہوا جس کا مجھے انتظار تھا، واللہ المستعان!

اس طرح کے اختصار سے ہر جلوس (بیٹھتے وقت) میں اشارہ کرنے کا وہم وائل کی حدیث سے بھی ہوا ہے، عاصم بن کلیب عن ابیہ کی روایت سے، وہ ''مسند احمد'' (۳۱۶/۴-۳۱۹) میں دو وجوہ پر ہے:

۱......تشہد کی تقیید کے بغیر مطلق طور پر اشارہ:

اسے انہوں نے (۱۱۶/۴-۱۱۷) شعبہ کے طریق سے یوں نقل کیا ہے:

''اور انہوں نے اپنی بائیں ران بچھائی، اور اپنی انگشت شہادت سے اشارہ کیا۔''

اور اسی طرح ابن خزیمہ نے اپنی صحیح (۳۴۵/۱، ۶۹۷) میں اسے روایت کیا، لیکن انہوں نے اس کے آخر میں فرمایا:

''یعنی: تشہد میں بیٹھنے کے وقت۔'' یہ تفسیر یا تو وائل کی طرف سے ہے یا اس کے کسی راوی کی طرف سے،

---

[1] یہ جامعہ ہمارے ہاں ''مدینہ یونیورسٹی'' کے نام سے معروف ہے۔ (شہباز حسن)

اوّل راجح ہے، جو بیان ہوگا۔

"المسند" (٤/ ٣١٦) میں ان کے الفاظ سے عبدالواحد کی روایت سے یہ الفاظ ہیں:

''جب آپ بیٹھے تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں بچھایا...... اور اپنی انگشت شہادت سے اشارہ کیا۔''

اور ان کی (۳۱۸،۳۱۷/۴) سفیان ......ثوری ...... نے متابعت کی ہے، اور زہیر بنُ معاویہ نے ان کی متابعت کی ہے، طبرانی (۲۲/ ۷۸، ۸۳، ۸۴، ۸۵ اور ۹۰) نے ان دونوں کے طریق سے اور دوسروں کے طریق سے اسے روایت کیا۔

۲......تشہد مشروط اشارہ:

وہ''المسند" (٤/ ٣١٩) میں شعبہ سے دوسرے طریق سے یوں مروی ہے:

''جب آپ تشہد کے لیے بیٹھے...... آپ نے اپنی انگشت شہادت سے اشارہ کیا، اور درمیانی انگلی کے ساتھ حلقہ بنایا۔''

اس کی سند صحیح ہے، ابن خزیمہ (۶۹۸) نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ ابوالاحوص نے طحاوی کے ہاں "شرح المعانی" (١/ ١٥٢) میں اور طبرانی نے "المعجم الکبیر" (٢٢/ ٣٤/ ٨٠) میں اس کی متابعت کی ہے، اور یہ اضافہ نقل کیا ہے:

''پھر دوسری سے اشارہ کرنے لگے۔''

اور زائدہ بن قدامہ نے ان دونوں کی ان الفاظ سے متابعت کی ہے:

''آپ نے ایک حلقہ بنایا، پھر اپنی انگلی اٹھائی، میں نے آپ کو اسے حرکت دیتے ہوئے اور اس کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے دیکھا۔''

اصحاب السنن میں سے ''ابو داود ودیگر نے اسے روایت کیا، احمد (۳۱۸/۴) اور طبرانی (۲۲/ ۳۵/ ۸۲) نے روایت کیا، ابن خزیمہ، ابن حبان، ابن الجارود، النووی اور ابن القیم نے اسے صحیح قرار دیا، اور وہ صحیح ابوداود (۷۱۷) میں منقول ہے۔

اور ابو عوانہ نے اسی طرح ان کی متابعت کی ہے، اور اس میں ہے:

''پھر آپ نے اشارہ کیا/آپ نے دعا کی۔''

طبرانی (۲۲/ ۳۸/ ۹۰) نے اسے روایت کیا۔

اور ابن ادریس نے اسی کی مثل۔

او[illegible] ابن حبان ([illegible]) نے اسے روایت کیا۔

سلام بن سلیم نے طیالسی (۱۰۲۰) کے ہاں۔

طحاوی نے ابو احوص کی گزشتہ روایت کے بعد فرمایا:

''اس میں اس پر دلیل ہے کہ وہ نماز کے آخر میں تھا۔''

میں نے کہا: یہ ابو عوانہ کی روایت میں، جس کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا ہے، صریح ہے، کہ انہوں نے کہا:

''پھر سجدہ کیا، اپنے ہاتھوں کے درمیان سر رکھا، پھر دوسری رکعت پڑھی، پھر بیٹھے، بایاں پاؤں پھیلایا، پھر دعا کی اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھا، اور دائیں ہاتھ کو دائیں گھٹنے پر، اور انگشت شہادت سے اشارہ کیا۔''

اس کی اسناد صحیح ہے۔

اسی طرح سفیان ابن عیینہ کی روایت ہے، جو یوں ہے:

''جب دو رکعتوں میں بیٹھے، آپ نے بایاں پاؤں بچھایا اور وایاں کھڑا کیا، وایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھا، اشارے کے لیے اپنی انگلی کھڑی کی، اور اپنا بایاں ہاتھ اپنی بائیں ٹانگ پر رکھا۔''

امام نسائی نے (۱/۳/۱۷۳) صحیح سند سے اسے روایت کیا، اور حمیدی (۸۸۵) نے اسی کی مانند۔

میں نے کہا: ان صحیح روایات سے واضح ہوا کہ انگلی کے ساتھ حرکت دینا یا اشارہ کرنا وہ تشہد کے بیٹھنے میں ہے، مطلق بیٹھنا تشہد میں بیٹھنے کے ساتھ مقید ہے، اور روایات کے درمیان جمع و تطبیق کا یہی تقاضا ہے، اور مطلق کو مقید پر محمول کرنے کا قاعدہ اصول فقہ کے علم میں طے شدہ ہے، اسی لیے میری معلومات کے مطابق نماز میں مطلق اشارہ کرنے کے بارے میں سلف میں سے کسی ایک کا بھی قول وارد نہیں ہے اور نہ ہر بیٹھتے وقت، اسی کی مثل سینے پر ہاتھ باندھنے کے بارے میں کہا جائے گا، وہ رکوع سے پہلے قیام میں ہے، [1] اور یہ اسی مذکورہ قاعدے کے مطابق ہی ہے۔ (کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا)

اگر کوئی یہ کہے: عبدالرزاق نے ثوری کے حوالے سے عاصم بن کلیب سے ان کی گزشتہ اسناد کے ذریعے وائل سے روایت کیا...... انہوں نے حدیث ذکر کی اور بیٹھنے میں پاؤں بچھانے کا ذکر کیا، انہوں نے کہا:

''پھر انہوں نے اپنی انگشت شہادت سے اشارہ کیا، انگوٹھے کو درمیانی انگلی پر رکھا، اس سے حلقہ بنایا اور اپنی باقی انگلیاں بند کیں، پھر سجدہ کیا اور آپ کے ہاتھ کانوں کے مقابل تھے۔''

تو یہ اپنے ظاہر سے اس پر دلالت کرتا ہے کہ اشارہ دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے میں تھا۔ اس لیے کہ انہوں نے اشارے کا ذکر کرنے کے بعد کہا:

---

[1] یعنی رکوع کے بعد قومے میں ہاتھ باندھنا درست نہیں۔ (شہباز حسن)

''پھر سجدہ کیا''

میں کہتا ہوں: جی ہاں عبدالرزاق نے اسے اپنی ''مصنف'' (۲/۶۸-۶۹) میں روایت کیا ہے، ان سے امام احمد (۴/۳۱۷) نے اسے روایت کیا، اور طبرانی نے "المعجم الکبیر" (۲/ ۳٤-۳٥) میں روایت کیا، اور شیخ حبیب الرحمٰن الاعظمی نے اس پر اپنی تعلیق میں کہا:

اربعہ، [1] امام ترمذی کے علاوہ نے اور بیہقی نے اسے متفرق ابواب میں نقل کیا ہے۔''

یہ زعم باطل ہے، وہ اس کے موجب تحقیق سے غفلت پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ ان (مذکورہ ائمہ) میں سے کسی ایک کے ہاں اس کا اشارہ کے بعد ''پھر سجدہ کیا'' کا تذکرہ نہیں ہے، بلکہ انہیں روایت کرنے میں عبدالرزاق کا ثوری سے تفرد ہے، اور محمد بن یوسف الفریابی نے اس کی مخالفت کی ہے، وہ ثوری کے ساتھ رہے۔ لیکن انہوں نے مذکورہ سجدے کا ذکر نہیں کیا، طبرانی (۲۲/۳۳/۷۸) نے اسے ان سے روایت کیا۔

عبداللہ بن الولید نے اس کی متابعت کی، سفیان نے مجھے حدیث بیان کی......

احمد (۴/ ۳۱۸) نے اسے نقل کیا اور ابن الولید صدوق ہے کبھی غلطی کرتا ہے، اس کی وہ روایت جس کی الفریابی نے متابعت کی ہے وہ عبدالرزاق کی روایت سے زیادہ راجح ہے، خاص طور پر جبکہ انہوں نے اس کے ترجمے (تعارف) میں ذکر کیا کہ اس کی روایات ہیں جن کا انکار کیا گیا ہے: اس کی روایات میں سے ایک روایت ثوری سے مروی ہے۔ ابن حجر کی ''تہذیب'' اور ذہبی کی ''میزان'' دیکھیں، لہٰذا یہ اضافہ اس کا وہم ہے۔

اس کی تاکید اس طرح بھی ہوتی ہے، کہ ثوری نے اس کی محفوظ روایت، جسے بہت سے ثقات حفاظ نے جمع کیا، کی متابعت کی ہے، ان میں سے عبدالواحد بن زیاد، شعبہ، زائدہ بن قدامہ، بشر بن مفضل، زہیر بن معاویہ، ابوالاحوص، ابوعوانہ، ابن ادریس، سلام بن سلیمان، اور سفیان بن عیینہ وغیرھم، ان تمام محدثین نے وائل کی روایت میں یہ اضافہ ذکر نہیں کیا، بلکہ ان میں سے بعض نے اسے اشارے کی قبیل سے ذکر کیا، مثلاً بشر اور ابوعوانہ و دیگر، ان دونوں کے الفاظ بیان ہو چکے ہیں، اور ان میں سے بعض نے صراحت کی کہ اشارہ تشہد کے بیٹھنے میں ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

اور یہی صحیح ہے جسے محدثین اور فقہاء میں سے جمہور علماء نے لیا ہے، اور میں کسی کو نہیں جانتا کہ کسی نے دو سجدوں کے درمیان اس (اشارہ کرنے) کی شرعیت کے متعلق کہا ہو، البتہ ابن القیم ہیں کہ ان کے ''زاد المعاد'' میں کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عبدالرزاق کی روایت کے مطابق ہے، ہوسکتا ہے کہ جامعہ اسلامیہ کا وہ طالب علم جس کی طرف میں نے پہلے اشارہ کیا اس نے اس میں ان کی تقلید کی ہو، یا اس نے علماء معاصرین میں سے کسی کی تقلید

[1] علوم حدیث میں اربعہ سے امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ مراد ہوتے ہیں۔ (شہباز حسن)

کی ہو جس نے ان کی تقلید کی، میں نے اس (طالب علم) پر اور دیگر طلباء پر عبدالرزاق کی روایت کے شذوذ کے بارے میں بیان کیا جو مجھ سے رجوع کرتے ہیں، ان میں سے کسی نے عرب ممالک میں معروف علماء میں سے کسی عالم کے بارے میں بتایا کہ وہ عبدالرزاق کی اس روایت پر عمل کرتے ہیں اور اس سے دلیل لیتے ہیں! یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ انہیں اس علم سے کوئی اختصاص نہیں، اور اسی چیز نے اس تخریج وتحقیق کی کتابت وتحریر پر مجھے مجبور کیا، تو اگر میں نے درست تحقیق کی تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور اگر میں نے غلطی کی ہے تو وہ میری طرف سے ہے۔ میں مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ان مسائل میں، جن میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے، حق کی طرف ہماری راہنمائی فرمائے، کیونکہ وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف گامزن کر دیتا ہے، اور ہر قسم کی تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ پھر ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحيحة" (٥/ ٣١٣-٣١٤) سے حدیث رقم (٢٢٤٨) کے لیے یہ عنوان: ''صرف تشہد میں انگلی سے اشارہ'' قائم کر کے فرمایا:

اور انہوں نے حدیث ذکر کی اور وہ یہ ہے:

''جب آپ دو رکعت یا چار رکعت پڑھ کر بیٹھتے تو آپ اپنے ہاتھ گھٹنوں پر رکھتے، پھر اپنی انگلی سے اشارہ فرماتے تھے۔''

نسائی (١٧٣/١) اور بیہقی (١٣٢/٢) نے ابن المبارک سے دو طرق سے اسے روایت کیا، انہوں نے کہا: مخرمہ بن بکیر نے مجھے بتایا، انہوں نے کہا: عامر بن عبداللہ بن زبیر نے اپنے والد کے حوالے سے ہمیں بیان کیا، انہوں نے کہا: انہوں نے اسے مرفوعا روایت کیا۔

میں نے کہا: یہ مسلم کی شرط پر اسناد صحیح ہیں، انہوں نے (٩٠/٢) اسے ابن عجلان عن عامر کے طریق سے اسی طرح یوں نقل کیا:

''جب آپ بیٹھتے تو اشارہ کرتے تھے.....'' اس میں دو یا چار کا ذکر نہیں، اور یہ اہم فائدہ ہے جو غیر تشہد میں انگلی کے ساتھ اشارہ کرنے کی بدعت کا تقاضا کرتا ہے، میں نے اسی لیے لوگوں کو بتانے کے لیے اس کی تخریج کا خصوصی اہتمام کیا ہے۔

احمد (٣/٤) نے اسے یوں روایت کیا:

''جب آپ تشہد میں بیٹھتے تھے تو آپ دایاں ہاتھ دائیں ران پر، اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھتے، اور انگشت شہادت سے اشارہ کرتے، اور آپ کی نظر آپ کے اشارے کی جگہ سے تجاوز نہیں کرتی تھی۔''

اس حدیث میں تشہد میں بیٹھنے میں انگلی سے اشارہ کرنے کی مشروعیت ہے، رہا وہ اشارہ جو آج بعض لوگ دو سجدوں کے درمیان کرتے ہیں، تو اس کی کوئی اصل نہیں بجز وائل بن حجر کی روایت کے جو کہ مصنف عبدالرزاق کی

روایت میں ہے، اور وہ شاذ ہے جیسا کہ اس کا بیان گزرا......وہ ایسا بیان ہے جسے تم کسی دوسری جگہ نہیں دیکھو گے، اس کی توفیق پر اللہ کا شکر ہے، اور میں اس کے فضل سے مزید کی درخواست کرتا ہوں۔

۱۲......اشارے کے بعد انگلی رکھنا، یا اسے نفی واثبات کے وقت کے ساتھ مقید کرنا

اس کی سنت میں کوئی اصل نہیں، بلکہ وہ اس حدیث ❶ کی دلالت کے لحاظ سے اس (سنت) کے مخالف ہے۔
"صفة الصلوة" (ص۱۵۸)

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "المشکاۃ" (۱/ ۲۸۵)❷ میں حدیث رقم (۹۰۶) پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا، اور اس کی نص یہ ہے: ابن عمر نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشہد میں بیٹھا کرتے تھے، آپ اپنا بایاں ہاتھ اپنے بائیں گھٹنے پر رکھتے اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر رکھتے تھے، اور آپ ترپن ❸ (۵۳) کی گرہ لگاتے اور انگشت شہادت سے اشارہ کرتے تھے۔

اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا، حدیث سے ظاہر ہے کہ اشارہ اور رفع (انگلی اٹھانا) بیٹھنے کے بعد ہے، یہ جو کہا جاتا ہے کہ "لا الہ" کہنے پر انگلی اٹھائی جائے۔ جبکہ دوسرے مذہب میں ہے: "الا اللہ" پر اٹھائی جائے، یہ ہر ایک رائے ہے سنت سے اس پر کوئی دلیل نہیں، اور ابن حجر فقیہ کا قول، جیسا کہ انہوں نے اسے "المرقاۃ" میں نقل کیا، جو یہ ہے: اور مسنون ہے...... یہ کہ انگلی اٹھانے کو "الا اللہ" کے ساتھ مخصوص کیا جائے، جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے، وہ محض وہم ہے، کیونکہ اس کے لیے کوئی اصل نہیں، صحیح مسلم میں نہ اس کے علاوہ کتب السنۃ میں، صحیح اسناد سے نہ ضعیف سے، نہ ہی موضوع سے، اور اس کے مثل انگلی کو اٹھانے کے بعد رکھ دینے کے بارے میں کوئی اصل نہیں، بلکہ آنے والی حدیث (المشکاۃ (۹۰۷) وغیرہ کا ظاہر اس کو سلام پھیرنے تک حرکت کرنے

---

❶ وہ حدیث ہے: "آپ اپنی انگلی اٹھاتے تھے، اسے حرکت دیتے تھے اور اس کے ساتھ دعا اشارہ کرتے تھے۔"
شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا: پس اس (حدیث سابق) میں دلیل ہے کہ سلام پھیرنے تک اشارہ اور اسے حرکت دیتے رہنا چاہیے! کیونکہ دعا اس سے ہے، وہ (امام) مالک ودیگر کا مذہب ہے، احمد سے سوال کیا گیا: کیا آدمی نماز میں انگلی سے اشارہ کرے گا؟ انہوں نے فرمایا: "ہاں، سختی کے ساتھ۔" ابن ہانی نے اسے احمد سے مسائل احمد بن حنبل (ص۸۰) میں ذکر کیا۔
میں نے کہا: اس سے واضح ہوتا ہے کہ تشہد میں انگلی کو حرکت دینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ سنت ہے، ائمۃ السنۃ میں سے احمد ودیگر نے اس پر عمل کیا ہے، ان لوگوں کو اللہ سے ڈرنا چاہیے جو کہتے ہیں کہ وہ عبث ہے یہ نماز کے شایان شان نہیں، پس وہ اس وجہ سے اسے حرکت نہیں دیتے حالانکہ انہیں اس کے ثبوت کا علم ہے، اور وہ اس کی تاویل میں تکلف کرتے ہیں جس پر اسلوب عربی دلالت نہیں کرتا، اور ائمہ ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ "صفة الصلوة" (ص۱۵۸۔۱۵۹)

❷ هداية الرواة الى تخريج احاديث المصابيح والمشكوة ۱/ ۴۰۸.

❸ وہ (ترپن کی گرہ) اس طرح کہ انگشت شہادت کے علاوہ تینوں انگلیاں بند کر لی جائیں، انگشت شہادت کو چھوڑ دیا جائے اور انگوٹھے کو انگشت شہادت کی جڑ سے ملا دیا جائے۔ (منہ)

پر دلالت کرتا ہے، جیسا کہ مالک کا مذہب ہے، دیکھیں "صفة صلوة النبی ﷺ" (ص ۱۱۸۔۱۱۹)۔

۱۳......نماز کے دوران میں نبی ﷺ پر درود میں لفظ ''سیدنا'' کا اضافہ

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صفة الصلاة" (ص۱۷۲۔۱۷۳) میں "فوائد مهمة فی الصلوة علی نبی الأمة ﷺ" کے عنوان کے تحت فرمایا:

تیسرا فائدہ:......قاری دیکھے گا کہ درود کے الفاظ میں لفظ ''سیدنا'' نہیں ہے، اسی لیے متاخرین نے درود ابراہیمی میں اس کے اضافے کی مشروعیت میں اختلاف کیا ہے، اب اس کی تفصیل کا وقت نہیں، اور جس نے اس کی عدم مشروعیت کو اختیار کیا اس کا ذکر کیا۔ اور یہ نبی ﷺ کی کامل تعلیم کی اتباع کی وجہ سے ہے جو آپ نے اپنی امت کو دی جس وقت آپ ﷺ سے آپ پر صلاۃ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے ان الفاظ کے متعلق حکم دیتے ہوئے جواب دیا: ''کہو: اللهم صل علی محمد......" لیکن میں یہاں اس بارے میں قارئین محترم کی خدمت میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی رائے پیش کرنا چاہتا ہوں، اس اعتبار سے کہ وہ حدیث وفقہ کے درمیان جمع و تطبیق کرنے والے شوافع کے کبار علماء میں سے ایک ہیں، جبکہ متاخرین شوافع کے ہاں اس معزز تعلیم نبوی کی مخالفت عام ہوگئی ہے!

حافظ محمد بن محمد الغرابیلی (۷۹۰۔۸۳۵) نے، جو ابن حجر کے ساتھ رہے ہیں، فرمایا:

''آپ (یعنی: حافظ ابن حجر) سے نماز میں یا نماز کے علاوہ نبی ﷺ پر درود کے حوالے سے سوال کیا گیا، خواہ اس کے وجوب کے حوالے سے کہا گیا یا اس کے منسوب ہونے کے حوالے سے، کیا اس (صلوۃ) میں مشروط ہے کہ آپ ﷺ کے لیے سیدنا کے الفاظ استعال کیے جائیں، گویا کہ وہ مثلاً یوں کہے: "اللهم صل علی سیدنا محمد" یا اللهم صل علی سید الخلق یا "علی سید ولد اٰدم" ؟ یا صرف اس پر اکتفا کیا جائے گا: ''اللهم صل علی محمد"؟ دونوں میں سے کون سا افضل ہے؟ لفظ سیّدنا کے ساتھ پڑھنا اس لیے کہ وہ آپ ﷺ کی ثابت شدہ صفت ہے، یا اس (لفظ سیّدنا) کے بغیر کیونکہ وہ آثار میں وارد نہیں؟

تو آپ......اللہ ان پر راضی ہو...... نے جواب دیا:

جی ہاں! الفاظ ماثورہ کی اتباع زیادہ راجح ہے، یوں نہیں کہا جائے گا، ہوسکتا ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ سے تواضع کے طور پر اسے ترک کر دیا ہو، جیسا کہ آپ ﷺ نے اپنے ذکر کے وقت ﷺ نہیں کہا، جبکہ آپ کی امت اس (ﷺ) کے کہنے پر مامور ہے کہ جب بھی آپ کا ذکر کیا جائے تو ﷺ کہا جائے گا، ہم کہیں گے: اگر یہ راجح ہوتا تو یہ صحابہ پھر تابعین سے منقول ہوتا، ہمیں صحابہ اور تابعین میں سے کسی ایک کے آثار کے حوالے سے معلوم نہیں ہوا کہ انہوں نے یہ (سیدنا) کہا ہو، حالانکہ اس بارے میں ان سے کثرت سے وارد ہے، امام شافعی

ہیں ......اللہ ان کے درجات بلند فرمائے...... وہ نبی ﷺ کی لوگوں سے بڑھ کر تعظیم کرتے تھے، انہوں نے اپنی اس کتاب کے خطبہ میں، جو کہ ان کے مذہب کے پیروکاروں کے لیے ایک سہارا ہے، کہا: "اللهم صل علی محمد" آخر تک جہاں تک ان کے اجتہاد نے انہیں پہنچایا اور وہ ان کا قول ہے: جب بھی ذکر کرنے والے ان کا ذکر کریں، اور جب بھی ان کے ذکر سے غفلت برتنے والے غفلت برتیں، گویا کہ انہوں نے اسے اس صحیح حدیث سے استنباط کیا ہے جس میں ہے: "سبحان اللّٰه عدد خلقه" پاک ہے اللہ اپنی مخلوق کی تعداد کے بقدر۔'' آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے ام المومنین سے فرمایا: جبکہ آپ نے انہیں دیکھا کہ انہوں نے بہت زیادہ تسبیح کی ہے اور اسے لمبا کر دیا ہے، ''میں نے تمہارے بعد چند کلمات کہے ہیں، اگر ان کا اس سے وزن کیا جائے جو تم نے کہا ہے تو وہ ان پر بھاری ہو جائیں گے۔'' آپ نے اس کا ذکر کیا، اور آپ ﷺ کو جامع دعا پسند ہوتی تھی۔

قاضی عیاض نے اپنی کتاب "الشفاء" میں نبی ﷺ پر صلاۃ کی کیفیت کے بارے میں ایک باب قائم کیا ہے، اور انہوں نے اس میں صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت سے مرفوع آثار نقل کیے ہیں، ان میں کسی بھی صحابی سے لفظ: ''سیدنا'' وارد نہیں۔''[1]

پھر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا:

''فقہ کی کتب میں مسئلہ مشہور ہے، اور ان سے غرض یہ ہے کہ تمام فقہاء میں سے جس نے بھی یہ مسئلہ ذکر کیا ہے، ان میں سے کسی کے کلام میں بھی لفظ ''سیدنا'' کا ذکر نہیں ہوا، اگر یہ اضافہ مندوب ہوتا، تو وہ ان سب پر مخفی نہ رہتا حتی کہ انہوں نے اسے نظر انداز کر دیا، اور ہر قسم کی بھلائی اتباع میں ہے، واللہ اعلم۔''

میں (البانی) نے کہا: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جو آپ ﷺ پر صلاۃ میں آپ ﷺ کو ''سیدنا'' کہنے کی عدم مشروعیت کو اختیار کیا ہے وہ معزز امر کی اتباع کے طور پر ہے، اور اسی پر حنفیہ ہیں، اسی پر تمسک ہونا چاہیے، کیونکہ وہ آپ ﷺ کی محبت پر دلیل صادق ہے، ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران: ۳۱) ''کہہ دیجیے، اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔''

اس لیے امام نووی رحمہ اللہ نے "الروضة" (۱/ ۲٦٥) میں فرمایا:

''نبی ﷺ پر کامل ترین درود "اللهم صل علی محمد...... الخ" ہے، تیسری قسم جو بیان ہوئی، اس

---

[1] یہاں پر حافظ ابن حجر کا کلام ختم ہو جاتا ہے۔

سے موافقت ہے، انہوں نے اس میں ''سیدنا'' کا ذکر نہیں کیا!

ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے کتاب "فضل الصلاة على النبي ﷺ" (ص ٥٦) میں یہ بیان کیا ہے:

حافظ نے آپ ﷺ پر درود میں آپ ﷺ کے لیے سیّدنا کا لفظ استعمال نہ کرنے کی مشروعیت کے بارے میں اپنے ایک فتوے میں اسے ذکر کیا، اور وہ ایک اہم فتوی ہے، انہوں نے اس میں سلف کے طریقہ اتباع کو اختیار کرنے اور بدعت کو ترک کرنے کی روش پر عمل کیا ہے، (یعنی صلاۃ پڑھتے وقت ''سیدنا'' نہیں کہنا چاہیے کیونکہ یہ ثابت نہیں۔)

۱۴......نماز کے دوران یا نماز کے علاوہ قنوت کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنا

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صفة الصلوة" (ص ۱۷۸) میں ''پانچوں نمازوں میں قنوت نازلہ'' کے عنوان کے تحت بیان کیا:

''آپ ﷺ جب کسی کے لیے بددعا کرنے یا کسی کے لیے دعا کرنے کا ارادہ فرماتے تھے...... اور آپ اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے۔''

شیخ رحمہ اللہ نے "صفة الصلوة" کے حاشیے میں ''اپنے ہاتھ اٹھاتے'' کے جملے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

رہا اس موقع پر چہرے پر ہاتھ پھیرنا تو اس بارے میں کوئی چیز وارد نہیں، وہ بدعت ہے، رہا نماز کے علاوہ تو وہ صحیح نہیں، اور اس بارے میں جو بھی روایت کیا گیا ہے وہ ضعیف ہے، جبکہ ان میں سے بعض بعض سے زیادہ ضعیف ہیں، جیسا کہ میں نے اسے "ضعيف ابی داود" (۲٦۲) اور "احاديث الصحيحة" (۵۹۵) (مسودے میں ۵۹۷ ہے) میں ثابت کیا ہے، اسی لیے عز بن عبدالسلام نے اپنے کسی فتوے میں کہا ہے: ''اسے صرف جہلاء کرتے ہیں''!

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحيحة" (۲/ ١٤٤) میں حدیث رقم (۵۹۵) کے تحت بیان کیا، اور ان احادیث (دیکھیں، "ارواء" رقم (٤٣٤،٤٣٣) کو ضعیف قرار دیا جن میں دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنے کا حکم ہے:

گویا کہ عز بن عبدالسلام نے اسی لیے کہا: ''(دعا کے بعد) چہرے پر صرف جاہل ہی ہاتھ پھیرتے ہیں۔'' پس مناوی کا اس پر اعتراض اپنی جگہ پر نہیں، یہ کس طرح ہوسکتا ہے جب کہ یہ اضافہ اگر سند کے لحاظ سے ضعیف ہو تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں، کیونکہ وہ شرعی حکم کو متضمن ہے، اور مسح مذکور کا استحباب ہے، پس کس طرح جبکہ وہ انتہائی ضعیف ہے؟!

پھر ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے "الصحيحة" (۲/ ١٤٥) میں اشارہ کیا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے "الفتاوى" (۲۲/ ٥١٤-٥١٩) میں اس (چہرے پر) ہاتھ پھیرنے والی روایت کے ضعف کی طرف اشارہ

کیا ہے، اور انہوں نے فرمایا:

''اس میں صرف ایک یا دو حدیثیں ہیں جو قابل حجت نہیں۔''

اور ہمارے شیخ الالبانی رحمہ اللہ نے حدیث رقم (۴۳۴) کے تحت جو کہ "الارواء" (۲/ ۱۸۰۔۱۸۲) سے ہے، فرمایا:

ابن نصر نے کہا:

''میں نے اسحاق کو ان احادیث ❶ پر عمل کرنے کو مستحسن قرار دیتے ہوئے دیکھا، رہے احمد بن حنبل ابوداود نے مجھے بیان کیا، انہوں نے کہا: میں نے احمد سے سنا، جبکہ اس آدمی کے متعلق سوال کیا گیا جو وتر سے فارغ ہونے کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: میں نے اس بارے میں کوئی چیز نہیں سنی، اور میں نے احمد کو دیکھا وہ اس طرح نہیں کرتے تھے۔ ❷

ابن نصر نے بیان کیا: یہ عیسیٰ بن میمون جس نے ابن عباس کی حدیث روایت کی ان میں سے نہیں جس کی روایت قابل حجت ہو، اسی طرح صالح بن حسان ہے، مالک سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو دعا کے وقت اپنے ہاتھ چہرے پر پھیرتا ہے، تو انہوں نے اس پر اعتراض کیا اور فرمایا:

مجھے علم نہیں، اور عبداللہ (بن مبارک) سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو ہاتھ پھیلا کر دعا کرتا ہے پھر انہیں چہرے پر پھیر لیتا ہے؟

انہوں نے فرمایا: سفیان نے اسے ناپسند کیا ہے۔''

تنبیہ...... : مصنف ❸ نے اس حدیث کو اور اس سے پہلی حدیث کو ان سے اس پر استدلال کرتے ہوئے کہ نمازی دعائے قنوت میں اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرے گا، اور نماز کے علاوہ بھی، نقل کیا، اور جب آپ نے ان دونوں حدیثوں کے ضعف کو جان لیا تو پھر ان دونوں سے استدلال کرنا صحیح نہیں، خاص طور پر جبکہ احمد کا موقف و مذہب اس کے خلاف ہے جیسا کہ آپ نے دیکھا، اور بیہقی نے فرمایا:

''رہا دعا سے فارغ ہو کر ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنا تو میں نے اسے دعائے قنوت میں سلف میں سے کسی سے یاد نہیں کیا، اگرچہ ان میں سے بعض سے نماز کے علاوہ دعا کے متعلق مروی ہے، اس بارے میں نبی ﷺ سے ایک روایت میں مروی ہے اس میں ضعف ہے، اور وہ بعض کے نزدیک نماز کے

---

❶ دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنے کے متعلق احادیث۔ دیکھیں "الارواء" (٤٣٣، ٤٣٤)

❷ مسائل الامام احمد لابی داؤد (ص:۷۱) (منہ)۔ میں کہتا ہوں: 'الارواء' میں اسی طرح لا یضله کے الفاظ ہیں جبکہ درست یفعله ہے جیسا کہ 'مطبوعة المسائل' میں ہے۔

❸ یعنی 'منار السبیل' کے مصنف، وہ دونوں حدیثیں رقم: ۴۳۳، ۴۳۴ ہیں۔

علاوہ مستعمل ہے، رہا نماز میں تو وہ ایک ایسا عمل ہے جو صحیح خبر سے ثابت ہے نہ ثابت شدہ اثر سے اور نہ ہی قیاس سے، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اس عمل کو نہ کیا جائے، اور صرف اسی پر اکتفا کیا جائے جسے سلف، اللہ ان پر راضی ہو، نے کیا ہے وہ ہے نماز میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اور پھر انہیں چہرے پر نہ پھرنا۔''

قنوت نازلہ میں رفع الیدین رسول اللہ ﷺ سے آپ کی ان مشرکین کے لیے بددعا کے حوالے سے ثابت ہے جنہوں نے ستر قراء کو شہید کر دیا تھا، امام احمد (۱۳۷/۳) نے اور طبرانی نے "الصغیر" (ص ۱۱۱) میں انس کی روایت سے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اور اسی کی مثل قنوت وتر میں عمر اور دیگر (صحابہ) سے ثابت ہے۔

رہا قنوت میں چہرے پر ہاتھ پھیرنا تو وہ مطلق طور پر آپ ﷺ سے ثابت ہے نہ آپ کے اصحاب میں سے کسی سے، لہٰذا وہ یقینی طور پر بدعت ہے۔

اور رہا ان کا (ہاتھوں کا چہرے پر) نماز کے علاوہ (دعا کے ساتھ) پھیرنا تو اس بارے میں صرف یہ اور اس سے پہلے والی حدیث ہے، اور وہ قول صحیح نہیں کہ ان دونوں میں سے ایک اپنے تمام طرق سے دوسری حدیث کو تقویت پہنچاتی ہے۔ جیسا کہ مناوی نے کیا' اس شدت ضعف کی وجہ سے جو طرق میں ہے' اسی لئے نووی نے "المجموع" میں بیان کیا: وہ مندوب نہیں' انہوں نے عز بن عبدالسلام کی متابعت میں کہا، اور انہوں نے بیان کیا: اسے صرف جاہل شخص ہی کرتا ہے۔

اور یہ بھی اس کے عدم مشروع ہونے کی تائید کرتا ہے کہ دعا میں ہاتھ اٹھانے کے بارے میں بہت سی صحیح احادیث آئی ہیں جبکہ ان میں سے کسی میں بھی ان (ہاتھوں) کو چہرے پر پھیرنے کا ذکر نہیں، یہ ان شاء اللہ اس کے منکر اور اس کی عدم مشروعیت پر دلالت کرتا ہے۔

تنبیہ......: سفارینی (۶۵۵/۱) کی "شرح ثلاثیات مسند الامام احمد" میں یہ بیان ہوا:

''صحیح بخاری میں انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے حوالے سے ہے، انہوں نے کہا:

''نبی ﷺ کا معمول تھا کہ جب آپ دعا میں ہاتھ اٹھاتے تو آپ انھیں واپس (نیچے) نہیں لاتے تھے حتیٰ کہ آپ انھیں اپنے چہرے پر پھیرتے۔''

میں نے کہا: یہ آپ رحمہ اللہ کا وہم ہے، انس کے حوالے سے بخاری میں روایت ہے نہ ان کے علاوہ کتب ستہ کے اصحاب (مؤلفین) سے مروی ہے۔

اور ہمارے شیخ نے حدیث: ''جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو اس سے سیدھے ہاتھوں سے سوال کرو......'' کے تحت بیان کیا اور اس کا ''صحیح الجامع'' میں ۵۹۳ نمبر ہے:

یہ اضافہ: ''انھیں اپنے چہروں پر پھیرو۔'' انتہائی کمزور ہے، اسی لیے عز بن عبدالسلام نے فرمایا:

''صرف جاہل شخص ہی (دعا کے بعد) اپنے ہاتھ چہرے پر پھیرتا ہے۔''

اور ہمارے شیخ نے "المشکاۃ" (۲/ ٦٩٦) ❶ میں حدیث رقم (۲۲۵۵) ❷ کے تحت بیان کیا:

دعا کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنے کے بارے میں کوئی حدیث صحیح ثابت نہیں، جیسا کہ میں نے اسے "ارواء الغلیل" رقم (۴۳۳ اور ۴۳۴) میں ثابت کیا ہے۔ ❸

۱۵......قنوت فجر

شیخ رحمہ اللہ نے "إرواء الغلیل" (۲/ ۱۸۲) حدیث رقم (۴۳۵) میں مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے جو کہ صحیح ہے قنوت فجر کی بدعت کے متعلق فرمایا:

''انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے کہا:

ابا جان! آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اور ابو بکر و عمر و عثمان و علی کے پیچھے اور یہاں کوفہ میں بھی تقریباً پانچ سال نمازیں پڑھی ہیں، کیا وہ فجر میں قنوت کیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: ''بیٹا! وہ ایک نیا کام ہے۔'' ❹

چہارم:......نماز کے بعد کی بدعات

۱.....فجر کی نماز کے بعد سات بار جہنم سے پناہ طلب کرنے کی بدعت اور اسی طرح یک زبان ہو کر بلند آواز سے اللہ سے جنت کا سوال کرنا

ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے "الصحیحۃ" (٦/ ۳۳) میں فرمایا:

---

❶ هداية الرواة الى تخريج احاديث المصابيح والمشكاة ٢/ ٤١٧.

❷ اس کی نص یہ ہے: ''جب آپ دعا کرتے تو ہاتھ اٹھاتے اور اپنے ہاتھ چہرے پر پھیرتے تھے۔''

❸ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ترمذی کی حدیث کو شواہد کی بنا پر صحیح قرار دیا ہے۔ جس سے دعا کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنا ثابت ہوتا ہے۔ مصنف عبدالرزاق (۱۲۳/۳) کی مرسل حدیث کے کئی شواہد موجود ہیں۔ امام اسحاق جیسے عظیم محدث کا عمل بھی اسی حدیث پر تھا۔ (قیام اللیل للمروزی ص: ۲۳۲) مشہور تابعی امام حسن بصری رحمہ اللہ سے بھی یہ عمل ثابت ہے۔ (ایضاً ص: ۲۳٦) مزید برآں ابن عمر اور عبداللہ زبیر رضی اللہ عنہما کے عمل (جس کے روایت کرنے والے صحیح بخاری کے راوی ہیں) سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے (دیکھئے: الادب المفرد، حدیث: ٦٠٩) لہٰذا اس عمل کو بدعت کہنا درست نہیں۔ جو لوگ وتر کی دعائے قنوت کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرتے ہیں ان کا عمل اس باب کی احادیث و آثار کے عموم پر ہے۔ لہٰذا اسے بدعت کہنا بھی محل نظر ہے۔ واللہ اعلم (شہباز حسن)

❹ اس کی تخریج "الإرواء" (٤٣٥) میں دیکھیں۔

دمشق وغیرہ میں بعض لوگوں نے فجر کی نماز کے بعد یک زبان ہو کر بلند آواز سے اس حدیث ❶ میں مذکور تسبیح پڑھنے کو معمول بنالیا ہے، اور میں اس کی سنت مطہرہ میں کوئی اصل جانتا ہوں نہ ہی ان کے لیے اس حدیث کا سہارا لینا درست ہے، کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ مطلق ہے، نماز فجر کے ساتھ مقید ہے نہ جماعت کے ساتھ، اور جس چیز کو الشارع الحکیم نے مطلق رکھا ہوا سے مقید کرنا جائز نہیں جس طرح اس چیز کو مطلق کرنا جائز نہیں جسے اس نے مقید کیا ہو، یہ سب شرع ہے جو العلیم الحکیم کے ساتھ خاص ہے۔ پس جو شخص اس حدیث پر عمل کرنا چاہے تو وہ دن یا رات کے کسی بھی وقت اس پر عمل کرے، نماز سے پہلے یا اس کے بعد اور یہ محض اتباع ہے اور اس میں اخلاص ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں عطا فرمائے۔

۲......نماز کے بعد امام کا دعا کرنا اور نمازیوں کا اس پر آمین کہنا

جیسا کہ آج بہت سے اسلامی ممالک میں اس کا معمول ہے۔ وہ بدعت ہے، اس کی کوئی اصل نہیں، امام شاطبی نے ''الاعتصام'' میں اس کی مفید شرح کی ہے، میں اس کی کوئی مثال نہیں جانتا، جو شرح وتفصیل چاہتا ہے وہ اس کی طرف رجوع کرے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اسے "الضعیفة" (٦/ ٦٠) میں بیان کیا ہے۔

۳......"ومنك السلام" پر "وإليك يرجع السلام فحينا ربنا بالسلام" کا اضافہ

ثوبان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار استغفر اللہ پڑھ کر یہ دعا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ، وَمِنْكَ السَّلَامُ، تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ." ❷

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "المشکاۃ" (١/ ٣٠٣) حدیث رقم (٩٦١) ❸ کے تحت، جو کہ الجزری سے ہے بیان کیا جو کہ درج ذیل ہے:

رہا وہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: ((وَمِنْكَ السَّلَامُ)) کے بعد "وإليك يرجع السلام، فحينا ربنا بالسلام، وأدخلنا دار السلام" کا اضافہ کیا جاتا ہے، تو اس کی کوئی اصل نہیں، بلکہ کسی قصہ گو کی پیداوار ہے۔

---

❶ وہ حدیث "الصحيحة" (٢٥٠٦) میں ہے "جو بندہ دن میں سات مرتبہ آگ (جہنم) سے پناہ طلب کرتا ہے تو آگ (جہنم) کہتی ہے: اے رب! تیرے فلاں بندے نے مجھ سے تیری پناہ طلب کی ہے پس تو اسے پناہ دے، اور جو بندہ اللہ سے دن میں سات مرتبہ جنت کا سوال کرتا ہے، تو جنت کہتی ہے: اے رب! تیرے فلاں بندے نے میرے بارے میں سوال کیا ہے، اسے جنت میں داخل فرما۔"

❷ صحيح مسلم، رقم ٥٩١، باب استحباب الذكر بعد الصلاة، وبيان صفته.

❸ هداية الرواة الى تخريج احاديث المصابيح والمشكاة: ١/ ٤٣٠

۴......نماز سے سلام پھیر کر سہو کے علاوہ سجدے کرنا

"الباعث على إنكار البدع والحوادث (ص ٤٢)، الإقتضاء" لابن تيمية (ص ١٤٠)، "حاشية ابن عابدين" (١/ ٧٣١).

ہمارے شیخ نے "الرد على التعقيب الحثيث" (ص ٤٩) میں اسے بیان کیا۔

۵...... ہر نماز کے بعد: "یا ارحم الراحمین......" کہنا

ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے "الضعيفة" (٢/ ١٨٢) میں بیان کیا:

گویا کہ یہ ضعیف حدیث وہ اصل ہے جسے اردن کے شہر عمان وغیرہ میں بہت سے نمازیوں نے ہر نماز کے بعد تین بار "يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ" کہنا معمول بنالیا ہے، اس کی سنت صحیحہ میں کوئی اصل نہیں۔ بلکہ وہ تو بہت سی صحیح سنتوں کو ضائع کردینے والا ہے جس کا ان میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ سلف میں سے جس نے کہا، سچ کہا: جب کوئی بدعت ایجاد ہوتی ہے تو کوئی سنت مٹادی جاتی ہے۔

٦......نمازوں کے بعد مصافحہ

"حاشية ابن عابدين" (٥/ ٣٦٦)، "المدخل" (٢/ ٢١٩)، "الرد على التعقيب الحثيث" (ص ٤٩).

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحيحة" (١/ ٥٣) میں فرمایا:

نمازوں کے بعد مصافحہ بدعت ہے، اس میں کوئی شک نہیں، [1] مگر یہ کہ وہ ان دو افراد کے درمیان ہو جو اس سے پہلے نہ ملے ہوں تو پھر سنت ہے۔

۷......سنت [2] کے بعد اللہ کا ذکر کرنا جبکہ فرض کے بعد نہ کرنا جب کہ اس کے متعلق صحیح احادیث آئی ہیں

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحيحة" (١/ ٢١١) میں حدیث رقم (١٠٢) کے تحت بیان کیا، اور اس کی نص یہ ہے:

"باری باری پڑھی جانے والی تسبیحات کو ہر فرض نماز کے بعد پڑھنے والا ناکام و نامراد نہیں ہوتا......"

میں نے کہا:

---

[1] علماء کی ایک جماعت نے اس کی صراحت کی ہے، ان میں سے عز بن عبد السلام ہیں۔ ان کا کلام ہم اپنے 'تسديد الاصابة' کے چوتھے مقالے میں پیش کریں گے۔ (منہ)

[2] یعنی سنت نماز

یہ حدیث اس پر نص ہے کہ یہ ذکر صرف فرض نماز کے فوراً بعد کیا جائے گا، اور اس کے مثل جو اس سے پہلے اوراد میں سے ہیں اور اس کے علاوہ، خواہ اس فرض نماز کے بعد سنتیں ہوں یا نہ ہوں، اور مذاہب میں سے جس نے اسے سنتوں کے بعد مقرر کیا ہے (حالانکہ اس کے پاس اس کے متعلق کوئی نص نہیں) وہ اس حدیث اور اس جیسی دیگر احادیث کے مخالف ہے، جو اس مسئلے میں نص کا درجہ رکھتی ہیں، والله ولي التوفيق.

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (۱/ ۳۸۰) میں حدیث رقم (۱۹۶) کے تحت بیان کیا:

اور اس حدیث [1] میں فرض نماز سے سلام پھیرنے کے بعد اس ذکر کی مشروعیت ہے، جو شخص فرض نماز کے بعد "اللهم انت السلام......" پر اضافہ کی عدم مشروعیت کا قائل ہے وہ اس کے فضل سے محروم ہے، اور جو اس کے علاوہ اوراد ہیں وہ صرف بعد والی سنتوں کے بعد کیے جائیں گے، اور اس حدیث میں ان پر صریح اور ناقابل تردید رد ہے:

پنجم:...... نفل نمازوں کی بدعات

اوّل:...... مشروع نفل نمازوں کی بدعات

۱۔ عام نفل نماز کی بدعات:

پہلی بات:...... نفل نماز کے لیے جماعت واجتماع کا رواج بنانا:

سید سابق رحمہ اللہ نے بیان کیا:

......"رہا نفل نماز میں جماعت تو وہ مباح ہے، خواہ افراد کم ہوں یا زیادہ......"

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "تمام المنة" (ص ۲۷۷) میں اس کلام کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

لیکن آپ ﷺ جو عام طور پر نفل پڑھا کرتے تھے وہ انفرادی طور پر تھے، اسی لیے میں سمجھتا ہوں کہ اس مذکورہ اباحت کو کبھی کبھار کے ساتھ مقید کیا جائے، ورنہ نفل نماز کے لیے اجتماع کا رواج بنانا آپ ﷺ کے عام معمول کے خلاف ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اسے "الفتاوٰی" (۲/ ۲-۳) میں ثابت کیا ہے۔

دوسری بات:...... نوافل کی نماز ہمیشہ اور استمرار کے ساتھ باجماعت پڑھنا:

ابن الصلاح رحمہ اللہ نے "المساجلة" (ص ۲۳-۲٤) میں صلاۃ الرغائب کے حوالے سے اپنا ردعمل اور دفاع کرتے ہوئے، کہ وہ جائز ہے، بیان کیا:

---

[1] اس کی نص ہے: "آپ اپنی ہر فرض نماز کے بعد (جس وقت سلام پھیرتے) یہ ذکر کیا کرتے تھے: ((لا الٰه الا الله وحده لا شريك له، له الملك، وله الحمد، وهو على كل شيء قدير.))

''اس ❶ کو ایک جماعت نے پڑھا، اس کے باوجود کہ نوافل میں جماعت، عیدین، سورج اور چاند گرہن کی نمازوں، نماز استسقاء، نماز تراویح اور اس کے وتروں کے ساتھ خاص ہے۔'' ❷

اور اس کا جواب کہ اس بارے میں یہ حکم، کہ جماعت صرف انہی چھ (قسم کی نمازوں) میں مسنون ہے، یعنی ان کے علاوہ نوافل میں جماعت سے روکا گیا ہے۔ ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "المساجلة" (ص ٢٤) کے حاشیے میں اس فہم کا ردّ کرتے ہوئے فرمایا: جب ان مذکورہ (چھ) نفل نمازوں کے علاوہ جماعت مسنون نہیں تو بدعت سے ممانعت کے متعلق دلائل کے عموم کے حوالے سے انھیں باجماعت نہیں پڑھنا چاہیے اور یہ معلوم ہے کہ جو شخص ان نوافل کو باجماعت پڑھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ایسا کرتا ہے، اگر یہ نہ ہوتو وہ انھیں انفرادی طور پر پڑھتا، جبکہ غیر مشروع چیز کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا جائز نہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض نوافل میں، نہ کہ سنن مؤکدہ میں، بسا اوقات جماعت کروانا مشروع ہوتا ہے، جیسا کہ انس، ابن عباس اور عتبان بن مالک کی روایت میں ہے۔

تیسری بات...... ہمیشہ یا زیادہ تر پوری رات نوافل پڑھتے رہنا

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صفة الصلاة" (ص ١٢٠) میں فرمایا:

اس حدیث ❸ اور اس کے علاوہ احادیث کے حوالے سے ہمیشہ یا زیادہ تر پوری رات جاگنا اور نوافل وغیرہ پڑھنا مکروہ ہے، اس لیے کہ وہ آپ ﷺ کی سنت کے خلاف ہے، اگر پوری رات جاگنا افضل ہوتا، تو آپ ﷺ اس پر ضرور عمل کرتے، (یاد رکھیں) ''بہترین طریقہ محمد کا طریقہ ہے۔'' ❹

٢۔ نماز تراویح کی بدعات:

ا: نماز تراویح بیس رکعت ہے:

ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے "صلاة التراويح" (ص ٣٥) میں ''اس اور اس کے علاوہ مسئلے میں ہمارے مخالفین کے حوالے سے ہمارا موقف'' کے عنوان کے تحت ایک فصل میں بیان کیا:

جب آپ نے یہ جان لیا، جس وقت ہم نے تراویح کی رکعتوں کی تعداد میں سنت پر اکتفا کیا اور اس (تعداد) پر اضافے کے عدم جواز کو اختیار کیا تو کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ ہم ان علماء سابقین و لاحقین کو گمراہ یا بدعتی قرار دیتے ہیں جو یہ موقف نہیں رکھتے......

---

❶ یعنی صلاۃ الرغائب ❷ یہ صلاۃ الرغائب کا ردّ کرنے والے کے حوالے سے ابن الصلاح کے بیان سے ہے۔

❸ یعنی حدیث کہ ''آپ ﷺ ساری رات نماز (نفل) نہیں پڑھتے تھے۔''

❹ یہ نبی کے خطبہ سے اقتباس ہے اس لیے فرمانِ پیغمبر کے مطابق اسم پیغمبر کو بغیر درود کے نقل کیا گیا ہے۔ (شہباز حسن)

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صلاۃ التراویح" (ص ۸۰) میں "علماء میں سے جس نے اس اضافے کا انکار کیا ان کا ذکر" کے عنوان کے تحت ایک فصل میں بیان کیا:

امام ابن العربی نے "شرح الترمذی" (۱۹/٤) میں عمر سے مروی متعارض ❶ روایات کی طرف اشارہ کرنے کے بعد فرمایا اور اپنی بات یہاں تک پہنچائی کہ تراویح کی رکعتوں میں کوئی محدود حد نہیں۔

"اور صحیح یہ کہ گیارہ رکعتیں پڑھی جائیں جو کہ نبی ﷺ کی نماز اور آپ کا قیام ہے، جو اس کے علاوہ تعداد ہے تو اس کی کوئی اصل ہے نہ اس میں کوئی حد ہے تو جب حد نہیں تو پھر نبی ﷺ جو پڑھتے تھے، وہ یہ کہ نبی ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، یہی نماز قیام اللیل ہے، لہٰذا واجب ہے کہ اس میں نبی ﷺ کی اقتدا کی جائے۔

اسی لیے امام محمد بن اسماعیل صنعانی نے "سبل السلام" میں صراحت کی ہے کہ تراویح میں بیس کی تعداد بدعت ہے، (۲/ ۱۱-۱۲) نے فرمایا:

"کوئی بھی بدعت قابل تعریف نہیں، بلکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔"

پھر ہمارے شیخ نے "صلاۃ التراویح" (ص ۸۱) میں بیان کیا۔

......اب ہمارے لیے کافی ہے کہ ہم قارئین کو صحابی جلیل عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے فرمان: "ہر بدعت گمراہی ہے خواہ لوگ اسے اچھا تصور کریں۔" کے ذریعے نصیحت کریں۔

ب: نماز تراویح کے لیے اذان:

"صلاۃ التراویح" (ص ۳۳).

۳۔ نماز عیدین کی بدعات

ا: مساجد میں نماز عیدین

شیخ البانی رحمہ اللہ نے شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ سے عید گاہ میں نماز عیدین پر ایک نفیس کلام نقل کیا ہے، جو ان کی ترمذی (۲/۴۲۱-۴۲۴) پر "صلاۃ العیدین" (ص ۲۷-۳۲) ❷ کے موضوع کے حوالے سے ان کی تعلیق ہے:

..."اور امام شافعی نے اپنی کتاب "الأم" (۱/ ۲۰۷) میں فرمایا:

---

❶ میں نے النقد والبیان فی دفع اوہام خزبران، (ص: ۷۵-۸۷) پر اپنی تعلیق میں ان روایات کو مکمل طور پر بیان کیا ہے۔ وللہ الحمد والمنة.

❷ فائدہ اور عدم طوالت کے لیے ہم نے (ص ۳۰-۳۲) "صلاۃ العیدین" کے حوالے سے بعض نقولات پر اکتفا کیا ہے جو ہمارے مقصود پر دلالت کرتی ہیں۔

''ہمیں روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں نماز عیدین کے لیے عید گاہ تشریف لے جایا کرتے تھے، اسی طرح جو آپ کے بعد آئے وہ اور دیگر ممالک کے باشندے، سوائے مکہ کے، کیونکہ ہمیں یہ روایت نہیں ملی کہ سلف میں سے کسی نے انھیں ان کی مسجد (مسجد حرام) کے علاوہ کسی اور جگہ عید نماز پڑھائی ہو، اور یہ میرا خیال ہے۔ واللہ اعلم۔ کیونکہ مسجد حرام دنیا کا بہترین ٹکڑا ہے، اس لیے انہوں نے پسند نہ کیا کہ امکانی حد تک اس کے علاوہ کسی اور جگہ نماز پڑھی جائے، میں نے یہ صرف اسی لیے کہا، کیونکہ مکہ میں گھروں کے اطراف میں ان کے لیے بہت کشادہ جگہ نہ تھی، اور میری معلومات کے مطابق انہوں نے نماز عید اور نماز استسقاء ہمیشہ اس میں پڑھی ہے، اگر کوئی شہر بہت آباد ہو جائے اور ان کی مسجد میں عید کی نماز پڑھنے کی گنجائش ہو تو میں نہیں سمجھتا کہ وہ وہاں سے باہر جائیں (اور کھلی جگہ جا کر نماز پڑھیں) اور اگر وہ باہر چلے جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں اور اگر وہ ان کے لیے کافی نہ ہو اور امام انھیں اس (مسجد) میں نماز عید پڑھائے تو میں اس کے اس فعل کو اچھا نہیں جانتا اور ان پر اعادہ نہیں اور جب کوئی بارش وغیرہ کا عذر ہو، میں اسے حکم دیتا ہوں کہ وہ مساجد میں نماز پڑھائے اور صحراء کی طرف نہ جائے۔''

علامہ ابن الحاج نے کتاب "المدخل" (ج ۲، ص ۲۸۳) میں فرمایا:

''نماز عیدین کے بارے میں پہلے لوگوں کی سنت یہ ہے کہ وہ عید گاہ میں ہو، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میری اس مسجد میں ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ دیگر مساجد کی ایک ہزار نماز سے افضل ہے۔''[1] پھر آپ ﷺ اس عظیم فضیلت کے باوجود عید نماز کے لیے عید گاہ تشریف لے گئے اور اس (مسجد نبوی) کو چھوڑ دیا، لہٰذا نماز عیدین کے لیے عید گاہ کی طرف جانے کے تاکیدی امر پر یہ واضح دلیل ہے، لہٰذا وہ سنت ہے اور مالک رحمہ اللہ کے مذہب و مسلک کے مطابق مسجد میں نماز عیدین پڑھنا بدعت ہے، مگر یہ کہ اس کے لیے وہاں کوئی ضروری سبب ہو تو پھر بدعت نہیں، نبی ﷺ نے اسے کیا نہ آپ کے بعد خلفاء راشدین میں سے کسی نے کیا، کیونکہ آپ علیہ السلام نے تو خواتین کو حکم فرمایا کہ وہ بھی نماز عیدین کے لیے جائیں اور آپ نے حیض والی اور پردہ نشین دوشیزاؤں کو بھی نماز عیدین کے لیے جانے کا حکم فرمایا تو ان (خواتین) میں سے کسی نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم میں سے کسی کے پاس اگر اوڑھنی نہ ہو، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: ''اس کی بہن اسے اپنی چادر/اوڑھنی عاریتاً دے دے، تاکہ وہ

---

[1] میں کہتا ہوں۔ اسے بہت سے طرق سے ابو ہریرہ سے شیخین (بخاری و مسلم) نے روایت کیا ہے۔ اس کے کئی شواہد ہیں۔ اسے ارواء الغلیل (۹۷۱، ۱۱۲۹) میں نقل کیا گیا ہے۔ (منہ)

بھی خیر اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہو۔'' ❶ جب آپ علیہ السلام نے ان (خواتین) کا نکلنا مشروع قرار دیا تو آپ نے اسلام کے شعار کے اظہار کے لیے نماز کو کھلے میدان میں پڑھنا مشروع قرار دیا۔''

تو سنت نبویہ جو صحیح احادیث میں وارد ہے وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز عیدین شہر کے باہر کھلی جگہ پر پڑھا کرتے تھے، ابتدائی دور میں اسی پر عمل ہوتا رہا ہے، وہ بارش وغیرہ کے علاوہ نماز عید مساجد میں نہیں پڑھا کرتے تھے، یہ چاروں اماموں اور ان کے علاوہ ائمہ اہل علم کا مذہب و مسلک ہے۔ رضوان اللہ علیہم۔ میں نہیں جانتا کہ کسی ایک نے اس میں مخالفت کی ہو۔ سوائے شافعی، اللہ ان پر راضی ہو، کا قول کہ انہوں نے مسجد میں نماز عید پڑھنے کو اختیار کیا جب کہ وہ مسجد اہل شہر کے لیے کافی ہو اور اس کے ساتھ ساتھ وہ کھلے میدان میں عید نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے، خواہ مسجد ان (اہل شہر) کے لیے کافی ہو، آپ نے، اللہ ان پر راضی ہو، صراحت کی کہ وہ مسجد میں نماز عیدین پڑھنے کو ناپسند کرتے ہیں جبکہ وہ شہر والوں کے لیے کافی نہ ہو، تو یہ صحیح احادیث اور ان کے علاوہ احادیث، پھر ابتدائی دور میں اس پر مسلسل عمل، پھر علماء کے اقوال، یہ سب اس پر دلالت کرتے ہیں کہ اب مساجد میں نماز عیدین پڑھنا بدعت ہے، حتیٰ کہ شافعی کے قول کے مطابق بھی کیونکہ ہمارے شہروں میں ایسی کوئی مسجد نہیں جو اس شہر کے رہنے والوں کے لیے کافی ہو۔'' شیخ احمد محمد شاکر رحمہ اللہ کا کلام ختم ہوا۔

ب: نماز عیدین کے لیے اذان:

"مختصر صحیح بخاری ❷ (۱/ ۲۹۵) رقم (۴۹۲)، "الرد علی التعقیب الحثیث" (ص ۴۴)، "صلاۃ التراویح" (ص ۳۳، ۴۴) اور حجۃ النبی ﷺ (۱۰۱) ❸

ج: نماز (یعنی: نماز عید) سے پہلے خطبہ اور اس میں بیٹھنا خلاف سنت ہے:

"الصحیحۃ" (۶/ ۱۱۴۴)"

۴۔ سورج/ چاند گرہن کی نماز کی بدعات:

الف: ...... سورج گرہن کی نماز اور طواف وغیرہ کے لیے غسل کرنا:

"الإبداع فی مضار الابتداع" (ص ۲۲)، "الرد علی التعقیب الحثیث". (ص ۵۰).

---

❶ ام عطیہ کی روایت سے شیخین نے اسے روایت کیا ہے۔ دونوں کی روایت میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ (م، ع)

❷ ۱/ ۲۳۵ رقم: ۵۱۳، ط: المکتب الاسلامی.

❸ ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے مصدر مذکور میں فرمایا: ''...... مثلاً کیا آپ دیکھتے نہیں کہ عیدین اور دفن میت کے لیے اذان دے کر اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا جائز نہیں حالانکہ وہ اللہ عزوجل کا ذکر اور اس کی تعظیم ہے، سنت پر عمل کیے ہوئے ہم (عیدین وغیرہ کے لیے) اذان نہیں دیتے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اذان نہیں دی......'' اس کتاب کا ص ۳۱ دیکھیں۔ فصل: "السنة ستتان."

ب:......سورج/ چاند گرہن کی نماز کے لیے اذان:

"صلاۃ التراویح" (ص ۳۳)

ج:......ابن زبیر کی نماز نماز کسوف فجر کی نماز کے مثل ہے، ان کے بھائی عروہ سے جب اس بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: انہوں نے سنت کے حوالے سے غلطی کی۔

"مختصر صحیح البخاری" [1] (۱/ ۲۹۵، ۱/ ۳۱۶، رقم:۵۲۷).

دوم:......خودساختہ نمازوں کی بدعات

ا۔ نماز رغائب کی بدعات:

"الرد علی التعقیب الحثیث" (ص ۵۰)، "صلاۃ التراویح" (۲۴، ۳۳، ۴۴) "صحیح الترغیب والترهیب" (۱/ ۵۴)، "مساجله علمیة بین الامامین الجلیلین العز بن عبد السلام وابن الصلاح حول صلاۃ الرغائب المبتدعة".

نماز رغائب کے مسئلہ کی تفصیل:

ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (۲/ ۷۳۵) میں بیان کیا:

جان لیجیے کہ یہ حدیث [2] ان ائمہ اور حفاظ کی تصدیق کے باوجود جن کا ذکر ہوا......اور وہ امام مسلم، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی ہیں......اور وہ جنہوں نے ان کی تصحیح کو برقرار رکھا جیسے بیہقی نے (اپنی السنن میں)، نووی نے اپنی "ریاض" میں، عسقلانی نے اپنی "فتح" (۴/ ۲۳۳) اور "تلخیص" (۴/ ۲۱۵) میں اور ان کے علاوہ بہت سے ہیں جنہوں نے نماز رغائب کے بدعت ہونے پر اس سے دلیل لی ہے۔

ہمارے شیخ نے "الصحیحة" (۲/ ۷۳۷) میں بیان کیا:

امام نووی نے "شرح مسلم" میں فرمایا:

"علماء نے اس سے اس بدعت نماز، جسے رغائب کا نام دیا گیا ہے، کی کراہت پر استدلال کیا ہے، اللہ اس کے وضع کرنے والے اور اس کی اختراع کرنے والے کو ہلاک کرے، کیونکہ وہ بدعت منکرہ ہے......" ان کے عمدہ کلام کے آخر تک، صنعانی اور شوکانی وغیرہ نے ان سے اسے نقل کیا اور انہوں اسے برقرار رکھا۔

۲۔ غسل خانے سے نکلنے کی سنت کی دو رکعت:

"تعالیم الاسلام" کے مصنف نے (ص ۳۶) پر غسل کرنے کے آداب کے بیان کے سلسلے میں کہا:

"یہ کہ وہ اس (غسل خانے) سے نکلنے کے بعد غسل خانے سے نکلنے کی سنت کی دو رکعت پڑھے۔"

---

[1] "جمعہ کی رات کو قیام وتہجد کے لیے دیگر راتوں سے مخصوص نہ کرو......" الصحیحة رقم: ۹۸۰.

شیخ البانی رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱/ ۶۰۶) میں اس کا انکار اور اس پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا:

اس سنت کی کتب السنۃ میں قطعاً کوئی اصل نہیں، حتیٰ کہ موضوعات میں بھی نہیں! میں ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک کو بھی نہیں جانتا جس نے اس کا کہا ہو۔

۳۔ مسافر کے لیے سفر پر روانہ ہوتے وقت دو رکعت پڑھنے کا استحباب:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱/ ۵۵۱) میں فرمایا: پھر یہ کہ نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث [1] سے اس پر استدلال کیا کہ مسافر کے لیے مستحب ہے کہ وہ روانہ ہوتے وقت دو رکعتیں پڑھے۔ اس میں غور وفکر کی واضح ضرورت ہے، کیونکہ استحباب ایک شرعی حکم ہے اس پر ضعیف حدیث سے استدلال کرنا جائز نہیں، کیونکہ وہ صرف ظن مرجوح کا فائدہ دیتی ہے اور اس سے احکام شریعت میں سے کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی، جیسا کہ واضح ہے، یہ نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہے نہ مشروع جبکہ سفر سے واپس آ کر نماز پڑھنا مشروع اور وارد ہے اور وہ سنت ہے۔

۴۔ فجر کے دو رکعت فرض ادا کر لینے کے بعد نماز پڑھنا: [2]

ہمارے شیخ الالبانی رحمہ اللہ نے "الإرواء" (۲/ ۲۳۶) میں حدیث [3] رقم (۴۷۸) کی تخریج کے آخر پر فرمایا:

فائدہ ......: بیہقی نے سعید بن مسیب سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا کہ انہوں نے ایک آدمی کو طلوع فجر کے بعد دو رکعتوں سے زائد پڑھتے ہوئے دیکھا، وہ اس میں بہت زیادہ رکوع وسجود کر رہا تھا، انہوں نے اسے منع کیا تو اس نے کہا: ابو محمد! نماز پڑھنے پر اللہ مجھے سزا دے گا؟ انہوں نے فرمایا: نہیں، لیکن وہ تمہیں خلاف سنت عمل کرنے پر سزا دے گا۔

یہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ کے فی البدیع جوابوں میں سے ہے، وہ (جواب) ان بدعتیوں کے خلاف ایک قوی ہتھیار ہے جو بہت سی بدعات کو اس نام سے اچھا تصور کرتے ہیں کہ وہ ذکر اور نماز ہی تو ہے، پھر وہ اہل السنۃ پر ان کے ان پر اس اعتراض پر اعتراض کرتے ہیں اور ان پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ (اہل السنہ) ذکر ونماز پر اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ حقیقت میں ذکر ونماز اور اس طرح کے امور میں سنت کی مخالفت کی وجہ سے ان پر اعتراض کرتے ہیں۔

۵۔ وہ نماز جو کسی خاص وصف پر مشتمل ہو جس کے وصف کے متعلق کتاب وسنت سے کوئی نص وارد نہ ہو:

---

[1] "بندہ جس وقت سفر کا ارادہ کرتا ہے اور وہ اپنے اہل خانہ کے پاس دو رکعت پڑھتا ہے تو وہ ان کے لیے بہترین جانشین چھوڑ کر جاتا ہے۔" "الضعیفة" رقم: ۳۷۲.

[2] یہ تب ہے کہ اس نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں۔

[3] "جب فجر طلوع ہو جائے تو فجر کی دو رکعتوں کے علاوہ کوئی نماز نہیں۔" "فی اوقات النھی، فصل کے تحت الارواء کی یہ پہلی حدیث ہے۔"

ابن الصلاح رحمہ اللہ نے ''المساجلة'' (ص ۱۸) میں بیان کیا:

''......کتنی ہی مقبول نمازیں ہیں جو اس خاص وصف پر مشتمل ہیں جن کے وصف کے متعلق کتاب و سنت سے کوئی خاص نص وارد نہ ہو، پھر یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ بدعت ہے، اگر کوئی کہے کہ یہ بدعت ہے، تو وہ اس کے ساتھ بدعت حسنہ کہے، اس لیے کہ وہ قرآن یا سنت سے اصل کی طرف لوٹتی ہے۔''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "المساجلة" (ص ۱۸) کے حاشیے میں ابن الصلاح کے سابق کلام پر رد کرتے ہوئے فرمایا:

''نہیں، بلکہ وہ بدعت گمراہی ہے، کیونکہ وہ عبادت میں ہے اور جو بھی بدعات اس قبیل سے ہوں گی تو وہ سب گمراہی ہیں۔''

اور انہوں نے ایک رسالے "الصراط المستقیم" (ص ۷۔۸) پر اپنی تعلیق میں اس کلام کے بعد فرمایا کہ نصف شعبان کی شب کے بارے میں وارد تمام روایات بناوٹی، باطل اور موضوع ہیں، پھر انہوں نے ذکر کیا کہ نصف شعبان کی شب کے بارے میں ایک حدیث صحیح ہے، ❶ انہوں نے فرمایا:

اس سے (میری مراد) اس کی فضیلت کے ثبوت سے لازم نہیں آتا کہ اسے ایک خاص نماز اور ایک خاص ہیئت کے ساتھ مخصوص کرلیا جائے جس کے ساتھ الشارع الحکیم نے اسے مخصوص نہیں کیا، بلکہ وہ سب بدعت ہے اس سے اجتناب کرنا اور جس پر صحابہ اور سلف صالحین رضی اللہ عنہم ہیں ان سے وابستگی اختیار کرنا واجب ہے۔ اللہ اس پر رحم فرمائے جس نے یہ کہا:

وكُلُّ خيرٍ فى اتباع مَن سَلَفَ
وكل شرٍ فى ابتداع مَنْ خَلَفَ

''سلف کی اتباع میں خیر ہی خیر ہے اور خلف کی (بدعت سازی) میں شر ہی شر ہے۔

اسی لیے مؤلف ❷ نے بہت اچھا کیا جس وقت اس نے کہا: ''انسان کا شب بیداری کرنا.....'' ان کا یہاں

---

❶ اسے "سلسلة صحيحة" (١١٤٤) میں دیکھیں، میں نے اسے طوالت کے ساتھ "المحالسة" (٣/٣٠٣) رقم (٩٤٤) کے تحت نقل کیا ہے اور میں نے اپنے رسالے "حسن البيان فى ليلة النصف فى من شعبان" میں اس پر اضافہ نقل کیا ہے اور میں نے اس کے مقدمے میں نصف شعبان کی شب کی بدعت واضح کی ہے۔

نوٹ: علامہ البانی نے جس روایت کو صحیح کہا ہے وہ بھی اکثر محدثین، شارحین حدیث اور محققین کے نزدیک صحیح نہیں، یہ علامہ البانی رحمہ اللہ کا تسامح نیز اس سے کسی خاص عمل کا ثبوت نہیں ملتا۔ (شہباز حسن)

❷ ازہر کے علماء کی ایک جماعت نے اسے مرتب کیا ہے اور ہمارے سلفی شیخ محمد نسیب الرفاعی رحمہ اللہ نے اسے جمعية الدعوة المحمدية حلب کی طرف سے ۱۳۷۲ھ میں شائع کیا۔

تک کہنا: "بدعت ہے......" یہ اس لیے کہ اس صورت پر شب بیداری کرنا اس کی اپنی طرف سے اس میں کوئی شرعی ممانعت نہیں، جب اسے معلوم ہوا کہ الشارع نے مطلق راتوں کے قیام پر ترغیب دی ہے اور یہ انہی میں سے ہے، اسی لیے میں کہتا ہوں: اگر وہ ساری احادیث ضعیف ہوں۔ (جیسا کہ رسالے کے مصنف کا موقف ہے) تو دو اسباب کی وجہ سے ان پر مطلق عمل کرنے کا کہنا جائز نہیں۔

سبب اوّل......: وہ نصوص جن کی طرف ہم نے مطلق قیام اللیل کی ترغیب پر اشارہ کیا ہے وہ ہمیں ان خاص ضعیف روایات سے بے نیاز کر دیتی ہیں اور ان نصوص میں سے آپ ﷺ کا فرمان ہے: لوگو! سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، رات کے وقت لوگ سو رہے ہوں تو تم نماز پڑھو۔ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔" ترمذی نے اسے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا، دارمی، ابن ماجہ، ابن نصر، احمد اور حاکم رحمہ اللہ نے اسے روایت کیا اور فرمایا: "وہ صحیحین کی شرط پر صحیح ہے۔" ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے اور وہ ویسے ہی ہے جیسا کہ انہوں نے کہا۔

سبب دوم......: جو ضعیف روایت پر عمل کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک کچھ شرائط ہیں جن کو ملحوظ رکھنا واجب ہے، جبکہ وہ ان سے غافل ہیں حتیٰ کہ مشائخ بھی۔ [1]

۱۔ وہ روایت موضوع نہ ہو۔

۲۔ اس پر عمل کرنے والا یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ وہ روایت ضعیف ہے۔

۳۔ وہ اسے مشہور نہ کرے، تاکہ کوئی اور آدمی ضعیف روایت پر عمل نہ کرے اور وہ اس عمل کو مشروع قرار دے دے جو کہ مشروع نہیں یا بعض جاہل لوگ اسے دیکھیں اور وہ سمجھیں کہ وہ عمل صحیح سنت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان شرائط کو اپنے رسالے: "تبیین العجب، بما ورد فی فضل رجب" میں بیان کیا، پھر انہوں نے اس کے بعد (ص ۳۔۴ پر) بیان کیا: اس معنی کی الاستاذ ابو محمد بن عبد الملک و دیگر نے صراحت کی ہے، تاکہ آدمی آپ ﷺ کے فرمان: "جس نے مجھ سے کوئی حدیث بیان کی وہ سمجھتا ہے کہ وہ جھوٹ ہے تو وہ جھوٹوں میں سے ایک ہے" کی زد میں آنے سے بچ جائے، تو اس کا کیا حال ہوگا جو اس (ضعیف روایت) پر عمل کرتا ہے۔ حدیث پر عمل کرنے میں کوئی فرق نہیں خواہ وہ احکام ہوں یا فضائل۔ کیونکہ وہ سب شریعت ہیں۔

جب نبی ﷺ اپنی امت کو اس حدیث کو روایت کرنے سے منع فرماتے جس کی وہ آپ سے صحت نہیں جانتے تھے، آپ فرماتے ہیں: "مجھ سے صرف وہی حدیث روایت کرو جسے تم جانتے ہو۔" المناوی نے اسے "الفیض" میں صحیح قرار دیا ہے، یہ زیادہ لائق ہے کہ نبی ﷺ اپنی امت کو ضعیف روایت پر عمل کرنے سے منع

---

[1] اس موضوع پر اس کتاب کی فصل: "العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الأعمال" میں مفصل بحث ہو چکی ہے۔

فرماتے، جس کی وہ صحت نہیں جانتے، جیسا کہ وہ واضح ہے مخفی نہیں۔

یہ جو ملاحظہ ہے بہت سے لوگ اسے نہیں جانتے، میں چاہتا ہوں کہ (ان شاء اللہ) اس مفید رسالے پر تعلیق و تشریح ختم نہ کروں مگر اختصار سے اسے اپنے مسلمان بھائیوں پر پیش کردوں، حالانکہ معلوم ہے کہ اس میں گفتگو کی بہت گنجائش ہے، لیکن اس جگہ اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾ (ق: ٣٧)

"بے شک اس میں اس شخص کے لیے نصیحت ہے جس کے پاس دل ہو یا اس نے پوری توجہ سے بات سنی ہو۔"

٦۔ پندرہ رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھنا اور ہر رکعت میں مسلسل پندرہ سورتوں میں سے ایک ایک آیت تلاوت کرنا اور ہر رکعت میں ایک مخصوص دعا کرنا:

ابن الصلاح رحمہ اللہ نے "المساجلة" (ص ١٨) کے حاشیے میں بیان کیا:

"......اگر کوئی انسان مثلاً رات کے کسی حصے میں ایک سلام کے ساتھ پندرہ رکعتیں پڑھے اور وہ ہر رکعت میں مسلسل پندرہ سورتوں میں سے ایک آیت پڑھے اور ہر رکعت میں ایک مخصوص دعا پڑھے تو یہ نماز مقبول ہے، مردود نہیں، کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کہے: یہ بدعتی نماز مردود ہے، اس لیے کہ اس کے متعلق اس طریقے کے خلاف کتاب وسنت سے کوئی دلیل وارد نہیں۔"

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "المساجلة" (ص ١٨) کے حاشیے میں ابن الصلاح کے کلام پر رد کرتے ہوئے فرمایا:

"بلکہ وہ بدعتی نماز مردود ہے، کسی کو اس کی نماز کا قصد نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ اس کیفیت سے اس کی کوئی اصل نہیں، اور یہ دعویٰ کہ اس کی اصل ہے، فائدہ مند نہیں، کیونکہ بحث کیفیت کے بارے میں ہے اصل کے متعلق نہیں، اور یہ طے شدہ ہے کہ وہ ایک نیا کام ہے اور اس نص کے عموم کے حوالے سے، جس میں ہر بدعت کی مذمت کی گئی ہے، واجب ہوتا ہے کہ وہ گمراہی ہو، کہا گیا ہے کہ یہ نماز جسے امام شاطبی نے "الاعتصام" میں بدعت اضافیہ کا نام دیا ہے، اور اس کے مقابل بدعت حقیقی ہے، اور وہ پہلی سے بھی زیادہ گمراہ ہے۔"

٧۔ (دوران سفر) ہر میل پر دو رکعت پڑھنا:

ابو نعیم نے ابو العباس الشعرانی احمد بن محمد بن جعفر الزاهد الجمال کے ترجمے (سوانح حیات) میں بیان کیا:

"وہ حج کی رغبت رکھنے والے بندوں میں سے تھے اور وہ ہر میل پر دو رکعتیں پڑھتے تھے۔"

میں ❶ نے کہا: یہ نماز بدعت ہے، سلف نے اسے نہیں پڑھا، اور ان کے امام سیّد الانبیاء علیہ الصلاۃ والسلام ہیں۔ وخیر الھدی ھدی محمد: ''اور بہترین راستہ محمد کا راستہ ہے۔''

"الصحیحة" (٥/ ٤٣٦)

٨۔ طواف پر قیاس کرتے ہوئے صفا مروہ کے درمیان سعی کے بعد نماز پڑھنا:

"صلاۃ التراویح" (ص ٤٥)، "حجة النبی ﷺ" (١٢١/ ٦٧)، "المناسك" (٥٤/ ٦٩)، "السلسلة الضعیفة" ❷ (٢/ ٣٢٨، رقم:٩٢٨)

٩۔ رجب کے پہلے جمعہ کی نماز:

"صلاۃ التراویح" (ص ٤٤)

١٠۔ ایک ضعیف روایت کے مطابق بارہ رکعتوں کی نماز جو کہ تجربے پر قائم ہے:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "ضعیف الترغیب والترھیب" (١/ ٢١٦۔٢١٧) میں حدیث ❸ رقم (٤١٨) کے تحت حاکم کے اس قول کے تحت بیان کیا: احمد بن حرب نے بیان کیا: میں نے اس کا تجربہ کیا تو میں نے اسے حق پایا، ابراہیم بن علی الدبیلی نے بیان کیا: میں نے اس کا تجربہ کیا تو میں نے اسے حق پایا اور حاکم نے بیان کیا: ابو زکریا نے ہمیں بیان کیا: میں نے اس کا تجربہ کیا تو میں نے اسے حق پایا اور حاکم نے بیان کیا: میں نے اس کا تجربہ کیا تو اسے حق پایا:

میں نے کہا: نہیں، بلکہ اس طرح کے مسئلہ میں تجربے پر اعتماد کرنا جائز نہیں، شوکانی نے "تحفة الذاکرین" (ص ١٤٠) میں مؤلف کا کلام ذکر کرنے کے بعد کتنی خوبصورت بات کی:

''میں کہتا ہوں: سنت محض تجربہ سے ثابت نہیں ہوتی، کسی چیز کو اس عقیدے سے بجا لانے والا کہ وہ سنت ہے، اس کے بدعتی ہونے کی وجہ سے اس (بدعتی کے حکم) سے خارج نہیں ہوگا، اور دعا کا قبول ہونا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ قبول ہونے کا سبب رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کبھی اللہ اس دعا کو قبول فرما لیتا ہے جو مسنون توسل کے بغیر ہو، وہ ارحم الراحمین ہے اور کبھی دعا استدراج کے طور پر قبول ہو جاتی ہے، اس کے باوجود اس بارے میں جو کہا جاتا ہے کہ وہ حدیث ہے، سنت مطہرہ کے مخالف ہے، سنت میں ثبوت ثابت ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ رکوع و سجود میں قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا

---

❶ کہنے والے شیخ البانی رحمہ اللہ ہیں۔

❷ اس بدعت پر 'حج وعمرہ کی بدعات' رقم (٦٧) میں بحث آئے گی۔

❸ اسے 'ضعیف الترغیب' میں دیکھیں، اگر طوالت نہ ہوتی تو ہم اسے نقل کرتے ہیں، ہمارے شیخ نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔

ہے، یہ اس پر سب سے بڑی دلیل ہے کہ یہ روایت موضوع ہے، خاص طور پر جبکہ اس کی اسناد میں عمر بن ہارون بن یزید ثقفی بلخی مذکور ہے، وہ متروک اور متہم راویوں میں سے ہے، اگرچہ وہ حافظ ہے، ہوسکتا ہے کہ ابن مہدی نے جو اس کی تعریف کی ہے وہ اس کے حفظ کے حوالے سے ہو، اور اسی طرح اس کا شاگرد عامر بن خداش، ہوسکتا ہے کہ یہ اس کی منکر روایات میں سے ہو جنھیں وہ روایت کرتا رہا، تعجب تو کسی امر میں تجربے پر اعتماد کرنے کے حوالے سے حاکم، بیہقی، واحدی اور ان کے بعد والے علماء پر ہے، وہ سب جانتے ہیں کہ وہ سنت مطہرہ کے خلاف اس کی منع کردہ چیزوں میں وقوع کو شامل ہے۔"

۱۱۔ مغرب کے فرض کے بعد چھ رکعتوں والی نماز کو "صلاۃ الاوابین" کا نام دینا:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "مختصر صحیح مسلم" رقم (۳۶۸) کے حاشیے میں فرمایا: اس حدیث [1] میں جو نماز چاشت ہے شرعاً اسی کا نام "صلاۃ الأوابین" رکھا گیا ہے۔ میری معلومات کے مطابق مغرب کی نماز کے بعد والی نماز کو یہ نام دینا آپ ﷺ سے ثابت شدہ سنت میں اس کی کوئی بنیاد نہیں۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صحیح الترغیب" (۱/ ۴۲۳) رقم ۶۷۶ (۱۳) میں آپ ﷺ کے نماز چاشت کے بارے میں فرمان: "اور وہ 'صلوٰۃ الاوابین' ہے، کے حوالے سے بیان کیا:

میں نے کہا: اس حدیث میں ان لوگوں پر رد ہے جو ان چھ رکعتوں کو، جنھیں وہ مغرب کی نماز کے بعد پڑھتے ہیں، "صلاۃ الاوابین" کا نام دیتے ہیں، اسے یہ نام دینے کی کوئی اصل نہیں اور وہ نماز ثابت نہیں۔ [2]

اور انہوں نے "السلسلة الضعيفة" (۱/ ۶۸۰) میں حدیث رقم (۴۶۷) [3] کے تحت بیان کیا:

"جان لیجیے کہ مغرب اور عشاء کے درمیان معین رکعتیں پڑھنے پر ترغیب کے متعلق جتنی روایات آئی ہیں وہ صحیح نہیں، وہ ایک دوسری سے بڑھ کر ضعیف ہیں، اس موقع پر آپ ﷺ کے فعل سے جو نماز صحیح ثابت ہے وہ تعداد کی تعیین کے بغیر ہے، رہا آپ ﷺ کے فرمان سے، تو آپ ﷺ کے حوالے سے جو بھی ضعیف روایت مروی ہو اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔"

---

[1] حدیث یہ ہے: "صلاۃ الاوابین" وہ ہے جس وقت اونٹ کے بچوں کے پاؤں تپش محسوس کریں۔ مختصر صحیح مسلم میں اس کا نمبر ۳۶۸ ہے۔

[2] دیکھیں: "ضعیف الترغیب" (۱/ ۱۷۱-۱۷۲) اور ابن حجر کے شاگرد حافظ الناجی کا "صلاۃ الاوابین" کے عنوان سے ایک جزء مطبوع ہے۔ اس میں وہی مسئلہ ثابت کیا گیا ہے جسے ہمارے شیخ البانی نے ابھی برقرار رکھا ہے۔ رحمہما اللہ تعالیٰ

[3] حدیث یہ ہے: "جو مغرب اور عشاء کے درمیان بیس رکعت پڑھتا ہے اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنا دیتا ہے۔" یہ روایت موضوع ہے۔ اس کے بعد "الضعيفة" (رقم ۴۲۸، ۴۲۹) میں ہے، "جو مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتا ہے..... یہ دونوں روایتیں انتہائی ضعیف ہیں۔

۱۲۔ ہر میقات سے احرام کے بعد دو رکعت نماز کی پابندی:

انہوں نے عمر بن خطاب کی روایت، کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''میرے رب عزوجل کے پاس سے آنے والا میرے پاس آیا انہوں نے کہا: جبکہ آپ عقیق (وادی) میں تھے، اور اس (آنے والے) نے کہا: اس مبارک وادی میں نماز پڑھیں، اور فرمایا: عمرہ حج میں داخل ہوگیا۔'' کی تشریح کرتے ہوئے کہا:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صحیح سنن ابی داؤد" (٦/ ٥٨) میں فرمایا:

''اس حدیث میں ذوالحلیفہ میں نماز پڑھنے کی فضیلت ہے، اور یہ اس سے عام ہے کہ وہ فرض ہو یا نفل اور اس میں احرام کی دو رکعتوں کی کوئی دلیل نہیں جسے حاجی پڑھتے ہیں، جب وہ نبی ﷺ سے ثابت نہیں، پس جس نے مطلق فرض یا نفل پڑھے تو اس نے (ان شاء اللّٰہ) فضیلت پالی۔''

اور انہوں نے "مناسك الحج والعمرة" (ص ١٤) میں فرمایا:

''احرام کے لیے کوئی خاص نماز نہیں، لیکن اگر احرام باندھنے سے پہلے نماز کا وقت ہوجائے، تو وہ نماز پڑھ لے، پھر نماز کے بعد احرام باندھ لے تو اس کا رسول اللہ ﷺ جیسا عمل ہوجائے گا، جیسا کہ آپ نے ان (صحابہ) کو نماز ظہر کے بعد حکم فرمایا تھا۔

لیکن جس کا میقات ذوالحلیفہ ہو اس کے لیے وہاں نماز پڑھنا مستحب ہے، یہ احرام کے لیے خاص نہیں، بلکہ جگہ اور اس کی برکت کی تخصیص کے لیے ہے۔'' اور حدیث [1] ذکر کی۔

سوم:...... نماز سفر کی بدعات

بعض صحابہ کے نزدیک سفر میں فرض پورے پڑھنا:

"صلاة التراويح" (ص ٣٧)

چہارم:...... تارک نماز کے کفارے کی بدعت

قاسمی رحمہ اللہ نے "إصلاح المساجد" (ص ١٧٥۔ ١٧٦) میں فرمایا:

مجھے یاد پڑتا ہے کہ کسی سلفی نے اس چیز کے متعلق مجھ سے دریافت کیا جسے بعض فقہاء نماز کے کفارے کے حوالے سے کرتے ہیں اور اس (کفارے) کے لیے تیار کی گئی درہموں کی ایک تھیلی کسی فقیر کو دینا، پھر اس (تھیلی) کو اس سے ہبہ کرنے کی درخواست کرنا، پھر اس مشق کے بعد اسے کچھ درہم دے دینا، تو کیا یہ ماثور ہے؟ اور جب غیر ماثور ہو، تو کیا بدعت سے بچنے کے لیے اسے ترک کر دینا بہتر نہیں؟ میں نے اس (سلفی) کو جواب دیا: یہ حالت

[1] اسے "مختصر البخاری" "کتاب الحج، باب قول النبی ﷺ: "العقيق واد مبارك" (١/ ٤٥٣، رقم: ٧٣١) میں دیکھیں۔

جس پر عمل ہو رہا ہے وہ قطعاً غیر ماثور ہے، بعض ائمہ نے روزے، قسم اور نذر کے کفارے پر قیاس کرتے ہوئے اس کی اجازت دی ہے، لیکن چونکہ اس میں فقراء کا فائدہ ہے، اور صدقہ پر آمادگی ہے تو اس کے عمل میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ مؤلف رحمہ اللہ کی رائے ہے، ہم اسے درست نہیں سمجھتے جب تک وہ سلف سے ماثور نہ ہو جبکہ ہر قسم کی خیر ان کی اتباع میں ہے، بہتر تو اسے ترک کرنا ہے جیسا کہ اس سلفی نے کہا، بلکہ واجب ہے کیونکہ کسی ایسی چیز کے ذریعے اللہ کا تقرب حاصل کرنا جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے مشروع قرار نہ دیا ہو بہت بڑی گمراہی ہے اور اس کو صرف اس لیے مستحسن قرار دینا کہ وہ فقیر کے لیے نفع مند ہے یہ کسی سلفی سے صادر ہونے والی انتہائی عجیب وغریب بات ہے، جیسا کہ مؤلف ہے، اللہ ہم سے اور اس سے درگزر فرمائے، اس کی مثل اس پر مخفی نہیں، غایت وسیلے کو جائز قرار نہیں دیتی، اور مجھے خیال آتا ہے کہ مؤلف رحمہ اللہ کی فقراء پر ہمدردی اس پر غالب رہی، وہ اس (مؤلف) کے اور اپنی اس رائے کی خطا واضح کرنے کے درمیان حائل ہوگئی، وہ ہر حال میں ماجور ہیں، واللہ المستعان۔''

اور قاسمی رحمہ اللہ نے "إصلاح المساجد" (ص ٢٤٩-٢٥٠) میں بیان کیا:

ان میں سے تیسرا: معروف کیفیت سے نماز کو ساقط کرنے کے مسئلے کے بارے میں متاخرین فقہاء احناف [1] نے کہا: نماز کو ساقط کرنا، اگرچہ اس کی کتاب وسنت میں کوئی اصل نہ ہو، وہ مشائخ کے استحسان کے مطابق احتیاطی امر ہے، جیسا کہ روزہ میں وارث اسے اپنی مرضی سے انجام دے، انہوں نے کہا: اس میں واجب ہے کہ فقیر کو ہر فرض کے عوض نصف صاع (تقریباً سوا کلو اناج)، یا اس کی قیمت دے۔

میں کہتا ہوں:

تب اس نے اپنی عمر میں جتنی نمازیں چھوڑی ہیں احتیاطاً اسی مقدار کا حساب لگایا جائے گا اور اگر وہ مال دار شخص ہے تو اس نے جو چھوڑا ہے اس سبب سے (کفارہ) نکالا جائے گا اور اگر وہ اس پر قادر نہ ہو تو اس سے جو ممکن ہو وہ نکالا جائے گا، رہا اسے ولی یا اس کے وکیل اور فقیر کے درمیان بار بار ہبہ کرنا تو اس کی کوئی حاجت ہے نہ کوئی معنی، کیونکہ فقراء کو گندم یا درہموں میں سے، جو میسر ہو، دینے کا مقصد کفارہ ہے، آدمی کو اس کی استطاعت کے مطابق ہی مکلف ٹھہرایا جاتا ہے، جو اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اسے اس کا مکلف نہیں ٹھہرایا جاتا کہ وہ اس پر کوئی حیلہ سازی کرے، خاص طور پر اس امر میں جس پر کوئی نص نہیں اور اس کا امر امید پر ہے۔ جیسا کہ امام محمد سے روایت

---

[1] مثلاً: "حاشية ابن عابدين" (١/٢٠٣٥٥/٧٣) اور "حاشية الطحطاوي على الدر المختار" (١/٣٠٨)، اور میری کتاب "القول المبين في أخطاء المصلين" (ص ٤٦٥-٤٦٧) دیکھیں۔

کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا:

وہ ان شاء اللہ اس کو کفایت کر جائے گی۔ انہوں نے قبول کو مشیت پر معلق کیا۔

بہر حال! جو میں سمجھتا ہوں کہ اس کو روزے پر قیاس کرنا ان بہت سے امور سے قیاس کرنے سے کم نہیں جن پر فقہاء نے قیاس کیا ہے، جس طرح روزے کے لیے فدیہ ہے، اسی طرح اس میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ وہ فدیہ دے اور جو نمازیں نہیں پڑھیں ان کا کفارہ ادا کرے، خاص طور پر جبکہ اس میں فقراء کے لیے ہمدردی ہے اور وہ مقصود بالذات ہے، لہٰذا ولی کے لیے کافی ہے کہ وہ فقراء سے جو چاہے جمع کرے اور انہیں ایک صاع (تقریباً اڑھائی کلو اناج) یا اس کی قیمت یا اس سے زائد دے اور وہ اس کی دل میں اس طرح نیت کرے جیسا کہ زکوٰۃ میں ہے، پس انہوں نے کہا: کہ وہ اسے فقیر کو دے گا۔ دل سے جو اس پر فرض ہے اس کی ادائیگی کی نیت کرے گا، رہی یہ حالت معروف جو تھیلی کو بار بار گھماتا ہے اور ولی کے یا اس کے وکیل کی طرف سے بلند آواز سے فقیر کو کہنا: لو یہ نماز کا کفارہ ہے۔ اس میں زکوٰۃ اور کفاروں کی ادائیگی کے اصول میں خرابی ہے، کیونکہ فقیروں کو دیتے وقت چھپانا مطلوب ہے۔ اسے چھپا کر دینا نہ کہ علانیہ اور اس کی عزت نفس اور اس کے جذبات کو مجروح کرنا مقصود نہیں۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں جو اس جگہ کی سمجھ سے متعلق ہے اور اس میں اس کے درمیان جو محدثین اور دوسرے مذاہب کے بقیہ فقہاء کہتے ہیں کہ وہ بدعت ہے اسے ترک کر دینا چاہیے اور وہ فقراء [1] کو نہ دینے کے لیے کوشش کرتا ہے اور اس شخص کے درمیان جمع کی صورت ہے جو اسے معروف کیفیت پر گھماتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ وہ بس اسی طرح ہی جائز ہے۔ اس سے اس کے مقلدین کی خالص تقلید کے جمود پر دلالت ہوتی ہے کیونکہ وہ کسی امام متبوع سے وارد نہیں، اور انہوں نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ مقلد کی تقلید نہیں کی جاتی۔

اور بالجملہ اسے زکوٰۃ کے ساتھ الحاق کرنا مناسب ہے اور اس میں اس کی ادائیگی کے آداب بجا لائے جائیں۔ واللہ الهادی .

---

[1] ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: میں نے کہا: خیر (مال) کے حوالے سے مناسب یہ ہے کہ اسے اس طریق سے فقراء کو دیا جائے جسے اللہ تعالیٰ نے مشروع کیا ہے، نہ کہ اس طرح کے طریق سے جسے سلف نہیں جانتے، جبکہ ہر طرح کی بھلائی ان کی اتباع میں ہے اور مصنف پر تعجب ہے کہ وہ اس طرح کی بدعت کو مستحسن سمجھتے ہیں اور بدعتی اس طرح کے استحسان ہی سے بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں۔

فصل: مساجد کی بدعات

①- نماز کے اسقاط کا صدقہ قبول کرنے کے لیے فقراء کا مسجد میں اجتماع

②- فجر کی سنتوں اور فرض کے درمیان مسجد میں پہلو پر لیٹنا

③- گھروں کی مساجد (نماز پڑھنے کی جگہوں) میں اعتکاف

④- نماز کے لیے مسجد جا کر جتنی دیر ٹھہرنا ہے اتنی مدت تک کے لیے اعتکاف کی نیت کرنا

⑤- بچوں کو مسجد سے دور رکھنا

⑥- مساجد میں مبلغات کی تدریس

⑦- مساجد کی نقش نگاری اور مصاحف کی تزئین

⑧- مسجد میں محراب

⑨- منبر کی تین سے زائد سیڑھیاں بنانا

⑩- منبر کو مسجد کے مغربی کونے میں بنانا اور اسی طرح اسے جنوبی دیوار میں گیلری کی طرح بلند بنانا

⑪- صوفیوں کی خانقاہیں (مسندیں) بنانا، جہاں وہ اپنے اذکار اور تقریبات کا اہتمام کرتے ہیں

⑫- اذان کے لیے مسجد میں بلند جگہ بنانا

⑬- ایک محلے میں کثرت مساجد

⑭- بعض مواقع کی مناسبت سے مساجد میں بہت سی برقی قندیلیں روشن کرنا

⑮- مقام ابراہیم کے پیچھے کعبہ کے کپڑے فروخت کرنا اور مسجد حرام میں کتب وغیرہ فروخت کرنا

مساجد کی بدعات

۱: اسقاط نماز کا صدقہ قبول کرنے کے لیے فقراء کا مسجد میں اجتماع [1]

"إصلاح المساجد" (ص۲۴۸۔۲۵۰)

۲: فجر کی سنتوں اور اس کے فرض کے درمیان مسجد میں پہلو پر لیٹنا

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے روایت عائشہ کی "صلاۃ التراویح" (ص ۹۰) پر شرح کرتے ہوئے بیان کیا:

''......پھر آپ اپنے دائیں پہلو پر لیٹ جاتے حتیٰ کہ مؤذن آپ کے پاس آتا۔'' [2]

یہ روایت فجر کی سنتوں اور اس کے فرض کے درمیان پہلو پر لیٹنے کی مشروعیت کے بارے میں صریح دلیل ہے، لیکن ہم نہیں جانتے کہ صحابہ میں سے کسی ایک نے بھی اسے مسجد میں کیا ہو، بلکہ ان میں سے بعض نے اس پر اعتراض کیا ہے، وہ اس کے گھر میں کرنے پر اکتفا کرتے تھے جیسا کہ وہ آپ ﷺ کی سنت ہے۔

۳: ان مساجد (نماز پڑھنے کی جگہوں) میں اعتکاف جو کہ گھروں میں ہیں

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''قیام رمضان'' (ص۳۶) میں فرمایا:

بیہقی نے اسے ابن عباس سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند امور بدعات ہیں، ان مساجد میں جو کہ گھروں میں ہیں اعتکاف کرنا بدعات میں سے ہے۔ [3]

۴: نماز کے لیے مسجد جا کر جتنی دیر ٹھہرنا ہے اتنی مدت کے لیے اعتکاف کی نیت کرنا

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنے رسالے ''قیام رمضان'' (ص۳۷) میں بیان کیا:

جو شخص نماز کے لیے مسجد کا قصد کرتا ہے یا کسی اور مقصد کے لیے وہاں جاتا ہے اور جتنی دیر وہاں ٹھہرتا ہے اتنی مدت کے لیے اعتکاف کی نیت کرنا مشروع نہیں اور شیخ الاسلام نے اس کی "الاختیارات" میں صراحت کی ہے۔

---

[1] اس کتاب میں 'نماز کے کفارہ کی بدعت' دیکھیں۔

[2] مسلم نے اسے حدیث رقم (۷۳۶) کے تحت بیان کیا۔

[3] اعتکاف کے لیے "جامع مسجد" کا ہونا شرط ہے۔ اعتکاف صرف اسی مسجد میں ہوتا ہے جہاں پانچ وقت کی باجماعت نماز ہوتی ہو۔ (شہباز حسن)

۵: بچوں کو مسجد کی تعظیم کی خاطر اس (مسجد)❶ سے دور رکھنا بدعت ہے

کیونکہ وہ اس صورتِ حال کے خلاف ہے جو نبی ﷺ کے عہد میں تھی۔ جیسا کہ وہ کتب السنۃ میں اس کے موقع ومحل پر اس کی تشریح کی گئی ہے، ہماری کتاب "صفة صلاة النبی ﷺ" (ص۷۳۔الطبعة : ۳) دیکھیں۔❷

"الأجوبة النافعة"

۶: مبلغات کی مساجد میں تدریس

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (٦/ ٤٠١) کی حدیث رقم (٢٦٨٠) سے مستنبط فوائد ذکر کرنے کے دوران فرمایا:

......دن مقرر کرنے کا جواز، امام بخاری نے حدیث کے لیے اس طرح باب باندھا ہے: ''کیا خواتین کے لیے علم کے حوالے سے ایک الگ دن مقرر کیا جائے گا؟''

میں نے کہا: رہا یہ جو آخری دور میں دمشق میں خواتین کا معین اوقات میں مساجد میں آنا عام ہوگیا ہے تاکہ وہ ان میں سے کسی ایک سے درس سنیں، جنھیں وہ ''داعیات'' (مبلغات) کا نام دیتی ہیں، یہ نئے امور میں سے ہے جو نبی ﷺ کے دور میں تھا نہ سلف صالحین کے دور میں، معروف یہ ہے کہ علماء صالحین ان کی تعلیم کی سرپرستی کریں، جو کہ ایک خاص جگہ ہو جیسا کہ وہ اس حدیث میں ہے،❸ یا مردوں کے درس میں جبکہ وہ ان سے الگ مسجد کے ایک کونے میں ہوں جبکہ یہ ممکن ہو، ورنہ مرد ان پر غالب آجائیں گے، اور وہ اس عالم سے علم حاصل کرسکیں گی نہ سوال کرسکیں گی۔

اگر آج بھی خواتین کے کتاب وسنت کے علم اور درست سمجھ حاصل کرنے کی رغبت وضرورت محسوس کی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ان کے لیے اس (خاتون) یا ان خواتین میں سے کسی ایک کے گھر میں ایک خاص مجلس منعقد کی جائے، یہ ان کے لیے بہتر ہے، کیوں نہ ہو جبکہ نبی ﷺ نے مسجد میں باجماعت نماز کے بارے میں فرمایا: ''اور ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں۔'' اگر نماز کے بارے میں معاملہ اس طرح ہے جس میں عورت ادب اور وقار کو مدنظر رکھنے کی اس سے زیادہ پابندی کرتی ہے جو کہ نماز کے علاوہ حالت میں نہیں کرتی، تو پھر علم کا حصول بھی ان کے لیے ان کے گھروں میں زیادہ بہتر کیوں نہ ہوگا، خاص طور پر جبکہ ان میں سے بعض اپنی آواز

---

❶ اس بارے میں ایک حدیث وارد ہے، ہمارے شیخ نے اس پر شدید ضعف کا حکم لگایا ہے، دیکھیں: "اصلاح المساجد" (ص ١١٠ ط: المعارف، صفة الصلاة ١٠٢، ط: المعارف، الارواء: ٧/ ٣٦٢)

❷ ص: ١٠٢، ط.المعارف. ❸ الصحيحة ٩ رقم: ٢٦٨٠.

بلند کرتی ہیں اور کبھی اس کے ساتھ دوسری بھی شریک ہوجاتی ہے تو پھر مسجد میں ان کی قابل مذمت قبیح بھنبھناہٹ سی ہوجاتی ہے اور یہ چیز ہم نے سنی اور اس کا مشاہدہ کیا ہے۔

پھر میں نے اس نئے کام کو دیکھا کہ وہ دیگر شہروں، جیسے عمان ہے، تک پھیل گیا ہے، ہم ہر بدعت سے بچنے کی اللہ سے درخواست کرتے ہیں اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صحیح الترغیب" (٢/ ٤٤٢) کی حدیث رقم (۱۹۹۹) پر تعلیقاً فرمایا:

''......وہ "الصحیحة" (٢٦٨٠) میں منقول ہے، میں نے وہاں بھی مسجد میں خواتین کی تدریس کے بدعت ہونے پر متنبہ کیا تھا، جیسا کہ ان میں سے بعض دمشق وغیرہ میں کرتی ہیں اور ہمارے نبی ﷺ نے سچ فرمایا:

''اور ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں۔''

۷: مساجد کی نقش ونگاری اور مصاحف کی تزئین

"صلاة التراويح" (ص ٤، ٥)

ہمارے شیخ نے "الصحیحة" کی حدیث رقم (۱۳۵۱) کے لیے اس طرح عنوان قائم کیا:

''مساجد اور مصاحف کی تزئین کی کراہت''۔ پھر انہوں نے یہ حدیث ذکر کی:

''جب تم اپنی مساجد اور مصاحف کی تزئین کرو گے تو پھر تم ہلاک ہوجاؤ گے۔''[1]

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الثمر المستطاب" (١/ ٤٦٨۔٤٧٠) میں بیان کیا:

سب سے پہلے ولید بن عبد الملک بن مروان نے مساجد کی تزئین و آرائش کی اور یہ صحابہ کے آخری دور میں ہوا، بہت سے اہل علم نے فتنے کے اندیشے کے پیش نظر اس کے انکار سے خاموشی اختیار کی...... اور ابن المنیر نے بیان کیا: جب لوگوں نے اپنے گھر پختہ و چونا گچ بنائے اور انھیں آراستہ کیا تو مناسب تھا کہ یہ مساجد کے لیے بھی کیا جائے تا کہ (مساجد کو) کمتر سمجھنے سے بچا جائے اور اس کی علمی گرفت اس طرح کی گئی کہ ممانعت اگر تو اتباع سلف پر ترغیب کے لیے ترک آسودگی میں ہے تو پھر وہ ویسے ہی ہے جیسے کہا ہے، اور اگر وہ (ممانعت) نمازی کے اس تزئین میں مشغولیت کے اندیشے کی وجہ سے ہو تو پھر نہیں، سبب کے باقی رہنے کی وجہ سے، اور انس کی روایت میں نبوت کی علامات میں سے ایک نشانی ہے کہ آپ ﷺ نے ایسی چیز کی خبر دی کہ وہ عنقریب واقع ہوگی تو وہ واقع ہوکر رہی جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

امام شوکانی رحمہ اللہ نے (۲/۱۲٦) فرمایا:

بہرحال تزئین کو جائز قرار دینے والوں نے اس پر پختہ ارادہ کیا کہ سلف سے ایسا کرنے والے پر انکار و

---

[1] اس کی تخریج اس کی جگہ پر دیکھیں۔

اعتراض ثابت نہیں ہوا، لہٰذا وہ مستحسن بدعت ہے، کیونکہ وہ (تزئین) مسجد کا شوق دلاتی ہے، اور ان دلائل کا کوئی ایسا شخص ارادہ نہیں کرسکتا جس کا توفیق میں کوئی حصہ ہو، خاص طور پر جبکہ وہ ان احادیث کے مقابل ہو جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ تزئین رسول اللہ ﷺ کے امر سے نہیں، یہ کہ وہ ایسا فخر کرنا ہے جو کہ حرام ہے اور یہ کہ وہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے جیسا کہ علیؓ، ان پر سلامتی ہو، سے مروی ہے، کہ وہ یہود و نصاریٰ کے عمل سے ہے، جبکہ آپ ﷺ ان کی مخالفت کرنے کو پسند فرماتے تھے اور عموماً و خصوصاً اس کی طرف راہنمائی فرماتے تھے، اور سلف کے ترک اعتراض کا دعویٰ ممنوع ہے، کیونکہ تزئین بدعت ہے جسے ظالم حکومتوں کے حکمرانوں نے اہل علم و فضل کو اطلاع کیے بغیر اور ان سے اجازت لیے بغیر شروع کیا اور انہوں نے ایسی ان گنت بدعات جاری کیں اور کسی نے ان پر اعتراض نہ کیا، اور علماء نے خوش نہیں بلکہ اپنا بچاؤ اختیار کرتے ہوئے خاموشی اختیار کی، بلکہ علماء کی دوسری جماعت ان کے باطل کے مقابل کھڑی ہوگئی اور انہوں نے ان کے سامنے ان کے خلاف زوردار آواز سے احتجاج کیا اور یہ دعویٰ کہ وہ بدعت حسنہ ہے باطل ہے اور ہم درج ذیل حدیث کی شرح میں اس کے بطلان کی وجہ آپ کو بتا چکے ہیں:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ.))

''جس نے کوئی عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں تو وہ مردود ہے۔''

اور یہ روایت "باب الصلوة فی ثوب الحریر والغصب" (ریشم اور غصب کے کپڑے میں نماز) میں ہے، اور یہ دعویٰ کہ اس سے مسجد کا شوق پیدا ہوتا ہے فاسد ہے، کیونکہ اس کے مسجد اور اس کے شوق و رغبت کے محرک ہونے کا تعلق اس شخص سے ہے جس کی غرض و غایت صرف ان نقوش اور تزئین کو دیکھنا ہو، رہا وہ شخص جس کی غرض اللہ کی عبادت کے لیے مساجد کا قصد ہو۔ حقیقی عبادت وہ ہے جس میں خشوع ہو ورنہ وہ اس جسم کے مانند ہے جس میں روح نہ ہو تو وہ (تزئین) اسے اس (عبادت) سے غافل کرنے والی ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے اس نقش و نگار والے کمبل میں کیا جسے آپ نے ابوجہم کے پاس بھیج دیا تھا، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا کہ آپ نے وہ پردہ پھاڑ دیا تھا جس میں نقوش تھے، اور جیسا کہ ابھی بیان ہوا "باب تنزیه قبلة المصلی عما یلهی" اور کچھ بدعات کی تقدیم جنھیں حکمران جاری کرتے ہیں اہل علم کو تنگ راہوں میں مبتلا کر دیتی ہیں، تو وہ اس کے لیے بودی دلیلوں سے تکلف کرتے ہیں جو صرف کسی کم عقل پر ہی پیش کی جاسکتی ہیں۔''

اور اس سلسلے میں یہ دعویٰ کرنا کہ جس نے تزئین کی اس پر سلف کی طرف سے کوئی انکار و اعتراض نہیں ہوا، عمومی طور پر باطل ہے۔ اسماعیل بن عبدالرحمن بن ذویب نے بیان کیا، میں ابن عمر کے ساتھ جحفہ میں ایک مسجد میں گیا، انہوں نے اس کی بالکونیوں کی طرف دیکھا تو وہ ایک جگہ کی طرف باہر نکل آئے اور انہوں نے وہاں نماز

پڑھی، پھر صاحبِ مسجد سے کہا: میں نے تمہاری مسجد میں یہ کچھ دیکھا ہے۔ یعنی: بالکونیاں وہ انصاب جاہلیت کے مشابہ ہیں، لہٰذا حکم دو کہ انھیں توڑ دیا جائے۔

میں نے اسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم مخالفة أصحاب الجحیم" (ص ۶۳) سے نقل کیا ہے۔

اور یہ سند صحیح ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ اس اسماعیل کے علاوہ باقی ثقہ ہے جیسا کہ "التقریب" میں ہے۔

اور ابن القاسم کی "المدونة" (۱/ ۱۰۹) میں ہے:

''انہوں نے کہا: میں نے مالک سے سنا اور انہوں نے مدینے کی مسجد اور اس کے قبلہ کی سمت جو تزئین کی گئی تھی اس کا ذکر کیا، انہوں نے کہا: جس وقت انہوں نے یہ کیا تو لوگوں نے اسے ناپسند کیا۔ یہ لوگوں کو ان کی نماز میں مشغول کر دیتا ہے، وہ اس کی طرف دیکھتے ہیں تو وہ انھیں غافل کر دیتا ہے۔''

اسی لیے بہت سے علماء نے ان مساجد میں نماز پڑھنا مکروہ قرار دیا ہے جن کی تزئین کی گئی ہو اور وہ مزین ہوں۔ [1]

۸: مسجد میں محراب

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے محراب کے مسئلے، اس کی مشروعیت کی حد اور اس کے مساجد میں وجود کے متعلق بحث کی ہے، آپ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱/ ٦٤١-٦٤٣) کی حدیث رقم (۴۴۸) [2] کے تحت اس کے بعد کہ انہوں نے اس پر ضعف کا حکم لگایا، فرمایا:

فائدہ:...... مذابح سے محاریب مراد ہیں، جیسا کہ ''لسان العرب'' وغیرہ میں ہے، اور جیسا کہ ابن عمرو کی مرفوع روایت میں ان الفاظ کے ساتھ وضاحت شدہ بیان ہوا ہے: "اتَّقُوْا هٰذِهِ الْمَذَابِحَ"

''ان محاریب سے بچو۔''

بیہقی نے (۲/ ۴۳۹) اور دیگر نے اسے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور سیوطی نے اپنے رسالے [3] (ص ۲۱) میں فرمایا: ''حدیث ثابت ہے۔''

اور انہوں نے اس سے مساجد میں محاریب بنانے سے ممانعت پر استدلال کیا ہے، اور یہ محل نظر ہے، میں نے

---

[1] پھر ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے مزین اور نقش نگار والی مساجد میں نماز کی کراہت کے متعلق علماء کے اقوال ذکر کیے ہیں۔ دیکھیں: "الثمر" (۱/ ٤٧٠-٤٧١)

[2] وہ یہ ہے: ''یہ امت خیر و بھلائی پر رہے گی جب تک وہ اپنی مساجد میں نصاریٰ کے مذابح کی طرح مذابح (محراب) نہیں بنائیں گے۔''

[3] یعنی: ان کے رسالے کا نام ہے: "إعلام الأریب بحدوث بدعة المحاریب".

اسے "الثمر المستطاب فی فقه السنة والكتاب" [1] میں بیان کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس سے صدور مجالس مراد ہے، جیسا کہ مناوی نے "الفیض" میں اسے جزم (یقین) کے ساتھ بیان کیا ہے۔

---

[1] اس کتاب (۱/۲/۴۷۲-۴۷۸) میں شیخ رحمہ اللہ کا قول ہے: یہ، رہا مسجد میں محراب تو ظاہر ہے کہ وہ بدعت ہے، اس لیے کہ ہمیں ایسا کوئی اثر نہیں ملا جو اس پر دلالت کرتا ہو کہ وہ نبی ﷺ کے عہد میں موجود تھا۔

میں یہ کہتا ہوں: اگرچہ ابن ہمام کا "الفتح" (۱/ ۲۹۱) میں قول ہم پر مخفی نہیں "کہ مساجد میں محاریب رسول اللہ ﷺ کے دور میں بنائے گئے۔"

اس کے لیے سند و معرفت کی ضرورت ہے کہ متقدمین حفاظ و محدثین میں سے کس نے اسے روایت کیا ہے، جبکہ اس نے اس کا رد کیا ہے جو حفظ میں ابن الہمام سے زیادہ درجے کا ہے، سیوطی نے بیان کیا جسے المناوی نے نقل کیا: "لوگوں پر مسجد میں محراب ہونے کی بدعت مخفی رہی، اور انہوں نے گمان کیا کہ وہ نبی ﷺ کے دور میں تھا، جبکہ وہ آپ ﷺ کے دور میں تھا نہ آپ کے کسی خلیفہ کے دور میں تھا، بلکہ وہ دوسری صدی میں وجود پذیر ہوا حالانکہ اسے بنانے کی ممانعت پر ثبوت بھی موجود ہے۔" پھر زرکشی کے مشہور قول کی علمی گرفت کی: "کہ اسے بنانا جائز ہے مکروہ نہیں اور بلا اعتراض لوگوں کا اس پر مسلسل عمل رہا ہے" کیونکہ: "اس بارے میں مذہب میں کوئی نقل نہیں اور اس سے ممانعت ثابت ہے۔" گویا کہ وہ یعنی اس نہی (ممانعت) کے متعلق جس کی طرف انہوں نے اشارہ کیا جسے بیہقی نے (۲/۴۳۹) میں اس سند سے روایت کیا ہے: عبد الرحمن بن مغراء عن ابن ابجر، عن نعیم بن ابی هند، عن سالم بن ابی الجعد، عن عبد الله بن عمرو، قال: قال رسول الله ﷺ: "إِتَّقُوا هٰذِهِ الْمَذَابِحَ يَعْنِي: اَلْمَحَارِيْبَ . ان مذابح۔ یعنی: محاریب سے بچو۔"

یہ سند حسن ہے، اس کے سارے راوی ثقہ اور مسلم کے راوی ہیں، البتہ عبد الرحمٰن بن مغراء کی اعمش کے حوالے سے مروی روایت میں کلام کیا گیا ہے، اور جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں یہ (روایت) ان میں سے نہیں ہے، ذہبی نے "المیزان" میں اس کے سوانح حیات میں بیان کیا:

"اس میں کوئی حرج نہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ، اور الکدیمی نے روایت کیا کہ انہوں نے علی کو بیان کرتے ہوئے سنا: وہ کچھ بھی نہیں ہم نے اسے ترک کیا ہے، وہ اس قابل نہیں ہے۔" ابن عدی نے اس کے بعد فرمایا:

جو علی نے فرمایا ہے وہ اسی طرح ہے جیسے انہوں نے فرمایا: انہوں نے ابوزہیر پر اعتراض کیا ہے۔ یہ ابن مغراء کی کنیت ہے۔ وہ اعمش سے احادیث روایت کرتا ہے، ثقہ راوی ان پر اس کی متابعت نہیں کرتے، ابوزرعہ نے کہا: وہ صدوق ہے۔"

میں نے کہا: ابوزرعہ کا یہ قول وہ ہے جس پر حافظ نے "التقریب" میں اعتماد کیا ہے، انہوں نے کہا:

"صدوق ہے اعمش سے اس کی روایت میں کلام کیا گیا ہے۔" اور ہیثمی نے "المجمع" (۸/ ٦٠) میں حدیث کو اس کے الفاظ کے ساتھ روایت کرنے کے بعد کہا: اسے طبرانی نے روایت کیا، اور اس میں عبد اللہ بن مغراء ہے، ابن حبان وغیرہ نے اسے ثقہ قرار دیا ہے، اور ابن المدینی نے اسے اس کی اعمش سے روایت میں ضعیف قرار دیا ہے، اور یہ ان میں سے نہیں۔" (اور حاشیے میں اس طرح تبصرہ کیا ہے: "میں نے کہا: اگر وہ یعنی ابن المدینی کی اس کے لیے تضعیف کی وجہ سے یہ روایت جس کا الکدیمی کے طریق سے ذہبی کے حوالے سے ذکر ہو چکا، اس سے استدلال کرنا جائز نہیں، کیونکہ الکدیمی کا نام محمد بن یونس ہے اور متروک راوی ہے جیسا کہ "المیزان" میں ہے، بلکہ ان میں سے بعض نے اس کی تکذیب کی ہے۔) اور سیوطی نے فرمایا، جسے المناوی نے نقل کیا:

"حدیث ثابت ہے، وہ ابوزرعہ اور اس کی متابعت کرنے والوں کی رائے پر صحیح ہے اور ابن عدی کی رائے سے حسن ہے۔"

اور اسی وجہ سے انہوں نے "الجامع" میں اس کے لیے حسن کا اشارہ دیا ہے، اور مناوی نے ان کی علمی گرفت کی ہے جسے اس نے ذہبی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے "المهذب علی البیهقی" (۲/ ۸٦۷، رقم ۳۸۱۵، ۳۸۱٦) میں بیان کیا: "میں نے کہا: یہ خبر منکر ہے، اس میں عبد الرحمٰن بن مغراء کا تفرد ہے، اور وہ حجت نہیں۔"

⇦⇦⇦

سیوطی رحمہ اللہ کا سابق رسالہ میں جزم کے ساتھ بیان کرنا کہ مسجد میں محراب بدعت ہے، اور شیخ علی القاری نے "مرقاۃ المفاتیح" (۱/ ۴۷۳) وغیرہ میں اس کی متابعت کی ہے، یعنی اس کے بدعت ہونے میں، وہ اس معضل روایت سے بے نیاز کر دیتا ہے، اگر چہ وہ اس سے ممانعت کے بارے میں صریح ہے، ہم اس چیز سے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو اپنے لیے استدلال کرنا جائز نہیں سمجھتے۔

⇦⇦⇦

میں نے کہا: حق بات یہ ہے کہ وہ حدیث حسن ہے، اس پر منکر کا حکم غیر واضح ہے، ذہبی نے بذات خود ابن مغراء کے بارے میں کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ ابھی بیان گزرا ہے، اس قول سے کم از کم یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس روایت میں اس کا تفرد ہو وہ روایت حسن ہوتی ہے اور مطلق طور پر یہ کہنا کہ وہ قابل اعتماد ہی نہیں تو یہ اس کے خلاف ہے جو "المیزان" میں ہے، اور جب کہا جائے: وہ قابل اعتماد نہیں جب وہ مخالفت کرے تو وہ حق ہے، اور یہاں اس نے مخالفت نہیں کی، لہٰذا اس کی حدیث حسن ہوئی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس کے علاوہ کہ مساجد میں بدعتِ محاریب سے ممانعت پر اس حدیث سے استدلال (جیسا کہ السیوطی نے سمجھا جیسے المناوی نے ان سے صراحت کے ساتھ نقل کیا اور ان کا کلام سابق اس کی طرف اشارہ کرتا ہے) ظاہر نہیں، اگر چہ بیہقی نے اس کی طرف اس سے سبقت کی ہے جب انہوں نے اس حدیث کو "باب فی کیفیۃ بناء المساجد" میں نقل کیا ہے، مناوی نے سیوطی کے اس کلام پر، جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، علمی گرفت کرتے ہوئے کہا:

''میں کہتا ہوں: یہ ان کی طرف سے اس پر بنا ہے جو انہوں نے حدیث کے لفظ سے سمجھا ہے کہ ان کی محراب سے وہی مراد ہے جو اب مسجد میں متعارف ہے اور نہ اس طرح، کیونکہ ابن الاثیر نے اس کی وضاحت کی ہے کہ اس حدیث میں محاریب سے مراد صدور المجالس ہے، انہوں نے کہا: اسی سے حدیث انس ہے: وہ محاریب کو ناپسند فرماتے تھے یعنی: انہیں پسند نہ تھا کہ وہ صدور مجالس میں بیٹھیں اور لوگوں سے بلند ہو جائیں''۔

میں نے کہا: اور اس میں کہ ابن الاثیر نے اس کی تصریح نہیں کی جسے المناوی نے ذکر کیا ہے، کیونکہ نہایہ میں ان کے کلام کی نص: "المحراب" وہ بلند اونچی جگہ ہے اور وہ صدر المجلس ہے، اور اسی سے محراب المسجد نام رکھا گیا، اور وہ: اس (مسجد) میں سامنے اور اونچی جگہ ہے، اور اسی سے حدیث انس...... ان کے کلام کے آخر تک جسے المناوی نے نقل کیا۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ انہوں نے اس حدیث کے ذکر کو مطلق نہیں چھیڑا جس کے سلسلے میں ہم ہیں، المناوی کس طرح کہتے ہیں:

''انہوں نے صراحت کی ہے کہ حدیث میں محاریب سے مراد صدور المجالس ہے۔''

انہوں نے صرف یہ صراحت کی کہ انس کی روایت میں محاریب سے یہی مراد ہے جسے انہوں نے یعنی: ابن الاثیر نے خود نقل کیا ہے اور یہ مخفی نہیں کہ انس کی روایت میں اس لفظ (المحاریب) کے ورود سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ صدور المجالس کے معنی میں ہے، یہ کہ یہ معنی ہر اس حدیث سے مراد ہو جس میں یہ لفظ وارد ہے اور انہی میں سے یہ حدیث ہے۔

لیکن وہ جو میرے نزدیک راجح ہے وہ دونوں حدیثوں کا ایک معنی میں ہوتا ہے: اور وہ باب کی روایت میں اسم اشارہ کا ورود ہے: "ھذہ المذابح۔ یعنی المحاریب۔" یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ جس کی طرف اشارہ ہے۔ وہ محاریب ہیں۔ وہ آپ علیہ السلام کے دور میں موجود تھے، اس اثنا میں کہ مساجد کے محاریب اس اصطلاحی معنی میں جو اس کا متقاضی ہے، وہ سیوطی کے اعتراف کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ لگے تھے تو اس حدیث کو تب اس پر محمول کرنا کس طرح جائز ہے، جبکہ اس میں اس کی طرف اشارہ ہے اور وہ غیر موجود ہے؟ پس یقین ہوا کہ اس حدیث میں محاریب سے مراد صدور المجالس ہے، جیسا کہ وہ انس کی روایت میں مراد ہے، واللہ اعلم۔

یہ جو کہ روایت کیا گیا ہے جو اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ مساجد میں محاریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں معروف نہ تھے، طبرانی ⇦⇦⇦

البزار (۱/۲۱۰/۴۱۶۔ کشف الستار) نے ابن مسعود سے روایت کیا کہ انہوں نے محراب میں نماز پڑھنا ناپسند کیا ہے، اور انہوں نے فرمایا: وہ تو گرجا گھروں کے ہوئے ہیں، تم اہل کتاب سے مشابہت نہ کرو، یعنی انہوں نے محراب میں نماز پڑھنا ناپسند کیا ہے۔

⇐⇐ نے ''الاوسط'' اور ''الکبیر'' میں جابر بن اسامہ الجہنی سے روایت کیا، انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کے اصحاب کی موجودگی میں بازار میں ملاقات کی، میں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا: آپ ﷺ تمھاری قوم کے لیے ایک مسجد کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں، انہوں نے بیان کیا: میں آیا، آپ نے ان کے لیے مسجد کی نشان دہی کی اور آپ نے اس کے قبلہ میں ایک لکڑی گاڑ دی اور اسے قبلہ کے طور پر قائم کر دیا۔

انہوں نے "المجمع" (۲/ ۱۵) میں بیان کیا: ''اس میں معاویہ بن عبد اللہ بن حبیب ہے، میں نے اس کے سوانح سے نہیں پایا۔'' (اور 'معاویہ'، ''معاذ'' سے محرف ہے اور ''حبیب'' اصل میں 'خبیب'' ہے! جیسا کہ اس نقطہ پر شیخ البانی رحمہ اللہ کے کلام کے آخر پر آئے گا۔)

اور مجھے یاد ہے کہ بعض علماء جو مسجد میں محراب کے جواز کا موقف رکھتے ہیں۔ انہوں نے ذکر کیا کہ اس کے فوائد میں سے ہے کہ وہ قبلے کی جہت پر دلالت کرتا ہے، ہم کہتے ہیں: اس کی تو تب ضرورت ہوگی جب مسجد میں منبر نہ ہو، کیونکہ وہ بھی تو قبلے کی سمت پر دلالت کرتا ہے، اس کے علاوہ اگر مسجد میں جہاں منبر نہ ہو اور علامت کی ضرورت ہو تو پھر وہاں کوئی لکڑی رکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں جو قبلہ پر دلالت کرتی ہو جیسا کہ اس حدیث میں ہے، یہ ان محاریب سے بہتر ہے جن کے بنانے میں نصاریٰ سے مشابہت ہے۔ بزار رحمہ اللہ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے محراب میں نماز پڑھنا ناپسند کیا ہے اور انہوں نے کہا: وہ تو گرجا گھروں کے ہوتے تھے۔ پس تم اہل کتاب سے مشابہت نہ کرو، یعنی: انہوں نے محراب میں نماز پڑھنا ناپسند کیا ہے۔ انہوں نے "المجمع" میں بیان کیا: ''اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔'' میں نے کہا: سعید بن منصور نے بھی اسے ان الفاظ سے روایت کیا ہے کہ وہ محراب میں نماز پڑھنا ناپسند کرتے تھے اور انہوں نے کہا: وہ (محراب) گرجا گھروں کا حصہ ہیں لہٰذا تم اہل کتاب سے مشابہت اختیار نہ کرو۔

عبید بن ابی الجعد سے مروی ہے، انہوں نے کہا: محمد ﷺ کے اصحاب کہا کرتے تھے: قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ مساجد میں محراب بنا لیے جائیں۔

اسے اور اس سے پہلی روایت کو شیخ الاسلام نے "الاقتضاء" (ص ۴۳) میں نقل کیا ہے۔

اس اثر (خبر) سے یہ چیز نظر آتی ہے کہ انہوں نے مسجد کے مذابح کی ''طاقات'' سے تفسیر کی ہے، جن کا اصطلاحی مفہوم محاریب ہیں، جس طرح حدیث میں مذابح کی محاریب سے تفسیر کی گئی ہے، جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ''طاقات'' (محاریب) ہیں اور امام سیوطی نے جو حدیث سے سمجھا ہے یہ اسے تقویت پہنچاتا ہے، اگر اس میں اسم اشارہ نہ ہو۔

جو کچھ بیان ہوا اس کے بعد اگر مزید تحقیق و تدقیق کی ضرورت ہو تو جس کے پاس اس کے متعلق کوئی چیز ہو وہ لکھے، اور اللہ نیک عمل کرنے والے کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔

ابن حزم (۴/۲۳۹) نے مساجد میں محاریب کی کراہت کی صراحت کی ہے اور انہوں نے فرمایا:

''اور ہم نے علی بن ابی طالب سے روایت کیا کہ وہ مسجد میں محراب کو ناپسند فرماتے تھے، اور ابراہیم نخعی سے۔''

شیخ نے ابراہیم نخعی کے اثر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: یہ کہ وہ امام کے محراب میں نماز پڑھنے کو ناپسند فرماتے تھے۔

سفیان ثوری نے فرمایا: ''اور ہم اسے ناپسند کرتے ہیں۔'' اسی لیے شیخ علی قاری نے ''المرقاۃ'' (۱/۴۷۳) میں انس کی روایت: ''نبی ﷺ نے قبلے (کی سمت) میں ریزش دیکھی۔'' کی شرح میں فرمایا:

⇐⇐⇐

الھیثمی (۲/ ۵۱) نے بیان کیا: ''اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔''

میں نے کہا: اور اس میں جو انہوں نے کہا قابل غور بات ہے تو بزار نے اس طرف اشارہ کیا کہ ابوحمزہ کا

⇐⇐ ''یعنی: مسجد کی وہ دیوار جو قبلہ کی جانب تھی اور اس سے وہ محراب مراد نہیں جسے لوگ قبلہ کا نام دیتے ہیں، کیونکہ محاریب آپ ﷺ کے بعد کے نئے امور میں سے ہیں، اسی لیے تمام سلف نے انھیں بنانا اور ان میں نماز پڑھنا ناپسند کیا ہے۔ قضاعی نے بیان کیا: سب سے پہلے عمر بن عبدالعزیز نے اسے شروع کیا، وہ ان دنوں ولید بن عبدالملک کی طرف سے مدینے کے گورنر تھے، یہ انہوں نے اس وقت کیا۔ جب انہوں نے نبی کی مسجد کی بنیاد رکھی، اس کی خدمت کی اور اس میں اضافہ کیا اور مسجد میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو محراب کا نام دے دیا گیا، کیونکہ وہ مسجد کی مجالس (نشستوں) میں سے سب سے اونچا ہوتا ہے، اسی سے محل کو محراب کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ سب سے اونچی عمارت ہوتی ہے، اور کہا گیا ہے: محراب، بادشاہ کی نشست ہے، اسے اس میں اس کے منفرد ہونے کی وجہ سے یہ نام دیا گیا، اور اسی طرح محراب مسجد ہے، کیونکہ وہ اس میں منفرد ہوتا ہے، اور یوں بھی کہا گیا: اس کا اس لیے یہ نام رکھا گیا، کیونکہ نمازی اس میں شیطان سے لڑائی کرتا ہے۔''

اور رہا وہ جو ''عون المعبود شرح ابی داوٗد'' میں ہے: جو القاری نے کہا کہ محاریب آپ ﷺ کے بعد کے محدثات میں سے ہے، یہ قابل غور ہے! کیونکہ آپ ﷺ کے زمانے میں محراب کا وجود بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے۔

بیہقی نے وائل بن حجر کے حوالے سے ''السنن الکبریٰ'' میں روایت کیا، انہوں نے کہا:

''میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اٹھ کر مسجد کی طرف گئے اور محراب میں داخل ہو گئے، پھر آپ نے تکبیر کے لیے ہاتھ اٹھائے۔''

شیخ عبدالحی الکتانی نے اسے "التراتیب الإداریة" (۱/ ۶۳۔۶۴) میں نقل کیا اور اسے تسلیم کیا:

میں نے کہا: اس تعقیب واقرار کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ حدیث مذکور انتہائی ضعیف ہے، کیونکہ بیہقی (۲/۳۰) نے اسے محمد بن حجر حضرمی کے طریق سے نقل کیا ہے: حدثنا سعید بن عبد الجبار بن وائل عن ابیه، عن امه، عن وائل، اس سند میں تین علتیں ہیں: اس کے بعض راویوں کا ضعف، انقطاع اور اس کے متن میں شذوذ۔

رہی پہلی علت: تو وہ محمد بن حجر حضرمی ہے۔ ذہبی نے "المیزان" میں کہا:

''اس کی منکر روایات ہیں اور بخاری نے فرمایا: اس میں کچھ نظر ہے۔'' اور حافظ رحمہ اللہ نے اسے "اللسان" میں تسلیم کیا، اور برقرار رکھا ہے اور ابواحمد الحاکم سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا:

''وہ ان کے ہاں قوی نہیں۔''

میں نے کہا: اور اس کا شیخ سعید بن عبدالجبار بھی ضعیف ہے، جیسا کہ "التقریب" میں ہے۔

رہی دوسری علت: وہ یہ کہ عبدالجبار بن وائل کے بارے میں معروف نہیں کہ اس نے اپنی والدہ سے سنا ہے اور یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے اپنے والدین سے نہیں سنا جیسا کہ "التھذیب" میں ہے۔

اور رہی تیسری علت: وائل رضی اللہ عنہ کی روایت جو آپ ﷺ کی نماز کی کیفیت وطریقے سے متعلق ہے، وہ صحیح مسلم، "السنن" اور "مسانید" وغیرہ میں بہت سے طرق سے مختلف الفاظ سے آئی ہے، لیکن ان میں سے کسی میں بھی محراب کا ذکر نہیں، بس اس ضعیف روایت میں ہے، پس وہ اس کے شذوذ، بلکہ منکر ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

اس روایت کے، جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، الطرق "البیھقی" (۲/۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۸، ۳۰، ۵۷، ۵۸، ۷۲، ۸۱، ۹۸، ۹۹، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۷۸) میں دیکھیں۔

ابراہیم سے تفرد ہے، اور ابوحمزہ کا نام میمون قصاب ہے، اور وہ بالاتفاق ضعیف ہے، کسی ایک نے اس کی توثیق نہیں کی، اسے اس کے ساتھ معلول قرار دینا 'شیخ البزار محمد بن مرداس کے اس دعویٰ کہ وہ مجہول ہے، کے ساتھ معلول قرار دینے سے زیادہ بہتر ہے، حفاظ کی ایک جماعت نے اس سے روایت کیا ہے، ان میں سے بخاری نے "جزء القراءۃ" میں روایت کیا ہے، اور ابن حبان نے اپنی "ثقات" (۹/ ۱۰۷) میں بیان کیا: ''وہ مستقیم الحدیث ہے۔''

لیکن اسے وہ تقویت پہنچاتا ہے جسے ابن ابی شیبہ نے صحیح سند سے ابراہیم سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: عبداللہ نے فرمایا:

''ان محاریب سے بچو، ابراہیم ان میں (نماز کے لیے) کھڑے نہیں ہوتے تھے۔''

میں نے کہا: یہ ابن مسعود سے صحیح ثابت ہے، ابراہیم سے مراد ابن یزید نخعی ہیں، اگرچہ انہوں نے ابن مسعود سے نہیں سنا، وہ ان سے ظاہر میں مرسل ہے، مگر یہ کہ ائمہ کی ایک جماعت نے ان کی مراسیل کو صحیح قرار دیا ہے، اور بیہقی نے اسے اس کے ساتھ مخصوص کیا ہے جو انہوں نے ابن مسعود سے مرسل روایت کی ہے۔

میں نے کہا: یہ تخصیص درست ہے، جب اعمش نے روایت کیا، انہوں نے کہا:

میں نے ابراہیم سے کہا: ابن مسعود سے مجھے سند بیان کرو تو ابراہیم نخعی نے کہا:

''جب میں تمھیں کسی آدمی کے حوالے سے عبداللہ سے روایت بیان کروں تو وہ وہ ہے جو میں نے سنی ہے اور جب میں کہوں: عبداللہ نے فرمایا: تو وہ کسی کے حوالے سے عبداللہ سے ہے۔''

حافظ نے اسے "التھذیب" میں معلق روایت کیا ہے، طحاوی (۱/۱۳۳) نے اسے موصولاً روایت کیا ہے، ابن سعد نے ''الطبقات'' (۶/۲۷۲) میں اور ابوزرعہ نے ''تاریخ دمشق'' (۲/۱۲۱) میں ان سے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

میں نے کہا: یہ اثر ابراہیم نے اس میں بیان کیا: ''عبداللہ نے کہا:

''انہوں نے اسے ایک جماعت کے طریق سے ان سے حاصل کیا اور وہ ابن مسعود کے اصحاب ہیں۔ نفس ان کی روایت کے لیے مطمئن ہے، کیونکہ وہ ایک جماعت ہے، اگرچہ وہ غیر معروف ہیں، تابعین پر صدق کے غلبہ کے لیے اور خاص طور پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب۔

پھر ابن ابی شیبہ نے سالم بن ابی الجعد سے روایت کیا، انہوں نے کہا:

''مساجد میں مذابح (محاریب) نہ بناؤ۔'' اس کی اسناد صحیح ہے۔

پھر انہوں نے موسیٰ بن عبیدہ سے صحیح سند سے روایت کیا، انہوں نے کہا:

میں نے ابوذر کی مسجد دیکھی، میں نے اس میں کوئی محراب نہ دیکھا اور انہوں نے مسجد میں محراب کی کراہت کے بارے میں سلف سے بہت سے آثار روایت کیے ہیں، ہم نے جو نقل کیا ہے وہ کافی ہے۔

رہا شیخ الکوثری کا اپنے اس کلام میں جزم کے ساتھ کہنا جس کو وہ سیوطی کے رسالے (ص ١٧) کے شروع میں لائے ہیں، کہ نبی ﷺ کی مسجد میں محراب موجود تھا، پس وہ (بات) اس مسئلے میں واردان آثار کے خلاف ہے اس کے ساتھ ساتھ جوان آثار سے مطلع ہے وہ قطعی طور پر محراب کے بدعت ہونے کا قائل ہوگا۔ پس کوئی شک نہیں کہ ناقدین کی ایک جماعت نے اس کا قطعی حکم لاگو کیا ہے، جیسا کہ بیان ہوا، پس اس بارے میں اس کا سارا انحصار ایک حدیث پر ہے جو کہ صحیح نہیں، پس کوثری کی جعل سازیوں کو دور کرنے کے لیے اس پر کلام کرنا ضروری ہے، اور وہ وائل بن حجر کی روایت ہے، اور وہ اس طرح ہے:

''میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایسے وقت میں حاضر ہوا جس وقت آپ مسجد کی طرف جانے کے لیے کھڑے ہوئے، آپ محراب (یعنی: محراب کی جگہ) میں داخل ہوئے، پھر آپ نے اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھ بلند کیے، پھر آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر سینے پر رکھا۔'' [1]

پھر ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (١/ ٦٤٤۔٦٤٧) میں اس روایت پر ضعف کا حکم لگانے کے بعد فرمایا:

اسی لیے سیوطی کے رسالے پر تبصرہ کرنے والے دوسرے شخص ...... شیخ عبداللہ محمد الصدیق الغماری ہیں ...... انہوں نے اس حدیث پر منصف کے طور پر جرح وتنقید کی حالانکہ وہ محاریب کے استحسان کے بارے میں الکوثری کے ساتھ متفق ہیں، انہوں نے حدیث کا ضعف بیان کیا، تو انہوں نے (ص ٢٠) فرمایا: گویا کہ وہ الکوثری پر ردّ کرتے ہیں، انہوں نے اس کے کلام پر قطعی طور پر بیان کیا۔

''حق بات یہ ہے کہ وہ حدیث ام عبدالجبار کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ کیونکہ محمد بن حجر بن عبدالجبار کی منکر روایات ہیں، جیسا کہ ذہبی نے فرمایا، فرض کریں اگر وہ ثابت بھی ہو تو اس میں محراب کو جائے نماز پر محمول کر کے تاویل کرنا واجب ہے، چونکہ یہ تو قطعی بات ہے کہ اس دور میں مسجد نبوی کا محراب نہ تھا، جیسا کہ مؤلف (یعنی: سیوطی)، حافظ اور سید سمہودی نے اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔''

میں نے کہا: جس نے تاویل کا موقف اختیار کیا ہے وہ حدیث سے (اگر ثابت ہو) البزار کے اضافے کی دلیل سے قطعی مراد ہے ''یعنی محراب کی جگہ'': انہوں نے صراحت کی کہ آپ ﷺ کے دور میں محراب نہ تھا، اسی لیے راوی نے ''محراب کی جگہ'' سے اس کی تاویل کی۔

---

[1] الضعیفة، رقم: ٤٤٩، اس کی تخریج اس کی جگہ پر دیکھیں۔

اس سے منصف قاری کے لیے الکوثری کی حدیث سے سنداً و معنیً وابستگی کا سقوط ظاہر ہو جائے گا، اسے وہ 'شاہد' فائدہ نہیں دے گا جسے اس نے عبد المہیمن بن عباس کی روایت سے ذکر کیا جو سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت کے حوالے سے طبرانی [1] میں ہے اور اس میں ہے:

''......جب آپ کے لیے محراب بنا دیا گیا، آپ اس کی طرف بڑھے......''

یہ اس لیے کہ یہ الفاظ: ''آپ کے لیے محراب بنا دیا گیا''، منکر ہیں، ان الفاظ کے ساتھ عبد المہیمن کا تفرد ہے، جبکہ اسے کئی ایک نے ضعیف قرار دیا ہے، جیسا کہ الکوثری نے کہا، جبکہ حقیقت میں اس کا حال اس سے برا ہے، بخاری نے اس کے متعلق کہا: ''منکر الحدیث''۔

نسائی نے کہا: ''وہ ثقہ نہیں۔''

وہ شدید ضعیف ہے، اس سے استشہاد نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ مصطلح الحدیث میں ثابت ہے، یہ تب ہے اگر اس کی روایت کے الفاظ وائل کی روایت کے الفاظ کے موافق ہوں، یہ کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ وہ دونوں بہت زیادہ مختلف ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا!

رہا الکوثری وغیرہ کا اس دلیل سے محاریب کو مستحسن سمجھنا کہ اس میں ایک ثابت شدہ مصلحت ہے، وہ قبلے کی راہنمائی کرتا ہے، تو وہ کئی لحاظ سے کمزور دلیل ہے:

۱: بے شک اکثر مساجد میں منبر ہیں، وہ اس مصلحت کو بخوبی ادا کرتے ہیں، اس میں محاریب کی کوئی ضرورت نہیں رہتی، اگر وہ انصاف کریں تو اس مسئلے میں دو مختلف چیزوں کے درمیان اتفاق ہونا چاہیے! انہوں نے اس چیز کو باقی رکھتے ہوئے جس پر جمہور ہیں اور ان کی رضا مندی کے لیے عذر کی طرف جلدی کرنے کی کوشش نہ کی۔

۲: یہ کہ جو حاجت و مصلحت کے لیے شروع کیا گیا، تو چاہیے کہ مصلحت کے تقاضے پر ٹھہرا جائے، اور اس پر کوئی اضافہ نہ کیا جائے، اگر تو مسجد میں محراب سے غرض یہ ہے کہ وہ قبلے پر راہنمائی کرتا ہے، تو یہ تو چھوٹے سے محراب سے حاصل ہو جاتی ہے کہ اس میں نشان لگا لیا جائے، ہم اکثر مساجد میں اتنے بڑے محاریب دیکھتے ہیں کہ ان میں امام چھپ جاتا ہے اس پر یہ اضافہ کریں کہ وہ زینت و نقوش کی جگہ بن گیا ہے جو نمازیوں کو غافل کرتے ہیں اور انھیں نماز میں خشوع اور اس میں فکر کی ترکیز کرنے سے دور کرتے ہیں، یہ قطعی ممنوع ہے۔

---

[1] میں نے کہا: یعنی "المعجم الکبیر" (٦/ ١٥٥/ ٥٧٢٦) میں اور اس کی اسناد پر کلام کیا، اور میں نے ۳۵ میں سہل کی روایت کے حوالے سے محراب کے تذکرے کا منکر ہونا بیان کیا۔ اس کا تفصیلی بیان ان شاء اللہ رقم: ٥٥٥٤ پر آئے گا۔ (منہ)

۳: جب یہ ثابت ہوا کہ محاریب کا نصاریٰ کے گرجا گھروں میں معمول ہے، تو پھر محراب سے کلی طور پر صرف نظر کر لینی چاہیے اور اس کی جگہ ایسی چیز لانی چاہیے جس پر اتفاق ہو، مثلاً امام کے کھڑے ہونے کی جگہ پر کوئی لکڑی کھڑی کر لینی چاہیے، کیونکہ اس کی اصل سنت میں موجود ہے۔ طبرانی نے "الکبیر" (۱/ ۸۹/ ۲) اور "الأوسط" (۲/ ۲۸٤/ ۹۲۹٦) میں دو طریق سے عبد الله بن موسى التيمی، عن اسامة بن زید، عن معاذ بن عبد الله بن خبيب عن جابر بن اسامة الجهنی کے حوالے سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا:

''میں نے نبی ﷺ سے آپ کے اصحاب کی موجودگی میں بازار میں ملاقات کی، میں نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے پوچھا: آپ کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: وہ آپ کی قوم کے لیے مسجد کی نشان دہی فرمائیں گے، میں واپس آیا، تو میں نے لوگوں کو کھڑے دیکھا، میں نے کہا: تم کس لیے کھڑے ہو؟ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے مسجد کی نشان دہی فرمائی ہے، اور قبلہ کی سمت میں ایک لکڑی گاڑ دی اور اسے وہاں قائم رکھا۔''

میں نے کہا: یہ اسناد حسن ہے یا حسن کے قریب ہے، اس کے سارے رجال ثقہ ہیں اور وہ "التهذيب" کے معروف راویوں میں سے ہیں، لیکن تیمی مختلف فیہ ہے۔

ہیثمی پر ان میں سے ایک کا نام محرف ہو گیا، انہوں نے "المجمع" (۲/ ۱۵) میں بیان کیا:

''طبرانی نے اسے "الأوسط" اور "الكبير" میں روایت کیا، اور اس میں معاویہ بن عبد اللہ بن حبیب ہے، اور میں نے اس کے سوانح حیات میں نہیں پایا۔''

وہ تو معاذ ہے، معاویہ نہیں، اور ابن خبیب ہے، ''حبیب'' نہیں، حافظ نے اسے "الإصابة" (۱/ ۲۲۰) میں امام بخاری رحمہ اللہ کی ان کی ''التاریخ'' میں روایت سے، ابن ابی عاصم اور طبرانی سے نقل کیا ہے۔

اور سیوطی کے رسالے پر تبصرہ کرنے والے پر، اور وہ شیخ عبد اللہ غماری ہیں، یہ حقیقت مخفی رہی، انہوں نے معاویہ بن عبد اللہ کی وجہ سے حدیث کی علتوں میں ہیثمی کا کلام نقل کر دیا اور اسے تسلیم کیا۔

خلاصہ کلام: مسجد میں محراب بدعت ہے، اسے مصالح مرسلہ میں شمار کرنا جائز نہیں، جب تک اس کے علاوہ جو ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے مشروع قرار دیا ہے وہ وسعت، قلت کلفت اور تزئین کاری سے بُعد کے ساتھ اس کے قائم مقام ہے۔

۹: منبر کی تین سے زائد سیڑھیاں

"الأجوبة النافعة" (ص ۱۲۰) "صفة الصلوة" (ص ۸۱)، "الثمر المستطاب"

(۱/ ۴۱۳-۴۱۴).

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صفة صلوٰة النبی ﷺ" (ص۸۱) میں فرمایا:

منبر کے حوالے سے سنت یہ ہے کہ اس کی تین سیڑھیاں ہوں، زیادہ نہیں، اس سے زائد اموی بدعت ہے، جو زیادہ تر صف درمیان آجانے کی وجہ سے اسے کاٹ دیتے ہیں اور اس سے فرار اسے مسجد یا محراب کے غربی کونے میں بنانا ایک دوسری بدعت ہے، اسی طرح اسے جنوبی دیوار میں گیلری کی طرح اونچا بنانا، دیوار سے متصل زینے کے ذریعے اس تک پہنچا جاتا ہے، جبکہ بہترین طریقہ محمد کا طریقہ ہے'' صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔ دیکھیں: "فتح الباری" (۲/ ۳۳۱)

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الثمر المستطاب" (۱/ ۴۱۳-۴۱۴) میں ...... امت کی خیر خواہی کے لیے ...... فرمایا: جو شخص مسجد بنانا چاہے تو وہ جس قدر ہو سکے ستون کم از کم بنائے۔

اسی لیے میں کہتا ہوں: جو شخص کوئی مسجد یا کوئی جامعہ بنانا چاہے تو وہ انجینئر سے کہے کہ وہ اس کے لیے ایسا نقشہ تیار کرے جس میں ستون کم از کم ہوں، تاکہ ان کے مساجد میں ہونے کی وجہ سے جو صفوں کے قطع ہونے اور نمازیوں کے لیے جگہ کی تنگی ہونے کے مفاسد و مسائل ہیں وہ کم ہو سکیں، کیونکہ دور حاضر میں سیمنٹ اور لوہے (لینٹر) کے ذریعے کسی ستون کے بغیر مسجد بنانا ممکن ہے بشرطیکہ مسجد بہت زیادہ وسیع نہ ہو، دمشق میں اس طرح کی کئی مساجد بنائی گئی ہیں جیسے شارع بغداد پر مسجد لالا باشا، المہاجرین [1] میں جامع المرابط وغیرہ، ان دونوں میں ساری صفیں متصل ہیں سوائے پہلی صفوں کے کیونکہ وہ ان بدعت کی وجہ سے جو کہ تقریباً تمام مساجد میں عام ہو چکی ہے منقطع ہیں جو کہ افسوس ناک ہے، اس سے میری مراد بلند و بالا طویل کئی زینوں والا منبر ہے، وہ بدعت ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے طریقے کے خلاف ہے، آپ کے منبر کے تین زینے تھے، مزید یہ کہ اس میں تزئین، نقش و نگار، اسراف اور مال کا ضیاع ہے [2] تو وہ صفیں قطع کرنے میں ستون کے مانند ہے، بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ نقصان دہ

---

[1] مثلاً: اردن (المشیرفة) میں مسجد معاویہ بن ابی سفیان، وہ ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ کے مشورے پر بنائی گئی اور وہ اب "مرکز الامام الالبانی للدراسات المنهجية والبحوث العلمية" کے تابع ہے، اسی طرح مسجد البراء بن مالک جو کہ اس محلے میں ہے جہاں میں رہتا ہوں، وہ بہت بڑی اور وسیع ہے اور اس میں کوئی ستون نہیں، اسی طرح مسجد التقوی۔ جبل النصر، وہ بھی شیخ کے مشورے پر بنائی گئی۔

[2] شیخ جمال الدین القاسمی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "إصلاح المساجد من البدع والعوائد" میں جو نقل کیا وہ کتنا خوبصورت ہے، انہوں نے (ص۱۰۲-۱۰۳) میں فرمایا:

''فاضل نے کہا: نسلوں میں اہل بصر میں سے کون ہے جو ہمت رکھتا ہو کہ یہ جو مساجد کی دیواریں اور قبے بنانے ان کی تزئین میں مبالغے کی حد تک مقابلہ بازی کرتے ہیں اور وہ ان کی زیب و آرائش پر بہت زیادہ مال صرف کرتے ہیں؟ ان حالات میں کون جسارت رکھتا ہے کہ وہ ان عطیہ دینے والوں سے کہے: کہ تم فلک بوس عمارتیں (مساجد) بنا رہے ہو یہ عام لوگوں کو بدعات کے شرک میں مبتلا کرتا ہے، اور تم [illegible]

ہے، کیونکہ وہ اپنے طول کے حساب سے بہت ساری صفوں کو قطع کرتا ہے، لہٰذا علماء پر واجب ہے کہ وہ اسے واضح کریں، وہ اپنے دروس ومواعظ میں ان منبروں کو ہٹانے اوران کی جگہ اس طرح کے منبر بنانے کی تلقین کریں جس طرح کا منبر آپ ﷺ کا تھا، اور یہ ان پر بھی واجب ہے جن کے ہاتھ میں اس امر کے نفاذ کا اختیار ہے تا کہ وہ نمازیوں کو اس کے مفاسد سے بچائیں۔

اس کے مفاسد، جو ستونوں میں نہیں پائے جاتے، میں سے یہ بھی ہے کہ وہ بعض اوقات نماز کی خرابی اور اس کے بطلان تک پہنچا دیتے ہیں جیسا کہ ہم نے اس کا کئی بار مشاہدہ کیا ہے، بہت سے لوگ اس پر اتفاق کریں گے کہ امام تشہد اوّل میں بیٹھنا بھول جاتا ہے اور وہ تکبیر کہتے ہوئے تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہوجاتا ہے اور جو اس کے پیچھے ہوتے ہیں وہ بھی اس کے ساتھ کھڑے ہوجاتے ہیں اور رہے وہ جو دائیں طرف منبر کے پیچھے ہیں، انھیں امام کے بھول جانے کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ وہ گمان کرتے ہیں کہ اس نے درست اللہ اکبر کہا ہے، وہ تشہد کے لیے بیٹھ جاتے ہیں جبکہ امام کھڑا ہوتا ہے، جب وہ رکوع کے لیے تکبیر کہتا ہے تو وہ حضرات قیام کے لیے اللہ اکبر کہتے ہیں اور انھیں معلوم نہیں رہتا کہ وہ امام کی مخالفت اور عدم اتباع کررہے ہیں لیکن جب امام رکوع سے سر اٹھاتا ہے اور "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتا ہے تو تب انھیں پتہ چلتا ہے، وہاں سے ہنسنے رلانے کے مقام کی روایت شروع ہوتی ہے، تم دیکھو گے کہ ان میں سے کوئی شخص نماز توڑ دیتا ہے اور نئے سرے سے نماز شروع کردیتا ہے، دوسرا اپنے زعم میں امام کو پانے اور اس کی پیروی کی کوشش کرتا ہے۔ وہ تشہد سے اٹھتا ہے، پھر کچھ دیر کے لیے کھڑا ہوتا ہے، پھر رکوع کرتا ہے، پھر رکوع سے اٹھتا ہے، پھر امام کو سجدہ میں یا اس کے بعد کی حالت میں پالیتا ہے۔

کبھی اس سے بھی زیادہ عجیب چیز واقع ہوتی ہے، وہ یہ کہ ایسا اتفاق ہوجاتا ہے کہ امام جب تشہد سے پہلے بھول کر تیسری رکعت کے لیے قیام کا ارادہ کرتا ہے تو کوئی مقتدی ''سبحان اللہ'' کہہ کر اسے لقمہ دیتا ہے تو جو منبر کے

⇦⇦⇦ اپنے اموال دین کو ظاہری عبادات میں تبدیل کرنے پر خرچ کرتے ہو جیسا کہ پہلی تمام امتوں میں شرک پھیلا تھا۔ جو عقیدے کے جمال سے معابد کی دیواروں کے جمال میں بدل گیا اور نور ایمان سے بلند عمارتوں کے انوار میں بدل گیا حتیٰ کہ انہوں نے شعائر دین کو ولیموں کے پروگراموں کے مشابہ اور کھانے پینے کے اجتماعات کے زیادہ قریب بنادیا، جو کہ اذہان نقوش وتزئین میں شدت سے مشغول ہوجاتے ہیں اور منبروں کے بنا کرنے اور کھڑکیوں کے ہر دور میں فکر کو مصروف رکھتے ہیں۔ حالانکہ ان اجتماعات سے قصد عقل کو عالم مادی کے سامان تفریح سے خالی رکھنا اور تزئین وآرائش کے مسحور کن مظہر سے اس (عقل) کو بچانا ہے اور اس مستحکم اجتماع کے پروں پر روح کے ساتھ رحمت قدسیہ کے باب کی طرف جانا ہے، تاکہ تم عبودیت خالص اور خالی ہاتھ سے اس باب رحمت پر دستک دو، تاکہ تم عالم قدس کے نور کے ساتھ اس کے عالم کی طرف واپس آ ؤ، وہ اسے اس کے جہاد میں ثابت رکھے، اسے اس کی راہ پر قائم رکھے اور اسے دنیا کے فتنوں اور اس کی پھسلنے کی جگہوں سے بچائے، حتیٰ کہ جب وہ اس زندگی میں اپنی ذمہ داری ادا کرے اور وہ اس قوت کے ساتھ جو اس نے کمائی، اپنے عالم کی طرف بلند ہوجائے اور وہ فیض الٰہی کے پردے سے اس حالت میں داخل ہوجائے جو اس کے لیے تیار کی گئی ہے۔ انتھیٰ (منہ)

پیچھے ہوتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ امام بھول گیا ہے، لیکن وہ نہیں جانتے کہ امام نے کیا کیا ہے! کیا وہ تشہد کی طرف لوٹ گیا ہے تو وہ بیٹھے رہتے ہیں، یا وہ مکمل طور پر کھڑا ہوگیا تھا تو تب اس کے لیے تشہد کی طرف لوٹنا جائز نہیں تو وہ کھڑا رہتا ہے تو وہ اس کے ساتھ کھڑے رہتے ہیں، اس لیے تم انھیں پریشانی میں دیکھتے ہو، ان میں سے کوئی بیٹھا ہوتا ہے تو کوئی کھڑا اور تیسرا بیٹھتا ہے پھر کھڑا ہو جاتا ہے۔ چوتھا اس کے برعکس کھڑا ہوا پھر بیٹھ گیا اس خیال سے کہ امام نے بھی اسی طرح کیا ہے، یہ سب غیر سنجیدہ چیزیں (تماشے) منبر کے بارے میں آپ ﷺ کے طریقے کی مخالفت کا نتیجہ ہیں، ہوسکتا ہے کہ مساجد کمیٹی کے ذمہ داران اس سے آگاہی حاصل کریں اور اس کی اصلاح کے حوالے سے ان پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں انہیں بجالائیں:

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾ (ق : ٣٧)

''بے شک اس میں اس شخص کے لیے نصیحت ہے جو دل رکھتا ہے اور وہ توجہ سے بات سنتا ہے۔''

اسی لے سلف میں سے بعض علماء کا موقف ہے کہ منبر کی وجہ سے مقطوع صف اوّل وہ صف اوّل نہیں، بلکہ وہ منبر کے سامنے صف متصل ہے، الغزالی نے "الإحیاء" (١/ ١٦٤۔١٦٥) میں بیان کیا:

''صف اوّل کی طلب میں تین امور سے غافل نہیں ہونا چاہیے (پس انہوں نے ان میں سے اوّل و دوم ذکر کیے، پھر کہا): اور ان میں سے تیسرا: یہ کہ منبر صفوں کے بعض حصے کو قطع کر دیتا ہے، واحد صف اوّل متصل وہ ہے جو منبر کے اندرونی حصے (صحن) میں ہے، اور جو اس کے دو اطراف پر ہے وہ مقطوع ہے، ثوری کہا کرتے تھے: صف اوّل وہ ہے جو منبر کے سامنے باہر ہے، اور وہ مقابل ہے کیونکہ وہ متصل ہے، کیونکہ اس میں بیٹھنے والا خطیب کے سامنے ہوتا ہے اور وہ اس سے سنتا ہے، اور یوں کہنا کوئی بعید نہیں: قبلے کی طرف جو زیادہ قریب ہے وہی صف اوّل ہے اور اس معنی کا خیال نہیں رکھا جائے گا۔''

اور اسی آخری بات کے متعلق نووی نے "المجموع" (٤/ ٣٠١) میں قطعی طور پر کہا ہے:

''جان لیجیے کہ صف اوّل سے مراد وہ صف ہے جو امام کے قریب ہے، خواہ منبر امام کے کھڑا ہونے کی جگہ اور ستون وغیرہ اس کے درمیان آئے یا نہ آئے۔''

جو بھی صورتِ حال منبر کے پیچھے نماز کراہت سے خالی نہیں کیونکہ اس کی وجہ سے نماز میں خرابی اور اس کے بطلان کا اندیشہ ہے، خواہ وہ اس صف میں نماز پڑھے جو منبر سے دوسری سمت میں ہے اور اس طرح کے اس پر امام کی حرکات مخفی نہیں رہتیں، یا وہ دوسری صف میں نماز پڑھے، اور ہم ان شاء اللہ تعالیٰ اسی طرح کریں گے، ہم ستونوں کے درمیان نماز نہیں پڑھیں گے، بلکہ ہم ان سے پیچھے یا آگے ہو جائیں گے، جیسا کہ انس بن مالک نے

فرمایا ہے، ہمارے نزدیک اس کے اور منبر کے پیچھے نماز پڑھنے کے درمیان کوئی فرق نہیں، کیونکہ وجہ ایک ہی ہے، کیونکہ اُس نماز میں اس کے فساد کے تعرض سے جو کہ ستونوں کے درمیان نماز میں نہیں جیسا کہ بیان ہوا، واللہ اعلم۔

۱۰: منبر کو مسجد کے مغربی کونے میں بنانا اور اسی طرح اسے جنوبی دیوار میں گیلری کی طرح بلند بنانا

جب شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس بات کو ترجیح دی کہ منبر کے حوالے سے سنت یہ ہے کہ اس کے تین زینے ہوں، اور یہ کہ اس پر اضافہ بدعت ہے، انہوں نے "صفة الصلوٰة" (ص ۸۱) میں بیان فرمایا.

اور اس سے فرار اختیار کر کے اس (منبر) کو مسجد کے مغربی گوشے یا محراب میں بنانا ایک دوسری بدعت ہے، اور اسی طرح اسے جنوبی دیوار میں گیلری کی طرح بنانا بھی بدعت ہے جس تک پہنچنے کے لیے دیوار سے متصل زینے کا سہارا لیا جاتا ہے، حالانکہ بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ دیکھیں فتح الباری (۲/۳۳۱)

۱۱: صوفیوں کی خانقاہیں (مسندیں) بنانا جہاں وہ اپنے اذکار و اَوراد اور تقریبات کا اہتمام کرتے ہیں

قاسمی رحمہ اللہ نے "إصلاح المساجد" (ص ۱۷۷) میں فرمایا:

''...... اسی لیے تنظیمات حسنہ میں ان کا خانقاہیں اور تکیے (جہاں صوفی حضرات رہتے ہیں) بنانا تھا جہاں خاص طور پر وہ ان کے ہم مکتب قیام کرتے اور وہ جو ان کی تقریبات اور تہواروں میں شرکت کی ترغیب وشوق رکھتے تھے وہ قیام کرتے تھے۔''

ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے "إصلاح المساجد" (۱۷۷) کے حاشیے میں مؤلف کی علمی گرفت کرتے ہوئے فرمایا:

......نہیں بلکہ وہ نئے ایجاد کردہ امور میں سے ہے۔'' اور (دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔'' جیسا کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا۔

۱۲: اذان کے لیے مسجد میں بلند جگہ

ہمارے شیخ نے شاطبی کے حوالے سے ''الاعتصام'' میں اور اس سے جس نے ان سے نقل کیا ذکر کیا کہ جمعہ کے دن اذان نبوی بلند جگہ پر ہوتی تھی، اور اسی طرح انہوں نے اسے ابن الحاج سے "المدخل" میں ان کے بیان میں نقل کیا، لیکن انہوں نے اسے پسند نہیں کیا، پس انہوں نے "الاجوبة النافعة" (ص ۳۳۔۳۵) میں ''کیا آپ ﷺ کے زمانے میں بلند جگہ تھی؟'' عنوان کے تحت بیان کیا:

میں نے کہا: مجھے ایسی کوئی چیز معلوم نہیں ہوئی جو صراحت سے دلالت کرتی ہو کہ اذان نبوی بلند جگہ پر ہوئی تھی، مگر وہ جو اس حدیث میں بیان کیا گیا کہ وہ مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی، اس کا ظاہر یہ ہے کہ وہ دروازے کے پاس بلند جگہ پر تھی اور اس کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ بلال ...... جو کہ جمعہ کے دن اذان دیا کرتے تھے

...... کے لیے کوئی چیز تھی وہ اذان دینے کے لیے اس پر چڑھتے تھے، "صحیح البخاری" (٤/ ١١٠) میں قاسم بن محمد کے حوالے سے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

''بلال رات کے وقت اذان دیتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''(سحری) کھاؤ پیو حتیٰ کہ ابن ام مکتوم اذان دیں، کیونکہ وہ فجر طلوع ہو جانے پر اذان دیتے ہیں۔''

قاسم نے بیان کیا: ''ان دونوں کی اذان میں بس اتنا ہی وقفہ ہوتا تھا کہ یہ (اس بلند جگہ پر) چڑھتے تھے اور وہ اترتے تھے۔''

پھر ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الأجوبة النافعة" (ص ٣٣۔٣٥) میں بیان کیا:

اس موضوع کے بارے میں جو میرے نزدیک خلاصہ کلام ہے وہ یہ ہے کہ یہ ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مسجد میں منارہ معروف تھا، [1] لیکن یہ بات قطعی ہے کہ اس وقت بھی اذان مسجد کی کسی بلند جگہ پر ہوتی تھی اس جگہ پر چڑھا جاتا تھا جیسا کہ بیان ہوا، احتمال ہے کہ وہ جو چڑھنا ہے، جس کا ذکر ہوا، وہ صرف مسجد کی چھت کی طرف چڑھنا ہو، [2] اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس کے اوپر چڑھنے سے اس کی چھت کے اوپر کسی چیز کی طرف چڑھنا مراد ہو جیسا کہ اُمّ زید کی روایت میں ہے، خواہ یہ چڑھنا مراد ہو یا وہ، اس سے جو چیز یقینی ثابت ہوتی ہے وہ یہ کہ آج جو معروف منارہ ہے وہ کسی طرح بھی مسنون نہیں، البتہ اس سے مقصود...... آواز پہنچانا ہے...... بلاشک ایک مشروع امر ہے، پس جب آواز پہنچانا صرف اسی سے حاصل ہوتا ہو۔ تو تب وہ مشروع ہوگا، جبکہ علم اصول میں ثابت اور طے شدہ ہے: ''جس چیز کے بغیر واجب کی ادائیگی نہ ہوتی ہو تو وہ چیز بھی واجب ہوتی ہے۔'' لیکن یہ ضرورت کے مطابق اونچا/ بلند کیا جائے گا۔

اس کے علاوہ میری رائے ہے کہ آج لاؤڈ سپیکر وغیرہ نے آواز پہنچانے کے لیے منار و گنبد وغیرہ کے استعمال سے بے نیاز کر دیا ہے، خاص طور پر اس پر بہت زیادہ لاگت آتی ہے، پس اس کا بنانا جب کہ حالت یہ ہے...... اس کے بدعت ہونے کے ساتھ ساتھ ایسی چیز کا موجود ہونا جو اس سے بے نیاز کر دیتی ہے...... وہ غیر مشروع ہے، اس

---

[1] یہ عبداللہ بن شقیق تابعی کے قول کے منافی نہیں:

''بلند جگہ پر اذان اور مسجد میں اقامت مسنون ہے، اور عبداللہ اسی طرح کیا کرتے تھے۔''

ابن ابی شیبہ (١/٨٦/١) نے اسے ان سے صحیح سند سے نقل کیا ہے۔ اور یہ چیز علم اصول میں ثابت ہے کہ تابعی کا یوں کہنا: کہ سنت میں اسی طرح ہے، تو وہ مرفوع کے حکم میں نہیں، جبکہ صحابی کا یوں کہنا مرفوع کے حکم میں ہے۔ (منہ)

[2] جیسا کہ عروہ بن زبیر کی روایت میں ہے، انہوں نے کہا:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن بلال کو حکم دیا کہ وہ کعبہ (کی چھت) کے اوپر اذان دیں۔'' (ابن ابی شیبہ (١/٨٦/١)، سند صحیح ہے لیکن روایت مرسل ہے۔ (منہ)

میں اسراف اور مال کا ضیاع ہے اور اس پر قطعی دلالت ہے کہ دور حاضر میں اس کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ اذان دینے والے اس پر قطعاً نہیں چڑھتے، وہ لاؤڈ سپیکر کے ذریعے اس سے بے نیاز ہو چکے ہیں۔ ❶

۱۳: ایک محلے میں کثرت مساجد

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنی علمی کتاب "الثمر المستطاب فی فقه السنة والکتاب" (۱/۴۵۰۔۴۵۱) میں بیان فرمایا:

ابن حزم نے ابن عباس کی روایت...... "مجھے مساجد کو پختہ/ چونا گچ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔" ❷ نقل کرنے کے بعد بیان کیا (۴/۴۴):

"آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر جگہ مساجد بنانے کا حکم نہیں دیا، اور آپ نے محلوں میں مساجد بنانے کا حکم فرمایا ہے، یہ ثابت ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس چیز سے منع کیا ہے وہ اس کے علاوہ ہے جس کے متعلق آپ نے حکم فرمایا ہے، جب یہ اسی طرح ہے تو مساجد کی تعمیر ثابت ہوئی جیسا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے حکم اور اپنے فعل سے اسے بیان کیا، اور وہ اس کا محلوں میں بنانا ہے جیسا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اور "الدور" سے مراد محلے ہیں...."

انہوں نے بیان کیا: "اسی طرح جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینے میں جو ہر محلہ والوں کے لیے مسجد بنائی جس میں انھیں اپنے مؤذن کی اذان سن کر پانچوں نمازوں میں مسجد جانے میں کوئی حرج و تنگی نہیں، پس آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کام نہیں کیا اس پر کمی بیشی کرنا باطل و منکر ہے، جبکہ منکر بدلنا واجب ہے......"

انہوں نے کہا: "ابن مسعود نے اس مسجد کو گرا دیا تھا جسے عمرو بن عتبہ نے کوفہ کے بالائی حصہ میں بنایا تھا اور اسے مسجد جماعت کی طرف لوٹایا تھا۔" ❸

---

❶ ہمارے شیخ رحمہ اللہ کا "الرد علی التعقیب الحثیث" (ص۹۔۱۰) میں گنبد یا منارے کے مسئلے کے متعلق شیخ حبشی کے موقف پر مناقشہ دیکھیں۔

❷ یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے جیسا کہ ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الثمر المستطاب" (۱/ ٤٦٠) میں بیان کیا۔

❸ شیخ جمال الدین القاسمی رحمہ اللہ نے "إصلاح المساجد من البدع والعوائد" (ص۱۰۳۔۱۰٤) میں بیان کیا:

سیوطی نے کتاب "الامر بالاتباع والنهي عن الابتداع" میں بیان کیا: "ان محدثات میں سے ایک محلے میں کثرت مساجد بھی ہے، اور یہ اس لیے بھی کہ اس میں نمازیوں کے اتفاق و اتحاد کو پارہ پارہ کرنا ہے، عبادت میں اشتراک و الحاق کو ختم کرتا ہے، عبادت گزاروں کی رونق کا چلا جانا ہے، متعدد کلمات و آراء اور مختلف مسالک کا ہو جانا ہے اور جماعات کی مشروعیت کی حکمت کا تصادم ہے، میری مراد ادائے عبادات پر یک زبان ہونا، ایک دوسرے کو فائدہ اور معاونت فراہم کرنا، قدیم مسجد کو نقصان پہنچانا یا نقصان کی طرح کا کوئی معاملہ کرنا یا شہرت کی محبت اور ایسے کام میں اموال صرف کرنا ہے جس کی ضرورت نہیں۔" شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے سورۃ الاخلاص (ص۱۷۲۔۱۷۳) کی تفسیر میں مسجد ضرار کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: "اسی لیے سلف صالحین ایسی مسجد میں نماز پڑھنا مکروہ جانتے تھے جو اس (مسجد ضرار) کے مشابہ ہو اور وہ ⇐⇐

۱۴: بعض مواقع کی مناسبت سے مساجد میں بہت سی برقی قندیلیں روشن کرنا

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الثمر المستطاب فی فقه السنة والكتاب" (۲/ ۵۹۷-۶۰۰) میں بیان کیا:

......لوگوں نے بعض مواقع اور تہواروں کی مناسبت سے بہت سی مساجد میں بہت زیادہ برقی قندیلیں روشن کرنا جو معمول بنالیا ہے...... جیسے رجب کا پہلا جمعہ، پندرہ شعبان کی شب، [1] رمضان کا پورا مہینہ اور دونوں عیدیں ......حرام اور ممنوع ہے، خاص طور پر عیدین کے موقع پر، کیونکہ ان دونوں مواقع پر وہ قندیلیں نصف النہار کے قریبی وقت تک جلتی رہتی ہیں!

ابن الحاج رحمہ اللہ نے نصف شعبان کی شب کی بدعات پر گفتگو کرتے ہوئے "المدخل" (۱/ ۳۰۸) میں فرمایا:

> "کیا تم ان کے اس فعل کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس قدر خلاف معمول روشنی کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ مسجد میں ہر اس چیز کو روشن کر دیتے ہیں جو روشن ہو سکتی ہو، حتیٰ کہ انہوں نے ستونوں اور گیلریوں میں رسیاں لگا رکھی ہیں اور ان میں قندیلیں لگاتے ہیں اور پھر انھیں روشن کرتے ہیں اور وہ سبب بیان ہو چکا جس وجہ سے علماء رحمہم اللہ نے مصحف، منبر اور دیواروں پر ہاتھ پھیرنے کو ناپسند کیا ہے...... اسی طرح دوسری چیزیں ہیں، اصنام کی پوجا کی ابتداء میں یہی سبب تھا اور ظاہر میں یہ زیادہ قندیلیں روشن کرنا آتش پرستی کے مشابہ ہے خواہ وہ اس کا اعتقاد نہ رکھیں؟ کیونکہ آتش پرست اس کو جلاتے تھے حتیٰ کہ جب وہ خوب روشن ہو جاتی تو وہ اس کی پرستش کی نیت سے اس کے گرد اکٹھے ہو جاتے، جبکہ شارع صلوات الله وسلامه علیه نے مسلمانوں کو ادیان باطلہ کے پیروکاروں کے فعل سے مشابہت اختیار نہ کرنے کی ترغیب دلائی ہے حتیٰ کہ ان کے مخصوص لباس سے ترک مشابہت کی ترغیب دی ہے، اس اجتماع کے ساتھ بہت سی خواتین، مرد اور چھوٹے بچے جو غالباً اپنے بول و براز سے مسجد کو پلید کر دیتے ہیں، جمع ہو جاتے ہیں، اور بہت زیادہ شور و شغب اور لغویات اس ضمن سے جو رجب کی ستائیسویں شب سے زیادہ شدید اور گراں ہوتی ہیں اور اس کے مفاسد بیان ہو چکے ہیں، اور جو اس رات میں ہوتے ہیں وہ

⇐⇐⇐ قدیم کو جدید سے افضل سمجھتے تھے، کیونکہ قدیم کے ضرار ہونے کے حوالہ سے اس جدید کے مقابلے میں کوئی اندیشہ نہیں، اور مسجد کا قدیم ہونا قابل تعریف ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾ (الحج: ۳۳) "پھر ان کو خانہ قدیم (بیت اللہ) تک پہنچنا ہے۔" اور فرمایا: ﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ﴾ (آل عمران: ۹۶) "بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے وہ وہ ہے جو مکہ میں ہے۔" بے شک اس کا قدیم ہونا اس میں کثرت عبادت کا تقاضا کرتا ہے اور یہ زیادہ فضیلت کا متقاضی ہے۔ (منہ)

[1] شب معراج کے نام سے ستائیسویں رجب کی شب چراغاں کرنا بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ اس قسم کے اور بھی بہت سے مواقع لوگوں نے مقرر کر لیے ہیں۔ چراغاں کرنے کی وبا اس قدر عام ہوگئی ہے کہ لوگ "چراغاں" نام سے میلہ منعقد کرنے لگ گئے ہیں۔ (شہباز حسن)

بہت زیادہ اور بہت برے ہوتے ہیں، اور یہ اس رات زیادہ چراغاں کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے، اللہ ہم پر اور آپ پر رحم فرمائے۔ ان بدعات کی طرف دیکھیں وہ کس طرح ایک دوسری کو کھینچتی اور ملاتی ہیں حتیٰ کہ وہ محرمات تک پہنچ جاتی ہیں۔''

اور انہوں نے ابوبکر طرطوشی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے "الباعث علی إنکار البدع والحوادث" (ص ۲۲۔۲۳) میں بیان کیا:

''اور اس میں سے وہ جسے بدعتیوں نے ایجاد کیا دیندار لوگوں نے اس پر آمادہ کیا اور اسے خوبصورت کر کے پیش کیا اور اس میں انہوں نے مجوسیوں کی روش اپنائی اور انہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنالیا، نصف شعبان کی شب چراغاں کرنا، اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کچھ بھی صحیح ثابت نہیں اور اس رات میں نماز پڑھنے اور چراغاں کرنے کے بارے میں کسی سچے راوی نے ذکر نہیں کیا۔ شریعت محمدیہ کا مذاق اڑانے والے کسی شخص نے اسے ایجاد کیا جو مجوسیت کا شوق رکھتا ہے، کیونکہ آگ ان کا معبود ہے اور اس کا آغاز برامکہ کے زمانے میں ہوا، انہوں نے اسے دین اسلام میں داخل کر دیا جس کے ذریعے وہ ردی چیز پر ملمع سازی کرتے ہیں، اور وہ ہے ان کا شعبان میں چراغاں کرنا گویا کہ وہ ایمان کی راہ ہے، اور ان کا مقصود آگ کی پوجا کرنا ہے، اور اپنے دین (آتش پرستی) کا نفاذ ہے جبکہ وہ سب سے گھٹیا دین ہے، حتیٰ کہ جب مسلمان نماز پڑھتے اور رکوع وسجود کرتے ہیں تو وہ اس آگ کی طرف ہوتا ہے جسے وہ جلاتے ہیں اور اس پر زمانہ بیت چکا ہے، اس میں تمام علاقوں نے بغداد کی پیروی کی ہے، اس کے ساتھ ساتھ اس رات میں خواتین و حضرات اکٹھے ہوتے ہیں اور ان کا اختلاط ہوتا ہے، لہٰذا انھیں روکنا حکمران پر واجب ہے، اور عالم پر واجب ہے کہ وہ ان کی زجر و توبیخ کرے، شعبان کا شرف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس میں روزہ رکھا کرتے تھے، آپ ﷺ کا پورا شعبان یا اس کا زیادہ تر حصہ روزہ رکھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔''

پھر ابن ابی شامہ (ص ۲۵) نے بیان کیا:

''یہ سارا فساد گمراہ درویشوں کی پیداوار ہے، اس عمل کی کیا کیفیت ہوگی جو نافرمانوں کے فساد سے واقع ہوتا ہے، اور اس رات کو ظاہری و باطنی کئی انواع کے معاصی سے بیدار رکھنا سب خلاف معمول چراغاں کرنے کے باعث ہے جسے قربت کا سبب سمجھا جاتا ہے، وہ تو اللہ تعالیٰ کی معاصی پر، منکر کے اظہار و غلبے اور اہل بدعات کے شعائر کی تقویت پر اعانت ہے، شریعت میں کسی جگہ کی اصل ضرورت سے زیادہ چراغاں کرنے کے استحباب کے بارے میں کوئی ثبوت اور دلیل نہیں اور حاجی عرفہ کے دن

عرفات کے پہاڑوں اور قربانی کے دن مشعر حرام پر جو کرتے ہیں وہ بھی اسی قبیل سے ہے، اس کی تردید کرنا اور اس کے متعلق بتانا واجب ہے کہ وہ بدعت، منکر اور شریعت مطہرہ کے خلاف ہے۔"

۱۵: مقام ابراہیم کے پیچھے کعبہ کے کپڑوں کی اور مسجد حرام میں کتب وغیرہ کی خرید وفروخت

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الثمر المستطاب فی فقه السنة والكتاب" (۲/ ٦٩٤-٦٩٥) میں بیان کیا:

صنعانی نے "شرح" میں بیان کیا:

"اس میں مسجد میں خرید وفروخت کے حرام ہونے کی دلیل ہے، اس میں خرید وفروخت کرنے والے کو دیکھنے والے ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ یوں کہے، اللہ تمہاری تجارت کو نفع مند نہ بنائے؛ وہ ایسا کرنے والے کی زجر وتوبیخ کے لیے بلند آواز سے یہ الفاظ کہے گا اور یہ کہنے کی علت وہ قول ہے جو اس کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ مساجد اس لیے نہیں بنائی گئیں۔"

ملا علی القاری نے "المرقاة" (۱/ ٤٦٧) میں بیان کیا:

"ہمارے علماء نے معتکف کے لیے قابل فروخت چیز کو پیش کیے بغیر خریداری کو جائز قرار دیا ہے، اور مقام ابراہیم کے پیچھے کعبہ کے کپڑوں کو، اور مسجد حرام میں کتب وغیرہ فروخت کرنا، بہت بری عادت ہے، اور وہاں گھریلو سامان، مشکیزے اور پالکیاں وغیرہ رکھنا تو اس سے بھی برا ہے، خاص طور پر حج کے ایام میں اور لوگوں کی بھیڑ کے وقت میں۔ اور اللہ اپنے امر دین کا کارساز ہے، ولا حول ولا قوة الا بالله!"

فصل: جمعہ کی بدعات

۱: جمعہ کے دن ترک سفر کی وجہ سے بندگی، عبادت گزاری:❶
"الأجوبة النافعة" (۱۱۵/ ۱)❷

۲: جمعہ کو یوم تعطیل قرار دینا:
"الإحياء" (۱/ ۱۶۹) "الأجوبة النافعة" (۱۱۶/ ۲)

۳: اس روز بعض معاصی کے ذریعے زیب و زینت اختیار کرنا، جیسے داڑھی مونڈنا، ریشم اور سونا پہننا:
"الأجوبة النافعة" (۱۱۶/ ۳).

۴: ان میں سے بعض کا جمعہ کے دن یا کسی اور دن مسجد میں جانے سے پہلے مسجد میں دریاں بھیجنا:❸

---

❶ ابن ابی شیبہ نے صالح بن کیسان کے حوالے سے "المصنف" (۱/ ۲۰۵/ ۱) میں روایت کیا کہ ابوعبیدہ جمعہ کے دن سفر پر روانہ ہوئے اور انہوں نے جمعہ کا انتظار نہ کیا۔ اس کی اسناد جید ہے۔

انہوں نے اور امام محمد بن الحسن نے "السير الكبير" (۱/ ۵۰) میں اور بیہقی نے (۳/۱۸۷) عمر سے روایت کیا، کہ انہوں نے فرمایا: ''جمعہ سفر سے نہیں روکتا۔'' اس کی سند صحیح ہے۔ پھر ابن ابی شیبہ نے سلف کی ایک جماعت سے اسی کی مانند روایت کیا۔

رہی یہ حدیث: ''جس نے جمعہ کے دن فجر کے بعد سفر کیا، اس کے لیے دو فرشتے بددعا کرتے ہیں......'' تو وہ ضعیف ہے، جیسا کہ میں نے اسے "الاحاديث الضعيفة" (۲۱۸، ۲۱۹) میں بیان کیا ہے۔

اور رہا شیخ البجیرمی کا "الإقناع" (/ ۱۷۷) میں یوں بیان کرنا کہ ''وہ صحیح ہے'' اس کا بالکل کوئی مقام نہیں، خاص طور پر یہ کہ وہ اہل الحدیث میں سے نہیں، پس اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ (منہ)

قاسمی رحمہ اللہ نے "إصلاح المساجد" (ص ۱۱۸) میں بیان کیا:
''لیکن جمعرات، ہفتہ اور سوموار کے دن سفر کرنا مستحب ہے، جبکہ دیگر ایام کے متعلق کوئی ممانعت نہیں! سوائے جمعہ کے دن کے جب کہ وہ سفر کی وجہ سے جمعہ نہ پڑھ سکے، پس اسی میں علماء کے درمیان نزاع ہے۔''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "إصلاح المساجد" (ص ۱۱۸) کے حاشیے میں اس کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:
''میں نے کہا: جو شخص جمعہ کے فوت ہو جانے کا قصد نہ رکھتا ہو اس کے لیے جمعہ کے دن سفر کرنے کا جواز راجح ہے، عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''سفر کے لیے نکل کیونکہ جمعہ سفر سے نہیں روکتا۔'' ان سے اس کی ممانعت کے بارے میں کوئی صحیح ثابت نہیں۔
دیکھیں: "الضعيفة" (۲۱۸، ۲۱۹)

❷ (۱/۱۱۵) میں رقم اوّل یعنی (۱۱۵) صفحہ کا ہے اور رقم دوم یعنی (۱) کتاب میں بدعت کے نمبر کو ظاہر کرتا ہے۔ "الاجوبة" کا جو نسخہ مدنظر رکھا گیا ہے وہ ''المعارف'' کا ہے۔ جیسا کہ مقدمہ میں بیان کیا گیا۔

❸ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے "الفتاویٰ" (۲/ ۳۹) میں بیان کیا: ''یہ بالاتفاق ممنوع ہے۔'' (منہ)

"المدخل" (٢/ ١٢٤)، "الأجوبة النافعة" (١١٦/ ٤)

۵: جمعہ کے دن مختلف قسم کے اذکار:

"المدخل" (٢/ ٢٥٨-٢٥٩)، الإبداع في مضار الإبتداع" (ص٦٧)، "مجلة المنار" (٣١/ ٥٧)، "الأجوبة النافعة" (١١٦/ ٥).

٦: جمعہ کے دن جماعت کی اذان:

"المدخل" (٢/ ٢٠٨)، "الأجوبة النافعة" (١١٦/ ٦)

۷: جمعہ کے دن مسجد کے صحن میں مقرر مؤذن کے ساتھ اذان دینے والوں کا اذان دینا:

"الاختيارات العلمية" شيخ الاسلام ابن تيمية (ص ٢٢) "الأجوبة النافعة" (١١٧/ ٧)

۸: اس دوسری اذان میں کسی ایک میں اس طرح اضافہ کرنا کہ دوسرے مؤذن کو لایا جائے وہ پہلے کی اذان کا جواب دینے والے کی طرح چبوترے پر اذان دے:

"الإبداع" (٧٥)، "المدخل" (٢/ ٢٠٨)، "الأجوبة النافعة" (١١٧/ ٨)

۹: مؤذن کا جمعہ کے دن اذان اوّل کے بعد بلند جگہ پر چڑھنا تا کہ وہ گاؤں والوں کو آنے کے لیے اور چالیس کی تعداد مکمل کرنے کے لیے آواز دے:

"إصلاح المساجد عن البدع والعوائد" (٦٩)، "الأجوبة النافعة" (١١٧/ ٩)

۱۰: جس وقت لوگ نماز جمعہ کے لیے اکٹھے ہوں اس وقت پارے پڑھنے کے لیے لوگوں میں تقسیم کرنا، جب اذان کا وقت ہو تو وہی شخص جس نے وہ پارے تقسیم کیے کھڑا ہو تا کہ وہ ان پاروں کو اکٹھا کرے:

"المدخل" (٢/ ٢٢٣)، "الاجوبة النافعة" (١١٨/ ١٠)

۱۱: جمعہ کے دن کسی صالح شخص کے لیے لوگوں کی گردنیں پھلانگنے کی اس دعویٰ کی بنا پر اجازت دینا کہ وہ اس سے تبرک حاصل کرے گا:[1]

"الاجوبة النافعة" (١١٨/ ١١)

۱۲: جمعہ سے پہلے کی سنت کی نماز:[2]

---

[1] الباجوری (١/ ٢٢٧) نے بیان کیا: امام اور صالح شخص کے لیے گردنیں پھلانگنا مکروہ نہیں، کیونکہ ان دونوں سے برکت حاصل کی جاتی ہے، اور لوگ ان دونوں کی گردنیں پھلانگنے کی وجہ سے تکلیف محسوس نہیں کرتے، ان میں سے بعض نے صالح آدمی کے ساتھ عظیم آدمی ملایا ہے (خواہ دنیوی اعتبار سے) کیونکہ لوگ اس کی گردنیں پھلانگنے کی اجازت دیتے ہیں اور وہ اس سے تکلیف محسوس نہیں کرتے۔" (منه)

[2] ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اس مسئلے کو اپنے رسالے "الأجوبة النافعة" (ص ٤٦-٧٠) میں بڑی ہی تفصیل سے بیان کیا ہے، انہوں نے اس مسئلے کا کئی وجوہ سے مناقشہ کیا ہے اور ان احادیث پر تنبیہ کی ہے جو اس سنت میں صحیح نہیں، اس مسئلے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، پھر انہوں نے اس کے عدم مشروع ہونے کو ترجیح دی۔

"السنن والمبتدعات" (٥١)، "المدخل" (٢/ ٢٣٩)، "الأجوبة النافعة" (ص٤٦-٥٨)، "الاجوبة النافعة" (١١٨/ ١٢).

جمعہ سے پہلے کی سنت کے مسئلے کی تفصیل

ہمارے شیخ الالبانی رحمہ اللہ نے "الصحيحة" (١/ ٤٦٥) میں بیان کیا:

بعض متاخرین نے اس حدیث [1] سے جمعہ سے پہلے کی سنت کی نماز کی مشروعیت پر استدلال کیا ہے، اور یہ استدلال باطل ہے، کیونکہ ''بخاری'' اور دیگر کتب حدیث میں ثابت ہے کہ نبی ﷺ کے دور میں جمعہ کے دن اذان اوّل، اقامت اور ان دونوں کے درمیان خطبے کے سوا کوئی چیز نہ تھی، جیسا کہ میں نے اسے اپنے رسالے "الأجوبة النافعة" میں تفصیل سے بیان کیا ہے......

شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا:

جمعہ سے پہلے کی سنتوں کے بارے میں آپ ﷺ کی نماز کے بارے میں جو بھی احادیث وارد ہیں ان میں سے کوئی بھی چیز قطعاً صحیح نہیں، ان میں سے بعض بعض سے زیادہ ضعیف ہیں، جیسا کہ زیلعی نے اسے "نصب الراية" (٢/ ٢٠٦-٢٠٧) میں اور ابن حجر نے "فتح الباری" (٢/ ٣٤١) وغیرہ میں بیان کیا ہے......

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعيفة" (٣/ ٤٥) میں البوصیری کے "الزوائد" (ق ٧٢/ ١) کے حوالے سے ان کا قول نقل کیا ہے:

> ''......آپ ﷺ کی جمعہ کے دن اذان واقامت کے درمیان نماز ناممکن ہے، کیونکہ ان دونوں (اذان واقامت) کے درمیان خطبہ تھا، تب ان دونوں کے درمیان کوئی نماز نہ تھی، ہاں عثمان کے زوراء کے مقام پر اذان شروع کرانے کے بعد، ممکن ہے امام کے خطبے کے لیے آنے سے پہلے جمعہ کی سنت پڑھی گئی ہوں۔''

میں نے کہا [2]: یہ مطلق طور پر وارد نہیں کہ عثمان کی اذان اور خطبہ کے درمیان جمعہ کی مزعومہ چار سنتوں کے لیے وقت تھا اور یہ بھی وارد نہیں کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ کے دور میں انھیں پڑھا کرتے تھے، لہٰذا وہ احتمالِ مذکور باطل ہوا، فرض کریں اگر اس وقت کا وجود ثابت بھی ہوجائے۔ وہ ایک ایسی عبادت شروع کرنے کے جواز پر دلالت نہیں کرتا جو آپ ﷺ کے دور میں نہیں تھی، عثمان رضی اللہ عنہ کا اس اذان کو شروع کرنا اس سے مختلف ہے، کیونکہ وہ مصالح مرسلہ کے باب سے تھا جیسا کہ میں نے اسے اپنے رسالے "الأجوبة النافعة عن أسئلة لجنة م[illegible]جد

---

[1] اس حدیث کے لیے دیکھیے الصحيحة رقم: ٢٣٢.

[2] کہنے والے شیخ الالبانی رحمہ اللہ ہیں۔

الجامعة" میں مکمل طور پر ثابت کیا ہے......

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الأجوبة النافعة" (ص٤٦-٥٠) میں "سنة الجمعة القبلية لا تثبت" کے عنوان کے تحت بیان کیا:

''......سنت صحیحہ میں اس سنت کی کوئی اصل نہیں اور نہ ان کی اس میں کوئی گنجائش ہے، میں نے گزشتہ احادیث [1] سے جان لیا کہ سورج ڈھلنا، اذان، خطبہ اور نماز متصل سلسلہ ہے۔ ان کی کڑیاں ایک دوسری سے جڑی ہوئی ہیں، تو پھر ان سنتوں کا وقت کہاں سے آ گیا؟ اور اسی معنی کی طرف حافظ عراقی کا کلام اشارہ کرتا ہے:

نبی ﷺ سے منقول نہیں کہ آپ جمعہ سے پہلے نماز پڑھا کرتے تھے، کیونکہ آپ اس کے لیے تشریف لاتے، تو آپ کے سامنے اذان دی جاتی تھی، پھر آپ خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔'' [2]

بعض علماء احناف نے اس معنی کو اچھی طرح سمجھ لیا جس وقت انہوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ جمعہ کے دن اذان اوّل کے ساتھ ہی ترک بیع اور جمعہ کے لیے سعی واجب ہو جاتی ہے اور وہ (اذان اوّل) وہ ہے جو خطیب کے منبر پر چڑھنے سے پہلے ہوتی ہے اور انہوں نے کہا: کہ وہ مذہب (حنفی) میں صحیح ہے، حالانکہ انھیں معلوم ہے کہ وہ نبی ﷺ کے زمانے میں اس آیت ﴿إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾ (الجمعة: ٩) (جب جمعہ کے دن نماز کے لیے بلایا جائے تو تیزی سے اللہ کے ذکر کی طرف آؤ اور بیع چھوڑ دو۔) کے نزول کے وقت نہ تھی اور یہ تو اس اذان کے بارے میں نازل ہوئی جو خطیب کے منبر پر چڑھنے کے وقت ہوتی ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، انہوں نے یہ سب کتب السنۃ میں اس کی شہرت کی وجہ سے جانا اور انہوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے ان سے طحاوی کے اس قول کو ضعیف قرار دیا جو اس سے موافق تھا جو سنت میں ہے، انہوں (امام طحاوی) نے کہا: وہ اذان جس پر ترک بیع واجب ہوتی ہے، وہ (اذان) وہ ہے جو خطیب کے منبر پر چڑھنے کے وقت دی جاتی ہے، انہوں نے کہا:

''اس لیے کہ اگر وجوب سعی (اذان سن کر کاروبار چھوڑ کر نماز کے لیے آنے) کا لحاظ رکھا جائے تو پھر جمعہ سے پہلے کی سنتوں کا پڑھنا ممکن نہ ہوگا......'' [3]

یہ اعتراف اس بات کو متضمن ہے کہ وہ پہلی مزعومہ سنتیں دور نبوی میں معروف نہ تھیں اور یہ کہ صحابہ انھیں نہیں

---

[1] انھیں "الأجوبة النافعة" (ص٣٧-٤٥) میں دیکھیں۔

[2] "نیل الأوطار" (٣/٢١٦)، "فتح الباری" (٢/٣٤١)، اسی معنی کی روایت ہے۔ ان کا تفصیلی کلام عنقریب آئے گا۔ (منہ)

[3] "البحر الرائق" (٢/٢٦٨) "العناية على الهداية" (١/٤٢١). (منہ)

پڑھا کرتے تھے، کیونکہ وقت ہی نہ تھا جس میں وہ انھیں ادا کرسکتے اور یہ صحیح امر ہے، اسی لیے ابن القیم رحمہ اللہ نے "زاد المعاد فی هدی خير العباد" میں فرمایا:

''جس نے گمان کیا کہ جب بلال اذان سے فارغ ہوتے تھے تو وہ سب (صحابہ) کھڑے ہوکر دو رکعتیں پڑھتے تھے، تو وہ شخص سنت کے بارے میں سب سے زیادہ لاعلم ہے۔''

کمال ابن ہمام نے "فتح القدير" (١/ ٤٢٢) میں اس کی علمی گرفت کی۔ انہوں نے اس کے کلام کا معنی ذکر کرنے کے بعد بیان کیا اور انہوں نے اسے اس کی طرف منسوب نہیں کیا:

''یہ قابل قبول نہیں ہے کہ آپ ﷺ زوال کے بعد ہی تشریف لایا کرتے تھے، لہٰذا جائز ہے کہ آپ اس کے بعد چار رکعتیں پڑھتے ہوں اور جسے جائز قرار دیا گیا ہے اس کے وقوع پر حکم واجب ہو جاتا ہے، اور ہم نے باب نوافل کے عموم کے متعلق بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ سورج ڈھلنے پر چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور آپ فرماتے تھے: ''اس وقت آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں، تو میں پسند کرتا ہوں کہ اس وقت میرا عمل صالح اوپر جائے۔'' اسی طرح ان کے حق میں واجب ہے، کیونکہ وہ بھی سورج ڈھلنے پر نوافل پڑھا کرتے تھے۔''

میں نے کہا: اس علمی گرفت کا کوئی فائدہ نہیں، وہ کئی وجوہ سے نا قابل قبول ہے:

١۔ اس نے اس کی اس پر بنیاد رکھی ہے کہ آپ ﷺ زوال کے بعد ہی تشریف لایا کرتے تھے، حالانکہ یہ مطلق طور پر نہیں، بلکہ آپ ﷺ کبھی زوال (سورج ڈھلنے) سے پہلے بھی تشریف لایا کرتے تھے جیسا کہ بیان ہوا ہے۔

٢۔ بیان ہو چکا کہ آپ ﷺ زوال کے فوراً بعد جلدی سے منبر پر چڑھتے تھے، تو وہ وقت کہاں ہے جو اسے جائز قرار دینے کے لیے کافی ہو؟

٣۔ اگر نبی ﷺ سورج ڈھلنے کے بعد اور اذان سے پہلے چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے تو یہ آپ سے منقول ہوتا، خاص طور پر یہ کہ اس میں ایک عجیب امر ہے جس کی مثل باقی نمازوں میں غیر معروف ہے، اور وہ اذان سے پہلے نماز ہے، اور اس کی مثل اس سنت کے لیے تمام صحابہ کی ایک ہی وقت میں جامع مسجد میں نماز ہے، بے شک یہ سب اس ضمن سے ہے جس کے نقل کرنے پر بہت سے اسباب ہیں، اور اس کے بیان کرنے پر روایات معاون ہیں، تو جب اس بارے میں کچھ بھی منقول نہیں تو یہ اس پر دلالت ہے کہ وہ کام ہوا ہی نہیں،

ابوشامہ نے اپنی کتاب "الباعث على إنكار البدع والحوادث" میں بیان کیا:

''اگر آپ نے کہا: شاید آپ ﷺ نے سورج ڈھلنے کے بعد اپنے گھر میں سنتیں ادا کیں اور پھر آپ

تشریف لائے؟ میں نے کہا: اگر ایسے ہوا ہوتا تو آپ کی اَزواج مطہرات اُسے نقل کرتیں، جیسا کہ انہوں نے آپ کی گھر میں رات اور دن کے وقت پڑھی گئی نمازیں ذکر کیں، انہوں نے آپ کی تہجد اور آپ کے قیام اللیل کی کیفیت ذکر کی، اور جب اس میں سے کچھ بھی منقول نہیں تو پھر اس کی بنیاد کا معدوم ہونا ہے، اور اس پر دلالت ہے کہ وہ کام نہیں ہوا اور یہ کہ وہ غیر مشروع ہے۔''

پھر آپ رحمہ اللہ نے مصدر سابق (ص۵۱۔۵۲) میں بیان کیا:

۴۔ بے شک وہ عموم جس کا اس نے اس حدیث میں دعویٰ کیا ہے، جس کی طرف اس نے اشارہ کیا ہے وہ سنت مطہرہ کی کتب میں وارد اس کی نص میں غور وفکر کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحیح نہیں، بلکہ وہ نماز ظہر کے ساتھ خاص ہے، اور اس نے اس میں دوسری غلطی کی ہے جو اس سے اس حدیث کو اس جگہ نقل کرنے کے بارے میں ہوئی ہے جس کی طرف اس نے اشارہ کیا ہے اور اس پر توجہ کی ہے، اس نے اس (۱/۳۱۷) میں کہا:

''ابوداؤد نے اسے اپنی ''السنن'' میں اور الترمذی نے ابوایوب انصاری کے حوالے سے آپ ﷺ سے ''الشمائل'' میں نقل کیا، آپ نے فرمایا:

''چار ظہر سے پہلے، ان میں سلام نہیں ہے، ان کی خاطر آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔''

اسے عبیدہ بن معتب ضبی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا......

اور وہ عموم جو بیان ہوا کہ اس نے اس کی طرف اشارہ کیا وہ یہ قول ہے:

''آپ سورج ڈھلنے پر چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔'' اور صحیح یہ ہے کہ یہ عموم ہے، یہ جمعہ کے سورج ڈھلنے کو شامل ہے، جس طرح وہ ظہر کے سورج ڈھلنے کو شامل ہے لیکن اس لفظ شامل کے ساتھ اس کا نقل کرنا صحیح نہیں، کیونکہ اس کا ''مؤطا محمد'' (ص۱۵۸) میں سیاق اس طرح ہے:

''آپ ظہر سے پہلے جب سورج ڈھل جاتا تھا چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔'' (الحدیث)

الزیلعی نے ''الموطا'' کے حوالے سے ''نصب الرایۃ'' (۲/ ۱٤۲) میں اسے اس طرح نقل کیا ہے اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز ظہر اور اس کے زوال کے ساتھ خاص ہے، تو وہ اس کے حق میں حجت نہیں بلکہ اس کے خلاف حجت ہے۔

اور اس حدیث کے مثل، بلکہ اس سے بھی زیادہ صریح، عبداللہ بن سائب کی روایت ہے:

''رسول اللہ ﷺ ظہر سے پہلے سورج ڈھلنے کے بعد چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور آپ نے فرمایا: یہ وہ گھڑی ہے جس میں آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور میں پسند کرتا ہوں کہ اس گھڑی

میں میرا عمل صالح بھی اوپر جائے۔“

احمد (۴۱۱/۳) نے روایت کیا، اور ترمذی (۳۴۳/۲) نے اسے روایت لیا اور اسے حسن قرار دیا، اس کی اسناد مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

اس روایت میں جو نکتہ ہے: ”ظہر سے پہلے“ اور پھر ”سورج ڈھلنے کے بعد“ اسے دیکھیں، ہر شخص جانتا ہے کہ زوال ظہر سے پہلے ہوتا ہے، انہوں نے اسے اس کے ساتھ مقید کیا ہے تاکہ وہ عموم سے نکل جائے: ”سورج ڈھلنے کے بعد“ نماز جمعہ، تو حدیث ان گزشتہ احادیث سے متفق ہوگئی جو جمعہ سے پہلے کی سنتوں کی نفی کرتی ہیں۔

پھر شیخ رحمہ اللہ نے مصدر سابق (۵۴-۵۶) میں بیان کیا:

۶۔ بخاری نے (۳۹۴/۱) ❶ ابن عمر سے روایت کیا، انہوں نے کہا:

”میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ظہر سے پہلے دو رکعتیں پڑھیں اور دو رکعتیں ظہر کے بعد، دو رکعتیں جمعہ کے بعد، دو رکعتیں مغرب کے بعد اور دو رکعتیں عشاء کے بعد۔“

امام مسلم رحمہ اللہ (۱۶۲/۲) نے اسے روایت کیا اور اضافہ نقل کیا:

”رہی مغرب، عشاء اور جمعہ، تو میں نے (ان کی سنتیں) نبی ﷺ کے ساتھ آپ کے گھر میں پڑھیں۔“

تو یہ اس نص کی طرح ہے کہ آپ ﷺ جمعہ سے پہلے کچھ نہیں پڑھتے تھے، اپنے گھر میں نہ مسجد میں، اگر اس میں سے کوئی چیز ہوتی، تو ابن عمر رضی اللہ عنہ اسے نقل کرتے، جیسا کہ انہوں نے اس (جمعہ) کے بعد کی اور ظہر سے پہلے کی سنتیں نقل کیں، تو یہ جمعہ کو چھوڑ کر ظہر کی سنتیں ذکر کی گئیں یہ اس پر بہت بڑی دلیل ہے کہ اس سے پہلے کی کوئی سنتیں نہیں ہیں، پس اس سے یہ دعویٰ ”اس کو جائز قرار دینے کا وقوع“ باطل ہوگیا! جس طرح اس سے جمعہ کو پہلی سنتوں کے حوالے سے ظہر پر قیاس کرنا باطل ہو جاتا ہے۔ ❷

ان پہلی سنتوں کا کوئی امام قائل نہیں

جو کچھ بیان ہوا اس سے ثابت ہوا کہ زوال کے بعد جمعہ سے پہلے کی چار رکعت سنتوں کے بارے میں ابوایوب کی روایت میں کوئی دلیل نہیں، ”اسی لیے جمہور ائمہ اس پر متفق ہیں کہ جمعہ سے پہلے کی سنتوں کا کوئی وقت

---

❶ پانچویں وجہ کو مصدر مذکور (ص ۵۴) میں دیکھیں، ہم نے اسے اختصار کی خاطر ذکر نہیں کیا۔

❷ دیکھیں: زاد المعاد (۴۳۱/۱) اور اس کے بعد ابوشامہ کی "الباعث علی إنکار البدع والحوادث" (ص ۲۸۵-۳۰۳ تحقیقی) جمعہ سے پہلے کی سنتوں کے مسئلے کے بارے میں ان دونوں رحمہما اللہ نے علمی بحث کی ہے جو کئی اعتبارات سے قوی دلائل اور لاجواب استدلالات پر مبنی ہے۔ ہم نصیحت کرتے ہیں کہ ان دونوں مصادر اور میری کتاب القول المبین [ص: ۳۶۵، ۳۷۲] کی طرف رجوع کیا جائے۔

اور تعداد مقرر نہیں، کیونکہ یہ نبی ﷺ کے فرمان سے ثابت ہو سکتی ہیں یا آپ کے فعل سے، جبکہ آپ ﷺ نے اس بارے میں اپنے قول سے کوئی طریقہ مقرر کیا نہ فعل سے، یہ مالک، شافعی اور ان کے اکثر پیروکاروں کا مذہب ہے، اور وہ احمد کے مذہب میں مشہور ہے۔'' ❶

العراقی نے کہا:

''میں نے تین ائمہ کے حوالے سے نہیں دیکھا کہ انہوں نے اس (جمعہ) سے پہلے کی سنتوں کو مندوب قرار دیا ہو۔'' ❷

پھر ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ابوشامہ کے حوالے سے "الباعث علی إنکار البدع والحوادث" (ص ۷۰) میں ان کا قول نقل کیا ہے، "الأجوبة النافعة" (ص ۶۲۔۶۳) میں ہے:

''...... پھر اس کی صحت پر دلیل کہ نبی ﷺ جمعہ کے دن اپنے گھر سے تشریف لاتے تو اپنے منبر پر چڑھ جاتے، پھر مؤذن اذان دیتا، جب وہ فارغ ہوتا تو نبی ﷺ اپنا خطبہ شروع کرتے، اگر جمعہ سے پہلے سنتیں ہوتیں تو آپ اذان کے بعد انھیں سنتیں پڑھنے کا حکم فرماتے، اور آپ ﷺ خود بھی انھیں پڑھتے، اور نبی ﷺ کے دور میں اس اذان کے علاوہ کوئی اور اذان نہ تھی، اور مالکیہ کا اب تک یہی مسلک ہے۔''

پھر ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اسی مصدر (ص ۶۳۔۶۹) میں بیان کیا:

آپ ﷺ کا درج ذیل فرمان اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ جمعہ سے پہلے کوئی سنتیں نہیں:

''جب تم میں سے کوئی جمعہ پڑھے تو وہ اس کے بعد چار رکعتیں پڑھے۔'' ❸

اگر اس (جمعہ) سے پہلے سنتیں ہوتیں تو آپ انہیں اس حدیث میں بعد والی سنتوں کے ساتھ ہی ذکر کرتے اور ان کے ذکر کے لیے یہ جگہ زیادہ لائق تھی۔

---

❶ شیخ الاسلام ابوالعباس تقی الدین ابن تیمیہ نے "الفتاوی" (۱/ ۱۳۶) میں اور "مجموعة الرسائل الکبری" (۲/ ۱۶۷۔۱۶۸) میں۔ (منہ)

میں نے کہا: ہمارے بعض معاصر نے شیخ الاسلام کے قول کو جمعہ سے پہلے کی سنتوں پر چسپاں کر دیا اور اسے ایک جزء میں نشر کیا۔

❷ المناوی نے "فیض القدیر" میں بیان کیا: اسی لیے اس سنت مزعومہ کا امام شافعی کی کتاب "الأم" میں ذکر وارد ہوا نہ امام احمد کے "المسائل" میں اور نہ ان کے علاوہ پہلے ائمہ کی طرف سے جہاں تک مجھے معلوم ہے، اسی لیے میں کہتا ہوں:

وہ لوگ جو یہ سنتیں پڑھتے ہیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی نہ انہوں نے ائمہ کی تقلید کی، بلکہ انہوں نے متاخرین کی تقلید کی، جو مجتہد ہونے کے علاوہ مقلد ہونے میں ان جیسے ہیں، پس اس مقلد پر تعجب ہے جو کسی مقلد کی تقلید کرتا ہے!! (منہ)

❸ صحیح مسلم، رقم: ۸۸۱)، "الأجوبة النافعة" (ص ۶۳۔۶٤) میں اس کی تخریج دیکھیں۔

خلاصہ:...... جو شخص جمعہ کے دن جس وقت بھی مسجد میں آئے اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ بیٹھنے سے پہلے کسی عدد کا تعین کیے بغیر جتنے چاہے مطلق طور پر نفل پڑھے، وہ کسی وقت کا تعین نہ کرے، حتیٰ کہ امام صاحب تشریف لے آئیں، یا یہ کہ وہ داخل ہو کر تحیۃ المسجد پڑھنے کے بعد یا اس سے پہلے بیٹھ جائے، پس جب مؤذن اذان اوّل دے دیتا ہے اور لوگ کھڑے ہو کر چار رکعتیں پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ تو اس کی سنت میں کوئی اصل نہیں، بلکہ وہ بدعت ہے اور اس (بدعت) کا حکم معروف ہے۔

کبھی یہ وہم ڈالا جاتا ہے کہ یہ قیام اور نماز عثمان کے عہد میں معروف تھی، اور اسباب میں سے ان کا اذان اوّل کے لیے حکم دینا ہے وہ اس وقت کے وقفے کی ایجاد ہے جو اس کے اور دوسری اذان کے درمیان ہے، تاکہ وہ اس سے پہلی سنتیں پڑھ سکیں۔

اس کے باوجود کہ وہ ایسی چیز ہے جس پر کوئی دلیل نہیں، وہ محض گمان ہے، جبکہ گمان حق کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا، مزید یہ کہ وہ منقول نہیں۔ سائب کی روایت [1] سابق میں جو ہے وہ اس کے وقوع کو بعید قرار دیتا ہے، اس میں ہے کہ "اذان اوّل بازار میں ہوتی تھی" جبکہ پہلی سنتیں عام طور پر بازار میں نہیں ہوتیں، بلکہ مسجد میں، اور جو اس (مسجد) میں ہوتا وہ تو اسے نہیں سنتا تھا کہ وہ اس وقت انھیں پڑھے!

پھر یہ بھی منقول نہیں کہ جب ہشام نے اذان عثمانی کو زوراء سے باب مسجد اور اذان نبوی کو وہاں سے مسجد کے اندر منتقل کیا جیسا کہ بیان ہوا، یہ منقول نہیں کہ وہ ان دو اذانوں کے درمیان نماز پڑھا کرتے تھے، اگر وہ کرتے بھی تو اس میں کوئی دلیل نہیں، کیونکہ وہ عہد صحابہ کے ختم ہو جانے کے بعد ہے، اور جو اس دن دین نہ تھا وہ آج دین نہیں ہو سکتا، اور اس امت کے آخری فرد کی اصلاح اسی چیز سے ہوگی جس چیز نے اس کے پہلے فرد کی اصلاح کی تھی، جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔

اسی لیے ابن الحاج نے "المدخل" (۲/ ۲۳۹) میں بیان کیا:

> "لوگوں کو اس چیز سے روکا جائے جو انہوں نے جمعہ کے لیے اذان اوّل کے بعد سنتیں پڑھنا شروع کیں، کیونکہ وہ اس چیز کے مخالف ہے جس پر سلف رضوان اللہ علیہم تھے، کیونکہ ان کی دو اقسام تھیں: ان میں سے کوئی تو مسجد میں داخل ہوتے ہی نماز پڑھنا شروع کر دیتا اور وہ نماز پڑھتا رہتا حتیٰ کہ امام منبر پر چڑھ جاتا، جب وہ اس پر بیٹھ جاتا تو وہ اپنے نفل پڑھنا ختم کر دیتے، اور ان میں سے کوئی رکعتیں پڑھتا اور بیٹھتا حتیٰ کہ جمعہ پڑھا جاتا، اور انہوں نے اذان اوّل کے بعد نہ اس کے علاوہ کوئی نئی نماز پڑھی، نفل پڑھنے والا نفل نہ پڑھنے والے پر طعن کرتا نہ نفل نہ پڑھنے والا نفل پڑھنے والے پر

[1] الاجوبۃ النافعۃ (ص: ۱۷، ۱۸) کے شروع میں انہوں نے تخریج کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔ اگر آپ دیکھنا چاہیں تو دیکھ لیں۔

طعن کرتا، اور یہ اس کے برعکس ہے جسے وہ آج کرتے ہیں، وہ بیٹھے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب مؤذن اذان دیتا ہے تو وہ کھڑے ہو کر رکوع کرتے ہیں! [1] اگر کوئی کہے: اس وقت میں نماز پڑھنا جائز ہے، امام بخاری نے عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر دو اذان کے درمیان نماز ہے۔'' آپ نے تین مرتبہ فرمایا: اور تیسری مرتبہ فرمایا: ''جو چاہے۔'' اس کا جواب یہ ہے کہ سلف رضوان اللہ علیہم حال سے زیادہ واقف اور بات کی زیادہ معرفت رکھتے تھے، انہوں نے جو کیا اس میں ان کی اتباع کے علاوہ ہمارے لیے کوئی چارہ نہیں۔''

میں (البانی) نے کہا: یہ جواب کافی وشافی نہیں، کیونکہ اس نے تسلیم کا وہم ڈال دیا ہے کہ حدیث اذان عثمان اور اذان نبوی کے درمیان نماز کے قصد کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے، حالانکہ اس طرح نہیں ہے، تو پھر اس کی توضیح ضروری ہے، میں کہتا ہوں:

وہ حدیث اس پر بالکل دلالت نہیں کرتی، کیونکہ اس حدیث میں آپ کے فرمان الاذانین: (دو اذانوں) سے اذان واقامت مراد ہے، حافظ نے فرمایا:

''شارحین کا اس طرح کہنا باب تغلیب میں سے ہے، جیسا کہ وہ سورج اور چاند کے لیے کہتے ہیں ''القمرین'' اور احتمال ہے کہ اذان کا اقامت پر اطلاق کیا ہو، کیونکہ وہ (اقامت) نماز کے حضور کا اعلان ہے، جیسا کہ اذان دخول وقت کا اعلان ہے۔''

میں نے کہا: خواہ یہ ہو یا وہ، یہاں اذانِ ثانی سے مراد اقامت ہی ہے، جب معاملہ اس طرح ہو تو پھر یہ قائل مذکور کے موقف کی دلیل نہیں۔

پھر اگر ہم فرض کریں کہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے کہ وہ اذان عثمان کو شامل ہے، اور اس کے ساتھ یہ کہ وہ آپ ﷺ کے دور میں بالاتفاق نہ تھی، تو یہ کسی عدد معین کے بغیر مطلق نماز کے استحباب پر دلیل ہے، اس پر تو بحث ہی نہیں، بحث تو اس کے سنت مؤکدہ ہونے اور اس کے چار رکعت ہونے سے متعلق ہے، اس کی صورت پر کوئی دلیل نہیں بنتی، یہ حدیث نہ اس کے علاوہ کوئی اور حدیث۔

اور میں نے جو ذکر کیا کہ علماء میں سے کسی ایک نے بھی حدیث مذکور سے دونوں اذانوں کے درمیان محدود رکعتوں کے ساتھ معین نماز کی سنت پر استدلال نہیں کیا، خاص طور پر اذان مغرب اور اس کی اقامت، اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، بلکہ انہوں نے جو کہا اس کی غایت یہ ہے کہ وہ صرف مندوب ہونے پر دلالت کرتی ہے اور

---

[1] یعنی نماز پڑھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں: یہ ان کے آج کل کے عمل کے خلاف ہے۔ کیونکہ وہ بیٹھنے والے کو روکتے ہیں۔ ان کا یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ سنت کا تارک ہے جبکہ سنت اسی کے ساتھ ہوتی ہے اور ان لوگوں کے خلاف ہوتی ہے۔ (منہ)

غیر محدود رکعتوں کی مطلق نماز پر دلالت کرتی ہے، ہم نے جو ذکر کیا معاملہ اسی طرح یہاں فرض ہونا چاہیے اور منصف شخص پر یہ چیز واضح ہے۔

پھر شیخ رحمہ اللہ نے مصدر سابق (ص ۶۹۔۷۰) میں اس مسئلے کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے کہا:

ہم مختصر بات کریں گے، اور وہ اس گزشتہ بحث کے لیے خلاصے کی مانند ہے۔

سنت میں جو ثابت ہے اور جس پر صحابہ کا عمل رہا ہے، وہ اذان سے پہلے اور وقت سے پہلے تعداد اور کسی وقت کی تقیید کے بغیر مطلق نماز ہے، جو شخص ان کی راہ اختیار کرنا چاہے، وہ اختیار کرے، بے شک بہترین طریقہ محمد کا طریقہ ہے اور بدترین طریقہ دین میں نیا ایجاد کردہ طریقہ ہے اور ہر نیا طریقہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔

پھر ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "خلاصة الرسالة" ❶ کے عنوان کے تحت (ص ۷۱) فرمایا:

پانچویں بات: جو شخص اذان سے پہلے مسجد میں جائے تو وہ مطلق طور پر جتنی رکعتیں چاہے نماز پڑھے۔

چھٹی بات: اگر وہ شرعی اذان اور نئی اذان کے درمیان نماز کا قصد کرے...... وہ نماز جسے وہ جمعہ سے پہلے کی سنتوں کا نام دیتے ہیں ......تو اس کی سنت میں کوئی اصل ہے نہ صحابہ اور ائمہ میں سے کوئی اس کا قائل ہے۔

ہمارے شیخ نے "رياض الصالحين" کے مقدمے (ص ۱۸) میں "رياض الصالحين" "باب سنة الجمعة" رقم (۲۰۳) میں امام نووی رحمہ اللہ کے قول کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

میں نے کہا: گویا کہ ان کی مراد بعد والی سنتیں ہیں، کیونکہ وہ احادیث جو انہوں نے باب میں ذکر کی ہیں، وہ بعد والی سنتوں کے بارے میں ہیں اور رہیں جمعہ سے پہلے کی سنتیں، تو اس بارے میں بالکل کوئی حدیث صحیح نہیں، جبکہ متعصب حنفیوں میں سے بعض ہوس پرستوں نے اس کے برعکس کوشش کر کے دیکھی ہے، اور مصنف رحمہ اللہ نے باب میں ان میں سے کسی بھی روایت کے ذکر کرنے سے اعراض کر کے اس کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کے باوجود ان میں سے بعض "سنن ابن ماجہ" میں ہیں لیکن وُہ انتہائی ضعیف ہیں، جیسا کہ میں نے انھیں اپنے رسالے "الأجوبة النافعة" میں اسے بیان کیا ہے، تو کیا مؤلف کے اس فعل سے یہ مقلد نصیحت حاصل کریں گے؟

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صحيح الترغيب" (۱/ ۳۸۱) میں حدیث رقم (۵۸۷) (۴) ❷ کی شرح اور

---

❶ یعنی رسالہ: الأجوبة النافعة میں

❷ اس کی نص یہ ہے: عبد اللہ بن سائب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سورج ڈھلنے کے بعد نماز ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے، اور آپ نے فرمایا:

"یہ وہ گھڑی ہے جس میں آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں، میں پسند کرتا ہوں کہ اس میں میرا کوئی صالح عمل اوپر بلند ہو۔"

اور وہ حدیث صحیح ہے، جیسا کہ وہ "صحيح الترغيب" میں ہے۔

وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ جمعہ سے پہلے انھیں نہیں پڑھا کرتے تھے اور یہ ان مفاہیم میں سے ہے جنھیں لینا واجب ہے، اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ ﷺ جب مسجد میں تشریف لاتے تو آپ کسی وقفے کے بغیر فوراً منبر پر بیٹھ جاتے تھے، پھر جب آپ بیٹھ جاتے تو مؤذن اذان دیتا، جب وہ (مؤذن) اس سے فارغ ہوتا تو آپ علیہ السلام خطبہ ارشاد فرماتے، پس وہاں دو رکعتیں پڑھنے کے لیے کوئی وقت نہیں، بلکہ وہ سنت محمدیہ میں چار ہیں، تو کیا مقلدین کے لیے وقت نہیں آیا کہ وہ اس حقیقت کو جانیں کہ اذان اور زوال سے پہلے نماز مطلق طور پر مشروع ہے؟! اس اجمال کی میرے رسالے "الاجوبة النافعة" ❶ میں تفصیل دیکھیں۔

۱۳: جمعہ کے دن منبر کے زینوں پر کپڑا وغیرہ بچھانا:

"المدخل" (۲/ ۱٦٦)، "الأجوبة النافعة" (۱۱۸/ ۱۳).

۱۴: خطبہ کی حالت میں منبر پر سیاہ نشان لگانا:

"المدخل" (۲/ ۱٦٦)، "الأجوبة النافعة" (۱۱۹/ ۱٤)

۱۵: منبروں کے پردے:

"السنن" (۵۳)، "الأجوبة النافعة" (۱۱۹/ ۱۵)

۱۶: جمعہ کے دن امام کا سیاہ لباس پہننے پر ہمیشگی کرنا:

"الأحياء" (۱/ ۱٦۲، ۱٦٥)، "المدخل" (۲/ ۲٦٦)، "شرعة الاسلام" (ص ۱٤۰)، "الأجوبة النافعة" (۱۱۹/ ۱٦).

۱۷: نماز جمعہ وغیرہ کے لیے عمامہ باندھنے کی تخصیص: ❷

"الأجوبة النافعة" (۱۱۹/ ۱۷)

۱۸: خطبہ اور نماز جمعہ کے لیے موزے پہننا:

"المدخل" (۲/ ۱٦٦)، "الأجوبة النافعة" (۱۱۹/ ۱۸).

۱۹: ترقیہ؛ اور وہ اس آیت: ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ (الاحزاب: ٥٦) کی تلاوت کرنا ہے:

---

❶ مذکورہ بالا تفصیل دیکھیں۔

❷ میں نے کہا: عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے کی فضیلت کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں، جیسا کہ میں نے اسے "الأحاديث الضعيفة" (رقم: ۱۲۷) میں بیان کیا۔ (منہ) میں نے کہا: اس بارے میں ان کا ایک مقالہ ہے جو "مجلة المسلمون" میں چھپا ہے، اس کی طرف اشارہ اور اس سے منقول کی طرف اشارہ گزر چکا ہے۔

"الأجوبة النافعة" (۱۱۹/ ۱۹)

۲۰: پھر وہ حدیث: ''جب تم نے اپنے ساتھ والے سے کہا......'' خطیب کے آنے (خروج) کے وقت اذان دینے والوں کا بلند آواز سے اس طرح کہنا حتی کہ وہ منبر تک پہنچ جائے'' ❶

"المدخل" (۲/ ۲٦٦)، "شرح الطريقة المحمدية" (۱/ ۱۱٤، ۱۱٥، ٤/ ۳۲۳)، "المنار" (٥/ ۹٥۱، ۱۹/ ٥٤۱)، "الإبداع" (۷٥)، "السنن" (۲٤)، "الأجوبة النافعة" (۱۱۹/ ۲۰).

۲۱: منبر کے تین سے زیادہ زینے بنانا: ❷

"الأجوبة النافعة" (۱۲۰/ ۲۱)، "صفة الصلاة" (ص ۸۱)، "الثمر المستطاب" (۱/ ٤۱۳-٤۱٤). ❸

۲۲: امام کا منبر کے سب سے نچلے حصے کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرنا:

"الأجوبة النافعة" (۱۲۰/ ۲۲).

۲۳: امام کا منبر پر کھڑا ہونے میں تاخیر کرنا:

"الباعث" (٦٤)، "الأجوبة النافعة" (۱۲۱/ ۲۳).

قاسمی رحمہ اللہ نے "إصلاح المساجد" (ص ٦٥) میں بیان کیا:

''......اذان کے بعد خطیب تھوڑی دیر بیٹھا رہے گا، پھر کھڑا ہوگا تو خطبہ دے گا......''

شیخ البانی رحمہ اللہ نے "إصلاح المساجد" (ص ٦٥) کے حاشیے میں فرمایا:

''یہ (اذان کے بعد) ٹھہرنا سنت سے ثابت نہیں، پس آگاہ رہیں۔''

۲۴: جس وقت خطیب منبر پر چڑھتا ہے یا اس سے پہلے نبی ﷺ کی مدح میں اشعار (نعت) پڑھنا:

---

❶ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے "الاختيارات" (ص ٤۸) میں بیان کیا: ''وہ بالاتفاق مکروہ یا حرام ہے۔'' میں نے کہا: "الباعث" (ص ٦٥) کے مؤلف کے اس بدعت کو استحسان کہنے سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے، وہ عالم کی لغزش ہے۔ (منہ) "الأجوبة النافعة" کی بدعت رقم ۲۳ دیکھیں۔ وہ عنقریب بیان ہوگی۔

❷ جو معاویہ کے بارے میں کہا گیا کہ انہوں نے سب سے پہلے منبر کی پندرہ سیڑھیاں بنائیں جیسا کہ التراتيب الادارية (۲/ ۴۴۰) نے ذکر کیا ہے، مگر یہ ثابت نہیں، 'کہا گیا' سے بھی اس کا اشارہ نکلتا ہے۔ اس بدعت کا نقصان یہ ہے کہ اس سے صفیں کٹ جاتی ہیں۔ بعض ائمہ مساجد اس بات پر متنبہ ہوئے تو انہوں نے ایک اور نئے طریقے پر انہیں بنانا شروع کر دیا۔ جیسے ان سیڑھیوں کو دیوار کی طرف بنانا وغیرہ، اگر وہ سنت کی پیروی کرتے تو انہیں چین ملتا۔ (منہ)

❸ تفصیل کے لیے اس کتاب میں 'مساجد کی بدعات' (ص: ۴۴۲) کی بحث کے تحت 'منبر کی تین سے زیادہ سیڑھیوں کی بدعت' کا عنوان دیکھیں۔

"المنار" (٣١/ ٢٧٤) ، "الأجوبة النافعة" (١٢١/ ٢٤).

۲۵: خطیب کا منبر پر چڑھتے وقت منبر کے زینوں کو اپنی تلوار کے نچلے حصے سے مارنا:

"الباعث" (٦٤)، "المدخل" (٢/ ٢٦٧)، "إصلاح المساجد" (٥٠)، "المنار" (١٨/ ٥٥٨)، "الأجوبة النافعة" (١٢١/ ٢٥).

۲۶: خطیب کی منبر پر ہر ضرب کے وقت مؤذنین کا نبی ﷺ پر صلاۃ پڑھنا:

"المدخل" (٢/ ٢٥٠، ٢٦٧)، "الأجوبة النافعة" (١٢١/ ٢٦).

۲۷: مؤذنین کے رئیس کا امام کے ساتھ منبر پر چڑھنا' اگر چہ وہ اس کے پیچھے بیٹھتا ہے۔ اور اس کا کہنا: آمین اللھم آمین' جو آمین کہتا ہے اللہ اسی کی مغفرت فرمائے' اے اللہ: اس پر رحمتیں نازل فرما......

"المدخل" (٢/ ٢٦٨)۔ "الأجوبة النافعة" (١٣١/ ٢٧).

۲۸: امام جب منبر پر چڑھتا ہے تو اس کا لوگوں کی طرف رخ کرنے اور انہیں سلام کرنے سے پہلے قبلہ رخ ہو کر دعا کرتے رہنا۔

"الباعث" (٦٤)۔ "المدخل" (٢/ ٢٦٧)۔ "إصلاح المساجد" (٥٠)، "المنار" (١٨/ ٥٥٨)۔ [1] "الاجوبة النافعة" (١٢١/ ٢٨).

۲۹: خطیب کا لوگوں کے سامنے آ کر سلام نہ کرنا:

"المدخل" (٢٢/ ١٦٦)۔ "الاجوبة النافعة" (١٢٢/ ٢٩).

۳۰: خطیب کے سامنے مسجد کے اندر دوسری اذان:

امام شاطبی کی "الإعتصام" (٢/ ٢٠٧-٢٠٨)۔ "المنار" (١٩/ ٥٤٠)، "الاجوبة النافعة" (٢٨-٣١)۔ "الاجوبة النافعة" (٥، ١٢٣/ ٣٠).

قاسمی نے امام ابن زروق سے ان کی بدعات کے بارے میں کتاب "عمدة المريد" [2] میں "اصلاح المساجد" (١٣٢) میں نقل کرتے ہوئے کہا:

''......اذان مشروع کے خطیب کے سامنے ایک مرتبہ ہونے کی وجہ سے وہ (دوسری اذان) بدعت ہے [3] وہ

---

[1] شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے "الاختیارات" (٤٨) میں بیان کیا: امام کا منبر پر چڑھ جانے کے بعد دعا کرنا اس کی کوئی اصل نہیں۔'' (منہ)

[2] اس کا نام ہے "عدة المريد الصادق من اسباب المقت فى بيان الطريق القصد وذكر حوادث الوقت" اور وہ اس نام "النهى عن الحوادث والبدع" سے بھی معروف ہے۔ وہ استاذ ادریس عزوزی کی تحقیق سے وزارة الاوقاف المغربية کی جانب سے ۱۴۱۹ھ میں شائع ہوئی۔

[3] اس کتاب کا حرف 'واؤ' دیکھیں: 'بعض مساجد میں خطیب کے سامنے دو موذنوں کا موجود ہونے' کی بدعت۔

منبر پر کھڑا ہو یا اس کے سامنے منبر کے آگے کھڑا ہو''۔

ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے قاسمی کے سابق کلام پر یوں تبصرہ کیا: ''میں نے کہا: بلکہ یہ بھی بدعت ہے۔ نبی ﷺ کے دور میں، مسجد کے اوپر، ایک ہی اذان ہوتی تھی، جیسا کہ میں نے اسے "الاجوبة النافعة" (٢٨- ٣١+ ط. المعارف) میں بیان کیا۔

۳۱: بعض مساجد میں خطیب کے سامنے دو مؤذنوں کا موجود ہونا، ان دونوں میں سے ایک منبر کے آگے کھڑا ہوتا ہے، جبکہ دوسرا دروازے پر یا برآمدے میں، پہلا الفاظ اذان سکھاتا ہے' پہلا اس جملے کو پست آواز سے پڑھتا ہے' پھر دوسرا اسے بلند آواز سے پڑھتا ہے:

"اصلاح المساجد عن البدع والعوائد" (١٤٣)، "الاجوبة النافعة" (١٢٣/ ٣١).

۳۲: خطیب جب خطبہ دینے کا ارادہ کرتا ہے تو مؤذنین کے رئیس کا لوگوں سے اس طرح کہنا: لوگو! رسول اللہ ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: ''جب تم نے اپنے ساتھی سے' جب کہ امام جمعہ کے دن خطبہ دے رہا ہو کہا: خاموش ہو جا! تو تم نے لغو کام کیا'' اللہ تم پر رحم کرے خاموش ہو جاؤ:

"المدخل" (٢/ ٢٦٨)، "السنن والمبتدعات" (٢٤)، "الاجوبة النافعة" (١٢٢/ ٣٢).

۳۳: جب خطیب پہلا خطبہ دے کر بیٹھے تو کسی مؤذن کا یوں کہنا: اللہ آپ کی اور آپ کے والدین کی' ہماری' ہمارے والدین اور حاضرین کی مغفرت فرمائے:

"فتاوٰی ابن تیمیة" (١/ ١٢٩)، "اصلاح المساجد" (٧٥- ٧٦)، "الاجوبة النافعة" (١٣٣/ ٣٢).

۳۴: جمعہ کے خطبہ میں خطیب کا تلوار پر ٹیک لگانا:

"السنن والمبتدعات" (٥٥)، [1] "الاجوبة النافعة" (١٢٣/ ٣٤).

۳۵: طلب شفاء کے لئے جمعہ کے دن منبر کے نیچے بیٹھنا جبکہ خطیب خطبہ دے رہا ہو:

"المنار" (٧/ ٥٠١_٥٠٣)، "الاجوبة النافعة" (١٢٣/ ٣٥).

۳۶: خطباء کا خطبہ حاجت سے اعراض: "ان الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره......" اور اپنے

---

[1] رہی حدیث کہ نبی ﷺ نے تلوار یا لاٹھی (کے سہارے) پر خطبہ ارشاد فرمایا: جیسا کہ "منار السبیل" میں واقع ہوا، اور انہوں نے اسے ابوداؤد کی طرف منسوب کیا، تو اس کی ان کے ہاں کوئی اصل ہے نہ ان کے علاوہ کسی اور کے ہاں، جس میں تلوار کا ذکر ہو۔ وہ تو ان الفاظ کے ساتھ ہے...... ''لاٹھی یا کمان'' جیسا کہ تم اسے "ارواء الغليل" نمبر (٦١٦/ ج ٣) میں منقول دیکھتے ہو۔ (منہ) میں نے کہا: وہ ''ضعیف سنن ابی داؤد'' (٢/ ٦-٧ نمبر ٢٠٢- ط غراس) میں ہے۔

خطبوں میں آپ ﷺ کے فرمان: اما بعد' فان خیر الکلام کلام الله" ❶ سے اعراض:

"الاجوبة النافعة" (١٢٣/ ٣٦).

٣٧: خطباء کا اپنے خطبوں میں سورۂ ق کے ذریعے وعظ ونصیحت سے اعراض' حالانکہ نبی ﷺ نے اس پر مسلسل عمل کیا:

"إلسنن" (٥٧) ❷ "الاجوبة النافعة" (١٢٤/ ٣٧).

٣٨: جمعہ کے دن خطباء کا خطبہ کے آخر پر کسی حدیث کو ہمیشہ پڑھنا جیسا کہ اس حدیث کو پڑھنا۔ "گناہ سے توبہ کرنے والا اس طرح ہے جس طرح اس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو: ❸

"السنن" (٥٦)، "الاجوبة النافعة" (١٢٤/ ٣٨).

٣٩: اس دور میں پہلے خطبے سے فارغ ہونے کے بعد بعض خطباء کا سلام کرنا:

"الاجوبة النافعة" (١٢٤/ ٣٩).

٤٠: ان کا دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کے دوران تین مرتبہ سورۃ الاخلاص پڑھنا:

"السنن" (٥٦)، "الاجوبة النافعة" (١٢٤/ ٤٠).

٤١: بعض حاضرین کا دوسرے خطبے کے دوران کھڑے ہوکر تحیۃ المسجد پڑھنا:

"المنار" (١٨/ ٥٥٩)، "السنن" (٥١)، "الاجوبة النافعة" (١٢٤/ ٤١).

٤٢: امام کے دو خطبوں کے درمیان منبر پر بیٹھنے کے وقت لوگوں کا ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا:

"المنار" (٦/ ٧٩٣- ٧٩٤' ١٨/ ٥٥٩)، "الاجوبة النافعة" (١٢٤/ ٤٢).

٤٣: دوسرے خطبے میں خطیب کا نچلے زینے پر آنا' اور پھر اوپر چڑھنا:

"حاشیه ابن عابدین" (١/ ٧٧٠)، "الاجوبة النافعة" (١٣٤/ ٤٣).

٤٤: دوسرے خطبے میں جلدی کرنے میں خطباء کا مبالغہ:

"المنار" (١٨/ ٥٥٨)، "الاجوبة النافعة" (١٢٥/ ٤٤).

٤٥: خطیب کے ان الفاظ: میں تمہیں حکم دیتا ہوں' میں تمہیں روکتا ہوں' اور نبی ﷺ پر صلاۃ کے وقت دائیں

---

❶ "الاجوبة النافعة" (ص ٩٦- ١٠٠) دیکھیں (منه) اور "اذکار کی بدعات" میں بھی آئے گا۔ (تیسری بات: ترکی الفاظ پر اضافہ یا ان میں سے کسی چیز کو بدل دینا) وغیرہ: (٣۔ خطبہ حاجت میں نستهدیه کا اضافہ) اسے وہاں دیکھیں۔ والله الموفق

❷ "الاجوبة النافعة" (ص ١٠١) پر دیکھیں۔ (منه)

❸ یہ روایت حسن ہے "الضعيفة" حديث رقم ٦١٥' ٦١٦ کے تحت دیکھیں۔ (منه)

بائیں دیکھنا:

"الباعث" (٦٥)، "حاشیة ابن عابدین" (١/ ٧٥٩)، "اصلاح المساجد" (٥٠)، "المنار" (١٨/ ٥٥٨)، "الاجوبة النافعة" (١٢٥/ ٤٥).

۴۶: خطیب کا نبی ﷺ پر صلاۃ کے وقت منبر کے ایک زینے پر چڑھنا اور پھر اس سے فارغ ہونے کے بعد وہاں سے اترنا:

"الباعث" (٦٥)، "الاجوبة النافعة" (١٢٥/ ٤٦).

۴۷: خطباء کا اپنے اشعار اور اپنے خطبوں میں مسجع کلام اور بات کو تین تین' چار چار اور پانچ پانچ بار کہنے کی پابندی کرنا۔ حالانکہ مسجع کلام کے بارے میں "الصحیح" میں ممانعت وارد ہے:

"السنن" (٧٠)، "الاجوبة النافعة" (١٢٥/ ٤٧).

۴۸: بہت سے خطباء کا اس حدیث کو بیان کرنے کی پابندی کرنا:

''اللہ عزوجل رمضان کی ہر رات چھ لاکھ افراد کو جہنم سے آزادی عطا کرتا ہے۔ پس جب آخری رات ہوتی ہے تو اللہ اتنے افراد کو جہنم سے آزادی عطا کرتا ہے جتنے افراد کو اس سے پہلے جہنم سے آزاد کر چکا ہوتا ہے۔''

وہ اس روایت کو رمضان کے آخری جمعہ میں' یا عید الفطر کے خطبے میں بیان کرتے ہیں، حالانکہ وہ روایت باطل ہے۔ [1]

"الاجوبة النافعة" (١٢٥/ ٤٨).

۴۹: جمعہ کے دن جب امام خطبہ دے رہا ہو تو تحیۃ المسجد ترک کر دینا:

"المحلی" لابن حزم (٥/ ٦٩)، "الاجوبة النافعة" (١٢٦/ ٤٩).

۵۰: بعض خطباء کا اپنے خطبوں کو قطع کر دینا' تاکہ وہ مسجد میں آ کر تحیۃ المسجد پڑھنے والے کو اسے ترک کر دینے کا حکم دیں' حالانکہ یہ رسول ﷺ کی صحیح حدیث اور آپ کے اس کے متعلق حکم کے خلاف ہے: [2]

"الاجوبة النافعة" (١٢٦/ ٥٠).

۵۱: دوسرے خطبے کو وعظ وارشاد' تذکیر وترغیب سے عاری (خالی) قرار دینا، اور اسے نبی ﷺ پر صلاۃ اور دعا کے لیے مخصوص کرنا:

"السنن" (٥٦)، "نور البیان فی الکشف عن بدع آخر الزمان" (٤٤٥)، "الاجوبة"

---

[1] ابن حبان نے اسے باطل قرار دیا' جیسا کہ وہ "اللآلئ المصنوعة" للسیوطی میں ہے۔ (منہ)

[2] دیکھیں: "الاجوبة النافعة" (ص ١٠٤)

(١٢٦/ ٥١).

٥٢: خطیب کا نبی ﷺ پر صلاۃ پڑھتے وقت باقی خطبے میں معمول کی آواز سے ازراہ تکلف آواز کو بلند کرنا:
"الباعث" (٦٥)، "الاجوبة النافعة" (١٢٦/ ٥٢).

٥٣: خطیب کا اس آیت: "إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَآئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ" (الاحزاب ٥٦) کی قراءت کے وقت نبی ﷺ پر صلاۃ کے وقت مبالغے کی حد تک آواز کو بلند کرنا:
"بجيرى" (٢/ ١٨٩)، "الاجوبة النافعة" (١٢٧/ ٥٣).

٥٤: ان میں سے بعض کا خطبہ کے دوران اللہ کے نام پر یا بعض صالحین کے نام پر آواز بلند کرنا:
"المنار" (١٨/ ٥٥٩)، "الاجوبة النافعة" (١٢٧/ ٥٤).

٥٥: اس کافر کا' جس نے ہفتے کے دوران اسلام قبول کیا' خطیب کے پاس آنا جبکہ وہ منبر پر ہو' حتیٰ کہ وہ سب لوگوں کے سامنے اسلام قبول کرے اور اس کا اعلان کرے' اور خطیب اس کے سبب اپنا خطبہ روک دے:
"المدخل" (٢/ ١٧١)، "الاجوبة النافعة" (١٢٧/ ٥٥).

٥٦: خطباء کا دوسرے خطبے میں خلفاء' بادشاہوں اور حکمرانوں کا ترنم کے ساتھ ذکر کرنے کی پابندی کرنا:[1]
"الاعتصام" (١/ ١٧-١٨، ٢/ ١٧٧)، "المنار" (٦/ ٩٣٩، ١٨/ ٣٠٥، ٥٥٨، ٣١/ ٥٥)، "الاجوبة النافعة" (١٢٧/ ٥٦).

٥٧: خطیب کا مجاہدین کے لئے دعا کرنا:
"الاعتصام" (١/ ١٨)، "الاجوبة النافعة" (١٢٨/ ٥٧).

٥٨: مؤذنین کا حکمرانوں اور ان کی طویل حکمرانی کے لئے بلند آواز سے دعا کرنا، جبکہ خطیب اپنا خطبہ جاری رکھتا ہے:[2]
"المنار" (١٨/ ٥٥٨)، "السنن" (٢٥)، "الاجوبة النافعة" (١٢٨/ ٥٨).

٥٩: خطیب کا منبر پر اپنی دعا کے دوران سکتے کرنا تاکہ اس پر مؤذنین آمین کہیں:
"شرح الطريقة المحمديه" (٣/ ٣٢٣)، "الاجوبة النافعة" (١٢٨/ ٥٩).

٦٠: خطیب کی صحابہ کے لئے رضا اور حکمران کے لئے نصرت وغلبہ کے لئے دعا کرتے وقت مؤذنین کا آمین کہنا:

---

[1] ابن الحاج نے "المدخل" (٢/ ٣٧٠) میں اسی طرح ذکر کیا' لیکن انہوں نے کہا: "یہ مندوب ہے نہ کہ بدعت"' اس میں انہیں وہم ہوا ہے' کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ صحابہ اور تابعین سلف امت میں سے کوئی یہ کرتا ہو۔ (منہ)

[2] ابن عابدین نے "الحاشية" (١/ ٧٦٩) میں اس یعنی تحریم کی کراہت کی صراحت کی ہے۔ (منہ)

"شرح الطریقة المحمدیة" (۳/ ۳۲۳)، "الاجوبة النافعة" (۱۲۸/ ٦٠).

۶۱: خطبے میں ترنم: "الابداع" (۲۷)، "الاجوبة النافعة" (۱۲۸/ ٦١).

۶۲: خطیب کا ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا: ❶

"الاجوبة النافعة" (۱۲۸/ ٦٢).

۶۳/أ: لوگوں کا اس (خطیب) کی دعا پر آمین کہنے کے لئے ہاتھ اٹھانا: ❷

"الباعث" (٦٤، ٦٥)، "الاجوبة النافعة" (۱۲۹/ ٦٣).

۶۳/ب: جمعہ کے دوسرے خطبے میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، ہم اس کی سنت میں اصل نہیں پاتے: ❸

"مختصر صحیح البخاری" (۱/ ۲۸۲)

۶۴: خطبے کا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْإِحْسَانِ﴾ (النحل: ۹۰) یا اس فرمان: ﴿اذْكُرُوا اللّٰهَ يَذْكُرْكُمْ﴾ کے ساتھ اختتام کرنے کی پابندی کرنا:

"المدخل" (۲/ ۲۷۱)، "السنن" (۵۷)، "الاجوبة النافعة" (۱۲۹/ ٦٤).

۶۵: لمبا خطبہ اور چھوٹی نماز: ❹

"الاجوبة النافعة" (۱۲۹/ ٦٥).

۶۶: خطیب جب منبر سے اترے تو اس کے کندھے اور پیٹھ پر ہاتھ پھیرنا:

"الابداع" (۷۹)، "إصلاح المساجد" (۷۸)، "السنن" (٥٤)، "نور البیان" (٤٤)، "الاجوبة النافعة" (۱۳۰/ ٦٦).

۶۷: منبر کبیر جسے وہ خطیب کے خطبے سے فارغ ہو جانے کے بعد کسی کمرے میں داخل کر دیتے ہیں:

"المدخل" (۲/ ۲۱۲)، "الاجوبة النافعة" (۱۳۰/ ٦٧).

---

❶ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے "الاختیارات العلمیة" (٤٨) میں بیان کیا۔ "امام کا خطبے کے دوران دعا کرتے ہوئے ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے کیونکہ نبی ﷺ جب دعا کرتے تھے تو آپ صرف اپنی انگلی سے اشارہ کیا کرتے تھے۔ (منہ)

❷ میں کہتا ہوں: "ابن عابدین نے "الحاشیة" (۱/ ۷۸۸) میں بیان کیا، جب انہوں نے یہ کیا تو صحیح بات یہ ہے کہ وہ گناہ گار ہوئے ہیں۔ (منہ)

❸ ط: المعارف، اور (۱/ ۲۲٤) ط: المکتب الاسلامی.

❹ میں نے کہا: کیونکہ سنت تو لمبی نماز اور چھوٹا خطبہ ہے...... اس کے برعکس (جیسا کہ آج اکثر خطباء کی عادت ہے) اس کے بدعت ہونے میں کوئی شک نہیں، "در مختار" (۱/ ۷۵۸۔ الحاشیة) میں اس طرح نقل ہوا ہے: "جمعہ کے دو خطبوں کا طوال مفصل کی کسی ایک سورت سے طویل ہونا مکروہ ہے۔" (منہ)

۶۸: بعض چھوٹی مساجد میں جمعہ کے دن نمازیوں کو گننا کہ آیا وہ چالیس ہیں:

"الاجوبة النافعة" (۱۳۰/ ۶۸).

۶۹: چھوٹی مساجد میں جمعہ کا اہتمام:

"اصلاح المساجد" (۶۳) ❶

۷۰: امام کا صفیں درست ہونے سے پہلے نماز شروع کر دینا:

"اصلاح المساجد" (۹۹۔ ۱۰۰)، "الاجوبة النافعة" (۱۳۱/ ۷۰).

۷۱: نماز کے بعد ہاتھ چومنا:

"اصلاح المساجد" (۹۹)، "الاجوبة النافعة" (۱۳۱/ ۱۷).

۷۲: جمعہ کے بعد یوں کہنا۔ ''اللہ ہم سے اور تم سے قبول فرمائے:❷

"السنن" (۵٤)، "الاجوبة النافعة" (۱۳۱/ ۷۲).

۷۳: جمعہ کے بعد نماز ظہر:❸

("السنن" (۱۰ اور ۱۲۳)، "اصلاح المساجد" (۵۱۔ ۵۳)، "المنار" (۲۳/ ۲۵۹، ۴۹۷، ۳٤/ ۱۲۰)، "الاجوبة النافعة" (۹، ۱۳۲/ ۷۳).

---

❶ میں نے کہا: قاسمی رحمہ اللہ کی بحث بہت ہی اہم ہے۔ انہوں نے اس میں بیان کیا: ''جمعہ کا اس کے کثرت تعداد کی وجہ سے اس کے موضوع سے خروج'' سبکی کا اس مسئلہ میں۔ "الاعتصام بالواحد الاحد من اقامة جمعتين في بلد" کے عنوان کے ایک رسالہ ہے۔ انہوں نے اس میں بیان کیا: ''عدم ضرورت کے وقت جمعہ کی زیادہ نمازیں منکر ہیں دین اسلام میں ضرورت کے تحت معروف ہے۔'' (فتاویٰ: ۱/ ۱۹۰)
قاسمی نے اپنی بحث یہاں ختم کی مناسب یہی ہے کہ:

''ہر چھوٹی مسجد میں جمعہ کا اہتمام کرنا ترک کر دیا جائے۔ خواہ وہ گھروں کے درمیان ہو یا شاہراہوں پر' اور ہر بڑی مسجد اس سے اپنے علاوہ کسی اور چھوٹی مسجد سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ اور یہ کہ بڑے محلے کے باسیوں کو اس کی سب سے بڑی مسجد میں جمع کیا جائے۔ اور ہر بڑے محلے کو ایک الگ گاؤں کی طرح فرض کیا جائے۔ تو اس کے ذریعے بہت سی زائد مساجد سے بے نیاز ہوا جا سکتا ہے۔ اور ان جوامع میں بڑے اچھے حال و انداز میں شعار کا اظہار ہوتا ہے۔ پس تعدد کے مسئلے سے بھی نکلا جا سکتا ہے۔

میں نے کہا: یہ وہ حق ہے جسے سنت کا فہم رکھنے والا ہر شخص سمجھ سکتا ہے اور نبی ﷺ کے عہد کے جمعہ و جماعت میں غور کریں جیسا کہ اس مسئلے پر رسالے "الأجوبة النافعة" (ص۸۰) میں "أحكام الجمعة" میں کلام کے بارے میں مجھے آگاہی حاصل ہوئی تھی۔ واللہ الموفق۔ (منہ)

❷ میں نے کہا: رہی وہ حدیث ''جو شخص جمعہ پڑھ کر اپنے بھائی سے ملے' تو وہ یہ کہے: اللہ ہم سے اور تم سے قبول فرمائے۔ بے شک وہ ایک فریضہ ہے جسے تم نے اپنے رب تک پہنچایا ہے۔'' سیوطی نے اسے "ذيل الاحاديث الموضوعة" میں بیان کیا' اور انہوں نے (ص ۱۱۱) بیان کیا: ''اس میں نہشل ہے' اور وہ کذاب ہے۔'' (منہ)

❸ اس مسئلے میں شیخ مصطفیٰ الغلادینی کا ایک مفید رسالہ ہے۔ اس کا نام ہے: "البدعة في صلاة الظهر بعد الجمعة"۔ اسے کئی اقساط میں مجلّہ "المنار" میں نشر کیا گیا ہے۔ اسے (۷/ ۹۴۱۔ ۹۴۸) میں دیکھیں۔ اسے علیحدہ کتابچے کی شکل میں بھی طبع کیا گیا ہوگا۔ (منہ)

۷۴: جمعہ کے دن بعض خواتین اپنے بچے کو اٹھائے مسجد کے دروازے پر کھڑی ہوتی ہیں۔ وہ بچہ زمین پر گھسٹتا ہے چلتا نہیں' وہ اس کے دونوں پاؤں کے انگوٹھوں کو دھاگے سے باندھ دیتی ہیں' پھر وہ مسجد سے سب سے پہلے نکلنے والے شخص سے اس دھاگے کو کاٹنے کا مطالبہ کرتی ہیں، وہ یہ عقیدہ رکھتی ہیں کہ اس طرح کے عمل سے وہ بچہ دو ہفتے کے بعد چلنا شروع کر دیتا ہے:
"الاجوبة النافعة" (۱۳۲/ ۷٤).

۷۵: کسی کا برکت وشفا حاصل کرنے کے لئے ہاتھ میں پانی کا گلاس لے کر مسجد کے دروازے پر کھڑا ہونا' تاکہ مسجد سے نکلنے والے باری باری اس میں تھوکیں (دم کریں):
"الاجوبة النافعة" (۱۳۳/ ۷۵).

۷۶: کسی اسلامی ملک میں ایک اذان کی وجہ سے سینکڑوں مساجد سے اذان کے شعار کو چھوڑ دینا' جو کہ تمام اسلامی ممالک کے سلف وخلف کے اجماع کے خلاف ہے:
"الاجوبة النافعة" (۱۳۳/ ۷۷).

۷۷: بعض اسلامی ممالک میں کیسٹ ریکارڈنگ کی بنا پر اذان نشر کرنے سے موذن کی اذان سے بے نیاز ہونا:
"الاجوبة النافعة" (۱۳۳/ ۷۷).

۷۸: (جمعہ کے لیے) اذان اوّل محدث (ایک نیا کام) ہے:
شیخ البانی نے "الاجوبة النافعة" (ص۲۱-۲۱) میں بیان کیا:
قرطبی نے ماوردی کے حوالے سے اپنی "تفسیر" (۱۸/ ۱۰۰) میں نقل کیا:
''رہی اذان اوّل تو وہ محدث ہے جسے عثمان نے مدینے کے پھیل جانے اور اس کے باسیوں کی تعداد بڑھ جانے پر لوگوں کو خطبے کے لئے آنے پر تیار کرنے کے لئے شروع کیا۔''
اور جب معاملہ اس طرح کا ہے' تو پھر عثمان کی اذان کو تحصیل حاصل کے قبیل کے حوالے سے قبول کرنا جائز نہیں' خاص طور پر اس جگہ جہاں کسی جائز سبب کے بغیر [1] رسول اللہ ﷺ کی سنت پر اضافہ کرنا ہے' گویا کہ اسی لیے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جبکہ وہ کوفہ میں تھے، سنت پر ہی اکتفا کرتے تھے' اور وہ عثمان کے اضافے کو قبول نہیں کرتے تھے' جیسا کہ ''قرطبی'' میں ہے۔ ابن عمر نے فرمایا:

[1] اذان عثمانی پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا لہٰذا اسے بدعت کہنا درست نہیں۔ جس وجہ سے وہ اذان دی گئی تھی اگر ویسی ہی وجہ کہیں اور پائی جائے تو یہ اذان دی جا سکتی ہے۔ بصورتِ دیگر جمعۃ المبارک کے لیے صرف ایک اذان پر اکتفا کرنا ہی اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (شہباز حسن)

''نبی ﷺ جب منبر پر چڑھتے تھے تو بلال اذان دیتے تھے، جب نبی ﷺ اپنے خطبے سے فارغ ہوتے تو نماز پڑھتے تھے، اور اذان اوّل بدعت ہے۔''

ابو طاہر مخلص نے اپنے "فوائد" (ورقة ٢٢٩/ ١-٢) میں اسے روایت کیا ہے۔

خلاصہ: ہم سمجھتے ہیں کہ اذان محمدی پر ہی اکتفا کیا جائے، اور یہ امام کے آنے اور اس کے منبر پر چڑھ جانے کے وقت ہو اور یہ عثمان کے اضافے کی وجہ جواز کے سبب کے خاتمہ اور نبی ﷺ کی سنت کی اتباع کے لیے ہو۔

فصل: جنازوں کی بدعات

- جس سمت میں کوئی صالح شخص ہو اس کی طرف رخ کرنا......
- اپنے لیے دعا کرتے وقت حجرہ نبویہ کی طرف رخ کرنا
- نماز و دعا کے لیے انبیاء اور صالحین کی قبروں کا قصد کرنا
- قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کے مسئلے کی تفصیل
- قبر مصطفیٰ ﷺ کو آپ کی مسجد میں شامل کرنے کے مسئلے کی تفصیل
- قبروں پر بنائی گئی مساجد میں نماز کے مسئلے کی تفصیل
- قبروں پر چراغاں کرنے کے مسئلے کی تفصیل
- نبی ﷺ کی قبر کو عید (کی طرح اجتماع گاہ) بنانے اور آپ ﷺ پر سلام بھیجنے کے لیے آپ کی قبر کا قصد کرنے کے مسئلے کی تفصیل
- قبروں کے لیے رخت سفر باندھنے اور ان کی طرف سفر کرنے کے مسئلے کی تفصیل
- نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کے لیے رخت سفر باندھنے کے مسئلے کی تفصیل
- نبی ﷺ کو وسیلہ بنانے کا مسئلہ
- قبروں پر ریحان (درخت کی شاخوں وغیرہ کی) خوشبوئیں اور پھول رکھنے کی بدعت

جنازوں کی بدعات

اوّل:......وفات سے پہلے کی بدعات

۱: ان میں سے بعض کا اعتقاد کہ شیاطین قریب المرگ شخص کے پاس یہودی اور نصرانی کے روپ میں اس کے والدین کی صورت میں آتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اس پر ہر ملت پیش کرتے ہیں تا کہ وہ اسے گمراہ کردیں:
ابن حجر ہیتمی نے سیوطی سے نقل کرتے ہوئے "الفتاوٰی الحدیثیة" میں بیان کیا: ''یہ چیز وارد نہیں''
"احکام الجنائز" (۳۱۷/ ۱)، ❶ "تلخیص الجنائز" (۹۶/ ۱).

۲: قریب المرگ شخص کے سرہانے قرآن رکھنا:
"احکام الجنائز" (۳۰۷/ ۲)، "تلخیص الجنائز" (۹۶/ ۲).

۳: میت کو نبی اور اہل بیت کے ائمہ علیہم السلام کی تلقین کرنا: ❷
"احکام الجنائز" (۳۰۷/ ۳)، "تلخیص الجنائز" (۹۶/ ۳).

۴: قریب المرگ پر سورۂ یس پڑھنا: دیکھئے مسئلہ: ۱۵ ❸
"احکام الجنائز" (۲۰، ۳۰۷/ ٤)، "تلخیص الجنائز" (۱۱، ۹۶/ ٤).

قریب المرگ شخص کے پاس سورۂ یس پڑھنے کے استحباب کے مسئلے کی تفصیل:
ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "احکام الجنائز" (ص ۲٤۳) میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا کلام نقل کیا۔
شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے "الاختیارات العلمیة" (ص ۵۳) میں فرمایا:
''میت پر اس کی موت کے بعد قرآن پڑھنا بدعت ہے، جبکہ قریب المرگ پر پڑھنا اس کے برعکس ہے، کیونکہ (اس پر) سورۂ یس پڑھنا مستحب ہے۔''

---

❶ پہلا نمبر صفحہ کا جبکہ دوسرا کتاب میں بدعت کا نمبر ہے۔ ''احکام الجنائز'' کے جس نسخے کو مدنظر رکھا گیا ہے وہ ط: المعارف ہے جیسا کہ مقدمہ میں ہے۔ فائدہ: اس خرافت کو غزالی نے "کشف علوم الآخرة" میں مشہور کیا، ان سے قرطبی نے "التذكرة" میں نقل کیا۔ ابن حجر فتح الباری (۱۱/۳۴۴) میں غزالی کے بارے میں بیان کرتے ہیں: ''اس کتاب میں ایسی احادیث بیان کی گئی ہیں جن کی کوئی بنیاد نہیں۔ ان میں سے کسی کی وجہ سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔''

❷ شیعہ کی کتابوں میں سے ''مفتاح الكرامة'' (۱/ ٤۰۸) دیکھیں۔ (منہ)

❸ ص: ۲۰ از احکام الجنائز، ط: المعارف

ہمارے شیخ نے شیخ الاسلام کے کلام کے آخری حصے: "قریب المرگ پر قرآن پڑھنا اس کے خلاف ہے (یعنی وہ بدعت نہیں) کیونکہ اس پر سورۂ یٰس پڑھنا مستحب ہے۔" پر علمی گرفت کرتے ہوئے فرمایا:

لیکن سورۂ یٰس پڑھنے والی روایت ضعیف ہے، ❶ جبکہ استحباب ایک شرعی حکم ہے، وہ ضعیف روایت سے ثابت نہیں ہوتا، جیسا کہ وہ ابن تیمیہ کے اپنے کلام سے ان کی بعض تصنیفات میں معلوم ہوتا ہے۔

۵: قریب المرگ کو قبلہ رخ کرنا: سعید بن میتب نے اس کا انکار کیا ہے، جیسا کہ "المحلی" (٥/ ١٧٤) میں ہے، اور مالک نے بھی اس کا انکار کیا جیسا کہ "المدخل" (٣/ ٢٢٩-٢٣٠) میں ہے، اس بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں۔ ❷

"احكام الجنائز" (٢٠, ٣٠٧/ ٥) "تلخيص الجنائز" (١١, ٩٦/ ٥).

دوم:...... وفات کے بعد کی بدعات

٦: شیعہ کا کہنا: معصوم ❸ اور شہید کے علاوہ آدمی مرنے سے نجس ہو جاتا ہے، اور جس کا قتل کرنا واجب ہو اس نے اپنے قتل ہونے سے پہلے غسل کر لیا۔ اور بعینہ اسی سبب کی وجہ سے اسے قتل کر دیا گیا: ❹ (مسئلہ ۳۱ کی حدیث دوم دیکھیں) ❺ "احكام الجنائز" (٣٠٨/ ٦) "تلخيص الجنائز" (٩٧/ ٦)

٧: حیض و نفاس والی خواتین کو اس (میت) کے پاس سے نکال دینا:

"احكام الجنائز" (٣٠٨/ ٧) "تلخيص الجنائز" (٩٧/ ٧).

٨: میت کی روح نکلنے کے وقت جو موجود ہو وہ ہفتہ بھر کوئی کام نہ کرے:

"المدخل" لابن الحاج (٣/ ٢٧٦-٢٧٧). "أحكام الجنائز" (٣٠٨/ ٨) "تلخيص الجنائز" (٩٧/ ٨)

---

❶ دیکھیں، "أحكام الجنائز" (ص ١١۔ ط. المكتب الاسلامی) اور (ص ٢٠۔ ط. المعارف)

فائدہ:...... ابوزرعہ رازی نے اپنی "ضعفاء" (٦٩١) میں اس روایت: "جس میت پر سورۂ یٰس پڑھی جائے اس پر آسانی کر دی جاتی ہے" کے متعلق بیان کیا: "یہ روایت منکر ہے، مضطرب ہے، اور اسے نہ پڑھا" جس نے مسئلے کو تصنیف کیا اس نے یہ نقل کرنا چھوڑ دیا۔

❷ ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "التعليقات الرضية على الروضة الندية" (١/ ٤٢٢) میں بیان کیا: "ابن الحاج نے مالک کے حوالے سے "المدخل" (٣/ ٢٢٩- ٢٣٠) میں نقل کیا: "قریب المرگ کو قبلہ رخ کرنا لوگوں کا عمل نہ تھا اور انہوں نے اسے مسنون جان کر کرنا مکروہ جانا ہے۔"

❸ یعنی: شیعہ کے ائمہ، کیونکہ وہ ان کے متعلق عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ معصوم ہیں۔ (منہ)

❹ مصدر سابق (١/ ١٥٣) نے اس پر شیعہ کا اجماع نقل کیا ہے، اور وہ اس حدیث کے معارض ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ (منہ)

❺ احكام الجنائز (ص: ٧٢ ط: المعارف)

۹: ان میں سے بعض کا اعتقاد کہ انسان جس جگہ فوت ہوتا ہے تو میت کی روح وہاں منڈلاتی رہتی ہے:
"احکام الجنائز" (۳۰۸/ ۹) "تلخیص الجنائز" (۹۷/ ۹).
۱۰: میت کے پاس رات بھر صبح ہونے تک شمع جلائے رکھنا:
"المدخل" (۳/ ۲۳۶) "أحکام الجنائز" (۳۰۸/ ۱۰) "تلخیص الجنائز" (۹۷/ ۱۰)
۱۱: جس کمرے میں وفات ہوئی ہو وہاں سبز شاخ رکھنا:
"أحکام الجنائز" (۳۰۸/ ۱۱) "تلخیص الجنائز" (۹۷/ ۱۱).
۱۲: میت کو غسل دینے تک اس کے پاس قرآن پڑھنا:
"احکام الجنائز" (۳۰۸/ ۱۲) "تلخیص الجنائز" (۹۷/ ۱۲).
ہمارے شیخ نے أحکام الجنائز (ص ۲۴۳) میں فرمایا:
شیخ الاسلام نے "الاختیارات العلمیة" (ص ۵۳) میں فرمایا: ''میت پر اس کی موت کے بعد قرآن پڑھنا بدعت ہے......''
۱۳: میت کے ناخن تراشنا اور اس کے زیر ناف بال مونڈنا:
امام مالک کی "المدونة" (۱/ ۱۸۰)، "مدخل" (۳/ ۲۴۰)، "احکام انجنائز" (۳۰۸/ ۱۳) "تلخیص الجنائز" (۹۷/ ۱۳).
۱۴: میت کی پیٹھ، اس کے حلق اور ناک میں روئی داخل کرنا: [1]
امام مالک کی "المدونة" (۱/ ۱۸۰) "مدخل" (۳/ ۲۴۰) "أحکام الجنائز" (۳۰۹/ ۱۴)، تلخیص الجنائز" (۹۷/ ۱۴).
۱۵: میت کی آنکھوں پر مٹی ڈالنا اور اس وقت یوں کہنا: ''انسان کی آنکھ کو صرف مٹی ہی بھرے گی:
"المدخل" (۳/ ۲۶۱) "احکام الجنائز" (۳۰۹/ ۱۵)، تلخیص الجنائز" (۹۷/ ۱۵)
۱۶: اہل میت کا کھانا پینا چھوڑ دینا حتیٰ کہ وہ اس کی تدفین سے فارغ ہو جائیں:
"المدخل" (۳/ ۲۷۶) "احکام الجنائز" (۳۰۹/ ۱۶) "تلخیص الجنائز" (۹۷/ ۱۶)
۱۷: صبح و شام رونے کی پابندی:

---

[1] میں نے کہا: نادر احوال میں جائز ہے، میت میں کوئی بیماری ہے، جس کی وجہ سے وہاں سے کسی چیز کے نکلنے کا اندیشہ ہو جو کفن کو گندا یا پلید کردے۔ (منہ)

"المدخل" (۳/ ۲۷٦)، "احکام الجنائز" (۳۰۹/ ۱۷)، "تلخیص الجنائز" (۹۷/ ۱۷)

۱۸: باپ اور بھائی (کی وفات) پر آدمی کا کپڑے پھاڑنا:[1]
"أحکام الجنائز" (۳۰۹/ ۱۸) "تلخیص الجنائز" (۹۷/ ۱۸).

۱۹: میت پر پورا سال غم کرنا:

اس میں خواتین مہندی لگاتی ہیں نہ اچھا لباس پہنتی ہیں اور نہ زیور ہی پہنتی ہیں، جب سال ختم ہو جاتا ہے، وہ شرع میں ممنوع نقش و کتابت پر عمل کرتی ہیں جو ان کی طرف سے وصیت ہوتی ہے، وہ خواتین اور ان کے ساتھ غم کی پابندی کرنے والی خواتین یہ کام کرتی ہیں اور وہ اسے غم دور کرنے کا نام دیتے ہیں: "احکام الجنائز" (۳۰۹/ ۱۹)، "تلخیص الجنائز" (۹۷/ ۱۹) "المدخل" (۳/ ۲۷۷).

۲۰: میت پر غم کی وجہ سے کسی کا داڑھی (شیو) بڑھالینا: دیکھئے مسئلہ: ۲۲ (فقرہ و)[2]
"احکام الجنائز" (۳۰۹/ ۲)، "تلخیص الجنائز" (۹۷/ ۲۰).

شیخ رحمہ اللہ نے "احکام الجنائز" (ص ٤٣) میں بیان کیا:

''بعض آدمیوں کا اپنی میت پر غم کی وجہ سے چند ایام کے لیے داڑھی (شیو) بڑھالینا، جب وہ ایام گزر جاتے ہیں تو وہ پھر اسے مونڈ لیتے ہیں! پس یہ داڑھی بڑھانا[3] اس (غم) کی تشہیر کے معنی میں ہے جیسا کہ وہ ظاہر ہے، اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ وہ بدعت ہے۔''

شیخ رحمہ اللہ نے "آداب الزفاف" (ص ۲۰۷-۲۰۸) کے حاشیے میں فرمایا:

''ان میں سے بعض گمراہی میں بڑھ گئے، انہوں نے فوت ہونے والے سے اپنی قربت کی مناسبت سے داڑھی بڑھانے کو کمال قرار دیا!

﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ (الحج: ٤٦)

''بے شک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ سینوں میں موجود دل اندھے ہو جاتے ہیں۔''

۲۱: قالین یا غالیچے الٹ/ لپیٹ دینا اور آئینوں اور فانوسوں کو ڈھانپ دینا:
"أحکام الجنائز" (۳۰۹/ ۲۱) "تلخیص الجنائز" (۹۷/ ۲۱).

---

[1] یہ امامیہ کا مذہب ہے۔ جیسا کہ مفتاح الکرامة (۱/ ۵۰۹) میں ہے۔ (منہ)

[2] ص: ٤٣، احکام الجنائز، ط: المعارف

[3] رہی داڑھی بڑھانے کی اصل تو وہ نبی ﷺ کی اتباع کی خاطر ہے۔ جیسا کہ وہ واضح ہے۔ وہ سنت واجب ہے، بہت سے لوگ اس میں کوتاہی کرتے ہیں، دیکھیں ''آداب الزفاف'' (ص ۲۰۷-۲۱۳) الطبعة الجدیدة) (منہ)

۲۲: گھر میں موجود مٹکے وغیرہ کے پانی کو استعمال میں نہ لانا: وہ سمجھتے ہیں کہ وہ نجس ہے؛ اور وہ اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں: جب میت کی روح نکلتی ہے تو وہ اس میں غوطہ لگاتی ہے!

"المدخل" "احکام الجنائز" (۳۰۹/ ۲۲)، "تلخیص الجنائز" (۹۷/ ۲۲).

۲۳: جب ان میں سے کوئی کھانے پر چھینک مار دے، وہ اسے کہتے ہیں: زندوں میں سے جس سے وہ محبت کرتا ہے اس کا نام لے کر اسے کہتے ہیں: فلاں شخص یا فلاں عورت سے کلام کرو، اور وہ اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں: تاکہ وہ میت سے نہ جا ملے!

"المدخل" "احکام الجنائز" (۳۰۹/ ۲۳) "تلخیص الجنائز" (۹۸/ ۲۳).

۲۴: میت پر غم کی مدت تک ملوخیہ (ایک قسم کی سبزی جو پکا کر کھائی جاتی ہے) اور مچھلی کھانا چھوڑ دینا:

"المدخل" (۳/ ۲۸۱)، "احکام الجنائز" (۳۱۰/ ۲٤)، "تلخیص الجنائز" (۹۸/ ۲٤).

۲۵: گوشت، لٹکایا ہوا، بھنا ہوا گوشت اور کباب کھانا چھوڑ دینا:

"أحکام الجنائز" (۳۱۰/ ۲۵) "تلخیص الجنائز" (۹۸/ ۲۵).

۲٦: صوفیوں کا یوں کہنا: فوت ہونے والے پر رونے والا اہل معارف کے طریق سے نکل جاتا ہے:

"تلبیس ابلیس" لابن الجوزی (ص ۳٤۰- ۳٤۲)، "احکام الجنائز" (۳۱۰/ ۲٦)، "تلخیص الجنائز" (۹۸/ ۲٦).

۲۷: اس زعم سے، میت کے کپڑوں کو تیسرے دن تک نہ دھونا۔ کہ یہ اس سے عذاب قبر ٹال دے گا:

"المدخل" (۳/ ۲۷٦)، "أحکام الجنائز" (۳۱۰/ ۲۷)، "تلخیص الجنائز" (۹۸/ ۲۷).

۲۸: ان میں سے کسی کا یوں کہنا:

جو شخص جمعہ کے دن یا جمعے کی رات فوت ہوتا ہے، تو اسے ایک گھڑی کے لیے عذاب قبر ہوتا ہے، پھر اس سے عذاب ختم ہو جاتا ہے اور پھر وہ قیامت کے دن تک اس کی طرف نہیں لوٹتا: شیخ علی القاری نے "شرح فقه الأکبر" (ص ۹٦) میں اسے بیان کیا اور پھر اس کا رد کیا، اس حدیث کو مسئلہ ۲۵ کے تیسرے فقرے کے تحت دیکھیں۔ [1]

"أحکام الجنائز" (۳۱۰/ ۲۸)، "تلخیص الجنائز" (۹۸/ ۲۸).

۲۹: دوسرا قول: گناہ گار مومن سے جمعہ کے دن اور جمعے کی رات عذاب قبر ختم ہو جاتا ہے، اور پھر قیامت کے

[1] "احکام الجنائز" (ص ٤۹ ـ ۵۰) ط. المعارف.

دن تک دوبارہ نہیں ہوتا۔ ❶

"أحكام الجنائز" (٣١٠/ ٢٩)، "تلخيص الجنائز" (٩٨/ ٢٩).

۳۰: میت کی وفات کے متعلق اذان دینے کی بلند جگہوں پر اعلان:

"المدخل" (٣/ ٢٤٥-٢٤٦)، دیکھیں مسئلہ: ۲۲ (فقرہ ز) ❷ "احكام الجنائز" (٣١٠/ ٣٠)، "تلخيص الجنائز" (٩٨/ ٣٠).

۳۱: ان میں سے کسی کا وفات کی خبر دیتے ہوئے یوں کہنا: فلاں کی روح پر فاتحہ: ❸

"أحكام الجنائز" (٣١٠/ ٣١) "تلخيص الجنائز" (٩٨/ ٣١).

سوم:......میت کو غسل دینے کی بدعات

۳۲: (صابن کی) ٹکیہ اور پانی کے مگ وغیرہ کو میت کی وفات کے تین دن بعد تک اسی جگہ رکھنا جہاں اسے غسل دیا گیا:

"المدخل" (٣/ ٢٧٦)، "أحكام الجنائز" (٣١١/ ٣٢)، "تلخيص الجنائز" (٩٨/ ٣٢).

۳۳: جس جگہ میت کو غسل دیا گیا وہاں تین راتیں غروب آفتاب سے طلوع آفتاب تک چراغاں کرنا:

بعض کے نزدیک سات راتیں، جبکہ بعض اس سے بھی بڑھاتے ہیں، اور وہ ایسے ہی اس جگہ بھی کرتے ہیں جہاں اس نے وفات پائی تھی: "المدخل" (٣/ ٢٧٦)، "أحكام الجنائز" (٣١١/ ٣٣)، "تلخيص الجنائز" (٩٨/ ٣٣).

۳۴: غسل دینے والے کا ہر عضو دھوتے وقت اذکار میں سے کوئی ذکر کرنا:

"المدخل" (٣/ ٣٢٩)، "احكام الجنائز" (٣١١/ ٣٤)، "تلخيص الجنائز" (٩٨/ ٣٤)

---

❶ ملا علی القاری نے "شرح الفقه الاكبر" (ص ٩١) میں اسے نقل کیا، اور اس کا یوں کہہ کر رد کیا: "کہ وہ باطل ہے۔" اور بطلان میں اس سے بھی زیادہ واضح دوسرا قول ہے: نبی ﷺ کے صدقے جمعہ کے دن اور ماہ رمضان میں کافروں سے عذاب ہٹا لیا جاتا ہے۔" شیخ نے اسے بھی بیان کیا اور اس کا رد کیا۔ (منہ)

❷ احكام لجنائز، ص: ٤٤، ط: المعارف

❸ "احكام الجنائز" (ص ٤٧) ط. المعارف، ہمارے شیخ نے اسی جگہ حاشیے میں بیان کیا: اور جو بیان ہوا، تم جان لو کہ آج بعض علاقوں میں یوں کہنا: "فلاں کی روح پر فاتحہ" مذکورہ سنت کے خلاف ہے، وہ بلا شک بدعت ہے، خاص طور پر قرآن خوانی قول صحیح کے مطابق فوت شدگان تک نہیں پہنچتی، جیسا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی تفصیل آئے گی۔

۳۵: جنازہ کے غسل اور اس کے ساتھ ساتھ چلتے وقت بلند آواز سے ذکر کرنا:

الخادمی فی "شرح الطریقة المحمدیة" (٤/ ٢٢)، "احکام الجنائز" (٣١١/ ٣٥)، "تلخیص الجنائز" (٩٨/ ٣٥).

۳۶: خاتون کو غسل دیتے وقت اس کے بالوں کو اس کی چھاتی پر ڈال دینا:

(مسئلہ ۲۸ میں ام عطیہ کی روایت دیکھیں) [1] "احکام الجنائز" (٣١١/ ٣٦)، "تلخیص الجنائز" (٩٨/ ٣٦).

چہارم:......کفن اور جنازے کے ساتھ جانے کی بدعات

۳۷: میت کو صالحین جیسے اہل بیت وغیرہ کی قبروں کے پاس دفنانے کے لیے اسے دور دراز جگہوں پر لے جانا:

"أحکام الجنائز" (٣١٢/ ٣٧)، "تلخیص الجنائز" (٩٩/ ٣٧).

۳۸: ان میں سے بعض کا یوں کہنا: مردے اپنی قبروں میں اچھے کفنوں کی وجہ سے باہم فخر کرتے ہیں، اور وہ اس کی تعلیل کرتے ہیں۔ جس مردے کا کفن اچھا نہ ہو تو وہ (دوسرے مردے) اس وجہ سے اسے عار دلاتے ہیں: [2]

"المدخل" (٣/ ٢٧٧)، "احکام الجنائز" (٣١٢/ ٣٨)، "تلخیص الجنائز" (٩٩/ ٣٨).

۳۹: اگر تربت حسین علیہ السلام مل جائے تو اس کے ساتھ میت کا نام لکھنا اور یہ لکھنا کہ وہ شہادتین کی گواہی دیتا تھا اور اہل بیت علیہم السلام کے نام لکھنا، اور اسے کفن میں ڈالنا: [3]

"أحکام الجنائز" (٣١٢/ ٣٩)، "تلخیص الجنائز" (٩٩/ ٣٩).

---

[1] احکام الجنائز ص: ٦٥، ط: المعارف.

[2] میں نے کہا: بعض ضعیف روایات میں اس کے متعلق کچھ مروی ہے، اور ان کے زیادہ قریب جابر کی روایت ہے: "اپنے مردوں کے کفن اچھے بناؤ، کیونکہ وہ ان کی وجہ سے اپنی قبروں میں باہم فخر کرتے اور ملاقات کرتے ہیں۔" اسے دیلمی نے روایت کیا، اس کی سند میں ایک جماعت ہے میں انہیں نہیں جانتا، اسی طرح کی دو اور حدیثیں ہیں، ابن الجوزی نے انہیں "الموضوعات" میں ذکر کیا ہے۔ السیوطی نے "اللآلی" (٢/ ٢٣٤) میں اس کی علمی گرفت کی ہے، جو کہ نفع مند نہیں۔ اس کا "الصحیحة" (٣٢٥) سے موازنہ کریں۔ (منہ)

[3] امامیہ کا اس پر عمل ہے، جیسا کہ "مفتاح الکرامة" (١/ ٤٥٥-٤٥٦) میں ہے۔ (منہ)

۴۰: کفن پر کوئی دعا لکھنا: [1]

"أحكام الجنائز" (۳۱۲/ ٤٠)، "تلخيص الجنائز" (۹۹/ ٤٠).

۴۱: جنازے کی تزئین:

"الباعث على انكار البدع والحوادث" لأبى شامة (ص ٦٧)، "احكام الجنائز" (۳۱۲/ ٤١)، "تلخيص الجنائز" (۹۹/ ٤١).

۴۲: جنازے کے آگے جھنڈے اٹھا کر چلنا:

"احكام الجنائز" (۳۱۳/ ٤٢) "تلخيص الجنائز" (۹۹/ ٤٢).

۴۳: عمامے کو لکڑی پر رکھنا:

(ابن عابدین نے "الحاشية" (۱/ ۸۰٦) میں اس کے مکروہ ہونے کی صراحت کی ہے اور اسی طرح اس سے پہلے مسئلہ (۴۲) کو بھی) ترکی ٹوپی، دولہے کا تاج اور ہر وہ چیز جو میت کی شخصیت پر دلالت کرتی ہو اسی زمرے میں آتی ہے۔

"احكام الجنائز" (۳۱۳/ ٤٣)، "تلخيص الجنائز" (۹۹/ ٤٣).

۴۴: پھولوں کے سہرے، پھول اور میت کی تصویر اٹھا کر جنازے کے آگے آگے چلنا:

"احكام الجنائز" (۳۱۳/ ٤٤)، "تلخيص الجنائز" (۹۹/ ٤٤).

۴۵: گھر سے جنازہ نکالتے وقت چوکھٹ کے پاس بچھڑا ذبح کرنا، اور ان میں سے کسی کا یہ اعتقاد رکھنا کہ جب اس نے یہ نہ کیا تو میت کے گھر والوں میں سے تین (مزید) ہلاک ہو جائیں گے:

"الابداع فى مضار الابتداع" للشيخ على محفوظ (ص١١٤)، "احكام الجنائز" (۳۱۳/ ٤٥)، "تلخيص الجنائز" (۹۹/ ٤٥).

۴۶: بچھڑا اور روٹیاں لے کر جنازے کے آگے آگے چلنا، دفن کے بعد اسے ذبح کرنا اور پھر گوشت روٹی تقسیم کرنا:

"المدخل" (٢٦٦- ٢٦٧)، "أحكام الجنائز" (۳۱۳/ ٤٦)، "تلخيص الجنائز" (۹۹/ ٤٦).

---

[1] ان میں سے بعض نے زکاۃ کے اونٹوں میں "للہ" کی کتابت پر قیاس کرتے ہوئے شروع کیا، اور اس کا "التراتيب الادارية" (۱/ ٤٤٠) میں رد کیا، اور اسے "المختار على رد المحتار" سے نقل کیا۔ انہوں نے کتاب کا یہی نام لیا ہے۔ یہ ان کی طرف سے غلطی یا وہم ہے، صحیح یہ ہے: رد المحتار على الدر المختار، یہ بحث اس کی جلد اوّل (۱/ ۸۴۷۔۸۴۸) میں درج ہے۔ (منہ)

۴۷: ان میں سے بعض کا اعتقاد کہ جب کسی نیک شخص کا جنازہ ہو تو وہ اٹھانے والوں پر بوجھل نہیں ہوتا اور وہ تیز ہوتا ہے:

"احکام الجنائز" (٣١٣/ ٤٧)، "تلخیص الجنائز" (٩٩/ ٤٧).

۴۸: جنازے کے ساتھ صدقہ نکالنا، ملٹھی اور لیمن وغیرہ کا مشروب (شکنجبین) پلانا اسی زمرے سے ہے:

"الاختیارات العلمیة" (ص٥٣)، "کشاف القناع" (٢/ ١٣٤)، "احکام الجنائز" (٣١٣/ ٤٨) "تلخیص الجنائز" (٩٩/ ٤٨).

۴۹: جنازے کو دائیں طرف سے اٹھانے میں پہل کرنے کی پابندی کرنا:

"المدونة" (١٧٦)، "احکام الجنائز" (٣١٣/ ٤٩)، "تلخیص الجنائز" (٩٩/ ٤٩).

۵۰: جنازے کی چاروں اطراف میں سے ہر طرف سے دس دس قدم اٹھانا:[1]

"أحکام الجنائز" (٣١٣/ ٥٠)، "تلخیص الجنائز" (٩٩/ ٥٠).

۵۱ أ: جنازے کو سست روی سے لے کر جانا:

"الباعث" لأبی شامة (ص ٥١، ٦٧)، "زاد المعاد" (١/ ٢٩٩)، "الامر بالاتباع" (ص ٢٥١)، السیوطی "أحکام الجنائز" (٣١٤/ ٥١)، "تلخیص الجنائز" (٩٩/ ٥١).

۵۱ ب: لوگوں کا جنازے کے ساتھ قدم قدم (آہستہ آہستہ) چلنا:[2]

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "أحکام الجنائز" (۹۴) اور "تلخیص الجنائز" (ص۴۰) میں بیان کیا:

نووی نے "المجموع" (٥/ ٢٧١) میں بیان فرمایا:

---

[1] بعض فقہاء نے اس کے لیے ایک حدیث سے استدلال کیا ہے: ''جو کسی جنازے کو چالیس قدم اٹھاتا ہے اس کے چالیس بڑے گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں۔'' انہوں نے اسے "البدائع" کے حوالے سے "البحر الرائق" (٢/ ٢٠٧-٢٠٨) میں نقل کیا ہے۔ اور "شرح المنیة" میں: "ابوبکر النجاد" نے اسے روایت کیا ہے" جیسا کہ الحاشیة (١/ ٨٣٣) میں ہے، وہ اسی طرح ایک دوسرے سے نقل کرتے ہیں اور وہ حدیث کی حالت کی طرف اشارہ نہیں کرتے، اور وہ صحیح نہیں، کیونکہ اس میں علی بن ابو سارہ ہے، اور وہ ضعیف ہے اور یہ منکر روایات میں سے ہے، جیسا کہ ذہبی نے کہا ہے، اسی لیے ہم نے اسے "الجامع الصغیر" کی موضوعات میں شامل کیا ہے، اس کے باوجود وہ حدیث اس بدعت پر دلالت نہیں کرتی۔ اس پر متنبہ رہیں۔ (منه)

[2] یہ بدعت جنازے کے ساتھ تیز تیز چلنے کا حکم دینے والی احادیث کے منافی ہے، خواہ صالح ہو یا غیر صالح: "احکام الجنائز" (ص ٩٣) کا مسئلہ (۴۹) دیکھیں۔

''جنازے کے ساتھ تیز تیز چلنے کے استحباب پر علماء کا اتفاق ہے، مگر یہ کہ تیز چلنے سے میت کے پلٹ جانے یا اس کے متغیر ہو جانے کا اندیشہ ہو تو پھر آرام سے چلا جائے گا۔''

میں نے کہا: امر کا ظاہر تو وجوب ہے،❶ ابن حزم نے (۵/۱۵۴-۱۵۵) ایسے ہی کہا ہے، ہم نے اسے وجوب سے استحباب کی طرف بدل دینے والی کوئی دلیل نہیں پائی، لہٰذا ہم نے اسی کو اختیار کیا۔ ابن القیم نے ''زاد المعاد'' میں بیان کیا:

''رہا لوگوں کا آج کل (جنازے کے ساتھ) آہستہ آہستہ چلنا تو یہ بدعت مکروہہ ہے، سنت کے مخالف، اور اس سے اہل کتاب یہود سے مشابہت لازم آتی ہے۔''

۵۲: نعش پر ایک دوسرے کو دھکیلنا:

"المحلى" لابن حزم (۵/ ۱۷۸)❷ "احكام الجنائز" (۳۱٤/ ۵۲)، "تلخيص الجنائز" (۹۹/ ۵۲).

۵۳: جنازے سے قریب ہونا چھوڑنا:

"الباعث" (ص ٦٧)، "احكام الجنائز" (۳۱٤/ ۵۳)، "تلخيص الجنائز" (۹۹/ ۵۳)

۵۴: جنازے میں خاموشی اختیار نہ کرنا:

"حاشية ابن عابدين" (۱/ ۸۱۰) یہ نص بلند آواز سے ذکر کرنے کو بھی شامل ہے، جیسا کہ اس کے بعد والے فقرے میں ہے، اور لوگوں کا ایک دوسرے کے ساتھ بات چیت وغیرہ کرنا: "أحكام الجنائز" (۳۱٤/ ۵٤)، "تلخيص الجنائز" (۹۹/ ۵٤).

۵۵ ﴿ بلند آواز سے ذکر کرنا یا قرآن پڑھنا یا "البُردة" یا "دلائل الخيرات" وغیرہ پڑھنا:❸

"الابداع" (ص۱۱۰)، "اقتضاء الصراط المستقيم" (ص۵۷)، "الاعتصام" للامام الشاطبی (۱/ ۳۷۲)، "شرح الطريقة المحمدية" (۱/ ۱۱٤)، اور دیکھیں مسئلہ ۴۸،❹

---

❶ نبی ﷺ کا فرمان: ''جنازے کو تیز تیز لے کر چلو۔'' ......''احکام الجنائز (۹۳)

❷ پھر قتادہ سے روایت کیا: میں ایک جنازے میں شریک ہوا اس میں ابو السوار حریث بن حسان العدوی بھی تھے، انہوں نے چارپائی پر ازدحام کر (رش) دیا، تو ابو السوار نے کہا: کیا تم ان لوگوں کو بہتر سمجھتے ہو یا اصحاب محمد ﷺ کو! ان میں سے آدمی جب محمل (جنازہ) دیکھتا تو اٹھا لیتا، ورنہ ایک طرف ہو جاتا اور کسی کو ایذا نہ دیتا۔ (منہ)

❸ شیخ عز الدین قسام نے اپنی کتاب ''النقد والبيان في دفع اوهام خزيران'' کی بنیاد اسی مسئلے پر رکھی ہے، میں نے اس پر اپنی تعلیق میں اس مزعومہ ذکر کے بدعت ہونے پر تفصیلی کلام کیا ہے۔ اسے دیکھ لیجیے وہ مفید ہے۔

❹ احکام الجنائز، ط: المعارف

اور "الأمر بالاتباع" (ص ٢٥٢) "الباعث" (٨٨) "أحكام الجنائز" (٣١٤/ ٥٥)
"تلخيص الجنائز" (١٠٠/ ٥٥) "صلاة التراويح" (ص ٢٤)

جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر کرنے کے مسئلے کی تفصیل:

ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے "أحكام الجنائز" (ص ٩٢) اور "تلخيص الجنائز" (ص٣٩-٤٠) میں بیان کیا:

جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر کرنا بھی اسی زمرے [1] میں آتا ہے، کیونکہ وہ بدعت ہے جیسا کہ قیس بن عباد نے بیان کیا:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جنازوں کے پاس آواز بلند کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔'' بیہقی (٤/ ٧٤) نے اسے روایت کیا اور ابن المبارک نے "الزهد" (٨٣) اور ابونعیم (٩/ ٥٨) نے ایسی سند سے روایت کیا جس کے راوی ثقہ ہیں۔''

کیونکہ اس میں نصاریٰ سے مشابہت اختیار کرنا ہے، وہ اپنی اناجیل اور اپنے اذکار کو بلند آواز کے ساتھ، کھینچ کر، خوش الحانی کے ساتھ اور غم کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

اور اس سے بھی زیادہ قبیح بات جنازے کے آگے آلات موسیقی پر ماتمی دھنیں بجانا ہے، جیسا کہ کفار کی تقلید میں بعض اسلامی ممالک میں کیا جاتا ہے۔ واللہ المستعان

نووی رحمۃ اللہ علیہ نے "الأذكار" (ص ٢٠٣) میں بیان کیا:

''جان لیجیے کہ درست اور پسندیدہ عمل تو وہ ہے، جس پر سلف رضی اللہ عنہم تھے، وہ ہے جنازے کے ساتھ چلتے ہوئے خاموشی اختیار کرنا، قراءت وذکر وغیرہ بلند آواز سے نہ کیا جائے، اور اس میں جو حکمت ہے، وہ ظاہر ہے! وہ ہے جنازے کے متعلق ہی سارا غور وفکر ہونا، اور دل کو سکون پہنچانا، اور اس حالت میں یہی مطلوب ہے، یہی وہ حق ہے اور اس کی مخالفت کرنے والوں کی کثرت سے دھوکا نہ کھائیں، ابو علی فضیل بن عیاض ''ان اس سے راضی ہو'' نے اسی معنی میں فرمایا: ''ہدایت کے طرق سے چمٹ جاؤ، اس کے پیروکاروں کی قلت تمہارے لیے مضر نہیں اور گمراہی کے طرق سے اجتناب کرو، اور ہلاک ہونے والوں کی کثرت تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے۔'' "سنن البيهقي" میں روایت بیان کی گئی جو اس کا تقاضا کرتی ہے جو میں نے کہا (وہ قیس بن عباس کی طرف اشارہ کرتے ہیں) رہا وہ جو دمشق

---

[1] یعنی ایسی چیزیں جن کو جنازے کے ساتھ لے جانا جائز نہیں۔ جیسے اس کے ساتھ دھونی ہو، اور بلند آواز سے رونا وغیرہ۔ جیسا کہ احکام الجنائز (ص: ٩١) کے مسئلہ: ٤٧ میں ہے۔

وغیرہ میں جاہل لوگ جنازے پر بڑی خوش الحانی اور تلفظ کی صحیح ادائیگی کے ساتھ قراءت کرتے ہیں تو وہ علماء کے اجماع کے مطابق حرام ہے، میں نے اس کی قباحت، اس کی شدید حرمت اور اس (اجماع) کا انکار کرنے کی کوشش کرنے والے کے فسق کی وضاحت کی ہے جس کا وہ کتاب ''آداب القراء'' میں انکار نہ کر سکا، واللہ المستعان"

صلاۃ التراویح" (ص۲۴) میں شیخ علی محفوظ رحمہ اللہ کی کتاب "الابداع" سے منقول عبارت دیکھیں، انہوں نے جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر کرنے کی بدعت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۵۵ ب: جنازے کے آگے نبی ﷺ پر درود، تسبیح (سبحان اللہ) اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کا بلند آواز سے ورد کرنا:

"تعالیم الاسلام" کے مصنف نے (ص۲۵۲۔۲۵۳) بیان کیا: ''جنازے کے آگے (بلند آواز سے) لاالہ الا اللہ، اللہ اکبر، سبحان اللہ اور نبی ﷺ پر درود پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں! کیونکہ وہ میت کے لیے ایک شعار وعلامت بن گیا ہے اور اس کے ترک کرنے میں حقارت وعیب ہے، اس میں اور اس کے وارثوں میں تعرض ہے، اور اگر اس کے وجوب کے بارے میں کہا جائے تو وہ بھی بعید نہیں۔''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱/ ۶۰۶۔۶۰۷) میں اس قول کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ ایسی بدعت محدثہ ہے کہ جس کی سنت میں کوئی اصل ہے نہ ائمہ میں سے کسی نے اس کے متعلق کہا ہے، مجھے ان متاخرین پر سخت تعجب ہوتا ہے، جو طالب علموں کو اس دلیل کی بنیاد پر صحیح حدیث کی اتباع کرنا حرام ٹھہراتے ہیں کہ مذہب (تقلید) اس کے خلاف ہے، پھر وہ ایسے امر میں اجتہاد کرتے ہیں جس میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ سنت کے خلاف ہے اور جو ائمہ نے کہا ہے اس کے بھی خلاف ہے جن کی تقلید کا وہ زعم رکھتے ہیں۔''

اللہ کی قسم! قریب تھا کہ میں متاخرین میں سے جو باب اجتہاد [1] کو بند کرنے کے متعلق کہتے ہیں ان کے قول کا قائل ہونے کی طرف مائل ہو جاتا ہے، جس وقت میں ایسے اجتہادات دیکھتا ہوں جن پر کوئی شرعی دلیل دلالت کرتی ہے نہ امام کی تقلید! بے شک یہ مقلد اگر اجتہاد کریں، ان کی خطائیں ان کی درستگی سے زیادہ اور ان کا بگاڑ ان کی اصلاح سے زیادہ ہو۔ واللہ المستعان

۵۶: جنازے کے پیچھے جلالہ یا ''بردہ'' یا ''دلائل'' اور اسماء حسنی کا ذکر کرنا:

شیخ محمد بن احمد خضری شقیری کی "السنن والمبتدعات" (ص۶۷) "احکام الجنائز (۳۱۴/ ۵۶)

---

[1] حق یہ ہے کہ اجتہاد کا کوئی باب نہیں، اس کی کچھ شرائط ہیں، جس میں وہ پائی جائیں وہ اجتہاد کرے۔

"تلخیص الجنائز" (۱۰۰/ ٥٦).

۵۷: جنازے کے پیچھے اس طرح کے کلمات پڑھنا:

"الله اکبر الله اکبر، اشهد أن الله يحى ويميت وهو حى لا يموت، سبحان من تعزز بالقدرة والبقاء، وَقَهَرَ العباد بالموت والفناء"[1]

"أحكام الجنائز" (۳۱٤/ ٥٧)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۰/ ٥٧).

۵۸: جنازے کے پیچھے آواز دینا:

''اس کے لیے مغفرت طلب کرو، اللہ تمہیں بخش دے گا۔'' اور اس طرح کی آوازیں لگانا: "أحكام الجنائز" (۳۱٤/ ٥٨)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۰/ ٥٨).

۵۹: کسی صالح شخص کی قبر کے پاس سے یا چوراہے کے پاس سے گزرتے وقت پکار کر کہنا ''فاتحہ'' (یعنی فاتحہ پڑھو) "احكام الجنائز" (۳۱٤/ ٥٩)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۰/ ٥٩) "المدخل" (۲/ ۲۲۱) "الابداع" (ص۱۱۳).

۶۰: جنازے میں شریک شخص کا یوں کہنا:

''اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے ہلاک ہونے والوں میں سے نہیں کیا۔[2]

"أحكام الجنائز" (۳۱٥/ ٦٠)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۰/ ٦٠).

۶۱: ان میں سے بعض کا اعتقاد ہے کہ جب جنازہ صالح ہوگا تو وہ اس (جنازے) کے اٹھانے والوں کے نہ چاہنے کے باوجود ولی کی قبر کے پاس سے گزرتے ہوئے ٹھہر جائے گا:

"احكام الجنائز" (۳۱٥/ ٦١)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۰/ ٦١).

۶۲: اس (جنازے) کو دیکھ کر یوں کہنا:

''یہ وہ ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا، اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا: اے اللہ! ایمان وتسلیم کے لحاظ سے ہمیں بڑھا دے۔''[3] "احكام الجنائز" (۳۱٥/ ٦٢)، "تلخيص

---

[1] اس نے "شرح شرعة الاسلام" (ص٦٦٥) میں اسے مستحب قرار دیا ہے۔(منہ)

[2] اس نے مفتاح الكرامة" (۱/ ٤٦٩۔ ٤٧١) میں صراحت کی ہے کہ وہ مستحب ہے۔(منہ)

[3] اس نے اسے "شرح الشرعة" (٦٦٥) میں نقل کیا، مکمل حدیث کا ابتدائی حصہ اس طرح ہے: ''جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ اور کہو......'' انہوں نے اس کا ذکر کیا۔ میں اس تمام کو نہیں جانتا، اس کا اوّل "المسند" (۳/ ۳۱۷) میں ہے، اور بیہقی (۴/ ۲٦) میں جابر کی روایت سے ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں، (جنازہ دیکھ کر) کھڑے ہونے کے امر کے متعلق بہت سی احادیث ہیں، اور وہ اگرچہ منسوخ ہے، پس اس میں یہ اضافہ نہیں، پس وہ اس کے منکر ہونے کی دلیل ہے۔(منہ

الجنائز" (۱۰۰/ ٦٢).

۶۳: میت کے ساتھ دھونی دان لے کر چلنا:

"المدونة" (١/ ١٨٠) اور مسئله (٧٤) دیکھیں۔ "أحكام الجنائز" (٣١٥/ ٦٣)، "تلخيص الجنائز" (١٠٠/ ٦٣).

۶۴: جنازے کو اولیاء کی قبروں کا چکر لگانا:

"الابداع" (١٠٩) "أحكام الجنائز" (٣١٥/ ٦٤) "تلخيص الجنائز" (١٠٠/ ٦٤)

٦٥: جنازے کو بیت اللہ کے سات چکر لگوانا:

"احكام الجنائز" (٣١٥/ ٦٥)، "تلخيص الجنائز" (١٠٠/ ٦٥) "المدخل" (٢/ ٢٢٧).

٦٦: مسجد کے دروازوں پر جنازوں کا اعلان کرنا/ اطلاع دینا:

"المدخل" (٢/ ٢٢١، ٢٦٢-٢٦٣)، "أحكام الجنائز" (٣١٥/ ٦٦)، "تلخيص الجنائز" (١٠٠/ ٦٦).

٦٧: میت کو باب رحمت سے مسجد اقصیٰ میں داخل کرنا، اسے دروازے اور "الصخرة" کے درمیان رکھنا اور بعض مشائخ کا جمع ہو کر بعض اذکار پڑھنا:

"أحكام الجنائز" (٣١٥/ ٦٧)، "تلخيص الجنائز" (١٠٠/ ٦٧).

٦٨: مسجد میں جنازے کی موجودگی میں نماز سے پہلے یا اس کے بعد اور اس کے اٹھانے سے پہلے یا قبر میں میت کو دفن کرنے کے بعد مرثیہ خوانی کرنا:

"الابداع" (١٢٤-١٢٥)، "أحكام الجنائز" (٣١٥/ ٦٨)، "تلخيص الجنائز" (١٠٠/ ٦٨).

٦٩: جنازے کو گاڑی پر لے جانے اور اس کے شرکاء کا کاروں پر سوار ہو کر جانے کی پابندی کرنا:

دیکھیں مسئلہ (۵۴) "أحكام الجنائز" (٣١٥/ ٦٩)، "تلخيص الجنائز" (١٠٠/ ٦٩).

جنازے کو گاڑی پر لے جانے کے مسئلے کی تفصیل:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے أحكام الجنائز (ص٩٩-١٠٠) اور "تلخيص الجنائز" (ص ٤١-٤٢) میں بیان کیا۔

رہا جنازے کو کسی گاڑی یا میت گاڑی میں لے کر جانا، اور اس میں شرکت کرنے والوں کا گاڑیوں میں جانا، تو یہ صورت بالکل مشروع نہیں، اس کی کئی وجوہات ہیں:

۱۔ یہ کفار کی عادت ہے، جبکہ شریعت میں ثابت ہے کہ اس میں ان کی تقلید جائز نہیں، اس بارے میں بہت سی

احادیث ہیں، میں نے انہیں تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب "حجاب المرأة المسلمة فی الکتاب والسنة" میں نقل کیا ہے، ان میں سے بعض ان کی عبادات، ان کی بودو باش اور ان کی عادات میں ان کی مخالفت کے حکم اور ترغیب کے بارے میں ہیں اور ان میں سے بعض اس بارے میں ان کی مخالفت میں آپ ﷺ کے فعل سے متعلق ہیں، پس جو انہیں جاننا چاہے وہ اس کتاب کی طرف رجوع کرے۔

۲۔ یہ کہ وہ عبادت میں بدعت ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ وہ جنازہ اٹھانے کے بارے میں عملی سنت کے بھی معارض ہے، اور اس طرح کے جو بھی محدثات ہیں، وہ بالاتفاق گمراہی ہیں۔

۳۔ اس سے جنازے کو اٹھانے اور اس کے ساتھ چلنے کی جو غایت ہے وہ فوت ہو جاتی ہے، اور وہ (غایت) آخرت کی یاددہانی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیث میں اس کی صراحت فرمائی ہے:

''جنازوں کے ساتھ جاؤ وہ تمہیں آخرت یاد دلائیں گے۔''

میں کہتا ہوں: اس صورت (گاڑیوں) میں جنازوں کے ساتھ جانے سے لوگوں سے یہ اچھی غایت مکمل طور پر چھوٹ جاتی ہے یا اس سے کم، اور یہ اہل بصیرت پر مخفی نہیں کہ میت کو لوگوں کا خود اٹھانا، جنازے میں شرکت کرنے والوں کا اسے دیکھنا جبکہ انہوں نے اسے اٹھا رکھا ہو، وہ اس صورت مذکورہ (گاڑیوں) میں جنازوں کے ساتھ جانے سے یاددہانی اور وعظ ونصیحت کے اثبات میں زیادہ مؤثر ہے، جب میں یہ کہتا ہوں تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ یورپ والوں کو جس چیز نے اس پر آمادہ کیا ہے وہ ان کا موت اور اس کی یاددہانی کرانے والی ہر چیز سے خوف ہے اور اس (موت سے خوف) کا سبب ان پر مادہ پرستی کا غلبہ اور آخرت کا انکار ہے۔

۴۔ یہ جنازے کے ساتھ جانے والوں اور اس کے حصول اجر پر رغبت رکھنے والوں کی قلت تعداد کا بڑا قوی سبب ہے۔ اس لیے کہ ہر کوئی تو جنازے کے ساتھ جانے کے لیے ٹیکسی کرانے کی استطاعت نہیں رکھتا۔

۵۔ اس صورت کا اس چیز (طریق کار) سے دور ونزدیک کا کوئی تعلق نہیں جو اس سہولت آمیز شریعت مطہرہ سے معروف ہے جو سطحی چیزوں اور رسم ورواج سے بہت دور ہے، خاص طور پر اس موت جیسے اہم معاملے میں، میں سچی بات کہتا ہوں: اگر اس بدعت میں صرف یہی مخالفت ہوتی۔ تو اس کے رد کرنے میں کافی تھی، تو پھر کس طرح جب کہ اس کے ساتھ وہ مخالفتیں اور مفاسد شامل ہیں جن کا بیان گزر چکا اور ان کے علاوہ دیگر مفاسد بھی ہیں جنہیں میں ذکر نہیں کر رہا۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے نبی ﷺ کے معجزات میں سے اسی ایک معجزے کی طرف اشارہ کیا ہے جو ان آدمیوں سے متعلق ہے جو گاڑیوں میں سوار ہو کر جنازے میں شرکت کے لیے مسجدوں میں آئیں گے، وہ نماز چھوڑ کر اپنی گاڑیوں میں بیٹھے مسجد کے آگے کھڑے رہیں گے، انہوں نے "صحیح موارد الظمآن" (۲/ ۴۷) میں

حدیث رقم (۱۲۱۵-۱۲۵۴) کے تحت عبداللہ بن عمرو کی روایت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

وہ حدیث نبی ﷺ کا غیبی علمی معجزہ ہے، وہ (حدیث) انتہائی قیمتی گاڑیوں کی طرف اشارہ کرتی ہے جن پر آدمیوں کے مشابہ سواری کریں گے، وہ ان پر جنازے میں شرکت کے لیے مساجد کی طرف آئیں گے، جب جنازے کو نماز (جنازہ) کے لیے مسجد میں داخل کر دیا جائے گا، وہ اپنی گاڑیوں میں بیٹھے یا ان کے کنارے کھڑے انتظار کرتے رہیں گے، میں نے اس سب کی "الصحیحۃ" میں تشریح کی ہے، اور میں نے اس میں شیخ شعیب اور اس کے حدیث کو ضعیف قرار دینے کا رد کیا ہے، اور اس کے اس راوی کے بارے میں جس پر انہوں نے اس میں اعتماد کیا ہے، تناقض و تضاد کا رد کیا ہے، وہ کبھی اسے ضعیف قرار دیتا ہے جیسا کہ یہاں ہے اور کبھی اسے حسن قرار دیتا ہے، اور کبھی اسے صحیح قرار دیتا ہے، اس تناقض کے سبب کی طرف میں نے خاص توجہ دی ہے، جو تفصیل چاہتا ہے وہ اس کی طرف رجوع کرے۔ [1]

اور شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحۃ" (٦/ ٤١٥-٤١٦) میں حدیث رقم (۲۶۸۳) کے تحت بیان کیا:

جب تم نے یہ جان لیا تو اللہ کے حکم سے تم پر واضح ہو جائے گا کہ نبی ﷺ ان سواریوں کی طرف اشارہ فرماتے ہیں جو اس دور میں ایجاد کی گئی ہیں، یہ وہی گاڑیاں ہیں جو نرم گداز آرام دہ ہیں جیسے وہ رہائش گاہیں ہوں، اور اس کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک دوسری حدیث رقم (۹۳) میں انہیں "گھروں" کا نام دیا ہے، لیکن اس کے بعد جو ہے اس سے واضح ہو گیا کہ اس میں انقطاع ہے۔

اس حدیث میں ایک دوسرا غیبی علمی معجزہ ہے جو لباس پہننے کے باوجود عریاں رہنے والی خواتین سے متعلق نہیں، وہ ان (خواتین) کے مردوں کے متعلق ہے جو گاڑیوں میں سوار ہو کر آتے ہیں اور مساجد کے دروازوں پر آ کر اترتے ہیں، اللہ کی قسم! وہ سچی خبر ہے کہ ہم ہر جمعے اس کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ جس وقت مساجد کے سامنے بہت ساری گاڑیاں جمع ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ راستہ کشادہ ہونے کے باوجود بھی تنگ ہو جاتا ہے۔ ان گاڑیوں میں آدمی نماز جمعہ کے لیے اترتے ہیں، ان میں سے زیادہ تر پانچ نمازیں نہیں پڑھتے یا کم از کم وہ انہیں مساجد میں نہیں پڑھتے، گویا کہ انہوں نے نمازیں چھوڑ کر صرف جمعہ کی نماز پر قناعت کر لی ہے، اسی لیے وہ جمعہ کے دن زیادہ ہو جاتے ہیں، اور وہ اپنی گاڑیوں میں مساجد کے سامنے آ کر اترتے ہیں، ان پر نماز کا اثر ظاہر نہیں ہوتا، اور وہ اپنی ازواج اور بیٹیوں کے معاملے میں، تو وہ اس طرح ہیں: "ان کی خواتین لباس پہننے کے باوجود عریاں ہیں۔"

---

[1] روایت حسن ہے، "الصحیحۃ" (۲٦٨٣) (منہ) حدیث یہ ہے: "عنقریب میری امت کے آخری دور میں بہت سے ایسے لوگ ہوں کے جو زینوں پر سواریاں کریں گے جو رہائش گاہوں کی مانند ہوں گے، وہ مساجد کے دروازوں پر پڑاؤ ڈالیں گے۔ ان کی عورتیں لباس پہننے کے باوجود عریاں ہوں گی، ان کے سروں پر ایسے ہوگا جیسے بختی (نسل) کے دبلے پتلے کوہان ہوں۔ انہیں لعنت کرو وہ ملعون عورتیں ہیں۔ اگر تمہارے بعد کوئی امت ہوتی، تو ان عورتوں کی تمہاری عورتیں خدمت کرتیں جیسے تم سے پہلی امتوں کی عورتوں نے تمہاری خدمت کی ہے۔"

دوسری ظاہری صورت جس پر وہ حدیث مکمل طور پر منطبق ہوتی ہے، وہ ہے جو اس دور کے آخری وقت میں گاڑیوں پر جنازے میں شرکت کرنا ہے، ان میں ایسے لوگ سوار ہوتے ہیں جو آسودہ حال تارکین نماز کے لیے (دین میں سے) کوئی حصہ نہیں، حتیٰ کہ جب میت گاڑی رکتی ہے اور جنازے کو مسجد میں نماز جنازہ کے لیے داخل کردیا جاتا ہے، یہ آسودہ حال لوگ مسجد کے سامنے اپنی گاڑیوں میں ٹھہرے رہتے ہیں، کبھی ان میں سے بعض اتر آتے ہیں جنازے کا انتظار کرتے ہیں تاکہ وہ نفاق و مداہنت کے انداز میں قبر تک اس کے ساتھ جائیں۔ [1] جبکہ وہ عبادت اور آخرت کی یاد دہانی کے لیے نہیں ہوتا، واللہ المستعان.

میرے نزدیک اس حدیث کی تاویل وتفسیر کی یہ وہ وجہ ہے، اگر میں نے درست شرح کی ہے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے، اور اگر میں نے غلطی کی ہے تو وہ میری طرف سے ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی سے درخواست ہے کہ وہ میری ہر بھول چوک اور عمداً خطائیں معاف فرمائے۔ مجھ میں یہ سب کچھ ہے۔ [2]

۷۰: **بعض اموات کو توپ گاڑی/ بکتر بند گاڑی میں رکھ کر لے جانا:**

"احکام الجنائز" (۳۱۵/ ۷۰) "تلخیص الجنائز" (۱۰۰/ ۷۰)

پنجم:......نماز جنازہ کی بدعات

۷۱: **ہر روز غروب آفتاب کے بعد ان مسلمانوں کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جو دنیا کے مختلف علاقوں میں فوت ہوئے:**

"الاختصارات" (۵۳) "المدخل" (۴/ ۲۱۴)، "السنن، (۶۷،) "احکام الجنائز" (۳۱۶/ ۷۱) "تلخیص الجنائز" (۱۰۱/ ۷۱).

۷۲: **کسی ایسے شخص کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جبکہ معلوم ہو کہ اس کی اس کے وطن میں نماز جنازہ پڑھی گئی ہے:**

دیکھیں: ۵۹۔ فقرہ ساتواں [3] "أحکام الجنائز" (۳۱۶/ ۷۲)، "تلخیص الجنائز" (۱۰۱/ ۷۲)

---

[1] میں (یعنی: شیخ البانی رحمہ اللہ) نے کہا: رہا ان کا اعلانات میں یوں کہنا: "......اس کا آخری ٹھکانا" تو یہ کم از کم کفریہ لفظ ہے، مجھے اعلان کرنے والے مسلمانوں سے اس لفظ کے استعمال سے بہت ہی تعجب ہوتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ قبر آخری ٹھکانا نہیں، بلکہ وہ دنیا و آخرت کے درمیان ایک پردہ ہے، وہاں سے دوبارہ اٹھایا جانا ہے پھر آخری ٹھکانا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ﴾ (الشوری: ۷) "ایک فریق جنت میں اور ایک فریق جہنم میں۔" اور فرمایا: ﴿فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ﴾ (فصلت: ۲۴) "پس ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔" یہ لفظ (آخری ٹھکانا) کسی کافر و ملحد شخص نے ہی کہا، پھر مسلمانوں نے انتہائی غفلت میں ان کی تقلید کرتے ہوئے اسے اختیار کرلیا ﴿فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ (القمر: ۱۷) "تو کیا کوئی نصیحت قبول کرنے والا ہے۔" (منہ)

[2] یہ شیخ البانی رحمہ اللہ کی عاجزی وانکساری ہے۔ (شہباز حسن)

[3] ص: ۱۱۷، ط: المعارف

غائبانہ نماز جنازہ کی تفصیل:[1]

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "أحكام الجنائز" (ص ۱۱۸ ـ ۱۲۰)، "تلخيص الجنائز" (ص ٤٨) میں بیان کیا:

اس مسئلے میں "زاد المعاد" (۱/ ۲۰۵، ۲۰٦) میں ابن القیم رحمہ اللہ کے کلام کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

"غائبانہ نماز جنازہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور آپ کی سنت سے نہیں، بہت سے مسلمان آپ سے دور فوت ہوئے اور آپ نے ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی، البتہ آپ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ نے نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی، اس میں تین طرق پر اختلاف کیا گیا ہے:

۱: یہ امت کے لیے تشریع اور سنت ہے کہ ہر غائب شخص کی نماز جنازہ پڑھی جائے، یہ شافعی اور احمد کا موقف ہے۔

۲: ابوحنیفہ اور مالک کا موقف ہے: یہ صرف اس کے لیے خاص ہے، اس کے علاوہ کسی اور کے لیے نہیں۔

۳: اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے فرمایا:

"درست بات تو یہ ہے کہ ایسا غائب وغیر موجود شخص جو کسی ایسی جگہ فوت ہو جائے جہاں اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی گئی ہو، اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھائی کیونکہ وہ کافروں کے علاقے میں فوت ہوئے تھے، ان کی نماز جنازہ (وہاں) نہیں پڑھی گئی تھی، اگر اس کی جہاں اس نے وفات پائی تھی، نماز جنازہ پڑھ دی گئی تو پھر اس کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، کیونکہ مسلمانوں کے اس کی نماز جنازہ پڑھنے کی وجہ سے فرض ساقط ہو گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی بھی ہے اور چھوڑی بھی ہے، آپ کا کسی کام کو کرنا اور اسے نہ کرنا سنت ہے، اور یہ آپ کا مقام ہے۔ واللہ اعلم

تینوں اقوال احمد کے مذہب وموقف میں ہیں، اور ان میں سے سب سے زیادہ صحیح یہ تفصیل ہے۔"

میں نے کہا: شافعیہ میں سے بعض محققین نے اسے اختیار کیا ہے، امام خطابی نے "معالم السنن" میں بیان کیا، اس کی نص یہ ہے:

"میں نے کہا: نجاشی مسلمان شخص تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے تھے اور آپ کی نبوت کی تصدیق کر چکے تھے، لیکن انہوں نے اپنا ایمان ظاہر نہیں کیا تھا، جب مسلمان فوت ہو جائے تو مسلمانوں

---

[1] ایسا شخص جو کسی ایسی جگہ فوت ہوا جہاں اس کی نماز جنازہ پڑھنے والا کوئی نہیں، تو ایسے شخص کی مسلمانوں کی ایک جماعت غائبانہ نماز جنازہ پڑھے گی۔

پر اس کی نماز جنازہ پڑھنا واجب ہو جاتا ہے، ہاں اگر وہ کافروں کے ہاں فوت ہوا ہو، اور وہاں اس کی نماز جنازہ پڑھنے والا کوئی نہ ہو، تو پھر رسول اللہ ﷺ پر لازم تھا کہ آپ نماز جنازہ پڑھاتے، کیونکہ آپ ﷺ اس کے نبی اور ولی (سرپرست) جو ہوئے، اور آپ اس کے سب سے زیادہ حق دار ہیں، پس یہ (اللہ اعلم) وہ سبب ہے جو اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھانے کا سبب بنا۔''

اس طرح اگر کوئی مسلمان کسی ملک اور علاقے میں فوت ہوا ہو اور اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی ہو، تو کسی دوسرے ملک کا باشندہ اس کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھے گا، اگر پتہ چل جائے کہ کسی رکاوٹ کی وجہ سے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی، تو پھر مسنون یہ ہے کہ اس کی نماز جنازہ (غائبانہ) پڑھی جائے اور مسافت کی دوری کی وجہ سے اسے ترک نہ کیا جائے۔ جب وہ اس کی نماز جنازہ پڑھیں تو قبلہ رخ ہوں، اور اس میت کے ملک و علاقے کی طرف رخ نہ کریں، اگر وہ قبلہ کی سمت میں نہ ہو۔

بعض علماء کا موقف ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ مکروہ ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ یہ فعل نبی ﷺ کے لیے خاص تھا، جبکہ نجاشی کے نماز جنازہ کے حکم کے حوالے سے ہے کہ بعض روایات میں مروی ہے کہ ''آپ کے لیے زمین کے نشانات برابر کر دیئے گئے، حتیٰ کہ آپ اس کی جگہ دیکھ رہے تھے۔'' [1]

یہ تاویل فاسد ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جب افعال شریعت میں سے کوئی فعل کیا، تو پھر آپ کی پیروی کرنا ہم پر لازم ہوتی ہے، جبکہ تخصیص کا علم تو دلیل سے ہوتا ہے اور یہ جو واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کے ساتھ عید گاہ/ جنازہ گاہ تشریف لے گئے، آپ نے ان کی صفیں بنوائیں، انہوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی، تو معلوم ہوا کہ یہ تاویل فساد ہے۔ واللہ اعلم''

ویانی، جو کہ شافعی المسلک ہیں، نے بھی خطابی کے موقف کو پسند کیا۔

اور ابوداود کا بھی یہی مذہب و مسلک ہے، انہوں نے اپنی ''السنن'' میں ایک حدیث کے لیے اس طرح عنوان قائم کیا ہے: ''باب فی الصلاة علی المسلم یموت فی بلاد الشرك'' اور متاخرین میں سے علامہ محقق شیخ صالح مقبلی [2] نے بھی اسے اختیار کیا، جیسا کہ ''نیل الاوطار'' (٤/ ٤٣) میں ہے اور انہوں نے اس کے لیے اس اضافے سے استدلال کیا ہے جو حدیث کے بعض طرق میں واقع ہوا ہے:

''تمہارا بھائی دیار غیر میں فوت ہوا ہے، اٹھو اور اس کی نماز جنازہ پڑھو۔''

---

[1] نووی نے ''المجموع'' (٥/ ٢٥٣) میں ذکر کیا کہ یہ خیالی خبر ہے، پھر نبی ﷺ کے لیے زمین لپیٹ دیئے جانے کے متعلق علاء بن زیدل کی روایت ذکر کی، حتیٰ کہ آپ گئے اور تبوک میں معاویہ بن معاویہ کی نماز جنازہ پڑھائی، انہوں نے کہا: یہ روایت ضعیف ہے۔ حفاظ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ ان میں بخاری اور بیہقی بھی ہیں۔ (منہ)

[2] مجھے ان کا یہ کلام ان کی کتاب ''المنار فی المختار'' (١/ ٢٧١) میں ملا، اسے دیکھ لیں۔

اس کی سند شیخین (بخاری ومسلم) کی شرط پر ہے۔

رہی وہ چیز جو ہر غائب شخص کی غائبانہ نماز جنازہ کی عدم مشروعیت کی تائید کرتی ہے، کہ جب خلفاء راشدین اور دیگر فوت ہوئے تو کسی مسلمان نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہ پڑھی، اگر انہوں نے پڑھی ہوتی تو اس کے متعلق ان سے متواتر کے ساتھ منقول ہوتا۔

اس کا اس کے ساتھ موازنہ کریں جو آج بہت سے مسلمان ہر غائب کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں، خاص طور پر جبکہ وہ مشہور ومعروف ہو، خواہ یہ شہرت صرف سیاسی ہو اور وہ خدمت اسلام کے حوالے سے معروف نہ ہو، اور خواہ وہ حرم مکی میں مرا ہو، اور حج کے موقع پر ہزاروں افراد نے اس کی نماز جنازہ پڑھی ہو، اس نماز کے مثل ہم نے جو ذکر کیا اس سے موازنہ کریں، آپ یقیناً جان لیں گے کہ وہ ان بدعات میں سے ہے جس کے بارے میں آپ ﷺ کی سنت اور سلف رضی اللہ عنہم کے مذہب کے متعلق جاننے والا کوئی شخص شک نہیں کرسکتا۔

۷۳: ان میں سے بعض کا نماز جنازہ کے وقت یوں کہنا:

"سبحان مَن قهر عباده بالموت، وسبحان الحی الذی لا یموت.": "السنن والمبتدعات" (٦٦) "احكام الجنائز" (٣١٦/ ٧٣) "تلخيص الجنائز" (١٠١/ ٧٣)

۷۴: نماز جنازہ کے وقت جوتے اتار دینا خواہ ان میں ظاہری نجاست نہ لگی ہو، پھر ان جوتوں کے اوپر کھڑے ہونا:

"احكام الجنائز" (٣١٦/ ٧٤)، "تلخيص الجنائز" (١٠١/ ٧٤).

۷۵: امام کا (جنازہ پڑھاتے وقت) آدمی کے وسط میں اور عورت کے سینے کے پاس کھڑا ہونا:

دیکھیں: مسئلة ٧٣ [1] "احكام الجنائز" (٣١٦/ ٧٥)، "تلخيص الجنائز" (١٠١/ ٧٥)

۷۶: دعائے استفتاح کی قراءت:

(مسئلہ ۷۷ پر تعلیق دیکھیں، ص:۱۵۱) [2] "احكام الجنائز" (٣١٦/ ٧٦)، "تلخيص الجنائز" (١٠١/ ٧٦).

۷۷: سورۃ الفاتحہ اور اس کے ساتھ ایک اور سورت کی قراءت سے اعراض:

(مسئلہ ۷۷ پر تعلیق دیکھیں، ص:۱۵۲۔۱۵۳) "احكام الجنائز" (٣١٦/ ٧٧)، "تلخيص الجنائز" (١٠١/ ٧٧).

---

[1] ص: ١٣٨۔ ١٤٠، احکام الجنائز، ط: المعارف.

[2] اور ص:۱۵۳ از احکام الجنائز، ان صفحات کی نسبت طبعۃ المعارف کی طرف کی گئی ہے۔

۷۸: نماز جنازہ میں سلام نہ پھیرنا:❶

"احکام الجنائز" (٣١٦/ ٧٨)، "تلخيص الجنائز" (١٠١/ ٧٨)

۷۹: نماز جنازہ کے بعد کسی کا بلند آواز سے یہ کہنا:

تم اس کے متعلق کیا گواہی دیتے ہو؟ تو حاضرین بھی اسی طرح (بلند آواز سے) کہتے ہیں۔ وہ صالح شخص تھا: "الابداع" (١٠٨)، "السنن" (٦٦)، "أحكام الجنائز" (٣١٦/ ٧٩)، "تلخيص الجنائز" (١٠١/ ٧٩).

مسئلے کی تفصیل:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "احکام الجنائز" (ص ٦٢) میں فرمایا:

''رہا بعض لوگوں کا نماز جنازہ کے بعد کہنا: ''تم اس (میت) کے بارے میں کیا گواہی دیتے ہو، اس کے متعلق خیر کی گواہی دو۔'' وہ اسی طرح جواب دیتے ہیں: وہ صالح ہے، یا اہل خیر میں سے ہے، اور اس طرح کی بات، اس حدیث ❷ سے وہ قطعاً مراد نہیں، بلکہ وہ ایک قبیح بدعت ہے، کیونکہ وہ سلف کے عمل میں سے نہیں، کیونکہ جو یہ گواہی دیتے ہیں وہ غالب طور پر میت کو جانتے پہچانتے نہیں ہوتے، بلکہ بسا اوقات وہ اس کے متعلق جو جانتے ہوتے ہیں اس کے خلاف گواہی دیتے ہیں، بس وہ یہ گواہی خیر و بھلائی کی گواہی طلب کرنے کی رغبت کے پیش نظر دیتے ہیں، ان سے گمان کرتے ہوئے کہ یہ میت کو فائدہ پہنچاتی ہے، اور وہ یہ نہیں جانتے کہ نفع مند گواہی وہی ہے جو اس حقیقت کے موافق ہو جس کے لیے گواہی دی جا رہی ہے۔''

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحيحة" (٣/ ٢٩٦) میں بیان کیا:

''بعض لوگوں کا جنازے کے بعد کہنا: ''تم اس کے متعلق کیسی گواہی دیتے ہو؟ اس کے لیے خیر کی گواہی دو۔'' یہ کہنا قبیح بدعت ہے۔''

ششم:...... دفن اور اس سے متصل بدعات

۸۰: جنازے کے قبرستان پہنچنے پر اسے دفن کرنے سے پہلے بھینس ذبح کرنا اور گوشت حاضرین میں تقسیم کرنا:

---

❶ تمام مسلمانوں میں سے صرف امامیہ اکیلے ہی اس طرح کرتے ہیں جیسا کہ ان کی کتاب "مفتاح الكرامة" (١/ ٤٨٣) میں ہے۔(منہ)

❷ یعنی وہ حدیث: ''تم جس کی اچھائی بیان کرتے ہو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے، اور تم جس کی برائی بیان کرتے ہو اس کے لیے جہنم واجب ہو جاتی ہے۔'' اور اس کے علاوہ دیگر احادیث۔

"الإبداع"(١١٤)، "أحكام الجنائز" (٣١٧/ ٨٠)، "تلخيص الجنائز" (١٠١/ ٨٠).

۸۱: جنازے کو گھر سے نکالتے وقت جو جانور ذبح کیا گیا اس کا خون میت کی قبر میں رکھنا:

"أحكام الجنائز" (٣١٧/ ٨١)، "تلخيص الجنائز" (١٠١/ ٨١).

۸۲: میت کو دفن کرنے سے پہلے اس کی چارپائی کے گرد ذکر کرنا:

"السنن" (٦٧) "احكام الجنائز" (٣١٧/ ٨٢)، "تلخيص الجنائز" (١٠١/ ٨٢).

۸۳: (ا) میت کو قبر میں داخل کرتے وقت اذان دینا:

"حاشية ابن عابدين" (١/ ٨٣٧) "أحكام الجنائز" (٣١٧/ ٨٣)، "تلخيص الجنائز" (١٠١/ ٨٣).

۸۳: (ب) میت کو دفن کرنے کے لیے اذان:

"حجة النبی ﷺ" (ص١٠١)

۸۴: میت کو قبر کے سرہانے کی طرف سے قبر میں اتارنا:

(دیکھیں مسئلہ: ۱۰۰، ❶ ص: ۱۹۰) "أحكام الجنائز" (٣١٧/ ٨٤)، "تلخيص الجنائز" (١٠١/ ٨٤).

۸۵: میت کو قبر میں اتارتے وقت اس کے ساتھ تھوڑی سی تربت حسین علیہ السلام رکھ دینا کیونکہ وہ ہر قسم کے خوف سے امان (کا باعث) ہے:❷

"أحكام الجنائز" (٣١٧/ ٨٥)، "تلخيص الجنائز" (١٠١/ ٨٥)

۸۶: میت کے نیچے بلا ضرورت ریت بچھانا:

"المدخل" (٣/ ٢٦١)، "أحكام الجنائز" (٣١٧/ ٨٦)، "تلخيص الجنائز" (١٠١/ ٨٦).

۸۷: قبر میں میت کے سر کے نیچے تکیہ وغیرہ رکھنا:

"المدخل" (٣/ ٣٦٠)، "احكام الجنائز" (٣١٧/ ٨٧)، "تلخيص الجنائز" (١٠٢/ ٨٧).

۸۸: میت پر اس کی قبر میں عرق گلاب چھڑکنا:

---

❶ احکام الجنائز، مسودے میں ۱۰۳ تھا مگر صحیح وہ ہے جو ہم نے ثابت کیا ہے۔

❷ جیسا کہ "مفتاح الكرامة" (١/ ٤٩٧) میں دعویٰ کیا گیا ہے۔ (منہ)

"المدخل" (٣/ ٢٦٢)، (٢/ ٢٢٢). "أحكام الجنائز" (٣١٧/ ٨٨)، "تلخيص الجنائز" (١٠٢/ ٨٨).

٨٩: حاضرین کا الٹے ہاتھوں سے مٹی ڈالنا اور "إنا لله وإنا إليه راجعون" پڑھنا:[1]
"أحكام الجنائز" (٣١٧/ ٨٩)، "تلخيص الجنائز" (١٠٢/ ٨٩).

٩٠: مٹی کی بھری ہوئی پہلی مٹھی پر ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ﴾ دوسری مٹھی پر ﴿وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ﴾ اور تیسری پر ﴿وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾ (طٰہٰ: ٥٥) پڑھنا:
"احكام الجنائز" (١٩٣-١٩٤، ٣١٨/ ٩٠)، "تلخيص الجنائز" (١٠٢/ ٩٠)

میت پر تین مٹھیاں مٹی ڈالنے اور اس کے ساتھ یہ آیت ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾ (طٰہٰ: ٥٥) پڑھنے کے مسئلے کی تفصیل

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "احكامِ الجنائز" (ص١٩٣-١٩٤) میں فرمایا:

فقہاء میں سے بعض متاخرین کا استحباب ہے کہ پہلی مٹھی[2] پر ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ﴾ دوسری پر ﴿وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ﴾ اور تیسری پر ﴿وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾ (طٰہٰ: ٥٥) پڑھا جائے۔ جبکہ اس کی احادیث میں کوئی اصل نہیں......

رہا نووی کا قول (۵/۲۹۳-۲۹۴) ''اس کے لیے ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا جاتا ہے، انہوں نے کہا: ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو قبر میں رکھا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾ (طٰہٰ: ٥٥) امام احمد نے اسے عُبیداللہ بن زحر کی روایت سے علی بن زيد بن جدعان، عن القاسم کے حوالے سے روایت کیا ہے، وہ تینوں ضعیف ہیں۔ لیکن فضائل کی احادیث کو دیکھا جائے گا (ان سے مانوس ہوا جائے گا) اگرچہ وہ ضعیف الاسناد ہوں، ترغیب وترہیب میں ان پر عمل کیا جائے گا، اور یہ

---

[1] وہ امامیہ کا مذہب ہے، جیسا کہ "مفتاح الكرامة" (١/ ٤٩٩) میں ہے، گویا کہ انہوں نے اس صورت سے اہل السنہ کی مخالفت کا ارادہ کیا ہے جو میت پر مٹی ڈالتے ہیں، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے ہاتھوں سے مٹی ڈالتے تھے! احکام الجنائز میں مسئلہ ۱۰۰ ص ۱۹۳ کی طرف رجوع کریں۔

[2] لحد بند کردینے کے بعد مسنون یہ ہے کہ جو شخص قبر کے پاس ہو وہ دونوں ہاتھوں سے تین بار قبر پر مٹی ڈالے، لیکن اس سلسلے میں کوئی ذکر نہیں، قرآن کے حوالہ سے یا سنت صحیحہ سے۔ دیکھیں "الجنائز" (ص١٩٣، مسأله رقم ١٠٣).

انہی میں سے ہے۔ واللہ اعلم۔"

اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

۱: اس حدیث میں اس کے استحباب کی مزعومہ تفصیل نہیں ہے، اگر اس کی سند صحیح بھی ہو تو اس میں اصلاً کوئی حجت نہیں۔

۲: تفصیل مذکور شرع میں ثابت نہیں کہ وہ فضائل اعمال میں سے ہے کہ کہا جائے: کہ اس حدیث پر عمل کیا جائے گا کیونکہ وہ فضائل اعمال میں ہے، بلکہ اس پر عمل جائز قرار دینا ضعیف حدیث پر عمل کی مشروعیت میں ہے، بلکہ اس پر عمل کا جواز ضعیف حدیث پر عمل کی مشروعیت کا اثبات ہے، اس لیے کہ مشروعیت کا کم از کم درجہ استحباب ہے، اور وہ پانچ احکام میں سے ایک حکم ہے جو کہ صحیح دلیل ہی سے ثابت ہوتے ہیں، اس میں علماء کے اتفاق کے مطابق ضعیف فائدہ مند نہیں۔

۳. یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے بلکہ وہ ابن حبان کی تنقید کے مطابق موضوع ہے۔

۹۱: پہلی مٹھی ڈالنے پر "بسم الله" دوسری پر "الملك لله" تیسری پر "القدرة لله" چوتھی پر "العزة لله" پانچویں پر "العفو والغفران لله" چھٹی پر "الرحمة لله" پھر ساتویں میں یہ پڑھے گا: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ (الرحمن: ٢٦) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان پڑھے گا: ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ﴾ (طٰهٰ: ٥٥) پوری آیت۔ "احكام الجنائز" (٣١٨/ ٩١) "تلخيص الجنائز" (١٠٢/ ٩١) .

۹۲: میت کو دفن کرتے وقت سات سورتیں: الفاتحہ، الفلق، الناس، الاخلاص، النصر، الکافرون اور القدر اور یہ دعا پڑھنا:

اللهم انى اسألك باسمك العظيم، واسألك باسمك الذى هو قوام الدين، واسألك...... واسألك...... واسألك باسمك الذى اذا سُئِلتَ به اعطيتَ واذا دُعيت به اجبتَ، ربَّ جبرائيل، وميكائيل واسرافيل وعزرائيل...... آخر تک۔ ❶

"احكام الجنائز" (٣١٨/ ٩٢)، "تلخيص الجنائز" (١٠٢/ ٩٢) .

۹۳: میت کے سر کے پاس سورۂ فاتحہ ❷ اور اس کے پاؤں کے پاس سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات

---

❶ اس کو اور اس سے پہلے کو "شرح الشرعة" (ص٥٦٨) میں مستحب قرار دیا اور اس کے اختراع پر جو چیز دلالت کرتی ہے: وہ یہ کہ اس میں یہ "عزرائیل" کا نام مذکور ہے، اس کی سنت میں مطلق کوئی اصل نہیں، جیسا کہ اس پر کتاب الجنائز" ص۱۹۹) میں تنبیہ گزر چکی ہے۔

❷ اس بارے میں ایک انتہائی ضعیف حدیث روایت کی گئی ہے جیسا کہ "الضعيفة" (٤١٤٠) میں ہے، اس کی نص یہ ہے: "جب تم میں سے کوئی فوت ہو جائے تو اسے روک نہ رکھو، اسے اس کی قبر تک جلد پہنچاؤ اور اس کے سر کے پاس سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہیے......"

اس میں ہمارے شیخ نے قبر کے پاس قراءت کے مسئلے میں بعض بدعتیوں پر رد کیا ہے، اور انہوں نے (۱۵۲/۹) فرمایا:

اور اس (یعنی: الغماری) نے اس کو میت کو قراءت کا ثواب پہنچنے کا موقف رکھنے والوں کے دلائل سے شمار کیا ہے، اور اس کا فساد مخفی نہیں......الخ

پڑھنا: [1]

"احکام الجنائز" (۳۱۸/ ۹۳) "تلخیص الجنائز" (۱۰۲/ ۹۳) .

۹۴: میت پر مٹی ڈالتے وقت قرآن پڑھنا:

"المدخل" (۳/ ۲٦۲-۲٦۳) "احکام الجنائز" (۳۱۸/ ۹۳) "تلخیص الجنائز" (۱۰۲/ ۹۳) .

۹۵: میت کو (کلمہ پڑھنے کی) تلقین کرنا:

"السنن" (٦۷) "سبل السلام" للصنعانی ، اور مسأله (۱۰٤) ص ۱۹۷ دیکھیں: "احکام الجنائز" (۳۱۸/ ۹۵) "تلخیص الجنائز" (۱۰۲/ ۹۵) .

میت کو دفن کرنے کے بعد تلقین کے مسئلے کی تفصیل:

احناف کے امام ابن الہمام نے "الهداية" کے حاشیے "فتح القدیر" میں بیان کیا جسے انہوں نے "الآیات البینات" (ص ۵۷) میں الآلوسی سے نقل کیا:

"ان کا کہنا: (مراد: جو قریب المرگ ہو) جیسے آپ علیہ السلام کے فرمان: ((من قتل قتیلا فله سلبه)) میں لفظ "قتیل" ہے۔" اور رہی موت کے بعد "تلقین" جبکہ وہ قبر میں ہے، تو کہا گیا: "کی جائے گی" اس حقیقت کے پیش نظر جو ہم نے روایت کی، اور وہ اہل السنہ والجماعہ کی طرف منسوب ہے اور معتزلہ اس کے خلاف ہیں اور یہ کہا گیا: اس کا حکم دیا جائے گا، نہ اس سے روکا جائے گا......"

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے کتاب "الآیات البینات" (ص ۵۷-۵۸) کی تحقیق و تعلیق میں اس موقف کا کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

یہ مردود ہے، کیونکہ تلقین یاددہانی ہے، یہ کوئی دنیوی امر ہے نہ کہ رواجی، حتیٰ کہ انہوں نے اس بارے میں جو ذکر کیا وہ صحیح ہو، وہ تو امر تعبدی ہے، وہ یا تو مشروع ہوگا، تو تب اس کے متعلق حکم دیا جائے گا خواہ امر استحباب ہو، اور یا پھر امر غیر مشروع ہوگا تو اس سے روکا جائے گا، وہ اس حالت میں محدثات الامور میں سے ہے، اور وہ ایسا امر ہے جس سے روکا گیا ہے، لہٰذا آگاہ رہو۔

پھر الآلوسی رحمہ اللہ نے "الآیات البینات" (ص ٦۲-٦۳) میں فرمایا: جان لیں کہ موت سے پہلے تلقین کے مسئلے میں ہم نے کوئی خلاف نہیں دیکھا، رہی (تلقین) موت کے بعد تو اس کا ذکر "الہدایہ" وغیرہ میں گزرا ہے،

---

[1] یہ ابن عمر کی مرفوع روایت میں مروی ہے، الہیثمی (۳/ ۴۵) نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، اور ان سے موقوف روایت کیا ہے، اور وہ بھی ضعیف ہے جیسا کہ کتاب الجنائز (ص ۲۴۳) کے مسئلہ (۱۱۹) میں بیان ہوا۔ (منہ)

ائمہ اور علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے، حنفیہ کے اس میں تین اقوال ہیں:

۱: موت کے بعد تلقین کی جائے گی کیونکہ سائل کے لیے روح کو لوٹایا جاتا ہے۔

۲: تلقین نہیں کی جائے گی۔

۳: اس کا حکم دیا جائے گا نہ اس سے روکا جائے گا۔ ❶

شافعیہ کے نزدیک تلقین کی جائے گی، جیسا کہ ابن حجر ❷ نے "التحفة" میں بیان کیا:

''بالغ عاقل یا مجنون کی تلقین مستحب ہے، تکلیف ذمہ داری، پابندی اس پر سبقت لے گئی، خواہ شہید ہو، جیسا کہ دفن کرنے کے بعد ان کا اطلاق اس کا تقاضا کرتا ہے، اس بارے میں ایک روایت ہے، اور اس کا ضعف شواہد کے ذریعے قوی ہو جائے گا، نیز یہ کہ وہ فضائل میں سے ہے، ابن عبدالسلام کا قول: کہ وہ بدعت ہے۔ زائل ہو گیا۔'' انتہی ❸

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اس جملے: ''اس کا ضعف شواہد کے ذریعے قوی ہو گیا'' کا "الآیات البینات" (ص ٦٣) میں رد کرتے ہوئے فرمایا:

ہرگز نہیں، کیونکہ وہ شواہد جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ شہادت و گواہی کے لیے مناسب نہیں، کیونکہ وہ موقوف و مقطوع ہیں، اسی لیے ابن قیم نے بالجزم کہا کہ وہ صحیح نہیں، اور نووی ودیگر نے بھی کہا ہے کہ وہ ضعیف ہے، میں نے اسے "سلسلة الاحادیث الضعیفة" (٥٩٩) میں ثابت کیا ہے۔

آپ (رحمہ اللہ) نے عز بن عبدالسلام رحمہ اللہ کے قول: کہ تلقین بدعت ہے کی تائید میں بیان کیا، جو کہ "الآیات البینات" ٦٣) پر ان کے حاشیے میں:

بلکہ ان کا قول درست ہے، کیونکہ تلقین اس کی حدیث کے ضعف کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے طریقے کے خلاف ہے، کیونکہ ثابت ہے کہ جب میت کو دفن کر دیا جاتا آپ اس کی قبر پر کھڑے ہوتے اس کے لیے ثابت قدمی کی دعا کرتے، اس کے لیے مغفرت طلب کرتے، اور حاضرین کو بھی اس کا حکم فرماتے، پس جو بھی اس کے خلاف ہو وہ بلاشک بدعت ہے، امام صنعانی نے اسے بالجزم کہا ہے، میں نے "احکام الجنائز" (ص ١٥٥-١٥٦) ❹ میں اس کے کچھ حصے کی تفصیل بیان کی ہے۔

---

❶ پیچھے گزر چکا ہے کہ شیخ نے اس کی تردید کی ہے۔ پچھلے صفحات دیکھیں۔

❷ یعنی الهیتمی الشافعی

❸ پھر آلوسی نے مالکیوں اور حنبلیوں کا موقف پیش کیا ہے۔

❹ ط: المکتب الاسلامی، اور (١٩٧-١٩٨) ط: المعارف

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "احکام الجنائز" (ص ۱۹۷-۱۹۸) میں فقرہ (۱۰۴) کے تحت اور تلخیص الجنائز" (۶۵) کے تحت بیان کیا: میت کو دفن کرنے کے بعد کچھ امور مسنون ہیں:

۴: میت کو آج کی معروف تلقین نہ کی جائے، کیونکہ اس بارے میں وارد حدیث صحیح نہیں،[1] بلکہ آپ قبر کے پاس کھڑے ہو کر اس (میت) کے لیے ثابت قدمی کی دعا کرتے۔ اس کے لیے مغفرت طلب کرتے اور حاضرین کو بھی اس کا حکم فرماتے تھے، جیسا کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم میت کو دفن کرنے کے بعد وہاں کھڑے ہو کر فرماتے:

''اپنے بھائی کے لیے مغفرت طلب کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی کا سوال کرو، کیونکہ اس سے ابھی پوچھا جائے گا۔''

اسے ابوداؤد (۲/۷۰)، حاکم (۱/۳۷۰)، بیہقی (۴/۵۶) نے روایت کیا، عبداللہ بن احمد نے "زوائد الزھد" (ص۱۲۹) میں بیان کیا اور حاکم نے فرمایا:

صحیح الاسناد، ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، وہ اسی طرح ہے جس طرح ان دونوں نے کہا، اور نووی (۵/ ۲۹۲) نے فرمایا: اس کی اسناد جید ہے۔

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (۱/ ۸۳۸) میں بیان کیا:

موت کے بعد تلقین بدعت ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ وہ سنت میں وارد نہیں، لہٰذا اس سے کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ وہ دار تکلیف (ذمہ داریوں کے گھر) سے دار الجزاء کی طرف چلا گیا ہے، اور یہ کہ وہ تذکیر و تلقین کو قبول

---

[1] اسی طرح ابن القیم نے "زاد المعاد" (۱/ ۲۰۶) میں بیان کیا اور نووی و دیگر نے اسے ضعیف قرار دیا، جیسا کہ میں نے اسے "التعلیقات الجیاد" میں ذکر کیا، پھر میں نے اس قول کو "سلسلة الاحادیث الضعیفة" (۵۹۹) میں ثابت کیا۔

صنعانی نے "سبل الاسلام" (۲/ ۱۶۱) میں بیان کیا: ائمہ تحقیق کے کلام سے حاصل ہوتا ہے کہ وہ روایت ضعیف ہے، اس پر عمل کرنا بدعت ہے اور اس پر عمل کرنے والوں کی کثرت سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔''

مجھے ان کا قول: ''اس پر عمل بدعت ہے'' بہت پسند آیا، اور یہ ایک حقیقت ہے، بہت سے علماء اس سے غافل ہیں، کیونکہ وہ اس طرح کی حدیث کی وجہ سے بہت سے امور مشروع کرتے ہیں اور انہیں مستحب جانتے ہیں، وہ اس قاعدے کا سہارا لیتے ہیں: ''فضائل اعمال میں ضعیف روایت پر عمل کیا جائے گا'' اور وہ اس طرف توجہ نہیں دیتے کہ اس کا موقع اس میں ہے جس کی مشروعیت کتاب وسنت کے ذریعے ثابت ہو، صرف ضعیف حدیث کے ذریعے نہیں...... پھر میں نے اس اہم مسئلے میں کئی بلند پایہ اہل علم کا کلام نقل کرتے ہوئے "صحیح الترغیب والترھیب" (۱/۴۷-۶۶۔ط۔المعارف) کے اپنے مقدمے میں بڑی تفصیل بیان کی ہے۔ (منہ)

میں نے کہا: اسی طرح "تمام المنة" (ص ۳٤-٤٠) "صحیح الجامع" (۱/ ٤٩-٥٦) کے مقدمے اور "تخریج الکلم الطیب" (ص ٥١-٥٤) کے مقدمے میں تفصیل بیان کی گئی اور انہوں نے "احکام الجنائز" (ص ١٩٤، ١٩٨) "الضعیفة" (٢/ ١٥٢، ١٦١، ٢٦٤-٢٦٥) اور "الثمر المستطاب" (۱/ ۲۱۷-۲۱۹) میں کئی اشارے کیے ہیں۔

نہیں کرنے والا، ﴿لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا﴾ (یٰس: ٧٠) ''تا کہ وہ اسے ڈرائے جو کہ زندہ ہے۔'' تلقین کی صورت یہ ہے کہ شہادت (گواہی) کا حکم دیا جائے، یہ جو بعض کتب میں ذکر کیا جاتا ہے کہ اس کے پاس ذکر کیا جائے گا (تا کہ اس قریب المرگ شخص کو یاد دہانی ہو جائے) اس کا حکم نہیں دیا جائے گا (یہ) نبی ﷺ کی سنت کے خلاف ہے، جیسا کہ میں نے کتاب "أحكام الجنائز" (ص ١٠-١١) میں اسے ثابت کیا ہے [1] پس اس کا مطالعہ کریں۔

اور شیخ رحمہ اللہ نے "الضعيفة" (٢/ ٦٥) میں بیان کیا:

صنعانی نے "سبل السلام" (٢/ ١٦١) میں بیان کیا:

''ائمہ تحقیق کے کلام سے حاصل ہوتا ہے کہ وہ حدیث ضعیف [2] ہے، اس پر عمل کرنا بدعت ہے اور اس پر عمل کرنے والوں کی کثرت سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔'' [3]

فضائل اعمال [4] میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے بارے میں جو بات مشہور ہے وہ یہاں مراد نہیں لی گئی، کیونکہ یہ اس کا موقع ہے جس کی مشروعیت قرآن یا سنت صحیحہ سے ثابت ہے، اور رہا وہ عمل جو اس طرح (ثابت) نہیں تو اس میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز نہیں، کیونکہ وہ تشریع ہے، اور وہ ضعیف حدیث کے ذریعے جائز نہیں، کیونکہ وہ (ضعیف حدیث) بالاتفاق ظن مرجوح کا فائدہ دیتی ہے، لہٰذا اس جیسی روایت پر عمل کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ تو جو اپنے دین کی سلامتی چاہتا ہے وہ اس سے آگاہ رہے، کیونکہ اکثریت اس سے غافل ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے ہدایت وتوفیق کا سوال کرتے ہیں۔

٩٦: عورت کی قبر پر دو پتھر نصب کرنا:

"احكام الجنائز" (٣١٨/ ٩٦) "تلخيص الجنائز" (١٠٢/ ٩٦)

٩٧: میت کو دفن کرنے کے بعد قبر کے پاس مرثیہ خوانی کرنا:

"احكام الجنائز" (٣١٨/ ٩٧) "تلخيص الجنائز" (١٠٢/ ٩٧)

٩٨: میت کو دفن کرنے سے پہلے یا اس کے بعد ''مشاہد شریفہ'' (نیک لوگوں کی قبروں) کی طرف منتقل کرنا: [5]

---

[1] المكتب الاسلامی۔ اور دیکھئے (ص: ١٩۔ ٢٠/ مسألة: ١٤، ط: مكتبة المعارف)

[2] وہ دفن کے بعد تلقین والی روایت، ''الضعيفة'' (رقم ٥٩٩) کو ہمارے شیخ نے منکر کہا ہے۔

[3] یہ کلام ہمارے شیخ کا ہے۔

[4] سابقہ مراجع جو اس مسئلے کے بارے میں اس کتاب میں ہیں، وہ دیکھیں۔

[5] وہ امامیہ کا مذہب ہے جیسا کہ ''مفتاح الكرامة'' (١/ ٥٠٧) میں ہے۔ (منہ)

(دیکھیں مسئلہ:۱۰۶،ص:۲۰۳)❶ "احکام الجنائز" (۳۱۸/ ۹۸) "تلخیص الجنائز" (۱۰۲/ ۹۹).

۹۹: میت کو دفن کرنے کے بعد قبرستان میں کسی گھر (کٹیا/جھگی وغیرہ) میں یا اس کے قریب رہائش اختیار کر لینا:

"المدخل" (۳/ ۲۷) "احکام الجنائز" (۳۱۹/) "تلخیص الجنائز" (۱۰۲/ ۹۹).

۱۰۰: جب وہ میت کو دفن کرنے کے بعد واپس آئیں تو انہیں گھر میں داخل ہونے سے روک دیتا حتیٰ کہ وہ اپنے اطراف سے میت کے اثر کو دھولیں:

"المدخل" (۳/ ۲۷٦) "احکام الجنائز" (۳۱۹/ ۱۰۰) "تلخیص الجنائز" (۱۰۲/ ۱۰۰).

۱۰۱: قبر پر کھانے پینے کا سامان رکھ دینا تا کہ لوگ اسے لے لیں:

"احکام الجنائز" (۳۱۹/ ۱۰۱) "تلخیص الجنائز" (۱۰۲/ ۱۰۱).

۱۰۲: قبر کے پاس صدقہ:

"الاقتضاء" (۱۸۳)، "کشف القناع" (۲/ ۱۳٤). "احکام الجنائز" (۳۱۹/ ۱۰۲) "تلخیص الجنائز" (۱۰۲/ ۱۰۲)

۱۰۳: قبر پر سر کی جانب سے پانی ڈالنا، پھر اس پر پھیرنا اور جو بچ جائے اسے اس کے وسط پر ڈال دینا:❷

"احکام الجنائز" (۳۱۹/ ۱۰۳)، "تلخیص الجنائز" (۱۰۳/ ۱۰۳).

ہفتم:......تعزیت اور اس سے ملحقات کی بدعات

۱۰۴: قبروں کے پاس تعزیت:

"حاشیة ابن عابدین" (۱/ ۸٤۳). "احکام الجنائز" (۳۲۰/ ۱۰٤) "تلخیص الجنائز" (۱۰۳/ ۱٤۰).

۱۰۵: تعزیت کے لیے کسی جگہ اکٹھے ہونا:

"زاد المعاد" (۱/ ۳۰٤)، فیروز آبادی کی کتاب "سفر السعادة" (ص ۵۷)، "إصلاح المساجد عن البدع والعوائد" للقاسمی (ص ۱۸۰-۱۸۱)، اور مسئلہ ۱۰۸ (ص ۲۰۵) کا

---

❶ احکام الجنائز، ط: المعارف

❷ یہ امامیہ کا مذہب ہے جیسا کہ "مفتاح الکرامة" (۱/ ۵۰۰) میں ہے۔(منہ)

مطالعہ کریں۔"احکام الجنائز" (۳۲۰/ ۱۰۵)، "تلخیص الجنائز" (۱۰۳/ ۱۰۵).

۱۰۶: تعزیت کو تین ایام سے محدود کرنا:

(دیکھیں مسئلہ:۱۱۰، [1] ص:۲۰۹) [2] "احکام الجنائز" (۳۲۰/ ۱۰۶)، "تلخیص الجنائز" (۱۰۳/۱۰۶).

۱۰۷: ان دریوں وغیرہ کو جو میت کے گھر میں تعزیت کے لیے آنے والوں کے بیٹھنے کے لیے بچھائی جاتی ہیں، اسی طرح چھوڑ دیتا حتیٰ کہ سات دن گزر جاتے ہیں، پھر اس کے بعد وہ انہیں ہٹاتے ہیں:

"المدخل" (۳/ ۲۷۹۔۲۸۰)، "أحکام الجنائز" (۳۲۰/ ۱۰۷)، "تلخیص الجنائز" (۱۰۳/۱۰۷).

۱۰۸: ان الفاظ کے ساتھ تعزیت کرنا:

"أعظم الله لك الأجرو ألهمك الصبر، ورزقنا وإياك الشكر، فإن أنفسنا وأموالنا وأهلينا وأولادنا من مواهب الله عزوجل الهنية، وعواريه المستودعه، متعك به في غبطة وسرور، وقبضه منك بأجر كبير: الصلاة والرحمة والهدىٰ إن إحتسبته، فاصبر، ولا يحبط جزعكِ أجرك فتندم، وأعلم أن الجزع لا يرد شيئا، ولا يدفع حزنا وما هو نازل، فكأن قد." [3]

۱۰۹: ان الفاظ کے ساتھ تعزیت:

"إن في الله عزاءً من كل مصيبة، وخلفا من كل فائت، فبالله فثقوا، وإياه فارجوا، فإنما المحروم من حرم الثواب" [4] "احکام الجنائز" (۳۲۰/ ۱۰۸)، "تلخیص الجنائز" (۱۰۳/ ۱۰۸).

۱۱۰: میّت کے گھر والوں سے کھانے کی ضیافت:

---

[1] مسودے میں ۱۱۳ ہے جبکہ صحیح وہ ہے جسے ہم نے ثابت کیا ہے۔

[2] احکام الجنائز، ط: المعارف. [3] گزشتہ حاشیہ دیکھیں۔

[4] ۱۰۸، ۱۰۹ میں مذکور دونوں دعاؤں کو "شرح الشرعة" (ص۵۶۲، ۵۶۳) وغیرہ میں مستحسن قرار دیا ہے، پہلی نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ان کے بیٹے کی وفات پر ان الفاظ سے تعزیت کی، لیکن وہ حدیث موضوع ہے، جبکہ دوسری اس طرح مروی ہے کہ خضر نے آپ ﷺ کی وفات پر ان الفاظ سے آپ ﷺ کے اہل بیت سے تعزیت کی، جبکہ وہ ضعیف ہے، شافعی نے اسے اپنی ''مسند'' (۱۸۲۰) میں روایت کیا، جبکہ ابن کثیر نے اپنی ''تاریخ'' (۳۳۲/۱) میں اسے ضعیف قرار دیا۔ پہلی روایت پر مسئلہ ۱۰۹، ص: ۲۰۸ کی تعلیق میں تنبیہ گزر چکی ہے۔ (منہ)

"تلبيس إبليس" (٣٤١)، "فتح القدير" لإبن الهمام (١/ ٤٧٣)، "المدخل" (٣/ ٢٧٥_٢٧٦)، "إصلاح المساجد" (١٨١)، اور مسالہ ۱۱۱ دیکھیں۔"احکام الجنائز" (٣٢١/ ١١٠)، "تلخيص الجنائز" (١٠٣/ ١١٠).

۱۱۱: میّت کے لیے پہلے دن، ساتویں دن، چالیسویں دن اور پورا سال ضیافت کرنا:
"الخادمی فی "شرح الطريقة المحمدية" (٣٣٢٤)، "المدخل" (٢/ ١١٤، ٣/ ٢٧٨_٢٧٩). "احكام الجنائز" (٣٢١/ ١١١)، "تلخيص الجنائز" (١٠٣/ ١١١).

۱۱۲: میّت کے گھرانے سے پہلی جمعرات کھانا کھانا:
"أحكام الجنائز" (٣٢١/ ١١٢)، "تلخيص الجنائز" (١٠٣/ ١١٢).

۱۱۳: میّت کے گھرانے کی طرف سے کھانے کی دعوت قبول کرنا:
الامام محمد البركوى فى "جلاء القلوب" (٧٧)، "أحكام الجنائز" (٣٢١/ ١١٣)، "تلخيص الجنائز" (١٠٣/ ١١٣).

۱۱۴: ان کا کہنا: تین راتیں دستر خوان کو صرف وہی شخص اٹھائے گا جس نے اسے لگایا تھا:
"المدخل" (٣/ ٢٧٦)، "أحكام الجنائز" (٣٢١/ ١١٤)، "تلخيص الجنائز" (١٠٣/ ١١٤).

۱۱۵: جلیبیاں/ گلگلے بنانا یا انہیں خریدنا اور ایسی چیزیں خریدنا جنہیں ساتویں روز کھایا جائے:
"المدخل" (٣/ ٢٩٢)، "احكام الجنائز" (٣٢١/ ١١٥)، "تلخيص الجنائز" (١٠٣/ ١١٥).

۱۱۶: (میّت کی طرف سے) اس کی وفات کے دن یا اس کے بعد کھانے اور ضیافت کا اہتمام کرنے اور اس کی روح کے لیے قرآن خوانی کرنے والے یا اس کے لیے تسبیح یا تہلیل (لا الہ الا اللہ) پڑھنے والے کو چند درہم دینے کی وصیت:
"الطريقة المحمدية" (٤/ ٣٢٥)، "احكام الجنائز" (٣٢١/ ١١٦)، "تلخيص الجنائز" (١٠٤/ ١١٦).

۱۱۷: یہ وصیت کرنا کہ کچھ آدمی اس کی قبر کے پاس چالیس یا اس سے کم وبیش راتیں گزاریں:
"الطريقة المحمدية" (٤/ ٣٢٦)، "أحكام الجنائز" (٣٢١/ ١١٧)، "تلخيص الجنائز" (١٠٤/ ١١٧).

۱۱۸: اموال وقف کرنا...... خاص طور پر نقدی...... قرآن عظیم کی تلاوت کے لیے، یا یہ کہ نوافل پڑھے جائیں گے یا لا الـه الا الـلّٰه کی تسبیح نکالی جائے یا نبی ﷺ پر صلاۃ پڑھی جائے اور اس کا ثواب وقف کرنے والے یا اس کے پاس آنے والے کی روح کو پہنچایا جائے: "الـطريقة المحمدية" (٤/ ٣٢٣)، "احكام الجنائز" (٣٢١/ ١١٨)، "تلخيص الجنائز" (١٠٤/ ١١٨).

۱۱۹: میّت کا ولی (سرپرست) پہلی رات گزرنے سے پہلے میسر چیز میں سے اس کے لیے صدقہ کرے، اگر وہ کوئی چیز نہ پائے تو وہ دو رکعتیں پڑھے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ، آیت الکرسی ایک مرتبہ اور دس مرتبہ سورۃ التکاثر پڑھے گا، جب فارغ ہوگا تو یوں کہے گا: ''اللہ! میں نے یہ نماز پڑھی ہے اور تو جانتا ہے کہ میری اس سے مراد کیا ہے، اللہ! اس کا ثواب فلاں فلاں میت کی قبر تک پہنچا دے۔''[1]
"احكام الجنائز" (٣٢٢/ ١١٩)۔ "تلخيص الجنائز" (١٠٤/ ١١٩)

۱۲۰: میّت کا پسندیدہ کھانا میّت کی طرف سے صدقہ کرنا:
"أحكام الجنائز" (٣٢٢/ ١٢٠)، "تلخيص الجنائز" (١٠٤/ ١٢٠).

۱۲۱: تین مہینوں: رجب، شعبان اور رمضان میں فوت شدگان کی روح کی طرف سے صدقہ کرنا:
"احكام الجنائز" (٣٢٢/ ١٢١)، "تلخيص الجنائز" (١٠٤/ ١٢١).

۱۲۲: اسقاط نماز:
"إصلاح المساجد" (٢٨١-٢٨٣)، (ص ١٧٤، مسألة ١١٣ کی تعلیق دیکھیں)۔[2]
"احكام الجنائز" (٣٢٢/ ١٢٢)، "تلخيص الجنائز" (١٠٤/ ١٢٢).

۱۲۳: اموات کے لیے قراءت اور انھیں قراءت سنانا:
"السنن" (٦٣-٦٥)، دیکھیں: "مسألة ١١٤، ص ٢١٩-٢٢٣ [3] اور مسألة ١١٩، ص ٢٤١). [4] "أحكام الجنائز" (٣٢٢/ ١٢٣)، "تلخيص الجنائز" (١٠٤/ ١٢٣).

۱۲۴: میّت کے لیے نفل نماز:

---

[1] بڑی عجیب بات ہے کہ میں نے جس کتاب سے یہ بدعت نقل کی وہ "شرح الشرعة" (ص ٥٦٨) ہے، انھوں نے کہا: ''سنت یہ ہے کہ میت کا ولی صدقہ کرے......'' اس کی سنت میں قطعاً کوئی اصل نہیں، شاید کہ وہ مشائخ کی سنت ہو، جیسا کہ بعض حاشیہ نویسوں نے کسی شارح کے قول کی اس کے ساتھ تفسیر کی ہے: کہ نماز شروع کرتے وقت زبان سے نیت کرنا سنت ہے۔ (منہ)

[2] احكام الجنائز، ط: المكتب الاسلامي.

[3] احكام الجنائز، ط: المعارف. [4] ایضاً

"السنن" (١١/ ٦٥ ، ٦٥)، "احكام الجنائز" (٣٢/ ١٢٤)، "تلخيص الجنائز" (١٠٤/ ١٢٤).

۱۲۵: میت کے لیے غلام آزاد کرنا:

"السنن، (١١ ، ٦٥)، ❶ "احكام الجنائز" (٣٢٢/ ١٢٥)، "تلخيص الجنائز" (١٠٤/ ١٢٥).

۱۲۶: میت کے لیے قرآن خوانی اور اس کی قبر کے پاس ختم قرآن:

"سفر السعادة" (٥٧)، "المدخل" (١/ ٢٦٦ ، ٢٦٧)، "أحكام الجنائز" (٣٢٢/ ١٢٦)، "تلخيص الجنائز" (١٠٤/ ١٢٦).

قبروں کے پاس قرآن خوانی کے مسئلے کی تفصیل:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعيفة" (١/ ١٢٨) میں حدیث رقم (٥٠) کے تحت بیان کیا:

"......السنة الصحيحة میں ایسی کوئی چیز نہیں جو قبروں کے پاس قراءت قرآن کے استحباب پر دلالت کرتی ہو، بلکہ وہ تو صرف اس پر دلالت کرتی ہے کہ قبروں کی زیارت کے وقت انھیں سلام کہنا اور آخرت کو یاد کرنا مشروع ہے، سلف صالح رضی اللہ عنہم کا یہی عمل رہا ہے، پس وہاں قرآن خوانی مکروہ بدعت ہے، جیسا کہ علماء متقدمین کی ایک جماعت نے اس کی صراحت کی ہے؛ ان میں سے ابوحنیفہ، مالک اور ایک روایت میں احمد، جیسا کہ زبیدی کی "شرح الإحياء" (٢/ ٢٨٥) میں ہے، انہوں نے کہا: ''یہ سنت میں وارد نہیں، محمد بن الحسن اور احمد نے ایک روایت میں کہا: یہ مکروہ نہیں، اس لیے کہ ابن عمر سے مروی ہے کہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ انھیں دفن کرتے وقت سورۂ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات کی تلاوت کی جائے۔''

میں نے کہا: ابن عمر سے اس اثر کی ان تک سند صحیح نہیں، اگر صحیح بھی ہو، تو یہ صرف دفن کے وقت قراءت کرنے پر دلالت کرتا ہے، مطلق طور پر نہیں، جیسا کہ وہ ظاہر ہے۔

اے مسلم! تم پر لازم ہے کہ سنت کی پابندی کرو اور بدعت سے اجتناب کرو، خواہ لوگ اسے اچھا سمجھیں، کیونکہ ''ہر بدعت گمراہی ہے'' جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "أحكام الجنائز" (٢٤١-٢٤٥) میں اس مسئلے کو بڑی ہی تفصیل سے بیان کیا

---

❶ اور انھوں نے کہا: حدیث میں ہے: جس نے ہزار مرتبہ سورة الاخلاص پڑھ لی، اس نے اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچالیا۔'' یہ روایت موضوع ہے۔ (منہ)

ہے، انھوں نے کہا:

جہاں تک قبروں کی زیارت کے وقت قرآن خوانی کا تعلق ہے تو یہ ایسی چیز ہے جس کی سنت میں کوئی اصل نہیں، بلکہ مسئلہ سابقہ میں مذکورہ احادیث اس (قرآن خوانی) کی عدم مشروعیت کا پتہ دیتی ہیں، کیونکہ اگر وہ مشروع ہوتا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے کیا ہوتا اور اسے اپنے اصحاب کو سکھایا ہوتا، خاص طور پر جبکہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو کہ آپ ﷺ کی تمام لوگوں سے زیادہ چہیتی تھیں، آپ سے مسئلہ دریافت کیا جب آپ قبروں کی زیارت کرتے ہیں تو کیا پڑھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے انہیں سلام اور دعا کی تعلیم دی اور آپ نے انھیں سورۂ فاتحہ یا قرآن کی کوئی اور سورت پڑھنے کی تعلیم نہیں دی، اگر وہاں قراءت مشروع ہوتی تو آپ ﷺ اسے ان سے نہ چھپاتے، کیونکہ وقت ضرورت سے بیان کو مؤخر کرنا جائز نہیں، جیسا کہ علم الاصول میں طے شدہ ہے، تو پھر چھپانا کس طرح ہوا؟ اگر آپ ﷺ نے اس بارے میں انہیں کوئی چیز سکھائی ہوتی تو وہ ہماری طرف منقول ہوتی، جب وہ سند ثابت سے منقول نہیں، تو یہ اس پر دلالت ہے کہ وہ واقع ہی نہیں ہوا۔

عدم مشروعیت کو آپ ﷺ کے درج ذیل فرمان سے مزید تقویت ملتی ہے:

''اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، کیونکہ جس گھر میں سورۃ البقرۃ پڑھی جاتی ہے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔''

صحیح مسلم (۲/۱۸۸)، ترمذی (۲/۴۲) اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، نسائی (فضائل القرآن:۷٦)، بیہقی "شعب الإیمان" (۲/ ۲۳۸۱)، احمد (۳/ ۲۸٤، ۳۳۷، ۳۷۸، ۳۸۸). اسے ابو ہریرہ نے روایت کیا ہے۔

نبی ﷺ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ قبرستان شرعاً قرآن خوانی کی جگہ نہیں، آپ نے اس لیے گھروں میں قرآن پڑھنے کی ترغیب دلائی اور انہیں قبرستان کے مانند بنانے سے منع فرمایا جہاں قرآن نہیں پڑھا جاتا، جیسا کہ آپ نے دوسری حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ (قبرستان) نماز کی بھی جگہ نہیں۔

آپ کا فرمان ہے:

((صَلُّوا فِيْ بُيُوْتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا.))

''اپنے گھروں میں (نفل) نماز پڑھو اور انھیں قبرستان نہ بناؤ۔''

مسلم نے اسے ابن عمر سے روایت کیا (۲/۱۸۷)، صحیح بخاری میں اسی کی مانند ہے، اور انھوں نے اس کے لیے یہ عنوان قائم کیا ہے: "باب کراهية الصلوة فی المقابر" اور انھوں نے اس سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ابن عمر کی روایت قبرستان میں نماز پڑھنے کی کراہت بتاتی ہے، اسی طرح ابو ہریرہ کی روایت قبرستان میں

قرآن پڑھنے کی کراہت بتاتی ہے، اور (ان دونوں میں) کوئی فرق نہیں۔ ❶

اسی لیے جمہور سلف جیسے ابوحنیفہ اور مالک ودیگر ائمہ کا مذہب ومسلک یہی تھا کہ وہ قبروں کے پاس قرآن خوانی کو مکروہ جانتے تھے اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ ابوداود نے اپنے ''مسائل'' (ص ۱۵۸) ❷ میں بیان کیا:

''میں نے احمد سے سنا، ان سے قبر کے پاس قراءت کے متعلق پوچھا گیا؟ تو انھوں نے فرمایا: نہیں۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے "اقتضاء الصراط المستقیم مخالفة أصحاب الجحیم" (ص ۱۸۲) میں بیان فرمایا:

''اس مسئلے میں شافعی کے حوالے سے کوئی کلام محفوظ نہیں، یہ اس لیے کہ یہ ان کے ہاں بدعت تھی اور مالک نے فرمایا: میں کسی کو نہیں جانتا کہ وہ یہ کرتا ہو۔ معلوم ہوا کہ صحابہ اور تابعین یہ عمل نہیں کرتے تھے۔''

اور انھوں نے "الإختیارات العلمیة" (ص ۵۳) میں بیان کیا:

''میت پر اس کی وفات کے بعد قراءت بدعت ہے، جبکہ قریب المرگ پر قراءت اس سے مختلف ہے کیونکہ (اس پر) سورۂ یسٓ پڑھنا مستحب ہے۔''

میں نے کہا: لیکن سورۂ یسٓ کی قراءت کے متعلق حدیث ضعیف ہے، جیسا کہ (ص ۱۱ پر) بیان ہوا، اور استحباب ایک شرعی حکم ہے، وہ ضعیف روایت سے ثابت نہیں ہوتا، جیسا کہ وہ ابن تیمیہ کے اپنے ہی کلام سے ان کی بعض تصنیفات سے معلوم ہے۔

اور رہا وہ جو ابن القیم کی کتاب "کتاب الروح" (ص ۱۳) میں بیان ہوا ہے:

''خلال نے بیان کیا: حسن بن احمد الوراق نے مجھے خبر دی: علی بن موسیٰ الحداد نے ہمیں بیان کیا اور وہ صدوق تھے۔ انھوں نے کہا: میں ایک جنازے میں احمد بن حنبل اور محمد بن قدامہ جوہری کے ساتھ تھا، جب میت کو دفن کر دیا گیا تو ایک نابینا شخص اس قبر کے پاس بیٹھ کر پڑھنے لگا تو احمد نے اسے فرمایا: اے فلاں! قبر کے پاس قراءت بدعت ہے! جب ہم قبرستان سے باہر آئے، محمد بن قدامہ نے احمد بن حنبل سے کہا: ابوعبداللہ! آپ مبشر حلبی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ انھوں نے کہا: وہ ثقہ ہے، انھوں نے کہا: آپ نے اس سے کچھ لکھا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں، انھوں نے کہا: مبشر نے عبدالرحمن،

---

❶ علماء کے ایک گروہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو بخاری کے استدلال کے مطابق ہے۔ حافظ نے اپنی شرح (فتح الباری) میں اس کی تائید کی ہے۔ میں نے آنے والے مسئلے میں ان کا کلام ذکر کیا ہے۔ (رقم: ۱۲۸، فقرہ: ۸) (منہ) احکام الجنائز (ص: ۲۷۰) ط: المعارف

❷ ہمارے شیخ نے اسی طرح "الضعیفة" (۹/ ۱۵۵) میں اسے نقل کیا، پھر فرمایا: وہی جمہور سلف، جیسے ابوحنیفہ اور مالک کا مذہب ہے اور یہ کہا: ''میں کسی کو نہیں جانتا کہ وہ یہ عمل کرتا ہو۔''

بن العلاء بن لجلاج کے حوالے سے انھوں نے اپنے والد کے حوالے سے مجھے بتایا کہ انھوں نے وصیت کی کہ جب انھیں دفن کردیا جائے تو ان کے سرہانے سورۃ البقرۃ کا ابتدائی اور آخری حصہ پڑھا جائے اور انھوں نے کہا: میں نے ابن عمر کو یہ وصیت کرتے ہوئے سنا ہے، احمد نے اسے فرمایا: واپس جا اور اس آدمی سے کہہ کہ وہ پڑھے۔''

اس کا کئی وجوہ سے جواب ہے:

۱: احمد کے حوالے سے اس قصے کا ثبوت محل نظر ہے، کیونکہ شیخ خلال حسن بن احمد الوراق جو ہیں میرے پاس اسماء الرجال کی اب جتنی کتب موجود ہیں میں نے ان میں ان کے سوانح حیات نہیں پائے، اس طرح ان کے شیخ علی بن موسیٰ الحداد ہیں، میں انہیں نہیں جانتا اور اگر یہ کہا جائے کہ اس سند میں ہے کہ وہ صدوق تھا، تو ظاہر ہے کہ یہ کہنے والا یہی الوراق ہے، اس کا حال تم جان چکے ہو۔

۲: اگر یہ ان سے ثابت بھی ہوجائے تو یہ اُس سے زیادہ خاص ہے جسے ابوداؤد نے ان سے روایت کیا ہے، اور ان سے دو روایتوں کے درمیان جمع و تطبیق کی جائے گی، تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ ان کا مذہب ہے کہ قبر کے پاس قراءت مکروہ ہے مگر اسے دفن کرنے کے وقت مکروہ نہیں۔

۳: اس اثر کی سند ابن عمر سے صحیح نہیں، اگر اس کا احمد سے ثبوت فرض کرلیا جائے اور یہ کہ عبدالرحمٰن بن العلاء بن لجلاج کا شمار مجہولین میں ہوتا ہے، جیسا کہ "المیزان" میں اس کے ترجمے میں ذہبی کے قول سے معلوم ہوتا ہے: ''اس سے صرف اس مبشر نے روایت کیا ہے۔'' اور ان کے طریق سے ابن عساکر (۱۳/۳۹۹/۲) نے اسے روایت کیا ہے، رہی ابن حبان کی اس کے متعلق توثیق تو اس کی کوئی اہمیت نہیں، جبکہ توثیق میں ان کا تساہل برتنا مشہور ہے، اسی لیے حافظ "التقریب" میں اس کی طرف مائل نہیں ہوئے جس وقت انھوں نے مترجم میں کہا: ''مقبول'' یعنی: متابعت کے وقت، ورنہ وہ لین الحدیث ہے، جیسا کہ انھوں نے مقدمہ میں اس کی صراحت کی ہے، ہم نے جو ذکر کیا اس کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ ترمذی ...... حسن قرار دینے میں اپنے تساہل کے باوجود ...... نے جب ان کی ایک دوسری روایت (۲/۱۲۸) نقل کی، ان کے ہاں اس سے صرف یہی ایک روایت ہے اس پر سکوت فرمایا اور اسے حسن قرار نہیں دیا۔

۴: اگر ابن عمر نے اس کی سند ثابت بھی ہوجائے تو وہ موقوف ہے، وہ نبی ﷺ تک مرفوع نہیں، پس اس میں اصلاً کوئی حجت نہیں اسی طرح کا ایک اثر جسے ابن القیم ہی نے (ص ۱۴) ذکر کیا ہے:

''خلال نے شعبی سے ذکر کیا، انھوں نے کہا: انصار کا معمول تھا کہ جب ان میں سے کوئی فوت ہوجاتا تو وہ اس کی قبر پر آتے جاتے رہتے اور قرآن پڑھتے تھے۔''

ہم شعبی سے خاص طور پر ان الفاظ کے ساتھ ثبوت میں شک میں ہیں، میں نے سیوطی کو دیکھا کہ انھوں نے اسے "شرح الصدور" (ص۱۵) میں ان الفاظ سے نقل کیا ہے۔ ''انصار میت کے پاس سورۃ البقرة پڑھا کرتے تھے۔'' اور انھوں نے کہا:

''ابن ابی شیبہ اور مروزی نے اسے روایت کیا۔'' انھوں نے اسے اس باب: "ما يقول الانسان في مرض الموت، وما يقرأ عنده" (انسان مرض الموت میں کیا کہے گا اور اس کے پاس کیا پڑھا جائے گا؟) میں نقل کیا ہے۔

پھر میں نے اسے "مصنف ابن ابی شیبة" (٤/ ٧٤) میں دیکھا اور انھوں نے اس کے لیے ان الفاظ سے عنوان قائم کیا: "باب ما يقال عند المريض إذا حضر"

واضح ہوا کہ اس کی سند میں مجالد ہے، اور وہ ابن سعید ہے، حافظ نے "التقریب" میں بیان کیا:

''وہ قوی نہیں، وہ آخری عمر میں تغیر کا شکار ہو گیا تھا۔''

اس سے ظاہر ہوا کہ وہ اثر قبر پر قراءت کے بارے میں نہیں، بلکہ وہ قریب المرگ کے پاس ہے، پھر مزید یہ کہ وہ ضعیف الاسناد ہے۔

رہی وہ حدیث: ''جو شخص قبرستان کے پاس سے گزرے اور گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے، پھر اس کا اجر مردوں کو ہبہ کر دے تو اسے مردوں کی تعداد کے برابر اجر دیا جائے گا۔''

وہ حدیث باطل موضوع ہے، ابو محمد خلال نے اسے "القراءة على القبور" (ق۲۰۱) میں اور دیلمی نے "نسخة عبد الله بن احمد بن عامر عن ابيه عن علي الرضا عن آبائه" سے روایت کیا اور وہ نسخہ موضوع اور باطل ہے وہ اس عبداللہ کا یا اس کے باپ کا وضع کردہ ہے، جیسا کہ ذہبی نے "المیزان" میں بیان کیا اور حافظ ابن حجر نے "اللسان" میں ان کی متابعت کی، پھر سیوطی نے "ذيل الاحاديث الموضوعة" میں، اور اس کی یہ حدیث ذکر کی، ابن عراق نے "تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأحاديث الشنيعة والموضوعة" میں اس کی متابعت کی۔

پھر سیوطی کے ذہن سے نکل گیا اور انھوں نے اس حدیث کو "شرح الصدور" (ص ۱۳۰) میں ابو محمد سمرقندی کی "قل هو الله احد" کے فضائل میں روایت سے نقل کیا اور اس پر سکوت کیا! ہاں اس سے پہلے وہ اس کے ضعف کی طرف اشارہ کر چکے ہیں، لیکن یہ کافی نہیں، جیسا کہ اس سے سکوت جائز نہیں، جیسا کہ شیخ اسماعیل عجلونی نے "كشف الخفاء" (۲/ ۳۸۲) میں کیا کہ انھوں نے اسے رافعی کی طرف اس کی تاریخ میں منسوب کیا اور اس پر خاموشی اختیار کی، حالانکہ انھوں نے اپنی کتاب مذکور اس عنوان کے تحت مقرر کی "الكشف عما

اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس" "ان احادیث سے پردہ ہٹانا جو لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہیں۔"

پھر اہل اختصاص کا اس حدیث سے سکوت اختیار کرنا ایسے شخص کو وہم میں ڈال سکتا ہے جسے اس کے متعلق علم نہیں کہ وہ حدیث اس زمرے میں سے ہے جو قابل استدلال ہے، یا اس قابل ہے کہ اس پر فضائل اعمال میں عمل کیا جائے، جیسا کہ وہ کہتے ہیں، اس حدیث کے لیے بھی اسی طرح ہوا ہے، میں نے بعض حنفیہ کو قبروں کے پاس قراءت کرنے کے بارے میں اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے دیکھا ہے، یہ شیخ طحطاوی ہیں انھوں نے "مراقی الفلاح" (ص ۱۱۷) پر اپنے حاشیے میں فرمایا!

انھوں نے اسے دارقطنی کی طرف منسوب کیا، میں اسے وہم خیال کرتا ہوں، کیونکہ میں نے ان کے علاوہ کسی اور کو ان کی طرف منسوب کرتے ہوئے نہیں پایا، پھر اس علم سے وابستگان کے پاس معروف ہے کہ دارقطنی کی طرف مطلق انتساب سے ان کی کتاب "السنن" مراد ہوتی ہے اور میں نے اس حدیث کو اس میں نہیں دیکھا، واللہ اعلم۔

نووی رحمہ اللہ نے "ریاض الصالحین" میں اثر رقم (۹۵۴) ❶ کے تحت بیان کیا، شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

اس کے پاس ❷ قرآن کا کچھ حصہ پڑھنا مستحب ہے اور اگر وہ پورا ختم کریں تو وہ اچھا ہے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "ریاض الصالحین" کے حاشیے (ص ۳۴۷) میں بیان فرمایا:

اس قول کا امام شافعی کے حوالے سے ثبوت محل نظر ہے، بلکہ ان سے جو ثابت ہے وہ اس کے منافی ہے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "ریاض الصالحین" (ص ۱۷) کے مقدمے میں فرمایا:

میں نے کہا: میں نہیں جانتا کہ شافعی رحمہ اللہ نے یہ کہاں بیان کیا ہے اور ان کے حوالے سے اس کا ثبوت میرے نزدیک بہت بڑا شک ہے، کس طرح نہ ہو جبکہ ان کا مذہب ہے کہ قراءت کا ثواب مردے کو نہیں پہنچتا، جیسا کہ ابن کثیر نے اسے ان سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى﴾ (النجم: ۳۹) کی تفسیر میں نقل کیا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس کے امام شافعی سے عدم ثبوت کی طرف "الاقتضاء" میں اپنے ان الفاظ سے اشارہ کیا ہے: "امام شافعی سے اس مسئلے میں کوئی کلام محفوظ نہیں، یہ اس لیے کہ وہ ان کے ہاں بدعت ہے، اور مالک نے فرمایا: ہم نے کسی کو نہیں جانا کہ اس نے اس پر عمل کیا ہو، معلوم ہوا کہ صحابہ اور تابعین یہ (عمل) نہیں کیا کرتے تھے۔"

---

❶ وہ اثر یہ ہے: عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: "جب تم مجھے دفن کرو تو تم میری قبر کے گرد اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کر کے اس کے گوشت کو تقسیم کیا جاتا ہے....."

❷ یعنی میت کو دفن کرنے کے بعد

میں نے کہا: احمد کا بھی یہی مذہب ہے کہ قبر پر قراءت نہیں، جیسا کہ میں نے اسے اپنی کتاب "أحکام الجنائز" (ص ۱۹۲۔۱۹۳) ❶ میں ثابت کیا ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی رائے بھی یہاں پر مکمل ہوتی ہے، جیسا کہ میں نے اسے "أحکام الجنائز" (ص ۱۷۳۔۱۷۶) میں ثابت کیا ہے۔

۱۲۷: میت کی خاطر "الصبحة" اور وہ (الصبحة) ان کا اپنی میت کی قبر کی طرف صبح سویرے آنا ہے جسے انہوں نے کل دفن کیا تھا اور ان کے ساتھ ان کے اقارب اور جان پہچان والے بھی آئیں گے:

"المدخل" (۲/ ۱۱۳۔۱۱٤، ۲۷۸۳)، "إصلاح المساجد" (۲۷۰۔۲۷۱)، "أحکام الجنائز" (۳۲۲/ ۱۲۷)، "تلخیص الجنائز" (۱۰٤/ ۱۲۷).

۱۲۸: "صبحة" وغیرہ کے لیے آنے والوں کے لیے زمین پر دریاں، چٹائیاں وغیرہ بچھانا:

"المدخل" (۳/ ۲۷۸)، "أحکام الجنائز" (۳۲۳/ ۱۲۸)، "تلخیص الجنائز" (۱۰٤/ ۱۲۸).

۱۲۹: قبر پر خیمہ نصب کرنا:

"المدخل" (۳/ ۲۷۸)، "تحذیر الساجد" (ص۹۹)، "أحکام الجنائز" (۳۲۳/ ۱۲۹)، "تلخیص الجنائز" (۱۰٤/ ۱۲۹).

۱۳۰: قبر کے پاس چالیس یا اس سے کم وبیش راتیں بسر کرنا:

"جلاء القلوب" (۸۳)، "أحکام الجنائز" (۳۲۳/ ۱۳۰)، "تلخیص الجنائز" (۱۰٤/ ۱۳۰).

۱۳۱: یادگار کے نام پر چالیسویں رات یا ہر سال گزرنے پر ماتم کرنا:

"الإبداع" (۱۲۵)، "أحکام الجنائز" (۳۲۳/ ۱۳۱)، "تلخیص الجنائز" (۱۰٤/ ۱۳۱).

۱۳۲: موت سے پہلے موت کی تیاری کے لیے قبر تیار کرنا: (دیکھیں مسئلہ: ۱۰۷) ❷

"أحکام الجنائز" (۳۲۳/ ۱۳۲)، "تلخیص الجنائز" (۱۰٤/ ۱۳۲).

---

❶ ط: المکتب الاسلامی.

❷ اصل میں نمبر (۱۱۰) ہے صحیح وہ ہے جو ہم نے ثابت کیا ہے۔ طبع معارف کتاب الجنائز میں مسئلہ ص: ۲۰۴ پر ہے۔

ہشتم:......قبروں کی زیارت کی بدعات

قبروں کی بدعتی زیارت:

آلوسی رحمہ اللہ نے "الآيات البينات" (ص ۷۷) میں بیان کیا:

"......بے شک قبروں کی زیارت ہمارے ائمہ حنفیہ کے نزدیک بھی امر مشروع ہے۔"

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الآيات البينات" (ص ۷۷) پر اپنی تعلیق میں فرمایا:

"اور اسی طرح باقی ائمہ ہیں، ان میں سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ان کے شاگرد ابن قیم الجوزیہ اور امام دعوۃ التوحید محمد بن عبدالوہاب وغیرھم، پس جس نے ان کے انکار کو زیارت قبور کی طرف منسوب کیا ہے اس نے زیادتی اور ظلم کیا، انھوں نے اس زیارت کا انکار کیا ہے جس کے ساتھ شریعت کے بعض مخالف امور بھی ہوں، جیسے قبروں سے مدد طلب کرنا، ان کے لیے نذر ماننا، ان کی قسم اٹھانا اور اس طرح کے امور، جیسے قبروں سے مدد طلب کرنا، ان کے لیے نذر ماننا، ان کی قسم اٹھانا اور اس طرح کے امور، جیسے ان کے لیے رخت سفر باندھنا، اور وہ اس زیارت کو بدعتی زیارت کا نام دیتے ہیں، اور آپ زیارت شرعیہ پر تفصیل اور اس کے متعلق وارد احادیث "أحكام الجنائز وبدعها" [1] میں پائیں گے۔"

۱۳۳: موت کے بعد تیسرے دن قبروں کی زیارت کرنا اور وہ اسے "الفرق" کا نام دیتے ہیں، ہفتے کے پہلے دن (قبروں) کی زیارت کرنا، پھر پندرھویں دن، پھر چالیسویں دن اور وہ اسے "الطلعات" کا نام دیتے ہیں، ان میں سے کوئی آخری دو پر ہی اکتفا کرتے ہیں:

"نور البيان في الكشف عن بدع آخر الزمان" (ص۵۳۔۵۴)، "أحكام الجنائز" (۳۲۴/ ۱۳۳)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۵/ ۱۳۳).

۱۳۴: ہر جمعہ والدین کی قبر کی زیارت کرنا:

(اس میں وارد حدیث موضوع ہے، جیسا کہ مسئلہ ۱۱۸ ص ۲۳۷ سے پہلے بیان ہوا۔ [2] "أحكام الجنائز" (۳۲۴/ ۱۳۴)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۵/ ۱۳۴).

۱۳۵: ان کا یہ کہنا: جب جمعہ کی رات میت کی زیارت کے لیے نہ نکلا جائے تو وہ (میت) مردوں کے درمیان شکستہ دل رہتی ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ جب وہ شہر کی فصیل سے نکلتے ہیں تو وہ (میت) انھیں دیکھتی ہے:

---

[1] ط: المعارف (ص: ۲۲۷۔ ۲۲۸)

[2] الجنائز، ط: المعارف

"المدخل" (۳/ ۲۷۷)، "أحكام الجنائز" (۳۲٤/ ۱۳٥)، "تلخيص الجنائز" (۱۰٥/ ۱۳٥).

۱۳٦: عورتوں کا ہفتے کے دن کے اندھیرے سے چاشت تک جامع اموی کے مقام یحیویؑ کی زیارت کے لیے قصد کرنا، ان کا زعم کہ بدستور چالیس ہفتے ایسا کرنے سے من کی مراد پوری ہوجاتی ہے:

"إصلاح المساجد" (۲۳۰)، "أحكام الجنائز" (۳۲٤/ ۱۳٦)، "تلخيص الجنائز" (۱۰٥/ ۱۳٦).

۱۳۷: مراد پوری ہونے کے زعم سے ابن عربی صوفی دھوکے باز کی قبر کی چالیس جمعے زیارت کا قصد:

"أحكام الجنائز" (۳۲٤/ ۱۳۷)، "تلخيص الجنائز" (۱۰٥/ ۱۳۷).

۱۳۸: عاشوراء کے دن قبروں کی زیارت:

"المدخل" (۱/ ۲۹۰)، "أحكام الجنائز" (۳۲٤/ ۱۳۸)، "تلخيص الجنائز" (۱۰٥/ ۱۳۸).

۱۳۹: نصف شعبان کی شب ان کی زیارت کرنا اور وہاں آگ جلانا:

"تلبيس إبليس" (٤۲۹)، "المدخل" (۱/ ۳۱۰)، "أحكام الجنائز" (۳۲٤/ ۱۳۹)، "تلخيص الجنائز" (۱۰٥/ ۱۳۹).

۱٤۰: ان کا دونوں عیدوں کے دن، رجب، شعبان اور رمضان میں قبرستان جانا:

"السنن" (۱۰٤)، "أحكام الجنائز" (۳۲٥/ ۱٤۰)، "تلخيص الجنائز" (۱۰٥/ ۱٤۰).

۱٤۱: عید کے دن ان کی زیارت کرنا:

"المدخل" (۱/ ۲۸٦)، "الإبداع" (۱۳٥)، "السنن" (۷۱)، "أحكام الجنائز" (۳۲٥/ ۱٤۱)، "تلخيص الجنائز" (۱۰٥/ ۱٤۱).

۱٤۲: سوموار اور جمعرات کے دن ان کی زیارت کرنا

"أحكام الجنائز" (۳۲٥/ ۱٤۲)، "تلخيص الجنائز" (۱۰٥/ ۱٤۲).

۱٤۳: بعض زائرین کا خشوع کی غایت سے تھوڑی دیر کے لیے دروازے کے پاس کھڑا ہونا، گویا کہ وہ اجازت طلب کرتے ہیں، پھر وہ داخل ہوتے ہیں:

"الإبداع" (۹۹)، "أحكام الجنائز" (۳۲٥/ ۱٤۳)، "تلخيص الجنائز" (۱۰٥/ ۱٤۳).

۱۴۴: قبر کے سامنے نمازی کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا، پھر وہ بیٹھ جاتا ہے:

"الإبداع" (۹۹)، "أحكام الجنائز" (۳۲٥/ ۱٤٤)، "تلخيص الجنائز" (۱۰٥/ ۱٤٤).

۱۴۵: زیارت قبر کے لیے تیمم:

"أحكام الجنائز" (۳۲٥/ ۱٤٥)، "تلخيص الجنائز" (۱۰٥/ ۱٤٥).

۱۴۶: زیارت کے وقت دو رکعتیں پڑھنا، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ، ایک مرتبہ آیت الکرسی اور تین بار سورۃ الاخلاص پڑھنا اور اس کا ثواب میت کو بخشنا: [1]

"أحكام الجنائز" (۳۲٥/ ۱٤٦)، "تلخيص الجنائز" (۱۰٥/ ۱٤٦).

۱۴۷: مردوں کے لیے فاتحہ پڑھنا:

"تفسير المنار" (۸/ ۲٦۸)، "أحكام الجنائز" (۳۲٥/ ۱٤۷)، "تلخيص الجنائز" (۱۰٥/ ۱٤۷).

فلاں کی روح پر سورۃ الفاتحۃ کی قراءت کے مسئلے کی تفصیل:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "أحكام الجنائز" (ص ٤۷) میں فرمایا:

''آج بعض علاقوں میں لوگوں کا یوں کہنا: ''فلاں کی روح پر فاتحۃ'' وہ سنت مذکورہ [2] کے خلاف ہے، وہ بلاشک بدعت ہے، خاص طور پر قول صحیح کے مطابق قراءت کا ثواب مردوں کو نہیں پہنچتا۔''

اور انھوں نے اسی مصدر (ص ۲۴۱) مسئلہ ۱۱۹ میں قبروں کی زیارت کے وقت قراءت قرآن کے مسئلے کے متعلق بات کرتے ہوئے فرمایا:

''......عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے، جبکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام لوگوں سے زیادہ چہیتی تھیں، مسئلہ دریافت کیا جب آپ قبروں کی زیارت کرتے ہیں تو آپ کیا کہتے ہیں؟ آپ نے انھیں سلام اور دعا سکھائی اور آپ نے انھیں یہ تعلیم نہیں دی کہ آپ فاتحہ یا اس کے علاوہ قرآن کا کوئی حصہ پڑھیں......''

---

[1] انھوں نے اسے "شرح الشرعة" (ص ٥۷۰) میں اس طرح ذکر کیا: ''زیارت میں سنت یہ ہے کہ وضو کر کے دو رکعتیں پڑھے اور ہر رکعت میں...... پڑھے......'' سنت میں ایسی کوئی چیز نہیں، بلکہ قبروں کے پاس نماز کا قصد کرنا حرام ہے۔ (منہ)

[2] اور وہ میت کے لیے استغفار اور دعا ہے۔ دیکھیں: "الجنائز" (ص ۱۱٦۔۱۱۷). ط: المعارف.

۱۴۸: قبرستان میں سورۂ یٰس پڑھنا: ❶

"أحكام الجنائز" (٣٢٥/ ١٤٨)، "تلخيص الجنائز" (١٠٥/ ١٤٨).

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الجنائز" (ص۲۰) فقرہ (۱۵) کے تحت بیان کیا:

رہی قریب المرگ کے پاس سورۂ یٰس کی قراءت اور اسے قبلہ رخ کرنا تو اس بارے میں ایک بھی حدیث صحیح نہیں۔

۱۴۹: گیارہ مرتبہ سورۃ الاخلاص پڑھنا:

(اس کی روایت موضوع ہے، جیسا کہ مسئلہ ۱۱۹ص ۲۴۵ کے آخر مین بیان گزرا ہے۔)

"أحكام الجنائز" (٣٢٥/ ١٤٩)، "تلخيص الجنائز" (١٠٦/ ١٥٠).

۱۵۰: اس طرح دعا کرنا:

اے اللہ! میں محمد ﷺ کی حرمت کے صدقے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو اس میت کو عذاب نہ دے۔ ❷

"أحكام الجنائز" (٣٢٦/ ١٥٠)، "تلخيص الجنائز" (١٠٦/ ١٥٠).

۱۵۱: ان پر اس طرح سلام کرنا:

"علیکم السلام"، "علیکم" سے پہلے السلام کہنا: (جبکہ سنت اس کے برعکس ہے، جیسا کہ اس باب میں وارد تمام احادیث میں ہے، میں نے مسئلہ ۱۱۸ ❸ میں بیان کیا ہے۔

---

❶ اور حدیث: ''جو کوئی قبرستان جائے اور وہاں سورۂ یٰس پڑھے، اللہ ان سے عذاب میں تخفیف کر دیتا ہے اور ان کے لیے اس میں عدد کے برابر نیکیاں ہیں۔'' کتب السنہ میں اس کی کوئی اصل نہیں اور جب سیوطی نے "شرح الصدور" (ص۱۳۰) میں نقل کیا، تو انھوں نے اس کی تخریج میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا: ''الخلال کے مصنف عبدالعزیز نے اسے اپنی سند سے انس سے روایت کیا۔''

پھر میں نے اس کی سند پر آگاہی حاصل کی تو پتہ چلا کہ وہ ہلاک ہونے والے کی اسناد ہے، جیسا کہ میں نے اسے "الاحادیث الضعیفة" (١٢٤٦) میں ثابت کیا ہے۔ (منہ)

❷ البرکوی نے اسے "أحوال أطفال المسلمين" (ص ٢٢٩) میں نقل کیا ہے، انھوں نے کہا: اور روایت میں ہے: ''جس نے کسی مومن کی قبر کی زیارت کی اور کہا: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں...... اللہ اس سے صور پھونکنے کے دن تک کے لیے عذاب دور کر دیتا ہے۔'' یہ حدیث باطل ہے اس کی کتب السنۃ میں کوئی اصل نہیں، میں نہیں جانتا کہ البرکوی رحمہ اللہ نے اسے کسی محدث کی طرف منسوب کیے بغیر کس طرح نقل کرنے کی اجازت طلب کی، جبکہ اس میں بدعتی توسل حرام اور مکروہ ہے جو ان کے ہاں حرام ہے، جیسا کہ انھوں نے اسے اپنے مذکورہ رسالے (ص۳۵۲) میں ثابت کیا ہے۔ (منہ)

❸ اس بدعت کے متعلق قائل کا شبہ اور ان میں سے "الشرعة" (ص٧٥٠) کے شارح جابر بن سلیم کی روایت، انھوں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ سے ملا...... تو میں نے عرض کیا: عليك السلام، آپ نے فرمایا: عَلَيْكَ السَّلَامُ تَحِيَّةُ الْمَيِّتِ......! "عليك السلام" کہنا تو میت کے لیے تحیہ (دعا و سلام) ہے۔'' (ابوداؤد: ٢/ ١٧٩)، الترمذی ٢/ ١٢٠، طبع بولاق، حاکم ٤/ ١٨٦) اور انھوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے، ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے اور وہ جیسا کہ ان دونوں نے کہا: خطابی نے کہا: آپ نے یہ جو فرمایا اس سے اس طرف ایک اشارہ ہے جو ان کی طرف سے تحیۃ الاموات میں عادت و معمول ہے۔ یعنی: جاہلیت میں، جب وہ میت کا نام دعا ⇐⇐

"أحكام الجنائز" (٣٢٦/ ١٥١)، "تلخيص الجنائز" (١٠٦/ ١٥١).

۱۵۲: اہل کتاب کے قبرستان پر یہ آیت: ﴿زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَى وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ﴾ (التغابن: ٧) پڑھنا: ❶

"أحكام الجنائز" (٣٢٦/ ١٥٢)، "تلخيص الجنائز" (١٠٦/ ١٥٢).

۱۵۳: چاندنی راتوں میں قبرستان میں منبروں اور کرسیوں پر وعظ کرنا:

"المدخل" (١/ ٢٦٨)، "أحكام الجنائز" (٣٢٦/ ١٥٣)، "تلخيص الجنائز" (١٠٦/ ١٥٣).

۱۵۴: قبروں کے درمیان بلند آواز سے "لا اله الا الله" پڑھنا: ❷

"أحكام الجنائز" (٣٢٧/ ١٥٤)، "تلخيص الجنائز" (١٠٦/ ١٥٤).

۱۵۵: بعض قبور کی زیارت کرنے والے کو حاجی کا نام دینا: ❸

"أحكام الجنائز" (٣٢٧/ ١٥٥)، "تلخيص الجنائز" (١٠٦/ ١٥٥).

۱۵۶: ان کی زیارت کرنے والے کے واسطے سے انبیاء علیہم السلام کو سلام پہنچانا:

"أحكام الجنائز" (٣٢٧/ ١٥٦)، "تلخيص الجنائز" (١٠٦/ ١٥٦).

۱۵۷: جمعہ کے دن خواتین کا صالحیہ (دمشق) میں مزارات کی طرف جانا اور اس میں آدمیوں کا اپنی عمر کے حساب سے ان (خواتین) کے ساتھ شریک ہونا:

"إصلاح المساجد" (٢٣١) "أحكام الجنائز" (٣٢٧/ ١٥٧)، "تلخيص الجنائز"

⇐⇐⇐ سے مقدم کرتے تھے، وہ ان کے اشعار میں مذکور ہے، جیسا کہ شاعر کا قول ہے: عَلَيْكَ سَلَامُ اللّٰهِ قَيْسَ بْنَ عَاصِمٍ- وَرَحْمَتُهُ مَا شَاءَ أَنْ يَتَرَحَّمَا.

سنت احیاء و اموات کے تحیہ میں مختلف نہیں۔'' ابن القیم نے "التهذيب" میں اور علی القاری نے "المرقاة" (٢/ ٤٠٦، ٤٧٩)، میں اس کی تائید کی ہے، ان دونوں کا مطالعہ کریں۔ (منہ)

❶ انھوں نے اسے "شرح الشرعة" (ص٥٦٨) میں مستحب قرار دیا ہے، سنت میں اس کی کوئی اصل نہیں، بلکہ اس میں اس کا خلاف ہے۔ مسئلہ (۱۲۲) کی طرف رجوع کریں۔ (منہ)

❷ میں نے ان میں سے کسی کو ایک سے زائد مرتبہ ہر روز طلوع آفتاب سے پہلے قبر پر زور سے آواز دیتے ہوئے دیکھا ہے، اس نے حرام اور بدعت کو اکٹھا کر دیا ہے! (منہ)۔

❸ شیخ الاسلام نے "الإختيارات" (١٨١) میں بیان کیا: ''جو قبروں کی زیارت کرنے والے کو حاجی کا نام دیتا ہے اسے روکا جائے گا، الّا یہ کہ اسے کفار و گمراہوں کا حاجی، کہا جائے تو درست ہے۔ جس نے اس زیارت کا نام حج رکھا یا اس نے اس کے لیے مناسک قرار دیے، تو وہ گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے، اور کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس بارے میں کوئی ایسا کام کرے جو حج کے خصائص میں سے ہے۔'' (منہ)

(١٠٦/ ١٥٧).

١٥٨: انبیاء کے آثار کی زیارت جو کہ شام میں ہیں جیسے ابراہیم علیہ السلام کا غار اور وہ تین آثار جو ربوہ کے غربی طرف جبل قاسیون پر ہیں:

"تفسير الاخلاص" (١٦٩)، "أحكام الجنائز" (٣٢٧/ ١٥٨)، "تلخيص الجنائز" (١٠٦/ ١٥٨).

انبیاء کی قبروں کا قصد کرنے اور ان کے آثار کے پاس نماز و دعا کے لیے ان کا تتبع کرنے کے مسئلے کی تفصیل

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "تخريج فضائل الشام و دمشق" (٤٩-٥٦)، ط: المعارف، کی اکیسویں حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا اور اس پر منکر ہونے کا حکم لگایا:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت والی روایت کئی وجوہ سے مشہور ہے، اس میں سے اس میں کچھ بھی نہیں جو اس حدیث [1] میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غوطہ (دمشق) میں ہونے کی تمنا کی ہو تا کہ آپ انبیاء سے مدد طلب کرتے اور اپنی قوم کے لیے بددعا کرتے! مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے اس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ وضع کیا گیا ہے، سنت سے آگاہی رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ انبیاء کے آثار کا تتبع اور وہاں دعا کرنا آپ کا طریقہ نہیں تھا، بلکہ یہ تو اس سے ہے جس سے الفاروق عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ و دیگر نے منع فرمایا۔

اس بارے میں ان سے تین قصے وارد ہیں:

١: ابن سوید نے کہا: میں نے مکہ سے مدینہ تک امیر المومنین عمر بن خطاب کے ساتھ سفر کیا، جب صبح ہوئی اور انھوں نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی، پھر انھوں نے لوگوں کو ایک طرف جاتے ہوئے دیکھا تو انھوں نے فرمایا: یہ لوگ کدھر جا رہے ہیں؟ بتایا گیا، امیر المومنین! اس مسجد کی طرف جا رہے ہیں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی، وہ وہاں جا کر نماز پڑھیں گے، انھوں نے فرمایا:

"تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے، وہ اپنے انبیاء کے آثار کا تتبع کرتے اور انھیں اپنا کنیسہ (گرجا) اور بِیَع (یہود کے معابد) بنا لیتے، جس شخص کی ان مساجد میں نماز کا وقت ہو جائے وہ نماز پڑھے اور جسے یہاں نماز کا وقت نہ ہو وہ اپنا سفر جاری رکھے اور وہ ان کا قصد نہ کرے۔"

---

[1] اور وہ آپ کا یوں کہنا: "...... کاش کہ میں غوطہ میں ہوتا، ایک شہر میں جسے دمشق کہا جائے گا، حتیٰ کہ میں اس جگہ آتا، انبیاء علیہم السلام سے مدد طلب کرتا جہاں ابن آدم نے اپنے بھائی کو قتل کیا تھا......

سعید بن منصور نے اسے اپنی ''السنن'' میں اور ابن وضاح القرطبی نے "البدع والنهی عنها" (ص ٤١، ٤٢) میں شیخین (بخاری و مسلم) کی شرط پر صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا۔

۲: نافع سے روایت ہے کہ لوگ اس درخت (بیعت رضوان والے درخت) کے پاس آتے تھے، تو عمر نے اسے کاٹ دیا۔ ابن وضاح (ص۴۲۔۴۳) نے اسے روایت کیا، اس کی اسناد کے راوی ثقہ ہیں، اور ان سے ان کے شیخ عیسیٰ بن یونس نے روایت کیا جو کہ اہل طرطوس کے مفتی ہیں، انھوں نے کہا:

''اس (درخت) کو کاٹ ڈالو، کیونکہ لوگ وہاں جا کر اس کے نیچے نماز پڑھتے تھے، انھیں فتنے کا اندیشہ تھا۔''

۳: آپ رضی اللہ عنہ کے عہد میں جو دانیال کی قبر کو بے نام ونشان بنا دینے کا واقعہ ہوا جسے ابوخلدہ خالد بن دینار نے روایت کیا، انھوں نے جو کہا اس کا اختصار یہ ہے: ابوالعالیہ نے ہمیں بیان کیا، انھوں نے کہا:

''جب ہم نے تستر کو فتح کیا، ہم نے ہرمزان کے بیت المال میں ایک چار پائی دیکھی، اس پر ایک آدمی کی لاش تھی، میں نے کہا: تم نے اس آدمی کے ساتھ کیا کیا؟ انھوں نے کہا: ہم نے دن کے وقت متفرق طور پر تیرہ قبریں کھودیں، جب رات ہوئی تو ہم نے اسے دفن کر دیا اور ساری قبریں برابر کر دیں، تاکہ ہم اسے لوگوں پر مخفی کر دیں۔ وہ اسے کھود کر باہر نہ نکالیں، میں نے کہا: وہ اس سے کیا امید رکھتے تھے؟ انھوں نے کہا: جب ان پر بارش نہیں ہوتی تھی تو وہ اس چار پائی کو باہر لاتے تو ان پر بارش ہو جاتی تھی، میں نے کہا: تمہارے خیال میں وہ آدمی کون تھا؟ انھوں نے بتایا: اسے دانیال کہا جاتا تھا۔''

ابن اسحاق نے اسے اپنی ''مغازی'' میں روایت کیا، اور ان کے علاوہ کسی اور نے دیگر وجوہ پر روایت کیا، اور بعض میں ہے کہ (اسے) عمر کے حکم پر دفن کیا گیا تھا۔

اسی موضوع میں سے ہے جو علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے وارد ہے کہ انھوں نے ایک آدمی کو ایک شگاف کی طرف آتے ہوئے دیکھا جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس تھا، وہ اس میں جا کر دعا کرتا، تو انھوں نے اسے منع کر دیا اور فرمایا:

کیا میں تمھیں ایک حدیث نہ سناؤں جسے میں نے اپنے والد سے سنا، انھوں نے میرے دادا سے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا:

''میری قبر کو عید (بار بار آنے کی جگہ) بنانا نہ اپنے گھروں کو قبرستان، تم جہاں بھی ہو تمہارا سلام مجھ تک پہنچ جاتا ہے۔''

ضیاء المقدسی نے اسے "الأحاديث المختارة" میں روایت کیا ہے، ابویعلی نے اسے اپنی ''مسند'' میں روایت کیا، اس کی اسناد میں اہل بیت سے ایک آدمی نہ معلوم ہے، جبکہ اس کے باقی راوی ثقہ ہیں، وہ اپنے طرق

اور شواہد کی وجہ سے صحیح ہے، میں نے اسے "تحذیر الساجد" (۹۸۔۹۹) میں نقل کیا ہے۔

تو ان آثار میں انبیاء کی قبروں کا قصد کرنے اور ان کے پاس نماز و دعا کے لیے ان کے آثار کا تتبع کرنے کی ممانعت ہے، اور یہ اس راستے کو بند کرنے اور ان کے بارے میں اس غلو کے اندیشے کے پیش نظر ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک تک پہنچاتا ہے، اسی لیے یہ سلف صالح رضی اللہ عنہم کا فعل نہیں تھا، بلکہ شیخ الاسلام نے "اقتضاء الصراط المستقیم مخالفة أصحاب الجحيم" (ص ۱۸۶۔۱۸۷) میں فرمایا: اس کا خلاصہ یہ ہے:

''ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور باقی سارے سابقون اوّلون مہاجرین و انصار حج و عمرے کی غرض سے اور ویسے بھی مدینہ سے مکہ جاتے تھے، ان میں سے کسی ایک سے بھی منقول نہیں کہ انھوں نے ان جگہوں پر نماز پڑھنے کا قصد کیا ہو جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہو، اور معلوم ہے کہ اگر یہ ان کے نزدیک مستحب ہوتا تو وہ سب سے پہلے اس کی طرف سبقت کرتے، کیونکہ وہ آپ کی سنت کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے، اور دوسروں کی نسبت اس کی سب سے زیادہ اتباع کرنے والے تھے، ان جگہوں پر نماز پڑھنے کا قصد انہیں مساجد (سجدہ گاہ) بنانے کا ذریعہ ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کا ذریعہ ہے اور الشارع نے سورج کے طلوع وغروب کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرما کر اور قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرما کر اس کی جڑ کاٹ دی، تو جب ان جگہوں اور ان اوقات میں مشروع نماز سے منع کر دیا گیا، تو یہ اس ذریعے کو بند کرنا تھا، پھر کسی ایسی جگہ نماز پڑھنا اور وہاں دعا کرنا کس طرح مستحب ہوسکتا ہے جہاں ان کے قیام کرنے اور دعا کرنے کے متعلق اتفاق ہے؟ اور اگر یہ جائز ہوتا تو حراء پہاڑ کا قصد کرنا اور وہاں نماز پڑھنا، نیز ثور پہاڑ کا قصد کرنا اور وہاں نماز پڑھنا مستحب ہوتا اور ان جگہوں کا قصد کرنا مستحب ہوتا جن کے بارے میں مشہور ہے کہ انبیاء نے وہاں قیام فرمایا، جیسے وہ دو مقام جو دمشق میں جبل قاسیون کے طریق پر ہیں، وہ مقام جن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ابراہیم اور عیسیٰ کے مقام ہیں، اور وہ مقام جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ قابیل کے خون کی پورش گاہ ہے، اور اس طرح کی دیگر جگہیں جو حجاز و شام میں ہیں۔

پھر اس کا نتیجہ اور انجام وہی ہے جو قبور کے مفاسد کا نتیجہ ہے، یہ کہا جاتا ہے یہ کسی نبی کی جگہ اور مقام ہے یا کسی نبی کی قبر یا کسی ولی کی قبر ہے اور یہ ایسی خبر کے ذریعے مشہور کیا جاتا ہے جس کے قائل کا پتہ نہیں ہوتا یا ایسے خواب کے ذریعے ہوتا ہے جس کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی، پھر اسے اسے سجدہ گاہ بنالیا جاتا ہے، تو وہ ایک وثن (بت) کا درجہ حاصل کرلیتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجا کی جاتی ہے، یہ ایک شرک ہے جو افك (بہتان) پر مبنی ہے، اللہ سبحانہ اپنی کتاب میں شرک و کذب کو ایک ساتھ بیان کرتا ہے جس طرح صدق و اخلاص کو بیان کرتا ہے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں بیان فرمایا: ''اللہ نے جھوٹی گواہی کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کے برابر قرار دیا ہے۔'' آپ نے دو بار فرمایا، پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کا فرمان پڑھا:

﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ﴾

(الحج: ۳۰-۳۱)

''بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو، اللہ کے لیے یک سو ہو کر اس کے ساتھ شرک نہ کرنے والے (بن جاؤ)۔'' ❶

پھر شیخ الاسلام نے "الإقتضاء" (ص۲۰۳۔۲۰۴) میں اور پھر (ص۲۰۸۔۲۰۹) فرمایا:

''کچھ لوگوں نے بیت المقدس اور شام کی دیگر جگہوں کے فضائل میں کتب تصنیف کیں اور انھوں نے ان میں اہل کتاب سے منقول آثار ذکر کیے، اور انھوں نے ان سے جو اخذ کیا وہ مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس پر اپنے دین کی بنیاد رکھیں، کعب الاحبار سب سے بہتر ہیں جن سے وہ اسرائیلیات نقل کی جاتی ہیں، شامیوں نے ان سے بہت سی اسرائیلیات لی ہیں، معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ان محدثین میں سے جو اہل کتاب سے بیان کرتے ہیں کعب ❷ سے بہتر کوئی نہیں، اگرچہ کبھی کبھار ہم ان پر کذب آزمایا کرتے تھے۔''

"الصحیح" ❸ میں نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

''جب اہل کتاب تمھیں بیان کریں تو تم ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب، ہوسکتا ہے کہ وہ تمھیں کوئی باطل چیز بیان کریں اور تم اس کی تصدیق کردو اور ہوسکتا ہے کہ وہ تمھیں حق بیان کریں اور تم اس کی تکذیب کردو۔''

بخاری ❹ کی روایت کہ نبی ﷺ نے اس پہاڑ کے دونوں کناروں کے راستوں کا رخ کیا جو اس کے او

---

❶ میں نے کہا: اس حدیث کی تصحیح محل نظر ہے، کیونکہ اس کی اسناد میں جہالت اور اضطراب ہے اور ترمذی نے اسے غریب قرار دیا ہے، میں یہاں مزید بیان کرتا ہوں: طبرانی نے اسے "الکبیر" (۹/ ۱۱٤، / ۸۵٦۹) میں وائل بن ربیعہ کے طریق سے ابن مسعود کے حوالے سے ان پر موقوف بیان کیا ہے، اس کی اسناد حسن ہے، جیسا کہ ہیثمی نے (۴/۲۰۱) بیان کیا، لہٰذا اصلاً یہ حدیث موقوف ہے، بعض مجہولین نے ان سے مرفوع قرار دینے میں غلطی کی ہے، اس پر پہلے تنبیہ کرنا مجھ سے رہ گیا اور اس طبع کا یہی فائدہ ہے، اللہ کا شکر ہے جس کی نعمت سے نیک کام مکمل ہوتے ہیں۔ (منہ)

❷ شیخ رحمہ اللہ کی مشکاۃ (۱/۲۴۵) اور الآیات البینات (۱۰۱) میں اس کی توثیق دیکھیں۔

❸ میں نے کہا: مطلق طور پر "الصحیح" کہنے سے یہ مراد ہوتا ہے کہ وہ صحیحین (بخاری و مسلم) میں سے کسی ایک میں ہے۔ تو یہ سہو ہے، کیونکہ بخاری نے جو اسے ابو ہریرہ کی روایت سے روایت کیا ہے اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں: "فـإمـا أن يـحـدثـوكـم......" یہ "الـصـحـيـحـة" (٤٢٣) میں منقول ہے، اس اضافے کے ساتھ دوسرے طریق سے ابوداود اور دیگر نے روایت کیا ہے، وہ "الـصـحـيـحـة" (۲۸۰۰) میں منقول ہے۔ (منہ)

❹ مختصر البخاري، رقم: ٢٦٥.

جبل طویل کے درمیان کعبہ کی سمت ہیں، آپ اس مسجد کو جو بنائی گئی ہے اپنی بائیں طرف کر لیتے ٹیلے کے کنارے، جبکہ نبی ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہ اس سے نیچے سیاہ ٹیلے پر تھی، آپ ٹیلے سے تقریباً دس ہاتھ یا اس کے قریب قریب جگہ چھوڑ کر پہاڑ کے دونوں کناروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے جو تمہارے اور کعبہ کے درمیان ہے۔"

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے مختصر صحیح البخاری (۱/۱۲۴) میں اس حدیث بالا کی شرح کرتے ہوئے فرمایا:

"حافظ نے فرمایا: یہ جو مساجد ہیں آج ان کا پتہ نہیں سوائے اس مسجد کے جو ذوالحلیفة میں ہے اور وہ مساجد جو روحاء میں ہیں، وہاں کے رہنے والے انہیں جانتے ہیں۔

میں نے کہا: ان کا اس لیے تتبع کرنا کہ ان میں نماز پڑھی جائے ایسا امر ہے جس سے عمر نے منع فرمایا جبکہ ان کے بیٹے کا عمل اس کے خلاف ہے، جبکہ وہ (عمر) ان سے قطعی طور پر زیادہ عالم ہیں، پس ثابت ہے کہ انھوں نے ایک سفر میں لوگوں کو تیزی کے ساتھ ایک جگہ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تو انھوں نے اس کے متعلق دریافت کیا؟ انھوں نے کہا: اس جگہ نبی ﷺ نے نماز پڑھی ہے، انھوں نے فرمایا: جسے نماز کا وقت آ جائے تو وہ نماز پڑھ لے اور جسے نماز کا وقت نہ آئے تو وہ اپنا سفر جاری رکھے، اہل کتاب صرف اسی لیے ہلاک ہوئے کہ انھوں نے اپنے انبیاء کے آثار تلاش کیے اور انھیں اپنی عبادت گاہیں بنالیا۔

میں نے کہا: "یہ آپ (یعنی عمر) رضی اللہ عنہ کا علم وفقاہت ہے، آپ اس اثر کی تخریج اور انبیاء وصالحین کے آثار کے تتبع کے بارے میں حکم کا بیان استاذ احمد بن عبدالعزیز الحصین کی کتاب "جزيرة فيلكا وخرافة أثر الخضر فيها" کے آخر میں میرے فتوے میں پائیں گے جسے الدار السلفية الكويت نے شائع کیا ہے۔ اس کے ص ۴۲۔۵۷ کا مطالعہ کریں، وہ بہت اہم ہے۔"

ابوعبیدہ نے بیان کیا: ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے درج ذیل عنوان کے تحت لکھا:

خضر کی مزعوم مورتی کے بارے میں فتویٰ "جو جزیرہ فیلکا میں موجود تھی" اور خضر کی زندگی کے بارے میں بدعتیوں اور قبر پرستوں کے دعویٰ پر فتویٰ۔

انھوں نے جو فرمایا: اس کی نص یہ ہے:

"إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك، وأشهد ان محمدا عبده ورسوله."

اما بعد! بعض فاضل اساتذہ نے مجھ سے خواہش کی کہ میں خضر علیہ السلام اور اس اثر کے متعلق اختصار کے ساتھ لکھوں، جو ان کی طرف کویت میں جزیرہ فیلکا میں منسوب ہے اور یہ اس کتاب کی طباعت سے مناسبت کے

حوالے سے ہے جیسے اس بارے میں فاضل بھائی احمد بن عبدالعزیز الحصین نے تالیف کیا اور علماء کے اس فتویٰ کی مناسبت سے ہے جسے انھوں نے اس کے ساتھ شامل کیا، اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے۔ آمین

اس بنا پر میں نے دیکھا کہ میں اس کے متعلق دو مسئلوں پر گفتگو کو مرکوز کروں:

۱: کویت اور دیگر اسلامی ممالک میں اس کے اثر مزعوم سے برکت حاصل کرنا اور اس کی زیارت نیز اس کے پاس نماز و دعا کے ذریعے تعبد اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کے قرب کا قصد کرنا۔

۲: اس شخص کی بات پر غور و فکر جس نے ترجیح دی کہ خضر علیہ السلام نبی نہیں۔

میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ قول و عمل میں مجھے توفیق الہام فرمائے، میں بیان کرتا ہوں:

(۱)...... قاری محترم! جب اقوال علماء میں سے راجح، بلکہ صحیح یہ ہے کہ خضر علیہ السلام پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاء و رسل کی طرح وفات پا چکے ہیں۔

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلاَّ رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ (آل عمران: ۱۴۴)

''محمد ایک رسول ہیں، ان سے پہلے رسول گزر چکے۔''

عموماً یہ ناممکن ہے، یا انتہائی مشکل ہے کہ آپ علیہ السلام کے مقامات میں سے کوئی مقام آج تک معلوم و معروف ہو، جبکہ اس پر ہزاروں سال گزر چکے ہیں، [1] اسی لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ دیگر محققین نے صراحت کی ہے کہ انبیاء میں سے صرف ہمارے نبی محمد علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کی قبر کے علاوہ کسی اور نبی کی قبر تعیین و یقین کے ساتھ معروف نہیں، حالانکہ ان کے پیروکاروں یہود و نصاریٰ کی انتہائی خواہش ہے کہ وہ اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیں جیسا کہ درج ذیل آیت کریمہ نے اس چیز کی طرف قدرے اشارہ کیا ہے:

﴿قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا﴾ (الکہف: ۲۱)

''ان لوگوں نے کہا جو ان کے امر پر غالب آ گئے، ہم ان پر ضرور مسجد (سجدہ گاہ) بنائیں گے۔''

اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق بہت سی متواتر احادیث میں فرمایا اور یہ کہ اس کے باعث ان پر لعنت کی گئی۔ [2] پس جب اس طرح کا معاملہ ان کی قبروں کے بارے میں ہے جو کہ زمین پر ظاہر تھیں، بلکہ وہ اونچی تعمیر کی گئی تھیں، اس کے باوجود ان کا کوئی نشان باقی نہیں رہا جس سے وہ پہچانی جائیں، تو پھر یہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ جگہ نامعلوم ہو گئی ہو جہاں خضر نے قیام کیا اور وہاں نماز پڑھی، جس پر کوئی مادی دلیل نہیں جو سلف سے خلف کو ملی ہو، اگر فرض کریں کہ ان کا مقام معروف رہا تو یہ اس ضمن سے ہے جس کا ماننا اسلام اور اس کے

---

[1] اس پر تقریباً تین ہزار چھ سو سال بیت چکے ہیں۔ (شہباز حسن)

[2] میری کتاب "تحذیر الساجد من اتخاذ القبور مساجد" کا مطالعہ کریں۔ (منہ)

ظہور سے پہلے ہوا اور رہا اس کے بعد۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا اسے زمین پر غلبہ عطا کرنا اور اس کے شرک وتثلیث کے تمام آثار ختم کر دینے کے بعد، جو کہ اس کی قدرت میں ہے، اور اس کے اختیار بادشاہی کے تحت ہے، اگر خضر کا وہ مقام مزعوم اس جزیرہ فیلکا میں یا اس کے علاوہ کسی اور جگہ ہوتا یا اس سے تبرک حاصل کرنا مقصود ہوتا، جیسا کہ وہ آج ہے، تو پہلے مسلمان اس کو ختم کر دیتے اور اس کی بیخ کنی کر دیتے، تاکہ وہ لوگوں کو اس کے فتنے کا شکار اور اس کے پاس بندگی بجالانے سے روکتے، کیا آپ نہیں جانتے کہ وہ درخت جس کے نیچے نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت رضوان لی تھی۔ وہ خود صحابہ پر نا معلوم ہوگیا، پھر ان پر بھی جو ان کے بعد آئے، حتیٰ کہ اس (درخت) کی جگہ نا قابل اعتنا (بھلائی ہوئی) چیز بن گئی، جیسا کہ "صحیح بخاری" میں ہے، اس کے علاوہ ایک اور جگہ [1] پر اسے تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے، اور یہ سب ذریعے کو روکنے اور فتنے کی بیخ کنی کے لیے تھا، خاص طور پر ان لوگوں کی نسبت سے جو ان کے بعد آئیں گے، جنھیں کتاب وسنت کی معرفت حاصل ہے نہ شریعت کے اصول اور اس کے محکم قواعد کی، یہ بات مشہور ہے کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں جنھوں نے اس (درخت) کو کاٹا تھا، اس میں غور وفکر کی ضرورت ہے، میں نے اسے ایک اور جگہ [2] بیان کیا ہے۔

اور یہ بھی، اگر کوئی معاند دعویٰ کرے کہ مقام فیلکا یا اس کے علاوہ کوئی مقام جو اس کے علاوہ اسلامی ممالک میں خضر کے لیے منسوب ہے۔ جیسے مسجد دمشق اور حلب وغیرہ کہ وہ حقیقتاً خضر علیہ السلام کا مقام ہے اور یہ کہ وہ آج تک معروف ہے، یہ اس کے متعلق نہیں جو وہاں نماز کے لیے اس کا قصد کو جائز قرار دیتا ہے اور اس کے پاس اللہ کی عبادت کرنے کو جائز کہتا ہے، بلکہ اس کا کسی چیز کے لیے طلب وخواہش رکھنا ان بدعات وشرکیات میں سے ہے جن میں سے بعض کو مؤلف حفظہ اللہ نے بیان کیا جو اس کے پاس واقع ہوتے ہیں، کیونکہ یہ قصد اوّل مسلمانوں کے طریقے میں سے نہیں، بلکہ وہ ان یہود کے طریقوں میں سے ہے جن پر اللہ کا غضب ہوا اور گمراہ نصاریٰ کے طریقوں میں سے ہے۔ عمر بن خطاب سے ثابت ہے کہ یہ ان کی ہلاکت کے اسباب میں سے تھا، انھوں نے اپنی خلافت راشدہ کے دور میں حج کرتے ہوئے کچھ لوگوں کو ایک جگہ کی طرف تیزی سے جاتے ہوئے دیکھا، وہ وہاں نماز وعبادت کا قصد رکھتے تھے، انھوں نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا: ایک سجدہ گاہ ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے، پس وہ بھی وہاں نماز پڑھنے کا قصد رکھتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اہل کتاب اسی طرح ہلاک ہوئے، انھوں نے اپنے انبیاء کے آثار کو عبادت گاہیں بنالیا، تم میں سے جس کو وہاں نماز کا وقت آجائے تو وہ نماز

---

[1] دیکھیں: میری کتاب "تحذیر الساجد" (ص ۱۳۷۔۱۳۹. (منہ)

[2] دیکھیں: میری کتاب "تحذیر الساجد" (ص ۱۳۷۔۱۳۹. (منہ)

پڑھے، اور تم میں سے جسے وہاں نماز کا وقت نہ آئے تو وہ وہاں نماز نہ پڑھے۔ ❶

یہ عمر رضی اللہ عنہ کی فقاہت اور ان کی حکمت و دانائی ہے، جو کہ بہت سے خاص لوگوں پر بھی مخفی ہے چہ جائیکہ ان کے دوسروں کو معلوم ہو۔

اس کی وضاحت یہ ہے: جب یہ فقہاء کے ہاں معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال اور آپ کی عبادت ظاہرہ میں سنت کی پابندی واجب ہے، اس سنت میں کسی طرح بھی آپ کی مخالفت کا قصد کرنا جائز نہیں، یہ تو کہیں زیادہ حق رکھتا ہے کہ آپ نے اس بارے میں جو نیت کی ہے اس میں آپ کی نیت کی مخالفت کا قصد نہ کیا جائے کیونکہ وہ ان بہت سے دلائل کے مخالف ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کا موجب ہیں۔ ❷

جب مثلاً یہ معلوم ہے کہ آپ نماز چاشت نفل کی نیت سے پڑھا کرتے تھے تو کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس میں آپ کی مخالفت کرے اور وہ اسے فرض کی نیت سے پڑھے اور اسی طرح اس کے برعکس کا معاملہ ہے، ہم جس مسئلے پر بات کر رہے ہیں وہ بھی اسی طرح ہے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جگہ نماز پڑھی اور ہم پر ظاہر نہیں ہوا کہ آپ نے وہاں اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے قصد سے نماز پڑھی تھی یا وہ اتفاقاً واقع ہوا تھا، تب اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص اس جگہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے قصد سے وہاں نماز پڑھتا ہے، تو وہ اس لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت کرتا ہے کہ اس نے ایسا قصد کیا جو آپ نے نہیں کیا، اور اس نے وہ نیت کی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی اور جو اس طرح ہو تو وہ شخص بدعتی ہے اور اس کی بدعت اس پر لوٹا دی جاتی ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''جس نے ہمارے اس امر میں کوئی نیا کام جاری کیا جو اس میں سے نہیں تو وہ مردود ہے۔'' ❸ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا قصد کرنا خواہ وہ آپ کے افعال میں ہو یا آپ کی نیتوں میں وہ فتنے اور ہلاکت کا سب سے بڑا سبب ہے، جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں صراحت سے بیان ہوا:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

(النور: ٦٣)

''ان لوگوں کو جو آپ کے امر کی مخالفت کرتے ہیں اس بات سے ڈر جانا چاہیے کہ وہ کسی فتنے کا شکار نہ ہو جائیں یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچ جائے۔''

عمر کی مذکورہ فقاہت کے لیے یہ بیان یاد رکھو وہ بہت سے اختلافی مسائل میں آپ کی مدد کرے گا، تم اللہ کے

---

❶ دیکھئے گزشتہ مصدر. (منہ)

❷ میرے رسالے: "الحديث حجة بنفسه في العقائد والأحكام" کے مقدمے میں دیکھیں۔

❸ اسے شیخین اور دیگر نے روایت کیا ہے۔ یہ میری کتاب "تخريج الحلال والحرام" رقم: ٥ میں منقول ہے۔ (منہ)

حکم سے ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے، کیونکہ سلف صالحین رضی اللہ عنہم کا اسی پر عمل رہا ہے، اسی لیے ان مقاماتِ زیارت کا ان کے ہاں کوئی ذکر نہیں، بلکہ وہ ان مقامات کا بھی قصد نہیں کرتے تھے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس نماز پڑھی ہے۔ اس مقام کو تو چھوڑیے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کا مقام اور جگہ ہے، وہ مقامات جن کی ان کی طرف نسبت شائد ہی ثابت ہو۔

مثلاً یہ جبل طور ہے، یہ وہ پہاڑ ہے جہاں اللہ کے نبی موسیٰ اپنے رب سے مناجات کے لیے کھڑے ہوئے:

﴿وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ (النساء: ١٦٤)

''اللہ نے موسیٰ سے کلام فرمایا۔''

اس کے باوجود وہاں جا کر نماز پڑھنے اور دعا کرنے کا قصد کرنا جائز نہیں، اسی طرح دوسری عبادات ہیں، اس لیے کہ سلف نے اس کا قصد نہیں کیا، اور خلف نے سلف سے یہی حاصل کیا ہے کہ اس کا میری معلومات کی حد تک آج تک قصد نہیں کیا گیا، بلکہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس بارے میں ممانعت ثابت ہے جس وقت ان میں سے کسی کو اس کے جواز کا خیال آیا، قزعہ بن یحییٰ بصری نے کہا:

''میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے طور پر جانے کے متعلق دریافت کیا؟ تو انھوں نے فرمایا: کوہ طور کو چھوڑ وہاں نہ جا، کیا تمھیں معلوم نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صرف تین مساجد (بیت اللہ، مسجد نبوی، بیت المقدس) ہی کے لیے (ثواب کی نیت سے) رخت سفر باندھا جائے۔'' ❶

یہ حدیث جس سے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے استدلال کیا، مرفوع حدیث ہے، اس کا صحابہ کی ایک جماعت سے مرفوع ہونا ثابت ہے، ❷ ان میں سے ابو بصرہ غفاری ہیں اور ان سے بعض صحیح طرق سے ثابت ہے کہ انھوں نے بھی کوہ طور پر جانے کا انکار کیا ہے۔ ❸

جب اس مقام حق کی یہ حالت ہے اور وہ ''مقامات رسول'' جہاں آپ نے نماز پڑھی جیسا کہ بیان ہوا، وہاں صرف نماز اور اس طرح کی کوئی عبادت ہی کی جاتی ہے، تو پھر جزیرہ ''فیلکا'' اور دیگر گمراہ کن مقاماتِ زیارت کے بارے میں کیا کہا جائے گا جبکہ وہ فساد شرکیات اور وثنیات کا گڑھ ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان سے ممانعت زیادہ اہم ہے، اس کی بیخ کنی کرنا زیادہ ضروری ہے، لیکن اس دور میں حکمرانوں پر واجب ہے کہ وہ اس ذمہ داری کو نبھائیں اور وہ حکام خواہ کوئی بھی ہوں جو اللہ کی نازل کردہ شریعت

---

❶ دیکھیے: تحذیر الساجد (ص ٣٣٨۔ ٣٣٩) اور احکام الجنائز (ص: ٢٢٦) (منہ)

❷ میں نے کی احادیث کو احکام الجنائز (٢٢٤۔ ٢٢٦)، ارواء الغلیل (٩٥٢) اور الروض النضیر (١٣٧) میں نقل کیا ہے۔ (منہ)

❸ اس کی تخریج ''تحذیر الساجد'' (ص: ١٣٩۔ ١٤٠) وغیرہ میں کی گئی ہے۔ (منہ)

کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں وہ سرپرستی کریں خواہ وہ کہیں بھی ہوں، وہ ان بدعات وشرکیات کے استمرار اور ان کے مسلمانوں کے درمیان بقا کے متعلق علماء سے زیادہ جواب دہ ہیں، جب انہیں ان سے استحکام نہ ملے تو ان کی آواز اور کوشش ہواؤں کی طرح اڑ جاتی ہے جیسا کہ آج کل مشاہدہ ہے اور قدیم دور میں کہا گیا: ''اللہ بادشاہ کے ذریعے جو منع کرتا ہے وہ قرآن کے ذریعے منع نہیں کرتا۔'' اور اس بارے میں ان کے لیے اسوہ...... اگر انھوں نے اپنایا.......... اللہ کے رسول ﷺ ہیں، جنھوں نے مسجد ضرار کو گرایا اور اسے اس کے اہل سمیت جلایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (التوبة: ١٠٧)

''وہ لوگ ہیں جنھوں نے مومنوں کے درمیان تفریق اور کفر کے لیے مسجد ضرار بنائی۔''

کے مقام پر قرآن کریم کی تفاسیر میں بیان ہوا ہے، اس سے علماء نے ایسی مساجد میں نماز پڑھنے سے منع کیا جو فخر کے طور پر یا پھر اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے حصول کے علاوہ کسی اور غرض کے لیے بنائی گئی ہوں، یہ مقامات تو گرائے اور جلائے جانے کے زیادہ حق دار ہیں، کیونکہ ان کا قصد تو صرف شیطان کی خاطر ہی کیا جاتا ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس (شیطان) سے اور اس کے دوستوں سے ہمیں بچائے۔

(۲)...... فاضل مؤلف نے اپنی کتاب کے شروع میں خضر علیہ السلام کی نبوت کے بارے میں علماء کے اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے، انھوں نے کہا:

''ان کے اقوال میں سے راجح یہ ہے کہ وہ نبی نہیں۔''

جب محقق علماء کے نزدیک یہ قول مرجوح ہے، تو میں نے سمجھا کہ میں تنبیہ و تذکیر کے لیے ان کے اقوال و دلائل میں سے کچھ ذکر کروں، میں کہتا ہوں:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنے رسالے "الزهر النضر" کے شروع میں فرمایا:

باب ما ورد فی کونه نبیا...... ان کے نبی ہونے کے بارے میں جو وارد ہے اس کا بیان۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے بارے میں ان کی خبر کے متعلق ان سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِيْ﴾ (الكهف: ٨٢) ''میں نے اسے اپنے امر سے نہیں کیا۔'' یہ بالکل ظاہر ہے کہ انھوں نے اسے اللہ کی طرف سے امر کے ساتھ کیا، اصل میں عدم واسطہ ہے، احتمال ہے کہ یہ کسی اور نبی کے واسطے سے ہو، انھوں نے اس کا ذکر نہیں کیا، اور وہ محال ہے، یہ کہنے میں اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ الہام ہے، کیونکہ یہ غیر نبی کو وحی کے طور پر نہیں ہوتا کہ وہ اس پر عمل کرے جو انہوں نے عمل کیا، جیسے قتل نفس، لوگوں کو غرقابی کے سپرد کرنا اگر ہم کہیں کہ وہ نبی ہیں، تو اس بارے میں کوئی انکار نہیں۔

اور یہ بھی کہ غیر نبی کسی نبی سے زیادہ عالم کس طرح ہوسکتا ہے، جبکہ نبی ﷺ نے صحیح حدیث [1] میں بیان فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے فرمایا: اں ہمارا بندہ خضر؟!''

اور اس لیے بھی کہ نبی کسی غیر نبی کے کس طرح تابع ہوسکتا ہے؟ ثعلبی نے بیان کیا: وہ تمام اقوال کے مطابق نبی ہیں۔

بعض اکابر علماء کہا کرتے تھے: زندیقوں سے پہلا عقدہ خضر کے نبی ہونے کے اعتقاد کے متعلق کھلا، کیونکہ زندیق ان کے غیر نبی ہونے کے بارے میں بہت کہتے ہیں یہاں تک کہ ولی نبی سے افضل ہے، جیسا کہ ان کے کسی قائل نے کہا: [2]

مقام النبوة في برزخ
فويق الرسول ودون النبي

''برزخ میں مقام نبوت، رسول سے برتر اور نبی سے کم ہے۔''

میں نے کہا: ایک اور آیت ہے جو خضر علیہ السلام کی نبوت پر دلالت کرتی ہے اور ان کے بارے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا﴾ (الکھف: ٦٥) ''ہم نے انھیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی۔''

علامہ آلوسی نے اس کی تفسیر میں تین اقوال ذکر کیے ہیں، انھوں نے ان تینوں کی تضعیف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پھر انھوں نے کہا:

> ''جمہور کا موقف ہے کہ وہ (رحمت) وحی و نبوت ہے، قرآن مجید کے کئی مقامات پر اس کا اس پر اطلاق ہوا ہے، ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے اسے نقل کیا ہے..... اور تائید اس کی ہوتی ہے جس پر جمہور ہیں، آیات اور بہت سی روایات سے اس کے شواہد ہیں اور ان کے مجموعے سے یقین حاصل ہونے کا امکان ہے۔'' [3]

میں نے کہا: آپ رحمہ اللہ نے سچ فرمایا، کیونکہ ان کے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ قصے میں غور و فکر کرنے والا اس بات کو پاتا ہے کہ خضر غیب پر مطلع تھے اور یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق کسی ولی کا حق نہیں۔ فرمایا:

---

[1] اسے شیخین نے روایت کیا ہے، وہ میری کتاب ''مختصر صحیح بخاری'' میں (رقم ٥٧) ہے۔ دونوں کے الفاظ یہ ہیں: هو اعلم منك (وہ تم سے زیادہ جانتے ہیں) المختصر میں رقم: ١١٢ ہے۔ اللہ اپنے فضل و کرم سے اس کی طباعت مکمل کرنے کے لیے آسانی پیدا فرمائے۔ اس کی پہلی جلد کی طباعت مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ باقی اجزاء کی طباعت کے لیے بھی آسانی فرمائے۔ (منہ) میں کہتا ہوں اس کی مکمل طباعت مکتبة المعارف الریاض، نے کردی ہے۔

[2] میں کہتا ہوں: وہ الفصوص اور الفتوحات المکیة کا مؤلف ابن عربی ہے۔ (منہ)

[3] "روح المعاني" (٥/٩٢-٩٣). (منہ)

﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ﴾

''وہ عالم الغیب ہے، وہ کسی رسول جسے وہ پسند کرلے کے علاوہ اپنے غیب پر مطلع نہیں کرتا۔''

اور یہ اس قصے کے کئی مواقع پر ظاہر ہے، ان میں سے جو میسر ہوا میں ذکر کروں گا:

(۱)...... جب موسیٰ نے ان سے مصاحبت طلب کی تو انھوں نے فرمایا:

﴿إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ (الکھف: ٦٧)

''تم میرے ساتھ صبر کی استطاعت نہیں رکھو گے۔''

خضر علیہ السلام کی طرف سے یہ جزم ویقین اس پر واضح دلیل ہے کہ انھیں اس بارے میں علم تھا اور وہ ان کی طرف سے ظن وتخمین کی قبیل سے نہ تھا، وہ ایسا نہیں کرسکتے اور وہ اضافہ اس کی تائید کرتا ہے جو اس آیت کے بعد حدیث کے بعض طرق میں ان الفاظ کے ساتھ بیان ہوا ہے:

((وَكَانَ رَجُلًا يَعْلَمُ عِلْمَ الْغَيْبِ ، قَدْ عَلِمَ ذٰلِكَ .)) [1]

''وہ آدمی علم غیب جانتا تھا، اس نے یہ جان لیا تھا۔''

(۲)......لڑکے کو قتل کرنا اور اس کی ان الفاظ میں تفسیر وتاویل کرنا:

''رہا وہ لڑکا تو وہ فطرت کے روز ہی کافر پیدا کیا گیا، اس کے والدین اس پر بہت مہربان تھے، اگر وہ انہیں پالیتا، تو وہ ان دونوں کو سرکشی اور کفر پر لگا دیتا، لہٰذا ہم نے ارادہ کیا کہ ان دونوں کا۔ رب ان کو اس کی جگہ اور عطا کرے جو پاک نفسی میں اس سے بہتر اور محبت میں اس سے بڑھ کر ہو۔''

ایک روایت میں یہ اضافہ نقل کیا: ''اس کے والد نے اس کی والدہ سے جماع کیا تو وہ حاملہ ہوگئی، تو اس نے بچے کو جنم دیا جو اس (پہلے بچے) سے پاک نفسی اور محبت میں بڑھ کر تھا۔'' [2]

ان (خضر علیہ السلام) کا خبر دینا کہ وہ لڑکا کفر کی سرشت پر پیدا ہوا، یہ کہ اس کے والد نے اس کی والدہ سے صحبت کی تو وہ حاملہ ہوگئی اور اس نے اس سے بہتر کو جنم دیا، یہ خالص غیبی امور سے متعلق ہے اس پر صرف نبوت و وحی کے طریق ہی سے اطلاع ہوسکتی ہے، تو یہ اس پر سب سے زیادہ قوی دلیل ہے کہ وہ نبی تھے، اگرچہ وہ رسول نہ بھی ہوں۔

(۳)......اسی ضمن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''جب موسیٰ خضر علیہ السلام سے ملے تو ایک پرندہ آیا، اس نے اپنی چونچ پانی میں ڈالی، تو خضر نے موسیٰ سے کہا: کیا آپ جانتے ہیں یہ پرندہ کیا کہہ رہا ہے؟ انھوں نے کہا: کیا کہہ رہا ہے؟ خضر نے کہا: وہ کہہ رہا ہے: اللہ کے علم کے مقابلے میں تمہارا اور موسیٰ کا علم ایسے ہی ہے جیسے میری چونچ

---

[1] "الدر المنثور" (٤/٢٣١). (منه)

[2] اسے مسلم نے روایت کیا اور اضافہ عبد اللہ بن احمد کا ہے۔ (۵/۱۱۸-۱۱۹). (منه)

نے کچھ پانی لے لیا ہے۔“ ❶

یہ صریح ہے کہ خضر پرندوں کی بولی بھی جانتے تھے، اور وہ ایسے غیب سے ہے جسے کوئی انسان نہیں جانتا، اس حوالے سے تو وہ نبی سلیمان علیہ السلام کی طرح ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان کیا:

﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ﴾ (النمل: ١٦)

”لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے۔“

اس مسئلے میں خلاصۂ قول: یہ جو دلائل بیان کیے گئے جب مسلمان ان پر غور وفکر کرے اور انہیں یاد کرلے تو اسے یقین ہو جائے گا کہ خضر کی نبوت کا موقف رکھنا درست ہے جیسا کہ جمہور علماء کا موقف ہے، اسی لیے انھوں نے وہ عجیب وغریب کام کیے جن پر موسیٰ علیہ السلام صبر نہ کر سکے، جبکہ وہ کلیم اللہ ہیں، اس کے ذریعے ہم زندیقوں کی وہ گرہ کھول سکتے ہیں جس کی طرف حافظ ابن حجر نے سابقہ کلام میں اشارہ فرمایا۔ اس طرح کے اور بھی امور ہیں جو اس زمرے میں آتے ہیں جو بہت سے صوفیاء ظاہر و باطن اور حقیقت وشریعت کا عقیدہ رکھتے ہیں، جس نے عوام تو کیا بہت سے خواص کے عقیدے کو خراب کر دیا، انھوں نے صلاح کا عقیدہ رکھا، بلکہ بہت سے ایسے فاسقوں کے بارے میں ولایت کا عقیدہ رکھا جو کہ نماز پڑھتے ہیں نہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر باجماعت نماز پڑھتے ہیں اور نہ ان کی عیدوں میں شریک ہوتے ہیں، یہ ان کا ظاہری دعویٰ ہے، جبکہ باطن میں وہ اللہ کے بڑے ولی ہیں، وہ ظالم جو کہہ رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بہت زیادہ بلند و برتر ہے، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا بطائحیہ کے ساتھ جو قصہ ہے جو وہ ان کے زمانے میں دمشق میں ولایت و کرامت کا دعویٰ کرتے تھے حتیٰ کہ اللہ نے ان کے خلاف ان (شیخ الاسلام) کی مدد فرمائی اور قاری سے ان کے باطن و باطل کو بالکل ختم کر دیا۔

﴿إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾ (ق: ٣٧)

”بے شک اس میں نصیحت ہے ایسے شخص کے لیے جس کے پاس دل ہو یا جس نے پوری توجہ سے بات سنی ہو۔“

وصلى الله على محمد وآله وصحبه وسلم

دمشق ۹ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ

محمد ناصر الدین الالبانی

ہمارے شیخ نے ”تخریج فضائل الشام ودمشق“ (ص ٦٨-٧٠) رسالے کے آخر میں تیسویں حدیث کے تحت یہ بیان کیا ہے:

---

❶ حاکم نے اسے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا، ذہبی اور سیوطی نے ان کی موافقت کی، اور وہ ”الصحیحة“ (٢٤٦٧) میں منقول ہے۔ (منہ)

میں نے مناسب سمجھا کہ میں اس کتاب کے بعض ابواب ''جو تین ہیں'' پر مختصر مفید رائے پیش کروں:

''جبل ''قاسیون'' میں نماز پڑھنے اور وہاں دعا کرنے کی فضیلت میں جو وارد ہے اس کا بیان (ص۵٦)

"المغارة" کی فضیلت کا بیان (ص٦٢)

''اور اس مسجد کی فضیلت کا بیان جو برزہ میں ہے اور وہ مسجد ابراہیم ہے۔'' (ص٦٩)

جان لیں کہ اس کتاب کے ان (تینوں) ابواب میں اور ان کے علاوہ دیگر ابواب میں کوئی ایک مرفوع حدیث ثابت نہیں، جو اس کی دلالت کرتی ہو یا اس کے بارے میں وضاحت کرتی ہو، بلکہ باب اوّل میں اس کے متعلق دو منکر روایتیں ہیں، جبکہ دوسرے میں ایک اور موضوع روایت ہے، اور تیسرے باب میں حصان بن عطیہ اور قول زہری کے حوالے سے اسرائیلی قصہ ہے:

''جو مسجد ابراہیم میں چار رکعتیں پڑھتا ہے وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جس طرح وہ اپنی پیدائش کے دن تھا۔''

یہ زہری کے حوالے سے قطعاً باطل ہے، اسناد میں ان (زہری) تک اور حسان تک جہالت ہے۔ اس لیے یہ حدیث جن امور کو متضمن ہے ان پر عمل نہیں کیا جائے گا جیسے جبل قاسیون، مغارہ اور برزہ میں مسجد ابراہیم علیہ السلام ودیگر میں نماز پڑھنا اور دعا کرنا جنہیں آپ کتاب کے حواشی میں پائیں گے، کیونکہ یہ شریعت ہے اور صرف اس سے ثابت ہوتی ہے جو رسول اللہ ﷺ سے مروی ایسی حدیث کے ذریعے ہو جو قابل حجت ہو، اور ابواب میں ضعیف کے علاوہ مروی ہے۔ اس پر بالاتفاق عمل نہیں کیا جائے گا، خاص طور پر یہ کہ وہ صحابہ اور سلف صالحین سے منقول نہ ہو، جبکہ ابن تیمیہ (ص:۵۳) ❶ سے منقول بیان گزر چکا ہے کہ انھوں نے فرمایا: اگر وہ عمل مستحب ہوتا تو وہ (سلف) ہم سے پہلے اسے بجالاتے، ان میں سے بعض سے اس کے متعلق ممانعت ثابت ہے، ان میں سے سب سے پہلے عمر بن خطاب الفاروق ہیں، جن کی اقتداء کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا ہے، اس بارے میں ان کے حوالے سے وارد ہو چکا ہے جو کہ اکیسویں حدیث کی شرح میں گزر چکا ہے۔ ❷

اور اللہ العظیم نے سچ فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ (الاحزاب: ٢١)

''تمہارے لیے رسول اللہ (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے، اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت

---

❶ وہ اسی کتاب میں ہے۔

❷ دیکھیے اسی کتاب میں چند صفحات پیچھے۔

کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہے۔"

۱۵۹: گم نام فوجی یا گم نام شہید کی قبر کی زیارت:

"أحكام الجنائز" (۳۲۷/ ۱۵۹)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۶/ ۱۵۹).

۱۶۰: عبادات (جیسے نماز اور قرآن خوانی) کا مسلمانوں کے مُردوں کو ثواب پہنچانا:

(مسئلہ۱۱۴پر (ص:۲۱۹۔۲۲۳) تعلیق دیکھیں) ❶ "أحكام الجنائز" (۳۲۷/ ۱۶۰)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۶/ ۱۶۰).

مسلمانوں کے مُردوں کو عبادات کا ثواب پہنچانے کے مسئلے کی تفصیل

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "احکام الجنائز" (ص۲۱۹۔۲۲۲) میں بیان کیا: شوکانی نے "نیل الاوطار" (۴/ ۷۹) میں فرمایا:

باب کی احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ بیٹے کی طرف سے صدقے کا ثواب اس کے والدین کو ان کی وفات کے بعد پہنچتا ہے، خواہ انھوں نے وصیت نہ کی ہو، ان احادیث سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ (انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے سعی (کوشش) کی ہے۔) کے عموم کی تخصیص کی جائے گی، لیکن احادیث باب میں لڑکے کی طرف سے صدقہ پہنچنے کا ذکر ہے اور یہ ثابت ہے کہ انسان کی اولاد اس کی سعی (کوشش) ہے، پس دعوی تخصیص کی کوئی حاجت نہیں، رہے وہ جو اولاد کے علاوہ ہیں تو قرآنی عموم سے ظاہر ہے کہ ان کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا، لہٰذا اس پر ٹھہرا جائے گا، حتیٰ کہ کوئی دلیل آئے جو اس کی تخصیص کا تقاضا کرتی ہو۔"

میں نے کہا: یہ وہ حق ہے جس کا علمی قواعد تقاضا کرتے ہیں، آیت اپنے عموم پر ہے، کہ صدقہ اور دیگر عمل کا ثواب اولاد کی طرف سے والد کو پہنچتا ہے، کیونکہ وہ اس کی سعی (کوشش) سے ہیں، جبکہ غیر اولاد کا مسئلہ الگ ہے، لیکن نووی اور دیگر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ صدقہ میّت کی طرف سے واقع ہوتا ہے اور اس کا ثواب اسے پہنچتا ہے، انھوں نے اس طرح کہا: "المیّت" انھوں نے اسے مطلق رکھا، اور اسے والد کے ساتھ مقید نہیں کیا، اگر یہ اجماع صحیح ہو تو وہ ان عمومات کے لیے تخصیص کرنے والا ہوگا جن کی طرف شوکانی نے اشارہ کیا ہے جو کہ صدقہ کے متعلق ہے اور جو اس کے علاوہ ہے وہ عموم میں داخل رہے گا، جیسے روزہ، قراءت قرآن اور اس طرح کی عبادات، لیکن میں دو امور کی وجہ سے اس مذکور اجماع کے صحیح ہونے کے حوالے سے بڑے شک میں ہوں۔

---

❶ احكام الجنائز، ط: المعارف

۱: اجماع کا یہاں اصولی مفہوم ہے، اس کا صرف انہی مسائل میں پایا جانا ممکن ہے جو دین سے بالضرور معلوم ہیں، جیسا کہ اسے بلند پایہ علماء نے ثابت کیا ہے، جیسے ابن حزم نے "أصول الاحکام" میں، شوکانی نے "إرشاد الفحول" میں اور دیگر نے اور الاستاذ عبدالوہاب خلاّف نے اپنی کتاب "أصول الفقه" میں اثبات کیا ہے، اور امام احمد نے اس اجماع کا دعویٰ کرنے والے کے رد میں اپنے مشہور کلام میں اس طرف اشارہ کیا ہے اور ان کے بیٹے عبداللہ بن احمد نے اسے ان سے "المسائل" میں روایت کیا ہے۔

۲: میں نے ان بہت سے مسائل کی تحقیق کی ہے جن کے بارے میں انھوں نے اجماع نقل کیا ہے، میں نے ان میں معروف اختلاف پایا، بلکہ میں نے ان مسائل میں جمہور کے مذہب کو دعویٰ اجماع کے خلاف دیکھا، اگر میں اس پر مثالیں پیش کرنا چاہوں تو کلام طویل ہو جائے گا، ہم یہاں اپنے موضوع تک ہی محدود رہتے ہیں، اب یہی کافی ہے کہ ہم صرف ایک مثال یاد کرائیں اور وہ ہے: نووی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ مکروہ اوقات میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ نہیں، حالانکہ اس بارے میں اختلاف قدیم اور معروف ہے، اور بہت سے اہل علم اس مزعوم اجماع کے خلاف ہیں، جیسا کہ اس کی تحقیق مسئلہ (۸۷) میں بیان ہوئی اور ایک دوسری مثال ان شاء اللہ عنقریب پیش کی جائے گی۔

ان میں سے بعض کا موقف ہے کہ غیر والد کو والد پر قیاس کیا جائے گا، جبکہ یہ قیاس کئی وجوہ سے باطل ہے:

۱: یہ کہ وہ کئی قرآنی عمومات کے خلاف ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ﴾ (فاطر: ۱۸) "جو نیکی کرتا ہے تو وہ محض اپنی ہی ذات کے لیے نیکی کرتا ہے۔" اور اس کے علاوہ بھی آیات ہیں، جنھوں نے فلاح و کامیابی اور دخول جنت کو اعمال صالحہ کے ساتھ مشروط قرار دیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ والد اپنے بچے کی تربیت اور اس کا اہتمام کرنے کی وجہ سے اپنی ذات کا تزکیہ کرتا ہے اور اپنے لیے نیکی کرتا ہے، اس کا اجر اسے ملے گا، جو کہ اس (والد) کے علاوہ کسی اور کو نہیں ملے گا۔

۲: وہ قیاس مع الفارق ہے جب آپ یاد کریں کہ شرع نے بچے (اولاد) کو والد کی کمائی قرار دیا ہے، جیسا کہ روایت عائشہ میں بیان ہوا ہے، وہ اس (والد) کے علاوہ کسی اور کی کمائی نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ﴾ (المدثر: ۳۸) "ہر ایک شخص اپنے اعمال کے لیے (اللہ کے روبرو) ذمہ دار ہے۔" اور وہ فرماتا ہے: ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ (البقرة: ۲۸۶) "ہر شخص وہی کچھ پائے گا جو اس نے کمایا اور وہ جواب دہ بھی اس کے لیے ہے جو اس نے کمایا۔"

اور حافظ ابن کثیر نے اللہ عزوجل کے فرمان ﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ (النجم: ۳۹) (اور یہ کہ انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے۔) کی تفسیر میں فرمایا:

یعنی جس طرح اس پر کسی دوسرے کا بوجھ نہیں ڈالا جائے گا، اسی طرح وہ اجر بھی صرف وہی حاصل کرے گا جو اس نے اپنی ذات کے لیے کمایا ہوگا، ان آیات کریمہ سے شافعی رحمہ اللہ اور ان کے پیروکاروں نے استنباط کیا کہ قرآن خوانی کا ثواب فوت شدگان کو نہیں پہنچتا، کیونکہ وہ ان کے عمل میں سے ہے نہ ان کے کسب سے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس کا حکم دیا نہ اس کی ترغیب دی اور نہ ہی کسی نص اور اشارے کے ذریعے اس کی طرف راہنمائی فرمائی اور وہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک سے بھی منقول نہیں۔ اگر وہ خیر و نیکی ہوتی تو وہ ہم سے پہلے اسے بجالاتے، وہ امور جن کے ذریعے سے (اللہ کا) قرب حاصل کیا جاتا ہے ان میں نصوص پر اکتفاء کیا جائے گا، ان میں مختلف قسم کے قیاس اور آراء کے ذریعے تصرف نہیں کیا جائے گا۔''

عز بن عبدالسلام نے "الفتاویٰ" (٢٤/ ٢۔ سال ١٦٩٢) میں فرمایا:

''جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی نیک کام کیا، پھر اس کا ثواب کسی زندہ یا مردہ کو بخش دیا، تو اس کا ثواب اس کی طرف منتقل نہیں ہوگا، کیونکہ ﴿لَّيۡسَ لِلۡإِنسَٰنِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾ (النجم: ٣٩) ''انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے۔'' اگر نیک کام اس نیت سے کیا جائے کہ یہ میت کی طرف سے واقع ہو تو وہ اس کی طرف سے واقع نہیں ہوتا، سوائے اس کے جسے شرع نے مستثنیٰ کیا ہے، جیسا کہ صدقہ، روزہ اور حج۔''

اور ابن کثیر نے جسے شافعی رحمہ اللہ سے ذکر کیا ہے، وہ بہت سے علماء اور حنفیہ کی ایک جماعت کا قول ہے، جیسا کہ الزبیدی نے اسے "شرح الإحیاء" (١٠/ ٣٦٩) میں نقل کیا ہے۔ [1]

٣: اگر یہ قیاس صحیح ہو تو اس کا تقاضا ہے کہ مردوں کو ثواب پہنچانا مستحب ہے اور اگر وہ اس طرح ہوتا تو سلف اسے بجالاتے، کیونکہ وہ بلاشک حصول ثواب کے ہم سے زیادہ حریص و کوشاں تھے اور انھوں نے یہ نہ کیا، جیسا کہ ابن کثیر کے کلام میں بیان ہوا، پس اس نے اس پر دلالت کی کہ قیاس مذکور صحیح نہیں اور یہی مراد ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "الإختیارات العلمیة" (ص ٥٤) میں بیان فرمایا:

''یہ سلف کی عادت نہ تھی کہ جب وہ نفل نماز پڑھتے یا نفل روزہ رکھتے، نفل حج کرتے یا قرآن پڑھتے تو اس کا ثواب اپنے مسلمان فوت شدگان کو بخش دیتے ہوں، سلف کے طریق سے ہٹنا مناسب نہیں، کیونکہ وہ (طریق) افضل و اکمل ہے۔''

---

[1] میں نے کہا: جو کچھ بیان ہوا اس سے تم نے اس اجماع کے بطلان کو جان لیا جسے ابن قدامہ نے "المغنی" ٢/ ٥٦٩) میں ''قرآن خوانی کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے'' ذکر کیا ہے، وہ کس طرح باطل نہ ہو، اور مخالفین کے ہراوّل دستے میں امام شافعی رحمہ اللہ ہیں اور یہ ان مثالوں میں سے ایک اور مثال ہے جس میں اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے، اور وہ صحیح نہیں، اس پر تنبیہ قریب ہی بیان ہوئی ہے۔ (منہ)

شیخ رحمہ اللہ کا اس مسئلے میں ایک اور قول ہے، انھوں نے اس میں جو انھوں نے ابھی سلف سے ذکر کیا، مخالفت کی ہے، ان کا موقف ہے کہ میت اپنے علاوہ کسی اور کی تمام عبادات سے فائدہ حاصل کرتی ہے، ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الروح" میں اس قول کو اختیار کیا اور قیاسی طور پر اس کی بھرپور تائید کی ہے جس کے بطلان کا بیان قریب ہی گزرا ہے، اور یہ اس کے خلاف ہے جو ہم نے محض امور تعبدیہ میں قیاس میں ترک توسیع کے حوالے سے ان شیخ رحمہ اللہ سے معلوم کیا ہے، خاص طور پر جو ان کے حوالے سے اس کے خلاف ہو جس پر سلف صالحین رضی اللہ عنہم کا عمل رہا ہے، ان کے کلام کے خلاصے کو علامہ سید محمد رشید رضا نے "تفسیر المنار" (٨/ ٢٥٤_٢٧٠) میں نقل کیا، پھر اس پر علمی طور پر خوب رد کیا، پس جو اس مسئلے میں وسعت چاہتا ہے وہ اس کی طرف رجوع کرے۔

بہت سے بدعتیوں نے اس قول کا غلط استعمال کیا، انھوں نے اسے سنت سے جنگ کرنے کا ذریعہ بنایا اور انھوں نے انصار السنۃ اور اس کے پیروکاروں کے خلاف شیخ اور ان کے شاگرد سے دلیل لی اور یہ بدعتی اس سے جاہل رہے یا انھوں نے جان بوجھ کر لاعلمی کا اظہار کیا کہ انصار السنۃ اللہ تعالیٰ کے دین میں کسی معین شخص کی تقلید نہیں کرتے جیسا کہ یہ لوگ کرتے ہیں، وہ اس حق پر، جو ان پر واضح ہو جائے، علماء میں سے کسی کے قول کو ترجیح نہیں دیتے، خواہ ان کا اس کے علم و صلاح میں کتنا اچھا اعتقاد ہو، وہ قول کی طرف دیکھتے ہیں نہ کہ قائل کی طرف، اور دلیل کی طرف نہ کہ تقلید کی طرف، وہ امام دار الہجرۃ (امام مالک) کے قول پر اپنی نظریں مرکوز رکھتے ہیں، اور ان کے قول کو نصب العین بناتے ہیں: اس صاحب قبر (رسول اللہ ﷺ) کے علاوہ ہم میں سے ہر ایک کی بات ردّ کی جا سکتی ہے اور اسے قبول بھی کیا جا سکتا۔'' اور انھوں نے فرمایا: ''اس صاحب قبر (رسول اللہ ﷺ) کے قول کے علاوہ ہر شخص کے قول کو قبول بھی کیا جا سکتا ہے اور ردّ بھی کیا جا سکتا ہے۔''

جب یہ بات اہل علم کے ہاں مسلم اور طے شدہ ہے کہ اس زندگی میں ہر عقیدہ یا رائے جسے کوئی اختیار کرتا ہے اس کا اس کے طرز عمل میں ایک اثر ہوتا ہے، اگر وہ خیر ہے تو وہ (اثر) خیر ہے۔ اگر شر ہے تو وہ شر ہے، اور یہ بھی طے شدہ ہے کہ اثر مؤثر پر دلالت کرتا ہے، بے شک ان دونوں (اثر اور مؤثر) میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہے، خیر کے حوالے سے یا شر کے حوالے سے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، اس کے مطابق ہم شک میں نہیں کہ اس قول کا اس شخص پر برا اثر ہے جو اسے اختیار کرتا ہے۔ اس میں سے مثلاً: یہ عقیدہ رکھنے والا ثواب اور بلند درجات کے حصول میں اپنے علاوہ کسی اور پر بھروسہ کرتا ہے، کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ لوگ دن میں سینکڑوں بار تمام مسلمانوں کو نیکیاں بخشتے ہیں، ان میں سے جو زندہ ہیں ان کو اور ان میں سے جو فوت ہو گئے ہیں ان کو، اور وہ بھی ان میں سے ایک ہے (جس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں جمع ہو رہی ہیں)، تو پھر وہ اپنے علاوہ کسی اور کے عمل کے ذریعے اپنی تگ و دو اور کسب سے کیوں نہ بے نیاز ہوگا! کیا آپ دیکھتے نہیں مثلاً کہ بعض مشائخ اپنے بعض

شاگردوں کی کمائی پر زندگی گزارتے ہیں وہ اپنے دن بھر کے اناج وخوراک کے لیے اپنی پیشانیوں کا پسینہ بہاتے ہیں نہ ہاتھ سے محنت کرتے ہیں اس کا بس یہی سبب ہے کہ وہ اس (کمانے) سے اپنے علاوہ کسی اور کی کمائی کے ذریعے بے نیاز ہوگئے ہیں! انھوں نے ان کا سہارا لیا اور عمل ترک کردیا، یہ مادیات میں امر شاہد ہے، معنویات میں منقول ہے، جیسا کہ وہ اس مسئلے میں کیفیت ہے، کاش کہ وہ اس پر ٹھہرتے اور وہ اس تک تجاوز نہ کرتے جو اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے، پس وہاں کسی غیر کی طرف سے حج کے جواز کا بھی ایک قول ہے، خواہ وہ معذور نہ ہو۔ ان زیادہ تر مال داروں کی طرح جو واجبات کو ترک کرنے والے ہیں۔ یہ قول انہیں حج سے تساہل برتنے اور اس سے پیچھے ہٹنے پر آمادہ کرتا ہے، کیونکہ وہ اس (قول) سے دل کو تسلی دیتا ہے اور اپنے دل میں کہتا ہے: وہ میری موت کے بعد حج کرلیں گے بلکہ اس کے بعد جو ہے وہ اس سے بھی زیادہ نقصان دہ ہے اور وہ ہے: میت سے جو کہ تارک نماز ہو، نماز کے اسقاط کے وجوب کے متعلق کہنا، بے شک وہ بعض مسلمانوں کے بے نماز ہونے کا بہت بڑا عامل ہے، کیونکہ وہ بھی تسلی دے لیتا ہے کہ اس کی وفات کے بعد لوگ اس کی طرف سے اسے ساقط کرالیں گے! اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں جن کا معاشرے پر برا اثر بالکل واضح ہے، پس اس عالم پر واجب ہے جو اصلاح کا ارادہ رکھتا ہے کہ وہ ان اقوال کو شریعت کے نصوص اور اس کے مقاصد حسنہ سے مخالفت کی وجہ سے پھینک دے اور انہیں کوئی اہمیت نہ دے بلکہ انہیں جھٹک دے۔

ان اقوال کے اثر کا نصوص پر ٹھہرنے والے کے قول کے اثر سے موازنہ کریں، وہ تاویل یا قیاس کے ذریعے اس سے نہیں نکلتا، تم سورج کے مانند فرق پاؤ گے، بے شک جو ان جیسے اقوال کو، جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، نہیں لے گا تو وہ عمل وثواب میں کسی اور پر بھروسہ وتوکل نہیں کرے گا، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ صرف اس کا اپنا عمل ہی اسے بچائے گا اور اس کے لیے اسی عمل کا ثواب ہوگا جو اس نے خود کیا ہے، بلکہ اس میں فرض کیا گیا ہے کہ وہ ایسی کوشش کرے جو اس کے لیے ممکن بنادے کہ وہ اپنے بعد کوئی اچھا اثر چھوڑ جائے جس کا اسے ان خیالی نیکیوں کے بدلے قبر میں اجر پہنچتا رہے جہاں وہ اکیلا ہوگا، اور یہ سلف کے تقدم اور ہمارے تأخر میں اور اللہ کی طرف سے ان کی نصرت اور ہمیں بے یار ومددگار چھوڑنے کے بہت سے اسباب میں سے ہے۔ ہم اللہ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہماری راہنمائی فرمائے جس طرح اس نے ان کی راہنمائی فرمائی، اور وہ ہماری نصرت فرمائے جس طرح اس نے ان کی نصرت فرمائی۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (١/ ٤٨٤) میں حدیث رقم (٤٨٤) کے تحت بیان فرمایا:

جان لیجیے کہ وہ تمام احادیث جو انھوں (ابن تیمیہ) نے "المنتقی" میں اس باب میں بیان کی ہیں، وہ اولاد کی طرف سے باپ یا ماں کے ساتھ خاص ہیں، پس ان سے یہ استدلال کرنا کہ نیک اعمال کا ثواب تمام مردوں کو

پہنچتا ہے، جیسا کہ مجدد ابن تیمیہ نے اس باب کے لیے یہ عنوان قائم کیا ہے: "باب وصول ثواب القرب المهداة إلى الموتى" "مردوں کو ان نیک اعمال کا ثواب پہنچنے کا بیان جو انہیں بخشا جاتا ہے۔" صحیح نہیں، کیونکہ وہ دعویٰ دلیل سے خالی ہے، انھوں نے ایسی کوئی دلیل پیش نہیں کی جو مردوں کے عمومی انتفاع پر عمومی طور پر دلالت کرتی ہو، عمومی اعمال خیر جو زندوں کی طرف سے انہیں پہنچائے جاتے ہیں، امور خاص میں شائد ہو، شوکانی نے اسے "نیل الاوطار" (٤/ ٧٨۔٨٠) میں ذکر کیا، پھر مصنف (شیخ الالبانی) نے اپنی کتاب "أحكام الجنائز وبدعها" میں ذکر کیا، الحمد لله، اللہ نے اس کی طباعت کو آسان بنایا، اس میں سے مُردوں کے لیے دعا ہے، کیونکہ وہ ان (مردوں) کے لیے نفع مند ہے، جب اللہ تبارک وتعالیٰ اسے قبول فرمالے؛ پس اسے یاد رکھیں اس طرح آپ اس مسئلے میں افراط وتفریط سے بچ جائیں گے۔

اس کا خلاصہ: اولاد کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے والدین کی طرف سے صدقہ کریں، روزہ رکھیں، حج وعمرہ کریں اور قرآن پڑھیں، کیونکہ وہ ان دونوں (والدین) کی سعی وکوشش سے ہیں، جبکہ ان دونوں (والدین) کے علاوہ اسے کسی اور کے لیے یہ امور بجالانا جائز نہیں، مگر وہ جسے دلیل نے خاص کیا ہو...... واللہ اعلم۔

انھوں نے "الضعيفة" (٢/ ٣٠٩) میں حدیث رقم (٩٠٧) [1] کے تحت بیان کیا:

''جو شخص یہ موقف رکھتا ہے کہ جب کوئی عمل کرنے والا اپنے عمل کا ثواب کسی دوسرے کو ہبہ کر دیتا ہے تو وہ ثواب اس کے دوسرے شخص کو پہنچ جاتا ہے وہ اس روایت سے استدلال کرتا ہے، جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾ (النجم: ٣٩) (انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے۔) اور ان احادیث کے خلاف ہے جو اس معنی میں ہیں......''

اور ہمارے شیخ نے "العقيدة الطحاوية" (ص ٨٠) پر اپنی تعلیق وشرح میں اس مسئلے کی طرف مختصر سا اشارہ کیا ہے۔

١٦١: اعمال کا ثواب آپ ﷺ کو بخشنا:

"القاعدة الجليلة" (٣٢، ١١١)، "الاختيارات العلمية" (٥٤)، "شرح عقيدة الطحاوی" (٣٨٦۔٣٨٧)، "تفسير المنار" (٨/ ٢٤٩، ٢٥٤، ٢٧٠، ٣٠٤۔٣٠٨). "أحكام الجنائز" (٣٢٧/ ١٦١)، "تلخيص الجنائز" (١٠٦/ ١٦١).

١٦٢: قرآن خوانی کرنے اور اس کا ثواب میت کو بخشنے والے کو اجرت دینا:

"فتاوى شيخ الاسلام" (٣٥٤)، "أحكام الجنائز" (٣٢٧/ ١٦٢)، "تلخيص

---

[1] اس کی نص یہ ہے: ''اسے آزاد کی ولاد، اللہ اس کے ہر عضو کے بدلے تمہارے عضو کو جہنم سے آزاد کر دے گا۔''

الجنائز" (١٠٦/ ١٦٢).

١٦٣: (ل) قائل کا یوں کہنا: انبیاء اور صالحین کی قبروں کے پاس دعا قبول ہوتی ہے:

"الفتاوی"، "أحكام الجنائز" (٣٢٧/ ١٦٣)، "تلخيص الجنائز" (١٠٦/ ١٦٣).

١٦٣: (ب) قبروں کے پاس نماز پڑھنے سے حصول برکت کا قصد کرنے کے مسئلے کی تفصیل:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اس حدیث: "لا تصلوا الى قبور......" [1] "قبروں کی طرف رخ کر کے نماز نہ پڑھو......" پر "أحكام الجنائز" (ص٢٦٩)، "تلخيص الجنائز" (ص٨٦-٨٧) میں شرح کرتے ہوئے فرمایا:

اس میں قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی بظاہر نہی (ممانعت) قبر کی طرف نماز پڑھنے کی حرمت پر دلیل ہے، نووی نے اسے ہی اختیار کیا ہے، مناوی نے "فيض القدير" میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا:

"یعنی: اس (قبر) کی طرف رخ کرتے ہوئے، اس لیے کہ اس میں بہت زیادہ تعظیم ہے، کیونکہ وہ (اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا) معبود کا مرتبہ و مقام ہے، مکمل حدیث نے تعظیم میں کمی کرنے اور بہت زیادہ تعظیم کرنے سے بیک وقت منع کر دیا ہے۔"

پھر انھوں نے دوسری جگہ فرمایا:

"بے شک یہ مکروہ ہے، اگر انسان نے اس جگہ نماز پڑھنے سے حصول برکت کا قصد کیا تو اس نے دین میں بدعت ایجاد کی جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی، اور اس (مکروہ) سے مراد مکروہ تنزیہی ہے، نووی نے فرمایا: ہمارے اصحاب (اہل علم) نے اسی طرح کہا ہے، اگر ظاہر حدیث سے اس کی حرمت کے متعلق کہہ دیا جائے تو کوئی بعید نہیں، اور اس حدیث سے قبرستان میں نماز پڑھنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، پس وہ مکروہ تحریمی ہے۔"

یہ بھی جان لینا چاہیے کہ وہ تحریم مذکور تب ہے جب ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے قبروں کی عظمت کا قصد نہ کیا جائے، ورنہ وہ شرک ہے۔

شیخ علی القاری نے "المرقاة" (٢/ ٣٧٢) میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا:

"اگر یہ تعظیم قبر اور اس قبر والے کے لیے حقیقی تعظیم ہو تو اس تعظیم کرنے والے نے کفر کیا، اس سے مشابہت اختیار کرنا مکروہ ہے، مناسب یہ ہے کہ وہ مکروہ تحریمی ہو، سامنے رکھا ہوا جنازہ بھی اس معنی

---

[1] اسے مسلم (٩٧٢) نے ابو مرثد غنوی سے روایت کیا ہے۔ دیکھیے: احکام الجنائز (ص: ٢٧٠ - ٢٧٥)۔ اس میں شیخ نے ان لوگوں کی تردید کی ہے جو قبور کے پاس نماز پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اگرچہ ان کی طرف منہ کیے بغیر ہی ہو۔ یہ کہ قبرستان نماز کی جگہ نہیں۔

میں ہے، بلکہ وہ اس (قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے) سے (مکروہ تحریمی کا) زیادہ حق دار ہے، یہ اس ضمن سے ہے جس میں مکہ والے آزمائش کا شکار ہوئے، جب وہ جنازے کو کعبہ کے پاس رکھتے تھے اور پھر اس کی طرف رخ کرتے تھے۔''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "تحذیر الساجد" (ص ٣٤-٣٥)، "الجنائز" (ص ٢٧٩) اور "الثمر المستطاب" (١/ ٣٨١) میں بیان فرمایا:

فقیہ ہیتمی رحمہ اللہ نے "الزواجر" (١/ ١٢٠-١٢١) میں فرمایا:

''کبیرہ: ۹۳: ''قبروں کو سجدہ گاہ بنانا ہے......'' انھوں نے کہا: ''اسے کبائر میں شمار کرنا بعض شوافع کے کلام میں واقع ہوا ہے، گویا کہ انھوں نے اسے اس سے اخذ کیا جو انھوں نے ان احادیث سے اخذ کیا اور اس کی وجہ واضح ہے، کیونکہ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کے ساتھ ایسا کرنے والے پر لعنت کی ہے اور جس نے اپنے صالحین کی قبروں کے ساتھ اس طرح کیا انھیں قیامت کے دن اللہ کے ہاں بدترین مخلوق قرار دیا، اس میں ہمیں ڈرایا گیا ہے، جیسا کہ ایک روایت میں ہے: "يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوا" ''انھوں نے جو کیا آپ اس سے ڈراتے تھے'' یعنی وہ اپنی امت کو اپنے فرمان کے ذریعے ڈراتے تھے، کہ کہیں وہ ایسا کام نہ کریں جو انھوں نے کیا، ورنہ ان پر لعنت کی جائے گی جس طرح ان پر لعنت کی گئی...... بعض حنابلہ نے کہا: کسی آدمی کا قبر کے پاس نماز پڑھنے سے برکت حاصل کرنے کا قصد کرنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی صریح مخالفت کرنا ہے، اور دین میں ایسی بدعت ایجاد کرنا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی، اس لیے کہ اس کی ممانعت ہے اور پھر اس کی ممانعت پر اجماع ہے، اس (قبر) کے پاس نماز پڑھنا، اسے سجدہ گاہ بنانا یا اس پر عمارت تعمیر کرنا سب سے بڑی ممانعت (حرمت) اور شرک کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، کراہت کے متعلق قول اس کے علاوہ پر محمول ہے، علماء کے متعلق کسی فعل کے جواز کا گمان نہ کیا جائے جس کے کرنے والے پر نبی ﷺ کی طرف سے لعنت متواتر ثابت ہو، اسے گرانا اور ان قبروں پر بنائے گئے گنبدوں کو گرانا واجب ہے جبکہ وہ مسجد ضرار سے بھی زیادہ نقصان دہ ہیں، کیونکہ ان کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی معصیت پر رکھی گئی ہے، آپ نے اس سے منع کیا ہے اور اونچی قبروں کو گرانے کا حکم فرمایا، قبر سے ہر قندیل یا چراغ کو مٹانا واجب ہے، اس کے لیے وقف و نذر صحیح نہیں۔''

۱۶۴: قبر کے پاس دعا کرنے کا قصد کرنا اور اجابت کی امید رکھنا: [1]

[1] دیکھیے بدعت رقم (١٩٧-٢٠٠)، اس کتاب میں جنازے کی بدعات۔

"الاختیارات العلمیة" (٥٠)، "أحکام الجنائز" (٣٢٨/ ١٦٤)، "تلخیص الجنائز" (١٠٦/ ١٦٤).

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "فھرس مخطوطات دارالکتب الظاهریة" (ص ١٤٥) میں (ابن لال) اور وہ ابوبکر احمد بن علی الفقیہ الشافعی (فقیہ امام ثقہ ٣٠٨-٣٩٨ھ) پر اپنے کلام میں بیان کیا، انھوں نے فائدہ کے تحت فرمایا، اس کی نص یہ ہے:

''بہت سے علماء نے معمول بنالیا ہے کہ وہ بعض متاخرین کے سوانح حیات میں بیان کرتے ہیں: ''اس کی قبر کے پاس دعا قبول ہوتی ہے۔ ان میں سے بعض نے اس شخص کے بارے میں بھی کہا جن کی سوانح بیان کی گئی، ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی ان الفاظ کے ساتھ علمی گرفت کی: ''میں نے کہا: انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کی قبروں کے پاس دعا قبول ہوتی ہے، بلکہ ساری جگہوں میں دعا قبول ہوتی ہے، لیکن قبولیت کا سبب دعا کرنے والے کا قلبی طور پر حاضر ہونا، اس کا خشوع وخضوع اور گڑگڑانا ہے، اور بابرکت جگہ پر، مسجد میں اور سحری کے وقت دعا قبول ہونے میں کوئی شک نہیں، دعا کرنے والا اس سے اکثر حاصل کرلیتا ہے اور ہر مضطر و بے بس شخص کی دعا قبول ہوتی ہے۔''

میں نے کہا: ذہبی رحمہ اللہ کی اس فرمان سے مراد ہے: کہ قبروں کے پاس دعا کرنے کی کوئی خاص فضیلت نہیں، بلکہ اس کے لیے اس کا قصد کرنا مشروع نہیں، جس طرح نماز وقراءت اور اس کے علاوہ عبادات جیسے ذبح وغیرہ کے لیے ان (قبروں) کا قصد کرنا مشروع نہیں، پس خشوع واضطرار کے لیے ہی اس (قبر) کے پاس دعا قبول ہوتی ہے۔''

١٦٥: انبیاء اور صالحین وغیرہ کی قبروں کو (چادروں وغیرہ سے) ڈھانپنا: [1]

"الاختیارات العلمیة" (٥٥)، "المدخل" (٣/ ٢٧٨)، "الإبداع" (٩٥-٩٦)، "أحکام الجنائز" (٣٢٨/ ١٦٥)، "تلخیص الجنائز" (١٠٦/ ١٦٥).

١٦٦: ان میں سے بعض کا اعتقاد ہے کہ جب کسی بستی میں کسی صالح شخص کی قبر ہوتی ہے تو اس کی برکت ہی کی وجہ سے انہیں رزق دیا جاتا ہے اور ان کی مدد کی جاتی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ وہ شہر کا محافظ ہے، جیسا کہ وہ کہتے ہیں: سیدہ نفیسہ قاہرہ کی محافظ ہے، شیخ رسلان دمشق کا محافظ ہے اور فلاں وفلاں بغداد کے محافظ ہیں:

"الرد علی الأخنائی" (٨٢)، "أحکام الجنائز" (٣٢٨/ ١٦٦)، "تلخیص الجنائز" (١٠٦/ ١٦٦).

---

[1] ''حاشیہ ابن عابدین'' (١/ ٨٣٩) میں ہے کہ وہ مکروہ یعنی مکروہ تحریمی ہے۔ (منہ)

۱۶۷: ان کا بہت سے اولیاء کی قبروں کے بارے میں خصوصیت کا عقیدہ رکھنا جس طرح خاص امراض کے ڈاکٹر ہوتے ہیں، ان میں سے کوئی آنکھوں کا ماہر اور کوئی بخار کے مرض کی دوا دیتا ہے:

"الابداع" (۲۶۶)، "أحكام الجنائز" (۳۲۸/ ۱۶۷)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۷/ ۱۶۷).

۱۶۸: ان میں سے بعض کا کہنا: فلاں معروف شخص کی قبر مجرب تریاق ہے:

"الرد على البكرى" (۲۳۲۔ ۲۳۳)، "أحكام الجنائز" (۳۲۸/ ۱۶۸)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۷/ ۱۶۸).

۱۶۹: کسی شیخ کا اپنے مرید سے کہنا: جب تمہیں اللہ سے کوئی کام ہو تو پھر مجھ سے مدد مانگ یا اس کا کہنا: میری قبر کے پاس آ کر مدد مانگنا:

"الرد على البكرى" (۲۳۲۔۲۳۳)، "أحكام الجنائز" (۳۲۸/ ۱۶۹)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۷/ ۱۶۹).

۱۷۰: ولی کی قبر کے پاس کسی شجر و حجر (درخت اور پتھر) کی تقدیس اور یہ اعتقاد رکھنا کہ جس نے اس میں سے کوئی چیز کاٹ دی تو اسے اس کا نقصان ہوگا:

"أحكام الجنائز" (۳۲۸/ ۱۷۰)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۷/ ۱۷۰).

۱۷۱: ان میں سے بعض کا یوں کہنا: جو آیت الکرسی پڑھے، شیخ عبد القادر جیلانی کی طرف رخ کرے اور انہیں سات بار سلام کہے اور ہر سلام پر ایک قدم ان کی قبر کی طرف بڑھے تو اس کی حاجت پوری ہو جاتی ہے!

"الفتاوى" (۴/ ۳۰۹)، "أحكام الجنائز" (۳۲۸/ ۱۷۱)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۷/ ۱۷۱).

۱۷۲: جس آدمی کی بیوی فوت ہو جائے اور وہ اس کے بعد شادی کر لے اس کا اس بیوی کی قبر پر پانی چھڑکنا، وہ کہتے ہیں کہ ایسا کرنا حرارتِ غیرت کو ختم کر دیتا ہے:

"الإبداع" (۲۶۵)، "أحكام الجنائز" (۳۲۸/ ۱۷۲)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۷/ ۱۷۲).

۱۷۳: انبیاء اور صالحین کی قبروں کی زیارت کے لیے سفر کرنا:

"الفتاوى" (۱/ ۱۱۸، ۱۲۲، ۴/ ۳۱۵)، "مجموعة الرسائل الكبرى" (۲/ ۳۹۵)، "الرد على البكرى" (۲۳۳)، "الإبداع" (۱۰۰۔۱۰۱)، "الرد على الأخنائى" (۴۵،

۱۲۳ ، ۱۲٤ ، ۲۱۹ ، ۳۸٤) (اور دیکھیں مسئلہ (۱۱/۱۲۵)) [1] "أحكام الجنائز" (۳۲۹/ ۱۷۳)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۷/ ۱۷۳)، "تحذير الساجد"، (ص۹۹).

۱۷۴: اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے الخلیل علیہ السلام کی قبر کے پاس رقص کرنا اور طبل و باجے اور بانسریاں بجانا:

"المدخل" (٤/ ۲٤٦)، "أحكام الجنائز" (۲۹/ ۱۷٤)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۷/ ۱۷٤).

۱۷۵: عمارت کے اندر سے الخلیل علیہ السلام کی زیارت:

"المدخل" (٤/ ۲٤٥)، "أحكام الجنائز" (۳۲۹/ ۱۷٥)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۷/ ۱۷٥).

۱۷۶: قبرستان میں گھر بنانا اور وہاں رہائش رکھنا:

"المدخل" (۱/ ۲٥۱-۲٥۲)، "أحكام الجنائز" (۳۲۹/ ۱۷٦)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۷/ ۱۷٦).

۱۷۷: قبر پر سنگ مرمر یا لکڑی کی تختیاں لگانا:

"المدخل" (۳/ ۲۷۲ ، ۲۷۳)، "أحكام الجنائز" (۳۲۹/ ۱۷۷)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۷/ ۱۷۷).

۱۷۸: قبر پر "ریلنگ" (جنگلہ) لگانا:

"المدخل" (۳/ ۲۷۲)، "أحكام الجنائز" (۳۲۹/ ۱۷۸)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۷/ ۱۷۸).

۱۷۹: قبر کی تزئین:

"شرح الطريقة المحمدية" (۱/ ۱۱٤ ، ۱۱٥): "أحكام الجنائز" (۳۲۹/ ۱۷۹)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۷/ ۱۷۹).

۱۸۰: قرآن مجید لے کر قبرستان جانا اور میت پر قرآن خوانی کرنا:

"تفسير المنار" عن أحمد (۸/ ۲٦۷)، "أحكام الجنائز" (۳۲۹/ ۱۸۰)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۷/ ۱۸۰).

---

[1] أحكام الجنائز (ص ۲۸٥)، ط: المعارف

۱۸۱: قبروں کے پاس قرآن مجید رکھنا تاکہ جو وہاں قرآن پڑھنا چاہے پڑھ سکے:

"الفتاوی" (۱/ ۱۷٤)، "الاختیارات" (۵۳)، "أحکام الجنائز" (۳۲۹/ ۱۸۱)، "تلخیص الجنائز" (۱۰۷/ ۱۸۱).

۱۸۲: قبر کے لیے دیواریں اور ستون بنانا:

"الباعث" لأبی شامة (۱٤)، "أحکام الجنائز" (۳۲۹/ ۱۸۲)، "تلخیص الجنائز" (۱۰۷/ ۱۸۲).

۱۸۳: شکایات کی درخواستیں پیش کرنا اور انہیں قبر کے اندر پھینکنا اور گمان کرنا کہ قبر والا ان کا فیصلہ کرے گا:

"الإبداع" (۹۸)، "القاعدة الجلیلة" (۱٤)، "أحکام الجنائز" (۳۲۹/ ۱۸۳)، "تلخیص الجنائز" (۱۰۷/ ۱۸۳).

۱۸۴: اولیاء کی قبروں کی کھڑکیوں پر کپڑے کے ٹکڑے باندھنا تاکہ وہ ان کو یاد دہانی کرائیں اور وہ ان کی حاجتیں پوری کریں:

"أحکام الجنائز" (۳۲۹/ ۱۸٤)، "تلخیص الجنائز" (۱۰۸/ ۱۸٤).

۱۸۵: اولیاء کی زیارت کرنے والوں کا ان کے تابوتوں کو کھٹکھٹانا اور ان سے چمٹنا:

"الإبداع" (۱۰۰)، "أحکام الجنائز" (۳۲۹/ ۱۸۵)، "تلخیص الجنائز" (۱۰۸/ ۱۸۵).

۱۸٦: برکت حاصل کرنے کے لیے قبر پر رومال اور کپڑے ڈالنا:

"المدخل" (۱/ ۲٦۳)، "أحکام الجنائز" (۳۳۰/ ۱۸٦)، "تلخیص الجنائز" (۱۰۸/ ۱۸٦).

۱۸۷: کسی عورت کا حاملہ ہونے کے لیے کسی قبر پر بیٹھ کر اپنی شرم گاہ رگڑنا:

"أحکام الجنائز" (۳۳۰/ ۱۸۷)، "تلخیص الجنائز" (۱۰۸/ ۱۸۷).

۱۸۸: قبر کا استلام اور اسے بوسہ دینا: [1]

"الإقتضاء" (۱۷٦)، "الإعتصام" (۲/ ۱۳٤، ۱٤۰)، "إغاثة اللهفان" لابن القیم (۱/ ۱۹٤)، البرکوی فی "أطفال المسلمین" (۲۳٤)، "الباعث" (۷۰)، "الإبداع"

---

[1] اس مسئلے کی تفصیل کے لیے جنازے کی بدعات، بدعت رقم (۱۹۵۔۱۹٦) دیکھیں۔

(٩٠). ❶ "أحكام الجنائز" (٣٣٠/ ١٨٨)، "تلخيص الجنائز" (١٠٨/ ١٨٨).

١٨٩: پیٹ اور پیٹھ کو قبر کی دیوار کے ساتھ لگانا:

"الباعث" (٧٠)، "أحكام الجنائز" (٣٣٠/ ١٨٩)، "تلخيص الجنائز" (١٠٨/ ١٨٩).

١٩٠: بدن یا بدن کے کسی حصے کو قبر سے یا قبر کے پاس والی کسی چیز لکڑی وغیرہ کے ساتھ لگانا:

"الفتاوى" (٤/ ٣١٠)، "أحكام الجنائز" (٣٣٠/ ١٩٠)، "تلخيص الجنائز" (١٠٨/ ١٩٠).

١٩١: اس (قبر) پر رخساروں کو خاک آلود کرنا:

"الإغاثة" (١/ ١٩٤-١٩٨)، "أحكام الجنائز" (٣٣٠/ ١٩١)، "تلخيص الجنائز" (١٠٨/ ١٩١).

١٩٢: انبیاء اور صالحین کی قبروں کا طواف کرنا:

"مجموعة الرسائل الكبرى" (٢/ ٣٧٢)، "الإبداع" (٩٠)، "أحكام الجنائز" (٣٣٠/ ١٩٢)، "تلخيص الجنائز" (١٠٨/ ١٩٢).

١٩٣: قبر کے پاس تعریف کرنا اور وہ عرفہ کے دن کسی ایسے شخص کی قبر کا قصد کرنا جس کے متعلق حسن ظن ہو اور جس طرح عرفات میں اجتماع ہوتا ہے اس طرح اس کی قبر کے پاس جمع ہونا:

"الاقتضاء" (١٤٨)، "أحكام الجنائز" (٣٣٠/ ١٩٣)، "تلخيص الجنائز" (١٠٨/ ١٩٣).

١٩٤: اس (قبر) کے پاس ذبح کرنا اور قربانی کرنا:

"الإقتضاء" (١٨٢)، "الإختيارات" (٥٣)، "نور البيان" (٧٢)، "أحكام الجنائز" (٢٣٠/ ١٩٤)، "تلخيص الجنائز" (١٠٨/ ١٩٤).

١٩٥: دعا کے وقت اس سمت رخ کرنے کا اہتمام کرنا جس سمت میں نیک آدمی ہو:

"الإقتضاء" (١٧٥)، "الرد على البكرى" (٢٦٦)، "أحكام الجنائز" (٣٣٠/ ١٩٥)، "تلخيص الجنائز" (١٠٨/ ١٩٥).

---

❶ غزالی نے "الإحياء" (١/ ٢٤٤) میں اس کا رد کیا ہے اور کہا: "یہ یہود و نصاریٰ کی عادت ہے" (دیکھیں: مسألة ١٢١ ص ٢٤٧.) (منہ)

۱۹۶: جس سمت میں کوئی صالح شخص ہو اس کی طرف پشت کرنے سے احتراز: "الإقتضاء" (۱۷۵)، "الرد علی البکری" (۲۶۶)، "أحکام الجنائز" (۳۳۱/ ۱۹۶)، "تلخیص الجنائز" (۱۰۸/ ۱۹۶).

ان میں سے بعض کا دعا کے وقت قبروں اور قبر والوں کی طرف رخ کرنا، اس طرح انہیں چھونا اور انہیں بوسہ دینا، جس سمت میں کوئی صالح شخص ہو اس سمت کا قصد کرنا اور اس طرف رخ کرنا، بعض کا اس سمت پشت کرنے سے احتراز کرنا جس سمت میں کوئی صالح شخص ہو، جبکہ اسی وقت وہ بیت اللہ کی طرف پیٹھ کر رہا ہوتا ہے، اور ان میں سے بعض کا اپنے لیے دعا کرتے وقت نبی ﷺ کے حجرے کی طرف رخ کرنے کے مسئلے کی تفصیل: [1]

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "احکام الجنائز" کے مسئلہ رقم (۱۱۵) کے تحت بیان کیا:

ان (قبروں کی زیارت) کے ذریعے نصیحت قبول کرنے اور آخرت یاد کرنے کے لیے قبروں کی زیارت کرنا مشروع ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ان کے پاس ایسی کوئی بات نہ کی جائے جو رب سبحانہ وتعالیٰ کو ناراض کر دے، جیسے قبر والے سے دعا، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس سے مدد طلب کرنا، یا اس کو بے عیب قرار دینا، اور اسے قطعی طور پر جنتی ماننا وغیرہ۔ [2]

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ کی "الأدب المفرد" [3] رقم (۶۱۱) میں روایت: ......"رسول اللہ ﷺ قبلہ رخ ہوئے اور (دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے......" کی تشریح کرتے ہوئے حاشیہ میں بیان کیا:

اس حدیث میں بہت اہم فائدہ ہے اور وہ دعا کے وقت قبلہ رخ ہونا ہے، اسی لیے شیخ الاسلام نے اپنی بعض کتب میں فرمایا:

"دعا کے لیے صرف اسی سمت رخ کیا جائے جس سمت نماز کے لیے کیا جاتا ہے۔"

---

[1] یہ متفرق بدعات ہیں جو جنازوں کی بدعات کی بدعت نمبر ۱۸۸، ۱۹۵، اور ۱۹۶ پر مشتمل ہیں، شیخ رحمہ اللہ نے انہیں مسئلہ رقم ۱۲۱ کے تحت "الجنائز" ص ۲٤٦ اور اس کے بعد کے صفحات میں ذکر کیا ہے، اس میں قبروں کی زیارت کے وقت قبر والوں کے لیے دعا کرتے ہوئے قبروں کی طرف عدم استقبال پر بحث ہے۔ فائدے کے لیے ہم نے ترجیح دی کہ ہم اس مسئلے میں شیخ رحمہ اللہ اور دیگر اہل علم کا کلام نقل کریں، جس سے اس دور میں بہت سے لوگ اپنے فوت شدگان کی قبروں کی زیارت کے وقت یا پھر مصطفیٰ ﷺ کی قبر کی زیارت کے وقت غافل رہتے ہیں۔

[2] جن لوگوں کے بارے میں کوئی شرعی دلیل نہیں (کہ وہ جنتی ہیں تو) ان کے بارے میں حسن ظن تو رکھا جاتا ہے مگر انہیں قطعی طور پر جنتی قرار دینا درست نہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں دخل اندازی ہے۔ کوئی شخص نہیں جانتا کہ مرتے وقت مرنے والے کی دلی کیفیت کیا تھی، لہٰذا انفرادی طور پر کسی کو جنتی (یا جہنمی) قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (شہباز حسن)

[3] "صحیح الأدب المفرد" (ص ۲۲۹) رقم (٤٧٧/ ٦١١)۔ ط: مکتبة الدلیل.

وہ اس سے اس طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ دعا کے وقت قبروں کی طرف رخ کرنا جائز نہیں، جیسا کہ بعض جاہل لوگ مسجد نبوی میں کرتے ہیں، وہ (اس مسجد نبوی میں) آپ کی قبر کی طرف رخ کرتے ہیں اور دور سے بھی، اور اسی طرح چاند نظر آنے پر (چاند دیکھنے کی) دعا کرتے وقت چاند کی طرف رخ کرتے ہیں، اس سے آگاہ رہنا چاہیے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "احکام الجنائز" کے ص (۲۴۶) مسئلہ رقم (۱۲۱) کے تحت فرمایا:

لیکن دعا کرتے وقت قبروں کی طرف رخ نہیں کرنا چاہیے بلکہ کعبہ کی طرف رخ کرنا چاہیے، کیونکہ آپ ﷺ نے قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے منع کیا ہے، جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا، اور دعا نماز کا مغز ہے جیسا کہ وہ معروف ہے، اس (دعا) کا وہی حکم ہے جو اس (نماز) کا ہے، اور آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ .)) "دعا عبادت ہے۔" پھر آپ نے یہ آیت ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (غافر: ٦٠) (تمہارے رب نے فرمایا: مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔) تلاوت کی۔[1]

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الجنائز" (ص ٢٤٧۔٢٥١) میں فرمایا: طیبی نے اپنی "شرح" میں فرمایا:

"هو العبادة" میں ضمیر منفصل بیان ہوئی ہے اور خبر معرف باللام ہے، تا کہ وہ حصر پر دلالت کرے، کہ دعا کے بغیر عبادت نہیں، ان کے علاوہ کسی اور نے کہا: جس کا مفہوم یہ ہے: وہ عبادت کا سب سے بڑا رکن اور حصہ ہے، وہ اس خبر کے مانند ہے: "اَلْحَجُّ عَرَفَةٌ" "عرفہ کا قیام ہی حج ہے"، یعنی: اس کا سب سے بڑا رکن ہے، یہ اس لیے کہ اس کی اس بات پر دلالت ہے کہ دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر ایک سے رخ موڑ کر خالص اسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے، کیونکہ اسے اس کا حکم دیا گیا ہے، اور جس فعل کا حکم دیا گیا ہو وہ عبادت ہے اور اس کا نام عبادت رکھا تا کہ دعا کرنے والا خضوع ظاہر کرے اور وہ اپنی عاجزی و مسکنت اور محتاجی ظاہر کرے کہ عبادت کمزوری، خضوع اور مسکنت کے اظہار کا نام ہے۔"

مناوی نے اسے "الفیض" میں بیان فرمایا:

میں نے کہا: جب دعا عبادت کا سب سے بڑا حصہ ہے، تو پھر اسے کرتے وقت اس سمت کے علاوہ جس سمت رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہے کسی اور سمت کس طرح رخ کیا جائے گا، اسی لیے محقق علماء کی طرف سے ثابت شدہ ہے کہ "دعا کے لیے اسی سمت رخ کیا جائے گا، جس سمت نماز کے لیے رخ کیا جاتا ہے۔" شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "اقتضاء الصراط المستقیم مخالفة أصحاب الجحیم" (ص ١٧٥) میں فرمایا:

"یہ اصل استمرار کے ساتھ چلی آ رہی ہے، کہ دعا کرنے والے کے لیے اسی سمت رخ کرنا مستحب ہے

---

[1] اس کی تخریج کے لیے الجنائز (ص: ٢٤٦) دیکھیے۔

جس سمت میں نماز کے لیے رخ کرنا مستحب ہے، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ جب آدمی کو مشرق وغیرہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے منع کیا گیا تو اسے دعا کے وقت بھی اس سمت کا رخ کرنے کے قصد سے منع کیا جاتا ہے، بعض لوگ ایسے ہیں جو اپنی دعا کے وقت اس سمت کا قصد کرتے ہیں جس سمت میں کوئی صالح آدمی ہو، خواہ وہ مشرق میں ہو یا کسی اور سمت، یہ کھلی گمراہی اور واضح برائی ہے، جیسا کہ بعض لوگ اس سمت پشت کرنے سے منع کرتے ہیں جس سمت میں کوئی صالح شخص ہو، جبکہ وہ اس سمت پشت کر دیتا ہے جس میں بیت اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی قبر ہے! یہ ساری اشیاء بدعات کے زمرے میں آتی ہیں جو دین نصاریٰ کے مشابہ ہیں۔''

انھوں نے اس سے چند سطریں پہلے امام احمد اور مالک کے اصحاب سے ذکر کیا کہ دعا کے لیے قبلہ رخ ہونا مشروع ہے حتیٰ کہ نبی ﷺ کی قبر کے پاس بھی آپ ﷺ پر سلام کے بعد۔

وہی شافعیہ کا مذہب و مسلک ہے، نووی نے "المجموع" (٥/ ٣١١) میں فرمایا:

''امام ابوالحسن محمد بن مرزوق الزعفرانی جو...... کہ محقق فقہاء میں سے تھے...... [1] وہ ۵۱۷ھ میں فوت ہوئے ''تذکرۃ الحفاظ" للذھبی ٤/ ١٢٦٥ نے اپنی کتاب "الجنائز" میں فرمایا: ''وہ اپنے ہاتھ سے قبر کو چھوئے گا نہ اسے بوسہ دے گا۔'' انھوں نے کہا: ''یہی دستور رہا ہے۔'' انھوں نے فرمایا: ''قبروں کو ہاتھ لگانا اور انہیں بوسہ دینا، جیسے اب لوگ کرتے ہیں، شرعاً منکر بدعات میں سے ہے، ایسا کرنے سے بچنا چاہیے اور ایسا کرنے والے کو روکنا چاہیے۔'' انھوں نے فرمایا: ''جو شخص کسی میت پر سلام کا قصد کرے تو وہ اس کے چہرے کی جانب سے اس پر سلام کرے، اور جب وہ دعا کا ارادہ کرے تو وہ اس جگہ سے ہٹ کر قبلہ رخ ہو جائے (اور پھر دعا کرے)''

ابوحنیفہ کا بھی یہی مذہب ہے، شیخ الاسلام نے "القاعدۃ الجلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ" (ص ١٢٥) میں فرمایا:

''چاروں اماموں مالک، ابوحنیفہ، شافعی، احمد اور ان کے علاوہ ائمہ اسلام کا مسلک و موقف ہے کہ آدمی جب نبی ﷺ پر سلام پڑھے، اور پھر وہ اپنی ذات کے لیے دعا کرنا چاہے تو وہ قبلہ رخ ہو گا، انھوں نے آپ پر سلام پڑھنے کے وقت (رخ کرنے) میں اختلاف کیا ہے، تین ائمہ...... مالک، شافعی اور احمد...... نے کہا: حجرے کی طرف رخ کرے گا اور آپ کے چہرے کی طرف سے آپ پر سلام پیش کرے گا، جبکہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: سلام پیش کرتے وقت حجرے کی طرف رخ نہیں کرے گا، جیسا کہ وہ ان (چاروں اماموں) کے متفقہ موقف کے مطابق دعا کے وقت اس (حجرے) کی طرف رخ

---

[1] آپ کی وفات ۵۱۷ھ میں ہوئی۔ آپ کی سوانح حیات ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ ٤/ ١٢٦٥ میں ہے۔ (منہ)

نہیں کرے گا، پھر ان (امام ابوحنیفہ) کے مذہب میں دو قول ہیں: کہا گیا: حجرے کی طرف پشت کرے گا، اور کہا گیا: اس (حجرے) کو اپنی بائیں جانب کرے گا، پس ان کا یہ نزاع سلام کے وقت سے متعلق ہے، رہا دعا کے وقت کے بارے میں تو انھوں نے کوئی تنازع نہیں کیا کہ وہ قبلہ ہی کی طرف رخ کرے گا، حجرے کی طرف نہیں۔''

اس مذکورہ اختلاف کا سبب یہ ہے: وہ صرف اس حوالے سے ہے کہ جب حجرہ مکرمہ مسجد سے باہر تھا اور صحابہ آپ پر سلام پیش کرتے تھے، کسی کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کے چہرے کی طرف رخ کرے اور قبلے ❶ کی طرف پشت کرے، جیسا کہ صحابہ کے بعد اس (حجرے) کے مسجد میں داخل ہو جانے کے بعد ممکن ہو گیا، ان میں سے سلام پیش کرنے والا اگر قبلہ رخ ہوتا تو حجرہ اس کی بائیں جانب ہو جاتا، اور اگر وہ حجرے کی طرف رخ کرتے تو قبلہ ان کی دائیں جانب ہوتا اور غربی گوشہ ان کے پیچھے۔ شیخ الاسلام نے "الجواب الباھر" (ص۱۴) میں اس معنی کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

''اس وقت اگر وہ اس کی طرف رخ کرتے اور مغرب کی طرف پشت کرتے، تو اکثر کا قول زیادہ راجح ہے، اور اگر وہ اس وقت قبلہ کی طرف رخ کرتے، اور حجرے کو اپنی بائیں جانب کرتے تو ابوحنیفہ کا قول زیادہ راجح ہے۔''

میں نے کہا: شیخ رحمہ اللہ نے اس مسئلے کو معلق چھوڑ دیا، انھوں نے اس کے متعلق قطعی بات نہیں فرمائی کہ وہ اس (قبلہ) کی طرف رخ کرتے تھے یا قبر کی طرف رخ کرتے تھے۔ گویا کہ یہ اس لیے ہے کہ اس بارے میں ان سے کوئی روایت ثابت نہیں ہے، لیکن اگر فرض کریں کہ وہ اس (قبر) کی طرف رخ کرتے تھے، تو آپ نے جان لیا کہ وہ اس حالت میں مغرب کی طرف پیٹھ کرتے تھے نہ کہ قبلے کی طرف، کیونکہ ان کے زمانے میں اس کا امکان نہ تھا، اور بیان ہوا کہ زیادہ تر آپ ﷺ پر سلام پیش کرتے وقت بھی آپ ﷺ کے چہرے کی طرف رخ کرنے کا موقف رکھتے ہیں، اور یہ قبلے کی طرف پشت کرنے کو مستلزم ہے، ہم جو قطعی طور پر کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ عہد صحابہ میں نہیں ہوا جیسا کہ بیان ہوا، یہ حجرے کی طرف رخ کرنے پر امر زائد ہے، اس کے اثبات کے لیے دلیل ضروری ہے، تو کیا اس کا کوئی وجود ہے؟ میں اسے نہیں جانتا اور میں نے علماء میں سے بھی کسی کو اس کا تعرض کرتے ہوئے نہیں دیکھا، خواہ وہ رسول ﷺ کی قبر کے بارے میں ہو یا عام لوگوں کی قبروں کے بارے میں ہو۔

---

❶ اسماعیل القاضی نے جو "فضل الصلاة علی النبی ﷺ (رقم ۱۰۱۔ میری تحقیق کے ساتھ ہے) میں ابن عمر سے روایت کیا کہ وہ نبی ﷺ کے پاس آتے اور اپنا ہاتھ آپ کی قبر پر رکھتے اور قبلہ کی طرف پشت کرکے آپ پر سلام پیش کرتے" ضعیف و منکر ہے جیسا کہ میں نے اس پر تعلیق میں بیان کیا۔ (منہ)

ہاں! ان میں سے بعض نے ابن عباس کی روایت سے اس پر استدلال کیا ہے، انھوں نے کہا:

''رسول اللہ ﷺ مدینے کی قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ نے ان کی طرف رخ کیا، اور فرمایا:

((السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُورِ، يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ، أَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ عَلَى الْأَثَرِ.))

اس روایت کو ترمذی (۲/۱۵۶) نے، الضیاء نے ''المختارۃ'' (۵۸/ ۱۹۲/ ۱) میں طبرانی کے طریق سے ''المعجم الکبیر'' (۱۲۶۱۳) کے حوالے سے نقل کیا اور ترمذی نے فرمایا: ''حسن غریب ہے۔''

میں نے کہا: اس کی سند میں قابوس بن ابی ظبیان راوی ہے، نسائی نے فرمایا: ''وہ قوی نہیں۔''

ابن حبان نے فرمایا: اس کا حافظہ خراب ہے، وہ اپنے والد سے ایسی روایات نقل کرنے میں منفرد ہے جن کی کوئی اصل نہیں۔ میں نے کہا: یہ اس کی ان روایات میں سے ہے جو اس نے اپنے والد سے روایت کی ہیں، لہٰذا وہ قابل حجت نہیں، شائد کہ ترمذی نے جو حسن کہا ہے وہ ان کا اس حدیث کے لیے ہو، وہ تو اس کے شواہد کے اعتبار سے ہے، کیونکہ اس کا معنی صحیح احادیث میں ثابت ہے، اس سے قسم طیب کا ذکر ابھی قریب ہی گزرا ہے، البتہ اس کا یہ جو قول ہے: ''آپ نے ان کی طرف رخ فرمایا'' منکر ہے، کیونکہ ان الفاظ کے روایت کرنے میں اس ضعیف کا تفرد ہے۔

جب آپ نے یہ جان لیا تو شیخ علی القاری رحمہ اللہ نے ''مرقاۃ المفاتیح'' (۲/ ۴۰۷) میں بیان کیا ہے:

''اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ میت پر سلام کے وقت مستحب یہ ہے کہ اس کا چہرہ میت کے چہرے کی طرف ہو، اور وہ دعا میں بھی اسی طرح کرے گا، اور عام مسلمانوں کا عمل اسی پر ہے، جو کہ اس کے خلاف ہے جسے ابن حجر نے بیان کیا ہے کہ ہمارے نزدیک مسنون یہ ہے کہ حالت دعا میں قبلہ کی طرف رخ ہو، جیسا کہ مطلق دعا کے بارے میں دوسری احادیث سے معلوم ہے۔''

میں نے کہا: یہ استدلال واضح طور پر محل نظر ہے، حدیث میں تو صرف آپ ﷺ کا قبروں کی طرف رخ کرنا ہے، رہا مُردوں کے چہروں کی طرف متوجہ ہونا تو وہ ایک دوسری چیز ہے، اس کے لیے اس کے علاوہ کسی دوسری دلیل کی ضرورت ہے، میں اسے نہیں جانتا۔

حق بات یہ ہے کہ وہ حدیث اگر اس کی سند ثابت ہو تو وہ اس پر واضح دلیل ہے کہ قبروں کے پاس سے گزرنے والا سلام کرتے وقت اور ان کے لیے دعا کرتے وقت ان کی طرف رخ کرے گا، جس طرح بھی رخ کرنا ہو، مردوں کے چہرے کی طرف قصد نہ کرنے پر اتفاق ہے، اور سند ضعیف ہے۔ جیسا کہ اس کا بیان گزرا ہے۔ اصلاً اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔

اور یہ اس کے منافی نہیں جو امام مالک کے حوالے سے گزرا ہے کہ دعا کے وقت حجرے کی طرف رخ کرنا مشروع نہیں، وہ حکایت جس میں بیان ہوا ہے کہ جب مالک سے منصور عباسی نے حجرے کی طرف رخ کرنے کے بارے میں دریافت کیا، تو انھوں نے اسے اس کا حکم دیا اور فرمایا: وہ تمہارا اور تمہارے باپ آدم کا وسیلہ ہے، یہ حکایت باطل ہے، اور وہ مالک پر جھوٹ باندھنا ہے، اس کی اسناد معروف نہیں، پھر وہ اس کے خلاف ہے جو ان کے اصحاب کی کتب میں ثقات کی اسانید سے ثابت ہے، جیسا کہ اسماعیل بن اسحاق القاضی ودیگر نے اسے ذکر کیا ہے۔

اس کے مثل جو انھوں نے ان سے ذکر کیا کہ ان سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا جو حجرے کی طرف رخ کرکے دیر تک کھڑے رہتے ہیں اور اپنے لیے دعا کرتے ہیں، تو مالک نے اس کی تردید کی اور ذکر کیا کہ وہ ان بدعات میں سے ہے جسے صحابہ نے کیا نہ تابعین نے اور انھوں نے فرمایا: ''اس امت کے آخری فرد کی اصلاح اسی چیز سے ہوگی جس نے اس کے پہلے فرد کی اصلاح کی تھی۔'' [1]

۱۹۷: انبیاء اور صالحین کی قبروں کے پاس قبولیت کی امید سے دعا کرنا: [2]

"القاعدة الجليلة" (۱۷ ، ۱۲۶ـ۱۲۷)، "الرد على البكرى" (۲۸ـ۵۷)، "الرد على الأخنائى" (۲٤)، "الإختيارات العلمية" (۵۰)، "الإغاثة" (۲۰۱ـ۲۰۲ـ۲۱۷). "أحكام الجنائز" (۳۳۱/ ۱۹۷)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۸/ ۱۹۷)، "التعليقات الحسان" (۸/ ۲۱۰).

۱۹۸: انبیاء اور صالحین کی قبروں کے پاس نماز کا قصد کرنا:

"الرد على الأخنائى" (۱۲٤)، "الإقتضاء" (۱۳۹)، "أحكام الجنائز" (۳۳۱/ ۱۹۸)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۸/ ۱۹۸).

نماز و دعا کے لیے انبیاء اور صالحین کی قبروں کے قصد کے مسئلے کی تفصیل

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الثمر المستطاب" (۲/ ۵۸۳ـ۵۸٤) میں فرمایا:

---

[1] دیکھیں: "قاعدة جليلة" لابن تيمية (ص۵۳ـ۶۲). (منہ)

[2] انھوں نے "الإغاثة" (۱/ ۲۱۸) وغیرہ میں بیان کیا:

''شافعی سے منقول حکایت: کہ وہ ابوحنیفہ کی قبر کے پاس دعا کا قصد کیا کرتے تھے واضح جھوٹ ہے۔'' اور شیخ الاسلام نے "الفتاوى" (٤/ ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۸) میں فرمایا: ''اس کے قریب قریب جامع دمشق کی مشرقی بالائی جانب اس جگہ کے قریب نماز اور دعا کا قصد کرنا جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ھود علیہ السلام (پیغمبر) کی قبر ہے، جبکہ علماء کا موقف ہے کہ وہ معاویہ بن ابوسفیان کی قبر ہے یا اس شمالی لکڑی کے پاس (نماز اور دعا کا قصد کرنا) جس کے نیچے یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کا سر ہے۔'' (منہ). میں کہتا ہوں جو ہم نے رقم ۱۶۴ پر تعلیق لگائی ہے اسے دیکھیں۔

بلکہ اس سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے، کیونکہ وہ قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کے مترادف ہے، جبکہ ہمیں اس سے منع کیا گیا ہے، جیسا کہ بیان کیا گیا، اسی لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی "الفتاوی" (٤/ ٣١٠) میں فرمایا: ''بعض لوگ جو کسی ایسی جگہ نماز پڑھتے اور دعا کرنے کا قصد کرتے ہیں جس کے بارے میں مشہور ہوتا ہے کہ وہ کسی نبی کی قبر ہے یا کسی صحابی یا اس کے کسی قریبی کی قبر ہے یا اس شخص کا قبر کو اپنا بدن یا بدن کا کچھ حصہ لگانا یا قبر کے پاس والی کسی لکڑی وغیرہ کو جسم یا جسم کا کوئی حصہ لگانا، جیسے کوئی شخص جامع دمشق کے مشرقی بالائی حصے میں اس جگہ نماز پڑھنے اور دعا کرنے کا قصد کرتا ہے جس کے بارے میں مشہور ہے: کہ وہ ھود کی قبر ہے جبکہ علماء کا موقف ہے کہ وہ معاویہ بن ابوسفیان کی قبر ہے یا اس مثالی لکڑی کے پاس نماز وغیرہ پڑھنا جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس کے نیچے یحییٰ بن زکریا کا سر ہے، اور اس طرح کی دیگر جگہیں، پس ایسا شخص خطا کار، بدعتی اور سنت کا مخالف ہے، کیونکہ ایسی جگہوں پر نماز پڑھنا اور دعا کرنے کی امت کے سلف اور اس کے ائمہ میں سے کسی ایک کے ہاں کوئی خصوصیت نہیں، وہ ایسا نہیں کیا کرتے تھے بلکہ وہ اس طرح کے کاموں سے منع کیا کرتے تھے، جیسا کہ نبی ﷺ نے انہیں اس کے اسباب سے منع کیا، اگرچہ وہ قبر سے اور اس کے ذریعے دعا کرنے کا قصد نہ کریں، تو پھر کس قدر برا ہوگا جب وہ اس کا قصد کریں؟'' پھر انھوں نے فرمایا:

''رہا کسی ایسی جگہ اس لیے دعا کرنا کہ وہاں کسی نبی یا کسی ولی کی قبر ہے، تو سلف امت اور اس کے ائمہ میں سے کسی نے نہیں کہا کہ وہاں دعا کرنا کسی اور جگہ دعا کرنے سے افضل ہے، لیکن یہ اس ضمن میں سے ہے جسے اہل قبلہ نے نصاریٰ اور ان کے علاوہ دیگر مشرکین سے مشابہت کرتے ہوئے ایجاد کیا، اس کی اصل مشرکوں کے دین سے ہے نہ کہ اللہ کے مخلص بندوں کے دین سے، جیسے انھوں نے قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا، اس امت کے سلف اور اس کے اماموں میں سے کسی ایک نے اسے مستحب قرار نہیں دیا، بلکہ اہل قبلہ میں سے کسی نے اسے ان یہود و نصاریٰ سے مشابہت اختیار کرتے ہوئے ایجاد کیا جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔''

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الآیات البینات" (ص ٩٣) پر اپنی تعلیق میں فرمایا:

کسی قبر کے پاس دعا کرنے اور اس سے برکت حاصل کرنے کے لیے اس کا قصد کرنا مشروع نہیں، بلکہ وہ ان شرکیات و وثنیات میں سے ہے جس کا بہت سے مسلمان شکار ہیں، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنی کتب میں اس کی وضاحت کی ہے۔

١٩٩: انبیاء اور صالحین کی قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا قصد کرنا:

"الرد علی البکری" (٧١)، "القاعدة الجليلة" (١٢٥-١٢٦)، "الإغاثة"

(١/ ١٩٤-١٩٨)، "الخادمی علی الطریقة" (٤/ ٣٢٢)، "أحكام الجنائز" (٣٣١/ ١٩٩)، "تلخيص الجنائز" (١٠٨/ ١٩٩).

٢٠٠: ذکر وقراءت، روزہ اور ذبح کے لیے انبیاء اور صالحین کی قبروں کا قصد کرنا:

"الإقتضاء" (١٨١/ ١٥٤)، "أحكام الجنائز" (٣٣١/ ٢٠٠)، "تلخيص الجنائز" (١٠٨/ ٢٠٠).

٢٠١: قبر والے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا وسیلہ اختیار کرنا:

"الإغاثة" (١/ ٢٠١-٢٠٢، ٢١٧)، "السنن" (١٠)، "أحكام الجنائز" (٣٣١/ ٢٠١)، "تلخيص الجنائز" (١٠٨/ ٢٠١).

٢٠٢: قبر والے کے ذریعے اللہ پر قسم دینا:

"تفسير سورة الاخلاص "لإبن تيمية" (١٧٤)، "أحكام الجنائز" (٣٣١/ ٢٠٢)، "تلخيص الجنائز" (١٠٨/ ٢٠٢).

٢٠٣: انبیاء اور صالحین میں سے کسی میت یا غائب سے یوں کہنا: اللہ سے (میرے لیے) دعا کریں یا اللہ تعالیٰ سے سوال کریں:

"القاعده" (١٢٤)، "زيارة القبور" لإبن تيمية (١٠٨، ١٠٩)، "الرد على البكرى" (٥٧)، "أحكام الجنائز" (٣٣١/ ٢٠٣)، "تلخيص الجنائز" (١٠٨/ ٢٠٣).

٢٠٤: میت کو مدد کے لیے پکارنا جیسا کہ ان کا کہنا: فلاں جناب! میری مدد کرو یا میرے دشمن کے خلاف میری مدد کرو:

"القاعدة" [1] (١٤، ١٧، ١٢٤)، "الرد على البكرى" (٣٠-٣١، ٣٨، ٥٦، ١٤٤)، "السنن" (١٢٤)، "أحكام الجنائز" (٣٣١/ ٢٠٤)، "تلخيص الجنائز" (١٠٩/ ٢٠٤).

٢٠٥: یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ کے علاوہ میت معاملات چلانے میں اختیار رکھتی ہے:

"السنن" (١١٨)، "أحكام الجنائز" (٣٣٢/ ٢٠٥)، "تلخيص الجنائز" (١٠٩/ ٢٠٥).

---

[1] یعنی القاعدة الجليلة فی التوسل والوسيلة از شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔ یہ کئی دفعہ شائع ہوئی۔ زیادہ عمدہ اور زیادہ مفید وہ نسخہ ہے جس کی تحقیق شیخ ربیع بن ہادی مدخلی نے کی ہے۔

۲۰۶: قبر کے پاس ٹھہرنا اور اس کے نزدیک قیام کرنا:

"الإقتضاء" (۱۸۳، ۲۱۰)، "أحكام الجنائز" (۳۳۲/ ۲۰٦)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۹/ ۲۰٦).

۲۰۷: ان قبروں کی جن کی وہ تعظیم کرتے ہیں زیارت کے بعد وہاں سے الٹے پاؤں نکلنا (تاکہ انہیں پشت نہ ہو):

"المدخل" (٤/ ۲۳۸، السنن ٦۹)، "أحكام الجنائز" (۳۳۲/ ۲۰۷)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۹/ ۲۰۷).

۲۰۸: بعض درویشوں کا دیگر شہروں کی طرف وہاں مدفون اولیاء اور دیگر فوت شدگان کی قبروں کی زیارت کے لیے سفر کرنا اور پھر ان کا اپنے علاقوں کی طرف واپسی کے ارادے کے وقت یوں کہنا: اس شہر کے تمام رہائشیوں کے لیے فاتحہ، سیدی فلاں اور سیدی فلاں اور وہ ان کا نام لیتے ہیں اور ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اشارہ کرتے ہیں اور پھر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر لیتے ہیں:

"السنن" (٦۹)، "المدخل" (٤/ ۲۳۸)، "أحكام الجنائز" (۳۳۲/ ۲۰۸)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۹/ ۲۰۸).

۲۰۹: ان کا کہنا: اللہ کے ولی آپ پر سلام ہو، فاتحہ نبی ﷺ، چار قطبوں انجاب، اوتاد، حاملین کتاب اور اغواث (غوث کی جمع) کے مقام و شرف میں اضافے کا سبب ہے! اصحاب سلسلہ، اصحاب تعریف، جہاں کو پانے والے اور عمومی طور پر اللہ کے سارے اولیاء کے شرف میں اضافہ ہے، یا حی یا قیوم۔ وہ فاتحہ پڑھ کر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتا ہے اور الٹے پاؤں واپس آتا ہے:

"السنن" (٦۹)، "المدخل" (٤/ ۲۳۸)، "أحكام الجنائز" (۳۳۲/ ۲۰۹)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۹/ ۲۰۹).

۲۱۰: قبر کو اونچا کرنا اور اس پر عمارت تعمیر کرنا:

"الإقتضاء" (٦۳)، "تفسير سورة الاخلاص" (۱۷۰)، سفر السعادة (۵۷)، "شرح الصدور للشوكانى" (٦٦)، شرح الطريقة المحمدية" (۱/ ۱۱٤، ۱۱۵)، "أحكام الجنائز" (۳۳۲/ ۲۱۰)، "تلخيص الجنائز" (۱۰۹/ ۲۱۰)، "تحذير الساجد" (ص ۳۵، ۹۹).

۲۱۱: یہ وصیت کرنا کہ میری قبر پر عمارت بنانا:

"الخادمی علی الطریقة المحمدیة" (٤/ ٣٢٦)، "أحکام الجنائز" (٣٣٢/ ٢١١)، "تلخیص الجنائز" (١٠٩/ ٢١١).

۲۱۲: قبروں کو پختہ کرنا:

"الإغاثة" (١/ ١٩٦-١٩٨)، "الخادمی علی الطریقة" (٤/ ٣٢٢)، "أحکام الجنائز" (٣٣٢/ ٢١٢)، "تلخیص الجنائز" (١٠٩/ ٢١٢).

۲۱۳: قبر پر میت کا نام اور اس کی تاریخ وفات کندہ کرنا:

"المدخل" (٣/ ٢٧٢)، الذهبی فی "تلخیص المستدرك"، "الإغاثة" (١/ ١٩٦، ١٩٨)، "الخادمی علی الطریقة" (٤/ ٣٢٢)، "الإبداع" (٩٥)، "المسألة" (١٢٥ - فقره ١-٦). "أحکام الجنائز" (٣٣٢/ ٢١٣)، "تلخیص الجنائز" (١٠٩/ ٢١٣).

۲۱۴: قبروں اور آثار پر مساجد تعمیر کرنا اور اجتماع گاہ بنانا:

"تفسیر سورة الاخلاص" (١٩٢)، "الإقتضاء" (٦/ ١٥٨)، "الرد علی البکری" (٢٣٣)، "الإبداع" (٩٩)، "أحکام الجنائز" (٣٣٣/ ٢١٤)، "تلخیص الجنائز" (١٠٩/ ٢١٤)، "تحذیر الساجد".

۲۱۵: قبروں کو سجدہ گاہ بنانا اور وہاں ان کے نزدیک نماز پڑھنا:

"الإبداع" (٩)، "الفتاوی" (٢/ ١٨٦، ١٧٨، ٤/ ٣١١)، "الإقتضاء" (٥٢)، (راجع المسألة ١٢٥ - فقره ٨، ٩). "أحکام الجنائز" (٣٣٣/ ٢١٥)، "تلخیص الجنائز" (١٠٩/ ٢١٥)، "تحذیر الساجد"[1]

---

[1] اس کتاب کا صفحہ ذکر نہیں کیا، کیونکہ وہ کتاب اسی مسئلہ کے متعلق خاص ہے اس میں مسئلے کے تمام پہلوؤں کی تفصیل ہے، ہم نے بعض اقوال پر اکتفا کیا ہے جیسا کہ وہ اس کے اوپر ہے۔

فصل : قبروں پر مساجد بنانا کبیرہ گناہ ہے

قبروں کو سجدہ گاہ بنانے، مصطفیٰ ﷺ کی قبر کو آپ کی مسجد میں داخل کرنے اور قبروں پر بنائی گئی مساجد میں نماز پڑھنے کے مسئلے کی تفصیل

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "تحذیر الساجد" (ص ۳۳-۳۷) میں فرمایا:

......جو بھی ان احادیث کریمہ پر غور وفکر کرے گا، اس پر بلاشک یہ عیاں ہوجائے گا کہ قبروں پر مساجد بنانا حرام ہے، بلکہ کبیرہ گناہ ہے، کیونکہ اس بارے میں وارد لعنت نے مخالفین کا وصف بیان کیا ہے کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاں بدترین مخلوق ہیں اور یہ ممکن نہیں کہ وہ (لعنت) کسی ایسے شخص کے بارے میں ہو جو کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا جیسا کہ ظاہر ہے۔

اس بارے میں علماء کے مذاہب

چاروں مذاہب کا اس کی تحریم پر اتفاق ہے، ان میں سے کسی نے صراحت سے کہا ہے کہ وہ کبیرہ گناہ ہے، اس بارے میں مذاہب کی تفصیل پیش خدمت ہے:

ا:......شافعیہ کا مذہب کہ "وہ کبیرہ گناہ ہے"

فقیہ ابن حجر ہیتمی نے "الزواجر عن اقتراف الکبائر" (۱/ ۱۲۰) میں بیان کیا: "کبیرہ گناہ نمبر ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷ اور ۹۸: قبروں کو سجدہ گاہ بنانا وہاں چراغاں کرنا، انھیں اوثان (صنم/ بت) بنانا، ان کا طواف کرنا، ان کا استلام کرنا (انہیں چھونا) اور ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا۔"

پھر انھوں نے بعض گزشتہ احادیث وغیرہ پیش کیں، پھر (ص ۱۱۱) فرمایا:

> "**تنبیہ:**...... انھوں نے ان چھ کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے جو کہ بعض شوافع کے کلام میں واقع ہوئے ہیں، گویا کہ انھوں نے اسے اس سے اخذ کیا ہے جسے میں نے احادیث سے ذکر کیا ہے، قبر کو سجدہ گاہ بنانے کی (ممانعت کی) وجہ تو واضح ہے، کیونکہ ایسے شخص پر لعنت کی گئی ہے جس نے اپنے انبیاء کی قبروں کے ساتھ ایسا کیا (کہ انھیں سجدہ گاہ بنایا)، اور اپنے صلحاء کی قبروں کے ساتھ ایسا کرنے والے کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں بدترین مخلوق قرار دیا اور اس میں ہمیں ڈرایا گیا ہے جیسا کہ

ایک روایت میں ہے: ''انھوں نے جو کیا وہ اس سے تنبیہ کرتے اور ڈراتے ہیں''، یعنی وہ اپنے فرمان کے ذریعے اپنی امت کو ڈراتے ہیں کہ کہیں وہ بھی وہ کام نہ کریں جو انھوں نے کیا، کہیں ان پر بھی لعنت نہ کی جائے جس طرح ان (یہود و نصاریٰ) پر لعنت کی گئی، اسی سے ہمارے اصحاب نے کہا: انبیاء اور اولیاء کی قبروں کی طرف رخ کر کے برکت و عظمت کے طور پر نماز پڑھنا حرام ہے، اس فعل کا کبیرہ ہونا ان احادیث مذکورہ سے ظاہر ہے، بعض حنابلہ نے کہا: آدمی کا قبر سے برکت کے حصول کے لیے قبر کے پاس نماز پڑھنے کا قصد کرنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی عین مخالفت اور دین سازی ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی، اس سے ممانعت ہے اور پھر اس پر اجماع ہے کہ قبر کے پاس نماز پڑھنا اور انہیں مساجد بنانا یا ان پر عمارت بنانا بہت بڑی حرمت اور شرک کا سب سے بڑا سبب ہے، اور کراہت کے متعلق قول اس کے علاوہ پر محمول ہے، تب کسی فعل کو جائز قرار دینے کا علماء کے متعلق گمان نہیں کرنا چاہیے جس فعل کے کرنے والے پر نبی ﷺ سے تواتر کے ساتھ لعنت منقول ہے، انہیں گرانے میں جلدی کرنا اور ان قبوں کو، جو کہ قبروں پر بنائے گئے ہیں، گرانا واجب ہے، وہ تو مسجد ضرار سے بھی زیادہ نقصان دہ ہیں، کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی معصیت پر تعمیر کیے گئے ہیں جبکہ اس سے منع کیا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اونچی قبروں کو گرانے کا حکم دیا ہے۔ قبر پر موجود ہر قندیل یا چراغ کو ہٹانا واجب ہے، اور اس کے لیے کسی چیز کو وقف کرنا اور نذر ماننا صحیح نہیں۔''

یہ سب فقیہ ابن حجر ہیتمی کا کلام ہے اور اسے محقق آلوسی نے ''روح المعانی'' (۳۱/۵) میں اس پر ثابت رکھا ہے، اور وہ کلام دین میں فہم پر دلالت کرتا ہے اور ان کا قول جسے انھوں نے بعض حنابلہ سے نقل کیا ہے:

''کراہت کے متعلق قول اس کے علاوہ پر محمول ہے۔''

گویا کہ وہ شافعی کے قول کی طرف اشارہ کرتے ہیں ''میں قبر پر مسجد بنانے کو مکروہ جانتا ہوں......'' ان کا وہ کلام جسے میں نے مکمل طور پر اس میں نقل کیا جو اس (ص ۳۱) پر گزر گیا، اور اس پر شوافع کے کچھ اتباع ہیں جیسا کہ ''التھذیب'' اور اس کی شرح ''المجموع'' میں ہے، اور یہ عجیب ہے کہ وہ اس پر بعض گزشتہ احادیث کے ذریعے استدلال کرتے ہیں، اس کے باوجود کہ وہ اس کی تحریم میں صریح ہیں، اور ایسا کرنے والے پر لعنت ہے، اگر ان کے نزدیک مکروہ ہونا تحریم کے لیے ہوتا تو بھی معاملہ قریب ہوتا، لیکن وہ تو ان کے نزدیک تنزیہ کے لیے ہے، مکروہ کہنے کا قول ان احادیث کے ساتھ کس طرح اتفاق کر سکتا ہے جن کے ذریعے وہ اس پر استدلال کرتے ہیں؟!

میں یہ کہتا ہوں، میں شافعی کی سابقہ عبارت میں کراہت کو خاص طور پر مکروہ تحریمی پر محمول کرنے کو ناممکن نہیں سمجھتا! کیونکہ وہ استعمال قرآنی میں وہی معنی شرعی مقصود ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ شافعی اسلوب قرآن سے

انتہائی متاثر ہیں، جب ہم ان کے کلام میں ایک لفظ سے آگاہ ہوئے اس کے قرآن میں ایک خاص معنی ہے تو پھر ہم پر واجب ہے کہ ہم اسے اس معنی پر محمول کریں، نہ کہ اس معنی پر جو کہ متاخرین کی اصطلاح ہے، پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ﴾ (الحجرات: ۷)

''اور اس نے تمہارے لیے کفر، فسق اور نافرمانی کو مکروہ قرار دیا ہے۔''

جبکہ یہ سب کام حرام ہیں، تو یہ معنی (واللہ اعلم) وہ ہے جو شافعی رحمہ اللہ کی اپنے گزشتہ قول: ''میں مکروہ جانتا ہوں'' سے مراد ہے، اور اس کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ انھوں نے اس کے بعد فرمایا: ''اور اگر اس نے اس (قبر) کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی تو وہ اس کے لیے کفایت کرے گی اس نے برا کیا۔'' ان کے قول: ''اس نے برا کیا'' اس کا معنی ہے اس نے برائی کا ارتکاب کیا، یعنی اس نے حرام کام کیا، اسلوب قرآن میں برائی سے یہی حرام مراد ہے، اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراء میں قتل اولاد، زنا کے قریب جانے اور قتل نفس وغیرہ سے منع کرنے کے بعد فرمایا:

﴿كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا﴾ (الاسراء: ۳۸)

''ان سب کی برائی تیرے رب کے ہاں مکروہ ہے۔'' یعنی حرام ہے۔

اور اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ شافعی کے کلام میں اس مسئلے میں کراہت سے یہی معنی (حرام) مراد ہے: ان کے مذہب سے ہے: نہی میں اصل تحریم ہے، مگر جو دلیل کسی پر دلالت کرے کہ وہ کسی دوسرے معنی کے لیے ہے، جیسا کہ انھوں نے اس کی اپنے رسالے "جماع العلم" (ص ۱۲۵) میں اور اسی طرح اپنی کتاب "الرسالۃ" (ص ۳۴۳) میں صراحت کی ہے، اور جس نے بھی اس مسئلے کا اس کے دلائل کے ساتھ مطالعہ کیا ہے اس کو معلوم ہے، کہ ایسی کوئی دلیل نہیں ملتی جو بعض گزشتہ احادیث میں وارد نہی کو تحریم کے علاوہ کوئی اور معنی دیتی ہو، کس طرح جبکہ دوسری احادیث تاکید پیدا کرتی ہیں کہ وہ تحریم کے لیے ہے جیسا کہ بیان گزرا، اسی لیے میں قطعی طور پر کہتا ہوں کہ تحریم ہی شافعی کا مذہب ہے، خاص طور پر کہ انھوں نے کراہت کی صراحت کی کہ انھوں نے بعد میں حدیث ذکر کی:

((قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ))

''اللہ یہود و نصاریٰ کو ہلاک کرے انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔''

جیسا کہ بیان ہوا، تب کوئی ابہام نہ رہا جب حافظ عراقی ...... جو شافعی المذہب ہیں ...... نے قبر پر مسجد بنانے کی حرمت کی تصریح کی۔

پھر ہمارے شیخ نے اسی کتاب پر ص (۴۰۔۴۶) میں بیان کیا:

۲:......حنفیہ کا مذہب ہے کہ ''یہ مکروہ تحریمی ہے''

اس معنی شرعی کے ساتھ کراہت سے مراد تحریم ہے حنفیہ نے اسی معنی کو بیان کیا ہے، ابوحنیفہ کے شاگرد امام محمد نے اپنی کتاب "الآثار" (ص ٤٥) میں بیان کیا:

''ہم نہیں سمجھتے کہ قبر سے نکلی ہوئی مٹی سے کوئی زیادہ مٹی ڈالی جائے، اور ہم قبر کو پختہ کرے یا اس کی لپائی کرنے یا اس کے نزدیک مسجد بنانے کو مکروہ جانتے ہیں۔''

حنفیہ کے نزدیک جب کراہت مطلق طور پر ہو تو وہ تحریم کے لیے ہے، جیسا کہ وہ ان کے ہاں معروف ہے، اور ان میں سے ابن الملک نے اس مسئلے میں تحریم کی صراحت کی ہے۔

۳:......مالکیہ کا مذہب ہے کہ ''وہ حرام ہے''

امام قرطبی نے اپنی ''تفسیر'' (۳۸/۱۰) میں پانچویں حدیث ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

''ہمارے علماء نے بیان کیا: یہ مسلمانوں پر حرام ہے کہ وہ انبیاء اور علماء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیں۔''

۴:......حنابلہ کا مذہب ہے کہ ''وہ حرام ہے''

حنابلہ کا مذہب بھی تحریم ہے جیسا کہ "شرح المنتهى" (۱/ ۳۵۳) وغیرہ میں ہے، بلکہ ان میں سے بعض نے قبروں پر بنائی گئی مساجد میں نماز کے بطلان کی صراحت کی ہے اور انہیں گرادینے کے وجوب کی صراحت کی ہے، ابن القیم نے "زاد المعاد" (۳/ ۲۲) میں اس بیان کے سلسلے میں بیان کیا جو فقہ وفوائد کے حوالے سے غزوہ تبوک کو متضمن ہے، اور انھوں نے اسے اس مسجد ضرار کے قصے کے ذکر کرنے کے بعد بیان کیا جس میں نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو منع فرمایا اور آپ ﷺ نے اسے گرادیا اور اسے جلادیا، انہوں نے کہا:

''ایسی جگہوں کو جلانا اور گرانا جہاں اللہ اور اس کے رسول کی معصیت ہوتی ہو اسی ضمن سے ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد ضرار کو جلایا اور اسے گرانے کا حکم فرمایا حالانکہ وہ مسجد ہے جہاں نماز پڑھی جاتی ہے، اور اس میں اللہ کے نام کا ذکر کیا جاتا ہے، جبکہ اس کی تعمیر مومنوں کو نقصان پہنچانے اور ان کے درمیان تفرقہ ڈالنے کے لیے تھی اور وہ منافقوں کا ٹھکانا تھا، ہر جگہ جس کی یہ حالت ہو تو امام/حکمران ❶ پر واجب ہے کہ وہ اسے معطل کرے، خواہ گرا کر یا جلا کر یا اس کی صورت بدل کر یا اسے اس چیز سے نکال کر جس کے لیے وہ وضع کی گئی۔ جب مسجد ضرار کی یہ حالت ہے تو پھر شرک کے اڈے

❶ میں نے کہا: اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ غیر امام (حکمران) پر واجب نہیں، اور اس کے مثل جو اس کے قائم مقام ہو، اور نظیر صحیح اس کا تقاضا کرتی ہے، کیونکہ اگر اس (حکمران) کے علاوہ کسی نے یہ کام کیا تو پھر مسلمانوں کے درمیان ہونے والے مفاسد اور فتنے اس مصلحت سے زیادہ ہوں گے جن کے حصول کا ارادہ ہے۔ (منہ)

جن کے مجاور ان میں موجود چیزوں (مدفون حضرات) کو اللہ کو چھوڑ کر اس کے مثل بنانے کی طرف دعوت دیتے ہیں اس گرائے (جاتے/ جلائے جاتے) کے زیادہ حق دار ہیں اور یہ زیادہ واجب ہے، اسی طرح گناہوں اور نافرمانی کی جگہیں، جیسے میکدے اور برائیوں کے منتظم وغیرہ، عمر بن خطاب نے اس پوری بستی کو جلادیا تھا جہاں شراب فروخت ہوتی تھی اور انھوں نے رویشد ثقفی ❶ کی شراب کی دکان جلادی تھی اور اس کا نام فویسق رکھا، اور انھوں نے سعد کے محل ❷ کو جلادیا جب وہ رعایا سے الگ ہو کر اس میں رہتے تھے، اور رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے گھروں کو جلانے کا قصد کیا تھا جو نماز باجماعت اور جمعہ ❸ میں نہیں آتے تھے، لیکن آپ نے اس لیے انہیں نہ جلایا کہ ان میں خواتین اور بچے تھے جن پر وہ واجب نہ تھا، جیسا کہ آپ نے اس کے متعلق بیان کیا ❹ اور اس میں ہے کہ کسی اور کی نیکی اور قربت پر وقف صحیح نہیں جیسا کہ اس مسجد کا وقف صحیح نہیں، اسی طرح اس مسجد کو گرادیا جائے گا جب وہ کسی قبر پر بنائی جائے گی، جیسا کہ اس میت کو قبر سے نکال لیا جائے گا جب اسے مسجد میں دفن کیا جائے گا، امام احمد اور دیگر نے اس کی صراحت کی ہے، پس دین اسلام میں مسجد اور قبر اکٹھے نہیں ہو سکتے، بلکہ ان دونوں میں سے جو بھی دوسرے پر پیش آئے گا اس سے روکا جائے گا، اور حکم پہلے کے لیے ہوگا، خواہ ایک ساتھ وضع ہوں جائز نہیں، یہ وقف صحیح ہے نہ جائز اور نہ اس مسجد میں نماز درست ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے، اور قبر کو سجدہ گاہ بنانے والے یا دہاں چراغاں ❺ کرنے والے پر لعنت کی ہے۔ یہ دین اسلام ہے جس کے ساتھ اللہ نے اپنے رسول اور

---

❶ دولابی نے "الکنی" (۱/ ۱۸۹) میں ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف کے حوالے سے روایت کیا، انھوں نے کہا: میں نے عمر کو دیکھا انھوں نے رویشد ثقفی کے گھر کو جلایا حتیٰ کہ وہ انگارے یا کوئلے کی طرح ہوگیا، وہ ہمارا پڑوسی تھا اور شراب بیچتا تھا، اس کی سند صحیح ہے اور عبدالرزاق نے اسے صفیہ بنت ابوعبید سے روایت کیا جیسا کہ وہ "الجامع الکبیر" (۳/ ۲۰۴/ ۱) میں ہے اور ابوعبید نے "الأموال" (ص ۱۰۳) میں ابن عمر سے روایت کیا اور اس کی سند بھی صحیح ہے۔ (منہ)

❷ اس سے مراد محل کا دروازہ ہے اور اس قصے کو عبداللہ بن المبارک نے "الزھد" (۱۷۹/ ۱) میں تفسیر "الکواکب الدراری" (۵۷۵ اور رقم ۵۱۳۔۵۱۸ط) سے روایت کیا ہے اور احمد نے (رقم ۳۹۰) ایسی سند سے روایت کیا جس کے راوی ثقہ ہیں۔ (منہ)

❸ متفق علیہ من حدیث ابی هريرة، اور وہ صحیح ابی داؤد (۵۵۷، ۵۵۸) میں منقول ہے۔

تنبیه:...... حدیث جمعہ ایک دوسری حدیث ہے جو ابن مسعود سے مرفوع مروی ہے۔ اسے صرف مسلم نے روایت کیا ہے، بخاری نے روایت نہیں کیا۔ (منہ)

❹ میں نے کہا: یہ اگر چہ معقول ہے، لیکن اس کی سند آپ ﷺ سے صحیح نہیں، کیونکہ اس میں ابومعشر نجیح المدنی اپنے سوء حفظ کی وجہ سے ضعیف ہے، بلکہ اس کی حدیث منکر ہے، جیسا کہ میں نے اسے تخریج المشکاۃ (۱۰۷۳)، دوسری تحقیق، میں بیان کیا ہے۔ (منہ)

❺ وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کی طرف اشارہ کرتے ہیں: ''اللہ قبروں کی زیارت کرنے والیوں اور ان پر مساجد بنانے اور وہاں چراغاں کرنے والوں پر لعنت کرے۔'' اسے ابوداؤد و دیگر نے روایت کیا، لیکن اس کی سند ضعیف ہے، بہت سے سلفیوں نے اسے بڑے شوق ⇦⇦⇦

اپنے نبی کو مبعوث فرمایا، جبکہ میں اسے لوگوں کے درمیان اجنبی محسوس کرتا ہوں جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔"

ہم نے جو نقل کیا اس سے واضح ہوتا ہے کہ مذاہب اربعہ اس پر متفق ہیں جو گزشتہ احادیث سے مستفاد ہوتا ہے، وہ ہے قبروں پر مساجد بنانے کی تحریم، اور اس پر علماء کا اتفاق اس شخصیت نے نقل کیا جو ان کے اقوال، ان کے اتفاق کے مواقع اور ان کے اختلاف کے متعلق سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ وہ ہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، آپ رحمہ اللہ سے یوں سوال کیا گیا:

کیا اس مسجد میں نماز پڑھنا صحیح ہے جہاں قبر ہو، اور لوگ با جماعت نماز اور جمعہ کے لیے وہاں اکٹھے ہوں گے

⇐⇐ سے ذکر کیا ہے، حق یہ ہے کہ حق کہا جائے اور اس کی اتباع کی جائے، متقدمین میں سے جس نے اسے ضعیف قرار دیا وہ امام مسلم ہیں، انھوں نے کتاب التفصیل میں بیان کیا: "یہ حدیث ثابت نہیں، ابو صالح باذام کی روایت سے لوگوں نے احتراز کیا ہے، اس کا ابن عباس سے سماع ثابت نہیں۔"

ابن رجب نے اسے "الفتح" میں نقل کیا ہے جیسا کہ "الکوکب" (٦٥/ ٨٢/ ١) میں ہے۔

میں نے "الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيئ في الأمة" (رقم ٢٢٥) میں اس روایت کا ضعف ذکر کیا ہے، میں نے وہاں ذکر کیا کہ چراغاں کرنے کے علاوہ وہ روایت "صحيح لغيره" ہے کیونکہ وہ (چراغاں کرنے کے الفاظ) منکر ہیں وہ صرف اسی ضعیف طریق سے بیان ہوئے ہیں۔

اس حدیث کے متعلق مجھے ایک سنگین غلطی کا پتہ چلا ہے، ایک کتاب "القول المبين" میں (ص ٧٩) پر معاصر سلفی علماء میں سے ایک فاضل شخصیت نے یوں بیان کیا ہے: "یہ حدیث اگرچہ اس کی سند میں اصحاب السنن کے ہاں کچھ کلام ہے، حاکم کے ہاں اس کی اسناد اس کلام سے خالی ہے، کیونکہ حاکم کا طریق ان کے طریق سے الگ ہے۔"

میں نے کہا: اس حدیث کا حاکم اور ان کے علاوہ کسی اور محدث کے نزدیک مدار ابو صالح عن ابن عباس پر ہے، حاکم (۱/۳۷۴) نے اس کے بعد فرمایا: "ابو صالح وہ باذام ہے دونوں نے اس سے حجت نہیں لی۔" میں نے کہا: وہ جمہور ائمہ کے نزدیک ضعیف ہے، صرف العجلی اکیلے نے اس کی توثیق کی ہے، جیسا کہ حافظ نے "التهذيب" میں بیان کیا اور العجلی توثیق میں ابن حبان کی طرح اپنے تساہل میں مشہور ہیں اور ہم نے اس حدیث کے لیے کوئی اور طریق نہیں پایا کہ ہم اس کے ذریعے اس کو قوی قرار دے سکیں جبکہ ہم اس کے متعلق مزید بحث کر چکے ہیں۔

ہو سکتا ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس سے کلام کے ذریعے بعض شواہد مراد ہوں جنھیں میں نے وہاں ذکر کیا ہے، لیکن وہاں چراغاں کا ذکر اصلاً نہیں ہے، وہ وہم در وہم ہے۔ (منه)

میں نے کہا: وہاں میری دو شرحیں ہیں:

اول: ان کا کہنا: "امام مسلم فی کتاب "التفصيل" اسی طرح ابن رجب کی "فتح الباري" (٢/ ٤٥٢) میں واقع ہوا ہے اور اس کا درست یہ ہے: "تفصيل السنن" وہ ان کی مفقود کتب میں سے ہے، میری کتاب "الإمام مسلم ومنهجه في الصحيح" (۱/۲۴۷) دیکھیں۔

دوم: شیخ السابق نے علمی گرفت کی، وہ صرف میری کتاب "القول المبين" کے لیے ہے، الطبعہ میں جس کی ترتیب سے فارغ ہونے کے بعد میں نے ایک حدیث کے لفظ کی تصحیح سے مراجعت کی: "والسرج" شیخ رحمہ اللہ رحمة واسعة نے اس طرف اشارہ کیا اور میں نے اس پر بہت اچھی چیزوں کا اضافہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ خیر و عافیت کے ساتھ اسے مکمل کرنا اور نشر کرنا آسان فرمائے۔

یا نہیں؟ کیا قبر کو برابر رکھا جائے گا، یا اس پر کوئی رکاوٹ/ پردہ یا کوئی دیوار بنائی جائے گی؟ آپ نے جواب دیا: الحمد للہ! ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ قبر پر مسجد نہیں بنائی جائے گی، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''تم سے پہلے لوگ قبروں کو سجدہ گاہ بنایا کرتے تھے، سن لو تم قبروں کو سجدہ گاہ/ مساجد نہ بناؤ، میں تمھیں اس سے منع کرتا ہوں۔''

اور یہ کہ میت کو مسجد میں دفن کرنا جائز نہیں، اگر مسجد دفن سے پہلے ہو تو اسے بدل دیا جائے گا یا تو قبر کو برابر کر کے یا اسے اکھاڑ کر اگر وہ نئی ہو، پس اگر مسجد قبر کے بعد بنائی گئی ہو تو مسجد کو ختم کیا جائے گا یا پھر قبر کی صورت ختم کر دی جائے گی، وہ مسجد جو قبر پر ہو اس میں فرض پڑھے جائیں گے نہ نفل، کیونکہ اس سے منع کیا گیا ہے۔'' اسی طرح آپ (شیخ الاسلام) کے ''فتاویٰ'' (۱/ ۱۰۷، ۲/ ۱۹۲)، میں ہے۔

مصر میں دار الافتاء نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے اس فتویٰ کو اختیار کیا ہے، میں نے انھیں کے ایک فتویٰ میں اسے نقل کیا ہے جس میں مسجد میں دفن کرنے کے عدم جواز کی صراحت ہے، جو اس کا مطالعہ کرنا چاہے تو وہ ''مجلہ الازہر'' (ج ۱۱ ص ۵۰۱۔ ۵۰۳) دیکھے۔ [1]

اور ابن تیمیہ نے "الإختیارات العلمیة" (ص ۵۲) میں بیان کیا:

''قبروں پر چراغاں کرنا اور ان پر مساجد بنانا حرام ہے، انھوں نے اسے بیان کیا اور اس کے ہٹانے کی تعیین فرمائی، اور میں معروف علماء کے درمیان اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں دیکھتا۔''

اور ابن عروہ حنبلی نے "الکواکب الدراری" (۲/ ۲٤٤/ ۱) میں اسے نقل کیا اور اسے تسلیم کیا۔

اور ہم اسی طرح دیکھتے ہیں کہ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے جو قبروں پر مساجد بنانے کی حرمت پر احادیث دلالت کرتی ہیں، پس ہم مومنوں کو ان کی مخالفت کرنے اور ان کے طریق سے بغاوت کرنے سے اس اندیشے کے پیش نظر ڈراتے ہیں کہ کہیں اللہ عزوجل کے اس فرمان کی وعید ان کو اپنی لپیٹ میں نہ لے لے:

﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۚ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ (النساء: ۱۱۵)

''جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا اور مومنوں کی راہ کے علاوہ کوئی اور راہ تلاش کرے گا تو وہ جدھر پھرنا چاہے گا ہم اسے ادھر ہی پھیر دیں گے اور اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔''

---

[1] اس رسالے میں ایک اور بحث ''قبروں پر عمارت بنانے کی مطلق طور پر حرمت'' کے بارے میں موجود ہے۔ دیکھیے جلد ۱۹۳۰ء ص: ۳۵۹۔ ۳٦٤ (منہ)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾ (ق : ۳۷)

''بے شک اس میں ایسے شخص کے لیے نصیحت ہے جس کے پاس دل ہو یا اس نے پوری توجہ سے بات سنی۔''

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الثمر المستطاب" (۱/ ۴۷۹۔۴۸۳) ''احکام المساجد'' میں بیان فرمایا:

چہارم: یہ کہ اس (مسجد) کو قبر پر نہ بنائے کیونکہ وہ حرام ہے، اس حوالے سے جسے عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا، انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مرض میں جس سے آپ صحت یاب نہ ہو سکے، فرمایا: ''اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے، انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔'' انھوں نے فرمایا: ''اگر یہ نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھلی جگہ بنائی جاتی، اس بات کا اندیشہ تھا کہ اسے مسجد/سجدہ گاہ نہ بنالیا جائے۔'' ❶

اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا لَعَنَ اللّٰهُ قَوْمًا اتَّخَذُوا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ .)) ❷

''اللہ! میری قبر کو بت نہ بنا دینا، اللہ ایسے لوگوں پر لعنت کرے جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔''

پہلی حدیث عائشہ سے ہے جبکہ دوسری روایت ابو ہریرہ سے ہے، جبکہ وہ دونوں صحیح ہیں۔

ان احادیث میں قبروں پر مساجد بنانے کی حرمت کا بیان ہے، قبروں پر مساجد کے "اتخاذ" سے ''بنانے'' کا معنی لیا گیا ہے جیسا کہ اس کا بیان گزرا ہے، جبکہ بعض روایات میں اس لفظ کی صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے:

((بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا وَ صَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ ، أُولٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .))

''انھوں نے اس کی قبر پر مسجد بنالی اور اس میں وہ مورتیاں بنالیں، وہ قیامت کے دن اللہ کے ہاں بدترین مخلوق ہوں گے۔''

اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

بہت سے علماء کا موقف ہے کہ یہ حرام ہے، امام محمد نے اپنی کتاب "الآثار" (ص ۴۵) میں بیان کیا:

---

❶ حدیث صحیحین میں ہے۔ اس کی "الثمر المستطاب" (۱/ ۳۶۰۔۳۶۱) اور تحذیر الساجد (ص: ۹۔۱۰) میں تخریج کی گئی ہے۔

❷ حدیث صحیح ہے، ''الثمر المستطاب'' (۱/ ۳۶۱) اور تفصیلی صورت میں ''تحذیر الساجد'' (ص ۱۸۔۱۹) میں ہے۔

''ہم (جائز) نہیں سمجھتے کہ اس (قبر) سے جو (مٹی) نکلے اس پر اضافہ کیا جائے اور ہم اسے پختہ بنانے یا اس کی لپائی کرنے اور اس کے پاس مسجد کو بنانے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔''

ان کے نزدیک مطلق طور پر لفظ مکروہ تحریم کے لیے ہوتا ہے، رہے شافعی تو انھوں نے "الأم" (۱/ ۲٤٦) میں بیان کیا:

''میں قبر پر مسجد بنانے کو مکروہ سمجھتا ہوں، انھوں نے فرمایا: میں اسے سنت و آثار کی وجہ سے مکروہ جانتا ہوں، اور انھوں نے اسے مکروہ جانا۔ واللہ اعلم.

اگر کسی مسلمان کی تعظیم کی جائے۔ یعنی: اس کی قبر کو مسجد بنالیا جائے اور اس کے بعد اس بارے میں جو فتنہ اور گمراہی آئے گی اس سے بچا نہیں سکے گا۔''

اور "المجموع" (٥/ ٣١٦) میں ہے:

''شافعی اور اصحاب کی عبارات و اقوال قبر پر مسجد بنانے کی کراہت پر متفق ہیں، خواہ میت نیکی یا کسی اور حوالے سے مشہور ہو اور یہ احادیث کے عموم کے حوالے سے ہے۔''

میں نے کہا: لیکن ان کے نزدیک کراہت تنزیہی ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ: انھوں نے کہا: قبر پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ نووی رحمہ اللہ نے (۳/۱۵۸) فرمایا:

''انھوں نے اسی طرح کہا: ''مکروہ ہے'' اور اگر ابو مرشد اور دیگر کی روایت کے لحاظ سے حرام کہا جائے تو یہ بھی کوئی بعید نہیں۔''

اگر نووی رحمہ اللہ نے اپنے اصحاب کے عمارت بنانے کی کراہت کے متعلق قول جیسی بات کی ہے تو وہ زیادہ حق دار اور زیادہ مناسب ہے، کیونکہ قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی نسبت عمارت سے ممانعت زیادہ سخت اور زیادہ خوفناک ہے، جیسا کہ اس موضوع کے بارے میں وارد احادیث سے آگاہی رکھنے والے پر مخفی نہیں، اسی لیے شیخ الاسلام نے "الاقتضاء" (ص ۱۵۸) میں فرمایا:

''جہاں تک قبروں پر مساجد بنانے کا تعلق ہے تو علماء کی بہت بڑی جماعت نے احادیث کی متابعت کرتے ہوئے اس کی ممانعت کی وضاحت کی ہے، ہمارے اصحاب اور ان کے علاوہ مالک اور شافعی اور ان کے علاوہ دیگر نے اس کی حرمت کی صراحت کی ہے اور علماء میں سے کسی نے اس بارے میں مطلق طور پر لفظ کراہت بیان کیا ہے (گویا کہ وہ شافعی کی طرف اشارہ کر رہے ہوں)، پس میں نہیں جانتا کہ اس سے ان کی مراد مکروہ تنزیہی ہے یا مکروہ تحریمی؟ اور اس کی قطعی حرمت کے بارے میں کوئی شک نہیں۔''

پھر انھوں نے اس باب میں وارد احادیث بیان کیں، اور قرطبی نے اپنی ''تفسیر'' (۱۰/۳۷۹۔۳۸۰) میں بیان کیا جس کا خلاصہ یہ ہے:

''قبروں پر مساجد بنانا، ان میں نماز پڑھنا اور ان پر عمارت بنانا اور اس کے علاوہ وہ چیز جس کی ممانعت کو سنت متضمن ہے وہ ممنوع ہے۔''

پھر انھوں نے عائشہ کی روایت ذکر کی، پھر فرمایا:

''ہمارے مالکی علماء نے بیان کیا: یہ مسلمانوں پر حرام ہے کہ وہ انبیاء اور علماء کی قبروں کو مساجد بنالیں۔''

اور شیخ الاسلام نے بھی سورۃ الاخلاص کی تفسیر (ص ۱۶۸) میں فرمایا:

''علماء نے فرمایا: قبروں پر مساجد بنانا حرام ہے، قبر پر بنائی گئی ہر مسجد کو گرانا واجب ہے اور اگر میت کو مسجد میں دفن کیا گیا ہو اور اس پر عرصہ دراز بیت گیا ہو تو قبر کو برابر کر دیا جائے گا حتیٰ کہ اس کی صورت ظاہر نہ ہو، شرک تب ہوتا ہے جب اس کی صورت ظاہر ہو، اس لیے کہ مسجد النبی ﷺ شروع میں مشرکوں کا قبرستان تھا اور وہاں کھجوروں کے درخت اور کچھ ویرانہ بھی تھا، آپ نے قبروں کے متعلق فرمایا تو انھیں اکھاڑ دیا گیا، کھجوروں کے درخت کاٹ دیے گئے اور ویرانے کو برابر کر دیا گیا، اب وہ قبرستان نہ رہا بلکہ مسجد بن گئی، جب قبروں کو مساجد بنانا اور ان پر مساجد بنانا حرام ہوا، تو صحابہ اور تابعین کے دور میں ایسی کوئی چیز نہ تھی اور کسی قبر پر کوئی مسجد بالکل معروف نہ تھی۔''

کبھی یہ وہم ڈالا جاتا ہے کہ جس چیز سے روکا گیا ہے وہ صرف دفن کرنے کے بعد قبروں پر مساجد بنانا ہے، یہ نہیں کہ اگر مسجد پہلے بنائی گئی ہو اور قبر اس کی کسی ایک جانب بنائی جائے تاکہ اس میں مسجد وقف کرنے والے کو یا اس کے علاوہ کسی اور کو دفن کیا جائے، شوکانی نے (۴/۱۱۴) فرمایا:

''العراقی نے فرمایا: ظاہر ہے کہ اس میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ جب مسجد بنائی گئی ہو تو یہ قصد کیا گیا کہ کسی شخص کو اس کے کسی حصے میں دفن کیا جائے گا تو وہ بھی لعنت میں شامل ہے، بلکہ مسجد میں دفن کرنا حرام ہے، خواہ وہ شرط قائم کریں کہ اس میں دفن کیا جائے گا۔ یہ شرط صحیح نہیں، کیونکہ وہ مسجد وقف کرنے کے تقاضے کے خلاف ہے، واللہ اعلم۔''

قبر مصطفیٰ ﷺ کو آپ کی مسجد میں داخل کرنے کے مسئلے کی تفصیل [1]

ہمارے شیخ نے ''الثمر المستطاب'' (۴۸۳ - ۴۸۵) میں بیان کیا:

---

[1] دیکھیں ''تحذیر الساجد'' (ص ۵۸-۵۹)

اگر کہا جائے: نبی علیہ السلام کی قبر کا کیا واقعہ ہے، ہم اب اسے آپ ﷺ کی مسجد میں دیکھتے ہیں؟ میں نے کہا: نووی کی شرح مسلم ❶ میں اس طرح جواب ہے انہوں نے کہا:

''علماء نے بیان کیا: نبی ﷺ نے اپنی قبر اور اپنے علاوہ کسی اور کی قبر کو اس کی تعظیم میں مبالغے اور اس کے ذریعے کسی فتنے کا شکار ہو جانے کے اندیشے کے پیش نظر مسجد (سجدہ گاہ) بنانے سے منع فرمایا، بسا اوقات یہ چیز کفر تک پہنچا دیتی ہے جیسا کہ بہت سی سابقہ امتوں میں ایسے ہوا، جب صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین نے رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں توسیع کی ضرورت محسوس کی، جس وقت مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی اور اضافہ یہاں تک پہنچ گیا کہ امہات المومنین کے گھر اس میں شامل کر لیے گئے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ بھی انہی میں سے ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے دو صحابہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا مدفن بھی ہے، انہوں نے اس قبر کے گرد ایک بلند دیوار کھڑی کر دی تا کہ وہ مسجد میں ظاہر نہ ہو کہ لوگ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں۔ اور اس کا انجام ونتیجہ وہ نکلے جس سے منع کیا گیا ہے، پھر انہوں نے قبر کے دو شمالی کونوں کی طرف دو دیواریں بنائیں اور ان کو ٹیڑھا کر دیا حتیٰ کہ وہ مل گئیں تا کہ کسی کے لیے قبر کی طرف رخ کرنا ممکن نہ رہے، اسی لیے عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''اگر یہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر کسی کھلی جگہ بنائی جاتی لیکن اس بات کا اندیشہ تھا کہ اسے مسجد نہ بنا لیا جائے۔''

انہوں نے اس واقعہ میں جو صحابہ کا ذکر کیا ہے وہ محل نظر ہے، اگرچہ عینی نے "العمدة" (۲/ ۳۵۳) میں ان کی متابعت کی ہے، یہ کسی ایک بھی صحابی کی موجودگی میں نہیں ہوا، ابن عبدالهادی نے "الصارم المنکی" ❷ (ص ۱۳۶-۱۳۷) میں بیان کیا:

''خلفاء راشدین اور صحابہ کے دور میں آپ کا حجرہ مسجد سے باہر تھا، ان میں اور اس کے درمیان صرف ایک دیوار تھی، پھر ولید بن عبدالملک کی خلافت میں مدینہ میں موجود صحابہ کی وفات کے بعد حجرے کو مسجد میں شامل کیا گیا، مدینے میں جابر بن عبداللہ سب سے آخر پر فوت ہوئے، اور انہوں نے عبدالملک کی خلافت میں وفات پائی، وہ ۷۸ ہجری میں فوت ہوئے اور ولید ۸۶ ہجری میں حکمران بنا اور اس نے ۹۶ ہجری میں وفات پائی۔ پس مسجد کی تعمیر اور حجرے کا اس میں شامل کرنا اس عرصے کے درمیان ہوا، ابوزید عمر بن شبة النمیری نے کتاب "اخبار المدینة" ❸ مدینۃ الرسول ﷺ میں

❶ ہمارے شیخ نے اسے "تحذیر الساجد" (۶۵-۶۷) میں نقل کیا ہے۔

❷ ہمارے شیخ نے اسی طرح اسے تحذیر الساجد" (ص ۵۹-۶۴) میں نقل کیا ہے۔

❸ اسی عنوان سے طبع شدہ ہے مگر اس کے عنوان میں "المنورة" کا اضافہ ہے۔ اور اضافہ ناشر یا محقق کی جانب سے ہے!

اپنے شیوخ سے اور ان سے جس سے انہوں نے بیان کیا: کہ جب ۹۱ ہجری میں عمر بن عبدالعزیز مدینے پر ولید کے نائب تھے، انہوں نے مسجد کو گرا دیا اور اسے منقش پتھروں سے تعمیر کیا اور اس کی چھت پر ساگوان کی لکڑی اور سونے کے پانی کا کام کرایا اور نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کے حجرے گرا کر مسجد میں شامل کرا دیئے اور اس طرح قبر بھی اس میں شامل کر دی۔''

پھر ابن عبدالہادی نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے ذکر کیا:

''جب ولید نے مسجد میں توسیع کی اور حجرے کو اس میں شامل کر دیا گیا، تو اس وقت زیادہ تر صحابہ وفات پا چکے تھے، صرف وہی باقی بچا تھا جس نے نبی ﷺ کو دیکھا لیکن وہ اس سن تمیز کو نہ پہنچا تھا جس میں نماز اور طہارت کا حکم دیا جاتا ہے، اور یہ تواتر سے معلوم ہے کہ یہ ولید بن عبدالملک کی خلافت میں تھا، ❶ اور انہوں نے ذکر کیا کہ یہ ۹۱ ہجری میں تھا، عمر بن عبدالعزیز نے اس کی تعمیر میں تین سال لگائے اور ۹۳ ہجری میں بہت سے تابعین نے وفات پائی، مثلاً سعید بن مسیب اور فقہاء سبعہ میں سے دیگر نے، اور اسے ''سنة الفقهاء'' کہا جاتا ہے۔''

بہر حال! انہوں نے مسجد کی توسیع کی ضرورت کے پیش نظر رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر کو آپ کی مسجد میں شامل کیا، اور ظاہر ہے کہ انہوں نے مسجد میں توسیع کی خاطر دیگر سمتوں میں کوئی جگہ نہ پائی، عمر و عثمان رضی اللہ عنہما نے قبلہ کی سمت اس میں توسیع کی، وہ مزید توسیع کے لیے حجروں کی طرف سے جگہ لینے کے لیے مجبور تھے، اس طرح آپ کی قبر مسجد شریف میں داخل ہوگئی، لیکن انہوں نے ...... اس عمل کی ضرورت کے باوجود...... اس معاملے میں بہت احتیاط کی، انہوں نے احتیاط کے پیش نظر بڑی اونچی دیواروں کے ذریعے قبر کو مسجد سے بالکل الگ کر دیا، جیسا کہ نووی کے حوالے سے اس کا ذکر گزر رہا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ہمارے شیخ نے ''التحذير الساجد'' (ص۶۴) میں بیان کیا:

ہم نے جو نقل کیا اس سے ہمیں واضح ہوتا ہے کہ قبر شریف کو اس وقت مسجد نبوی میں داخل کیا گیا جس وقت مدینہ میں کوئی ایک بھی صحابی نہ تھا اور یہ ان کی غرض کے خلاف تھا جس کا انہوں نے آپ ﷺ کو آپ کے حجرے میں دفن کرتے وقت قصد کیا تھا۔

ہمارے شیخ نے اپنی کتاب ''تحذير الساجد'' (ص۶۷) کی چوتھی فصل (شبہات اور ان کا جواب) کو پانچویں وجہ کے ساتھ ختم کیا۔ سلف سے قبروں کی عدم تعظیم اور انہیں مساجد نہ بنانے کا عمل تسلسل کے ساتھ جاری رہا ہے، کیونکہ علت و سبب...... وہ ہے فتنے کا شکار ہونا...... باقی ہے وہ سبب ختم نہیں ہوا، اور انہوں نے اس بارے میں

---

❶ التعليقات الحسان على صحيح ابن حبان'' (۸/ ۲۱۰-۲۱۱) بھی دیکھیں۔

اٹھارہ آثار اور حدیثیں بیان کی ہیں۔

پھر آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے (ص۹۸-۱۰۰) فرمایا:

جان لیجئے کہ یہ آثار اگرچہ ان کی دلالت مختلف ہے، لیکن وہ مجموعی طور پر ہر اس چیز کی ممانعت پر متفق ہیں جن سے قبروں کی تعظیم ظاہر ہوتی ہو اور اس سے فتنے اور گمراہی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو، جیسے قبروں پر مساجد اور قبے بنانا، ان پر خیمے نصب کرنا، انہیں شرعی حد سے زیادہ اونچا کرنا، ان کی طرف سفر کرنا ❶ اور وہاں بار بار جانا اور انہیں چھونا اور ان پر ہاتھ پھیرنا، جیسے انبیاء علیہم السلام کے آثار سے برکت حاصل کرنا اور اس طرح کے دیگر امور، پس یہ سارے امور ان سلف کے نزدیک مشروع نہیں جنہیں ہم صحابہ وغیرہم کا نام دیتے ہیں، اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ سب قبروں پر مساجد بنانے اور ان کی غیر مشروع تعظیم بجالانے کی ممانعت کی علت کے باقی ہونے کا موقف رکھتے تھے، آگاہ رہو وہ گمراہی اور فوت شدگان کے ذریعے کسی فتنے کا شکار ہونے کا اندیشہ ہے، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت کی جیسا کہ بیان گزر چکا ہے، اس دلیل کے ساتھ کہ اس علت کے حکم معلول کے متعلق قول پر ان کا استمرار ہے، کیونکہ ان دونوں میں سے ایک کی بقاء دوسرے کی بقاء کو مستلزم ہے، جیسا کہ بالکل واضح ہے، اور یہ اس کی نسبت سے ہے جس نے ان میں سے قبروں پر مساجد بنانے کی کراہت کی تصریح ظاہر کی ہے، رہے وہ حضرات جنہوں نے اس کے علاوہ کسی اور چیز سے نہی کی صراحت کی ہے، مثلاً قبر کو اونچا بنانا اور اس پر خیمہ وغیرہ نصب کرنا اور اس طرح کا کوئی کام جسے ہم نے ابھی ذکر کیا، پس وہ حکم مذکور کے باقی رکھنے کو بدرجہ اولیٰ باقی رکھنا قرار دیتے ہیں، اور یہ دو وجہ سے ہے:

اوّل: یہ کہ قبروں پر مساجد بنانا قبروں کو اونچا بنانے اور ان پر خیمے نصب کرنے سے زیادہ جرم ہے، اس لیے کہ قبروں پر مساجد بنانے کے بارے میں لعنت وارد ہے، جبکہ انہیں اونچا بنانے اور ان پر خیمے نصب کرنے پر لعنت وارد نہیں۔

دوم: ان سلف میں فہم و علم پایا جاتا ہے، تو جب ان میں سے کسی ایک سے کسی چیز کے بارے میں ممانعت ثابت ہو جائے وہ اس سے کم درجہ کی ہے جس سے شارع نے منع کیا ہے، اور وہ ممانعت ان میں سے کسی ایک سے منقول نہیں تو ہم قطعی طور پر کہیں گے کہ وہ بھی ممنوع ہے، حتیٰ کہ اگر فرض کر لیں کہ وہ ممانعت اس تک نہیں پہنچی، کیونکہ اس کی علاوہ چیز سے نہی بدرجہ اولیٰ لازم آتی ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

---

❶ یعنی (مخصوص) قبروں کی بکثرت زیارت کرنا، یہ بات آپ ﷺ کے اس فرمان سے معلوم ہوتی ہے۔ اللھم لا تجعل قبری عیدا.
''اے اللہ! میری قبر کو عید (میلہ/عرس) نہ بنانا۔'' (منہ)

ثابت ہوا کہ اس علت مذکورہ کے خاتمے کے متعلق قول اور جو کچھ اس پر استوار ہے سب باطل ہے، کیونکہ وہ سلف صالحین رضی اللہ عنہم کے خلاف ہے اور وہ صحیح احادیث سے متصادم ہے۔ واللہ المستعان

قبروں پر بنائی گئی مساجد میں نماز پڑھنے کا مسئلہ

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنی علمی کتاب "الثمر المستطاب" (۱/ ۳۷۴-۳۸۲) میں بیان فرمایا:

''جان لیجئے کہ حدیث اول ❶ قبروں پر مساجد بنانے کی حرمت کے متعلق بتاتی ہے، اور ان میں نماز پڑھنے کی حرمت بدرجہ اولیٰ لازم آتی ہے، کیونکہ وہ...... جیسا کہ ظاہر ہے...... ذریعے سے ممانعت کی قبیل سے ہے۔ اور وہ تعمیر کرنا۔ تاکہ غایت متحقق نہ ہو۔ اور وہ اس عمارت میں عبادت کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کی معصیت پر قائم کی گئی ہے، اس کے علاوہ اس پر سے اعتقادی مفاسد جنم لیتے ہیں جیسا کہ وہ ہو رہا ہے۔''

رہی دوسری حدیث ❷ تو وہ پہلی سے زیادہ عموم رکھتی ہے، کیونکہ وہ اپنے الفاظ کے ساتھ ذریعے اور غایت کو شامل ہے، پس کسی جگہ کو مسجد بنانے کا معنی اس میں نماز پڑھنا ہے، ❸ اور اس پر عمارت بنانے کا اس کا معنی اس میں نماز پڑھنے اور سجدے کرنے کی خاطر ہے، لہٰذا یہ دونوں لازم وملزوم ہیں جیسا کہ المناوی نے اسے "الفیض" میں بیان کیا ہے، اور بدیہی طور پر معلوم ہے کہ یہود و نصاریٰ پر اس لیے لعنت کی گئی کہ انہوں نے وہ مساجد اس لیے بنائیں تاکہ وہ ان میں نماز پڑھیں، تو جس نے کسی ایسی مسجد میں نماز پڑھی جس میں قبر ہے خواہ اس نے قبر کا قصد نہ کیا تو اس نے ان لوگوں سے مشابہت کی جن پر غضب ہوا اور وہ گمراہ ہوئے، جبکہ عام و خاص نصوص میں ان سے

---

❶ وہ صحیحین میں روایت عائشہ ہے:

''وہ اس طرح کے تھے کہ جب ان کا کوئی صالح شخص فوت ہو جاتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد بناتے اور اس میں وہ مورتیاں بناتے تھے، وہ قیامت کے دن اللہ کے ہاں بدترین مخلوق ہوں گے۔'' الثمر المستطاب" (۱/ ۳۷۳) اور "تحذیر الساجد" (ص: ۱۳).

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے وہاں "فتح الباری" میں موجود حافظ ابن رجب رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے: ''یہ صالحین کی قبروں پر مساجد بنانے اور ان میں ان کی مورتیاں بنانے کی حرمت پر دلالت کرتا ہے، جیسا کہ نصاریٰ کرتے ہیں، ان دونوں میں سے ہر عمل الگ طور پر حرام ہے، پس آدمیوں کی مورتیاں بنانا حرام ہے اور قبروں پر مساجد بنانا بھی حرام ہے......''

❷ وہ صحیح مسلم (۵۳۲) میں جندب بن عبداللہ البجلی کی روایت کے حوالے سے ہے اور اس میں ہے: ''سن لو تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء اور اپنے صالحین کی قبروں کو مساجد بنایا کرتے تھے، سن لو تم قبروں کو مساجد نہ بنانا، میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔'' اسے "الثمر (۱/ ۳۷۳) اور "تحذیر الساجد" (ص۱۵) میں دیکھیں۔

❸ شیخ الاسلام نے الاقتضاء (۱۵۹) میں فرمایا: جس جگہ نماز پڑھنے کا قصد کیا جائے اسے مسجد ٹھہرانا ہے، بلکہ ہر جگہ جہاں نماز پڑھی جائے اسے مسجد کہا جائے گا خواہ وہاں کوئی عمارت نہ ہو جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے لیے ساری زمین کو مسجد اور باعث طہارت بنا دیا گیا ہے۔'' (منہ)

مشابہت اختیار کرنے سے ہمیں منع کیا گیا ہے، اسی لیے علامہ ابن الملک ...... وہ ہمارے حنفی علماء میں سے ہیں ...... نے ابن عباس کی مذکورہ روایت کی شرح میں بیان کیا:

"ان پر مساجد بنانے کو حرام قرار دیا ہے، کیونکہ وہاں نماز پڑھنا یہود کے طریقے کی اتباع کرنا ہے۔" ملا علی قاری نے "المرقاۃ" (۱/ ۴۷۰) میں اسے نقل کیا ہے۔ جو کچھ بیان ہو چکا ہے اس میں اسے بھی شامل کر لینا چاہیے کہ قبروں پر بنائی گئی مساجد میں نماز بسا اوقات نماز پڑھنے والے کو یا عوام و جہلاء میں سے اس کی اقتدا کرنے والے کو بعض عبادات کو جو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں میت کے لیے تخصیص تک پہنچا دیتی ہے، جیسے مدد طلب کرنا اور سجدے، جیسا کہ وہ قبروں پر بنائی گئی مساجد میں زیادہ تر ہوتا ہے، اور یہ چیز مشاہدے میں ہے، لہٰذا اس سے ممانعت سد ذریعہ کے لیے ہے، پس وہ تین مکروہ اوقات میں نماز پڑھنے سے ممانعت کی طرح ہے، بلکہ ان مساجد میں جو بگاڑ ہے، وہ ان اوقات میں نماز پڑھنے سے زیادہ واضح اور زیادہ ظاہر ہے، جیسا کہ حقیقت حال اس کی گواہی دیتی ہے۔"

اور یہ سب اس شخص کے بارے میں ہے جس نے ان مساجد میں نماز پڑھنے کا قصد نہ کیا ہو، رہا قبر والے سے حصول برکت کی خاطر اس کا قصد کرنا اور عقیدہ رکھنا کہ وہاں نماز پڑھنا ان مساجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے جن میں قبر نہیں، تو یہ بعینہٖ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت ہے، اور یہ نماز جس نے اس کے باطل ہونے کے متعلق کہا ہے اس کے قول کے بالکل مطابق (باطل) ہے، جیسا کہ بعض علماء کے حوالے سے بیان آئے گا۔

اپنے دین میں بصیرت رکھنے والے مومن کو اس بات سے تعجب ہوگا کہ اکثر فقہاء اس اہم مسئلے کو خاطر میں نہیں لائے، وہ اس طرح کہ میری معلومات کے مطابق انہوں نے اپنی کتابوں اور اپنے فتاویٰ میں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اسی لیے اس بارے میں حجت واضح ہو جانے پر مقلدین کی اس پر تسلی ہونا مشکل تھا، اور وہ کس طرح اسے اخذ کرتے جبکہ وہ یا ان میں سے اکثر امام کے قول کو ...... بلکہ اس کے کسی اتباع کرنے والے متاخرین میں سے کسی کے قول کو ...... اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان پر مقدم کرتے ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ.

اسی لیے میں نے اس مسئلے کے متعلق کسی خاص صورت میں محقق علماء کے بعض اقوال نقل کرنے کا ارادہ کیا، تاکہ ہماری اس کتاب کو پڑھنے والا جان لے کہ ہم نے دین میں کسی بدعت کو اپنی طرف سے بالکل بیان نہیں کیا، اور ہم سید المرسلین کی احادیث سمجھنے میں بھی پیچھے نہیں رہے، بلکہ وہ ﴿اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ﴾ (البقرۃ: ۱۴۷) "حق تیرے رب کی طرف سے ہے پس تم شک کرنے والوں سے نہ ہو۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس مسئلے کو خاص اہمیت دی، اللہ انہیں تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے

خیر عطا فرمائے، تم ان کی شائد ہی کوئی ایسی کتاب دیکھو گے، جس میں انہوں نے اس مسئلے کو تفصیل یا اختصار کے ساتھ ذکر نہ کیا ہو، اسی لیے میں ان سے موقع ومحل کی مناسبت سے ان کے اقوال اور ان کے فتاویٰ سے کچھ اختصار و تلخیص کے ساتھ نقل کروں گا۔

شیخ (ابن تیمیہ) رحمہ اللہ نے "القاعدة الجليلة في التوسل والوسيلة" (ص ١٦) میں بیان کیا:

"کسی جگہ کو مسجد بنا لینا اسے پانچوں نمازوں وغیرہ کے لیے بنانا ہے جیسا کہ اسی لیے مساجد بنائی جاتی ہیں پس وہ جگہ جو مسجد بنائی جاتی ہے اس میں صرف اللہ کی عبادت اور اس سے دعا کا قصد کیا جاتا ہے نہ کہ مخلوق سے دعا کرنے کا قصد کیا جاتا ہے، آپ ﷺ نے حرام قرار دیا کہ ان کی قبروں کو مساجد بنایا جائے، تاکہ ان میں نماز پڑھنے کا قصد کیا جائے، جیسا کہ مساجد کے لیے قصد کیا جاتا ہے، خواہ اس کا قصد کرنے والا صرف ایک اللہ کی عبادت کا قصد کرتا ہو، کیونکہ یہ قبر والے کی خاطر اس سے دعا کرنے، اس کے ذریعے دعا کرنے اور اس کے پاس دعا کرنے کے لیے اس مسجد کا قصد کرنے کا ذریعہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ کو ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لیے مقرر کرنے سے منع فرمایا تاکہ اسے اللہ کے ساتھ شرک کا ذریعہ نہ بنایا جائے، اور وہ فعل جب اس کا نتیجہ کسی مفسدہ پر منتج ہوتا ہو اور اس میں کوئی راجح مصلحت نہ ہو تو اس فعل سے روکا جائے گا، جیسا کہ ان تین (مکروہ) اوقات میں نماز پڑھنے سے منع کیا ہے کیونکہ ان میں راجح خرابی ہے، اور وہ مشرکوں سے مشابہت اختیار کرنا ہے جو شرک تک پہنچاتا ہے، اور ان اوقات میں نماز کا قصد کرنے میں کوئی قابل ترجیح مصلحت نہیں اس لیے کہ ان اوقات کے علاوہ دیگر اوقات میں نفل پڑھنا ممکن (جائز) ہے۔"

اسی لیے علماء نے سببی نوافل میں اختلاف کیا ہے، ان میں سے بہت ساروں نے ان اوقات میں انہیں جائز قرار دیا ہے، اور وہ علماء کے دو اقوال میں سے زیادہ ظاہر ہے، کیونکہ جب نہی سد ذریعہ کے لیے ہو تو وہ راجح مصلحت کے لیے مباح قرار دی جائے گی، اور ذوات الاسباب کا فعل ان اوقات میں اس کا محتاج ہے، جب اس میں نہ کیا جائے تو وہ چھوٹ جائے گا تو اس کی مصلحت بھی چھوٹ جائے گی، پس اس میں جو راجح مصلحت ہے اس وجہ سے اسے مباح قرار دیا جائے گا اس کے خلاف کہ جس کا کوئی سبب نہ ہو، کیونکہ اس کا اس وقت کے علاوہ کسی اور وقت میں فعل ممکن ہے، اس سے ممانعت سے راجح مصلحت چھوٹ نہیں جاتی اور اس میں ایک خرابی ہے جو اس سے ممانعت کو واجب کرتی ہے، جب آپ کا ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع کرنا شرک کا راستہ بند کرنے کے لیے ہو، تاکہ اس کا انجام سورج کو سجدہ کرنا اور اس سے دعا وسوال کرنا نہ ہو، جیسا کہ سورج، چاند اور ستاروں کی دعوت دینے والے کرتے ہیں، جو ان سے دعا کرتے اور سوال کرتے ہیں، اور یہ معلوم ہے کہ سورج کی طرف

دعوت اور اسے سجدہ کرنا اس نماز پڑھنے سے جس سے منع کیا گیا ہے بذات خود زیادہ حرام ہے، تاکہ اس کا انجام ستاروں سے دعا کرنا نہ ہو، اسی طرح جب انبیاء اور صالحین کی قبروں کو مساجد بنانے سے منع کیا، پس اس کے پاس نماز پڑھنے کا قصد کرنے سے منع کیا تاکہ اس کا انجام ان سے دعا کرنا اور ان کے لیے سجدہ کرنا نہ ہو، ان سے دعا کرنا اور ان کے لیے سجدہ کرنا ان کی قبروں کو مساجد بنانے سے زیادہ حرام ہے۔''

اور شیخ الاسلام نے "الاقتضاء" (۱۵۹) میں فرمایا:

''یہ مساجد جو انبیاء، صالحین اور بادشاہوں کی قبروں پر بنائی گئی ہیں انہیں گرا کر یا کسی اور طرح سے بدلنا لازم ہے، یہ اس میں سے ہے جس بارے میں، میری معلومات کے مطابق، معروف علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، اور میری معلومات کے مطابق ان میں نماز پڑھنے کی کراہت کے بارے میں بھی کوئی اختلاف نہیں، اور مذہب کے واضح دلائل کے مطابق ہمارے نزدیک وہ درست نہیں، اس لیے کہ اس بارے میں ممانعت اور لعنت وارد ہے اور دوسری احادیث، اس مسئلے میں اس میں ایک شخص کے دفن ہونے کے حوالے سے کوئی اختلاف نہیں، ہمارے اصحاب نے مسجد سے الگ قبرستان کے بارے میں اختلاف کیا ہے؟ کیا اس کی حد تین قبریں ہے، یا صرف ایک قبر کے پاس نماز پڑھنے کی ممانعت ہے اگر اس کے پاس کوئی دوسری قبر نہ ہو؟ دو صورتوں پر (میں نے کہا: شیخ الاسلام نے ایک دوسری کتاب میں نہی کو ترجیح دی ہے خواہ ایک قبر کے پاس ہو، اور اس کے متعلق بیان گزر چکا ہے، پھر انہوں نے فرمایا) وہ عمارت جو ابراہیم علیہ السلام کی قبر پر تھی وہ بند تھی، چوتھی صدی تک اس میں کوئی داخل نہیں ہوا، یہ بھی کہا گیا کہ خلفاء کے ساتھ والی کسی خاتون نے اس بارے میں ایک خواب دیکھا تو اس نے اس کو تلاش کیا اور کہا گیا: کہ نصاریٰ جب ان علاقوں پر قابض ہوئے تو انہوں نے اسے تلاش کیا، پھر انہوں نے دوسری فتوحات کے بعد بطور مسجد چھوڑ دیا، ہمارے شیوخ میں سے صاحب فضیلت شخص ان تمام عمارتوں میں نماز نہیں پڑھا کرتے تھے، اور وہ اپنے اصحاب کو ان میں نماز پڑھنے سے منع کرتے تھے، اور وہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کی اتباع اور آپ کی معصیت سے بچنے کے لیے کرتے تھے، جیسا کہ بیان گزر چکا ہے۔'' پھر انہوں نے "الاقتضاء" (ص ۱۹۳) میں فرمایا:

''آپ کا قبروں کو مساجد بنانے سے منع کرنا ان پر مساجد بنانے اور ان کے نزدیک نماز کے قصد کی ممانعت کو شامل ہے، اور وہ دونوں ممنوع ہیں اس پر علماء کا اتفاق ہے، انہوں نے قبروں پر مساجد بنانے سے منع فرمایا، بلکہ اس کی تحریم کی صراحت کی جیسا کہ نص نے اس کی صراحت کی اور اس پر دلالت کی، اور انہوں نے اس پر بھی اتفاق کیا کہ قبروں کے پاس نماز اور دعا کا قصد کرنا بھی مشروع نہیں، مسلمانوں میں سے کسی ایک نے بھی نہیں کہا کہ ان کے پاس نماز اور ان کے پاس دعا کرنا ان

مساجد میں نماز ودعا سے افضل ہے جو قبروں سے خالی ہیں، بلکہ مسلمان علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ان مساجد میں نماز و دعا کرنا جو قبروں پر نہیں بنائی گئیں، ان مساجد میں نماز و دعا سے افضل ہے جو کہ قبروں پر بنائی گئی ہیں، بلکہ ان میں نماز و دعا سے منع کیا گیا ہے اور وہ مکروہ ہے اس پر ان کا اتفاق ہے۔ ان میں سے اکثر نے اس کی حرمت کی تصریح کی ہے، بلکہ اس میں نماز کے ابطال کی صراحت کی ہے خواہ اس میں نزاع ہو، یہاں مقصود یہ ہے کہ یہ واجب ہے نہ مستحب اور اس پر ان کا اتفاق ہے، بلکہ ان کا اس کے مکروہ ہونے پر اتفاق ہے۔''

اور شیخ الاسلام نے "الجواب الباھر فی زوار المقابر" [1] میں فرمایا:

''آپ ﷺ کی مسجد کے علاوہ قبروں پر بنائی گئی مساجد میں نماز پڑھنے کی مطلق ممانعت ہے، کیونکہ اس میں ایک نماز ہزار نماز (کے برابر) ہے، اس کی اساس تقویٰ پر رکھی گئی ہے، اس کی آپ ﷺ کی حیات میں اور آپ کے خلفاء راشدین کی حیات میں حجرے کے اس میں شامل کرنے سے پہلے بھی حرمت تھی۔''

پھر فرمایا:

''اگر کوئی عقیدہ رکھے کہ قبر سے پہلے اس کی کوئی فضیلت نہ تھی، اور جب ولید کی خلافت میں حجرے کو مسجد میں شامل کیا گیا تب اس (مسجد نبوی) کو فضیلت حاصل ہوئی، تو ایسا شخص جاہل اور جہالت میں حد سے بڑھنے والا یا آپ علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعت کا انکار کرنے والا اور اس کی تکذیب کرنے والا ہے، وہ قتل کا مستحق ہے۔''

شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے قبروں پر بنائی گئی مساجد میں نماز کی کراہت کے متعلق کئی بار فتویٰ دیا ہے، آپ کے "فتاویٰ" (۱/ ۱۰۷) میں یوں منقول ہے:

مسئلہ:...... اس مسجد کے بارے میں جب کہ اس میں قبر ہو اور لوگ باجماعت نماز کے لیے اس میں جمع ہوتے ہوں، تو کیا اس میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ کیا قبر کو برابر کر دیا جائے گا یا نہیں؟

جواب:...... ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی قبر پر مسجد نہ بنائی جائے، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم سے پہلے لوگ قبروں پر مساجد بنایا کرتے تھے، سن لو! تم قبروں کو مساجد نہ بنانا، میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔'' اور یہ

---

[1] وہ صحیحین میں روایتِ عائشہ ہے۔ وہ یہ ہے: ان لوگوں میں سے جب کوئی نیک شخص فوت ہو جاتا تو اس کی قبر پر مسجد (سجدہ گاہ) بنا لیتے اور اس میں یہ تصویریں بناتے، وہ روز قیامت اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہوں گے۔ اس کی تخریج الثمر (۱/ ۳۷۳) اور "تحذیر الساجد" (ص: ۱۳) میں کی گئی ہے۔

کہ میت کو مسجد میں دفن کرنا جائز نہیں، اگر مسجد دفن کرنے سے پہلے تھی تو اس کو تبدیل کیا جائے گا، یا تو قبر کو برابر کرکے یا اگر اسے نیا نیا دفن کیا گیا ہو تو اس کو اکھاڑ کر، اگر مسجد کی تعمیر دفن کرنے کے بعد ہو، تو پھر یا تو مسجد کو ختم کیا جائے گا، یا پھر قبر کی صورت کو ختم کیا جائے گا، قبر پر بنائی گئی مسجد میں فرض پڑھے جائیں گے نہ نفل، کیونکہ اس سے منع کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم"

ان کا اسی مانند ایک اور فتویٰ ہے۔ اگر آپ چاہیں تو اسے (۱۹۲/۲) [1] میں دیکھیں۔

مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی ہندی حنفی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الكوكب الدری علی جامع الترمذی" (ص ۱۵۳) میں بیان کیا اس کی نص یہ ہے:

''رہا ان (قبروں) پر مساجد بنانا تو اس میں یہود سے ان کے اپنے انبیاء اور اپنے بڑوں کی قبروں پر مساجد بنانے کے حوالے سے مشابہت ہے، نیز یہ کہ اس میں میت کی تعظیم اور اصنام کی بندگی سے مشابہت ہے خواہ قبر قبلہ کی جانب ہو اور اس کے قبلے کی جانب ہونے میں جو کراہت ہے وہ اس کے دائیں یا بائیں ہونے کی کراہت سے زیادہ شدید ہے، اور اگر وہ نمازی کے پیچھے ہو تو اس کی کراہت سب سے کم ہے لیکن وہ بھی کراہت سے خالی نہیں۔''

حافظ نے "الفتح" (۳/ ۱۵٦) میں اور عینی نے "العمدة" (٤/ ١٤٩) میں فرمایا:

''بے شک قبر جب قبلے کی جہت میں ہو تو اس کی کراہت بڑھ جاتی ہے۔''

اس مسئلے میں حسب تفصیل حق ہے جسے الہندی نے ذکر کیا ہے، اور اس کا مرجع یہود و نصاریٰ سے ان کی ان مساجد میں نماز سے مشابہت اختیار کرنا ہے جو قبروں پر بنائی گئی ہوں اور مشابہت تمام صورتوں میں حاصل ہے جنہیں ذکر کیا گیا ہے اور وہ بالکل واضح ہیں اور یہ اس کے لیے ہے جو اس میں نماز کا قصد نہ کرتا ہو، رہا قصد کرنے والا تو اسے سنیں جسے فقیہ ابن حجر ہیثمی نے اپنی کتاب "الزواجر" (۱/ ۱۲۱) میں نقل کیا ہے:

''بعض حنابلہ نے کہا: آدمی کا کسی قبر کے پاس اس سے برکت حاصل کرنے کے قصد سے نماز پڑھنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی عین مخالفت اور دین میں ایسا کام جاری کرنا ہے جس کا اللہ نے حکم

[1] ان کے محقق شاگرد ابن قیم نے ''زادالمعاد" (۲۲/۳) میں بیان فرمایا: ''اس مسجد کو گرا دیا جائے گا جب اس کی تعمیر قبر پر ہوگی، جیسا کہ جب اسے مسجد میں دفن کیا جائے گا تو اس کو اکھاڑ دیا جائے گا بلکہ ان دونوں میں سے جو بھی دوسرے پر پیش آئے گا اس سے روکا جائے گا اور حکم پہلے کے لیے ہوگا، اگر وہ ایک ساتھ اکٹھے کر دیئے جائیں تو یہ وقف جائز ہوگا نہ صحیح اور اس مسجد میں نماز جائز ہوگی نہ صحیح کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے اور آپ نے قبر کو مسجد بنانے والے یا اس پر چراغاں کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے، پس یہ دین اسلام ہے جس کے ساتھ اللہ نے اپنے رسول اور اپنے نبی کو مبعوث فرمایا اور وہ آج لوگوں میں اجنبی ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔'' (منہ)

نہیں دیا، اس لیے کہ اس سے منع کیا گیا ہے، پھر یہ کہ اجماع بھی ہے......"[1]

یہ اور احادیث سابقہ نے قبروں پر مساجد بنانے کی تحریم کے متعلق بتایا، اور یہ دوسرا مسئلہ ہے جس کی ہم نے "التعلیقات الجیاد" میں مذمت کی ہے اور اس کی ممانعت کے بارے میں علماء کے اقوال ذکر کیے ہیں۔

۲۱۶: میت کو مسجد میں دفن کرنا[2] یا اس پر مسجد بنانا:

"اصلاح المساجد" (۱۸۱) مسئلہ ۱۲۵۔ فقرہ: ۹ [3] "تلخیص الجنائز" (۱۰۹/ ۲۱۶) "احکام الجنائز (۳۳۳/ ۲۱۶)

۲۱۷: نماز میں قبر کی طرف رخ کرنا اور ساتھ ہی کعبہ کو پشت کرنا:

"الاقتضاء" (۲۱۸) "احکام الجنائز (۳۳۳/ ۲۱۷)"تلخیص الجنائز" (۱۰۹/ ۲۱۷).

۲۱۸: قبروں کو اجتماع گاہ (میلہ گاہ) بنانا:

"الاغاثة" (۱/ ۱۹۰-۱۹۳) "الابداع" (۸۵-۹۰) اور "احکام الجنائز" ط. المعارف کے فقرہ ۱۰ مسألہ ۱۲۵ دیکھیں۔ "احکام الجنائز" (۳۳۳/ ۲۱۸) "تلخیص الجنائز" (۱۰۹/ ۲۱۸).

۲۱۹: قبر پر قندیل لٹکانا تاکہ لوگ وہاں آئیں اور اس کی زیارت کریں:

"المدخل (۳/ ۲۷۳، ۲۷۸) "الاغاثة" (۱۹۴-۱۹۸) "الطریقة المحمدیة" (٤/ ۲۲٤)، "الابداع" (۸۸)، (المسألة ۱۲۵۔ فقرة "ل" احکام الجنائز۔ ط. المعارف)، "احکام الجنائز (۳۳۳/ ۲۱۹)، "تلخیص الجنائز" (۱۰۹/ ۲۱۹)

۲۲۰: قبر یا پہاڑ یا کسی درخت پر چراغاں کرنے کے لیے تیل اور شمع کی نذر ماننا:

"الاصلاح" (۲۳۲۔ ۲۳۳)، "الاقتضاء" (۱۵۱)، "احکام الجنائز" (۳۳۳/ ۲۲۰) تلخیص الجنائز" (۱۰۹/ ۲۲۰)

---

[1] یہ پیچھے گزر چکا ہے اسے ہم نے اس مسئلے کی ابتداء میں کتاب "تحذیر الساجد" سے نقل کیا ہے۔ یہ نقل ص: ۳۳۔۳۴ پر ہے۔

[2] ہمارے شیخ نے "تحذیر الساجد" (ص ۹) میں فرمایا:

"قبرستان میں دفن کرنا مسنون ہے، اسی لیے ابن عروہ نے "الکواکب الدراری" (ق ۸۸/ ۱ تفسیر ٥٤۸) میں فرمایا: "گھروں میں دفن کرنے کی نسبت مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا ابوعبداللہ احمد کو زیادہ پسند تھا......"

[3] "أحکام الجنائز" ط. المعارف.

قبروں کے پاس چراغاں کرنے کے مسئلے کی تفصیل

ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے "احکام الجنائز" (ص ۲۹٤ - ۲۹۵) مسئلہ رقم (۱۲۵) کے تحت بیان کیا۔ درج ذیل امور قبروں کے پاس حرام ہیں:

قبروں کے پاس چراغ جلانا:

متعدد امور اس پر دلیل ہیں:

اوّل: اس کا بدعت محدثہ ہونا جسے سلف صالحین نہیں پہچانتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ" ''ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔'' (اسے نسائی نے اور ابن خزیمہ نے اپنی ''صحیح'' میں صحیح سند سے روایت کیا ہے)

دوم: اس میں مال کا ضیاع ہے، جس کی ممانعت نص سے ثابت ہے جیسا کہ مسئلہ (۴۲ص ٦٤) میں گزر چکا ہے۔

سوم: اس میں آتش پرست مجوسیوں سے مشابہت ہے، ابن حجر الفقیہ نے "الزواجر" (١/ ١٣٤) میں فرمایا:

> ''ہمارے اصحاب (اہل علم) نے قبر پر چراغاں کرنے کی حرمت کی صراحت کی ہے، خواہ وہ کچھ وقت کے لیے ہو، اس لحاظ سے کہ اس سے مقیم (مردے) کو کوئی فائدہ ہے نہ وہاں جانے والے کو، اور انہوں نے اسے اسراف، مال کے ضیاع اور مجوس سے مشابہت اختیار کرنے سے تعبیر کیا ہے، اور اس میں کوئی بعید نہیں کہ وہ کبیرہ گناہ ہو۔''

میں نے کہا: انہوں نے جو تعلیل کی اس کے ساتھ اضافی طور پر ہماری پہلی دلیل نقل نہیں کی، حالانکہ وہ بھی ایک دلیل ہے، بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ سب سے زیادہ قوی دلیل ہو، کیونکہ جو لوگ قبروں پر چراغاں کرتے ہیں وہ اس سے اللہ تعالیٰ کے تقرب کا قصد کرتے ہیں، وہ صرف قبر والے یا زائر پر روشنی کرنے کا قصد نہیں کرتے، اس لیے کہ وہ انہیں دوپہر کے وقت سورج کی روشنی میں بھی جلائے رکھتے ہیں، اس لیے وہ گمراہ کن بدعت ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ آپ نے اس مشہور حدیث سے کیوں نہیں استدلال کیا جسے ''اصحاب السنن، ودیگر نے ابن عباس سے روایت کیا ہے:

((لَعَنَ اللّٰهُ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ، وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ .))

''اللہ قبروں کی زیارت کرنے والیوں، ان پر مساجد بنانے اور وہاں چراغاں کرنے والوں پر لعنت فرمائے۔''

اس پر میرا جواب: ''یہ حدیث اپنی شہرت کے باوجود ضعیف الاسناد ہے، وہ قابل حجت نہیں، اگرچہ بہت سے مصنفین نے تساہل سے کام لیا ہے اور انہوں نے اسے اس باب میں نقل کیا ہے، اور اس کی علت بیان نہیں کی، جیسا

کہ ابن حجر نے "الزواجر" میں اور ان سے پہلے علامہ ابن قیم نے "زاد المعاد" میں کیا ہے اور سلف اور بہت سے اہل الحدیث نے بھی اس سے دھوکا کھایا اور انہوں نے اپنی کتب، رسائل اور اپنے محاضرات (لیکچرز، دروس وغیرہ) میں اس سے استدلال کیا۔

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱/ ۳۹۵-۳۹۶) میں حدیث رقم (۲۲۵) کے تحت بیان کیا:

رہا ان (قبروں) پر چراغاں کرنے والوں پر لعنت کرنا، تو ہم نے احادیث میں ایسی کوئی روایت نہیں پائی جو اس کے حق میں گواہی دیتی ہو، پس یہ ضعیف حدیث سے ہے، اگرچہ ہمارے بعض سلفی بھائیوں نے بعض علاقوں میں اس سے استدلال کیا ہے، میری انہیں نصیحت ہے کہ وہ اس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت نہ کریں، کیونکہ وہ صحیح نہیں، اور یہ کہ وہ قبروں پر چراغاں کرنے کی ممانعت پر شریعت کے عمومی دلائل سے استدلال کریں، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ.))

"ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔"

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مال ضائع کرنے کی ممانعت اور کافروں سے مشابہت اختیار کرنے کی ممانعت کی مثال اور اسی طرح کے دیگر فرامین۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "المشكاة" (۱/ ۲۳۰) میں حدیث رقم (۷۴۰) ❶ میں فرمایا:

"قبروں پر چراغاں کرنا وثنیت ہے، دین اسلام اسے پسند نہیں کرتا، جیسا کہ میں نے اسے "أحكام الجنائز و بدعها" میں بیان کیا ہے۔"

۲۲۱: اہل مدینہ کا مسجد نبوی میں داخل ہوتے وقت اور وہاں سے نکلتے وقت قبر نبوی کی زیارت کا قصد کرنا:

"الرد على الاخنائي" (۲۴، ۱۵۰-۱۵۱، ۱۵٦، ۲۱۷، ۲۱۸)، "الشفاء فی حقوق المصطفیٰ" للقاضی عیاض (۲/ ۷۹)، (المسألة ۱۲۵- فقره ۱۰)❷ احکام الجنائز (۳۳/ ۲۲۱) تلخيص الجنائز (۱۱۰/ ۲۲۱).

---

❶ هداية الرواة الى تخريج احاديث المصابيح والمشكاة (۱/ ٤٥).

❷ مالک نے اسے مکروہ کہا ہے، انہوں نے فرمایا: "اس امت کے شروع کے لوگوں سے مجھے یہ بات نہیں پہنچی کہ وہ یہ کیا کرتے تھے، اور یہ مکروہ ہے، البتہ اس شخص کے لیے مکروہ نہیں جو کسی سفر سے آئے یا وہ اس (سفر) کا ارادہ کرے۔" جیسا کہ قاضی عیاض نے اسے نقل کیا ہے۔" (منه)

نبی ﷺ کی قبر کو میلہ (اجتماع گاہ) بنانے اور مستقل طور پر تمام اوقات میں آپ ﷺ پر سلام پڑھنے کی خاطر آپ کی قبر کا قصد کرنے کے مسئلے کی تفصیل [1]

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "أحکام الجنائز" مسئلہ رقم (۱۲۵) کے تحت (ص ۲۸۰) میں بیان کیا: درج ذیل امور قبر کے پاس بجالانا حرام ہیں:

ا۔ اسے میلہ بنالینا، اوقات معینہ اور معروف مواقع پر اس کے پاس یا اس کے علاوہ کسی اور کا تعبد کے لیے قصد کرنا، جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِی عِیْدًا......)) [2]

''میری قبر کو میلہ نہ بنالینا۔''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الجنائز" (ص ۲۸۱) میں بیان کیا:

وہ حدیث انبیاء اور صالحین کی قبروں کو میلہ بنانے کی حرمت پر دلیل ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے "الاقتضاء" (ص ۱۵۵-۱۵۶) میں بیان فرمایا:

''اور وجہ دلالت کہ نبی ﷺ کی قبر روئے زمین پر موجود تمام قبروں سے افضل ہے، اور آپ نے اسے عید (میلہ) بنانے سے منع فرمایا۔ تو پھر آپ کے علاوہ کسی اور کی قبر تو ممانعت کی زیادہ حق دار ہے۔ خواہ وہ کسی کی بھی ہو......''

پھر ہمارے شیخ نے اس مسئلے میں شیخ الاسلام سے نقل میں متابعت کی، انہوں نے ''احکام الجنائز'' (۲۸۲-۲۸۵) میں فرمایا:

پھر شیخ [3] نے (ص ۱۷۵-۱۸۱) میں فرمایا:

''اسی لیے اہل مدینہ کے لیے اہل علم میں سے مالک، اللہ ان پر راضی ہو، اور دیگر نے اس بات کو مکروہ جانا کہ جب بھی ان میں سے کوئی مسجد نبوی میں داخل ہو تو وہ آئے اور نبی ﷺ کی قبر پر اور آپ کے دونوں صحابہ کی قبر پر سلام کرے، انہوں نے کہا: یہ تو ان میں سے اس شخص کے لیے ہے کہ جب وہ سفر سے آئے یا وہ کسی سفر کا ارادہ کرے، اور ان میں سے بعض نے آپ پر سلام کی اجازت دی ہے کہ

---

[1] اس بحث کے اختتام پر، ہم پر واضح ہو جائے گا کہ مدینہ کے رہنے والے پر کبھی کبھار قبر شریف پر آ کر آپ ﷺ پر سلام پیش کرنا جائز ہے۔

[2] اس کی تخریج الجنائز (ص: ۲۸۰)، (ابو داؤد، کتاب المناسك، زيارة القبور)

[3] یعنی ابن تیمیہ رحمہ اللہ

جب وہ نماز وغیرہ کے لیے مسجد میں داخل ہو۔''

رہا اس کا ہمیشہ صلاۃ وسلام کے لیے قصد کرنا، تو میں کسی کو نہیں جانتا کہ اس نے اس کی رخصت دی ہو، کیونکہ یہ اسے میلہ بنانے کی نوع میں سے ہے...... اس کے باوجود کہ ہمارے لیے مشروع ہے کہ جب ہم مسجد میں داخل ہوں تو ہم یوں کہیں: "السلام علیك ایها النبی ورحمة الله و برکاته"[1] جیسا کہ ہم اسے اپنی نماز کے آخر میں کہتے ہیں، انہوں نے کہا: مالک اور ان کے علاوہ دیگر کو اس بات کا اندیشہ ہوا کہ قبر کے پاس ہر گھڑی ایسا کرنا قبر کو عید (میلہ) بنانے کی نوع سے نہ ہو، اور یہ بھی کہ یہ بدعت ہے، ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد میں مہاجرین وانصار ہر روز مسجد نبوی میں آیا کرتے تھے، ان کو اس بات کا علم تھا جسے نبی ﷺ ناپسند کرتے تھے اور آپ نے جس چیز سے انہیں منع فرمایا وہ اس سے آگاہ تھے، وہ مسجد میں آتے اور وہاں سے نکلتے وقت اور تشہد میں آپ ﷺ پر سلام پڑھا کرتے تھے۔ جیسا کہ وہ اسی طرح آپ کی حیات میں آپ ﷺ پر سلام پڑھا کرتے تھے۔ مالک نے کیا خوب فرمایا ہے:

((لَنْ يُصْلِحَ آخِرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا مَا أَصْلَحَ أَوَّلَهَا.))

''اس امت کے آخری فرد کی اصلاح وہی چیز کرے گی جس نے اس کے پہلے فرد کی اصلاح کی تھی۔''

لیکن جیسے جیسے امتوں کا اپنے انبیاء کی تعلیمات اور ان کے احکام سے تمسک کمزور ہوتا گیا اور ان کا ایمان کمزور ہوتا گیا تو اس کے بدلے میں وہ بدعات وشرک وغیرہ کو اختیار کرتے گئے، اسی لیے امت نے قبر کے استلام اور اسے بوسہ دینے کو مکروہ جانا ہے،[2] اور انہوں نے اسے ایک عمارت بنا لیا، لوگوں کو اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے منع کیا، فرمایا:

ہم نے احمد اور دیگر سے ذکر کیا، کہ انہوں نے اس شخص کو، جس نے نبی ﷺ اور آپ کے دونوں ساتھیوں (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) پر سلام پیش کیا پھر اس نے دعا کرنے کا ارادہ کیا، حکم فرمایا کہ وہ مڑے اور قبلہ کی طرف رخ کرے، اور اسی طرح سے علماء نے اس کا انکار کیا، جیسے مالک ودیگر اور متاخرین میں سے، جیسے: ابوالوفاء بن عقیل،

---

[1] میں کہتا ہوں: میں نے مساجد میں داخل ہوتے وقت اور وہاں سے نکلتے وقت کے آداب میں وارد احادیث میں کسی میں بھی ان الفاظ کو نہیں دیکھا۔ اور انہوں نے اسے آپ کے مطلق فرمان: ''جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو وہ نبی ﷺ پر سلام پڑھے۔'' سے لیا ہے، اس حدیث کو ابوعوانہ نے اپنی "صحیح (۱/ ٤١٤) میں، ابوداؤد نے اپنی "السنن" (رقم ٤٦٥) میں روایت کیا ہے، اس سے جو کہ اس کے بعد ہے وہ مخفی نہیں خاص طور پر کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں ان الفاظ سے مروی ہے: "السلام علی رسول الله اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد" قاضی اسماعیل (۸۲-۸۴) اور دیگر نے اسے نقل کیا ہے اور "نزل الابرار" (۷۲) اور "الكلم الطيب" (رقم ٦٣ میری تحقیق)۔ (منہ)

[2] قبر والوں کے لیے دعا کرتے وقت ان کی طرف منہ کرنے کی بدعت کے لیے یہی کتاب دیکھیں۔

ابوالفرج ابن الجوزی، اور میں کسی صحابی سے یاد رکھتا ہوں نہ کسی تابعی سے اور نہ کسی معروف امام سے کہ انہوں نے قبروں کے پاس دعا کرنے کے لیے ان کا قصد کرنے کو مستحب قرار دیا ہو اور نہ ہی کسی نے اس بارے میں کچھ روایت کیا ہے، نبی ﷺ سے نہ آپ کے اصحاب سے اور نہ ہی کسی معروف امام سے، لوگوں نے دعا، اس کے اوقات اور اس کی جگہوں کے متعلق کتابیں لکھی ہیں اور ان میں آثار ذکر کیے ہیں، لیکن میری معلومات کے مطابق ان میں سے کسی ایک نے بھی قبروں کے پاس دعا کرنے کی فضیلت کے بارے میں ایک حرف بھی نہیں لکھا، یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے جبکہ اس کی حالت یہ ہے کہ دعا اس کے نزدیک افضل اور زیادہ قبول ہونے والی ہو، اور سلف اس کا انکار کرتے ہوں اور اسے نہ جانتے ہوں، وہ اس سے روکتے ہوں اور اس کا حکم نہ دیتے ہوں، انہوں نے کہا:

اس کے پاس دعا کی قبولیت کے اعتقاد اور اس کی فضیلت نے واجب کر دیا کہ وہاں جایا جائے اور اس کا قصد کیا جائے، بسا اوقات معین موقع پر تو وہاں بہت زیادہ اجتماعات ہوتے ہیں، جبکہ یہ بھی بعینہ وہی ہے جس سے نبی ﷺ نے اپنے فرمان کے ذریعے منع فرمایا ہے: "لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِي عِيْدًا" ''میری قبر کو میلہ نہ بنا لینا۔'' انہوں نے بیان کیا: حتیٰ کہ بعض قبریں ایسی ہیں کہ سال میں ایک دفعہ وہاں اکٹھ ہوتا ہے اور محرم یا رجب یا شعبان یا ذوالحج وغیرہ کے مہینے میں اس کی طرف سفر کیا جاتا ہے، ان میں سے بعض ایسی ہیں جہاں عاشوراء کے دن اکٹھ ہوتا ہے، بعض کے نزدیک عرفہ کے دن اور بعض کے نزدیک پندرہ شعبان کو، اور بعض کے نزدیک کسی اور وقت میں، اس حیثیت سے کہ اس کے لیے سال میں ایک دن معین ہے جس میں اس کا قصد کیا جاتا ہے اور اس روز وہاں اکٹھ ہوتا ہے، جیسا کہ سال کے معلوم ایام میں عرفہ، مزدلفہ اور منیٰ کا قصد کیا جاتا ہے، جیسا کہ دونوں عیدوں کے دن شہر کی عیدگاہ کا قصد کیا جاتا ہے، بلکہ بسا اوقات ان اجتماعات کا دین و دنیا میں سب سے زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے، اور بعض ایسی قبریں بھی ہیں جن کی طرف معین وقت میں یا غیر معین وقت میں شہروں سے کوچ کیا جاتا ہے تاکہ وہاں جا کر دعا کی جائے اور عبادت کی جائے، جیسا کہ اس مقصد (دعا و عبادت) کے لیے بیت اللہ الحرام کا قصد کیا جاتا ہے، اور یہ سفر میں نہیں جانتا کہ اس کی ممانعت کے بارے میں مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف ہو، انہوں نے کہا: اور ان میں سے کچھ ایسی قبریں بھی ہیں جن کا ہفتے میں کسی معین دن میں قصد کیا جاتا ہے۔ [1]

مجموعی طور پر یہ جو ان قبروں کے پاس کیا جاتا ہے، وہ بعینہ وہی ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس فرمان کے ذریعے منع کیا ہے: ((وَلَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِي عِيْدًا)) ''میری قبر کو میلہ نہ بنا لینا۔'' کیونکہ کسی معین جگہ کا معین وقت میں قصد کا معمول بنا لینا اور ہر سال یا ہر ماہ یا ہر ہفتے کے بعد وہاں حاضری دینا، وہ بعینہ عید کے معنی میں ہے، پھر اس کے ہر چھوٹے بڑے عمل سے ممانعت ہے، یہ وہی ہے جو امام احمد رحمہ اللہ کے حوالے سے ان کے انکار

[1] پاکستان اور ہندوستان میں اکثر مزارات کے لیے جمعرات کا دن مقرر کیا گیا ہے۔ (شہباز حسن)

کے بارے میں بیان ہوا ہے، آپ (یعنی احمد) نے فرمایا: اس معاملے میں بہت سے لوگ انتہائی زیادہ افراط کا شکار ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے وہ ذکر کیا جو حسین کی قبر کے پاس ہوتا ہے، پھر شیخ نے فرمایا:

مصر میں نفیسہ اور دیگر کی قبر کے پاس جو کچھ کیا جاتا ہے، جو کچھ عراق میں اس قبر کے پاس کیا جاتا ہے جسے کہا جاتا ہے کہ یہ علی رضی اللہ عنہ کی قبر ہے اور حسین کی قبر اور حذیفہ بن یمان کی قبر اور...... اور...... اور جو کچھ ابو یزید بسطامی کی قبر کے پاس کیا جاتا ہے اور اکثر اسلامی ممالک میں جو کچھ بہت سی قبروں کے پاس کیا جاتا جن کا شمار کرنا ممکن نہیں سب اس میں شامل ہے، انہوں نے کہا:

وقت معین میں ان قبور کے قصد کو معمول بنانا اور وقت معین میں ان کے پاس مستقل اجتماع منعقد کرنا، انہیں عید/ میلہ بنانا ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، میں اس بارے میں اہل علم مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں جانتا، اور بگڑی ہوئی عادات کی کثرت سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے کیونکہ یہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے کے ضمن سے ہے، جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا کہ وہ اس امت میں ہونے والا ہے، اس میں اصل اس کے پاس دعا کی فضیلت کا اعتقاد ہے، ورنہ اگر یہ اعتقاد دلوں میں قائم نہ ہو تو یہ سب ختم ہو جائے، جب اس کا قصد ان مفاسد کا باعث بنے تو وہ حرام ہے جیسے اس کے پاس نماز، اور یہ مخلوق کے لیے فتنے، شرک کا دروازہ کھولنے اور ایمان کا دروازہ بند کرنے کا باعث ہے۔"

میں کہتا ہوں [1]: اس ضمن میں جو چیز سب سے پہلے داخل ہوئی ہے، وہ جو آج مدینہ منورہ میں نظر آتی ہے، وہ لوگوں کا ہر فرض نماز کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کا قصد کرنا تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پیش کریں، آپ کی قبر کے پاس دعا کریں اور آپ سے دعا کریں، وہ آپ کے پاس آوازیں بلند کرتے ہیں، حتیٰ کہ ان کی وجہ سے مسجد گونج جاتی ہے، خاص طور پر حج کے موسم میں حتیٰ کہ یہ صورت ہوتی ہے گویا کہ وہ نماز کی سنن میں سے ہے، بلکہ وہ اس کی پابندی ان سنن کی پابندی سے بھی زیادہ کرتے ہیں اور یہ سب حکمرانوں/ ذمہ داروں کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے، وہ اسے سنتے ہیں اور ان میں سے کوئی ایک بھی روکتا نہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون، اور دین کی اور دین داروں کی اجنبیت پر افسوس اور یہ سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ہوتا ہے، جس کی شان تو یہ ہے کہ اسے مسجد حرام کے بعد باقی تمام مساجد سے ایسے امور، جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کے خلاف ہوں، سے بہت دور ہونا چاہیے۔

اور یہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے کلام میں بیان ہو چکا کہ بعض اہل علم نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ جب کوئی شخص مسجد میں نماز وغیرہ کے لیے آئے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پیش کرنے کے لیے قبر شریف پر آ سکتا ہے گویا کہ یہ عدم کثرت اور عدم تکرار کی قید و شرط کے ساتھ ہے، اس کی دلیل ان کا اس کے بعد یوں کہنا ہے: "رہا اس کا

---

[1] کہنے والے شیخ البانی رحمہ اللہ ہیں۔

صلوٰۃ وسلام کے لیے دائمی قصد، تو میں کسی کو نہیں جانتا کہ اس نے اس کی رخصت دی ہو۔"

میں نے کہا: یہ رخصت جسے شیخ نے بعض اہل علم سے نقل کیا ہے، یہی ہمارا موقف ہے اور ہم قید مذکور کی شرط کے ساتھ اس پر اعتماد کرتے ہیں، مدینہ میں رہنے والے کے لیے آپ ﷺ پر سلام پیش کرنے کے لیے کبھی کبھار قبر شریف پر آنا جائز ہے، کیونکہ یہ عید/ میلہ بنانے کے زمرے میں نہیں آتا جیسا کہ ظاہر ہے۔ آپ ﷺ پر اور آپ کے دونوں صحابہ پر سلام پیش کرنا عمومی دلائل سے مشروع ہے، آپ ﷺ نے اپنی قبر کو جو میلہ بنانے سے منع کیا ہے اس سے مطلق مشروعیت کی نفی جائز نہیں، اس لیے کہ ہم نے جو شرط ذکر کی ہے اس کی جمع وتطبیق کا امکان ہے اور صرف اس بنیاد پر اس کی مخالفت نہیں کی جا سکتی کہ ہم سلف میں سے کسی کو نہیں جانتے کہ وہ یہ کرتے ہوں، کیونکہ کسی چیز کے متعلق عدمِ علم سے اس کا نہ ہونا لازم نہیں آتا، جیسا کہ علماء بیان کرتے ہیں، اس طرح کے معاملے میں اس کی مشروعیت کے اثبات کے لیے عمومی دلائل ہی کافی ہیں، جب تک ایسی چیز ثابت نہ ہو جو ہمارے موقف کے خلاف ہو، مزید یہ کہ شیخ الاسلام نے "القاعدة الجليلة" (ص ۸۰۔طبع المنار) میں نافع سے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے کہا: ابن عمر قبر پر سلام کیا کرتے تھے، میں نے انہیں سو یا اس سے زائد بار قبر کی طرف آتے ہوئے دیکھا، وہ کہتے: "السلام على النبي ﷺ السلام على ابي بكر، السلام على ابي" [1] اور پھر چلے جاتے، اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یہ حالت اقامت میں کیا کرتے تھے نہ کہ سفر میں کیونکہ ان کا یہ کہنا: "سو مرتبہ" اس اثر کو سفر پر محمول کرنے سے بعید کر دیتا ہے۔

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الدفاع عن الحديث النبوی" (۹۲-۹۴) میں بوطی پر اپنے رد کے سلسلے میں فرمایا:

اس نے (ص ۵۲۱) کہا، [2] جبکہ وہ آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کی مشروعیت پر دلالت کرنے والی وجوہ بیان کر رہا تھا:

> "دوسری وجہ: جو صحابہ، تابعین اور ان کے بعد والوں کے اجماع سے ثابت ہے کہ وہ جب بھی روضہ شریف کے پاس سے گزریں تو وہ آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کریں اور آپ پر سلام پیش کریں، اسے بلند مرتبہ ائمہ اور جمہور علماء نے روایت کیا، ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان میں شامل ہیں۔"

میں کہتا ہوں: یہ بلند مرتبہ ائمہ پر جھوٹ اور بہتان ہے، خاص طور پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ پر، ان میں سے کسی ایک نے بھی ان مذکورہ ہستیوں سے یہ روایت نہیں کیا کہ وہ جب بھی روضے کے پاس سے گزرتے تھے تو وہ قبر

---

[1] ترجمہ: "نبی ﷺ پر سلام ہو۔ ابوبکر پر سلام ہو۔ میرے باپ (عمر) پر سلام ہو۔"

[2] یعنی بوطی نے۔

شریف کی زیارت کرتے تھے، چہ جائیکہ کہ وہ اس پر اجماع نقل کریں!! بلکہ امام مالک نے اس کی کراہت کی صراحت کی ہے اور میں جو کہہ رہا ہوں اس پر علماء کے بہت سے اقوال شاہد ہیں، میں ان میں سے صرف دو اقوال پر اکتفا کروں گا، ان میں سے ایک ابن تیمیہ کا قول ہے جن پر افترا باندھا گیا ہے، جبکہ دوسرا قول امام نووی کا ہے، اس اعتبار سے کہ وہ ان شوافع کے امام ہیں جن کی وہ تقلید کرتا ہے......

ا۔ جہاں تک ابن تیمیہ کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ان کے بہت سے اقوال ہیں، ان میں سے کچھ پیش خدمت ہیں:

اوّل: ان کا یہ کہنا: ''صحابہ حجرے میں داخل ہو کر قبر کے پاس جاتے تھے نہ وہ باہر اس کے پاس کھڑے ہوتے تھے، حالانکہ وہ صبح وشام آپ کی مسجد میں جایا کرتے تھے، وہ خلفاء راشدین کے پاس جمع ہونے کے لیے سفر سے بھی آتے تھے، پس وہ آپ کی مسجد میں نماز پڑھتے دوران نماز اور مسجد میں داخل ہوتے وقت اور باہر نکلتے وقت آپ پر سلام پڑھتے تھے، اور وہ قبر شریف کے پاس نہیں آتے تھے، یہ اس لیے تھا کہ آپ نے اس کے متعلق انہیں حکم فرمایا تھا نہ ان کے لیے اسے مسنون قرار دیا تھا، آپ نے تو انہیں حکم فرمایا اور ان کے لیے مسنون قرار دیا کہ وہ دوران نماز اور مساجد میں داخل ہوتے وقت اور وہاں سے باہر نکلتے وقت اور دیگر مواقع پر آپ پر درود وسلام پڑھیں، لیکن ابن عمر سفر سے واپسی پر قبر شریف کے پاس آتے اور وہ آپ پر اور آپ کے دونوں صحابہ پر سلام پیش کیا کرتے تھے، ہوسکتا ہے کہ ابن عمر کے علاوہ بھی کوئی اس طرح کرتا ہو، اس لیے علماء کی ایک رائے ہے کہ یہ جائز ہے، اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی اقتدا ہے، ابن عمر سلام پیش کرتے تھے اور پھر چلے جاتے تھے وہاں کھڑے نہیں ہوتے تھے، اور وہ کہتے تھے: "السلام علیك یا رسول ، السلام علیك یا ابا بکر ، السلام علیك یا ابت " پھر وہ چلے جاتے، جس طرح ابن عمر کیا کرتے تھے جمہور صحابہ اس طرح نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ خلفاء اور دیگر صحابہ حج وغیرہ کے لیے سفر پر جا کر واپس آتے، تو وہ ایسے نہیں کرتے تھے، اس لیے کہ یہ ان کے نزدیک سنت نہ تھی جسے آپ نے ان کے لیے مسنون قرار دیا ہو۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات خلفاء کے دور میں اور ان کے بعد حج کے لیے سفر کیا کرتی تھیں، پھر وہ سب الگ الگ اپنے اپنے گھر واپس آتیں جیسا کہ انہیں اس کی وصیت کی گئی تھی، اور یمن کی افواج تھیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ﴾ (المائدة: ٥٤)

''اللہ عنقریب ایسے لوگوں کو لائے گا جن سے وہ محبت رکھتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔''

وہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے ابوبکر وعمر کے دور میں جوق در جوق یمن سے آئے، وہ ابوبکر وعمر کے دور میں

آپ کی مسجد میں ان کے پیچھے نماز پڑھتے، اوران میں سے کوئی بھی حجرے کے اندر جاتا نہ اس سے باہر مسجد میں کھڑا ہوتا، دعا کے لیے نہ نماز کے لیے اور نہ ہی سلام کے لیے اور نہ کسی اور کام کے لیے، وہ آپ کی سنت سے واقف تھے جیسا کہ صحابہ اور تابعین نے انہیں بتایا تھا۔"

اسی طرح ان کی کتاب "الجواب الباهر فی زوار المقابر" (ص ٦٠ - الطبعة السلفية) میں ہے۔

دوم: ان کا الأخنائی کے رد پر (ص ۴۵) بیان:

"رہا وہ جو گمان کیا جاتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی قبر کی زیارت ہے، مثلاً: سلام و دعا کے لیے حجرے کے باہر کھڑا ہونا، تو یہ مدینہ والوں کے لیے مستحب نہیں، بلکہ انہیں اس سے روکا جائے گا، کیونکہ مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولین اور خلفاء راشدین وغیرھم پانچوں نمازوں وغیرہ کے لیے آپ کی مسجد میں آیا کرتے تھے، اور قبر مسجد کی دیوار کے پاس ہی تھی، وہ اس طرف نہیں جاتے تھے اور اس کے پاس بھی کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ مالک اور دیگر علماء نے اسے ذکر کیا، انھوں نے ذکر کیا کہ وہ مستحب نہیں، بلکہ مدینہ میں رہنے والوں کے لیے سلام وغیرہ کے لیے قبر کے پاس کھڑا ہونا مکروہ ہے، کیونکہ صحابہ جب پانچوں نمازوں وغیرہ کے لیے مسجد میں تشریف لاتے تھے تو وہ یہ عمل نہیں کیا کرتے تھے، اسی طرح خلفاء راشدین ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم [1] کے دور میں وہ لوگوں کو مسجد میں نماز پڑھاتے تھے، لوگ مختلف شہروں سے آتے اور ان کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے اور یہ معلوم ہے کہ اگر ان کے لیے مستحب ہوتا کہ وہ قبر کے سامنے کھڑے ہوں، سلام کریں یا دعا کریں! اس کے علاوہ کوئی کام کریں تو وہ یہ ضرور کرتے، اگر وہ ایسا کرتے تو پھر یہ عمل عام ہوتا اور مشہور ومعروف ہوتا، لیکن مالک ودیگر نے اسے سفر کے ساتھ خاص کیا ہے، جیسا کہ ابن عمر سے منقول ہے۔

قاضی عیاض نے فرمایا: مالک نے فرمایا: جو شخص سفر سے آئے یا سفر پر روانہ ہو تو اس کے لیے کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ نبی ﷺ کی قبر کے پاس کھڑا ہو، آپ پر درود پڑھے، اور آپ اور ابوبکر وعمر کے لیے دعا کرے۔ ان سے کہا گیا: مدینہ والے تو سفر سے آتے ہیں نہ اس (سفر) کا ارادہ رکھتے ہیں، وہ بھی دن میں ایک بار یا زیادہ بار ایسے کرتے ہیں، بسااوقات وہ جمعہ میں کھڑے ہوتے ہیں اور باقی دنوں میں ایک مرتبہ، دو مرتبہ یا اس سے زیادہ مرتبہ قبر کے پاس کھڑے ہوتے ہیں اس وقت سلام پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: ہمارے مشہور اہل فقہ سے مجھ تک یہ نہیں پہنچا، اسے ترک کرنے میں وسعت ہے، اس امت کے آخری فرد کی اصلاح اس چیز سے ہوگی جس نے اس کے

---

[1] علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں دارالخلافہ کوفہ منتقل کر دیا گیا تھا۔ (شہباز حسن)

پہلے فرد کی اصلاح کی تھی، مجھے اس امت کے اوّل اور شروع کے افراد سے یہ نہیں پہنچا کہ وہ یہ کیا کرتے تھے اور وہ سفر سے آنے والے یا سفر پر جانے والے کے علاوہ دیگر کے لیے مکروہ ہے۔''

۲: نووی نے اپنی کتاب "مناسك الحج" (۲۹/ ۲۔ مخطوط) میں فرمایا:

''مالک رحمہ اللہ نے اہل مدینہ کے لیے ناپسند کیا کہ ان میں سے جب بھی کوئی مسجد میں آئے یا باہر نکلے تو وہ قبر کے پاس کھڑا ہو، انھوں نے فرمایا: یہ تو پردیسیوں کے لیے ہے۔ انھوں نے فرمایا: سفر سے آنے والے یا سفر پر جانے والے کے لیے کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس کھڑا ہو اور وہ آپ پر درود پڑھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لیے دعا کرے۔

الباجی نے بیان کیا: مالک نے اہل مدینہ اور پردیسیوں کے درمیان فرق کیا ہے، کیونکہ پردیسیوں نے اس کا قصد کیا ہے، جبکہ مدینہ والے وہاں کے مقامی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں: "اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَنًا يُعْبَدُ" ''اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے۔''

میں نے کہا: امام نووی اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے یہ اقوال اس اجماع کے ابطال میں صریح ہیں جسے البوطی نے نقل کیا ہے، بلکہ وہ اس کی عدم مشروعیت پر منہ بولتا ثبوت ہے جسے اس نے ذکر کیا ہے، کہ اس نے علماء پر عام طور پر اور ابن تیمیہ پر خاص طور پر جھوٹ باندھا ہے، جو اس نے روایت کو ان کی طرف منسوب کیا ہے۔

۲۲۲: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کے لیے سفر:

(اس کتاب کی بدعت نمبر ۱۷۳ دیکھیں) ❶

"أحكام الجنائز (۳۳۳/ ۲۲۲) "تلخيص الجنائز" (۱۱۰/ ۲۲۲)

قبروں کے لیے رخت سفر باندھنے اور ان کی طرف سفر کرنے کے مسئلے کی تفصیل اور مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کے لیے رخت سفر باندھنے کے مسئلے کی تفصیل ❷

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "أحكام الجنائز" (ص ۲۸۵۔۲۹۳) میں ''وہ امور جو قبروں کے پاس حرام ہیں'' کی فصل کے تحت بیان فرمایا:

اس کی طرف سفر کرنا:

اور اس بارے میں کئی احادیث ہیں:

❶ یہ بدعت ''انبیاء اور صالحین کی قبروں کی زیارت کے لیے سفر'' سے متعلق ہے۔

❷ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے لیے رخت سفر باندھنا ایک چیز ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کرنا ایک دوسری چیز ہے، دونوں مسئلے مختلف ہیں۔

اوّل:..... ابو ہریرہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا، آپ نے فرمایا:

((لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِ الرَّسُوْلِ ﷺ، وَمَسْجِدِ الْأَقْصٰى .))

''تین مساجد: مسجد حرام، مسجد الرسول ﷺ اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ (بغرض ثواب) رخت سفر نہ باندھا جائے۔''

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((إِنَّمَا يُسَافَرُ إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ الْكَعْبَةِ، وَمَسْجِدِي، وَمَسْجِدِ إِيلِيَاءَ .))

''(بغرض ثواب) صرف تین مساجد: مسجد کعبہ، میری مسجد اور مسجد ایلیاء کا سفر کیا جائے۔''

پہلے الفاظ کے ساتھ بخاری نے اسے روایت کیا، جبکہ دوسرے الفاظ کے ساتھ دوسرے طریق سے مسلم نے روایت کیا، اور اصحاب السنن وغیرہ نے اسے طریق اوّل سے روایت کیا۔

تیسرا طریق: یہ احمد (۲/۵۰۱) اور دارمی (۱/۳۳۰) کے نزدیک ہے، میں نے اس روایت کو "الثمر المستطاب" میں تفصیل سے نقل کیا ہے۔ ❶

دوم:..... ابوسعید خدری نے بیان کیا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((لَا تُشَدُّ . " (ایک روایت میں ہے: لَا تَشُدُّوا) الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِي هٰذَا، وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى .))

''ثواب کی غرض سے صرف تین مساجد: میری مسجد، مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ ہی کا سفر کیا جائے۔''

شیخین وغیرھما نے اسے روایت کیا۔ اس کے چار طرق ہیں میں نے جنہیں "الثمر المستطاب" میں نقل کیا ہے اور دوسرے الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔

چوتھا طریق: اسے شہر بن حوشب نے روایت کیا، ان سے دو نے روایت کیا:

ان میں سے ایک: لیث بن ابی سلیم، ان سے انہوں نے روایت کیا۔

''ہم ابوسعید رضی اللہ عنہ سے ملے جبکہ ہم کوہ طور جانا چاہتے تھے، انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''بغرض ثواب سفر نہ کیا جائے مگر.....''

دوم: عبدالرحمٰن بن بہرام، ان سے انھوں نے روایت کیا:

❶ اس کا بیان عنقریب آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

’’میں نے ابو سعید خدری سے سنا...... ان کے پاس کوہ طور پر نماز پڑھنے کا ذکر کیا گیا...... انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’سفر کرنے والے کے لیے مناسب نہیں کہ وہ مسجد حرام کے علاوہ کسی اور مسجد میں نماز پڑھنے کے مقصد سے رخت سفر باندھے۔‘‘

ان دونوں کو احمد نے (۳۰/۹۳، ۶۴) روایت کیا۔

شہر (بن حوشب) ضعیف ہے، اس کا اس اضافے: ’’کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے سفر کرنا‘‘ کے ساتھ تفرد ہے، پس وہ (اضافہ) منکر ہے، اس لیے کہ وہ ابو سعید کے حوالے سے دوسرے طرق میں وارد نہیں، حتیٰ کہ لیث عن شہر کے طریق میں بھی نہیں، اسی طرح وہ دوسری احادیث میں بھی وارد نہیں اور وہ آٹھ ہیں، ان میں سے زیادہ تر کے ایک سے زائد طریق ہیں، میں نے ان سب کو ”الثمر المستطاب“ میں نقل کیا ہے، ان احادیث میں یہ اضافہ نہیں ہے...... حالانکہ ان کی کثرت ہے اور کئی کتب میں مروی ہیں۔ اس اضافے کے منکر ہونے اور بطلان پر سب سے بڑی دلیل ہے، پس وہ شہر بن حوشب کے اوہام میں سے ہے یا اس سے روایت کرنے والے عبدالحمید سے، کیونکہ اس میں اس کے حافظے کے حوالے سے کچھ ضعف ہے اور حافظ رحمہ اللہ نے ”التقریب“ میں شہر بن حوشب کے سوانح حیات میں فرمایا: ”صدوق کثیر الاوهام“

سوم:...... ابو بصرہ غفاری سے روایت ہے کہ وہ ابو ہریرہ سے ملے جبکہ وہ کہیں سے تشریف لا رہے تھے، پس انھوں نے کہا: آپ کہاں سے آ رہے ہیں؟ انھوں نے کہا: میں کوہ طور سے آ رہا ہوں میں نے وہاں نماز پڑھی، انھوں نے کہا: اگر میں آپ سے ملاقات کر لیتا تو آپ نہ جاتے، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ’’(بغرض ثواب) صرف تین مساجد: مسجد حرام، میری مسجد اور مسجد اقصیٰ ہی کے لیے رخت سفر باندھا جائے۔‘‘

طیالسی (۱۳۴۸) اور احمد (۶/۶) نے اسے روایت کیا اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

احمد کے نزدیک اس کے دو اور بھی طریق ہیں، ان دونوں میں سے اوّل کی سند حسن ہے، اور دوسری صحیح ہے۔

اور مالک، نسائی اور ترمذی نے اسے نقل کیا، اور ترمذی نے اسے تیسرے طریق سے صحیح قرار دیا، البتہ ایک راوی نے اپنی سند میں غلطی کی، اس نے اسے بصرہ بن ابو بصرہ کی مسند سے شمار کیا، اور ان کے الفاظ میں جب کہ انھوں نے کہا: ”لَا تُعْمَلُ الْمُطِيّ“

ابو یعلی نے اسے ان کے حوالے سے ایک اور طریق سے مسند ابی هريرة (ق ۲۹۶/۱) میں روایت کیا ہے۔

چہارم:...... قزعہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا:

’’میں نے کوہ طور جانے کا ارادہ کیا، میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مسئلہ دریافت کیا؟ انھوں نے فرمایا: کیا تمھیں معلوم نہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِ النَّبِيِّ ﷺ وَمَسْجِدِ الْأَقْصَى .))

''(بغرض ثواب) تین مساجد: مسجد حرام، نبی ﷺ کی مسجد اور مسجد اقصیٰ ہی کے لیے رخت سفر باندھا جائے۔''

((وَدَعْ عَنْكَ الطُّوْرَ فَلَا تَأْتِهِ .))

''کوہِ طور کو چھوڑ اور وہاں نہ جا۔''

الازرقی نے اسے صحیح اسناد کے ساتھ "أخبار مكة" (ص ٣٠٤) میں روایت کیا ہے، اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

اور طبرانی نے ایک دوسرے طریق سے اس سے "المعجم الكبير" (١٣٢٨٣) میں مرفوع روایت کیا ہے اور ہیثمی نے اسے "المجمع" (٤/ ٤) میں نقل کیا اور اس کی "الأوسط" کی طرف نسبت زیادہ کی، پھر کہا: ''اس کے راوی ثقہ ہیں۔''

اور اسی طرح فاکھی نے اسے "تاريخ مكة" (١٢٠٧) اور ابن ماجہ (١٤١٠) نے اسے ابن عمرو سے روایت کیا: ان احادیث میں مبارک جگہوں میں سے کسی جگہ کی طرف سفر کرنے کی حرمت ہے، جیسے: انبیاء اور صالحین کی قبریں اور وہ وہی ہے اگرچہ لفظ نفی کے ساتھ ہو "لَا تُشَدُّ" مراد: نہی ہے جیسا کہ حافظ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ (البقرة: ١٩٧) کے وزن پر اور وہ اسی طرح ہے جس طرح طیبی نے کہا:

''وہ صریح نہی سے زیادہ بلیغ ہے، گویا کہ انھوں نے کہا: صرف انہی جگہوں کی زیارت کا قصد کیا جائے، اس کے اختصاص کے لیے جس کے ساتھ اسے مخصوص کیا گیا ہے۔''

میں کہتا ہوں: اور اس ضمن سے جو اس کے یہاں نفی بمعنی نہی ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ دوسری حدیث میں مسلم کی روایت ہے: "لَا تَشُدُّوْا" پھر حافظ نے فرمایا:

آپ کا فرمان: "إِلَّا إِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ" استثناء مفرغ ہے اور مفہوم یہ ہے: "لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلٰى مَوْضِعٍ" کسی جگہ کی طرف رخت سفر نہ باندھا جائے، اور اس کا لازم ہے: اس کے علاوہ ہر جگہ کی طرف سفر کرنا ممنوع ہے، اس لیے کہ اس سے مستثنیٰ مفرغ میں مقدر عام سے زیادہ عام ہے، لیکن ممکن ہے کہ یہاں عموم سے مراد خصوص ہو، اور وہ ہے: مسجد۔''

میں کہتا ہوں: یہ احتمال ضعیف ہے، جبکہ درست: تقدیر اوّل ہے، جیسا کہ کوہ طور کی طرف سفر کے انکار کے

حوالے سے ابوبصرہ اور ابن عمر کی روایت میں بیان گزرا ہے، اور اس کا بیان آئے گا، پھر حافظ نے فرمایا:

''اس حدیث میں ان مساجد کی فضیلت ہے اور ان کا دیگر مساجد پر امتیاز ہے! اس لیے کہ وہ انبیاء کی مساجد ہیں، پہلی مسجد (مسجد حرام) لوگوں کا قبلہ ہے اور اس کی سمت ان کا حج ہے، دوسری مسجد (بیت المقدس) سابقہ امتوں کا قبلہ تھی اور تیسری مسجد (مسجد نبوی) کی تقویٰ پر بنیاد رکھی گئی۔''

انھوں نے کہا:

''ان کے علاوہ دیگر کی طرف رخت سفر باندھنے کے بارے میں اختلاف ہے، جیسا کہ صالحین خواہ زندہ ہوں یا مردہ کی زیارت کے لیے جانا، فضیلت والی جگہوں کی طرف جانا، تاکہ وہاں سے برکت حاصل کی جائے اور وہاں نماز پڑھی جائے، شیخ ابومحمد الجوینی (1) نے فرمایا: ''اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے ان کے علاوہ کسی اور کی طرف رخت سفر باندھنا حرام ہے۔''

قاضی حسین نے اس کے اختیار کی طرف اشارہ کیا، عیاض اور ایک جماعت نے یہی کہا ہے اور اس پر "اصحاب السنن" کی وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جس میں ابوبصرہ غفاری کا ابوہریرہ کے طور کی طرف جانے کو ناپسند کرنا ہے اور انھوں نے انھیں کہا: ''اگر تمھارے کوچ کرنے سے پہلے ملاقات ہو جاتی تو تم نہ جاتے۔'' اور انھوں نے اس حدیث سے استدلال کیا، اس نے اس پر دلالت کی کہ وہ حدیث کو اس کے عموم پر محمول کرنا سمجھتے ہیں اور ابوہریرہ نے ان سے موافقت کی اور امام الحرمین اور دیگر شوافع کے نزدیک صحیح ہے کہ وہ حرام نہیں، اور انھوں نے اس حدیث کے کئی جوابات دیے ہیں:

1: یہ مراد ہے کہ مکمل فضیلت صرف انھی مساجد کی طرف ہی رخت سفر باندھنے میں ہے، جبکہ دیگر میں نہیں کیونکہ وہ جائز ہے اور احمد کی روایت میں واقع ہوا اس کا ذکر ان الفاظ کے ساتھ آئے گا: ''سفر کرنے والے کے لیے مناسب نہیں کہ یہ عمل کرے'' اور وہ ''مناسب نہیں'' حرام نہ ہونے میں ظاہر لفظ ہے۔

2: یہ نہی اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جس نے نذر مانی ہو کہ وہ ان تین مساجد کے علاوہ باقی مساجد میں سے کسی مسجد میں نماز پڑھے گا، اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں، اسے ابن بطال نے بیان کیا۔

3: صرف مساجد کا حکم مراد ہے کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد میں نماز کے لیے رخت سفر نہ باندھا جائے، رہا مساجد کے علاوہ کسی صالح شخص کی زیارت یا کسی قریبی رشتہ دار یا کسی دوست اور ساتھی کی زیارت یا طلب علم یا تجارت یا کسی سیر و تفریح کے لیے رخت سفر باندھنا تو وہ نہی میں داخل نہیں اور اس کی تائید اس

---

(1) وہ عبداللہ بن یوسف، شوافع کے شیخ ہیں، اور امام الحرمین عبدالملک بن عبداللہ کے والد ہیں، تفسیر، فقہ اور ادب کے امام تھے، سن ۴۳۸ھ میں وفات پائی۔

سے بھی ہوتی ہے جسے احمد نے شہر بن حوشب کے طریق سے روایت کیا، اس نے کہا: میں نے ابوسعید کو سنا اوران کے پاس طور پر نماز پڑھنے کا ذکر کیا گیا، تو انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی سفر کرنے والے کے لیے مناسب نہیں کہ وہ تین مساجد: مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد کے علاوہ کسی اور مسجد میں نماز پڑھنے کے قصد سے رخت سفر باندھے۔'' اور شہر بن حوشب حسن الحدیث ہے، اگرچہ اس میں کچھ ضعف ہے۔''

میں کہتا ہوں: حافظ نے شہر بن حوشب کو حسن الحدیث کہنے میں تساہل سے کام لیا ہے، حالانکہ انھوں نے "التقریب" میں کہا ہے: "کثیر الاوھام" جیسا کہ پہلے بیان ہوا اور یہ معلوم ہے کہ جو اس طرح کا ہو تو اس کی حدیث ضعیف ہوتی ہے قابل احتجاج نہیں ہوتی، جیسا کہ حافظ نے بذات خود اسے "شرح النخبة" میں تسلیم کیا ہے۔

پھر فرض کریں کہ وہ حسن الحدیث ہے، تو وہ صرف عدم مخالفت کے وقت اس طرح ہوگا، رہا اس وقت جب اس نے ان تمام راویوں کی مخالفت کی ہے جنھوں نے اس حدیث کو ابوسعید سے روایت کیا ہے اور دوسرے راویوں کی بھی جنھوں نے اسے ان کے علاوہ دیگر صحابہ سے روایت کیا ہے جیسا کہ اس کا بیان گزر چکا ہے، لہٰذا وہ اس مخالفت کے ہوتے ہوئے کس طرح حسن الحدیث ہوسکتا ہے؟ بلکہ وہ تو اس حالت میں منکر الحدیث ہے، جس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں۔

اس میں اور اضافہ کرلیں، اس کا حدیث میں یوں کہنا: "إلى مسجد" (کسی مسجد کی طرف) یہ اس ضمن سے ہے جو خود ''شہر'' سے بھی ثابت نہیں، اسے اس سے صرف عبدالحمید ہی نے ذکر کیا ہے جبکہ لیث بن ابوسلیم نے اسے اس سے ذکر نہیں کیا، اور یہ روایت اس سے زیادہ راجح ہے، کیونکہ وہ ثقہ راویوں کی روایت کے مطابق ہے جیسا کہ آپ نے جان لیا۔

مزید یہ کہ اس کی روایت میں غور کرنے والا، اس میں اس اضافے کے ذکر کے بطلان پر ایک اور دلیل پائے گا اور وہ اس کا یہ کہنا ہے کہ ابوسعید خدری نے اس روایت کے ذریعے ان کے کوہ طور کی طرف جانے کے لیے شہر بن حوشب کے خلاف دلیل لی ہے، اگر اس میں یہ اضافہ ہوتا جو اس کے حکم کو دیگر فضیلت والی جگہوں کے علاوہ مساجد کے ساتھ خاص کرتا ہے تو ابوسعید رضی اللہ عنہ کے لیے جائز نہ ہوتا کہ وہ اس کے ذریعے اس کے خلاف دلیل لیتے، کیونکہ ''طور'' کوئی مسجد نہیں، وہ تو مقدس پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے کلام فرمایا، لہٰذا وہ حدیث اس کو شامل نہیں خواہ وہ اضافہ اس میں ثابت ہو، اور ابوسعید کا اس سے استدلال کرنا جبکہ یہ حالت وہم ہو تو یہ کوئی معقول نہیں کہ ''شہر'' اور اس کے رفقاء اس پر خاموش رہیں۔

تو یہ سب اس اضافے کے بطلان کی تائید کرتا ہے اور یہ کہ اس کے لیے رسول اللہ ﷺ سے کوئی اصل نہیں۔

جو کچھ بیان ہوا اس سے ثابت ہوا کہ اس میں کوئی دلیل نہیں کہ وہ حدیث کو مساجد کے ساتھ خاص کرے، لہٰذا

اسے اس کے عموم پر باقی رکھنا لازم ٹھہرا، جسے ابومحمد الجوینی اور جن کا ان کے ساتھ ذکر کیا گیا نے اختیار کیا ہے، اور وہی حق ہے۔

ان کے جوابِ اوّل اور دوم پر جواب دینا ہمارے ذمے باقی رہا، تو میں عرض کرتا ہوں:

ا: یہ جواب کئی وجوہ سے ساقط ہے:

اوّل:...... وہ لفظ جس سے انھوں نے استدلال کیا: "لَا يَنْبَغِيْ ......" (مناسب نہیں) ہے اور وہ حدیث میں ثابت نہیں، کیونکہ اسے بیان کرنے میں شہر بن حوشب کا تفرد ہے، جبکہ وہ ضعیف ہے جیسا کہ بیان ہوا ہے۔

دوم:...... فرض کریں کہ وہ لفظ ثابت ہے، پس ہم تسلیم نہیں کرتے کہ وہ حرام نہ ہونے کے بارے میں واضح ہے، بلکہ اس کے برعکس جو ہے وہ درست ہے، اس پر کتاب وسنت سے بہت سے دلائل ہیں، میں ان میں سے بعض پر اکتفا کرتا ہوں۔

أ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ﴾ (الفرقان : ۱۸)

"وہ کہیں گے: پاک ہے تو، ہمیں اس بات کا حق نہ تھا کہ ہم تجھے چھوڑ کر اور مددگار بنالیں۔"

ب: آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ .))

(ابوداؤد (۲۶۷۵) من حدیث ابن مسعود، الدارمی (۲/ ۲۲۲) من حدیث ابی ہریرۃ)

"آگ کا عذاب دینے کا حق صرف آگ کے رب (مالک، اللہ تعالیٰ) ہی کے پاس ہے۔"

ج: ((لَا يَنْبَغِيْ لِصِدِّيْقٍ اَنْ يَكُوْنَ لَعَّانًا .)) (صحیح مسلم)

"کسی صدیق کا حق نہیں کہ وہ لعنت کرنے والا ہو۔"

د: ((إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَنْبَغِيْ لِآلِ مُحَمَّدٍ ....)) (صحیح مسلم)

"صدقہ آل محمد کا حق نہیں۔"

ھ: ((لَا يَنْبَغِيْ لِعَبْدٍ اَنْ يَقُوْلَ: إِنَّهُ خَيْرٌ مِنْ يُوْنُسَ بْنِ مَتّٰى .))

(صحیح بخاری و صحیح مسلم عن ابن عباس، عن ابی ہریرۃ، صحیح بخاری میں ابن مسعود سے بھی اسی طرح مروی ہے۔)

"کسی بندے کے لیے جائز نہیں کہ وہ کہے: میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔"

سوم:...... فرض کریں کہ وہ حرام نہ ہونے میں واضح ہے، تو وہ کراہت پر دلالت کرتا ہے، جبکہ وہ یہ نہیں

کہتے۔ پس نووی کی شرح مسلم میں ہے:

''ہمارے اہل علم کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ وہ حرام ہے نہ مکروہ۔''

لہٰذا وہ حدیث ہر حال میں ان کے خلاف حجت ہے۔

۲: یہ جواب اس سے پہلے کی طرح ساقط الاعتبار ہے، کیونکہ تخصیص پر کوئی دلیل نہیں، عموم پر باقی رکھنا واجب ہے، خاص طور پر صحابہ کے فہم کے ذریعے تائید کی جنھوں نے اس حدیث کو روایت کیا؛ ابوبصرہ، ابو ہریرہ، ابن عمر اور ابوسعید (اگر ان سے یہ صحیح ثابت ہو) پس ان سب نے اس کے ذریعے ''طور'' کی طرف سفر کی ممانعت پر استدلال کیا ہے، اس سے جو مراد ہے اسے دوسروں کی نسبت زیادہ جاننے والے ہیں، اسی لیے صنعانی نے "سبل السلام" (۲/ ۲۵۱) میں فرمایا:

''جمہور کا یہ موقف ہے کہ یہ حرام نہیں اور انھوں نے ایسی چیز سے استدلال کیا ہے جو اس قابل نہیں، انھوں نے باب کی احادیث کی بہت دور کی تاویل و تعبیر کی۔ تاویل و تعبیر کرنا تب مناسب ہے کہ انھوں نے جو تاویل کی ہے اس کے خلاف کوئی دلیل قائم نہ ہو۔''

"فتح العلام" (۱/ ۳۱۰) کے مؤلف نے اس کے بعد بیان کیا:

''کوئی دلیل نہیں۔ وہ احادیث جو زیارت نبویہ کی ترغیب اور اس کی فضیلت کے بارے میں ہیں ان میں اس کی طرف رخت سفر باندھنے کے متعلق حکم نہیں، حالانکہ وہ ساری کی ساری ضعیف ہیں یا موضوع ہیں، ان میں سے کوئی بھی استدلال کے لیے درست نہیں اور بہت سے لوگ اس فرق کو نہیں سمجھ سکے جو مسئلہ زیارت اور اس کی طرف سفر کرنے کے مسئلے کے درمیان ہے، انھوں نے اس باب کی حدیث کو بلا دلیل اس کے منطوق واضح سے پھیر دیا جو اس (منطوق) کا مطالبہ ہے۔''

میں کہتا ہوں: اس غفلت کے لیے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ شیخ سبکی عفا اللّٰہ عنا عنہ نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ پر الزام لگایا کہ وہ قبر نبوی کی زیارت کا انکار کرتے ہیں، خواہ وہ رخت سفر باندھنے کے بغیر ہی ہو، حالانکہ وہ اس کے قائلین میں سے تھے اور اس کے فضل و آداب بیان کرنے والے تھے اور انھوں نے اپنی کئی عمدہ کتب [1] میں اسے نقل کیا ہے۔

اس نے اس حقیقت کے بیان کی ذمہ داری لی اور علامہ حافظ محمد بن عبدالہادی نے اپنی تالیف کبیر جس کا نام: "الصارم المنکی فی الرعد علی السبکی" ہے، میں سبکی کی تہمت کی تردید پیش کی ہے۔ انہوں نے اس میں ابن تیمیہ سے قبر کی طرف سفر کا قصد کیے بغیر زیارت کے جواز میں بہت سی نصوص نقل کی ہیں اور انہوں نے اس

---

[1] جیسے ان کی کتاب "مناسك الحج" (۳/ ۳۹۰) "مجموعة الرسائل الكبرى" میں سے ہے۔ (منہ)

کی فضیلت کے بارے میں وارد احادیث نقل کی ہیں، اور ان پر مفصل کلام کیا ہے، اور ان میں جو ضعف اور وضع ہے اسے واضح کیا ہے، اور اس میں فقہ، حدیث اور تاریخ کے حوالے سے بہت سے دیگر فوائد ہیں، ہر طالب علم کو چاہیے کہ وہ انھیں جاننے کے لیے پوری کوشش کرے۔

پھر نظرِ سلیم اس قول کے صحیح ہونے کا فیصلہ کرے گی جس نے کہا کہ وہ حدیث اپنے عموم پر ہے، کیونکہ وہ اپنے منطوق کے لحاظ سے ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنے سے منع کرتی ہے، یہ جانتے ہوئے کہ کسی مسجد میں عبادت مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ میں عبادت سے افضل ہے، اور آپ ﷺ نے فرمایا: "أَحَبُّ الْبِقَاعِ إِلَى اللّٰهِ الْمَسَاجِدُ" ❶ اللہ کو سب سے زیادہ پسند جگہیں مساجد ہیں۔" حتیٰ کہ اگر وہ مسجد وہی مسجد ہو جو تقویٰ پر تعمیر کی گئی، آگاہ رہو وہ مسجد قبا ہے، جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "الصَّلٰوةُ فِيْ مَسْجِدِ قُبَاءٍ كَعُمْرَةٍ" ❷ "مسجد قباء میں نماز عمرے کی طرح ہے۔" جب معاملہ اس طرح ہو، تو پھر حدیث اس کے علاوہ جگہوں کی طرف سفر کرنے سے زیادہ طور پر روکنے والی ہوتی، خاص طور پر جب مقصود وہ مسجد ہو جو کسی نبی کی یا کسی صالح شخص کی قبر پر بنائی گئی ہو اور اس کی طرف سفر کرنے کا مقصد اس میں نماز پڑھنا اور اس کے پاس عبادت کرنا ہو اور ایسا کرنے والے کے بارے میں آپ نے لعنت کو جان لیا ہے، تو کیا یہ سمجھا جائے گا کہ الشارع الحکیم اس طرح کے سفر کی اجازت دیتا ہے اور مسجد قبا کی طرف سفر کرنے سے منع کرتا ہے؟

خلاصہ: ابو محمد الجوینی الشافعی رحمہ اللہ و دیگر کا جو موقف ہے، کہ ان تین مساجد کے علاوہ فضیلت والی جگہوں کی طرف سفر کرنا حرام ہے، وہ جو اس کی طرف جانا واجب ہے، کوئی شک نہیں کہ اسے کبار محقق علماء نے اختیار کیا جو فہم میں اپنے استقلال میں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے فقہ میں اپنے تعمق و گہرائی میں معروف ہیں، جیسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن قیم، ان کی اس اہم مسئلہ میں بہت نفع مند تحقیقات ہیں اور انہی علماء و فضلاء میں سے شیخ (شاہ) ولی اللہ دھلوی ہیں اور اس باب میں ان کا کلام یہ ہے جو انھوں نے "الحجة البالغة" ❸ (١/ ١٩٢) میں بیان فرمایا:

"دورِ جاہلیت میں لوگ عظمت والی جگہوں کا قصد کیا کرتے تھے...... ان کے زعم کے مطابق...... وہ ان کی زیارت کرتے اور ان سے برکت حاصل کرتے تھے۔ اس میں جو تحریف و فساد و بگاڑ ہے وہ بالکل واضح ہے، آپ ﷺ نے بگاڑ کو روک دیا، تاکہ غیر شعائر کو شعائر (اسلام) سے نہ ملایا جائے، تاکہ وہ

---

❶ دیکھیں: "صحيح الترغيب" (٣٢٢)؛ المشكاة (٦٩٦) (منه)

❷ دیکھیں: "صحيح ابن ماجة" (١٤١١)۔ (منه)۔

❸ اصل نام حجۃ اللہ البالغہ ہے۔ (شہباز حسن)

غیر اللہ کی عبادت کا ذریعہ نہ بن جائے، میرے نزدیک حق یہ ہے کہ قبر، کسی ولی کی عبادت کی جگہ اور
''طور'' نہی میں سب برابر ہیں۔''

اس بحث کے آخر میں اس پر کیسی اچھی تنبیہ کی ہے کہ اس نہی میں تجارت اور طلب علم کے لیے سفر شامل نہیں، کیونکہ وہ سفر تو اس حاجت کی طلب کے لیے ہے وہ جہاں بھی ہو کسی مخصوص جگہ کے لیے نہیں، اسی طرح کسی مسلمان بھائی سے ملاقات کرنے کے لیے سفر کرنا، بلاشبہ وہ تو مقصود ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے "فتاوٰی" (۲/ ۱۸٦) میں بیان کیا۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "دفاع عن الحدیث النبوی" (ص ۱۰۰۔۱۰۲) میں "فقہ السیرۃ" (ص ۵۲۰) میں البوطی کے درج ذیل بیان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: (البوطی نے کہا):

''جان لیجیے کہ آپ ﷺ کی مسجد اور آپ کی قبر کی زیارت اللہ عزوجل کا قرب حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، ہر دور میں آج تک جمہور مسلمانوں کا اس پر اجماع رہا ہے، اس مسئلے میں صرف ابن تیمیہ غفر اللہ لہ نے اختلاف کیا ہے، ان کا موقف ہے کہ آپ ﷺ کی قبر کی زیارت مشروع نہیں۔''

پھر اس نے اس اجماع مذکور پر چار وجوہ سے استدلال کیا ہے، ان میں سے وہ ہے جسے ابن عساکر نے روایت کیا ہے، پھر کہا:

''جان لیجیے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنے اس قول میں جس میں وہ منفرد ہیں اس کی کوئی صورت نہیں کہ انھوں نے کسی سبب کے بغیر ان وجوہات کی تردید کی اور یہ کہا کہ آپ ﷺ کی قبر کی زیارت مشروع نہیں۔''

میں کہتا ہوں: اور یہ اس نئے پالک کی طرف سے شیخ الاسلام رحمہ اللہ پر جھوٹ اور بہت بڑا افترا ہے، آپ کی کتب اور آپ کے فتاویٰ مسلمانوں کی قبروں کی زیارت کی مشروعیت کے عام طور پر اور آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کی مشروعیت کے متعلق خاص طور پر، صراحت کرنے والے دلائل سے بھرپور ہیں، جیسا کہ شیخ رحمہ اللہ کی کتب سے ادنیٰ معرفت رکھنے والا شخص یہ (مشروعیت کے متعلق) جانتا ہے اور اس حوالے سے ان کی کتاب: "الرد علی الأخنائی" وہ شیخ کے معاصرین میں سے ہے، وہ جس پر انھوں نے شیخ پر افتراء کا رد کیا جو کہ ظلم کے ساتھ ملا ہوا تھا، اور اسی میں سے یہ تہمت ہے، جو بوطی نے اس سے یا اس جیسے افترا باندھنے والے جھوٹوں سے حاصل کی اور اس نے شیخ رحمہ اللہ کی کسی کتاب کی طرف رجوع کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی تاکہ حقیقت امر واضح ہو جاتی۔

شیخ رحمہ اللہ نے "الرد علی الاخنائی" کے شروع میں اس کے ان پر افترا مذکورہ کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

''اور جواب دینے والا (یعنی وہ خود) میں نے ان کی کتب اور فتاویٰ کو دیکھا ہے وہ قبروں کی زیارت

کے استحباب کے حوالے سے بھرپور ہیں، وہ اپنے تمام مناسک میں اہل بقیع اور شہداء احد کی قبروں کی زیارت کے استحباب کا ذکر کرتے ہیں اور وہ نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کا ذکر کرتے ہیں کہ جب آپ کی مسجد میں داخل ہوتو آپ کی قبر کی زیارت اور اس بارے میں آداب کا ذکر بھی کرتے ہیں۔''

اور انھوں نے اپنی کتاب "الجواب الباهر فی زوار المقابر" کی ابتدا (ص ١٤) میں بیان کیا:

''میں نے مناسک کے بارے میں جو لکھا ہے میں نے اس میں ذکر کیا ہے کہ آپ کی مسجد اور آپ کی قبر کی زیارت کے لیے سفر کرنا...... جیسا کہ مسلمان ائمہ اسے مناسک حج میں ذکر کرتے ہیں...... ایک عمل صالح اور مستحب ہے اور میں نے اس بارے میں سنت ذکر کی ہے اور آپ پر سلام کس طرح پیش کرنا ہے، کیا حجرہ کی طرف رخ ہوگا یا قبلہ کی جانب اور اس بارے میں دو اقوال نقل کیے ہیں......''

ابن عبدالہادی نے الرد علی السبکی میں اس کی شرح کی ہے، جو تفصیل چاہتا ہے وہ اس کا مطالعہ کرے، پس قائل، ڈاکٹر بوطی اور اس کے اس جھوٹ کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ کیا وہ ان مصادر پر مطلع نہ ہوا جو اس کے اور اس کے جھوٹ درمیان حائل ہیں؟ یا وہ ان پر مطلع ہوا اور اس نے جان لیا کہ شیخ الاسلام اس جھوٹ سے بری ہیں، پھر وہ ان (شیخ الاسلام) پر اس تہمت پر مصر رہا، اس وجہ سے کہ اس کے دل میں شیخ الاسلام کے متعلق خاص طور پر اور سلفیوں کے بارے میں عام طور پر کینہ وبغض ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان کی پروا نہیں کرتا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ جَآءُو بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ﴾ (النور: ١١)

''بے شک وہ لوگ جنھوں نے تہمت لگائی وہ بھی تم ہی میں سے ایک گروہ ہے، تم اسے اپنے لیے برا نہ سمجھو، بلکہ وہ تمھارے لیے اچھا ہے، ان میں سے ہر شخص کو جس قدر اس نے حصہ لیا گناہ ہوا۔''

اور اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾ (الاحزاب: ٥٨)

''اور وہ لوگ جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو، بغیر اس کے کہ وہ کوئی گناہ کریں، ایذا دیتے ہیں وہ بہتان عظیم اور ظاہر گناہ کا بار اٹھاتے ہیں۔''

خواہ یہ ہو یا وہ، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی بوطی اور اس جیسے لوگوں کا حساب لینے والا ہے، جبکہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم مومنوں کا دفاع کریں، اور ان پر جو جھوٹے الزامات لگائے گئے ہیں ان کو اس سے پاک سمجھیں، وہ بہتان کبھی جہالت کی بنیاد پر ہوتا ہے اور کبھی ظلم کی بنا پر اور کبھی دونوں جمع ہوجاتے ہیں۔

پہلی قسم سے اس کا یوں کہنا: ''اس میں صرف ابن تیمیہ ہی نے اختلاف کیا ہے۔'' بے شک یہ واضح ہے کہ اسم اشارہ ''اس'' آپ ﷺ کی مسجد کی زیارت اور آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کی طرف ہے، یہ ایک نیا جھوٹ ہے، اس میں بوطی کا اپنے اسلاف، جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، کو چھوڑ کر تفرد ہے، آپ ﷺ کی مسجد کی زیارت اس ضمن میں سے ہے جس کی مشروعیت کے شیخ الاسلام بھی قائل ہیں، بلکہ وہ اس کی طرف خصوصی طور پر سفر کرنے کی مشروعیت کے بھی قائل ہیں۔ جیسا کہ بیان گزرا ہے۔ جبکہ وہ آپ ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کے لیے خصوصی طور پر سفر کرنے کے قائل نہیں، جبکہ بوطی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے سابق اسلاف کی طرح دونوں زیارتوں (زیارت مسجد نبوی، زیارت قبر شریف) میں فرق نہیں کرتا اور اس کی دلیل: اس کا اس کے بعد وہ قول ہے جو اس کے حوالے سے ابھی نقل ہوا:

''مجموعی طور پر ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کے فرمان: "لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ...... " (صرف تین مساجد کے لیے ہی رخت سفر باندھا جائے......) کا سہارا ہے۔ ابن تیمیہ نے اس سے قبر شریف کے علاوہ مسجد کی طرف سفر کرنے کی مشروعیت کے اثبات کے لیے استدلال کیا ہے، بوطی ان کے استدلال کو قبول نہیں کرتا، کیونکہ اس بات کا کنایہ ہے کہ دور دراز سے جن جگہوں کے اہتمام کا زیادہ حق ہے وہ ان تین مساجد کا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ ان مساجد کی زیارت کے علاوہ بھی کئی جگہوں کی تخصیص فرماتے تھے جیسے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہر ہفتے مسجد قبا کی زیارت کرنا۔''

غور کریں وہ (بوطی) کس طرح سفر کے ساتھ زیارت اور سفر کے بغیر زیارت کے درمیان اشکال واختلاط پیدا کرتا ہے۔ جبکہ اس کی (سفر کے ساتھ زیارت) کی حدیث اوّل میں ممانعت ہے اور اس (سفر کے بغیر زیارت) کا قباء کے متعلق روایت میں اثبات ہے، تو پھر ان دونوں کے درمیان کوئی تعارض نہیں جیسا کہ وہ ظاہر ہے، یہی شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا موقف ہے، کیونکہ وہ مسجد قباء، بقیع اور شہداء کی قبروں اور دوسری قبروں کی زیارت کو مشروع قرار دیتے ہیں، لیکن وہ ان کی طرف سفر کرنے کو جائز قرار نہیں دیتے، جیسا کہ اس پر حدیث اوّل دلالت کرتی ہے، وہ دونوں حدیثوں کے قائل ہیں۔ اس اثناء میں کہ بوطی ...... اللہ اسے ہدایت دے ...... کے پاس علم ہی نہیں کہ وہ ان دونوں کے درمیان جمع وتطبیق دے سکے۔ ...... وہ دونوں متعارض ہوں ...... سوائے ان دونوں میں سے اوّل کی دلالت کو یہ کہہ کر معطل کر دینے سے کہ وہ کنایہ ہے! جبکہ یہ اس کے خلاف ہے جو صحابہ اور دیگر سلف کا فہم ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ انھوں نے ایک آدمی کو، جس نے طور پر جانے کا ارادہ کیا تھا، منع کر دیا تھا، انھوں نے اسے فرمایا: ''طور کا خیال چھوڑ دے اور وہاں نہ جا۔'' انھوں نے اس پر رخت سفر باندھنے کی ممانعت والی حدیث

سے استدلال کیا اور یہ کئی صحابہ سے ثابت ہے، جیسا کہ آپ اسے میری کتاب "أحکام الجنائز" (ص ۲۲٤-۲۳۱) میں مفصل دیکھ سکتے ہیں، اگر وہ حدیث یعنی جو البوطی کا موقف ہے ابن عمر کی "طور" پر جانے کی ممانعت درست نہیں، تمھارا کیا خیال ہے بوطی کا موقف ٹھیک ہے یا ابن عمر کا؟! اپنی ہدایت وطریق کو سمجھ لو۔

اب میرا مقصد یہ نہیں کہ میں اسی مسئلے میں جو کچھ آمیزش ہے اس میں بوطی کا مناقشہ ومؤاخذہ کروں، کیونکہ اس کے لیے الگ موقع ومحل ہے، اور وہ وہ ہے جس کی طرف میں نے "فقہی غلطیوں" کے بیان میں اشارہ کیا اور وہ صرف اس کے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ پر افتراء کے متعلق تنبیہ کرنا اور قارئین کو اس سے بچانا ہے کہ وہ اس جیسوں سے دھوکا نہ کھائیں۔ اللہ تعالیٰ سے درخواست ہے کہ وہ ہماری خطاؤں کی اصلاح کرے، ہماری نیتوں کو خالص رکھے اور کتاب وسنت کے مطابق عمل صالح کی توفیق بخشے۔

شیخ رحمہ اللہ نے اس مسئلے کو اپنی قیمتی کتاب "الثمر المستطاب فی فقه السنة والکتاب" (۲/ ٥٤٩-٥٦٧) میں تقریباً ستره صفحات میں حدیث وفقہ کے حوالے سے بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ہم زیادہ تر ان نقول پر اکتفا کریں گے جو فقہی حوالے سے ہیں:

ہمارے شیخ نے "الثمر المستطاب" (۲/ ٥٤٩) میں فرمایا:

ان تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد یا کسی فضیلت والی جگہ کے سفر کا قصد کرنا جائز ہے نہ اس میں نماز پڑھنا جائز ہے اور نہ ہی اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا جائز ہے، کیونکہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے: "تین مساجد، میری یہ مسجد، مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ (ثواب کی غرض سے) رخت سفر نہ باندھا جائے۔" ایک روایت میں ہے:

"تم رخت سفر نہ باندھو مگر ان تین مساجد کے لیے۔" ❶

پھر شیخ البانی رحمہ اللہ نے "الثمر المستطاب" (۲/ ٥٥٨-٥٦٧) میں فرمایا:

آپ کا فرمان ہے: "لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ" حافظ ❷ نے فرمایا:

"اس کے اوّل پر ضمہ لفظ نفی کے ساتھ، اور اس سے ان کے علاوہ کسی اور طرف سفر کرنے کی ممانعت مراد ہے۔ طیبی نے فرمایا: وہ صریح نہی سے زیادہ بلیغ ہے، گویا کہ آپ نے فرمایا: یہ درست نہیں کہ ان تین جگہوں کے علاوہ زیارت کا قصد کیا جائے کیونکہ ان کو وہ اختصاص حاصل ہے جس سے ان کو مختص

---

❶ ہمارے شیخ نے اسے "الثمر المستطاب" (۲/ ٥٥٨) میں آٹھ صحابہ کے حوالے سے نقل کیا، پھر انھوں نے اپنی تخریج کو اس طرح ختم فرمایا: مجموعی طور پر وہ حدیث متواتر ہے، یا اس کے قریب ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے "مجموعة الرسائل الکبری" تیسرے رسالے (۳/ ٥٣) میں فرمایا: "وہ حدیث مستفیض ہے، اہل علم کا اس کے صحیح ہونے اور اس کی قبولیت وتصدیق پر اتفاق ہے۔"

❷ وہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہیں۔

کیا گیا ہے اور "رحال" "رحل" (کجاوہ) کی جمع ہے اور وہ اونٹ کے لیے ہے جس طرح زین گھوڑے کے لیے ہے اور کجاوے کسنا سفر سے کنایہ ہے، کیونکہ وہ اس کا لازمہ ہے، اور اس کا ذکر مسافروں کی سواری میں عمومی وجہ سے کیا، ورنہ اونٹوں، گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کی سواری کے درمیان اور پیدل چلنے کے درمیان مذکورہ معنی میں کوئی فرق نہیں اور دوسرے الفاظ میں آپ ﷺ کا فرمان: "إنما یسافر" اس پر دلالت کرتا ہے۔ ❶

آپ ﷺ کا فرمان: ((الاَّ اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ)) حافظ نے فرمایا: "الاستثناء" مفرغ ہے اور مقدر یہ ہے: کسی جگہ کی طرف رخت سفر نہ باندھا جائے، اس سے اس کے علاوہ ہر جگہ کے سفر کی ممانعت لازم آتی ہے، کیونکہ مستثنیٰ منہ مفرغ میں مقدر ہے وہ عام سے زیادہ عموم رکھتا ہے، لیکن ممکن ہے کہ یہاں عموم سے مخصوص جگہ مراد ہو اور وہ مسجد ہے جیسا کہ بیان ہوگا۔"

میں نے کہا: یہ ضعیف ہے، جبکہ درست اوّل ہے جیسا کہ ہم اسے ذکر کریں گے۔

پھر فرمایا:

"اس حدیث میں ان مساجد کی دیگر مساجد پر فضیلت ہے اس لیے کہ وہ انبیاء کی مساجد ہیں، کیونکہ پہلی مسجد لوگوں کا قبلہ ہے اور وہاں ان کا حج ہوتا ہے، دوسری مسجد پہلی امتوں کا قبلہ رہی ہے، جبکہ تیسری مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔

ان (تین مساجد) کے علاوہ کسی اور کی طرف رخت سفر باندھنے کے بارے میں اختلاف ہے، جیسے زندہ یا فوت شدہ صالحین کی زیارت اور فضیلت والی جگہوں کی طرف اس قصد سے جانا کہ ان سے برکت حاصل کی جائے اور ان میں نماز پڑھی جائے، شیخ ابو محمد الجوینی نے فرمایا:

"حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے ان کے علاوہ کسی اور کی طرف (بغرض ثواب) رخت سفر باندھنا حرام ہے۔"

القاضی حسین نے اسی کے اختیار کی طرف اشارہ کیا ہے، عیاض اور ایک جماعت کا بھی یہی موقف ہے اور اس پر وہ بھی دلالت کرتا ہے جسے اصحاب السنن نے ابو بصرہ غفاری کے ابو ہریرہ کے طور کی طرف جانے کے انکار کو روایت کیا ہے، اور انھوں نے انھیں فرمایا: "اگر تمھارے طور پر جانے سے پہلے میری تم سے ملاقات ہو جاتی تو تم نہ جاتے" اور انھوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔" اس نے اس پر دلالت کیا کہ وہ حدیث کو اس کے عموم پر محمول سمجھتے تھے اور ابو ہریرہ نے ان سے موافقت کی ہے۔

---

❶ اس مقصد کے لیے سفر خواہ کسی بھی ذریعے سے ہو لا تشد الرحال کے زمرے میں آتا ہے۔ (شہباز حسن)

امام الحرمین اور دیگر شوافع کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ وہ حرام نہیں اور انھوں نے حدیث کا کئی طرح سے جواب دیا ہے، ان میں سے:

مراد یہ ہے کہ مکمل فضیلت صرف انہی (تین) مساجد کی طرف رخت سفر باندھنا ہے، جبکہ ان کے علاوہ میں نہیں، بے شک وہ جائز ہے، احمد کی روایت میں آیا ہے اس کا ذکر عنقریب یوں آئے گا: ''مسافر کے لیے مناسب نہیں کہ وہ یہ کام کرے۔'' اور وہ حرام نہ ہونے میں ظاہر لفظ ہے۔

اور ان میں سے یہ کہ نہی اس کے ساتھ مخصوص ہے جس نے نذر مانی ہو کہ وہ ان تین مساجد کے علاوہ دیگر مساجد میں نماز پڑھے گا، تو اس کے لیے اسے پورا کرنا واجب نہیں۔ یہ ابن بطال کا موقف ہے۔

اور ان میں سے یہ کہ مراد صرف حکم مساجد ہے، کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد میں نماز کے قصد سے رخت سفر نہ باندھا جائے، رہا مساجد کے علاوہ قصد کرنا جیسے کسی صالح شخص یا قریبی رشتہ دار یا کسی دوست ساتھی، یا طلب علم یا تجارت یا سیر وتفریح کے لیے سفر کرنا تو وہ اس نہی میں داخل نہیں اور احمد نے شہر بن حوشب کے طریق سے جو روایت کیا وہ اس کی تائید کرتا ہے، انھوں نے کہا: میں نے ابوسعید سے سنا جبکہ ان کے پاس کوہ طور پر نماز کا ذکر کیا گیا تو انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی نمازی ❶ کے لیے مناسب نہیں کہ وہ مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف رخت سفر باندھے کہ اس میں نماز کا قصد کیا جائے۔'' اور شہر بن حوشب حسن الحدیث ہے اگر چہ اس میں قدرے ضعف ہے۔''

میں کہتا ہوں: حافظ رحمہ اللہ نے یہاں ''شہر'' کے بارے میں نرمی برتی ہے اور انھوں نے اس لفظ (حسن الحدیث) کے ساتھ اس کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے، حالانکہ انھوں نے اس پر حکم لگایا ہے کہ وہ کثیر الاوہام ہے جیسا کہ اس بارے میں پہلے بیان ہو چکا ہے، ❷ جو اس طرح کا ہو اس کی حدیث کو کسی طرح حسن قرار دیا جا سکتا ہے؟ خاص طور پر جب اس کا حدیث روایت کرنے والے تمام راویوں سے تفرد ہو۔ ابوسعید کے حوالے سے تین دوسرے طرق سے وارد ہے، ان میں یہ اضافہ نہیں ہے جس سے حافظ نے استدلال کیا ہے، اور وہ ہے: ''إِلَى مَسْجِدٍ'' (مسجد کی طرف)۔

اس میں یہ اضافہ بھی کیا جائے گا کہ وہ حدیث ابوسعید کے علاوہ سات صحابہ سے ثقہ راویوں کے حوالے سے بہت طرق سے وارد ہے اور ان میں سے کسی نے بھی وہ نہیں کہا جو شہر نے کہا، تو کیا اس کے بعد بھی اس اضافے

---

❶ اصل میں بھی اسی طرح ہے، شاید کہ وہ کسی راوی کی طرف سے تصحیف ہو، درست یہ ہے: ''لا ينبغي للمطي ان تشد'' جیسا کہ ''المسند'' میں ہے۔ جیسے کہ پیچھے گزر چکا ہے۔ (منہ)

❷ دیکھیے الثمر المستطاب (۲/ ۵۵۲).

میں شہر کی خطا پر کوئی دلیل و برہان ہے؟

مزید یہ کہ اس میں ''شہر'' پر اختلاف کیا گیا ہے، پس ان میں سے بعض نے اس سے اسے بعض کے علاوہ ذکر کیا ہے جیسا کہ اس کا حدیث پر طریق چہارم عن ابی سعید کے حوالے سے کلام کے وقت بیان گزر چکا ہے۔

اسی لیے ہم نے وہاں یہی موقف اختیار کیا کہ اس روایت سے استدلال جائز نہیں۔

میرے خیال میں ایک دوسری دلیل آئی ہے جو ''شہر'' کی خطا کی تائید کرتی ہے، میں کہتا ہوں:

اس ضمن میں سے جو اس اضافے کے ضعف، بلکہ اس کے بطلان پر تمہاری راہنمائی کرتی ہے: یہ کہ شہر کی اسی روایت میں کہ ابوسعید نے اسے طور کی طرف جانے سے روکا ہے اور اسی حدیث کے ذریعے اس کے خلاف استدلال کیا ہے، اگر اس اضافے میں وہ چیز ہوتی جو اس کے معنی کو دیگر فضیلت والی جگہوں کے علاوہ صرف مساجد کے ساتھ خاص کرتی تو ابوسعید...... جو کہ خالص عربی ہیں...... کے لیے جائز نہ ہوتا کہ وہ اس سے استدلال کرتے، کیونکہ شہر نے تو طور کی طرف ہی جانے کا قصد کیا تھا اور وہ مسجد نہیں، وہ تو مقدس پہاڑ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا، لہٰذا وہ حدیث اس کو شامل نہیں خواہ اس میں اضافہ ہو، اس کا اس کی طرف جانے کا انکار اس کی اس حدیث کی طرف نسبت کے بطلان پر سب سے بڑی دلیل ہے، اور اس پر یہ بھی دلیل ہے وہ اپنے عموم پر ہے کہ وہ فضیلت والی جگہوں کو شامل ہے، کیونکہ یہ وہی ہے جسے سعید نے سمجھا، اسی طرح اس سے عبداللہ بن عمرو اور ابوبصرہ غفاری نے سمجھا اور ابوہریرہ نے اس کی موافقت کی، ان سب نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے طور پر جانے کا انکار کیا جیسا کہ ان کی احادیث کی تخریج میں بیان ہوا، ان چاروں صحابہ...... ان میں سے کوئی بھی ان کا مخالف نہیں...... نے یہی سمجھا اور انھوں نے آپ ﷺ سے جو سنا وہ اسے زیادہ جاننے والے اور آپ ﷺ کے فرمان کو زیادہ سمجھنے والے تھے۔

پھر یہ کہ غور وفکر حدیث کے عموم کی صحت کا فیصلہ کرتا ہے، کیونکہ جب ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنے کی ممانعت ہے، جبکہ معلوم ہے کہ تمام مساجد میں عبادت کرنا غیر مساجد اور گھروں کے علاوہ عبادت کرنے سے افضل ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''اللہ تعالیٰ کو تمام جگہوں سے مساجد زیادہ پسند ہیں۔'' جیسا کہ بیان گزر چکا ہے اور طور کی طرف سفر کرنے کی بھی ممانعت تھی جسے اللہ نے مقدس وادی کا نام دیا، پس اس کے علاوہ کسی اور جگہ کی طرف سفر کی ممانعت تو زیادہ حق دار ہے، خاص طور پر جب انبیاء اور صالحین کی قبریں مقصود ہوں، کیونکہ ان پر مساجد بنانا حرام ہے جیسا کہ بیان گزرا ہے، پس ان کی طرف جانے کی کس طرح اجازت دی جائے، جبکہ ان مساجد کی طرف سفر کرنے کی اجازت نہیں جو اللہ کے تقویٰ پر بنائی گئی ہیں؟ اور یہ الحمد للہ واضح ہے کوئی مخفی نہیں۔

رہے وہ دوسرے دو جواب، جنھیں حافظ نے بیان کیا ہے، وہ دونوں بھی ضعیف ہیں، ان کا بیان پیش خدمت ہے:

رہا جواب اوّل، وہ حدیث اگر لفظ نفی کے ساتھ ہے تو وہ نہی کے معنی میں ہے، جیسا کہ حافظ نے بذات خود طیبی سے بیان کیا ہے اور دو امر اس کی تائید کرتے ہیں۔

اوّل: یہ کہ وہ دوسری روایت میں نہی کی صراحت کے ساتھ ہے۔ "لا تشدوا"۔

دوم: یہ وہ ہے جسے صحابہ نے سمجھا ہے، انھوں نے طور پر جانے سے منع فرمایا جیسا کہ بیان گزرا ہے۔

ایک تیسرا امر بھی ہے جو اسے تقویت دیتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ حدیث صحیحین میں ابو سعید کی روایت سے ایک حدیث کا قطعہ ہے جس میں چار امور سے ممانعت وارد ہے:

ا: رخت سفر باندھنا۔

ب: عورت کا محرم کے بغیر سفر کرنا۔

ج: عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنا۔

د: نماز فجر اور نماز عصر کے بعد نماز پڑھنا۔

اس میں نہی تحریم کے لیے ہے، پس رخت سفر باندھنے کے متعلق نہی کو خاص طور پر نہی تنزیہی پر محمول کرنا ظاہر کے خلاف ہے، اس میں حقیقت و مجاز کے درمیان جمع کرنا ہے اور یہ صرف کسی قرینے کی وجہ سے جائز ہوتا ہے، جبکہ یہاں کوئی قرینہ نہیں اور احمد کی روایت جس سے حافظ نے استدلال کیا ہے وہ ان الفاظ کے ساتھ ہے: "لا ینبغي للمطي أن تعمل" یہ روایت صحیح نہیں جیسا کہ اس کا بیان کئی بار گزرا ہے، اس میں کوئی دلیل نہیں۔

پھر یہ کہ اگر وہ روایت صحیح بھی ہو تو وہ ایسے جواز کا فائدہ دیتی ہے جس میں کراہت موجود ہے، بلکہ وہ مکروہ کے بارے میں نص ہے، تب ابو سعید کی روایت کی شرح میں نووی کا یہ قول:

''ہمارے اہل علم کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ وہ حرام ہے نہ مکروہ۔'' صحیح نہیں۔

نووی نے ابو ہریرہ کی روایت کی شرح میں یہ بیان کیا ہے:

''جمہور علماء کے نزدیک اس کا معنی ہے: ان کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف رخت سفر باندھنے کی کوئی فضیلت نہیں۔''

یہ ان کی طرف سے تسلیم شدہ ہے کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور طرف سفر کرنے میں کوئی فضیلت نہیں، وہ کوئی عمل صالح ہے نہ کوئی نیکی ہے، اور یہ چیز معلوم ہے کہ جو بھی ان کے علاوہ کسی اور جگہ کی طرف سفر کا قصد کرتا ہے وہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب چاہتا ہے اور یہ بالاتفاق حرام ہے۔ کیونکہ اس نے ایسی چیز کے ذریعے اللہ

کی عبادت کی جسے اللہ نے عبادت قرار نہیں دیا۔ اسی لیے علماء نے ذکر کیا: ''اگر اس نے نذر مانی کہ وہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد یا خانقاہ میں نماز پڑھے گا یا وہاں اعتکاف کرے گا یا اس کی طرف سفر کرے گا، تو باتفاق ائمہ یہ اس پر واجب نہیں، اس کے برعکس اس نے نذر مانی کہ وہ حج یا عمرہ کے لیے مسجد حرام آئے گا تو یہ باتفاق علماء واجب ہے اور اگر اس نے نذر مانی کہ وہ نماز یا اعتکاف کے لیے مسجد النبی ﷺ یا مسجد اقصیٰ آئے گا تو مالک، شافعی اور احمد کے نزدیک اس پر نذر کو پورا کرنا واجب ہے، جبکہ ابوحنیفہ کے نزدیک واجب نہیں، کیونکہ ان کے نزدیک صرف وہی نذر واجب ہے جب اس کی جنس شرع سے واجب ہو، رہے جمہور تو وہ ہر طاعت و نیکی کو واجب قرار دیتے ہیں، جیسا کہ بخاری و دیگر نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا:

((مَنْ نَذَرَ اَنْ يُطِيْعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ ، وَمَنْ نَذَرَ اَنْ يَعْصِيَ اللّٰهَ فَلَا يَعْصِهِ .))

''جس نے نذر مانی کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے گا تو وہ اس کی اطاعت کرے اور جس نے نذر مانی کہ وہ اللہ کی نافرمانی کرے گا تو وہ اس کی نافرمانی نہ کرے۔''

ان دو مساجد (مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ) کی طرف سفر کرنا طاعت ہے۔ اسے پورا کرنا واجب ہے۔

رہا ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ کا سفر، تو اس کی طرف سفر کو، جب اس نے اس کی نذر مانی ہو، کسی عالم نے واجب قرار نہیں دیا، حتیٰ کہ علماء نے اس کی صراحت کی ہے کہ مسجد قبا کی طرف سفر نہ کیا جائے، کیونکہ وہ ان تین میں سے نہیں، حالانکہ جو شخص مدینے میں ہو اس کے لیے اس (مسجد قبا) کی زیارت کرنا مستحب ہے، کیونکہ یہ رخت سفر باندھنے کے زمرے میں نہیں آتا جیسا کہ بیان ہوگا۔ بے شک انبیاء اور صالحین کی قبروں کی زیارت کے لیے سفر ایک بدعت ہے۔ جسے کسی صحابی نے کیا نہ کسی تابعی نے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم فرمایا نہ کسی امام نے اسے مستحب قرار دیا، تو جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ وہ ایک عبادت ہے اور اس نے اسے کیا تو وہ شخص سنت اور اجماع ائمہ کا مخالف ہے، یہ اس میں سے ہے جسے ابوعبداللہ بن بطہ نے "من البدع المخالفة للسنة والإجماع" میں سے الابانة الصغری میں ذکر کیا ہے۔ ❶

دوسرے جواب کا جواب ہمارے ذمے باقی رہا جسے حافظ نے نقل کیا، ہم کہتے ہیں:

وہ حدیث کے لیے کسی مخصص کے بغیر ہی تخصیص ہے، جبکہ حدیث اس سے زیادہ عموم رکھتی ہے، ہر کوئی کتاب یا سنت کے کسی عموم کی تخصیص کا دعویٰ کر سکتا ہے، لیکن یہ اس سے قبول نہ ہوگا جب تک اس پر کوئی دلیل نہ ہوگی، تو اس دعویٰ (تخصیص) پر دلیل کہاں ہے؟

اسی لیے محقق صنعانی نے "سبل السلام" (۲/ ۲۵۱) میں فرمایا:

---

❶ میں نے اسے ''فتاویٰ'' لشیخ الاسلام (۱/ ۱۱۹۔۱۲۰) سے نقل کیا ہے۔ (منہ)

''جمہور کا موقف ہے کہ یہ حرام نہیں اور انھوں نے ایسی دلیل سے استدلال کیا ہے جو اس استدلال کے قابل نہیں اور انھوں نے باب کی احادیث کی بعید تاویل کے ذریعے تاویل کی ہے، لیکن تاویل تب ہی مناسب ہے کہ انھوں نے جو تاویل کی ہے بعد میں اس کے خلاف کوئی دلیل قائم نہ ہو۔''

ابو الطیب صدیق حسن خان نے "فتح العلام" (١/ ٣١٠) میں یہ اضافہ نقل کیا:

''کوئی دلیل نہیں اور وہ احادیث جو زیارت نبویہ کی ترغیب اور اس کی فضیلت میں وارد ہیں ان میں اس زیارت کی خاطر رخت سفر باندھنے کا حکم نہیں، اس کے ساتھ ساتھ یہ کہ وہ سب ضعیف ہیں یا موضوع، ان میں سے کوئی بھی استدلال کے لیے درست نہیں، اکثر لوگوں نے مسئلہ زیارت اور اس کی طرف سفر کے مسئلے کے درمیان فرق کو نہیں سمجھا، انھوں نے باب کی احادیث کو بلا دلیل اس کے واضح منطوق سے پھیر دیا جس کا وہ تقاضا کرتا ہے۔''

میں نے کہا: نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کے لیے ان ضعیف احادیث سے جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، استدلال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، باب میں جو ہے وہ اس سے بے نیاز کر دیتا ہے، اگر اس باب میں قبروں کی زیارت کے بارے میں صرف عام احادیث ہی ہوں تو آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کے اثبات کے لیے وہی کافی ہیں، اور یہ تو باب اولیٰ سے ہے جیسا کہ واضح ہے، ہوسکتا ہے کہ اس کی وضاحت اس کے مناسب موقع ومحل پر آئے گی۔

خلاصہ:...... ابو محمد الجوینی اور ان سے موافقت رکھنے والوں کا جو موقف ہے کہ ان تین مساجد کے علاوہ دیگر فضیلت والی جگہوں کا سفر کرنا حرام ہے یہی (موقف) حق اور درست ہے جسے اختیار کرنا واجب ہے، طلب علم اور تجارت وغیرہ کے لیے سفر کرنا اس زمرے میں نہیں آتا، کیونکہ اس ضرورت کے لیے سفر کرنا خواہ کہیں کا بھی ہو اور اسی طرح کسی دینی بھائی کی ملاقات کے لیے سفر کرنا بھی اس زمرے میں نہیں آتا، کیونکہ وہ تو مقصود ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام نے اسے "الفتاوی" (٢/ ١٨٦) میں بیان کیا۔

شیخ الاسلام انبیاء اور صالحین کی قبروں حتی کہ ہمارے نبی محمد ﷺ کی قبر کی زیارت کے لیے رخت سفر باندھنے کی حرمت کا فتویٰ دینے کی وجہ سے بہت بڑی آزمائش کا شکار رہے، حالانکہ ان کا جو موقف ہے اور جس سے انھوں نے استدلال کیا ہے ان سے ان کی کتابیں بھری ہوئی ہیں،[1] امام سبکی نے ان کا رد کیا ہے وہ ان کے ہم عصر تھے اور انھوں نے اس بارے میں اپنی کتاب تالیف کی اور اس کا نام رکھا: "شفاء السقام فی زیارۃ

[1] "الفتاوی" (١/ ١١٨-١٢٢، ٢/ ١٨٥-١٨٧) اور "مجموعة الرسائل الكبرى" (٢/ ٥٣-٦٣) (منہ) دیکھیں: "أحكام الجنائز" (٣٣٣/ ٢٢٣)، "تلخيص الجنائز" (١١٠/ ٢٢٣).

خیر الأنام" انھوں نے اس میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی قبر کی زیارت کی مشروعیت کے بارے میں وارد احادیث اور علماء کے اقوال نقل کیے ہیں، اس میں انھیں بڑی غلطی لگی، جب انھوں نے زیارت نبوی کے مطلق انکار کے متعلق ایک قول کو شیخ الاسلام کی طرف منسوب کیا۔ یعنی: رخت سفر باندھنے کے بغیر حالانکہ وہ تو اس کا اقرار کرنے والے اور اس کی فضیلت و آداب کا ذکر کرنے والے ہیں اور انھوں نے اس کا اپنی کئی ایک کتابوں میں ذکر کیا ہے، اسی لیے علامہ حافظ ابوعبداللہ محمد بن عبدالهادی نے اپنی تالیف میں سبکی پر رڈ کیا اور اس کتاب کا نام رکھا: "الصارم المنکی فی الرد علی السبکی" وہ ایک قیمتی کتاب ہے اس میں فقہ و حدیث اور تاریخ کے حوالے سے بہت زیادہ فوائد ہیں، انھوں نے اس میں اس کی طرف اشارہ کرنے والی احادیث کا تفصیل سے حال بیان کیا ہے اور ان میں جو ضعف و وضع ہے وہ بیان کر دیا ہے اور ابن تیمیہ کی طرف منسوب زیارت قبر شریف کے انکار سے شیخ الاسلام کی کتب سے اس کے جائز ہونے کے متعلق بہت سی نصوص نقل کر کے ان کی (اس انکار سے) براءت ثابت کی ہے، جو چاہے اس کا مطالعہ کرے۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ابن تیمیہ کی طرف یہ غلط نسبت ان بہت سے علماء و مشائخ کے ہاں مشہور و مروج ہوگئی جو ان کے بعد آئے، ان کے آخر پر...... ان شاء اللہ تعالیٰ ...... شیخ یوسف نبہانی ہیں، انھوں نے جہالت و گمراہی کی بنا پر ابن تیمیہ پر الزام و طعن کے حوالے سے بہت سے کتابچے کالے کیے (تصنیف کیے)، ایک فاضل عالم اٹھے اور انھوں نے ایک ضخیم کتاب میں اس کا رڈ کیا اور اس کتاب کا نام ہے: "غایة الأمانی فی الرد علی النبهانی" اس میں انھوں نے نبہانی کی جہالت و گمراہی واضح کی ہے اور حق و عدل کے ساتھ ابن تیمیہ کا دفاع کیا ہے، جو شخص حقیقت جاننا چاہے وہ اس کا مطالعہ کرے اور اس پر مکمل اعتماد کرے۔

اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ میں تمھیں وہ بیان کروں جسے (شاہ) ولی اللہ دہلوی نے رخت سفر باندھنے کے مسئلے میں ذکر کیا ہے، وہ بھی ایک نئے فائدے سے خالی نہیں، آپ رحمہ اللہ نے "الحجة البالغة" (۱/ ۱۹۲) میں فرمایا:

> "دور جاہلیت کے لوگ عظمت والی جگہوں کا قصد کیا کرتے تھے وہ اپنے زعم میں ان کی زیارت کرتے اور ان سے برکت حاصل کرتے تھے، جبکہ اس میں جو تحریف و فساد ہے وہ بالکل واضح ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فساد کو بند کیا تاکہ جو چیز شعار نہیں وہ شعائر کے ساتھ نہ مل جائے، تاکہ وہ غیر اللہ کی عبادت کا ذریعہ نہ بن جائے، میرے نزدیک حق یہ ہے کہ قبر، کسی ولی کی عبادت گاہ اور طور نہی میں سب برابر ہیں۔"

۲۲۳: ماہ رجب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت:

"أحكام الجنائز" (۳۳۳/ ۲۲۳)، "تلخيص الجنائز" (۱۱۰/ ۲۲۳).

۲۲۴: مسجد نبوی میں داخلے کے وقت قبر شریف کی طرف رخ کرنا اور وہاں قبر سے دور انتہائی خشوع کے ساتھ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر کھڑے ہونا گویا کہ وہ نماز میں ہے: ❶

(بدعت رقم ۱۴۴، یکھیں) ❷

"احكام الجنائز" (٣٣٤/ ٢٢٤)، "تلخيص الجنائز" (١١٠/ ٢٢٤).

۲۲۵: آپ ﷺ سے استغفار کی درخواست کرنا اور یہ آیت ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوٓا أَنفُسَهُمْ....﴾ (النساء: ٦٤) کی تلاوت کرنا:

"الرد على الأخنائي" (١٦٤، ١٦٥، ٢١٦)، "السنن" (٦٨)، "أحكام الجنائز" (٣٣٤/ ٢٢٥)، "تلخيص الجنائز" (١١٠/ ٢٢٥).

۲۲۶: آپ ﷺ کو وسیلہ بنانا: ❸

بدعات رقم (۲۰۱-۲۰۳) دیکھیں۔

"احكام الجنائز" (٣٣٤/ ٢٢٦)، "تلخيص الجنائز" (١١٠/ ٢٢٦).

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "التوسل" (ص ١٣٥-١٣٦) میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا کلام نقل کیا ہے، انھوں نے فرمایا:

نبی ﷺ کو وسیلہ بنانے کے مسئلے کی تفصیل

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے "قاعدة جليلة" میں فرمایا:

''......ائمہ مسلمین میں سے کسی ایک نے ذکر کیا نہ چاروں اماموں نے اور نہ ان کے علاوہ کسی اور نے اور نہ کسی امام نے، مناسک حج میں نہ اس کے علاوہ میں، کہ کسی کے لیے مستحب ہے کہ وہ نبی ﷺ سے آپ کی قبر کے پاس سوال کرے کہ وہ اس کی سفارش کریں یا آپ اپنی امت کے لیے دعا کریں یا آپ کی امت پر پیش آنے والے دین و دنیا کے مصائب کی آپ سے شکایت کرے، آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے صحابہ کئی طرح کی آزمائشوں کا شکار ہوئے، کبھی قحط سالی، کبھی رزق میں کمی، کبھی خوف اور دشمن کی قوت، کبھی گناہوں اور معاصی کے ذریعے، ان میں سے کوئی بھی رسول کی قبر پر

---

❶ میں نے یہ سن ٦٨ میں دیکھا تھا۔ اتنے لوگ یہ عمل کر رہے تھے کہ میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے بالخصوص یہ وہ لوگ کر رہے تھے جو پردیسی تھے۔ (منہ)

❷ وہ بدعت یہ ہے: قبر کے سامنے نمازی کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑے رہنا اور پھر بیٹھ جانا۔

❸ دیکھیں: وسیلے کی بدعات، اس میں اس اہم مسئلے کی مزید تفصیل ہے۔

آیا نہ قبر خلیل پر اور نہ کسی اور نبی کی قبر پر آیا کہ وہ یوں کہتا:
ہم آپ سے قحط سالی یا دشمن کی قوت یا گناہوں کی کثرت کی شکایت کرتے ہیں اور وہ یہ بھی نہیں کہتے تھے:
آپ ہمارے لیے یا اپنی امت کے لیے اللہ سے درخواست کریں کہ وہ انہیں رزق دے یا ان کی مدد کرے یا ان کی مغفرت کرے، بلکہ یہ اور جو اس کے مشابہ ہے وہ بدعات محدثہ میں سے ہے، جسے ائمہ مسلمین میں سے کسی ایک نے بھی مستحب قرار نہیں دیا......''

۲۲۷: اللہ تعالیٰ کو نبی ﷺ کی قسم دینا:

"أحكام الجنائز" (٣٣٤/ ٢٢٧)، "تلخيص الجنائز" (١١٠/ ٢٢٨).

۲۲۸: اللہ تعالیٰ کے علاوہ نبی ﷺ سے فریاد کرنا:

احكام الجنائز (٣٣٤/ ٢٢٨) تلخيص الجنائز (١١٠/ ٢٢٨)

۲۲۹: ان کا اپنے بال کاٹ کر قبر شریف کے قریب بڑی قندیل میں پھینکنا:

"الإبداع فى مضار الإبتداع" (١٦٦)، "الباعث" (٧٠). "احكام الجنائز، (٣٣٤/ ٢٢٩)، "تلخيص الجنائز" (١١٠/ ٢٢٩).

۲۳۰/أ: قبر شریف ❶ کو چھونا:

"المدخل" (١/ ٢٦٣)، "السنن" (٦٩)، "الإبداع" (١٦٦)، "أحكام الجنائز" (٣٣٤/ ٢٣٠)، "تلخيص الجنائز" (١١٠/ ٢٣٠)، "دفاع عن الحديث النبوى" (ص٩٦-٩٧).

۲۳۰/ب: قبروں کو چھونا: ❷

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعيفة" (١/ ٥٥٣-٥٥٤) میں حدیث رقم (۳۷۳) کے تحت فرمایا:
متاخرین کے نزدیک اس حدیث ❸ سے قبر کو چھونے کے جواز پر استدلال عام ہو چکا ہے، ابو ایوب کے اپنے چہرے کو قبر شریف پر رکھنے کی وجہ سے، اس کے باوجود کہ ان کا اسے چھونا تبرک کے لیے تھا دلالت میں صریح نہیں۔

---

❶ یعنی نبی ﷺ کی قبر کو

❷ دیکھئے: تحذير الساجد، ص: ٩٩

❸ وہ یہ ہے: داود بن ابی صالح نے بیان کیا: ''ایک دن مروان آیا، اس نے ایک آدمی کو اپنا چہرہ قبر پر رکھے ہوئے دیکھا، اس نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ تم کیا کر رہے ہو؟ اس نے اس کی طرف توجہ کی تو وہ ابو ایوب تھے، انھوں نے کہا: ہاں، میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں کسی پتھر کے پاس نہیں آیا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''تم دین پر نہ روؤ جبکہ اس کے ذمہ دار اس کے اہل ہوں......''
یہ حدیث ضعیف ہے۔

جیسا کہ جاہل لوگ کرتے ہیں۔ پس اس کے ساتھ اس تک سند ضعیف ہے......

محقق علماء جیسے نووی ودیگر نے قبروں کو چھونے کی تردید کی ہے، اور انھوں نے کہا: کہ وہ نصاریٰ کے عمل سے ہے، میں نے اس بارے میں بعض نقول "تحذير الساجد من اتخاذ القبور مساجد" میں ذکر کی ہیں۔

۲۳۱: قبر شریف [1] کو بوسہ دینا:

"المدخل" (١/ ٢٦٣)، "السنن" (٦٩)، "الإبداع" (١٦٦)، "أحكام الجنائز" (٣٣٤/ ٢٣١)، "تلخيص الجنائز" (١١٠/ ٢٣١)، "دفاع عن الحديث النبوى (ص٩٦-٩٧).

۲۳۲-قبر شریف کا طواف: "مجموعة الرسائل الكبرى" (٢/ ١٠، ١٣)، "المدخل" (١/ ٢٦٣)، "الإبداع" (١٦٦)، "السنن" (٦٩)، "الباعث" (٧٠). [2]

۲۳۳: قبر شریف کی دیوار کے ساتھ پیٹ اور پیٹھ کو لگانا:

"الإبداع" (١٦٦)، "الباعث" (٧٠)، "أحكام الجنائز" (٣٣٤/ ٢٣٣)، "تلخيص الجنائز" (١١٠/ ٢٣٣).

۲۳۴: قبر شریف کے حجرے کی کھڑکی پر ہاتھ رکھنا، اور ان میں سے کسی کا اس طرح حلف اٹھانا، اس حق کی قسم! جو تم نے اپنا ہاتھ اس کی کھڑکی پر رکھا، اور تم نے کہا: اللہ کے رسول! شفاعت:

"احكام الجنائز" (٣٣٤/ ٢٣٤)، "تلخيص الجنائز" (١١٠/ ٢٣٤).

۲۳۵: اپنے لیے دعا کی خاطر حجرے کی طرف رخ کر کے قبر نبوی کے پاس دیر تک کھڑے رہنا:

"القاعدة الجليلة" (١٢٥)، "الرد على البكرى" (١٢٥، ٢٣٢، ٢٨٢)، "مجموعة الرسائل الكبرى" (٢/ ٣٩١)، "أحكام الجنائز، (٣٣٥/ ٢٣٥)، "تلخيص الجنائز" (١١٠/ ٢٣٥).

۲۳۶: قبر اور منبر کے درمیان روضہ شریفہ میں الصیحانی کھجور کھا کر ان کا اللہ کا قرب حاصل کرنا:

"الباعث" (٧٠)، "الإبداع" (١٦٦)، "أحكام الجنائز" (٣٣٥/ ٢٣٦)، "تلخيص الجنائز" (١١٠/ ٢٣٦).

۲۳۷: نبی ﷺ کی قبر کے پاس ختم قرآن اور قصیدے پڑھنے کے لیے اجتماع:

"مجموعة الرسائل الكبرى" (٢/ ٣٩٨)، "أحكام الجنائز" (٣٣٥/ ٢٣٧)، "تلخيص

---

[1] یعنی قبر النبی ﷺ۔

[2] ابن الصلاح سے نقل کیا کہ انھوں نے کہا: "قبر شریف کا طواف کرنا جائز نہیں۔" (منہ)

الجنائز" (۱۱۰/ ۲۳۷).

۲۳۸: نبی ﷺ کی قبر یا آپ کے علاوہ کسی اور نبی اور صالحین کی قبر سے پردہ ہٹا کر بارش کے لیے دعا کرنا: ❶

"الرد علی البکری" (۲۹)، "احکام الجنائز" (۳۳۵/ ۲۳۸) "تلخیص الجنائز" (۱۱۰/ ۲۳۸)

۲۳۹: نبی ﷺ کی خدمت میں رقعے بھیجنا جن میں ان کی ضرورتیں تحریر ہوں:

"أحکام الجنائز، (۳۳۵/ ۲۳۹)، "تلخیص الجنائز" (۱۱۱/ ۲۳۹).

۲۴۰: ان میں سے بعض کا کہنا: یہی مناسب ہے کہ وہ نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کے وقت اپنی زبان سے اپنی ضرورتوں اور اپنے گناہوں کی بخشش کا ذکر نہ کرے کیونکہ وہ اس کی ضرورتوں اور اس کے مفادات کے متعلق اس سے زیادہ جانتے ہیں: ❷

---

❶ میں نے کہا: رہا وہ جسے ابوالجوزاء اوس بن عبداللہ نے روایت کیا، انھوں نے کہا: اہل مدینہ شدید قحط کا شکار ہوگئے تو انھوں نے عائشہ سے شکایت کی، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ کی قبر دیکھو، وہاں سے آسمان کی طرف ایک روشن دان بناؤ، حتیٰ کہ اس کے درمیان اور آسمان کے درمیان کوئی چھت نہ ہو، راوی نے بیان کیا: انھوں نے اس طرح کیا تو ہم پر خوب بارش ہوئی، حتیٰ کہ گھاس اگ آئی، اونٹ موٹے ہوگئے حتیٰ کہ وہ چربی سے پھیل گئے، اس سال کا نام "عام الفتق" رکھ دیا گیا۔ یہ روایت صحیح نہیں، دارمی نے اسے اپنی "السنن" (۱/ ۴۳۔۴۴) میں نقل کیا اور اس کی سند میں ابونعمان ہے اور وہ محمد بن الفضل ہے جو کہ بدخوئی کے حوالے سے معروف ہے، آخری عمر میں وہ اختلاط کا شکار ہوگیا تھا، جیسا کہ محدثین میں سے عقیلی و دیگر نے کہا ہے۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے "الرد علی البکری" (ص ۶۸) میں فرمایا:

''عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی قبر سے آسمان کی طرف روشن دان کھولنے کے بارے میں جو سروی ہے تاکہ بارش نازل ہو وہ صحیح نہیں اور اس کی اسناد ثابت نہیں۔ جس چیز سے اس کا جھوٹ ہونا واضح ہوتا ہے، وہ یہ کہ حیاتِ عائشہ میں گھر کا کوئی روشن دان نہ تھا، بلکہ اس کا بعض حصہ اسی طرح باقی تھا جس طرح وہ نبی ﷺ کے عہد میں تھا، اس کے کچھ حصے پر چھت تھی اور کچھ پر چھت نہیں تھی اور اس کے اندر دھوپ آتی تھی، جیسا کہ صحیحین میں آپ (رضی اللہ عنہا) سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ عصر کی نماز پڑھتے اور دھوپ ان کے حجرے میں ہوتی تھی، سایہ بعد میں ظاہر نہ ہوا۔''

میری کتاب "التوسل وأنواعه وأحکامه" (ص ۱۲۷۔۱۳۲) دیکھیں۔ (منہ)

❷ اس کے لیے باعث افسوس ہے کہ، یہ بدعت اور وہ جو اس کے بعد ہے، میں نے اسے ابن الحاج کی کتاب "المدخل" (۱/ ۲۵۹، ۲۶۴) سے اس حیثیت سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اسے تسلیم کرتے ہوئے نقل کیا ہے گویا کہ وہ ان امور سے ہے جن کے بارے میں شریعت میں نص موجود ہے! ان کی اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں جو پہلے بیان ہوچکیں اور ان کے متعلق یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ ان کی طرف سے ہیں اور ہم ان شاء اللہ تعالیٰ ان میں سے ایک بڑی قسم بدعات کے بارے میں خاص کتاب میں ذکر کریں گے، اس سے تمھیں بڑا تعجب ہوگا، جب معلوم ہوگا کہ اس کی یہ کتاب بدعات کی تفصیل پر دلیل فراہم کرنے میں ایک عظیم مصدر ہے اور یہ فصل جس کے ذریعے میں نے اس کتاب کو ختم کیا ہے اس پر شاہد عدل ہے، لیکن جب تمہیں معلوم ہوگا کہ وہ اپنے علم میں کسی اور کا مقلد تھا اور بڑی حد تک صوفیاء کے مذاہب سے متاثر تھا تو تم سے یہ تعجب جاتا رہے گا اور مالک کے قول کی صحت کے بارے میں تمہارے یقین میں اضافہ ہوجائے گا:

''اس صاحب قبر (یعنی رسول اللہ ﷺ) کے علاوہ ہم میں سے ہر ایک کی بات رد کی جاسکتی ہے۔'' (منہ)

"أحكام الجنائز" (٣٣٦/ ٢٤٠)، "تلخيص الجنائز" (١١١/ ٢٤٠).

۲۴۱: اس کا یوں کہنا: آپ ﷺ کے اپنی امت کو دیکھنے اور آپ کے ان کے احوال اور ان کی نیتوں اور حسرتوں وغیرہ کو جاننے کے حوالے سے آپ ﷺ کی موت وحیات میں کوئی فرق نہیں: [1]

"أحكام الجنائز" (٣٣٦/ ٢٤١)، "تلخيص الجنائز" (١١١/ ٢٤١).

۲۴۲: قبروں پر شاخیں اور پھول وغیرہ رکھنے کی بدعت:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ دو قبروں پر کھجور کی شاخ رکھنا اور آپ ﷺ کا فرمان: ''شاید کہ ان دونوں کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے جب تک یہ دونوں شاخیں خشک نہ ہوں۔'' آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔

آپ رحمہ اللہ نے "أحكام الجنائز" (ص ٢٥٣-٢٥٨) میں فرمایا: بے شک وہ آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے، [2] اس کی دلیل ہے کہ سلف کے ہاں اس پر عمل جاری نہیں ہوا اور دیگر امور کا بیان آئے گا۔

خطابی رحمہ اللہ نے "معالم السنن" (١/ ٢٧) میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا:

> ''بے شک یہ نبی ﷺ کے اثر سے برکت حاصل کرنے اور ان دونوں سے عذاب کی تخفیف کے متعلق آپ کی دعا کے ضمن میں ہے، گویا کہ انھوں نے ان دونوں کے عذاب میں تخفیف کی حد ان دونوں (شاخوں) میں تازگی کے باقی رہنے کو قرار دیا اور یہ اس لیے نہیں کہ یہ (عذاب میں تخفیف) تازہ شاخ کی وجہ سے ہے اور خشک اس معنی میں نہیں ہے، بہت سے علاقوں میں عمومی طور پر لوگ اپنے مردوں کی قبروں پر کھجور کے پتے رکھتے ہیں اور میں نے انھیں دیکھا کہ ان کا یہی موقف ہے اور جس کام میں وہ منہمک اور مشغول ہیں اس کی کوئی وجہ نہیں۔''

شیخ احمد شاکر نے ترمذی (۱۰۳/۱) پر اپنی تعلیق میں اس کے بعد فرمایا:

---

[1] شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے "الرد على البكري" (ص ٣١) میں فرمایا: ''اور ان میں سے جو گمان کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یا شیخ اس کے گناہوں اور اس کی ضرورتوں کو جانتا ہے، خواہ وہ انھیں ذکر نہ کرے، وہ اس کی بخشش اور اس کی ضرورتیں پوری کرنے پر قادر ہے اور جس پر اللہ قدرت رکھتا ہے وہی قدرت وہ بھی رکھتا ہے اور جو اللہ جانتا ہے وہ بھی جانتا ہے۔ میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے اور میں نے یہ ان سے سنا ہے اور ان میں سے کچھ شیوخ ہیں جن کی اقتداء کی جاتی ہے۔ وہ مفتی ہیں، قاضی ہیں اور مدرس ہیں'' "والله المستعان، ولا حول ولا قوة الا بالله."

[2] فائدے کو مکمل کرنے کے لیے ہم نے احکام الجنائز سے وہ کلام نقل کیا ہے جسے ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے نبی ﷺ کے کھجور کی شاخ کا ایک ایک ٹکڑا دو قبروں پر رکھنے کے حوالے سے ترجیح دی ہے، وہ آپ کے ساتھ خاص ہے۔ وہ آپ کے کلام اور اہل علم رحمهم الله جميعاً سے ظاہر ہے۔

''امام خطابی نے ٹھیک کہا، اس عمل پر اصرار کے حوالے سے اضافہ ہی ہو رہا ہے جس کی کوئی اصل نہیں، انھوں نے اس میں غلو کیا، خاص طور پر مصر کے علاقوں میں اور یہ سب عیسائیوں کی تقلید و نقالی میں کرتے ہیں، حتیٰ کہ یہاں تک پہنچ گئے کہ وہ قبروں پر پھول رکھتے ہیں اور آپس میں ان کا ہدیہ پیش کرتے ہیں اور لوگ انھیں اپنے رشتے داروں اور اپنے جاننے والوں کی قبروں پر ان کے لیے دعا کے طور پر اور زندوں کو خوش کرنے کے لیے رکھتے ہیں (پھولوں کی چادر چڑھاتے ہیں)، حتیٰ کہ یہ حکومتی ''پروٹوکول'' میں ایک مروجہ طریقے سے مشابہ ایک معمول بن گیا ہے، آپ مسلمانوں کے بڑوں (یعنی بڑے لیڈروں) کو دیکھیں گے کہ جب وہ یورپ کے کسی ملک میں جاتے ہیں تو وہ ان کے بڑے لوگوں کی قبروں یا کسی ایسی قبر پر جاتے ہیں جسے وہ گمنام سپاہی کا نام دیتے ہیں اور وہ اس پر پھولوں کی چادر چڑھاتے ہیں اور ان میں سے بعض مصنوعی پھول رکھتے ہیں جن میں کوئی تازگی نہیں ہوتی اور وہ انگریزوں کی تقلید میں اور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں کی اتباع میں ایسا کرتے ہیں اور علماء بھی عام لوگوں کی مانند ان کے اس فعل پر کوئی اعتراض نہیں کرتے، بلکہ آپ انھیں اپنے مُردوں کی قبروں پر یہ پھولوں کی چادریں چڑھاتے ہوئے دیکھیں گے، مجھے معلوم ہے کہ اکثر اوقاف جنھیں خیراتی اوقاف کا نام دیا جاتا ہے ان کی ترقی ان پھولوں کی پتیوں پر موقوف ہے جو قبروں پر رکھے جاتے ہیں، یہ سب بدعات و منکرات ہیں جن کی دین میں کوئی اصل نہیں، اور نہ کتاب و سنت میں اس کی کوئی سند ہے، اہل علم پر واجب ہے کہ وہ ان کا انکار کریں اور یہ کہ جس قدر ہو سکے ان عادات کا قلع قمع کریں۔''

میں نے کہا: قبر پر شاخ رکھنے کی آپ ﷺ کے ساتھ تخصیص کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ تخفیف عذاب اس شاخ کی تازگی کی وجہ سے نہیں ہوئی اس کی کئی وجوہات ہیں:

ا: صحیح مسلم میں (۸/۲۳۱۔۲۳۶) جابر رضی اللہ عنہ کی روایت، آپ ﷺ نے اس میں فرمایا:

''میں دو قبروں کے پاس سے گزرا، انھیں عذاب ہو رہا تھا، پس میں نے پسند کیا کہ میری شفاعت کی وجہ سے ان دونوں سے عذاب ٹال دیا جائے جب تک یہ دونوں شاخیں تازہ رہیں۔''

یہ اس میں صریح ہے کہ عذاب کا ٹل جانا آپ ﷺ کی سفارش اور آپ کی دعا کی وجہ سے تھا نہ کہ شاخ کے تازہ ہونے کی وجہ سے، خواہ جابر کا یہ قصہ ہو وہ ابن عباس کے قصے کی طرح ہے، جیسا کہ عینی و دیگر نے اسے ترجیح دی ہے یا اس کے علاوہ ہو، جیسا کہ حافظ نے اسے ''الفتح'' میں ترجیح دی ہے: خواہ اوّل احتمال پر ہو تو وہ ظاہر ہے، خواہ دوسرے احتمال پر ہو؛ کیونکہ نظر صحیح یہ تقاضا کرتی ہے کہ دونوں قصوں میں دونوں کے درمیان مشابہت موجود ہونے کی وجہ سے ایک علت ہو، کیونکہ میت سے عذاب کی تخفیف کے لیے شاخ کا گیلا پن باعث بننا اس

ضمن سے ہے جو شرعاً معروف ہے نہ عقلاً، اگر معاملہ اسی طرح ہو تو پھر کافروں کو سب سے کم عذاب ہو، جنھیں ایسے قبرستان میں دفن کیا جاتا ہے جو باغات کی طرح ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہاں کثرت سے نباتات اور درخت اگائے جاتے ہیں، جو گرمی سردی میں سرسبز و شاداب رہتے ہیں۔

جو بیان ہوا اس میں یہ اضافہ کیا جائے کہ بعض علماء جیسے سیوطی انھوں نے ذکر کیا کہ عذاب میں تخفیف میں گیلے پن کی تاثیر کا سبب: اس (شاخ) کا اللہ کی تسبیح کرنا ہے، انھوں نے کہا: پس جب لکڑی سے گیلا پن ختم ہوجائے گا اور وہ خشک ہوجائے گی اس کی تسبیح ختم ہوجائے گی! بے شک یہ تعلیل وتعبیر اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ﴾ (الاسراء: ٤٤) (ہر چیز اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔) کے خلاف ہے۔

ب: ابن عباس ہی کی حدیث جو اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ راز اس گیلے پن میں نہیں، یا یہ زیادہ مناسب ہے کہ عذاب کی تخفیف میں وہ سبب نہیں اور یہ آپ ﷺ کا فرمان: ''پھر آپ نے ایک شاخ منگوائی اور اس کو دو حصوں میں پھاڑ دیا۔'' یعنی طول میں، یہ معلوم ہے کہ اس کا درمیان سے پھاڑنا اس پھٹنے سے تازگی (گیلے پن) کے ختم ہوجانے اور اس کے تیزی کے ساتھ خشک ہوجانے کا سبب ہے، تو اس طرح مدت تخفیف اس سے زیادہ کم ہوگی اگر اسے پھاڑا نہ جائے، اگر عذاب میں تخفیف کی یہ علت ہوتی تو آپ ﷺ اس کو پھاڑے بغیر باقی رکھتے اور آپ ہر قبر پر ایک شاخ یا کم از کم نصف شاخ رکھ دیتے، جب آپ نے یہ کام نہ کیا تو اس نے اس پر دلالت کیا کہ گیلا پن اس تخفیف عذاب کا سبب نہیں اور اس کا تعین ہوا کہ وہ اس تخفیف کی مدت کی علامت ہے جس کی اللہ نے اجازت دی اور اپنے نبی ﷺ کی شفاعت قبول فرمائی، جیسا کہ جابر کی روایت میں اس کی صراحت ہے، اسی لیے تعیین سبب میں دونوں حدیثیں متفق ہیں، اگر ان دونوں کے اختلاف کو واقعہ وتعدد میں محمول کیا جائے۔

اس پر غور وفکر کریں، یہ وہ چیز ہے جس نے میرے دل میں اثر کیا اور میں نے اس پر دلالت وصراحت والی کوئی چیز نہیں دیکھی یا علماء میں سے کسی نے اس طرف اشارہ کیا ہو، (ایسی کوئی بات نہیں)، اگر وہ درست ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور اگر غلط ہے تو وہ میری طرف سے ہے اور میں اس سے ہر اس کام سے مغفرت طلب کرتا ہوں جو اسے ناپسند ہے۔

ج: اگر وہ تری اور گیلا پن ہی مقصود بالذات ہوتا تو سلف صالحین اسے سمجھتے اور وہ اس کے تقاضے کے مطابق عمل کرتے اور وہ قبروں کی زیارت کے وقت ان پر شاخیں وغیرہ رکھتے اور اگر وہ کرتے تو ان کے حوالے سے یہ کام مشہور ہوجاتا، پھر ثقہ راوی اسے ہم تک نقل کرتے۔ کیونکہ وہ ایسے امور سے ہے جو توجہ کا مرکز بنتے ہیں

اور اس کے اسباب اسے نقل کرنے کا تقاضا کرتے ہیں، تو جب وہ منقول نہیں تو اس نے اس پر دلالت کیا کہ وہ کام ہوا ہی نہیں، اور اس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنا ایک بدعت ہے، مراد ثابت ہوگئی۔

اور جب یہ واضح ہوگیا تو تب اس کمزور قیاس کے بطلان کو سمجھنا آسان ہوگیا، جسے سیوطی نے "شرح الصدور" میں ایسے شخص سے نقل کیا جس کا نام نہیں لیا:

''جب شاخ کی تسبیح کے ذریعے ان دونوں کے عذاب میں تخفیف کردی گئی تو پھر مومن کے قرآن پڑھنے سے کس طرح نہ ہوگی؟ انھوں نے کہا: قبروں کے پاس درخت لگانے کے بارے میں یہ حدیث بنیاد ہے۔''

میں کہتا ہوں: ''پہلے تخت قائم کرو اور پھر اس پر نقش نگاری کرو۔''

''کیا سایہ اور ٹیڑھی لکڑی سیدھی کی جاسکتی ہے؟'' اگر یہ قیاس صحیح ہوتا تو سلف اس کی طرف آگے بڑھتے، کیونکہ وہ ہم سے زیادہ خیر کے متلاشی اور اس کے لیے کوشاں رہتے تھے۔

جو بیان ہوا اس نے اس پر دلالت کی کہ قبر پر شاخ رکھنا آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے، یہ کہ دونوں ... سے عذاب کی تخفیف میں جو راز ہے وہ اس لکڑی/ شاخ کی تری اور گیلے پن میں نہیں، بلکہ آپ ﷺ کی ان دونوں کے لیے شفاعت و دعا میں ہے اور یہ اس ضمن سے ہے جس کا آپ ﷺ کے رفیق اعلیٰ کی طرف انتقال کے بعد دوسری مرتبہ وقوع ممکن نہیں اور نہ ہی آپ ﷺ کے بعد کسی اور کے لیے ممکن ہے؟ کیونکہ عذاب قبر پر مطلع ہونا آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی خصوصیات میں سے ہے اور وہ اس غیب سے ہے جس پر صرف رسول ہی مطلع ہوئے ہیں، جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا ہے:

﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ (الجن: ٢٦تا٢٧)

''وہ غیب جاننے والا ہے، وہ اپنے غیب کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا، مگر جس رسول کو وہ پسند کرلے۔''

اور جان لیجیے کہ یہ اس کے منافی نہیں جو ہم نے بیان کیا جسے سیوطی نے "شرح الصدور" (۱۳۱) میں نقل کیا ہے:

''ابن عساکر نے حماد بن سلمہ کے طریق سے نقل کیا، انھوں نے قتادہ سے کہ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ایک قبر کے پاس سے گزرے جبکہ اس قبر والے کو عذاب دیا جارہا تھا، آپ نے ایک شاخ لی اور اس کو قبر پر گاڑ دیا اور فرمایا:

''امید ہے کہ جب تک یہ تر رہے گی اس سے تکلیف دور کردی جائے گی۔''

ابو برزہ وصیت کیا کرتے تھے، جب میں فوت ہوجاؤں تو میری قبر میں میرے ساتھ دو شاخیں رکھنا، راوی

نے بیان کیا: انھوں نے کرمان اور قومس کے درمیان ایک بے آب وگیاہ چٹیل میدان میں وفات پائی، انھوں نے کہا: وہ کہا کرتے تھے کہ ہم نے ان کی قبر میں دو شاخیں رکھیں، یہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں ہم وہ (دو شاخیں) نہیں پاتے، وہ اس اثنا میں تھے کہ بجستان کی طرف سے اچانک ایک قافلہ ان کے پاس آیا، انھوں نے ان کے پاس کھجور کی شاخ دیکھی، انھوں نے دو شاخیں لیں اور انھیں ان کے ساتھ ان کی قبر میں رکھ دیا۔

ابن سعد نے مورق سے نقل کیا، انھوں نے کہا: بریدہ نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں دو شاخیں رکھی جائیں۔''

میں کہتا ہوں: عدم منافات کی وجہ کہ ان دونوں آثار میں ...... فرض کریں ان دونوں کے ثبوت کو ایک ساتھ تسلیم کرلیں ...... قبروں کی زیارت کے وقت شاخ رکھنے کی مشروعیت نہیں، جس کا ہم نے اس کے مشکوک ہونے اور اس پر سلف کے عدم عمل کا دعویٰ کیا، ان دونوں میں جو غایت ہے: میت کے ساتھ اس کی قبر میں دو شاخیں رکھنا، یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے، اگرچہ عدم مشروعیت کے حوالے سے یہ پہلے کی طرح ہے، کیونکہ وہ حدیث جسے ابو برزہ اور ان کے علاوہ کسی صحابی نے روایت کیا ہے، وہ اس پر دلالت نہیں کرتی، خاص طور پر وہ حدیث جس میں ایک شاخ رکھنے کا ذکر ہے، جبکہ انھوں نے اپنی قبر میں دو شاخیں رکھنے کی وصیت کی تھی۔

نیز یہ کہ اس اثر کی اسناد صحیح نہیں، الخطیب نے "تاریخ بغداد" (۱/ ۱۸۲۔۱۸۳) میں اسے نقل کیا اور ان کے طریق سے ابن عساکر نے اسے "تاریخ دمشق" میں نضلہ بن عبید بن ابو برزہ اسلمی کے سوانح حیات کے آخر میں اس سند سے نقل کیا، عن الشاہ بن عمار، انھوں نے کہا: ابوصالح سلیمان بن صالح لیثی نے بیان کیا، انھوں نے کہا: نضر بن المنذر بن ثعلبہ العبدی نے حماد بن سلمہ کے حوالے سے ہمیں بیان کیا۔

میں کہتا ہوں: یہ اسناد ضعیف ہے، اس کی دو علتیں ہیں:

۱: الشاہ اور النضر کا مجہول ہونا، میں نے ان دونوں کی سوانح حیات نہیں دیکھی۔

۲: قتادہ کا عنعنہ، کیونکہ انھوں نے ان کی ابو برزہ سے روایت ذکر نہیں کی، پھر یہ کہ وہ تدلیس کے ساتھ مذکور ہے، اس کے عنعنہ سے اس کی اس طرح کی اسناد کے متعلق اندیشہ رہتا ہے۔

جہاں تک بریدہ کی وصیت کا تعلق ہے تو وہ ان سے ثابت ہے، ابن سعد نے "الطبقات" (ج ۷ ق ۱ ص ٤) میں فرمایا: ''عفان بن مسلم نے ہمیں خبر دی، انھوں نے کہا: حماد بن سلمہ نے ہمیں بیان کیا، انھوں نے کہا: عاصم الاحول نے ہمیں خبر دی، مورق نے کہا: بریدہ اسلمی نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں دو شاخیں رکھی جائیں، وہ خراسان کے قریب فوت ہوئے، شاخیں گدھے کے گٹھے سے ملیں۔''

یہ سند صحیح ہے، بخاری (۳/۱۷۳) نے جزم کے ساتھ اسی کی تعلیق کی ہے۔

حافظ نے اپنی شرح میں فرمایا:

''گویا کہ بریدہ نے اس حدیث کو اس کے عموم پر محمول کیا اور اسے ان دو آدمیوں کے ساتھ خاص نہ سمجھا۔ ابن رشید نے بیان کیا: بخاری کے تصرف سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ان دونوں کے ساتھ خاص تھا، اسی لیے انھوں نے ابن عمر کے اس فرمان کے ذریعے اس کی علمی گرفت کی ہے:

''اس کا عمل اسے سایہ کرتا ہے۔''

میں کہتا ہوں: اس میں کوئی شک نہیں کہ بخاری نے جو موقف اختیار کیا ہے ان کے بیان کردہ بیان کے مطابق درست ہے اور بریدہ کی رائے میں کوئی دلیل نہیں، کیونکہ وہ ایک رائے ہے، حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی، حتیٰ کہ خواہ وہ عام ہو، کیونکہ نبی ﷺ نے شاخ کو قبر میں نہیں رکھا، بلکہ اس کے اوپر رکھا ہے۔ جیسا کہ بیان ہوا ہے۔ ''بہترین طریقہ محمد کا طریقہ ہے۔''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے حدیث رقم (۲۸۳) [1] کے تحت "الإرواء" (۱/ ۳۱۳۔۳۱٤) کے حوالے سے بیان کیا:

فائدہ...... صحیح مسلم [2] (۸/۲۳۵) میں جابر کی طویل روایت میں تخفیف مذکور کا اس حدیث میں بیان آیا ہے اور وہ آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

''میں دو قبروں کے پاس سے گزرا، ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے، پس میں نے اپنی شفاعت کے ذریعے چاہا کہ جب تک یہ دونوں شاخیں تر رہیں ان دونوں سے عذاب دور کر دیا جائے۔''

یہ اس پر نص ہے کہ عذاب میں تخفیف کا سبب ان دونوں کے لیے آپ ﷺ کی سفارش اور دعا ہے، کیونکہ شاخوں کی تری تو ان سے عذاب کی دوری کی مدت کی علامت ہے نہ کہ سبب، اسی سے وہ بدعت ظاہر ہوتی ہے جو ہمارے ملک شام وغیرہ کے علاقوں میں بہت سے لوگ کرتے ہیں، اسی طرح قبروں کی زیارت کے وقت قبروں پر پھول وغیرہ رکھنا بھی اسی زمرے میں آتا ہے اور یہ ایسا کام ہے جو رسول اللہ ﷺ نے کیا نہ آپ کے بعد آپ کے اصحاب نے، اس میں اسراف اور مال کا ضیاع ہے۔ واللّٰہ المستعان۔

ہمارے شیخ نے "مختصر صحیح البخاری" (۱/ ۳۹۹) میں اثر رقم (۲۷۴) [3] پر تعلیقاً بیان کیا اور اس (اثر) کی نص یہ ہے: ''بریدہ اسلمی نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں دو شاخیں رکھی جائیں۔'' ابن سعد نے

---

[1] وہ ابن عباس کی روایت ہے: ''نبی ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: ''ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے......'' (متفق علیہ)

[2] رقم ۲۰۱۲۔ ط: دار ابن حزم۔

[3] مختصر صحیح البخاری (۱/ ۳۲۰) اثر رقم (۲۷۵)، ط: المکتب الاسلامی۔

صحیح سند سے اسے موصول روایت کیا ہے، جیسا کہ ''احکام الجنائز'' (ص ۲۵۷۔۲۵۸) میں ہے اور اس میں بیان ہے کہ اس میں قبر پر شاخ رکھنے کے بارے میں کوئی دلیل نہیں۔

ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے "المشکاۃ" [1] (۱/ ۱۱۰) میں حدیث رقم (۳۳۸) کے تحت بیان کیا:

بہت سے لوگوں کو وہم گزرا ہے کہ (عذاب میں) کمی ان دونوں شاخوں کی تری کی وجہ سے ہوئی تھی، یہ صحیح نہیں، اگر وہ صحیح ہوتا تو پھر شاخ کو دو حصوں میں کیوں پھاڑا، کیونکہ ایسا کرنے سے تو وہ جلد خشک ہو جاتیں، جیسا کہ بالکل واضح ہے، صحیح یہ ہے کہ تخفیفِ عذاب کا سبب آپ ﷺ کی ان دونوں کے لیے سفارش اور دعا ہے، یہ کہ اللہ نے ان کے خشک ہونے تک کے لیے آپ کی سفارش قبول فرمائی، تری ایک علامت ہے سبب نہیں، صحیح مسلم (۸/ ۲۳۵) میں طویل روایت اس کی گواہی دیتی ہے:

''میں دو قبروں کے پاس سے گزرا، ان کو عذاب ہو رہا تھا، میں نے اپنی سفارش کے ذریعے پسند کیا کہ جب تک وہ دونوں شاخیں تر رہیں ان سے عذاب دور کر دیا جائے۔''

اسی لیے نبی ﷺ سے معروف نہیں کہ آپ قبروں کی زیارت کے وقت ایسے کیا کرتے تھے اور نہ صحابہ سے ہی ثابت ہے اور نہ سلف میں سے کسی ایک سے یہ عمل ثابت ہے، بلکہ امام خطابی نے اس کا انکار کیا ہے جسے آج لوگ قبروں پر سبز شاخیں وغیرہ رکھ کر کرتے ہیں اور انھوں نے فرمایا: اس کی کوئی اصل نہیں، میں نے اس مسئلے پر اپنی کتاب "أحکام الجنائز وبدعها" میں تفصیل سے ذکر کیا ہے اور "ترمذی" (۱/ ۱۰۳) پر احمد شاکر کی تعلیق دیکھیں۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "مختصر صحیح مسلم" (ص ۲۰٤۔ ط: ابن عفان/ المکتبة الاسلامية) کی حدیث رقم (۱۵۳۷) کے تحت آپ ﷺ کے فرمان: "...... فَأَحْبَبْتُ بِشَفَاعَتِي ......" کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:

''میری دعا کے ذریعے'' میں کہتا ہوں: یہ اس میں نص ہے کہ دونوں قبروں کے عذاب سے تخفیف محض آپ ﷺ کی دعا کی وجہ سے تھی، ان دو شاخوں کے باعث نہ تھی، جیسا کہ بہت سے لوگ گمان کرتے ہیں اور وہ دو شاخیں تو بس اس مدت تخفیف کی علامت تھیں کہ جب تک یہ تر رہیں گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔

اور اس کی اس سے تاکید واضح ہوتی ہے کہ یہ آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے، اسی لیے عہد اوّل میں قبروں کی زیارت کے وقت اس پر عمل نہیں ہوا۔

آج جو لوگ کر رہے ہیں وہ بدعت ہے، اسے چھوڑنا چاہیے، خاص طور پر کہ اس کی بہت سی صورتیں بن گئی

---

[1] هداية الرواة الى تخريج احاديث المصابيح والمشكوة (۱/ ۱۹۸)

ہیں۔مثلاً قبروں کو پھولوں کے سہروں (پھولوں کی چادروں) اور پھولوں سے سجانا،حتیٰ کہ بعض ثقہ حضرات نے مجھے بتایا کہ اس نے پھولوں کا ایک سہرا دیکھا جو کہ بالکل واضح طور پر صلیب کی شکل میں تھا اور وہ ایک مسلمان کی قبر پر رکھا ہوا تھا۔الی اللہ المشتکی

اور انھوں نے "صحیح الأدب المفرد" (ص ۲۷۵۳) میں حدیث رقم (۷۳۵) کے تحت بیان کیا اور انھوں نے جابر کی روایت کا ایک حصہ بیان کیا اور ان کے حوالے سے بیان کیا:"اس طریق میں (شاخ کے) دو ٹکڑے رکھنے کی تعلیل ہے،آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((فَأَحْبَبْتُ بِشَفَاعَتِیْ اَنْ یُرَفَّهَ عَنْهُمَا مَا دَامَ الْغُصْنَانِ رَطْبَیْنِ .))

"میں نے اپنی شفاعت (دعا) کے ذریعے پسند کیا کہ جب تک دونوں شاخیں تر رہیں ان سے عذاب دور کردیا جائے۔"

فصل: حج اور عمرہ کی بدعات

حج اور عمرہ کی بدعات

ا: احرام سے پہلے کی بدعات.

ا: ماہ صفر میں سفر نہ کرنا، اس میں نکاح و جماع وغیرہ اعمال کی ابتدا نہ کرنا: [1]
"حجة النبی ﷺ" (۱۰۵/ ۱)، "المناسك" (۴۷/ ۱).

۲: مہینے کے وسط میں ترک سفر اور جب چاند عقرب (آسمان کے برجوں میں سے ایک برج) میں ہو تب بھی: [2]
"حجة النبی ﷺ" (۱۰۵/ ۲)، "المناسك" (۴۷/ ۲).

۳: مسافر کے سفر کے بعد گھر کی صفائی ستھرائی چھوڑ دینا:
"المدخل لابن الحاج" (۲/ ۶۷)، "حجة النبی ﷺ" (۱۰۵/ ۳)، "المناسك" (۴۷/ ۳).

۴: حج کے لیے روانہ ہوتے وقت دو رکعتیں پڑھنا، پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۃ الکافرون اور دوسری میں سورۃ الاخلاص، جب فارغ ہو تو یہ دعا پڑھنا: "اللھم بك انتشرت، وإليك توجهت......" آیت الکرسی، سورۂ اخلاص اور معوذتین وغیرہ اور دیگر چیزیں پڑھنا جو کہ بعض کتب، مثلاً: "إحياء الغزالی"، "فتاوی هندية" اور "شرعة الإسلام" وغیرہ میں بیان ہوئی ہیں: [3]
"حجة النبی ﷺ" (۱۰۶/ ۴)، "المناسك" (۴۷/ ۴).

---

[1] حدیث ہے: ''جس نے مجھے صفر کے ختم ہو جانے کی بشارت دی میں اسے جنت کی بشارت دیتا ہوں۔'' یہ روایت موضوع ہے، جیسا کہ ''فتاویٰ ہندیہ'' (۵/۳۳۰) میں اور کتب موضوعات میں ہے۔(منہ)

[2] اس بارے میں ایک حدیث ہے جو کہ صحیح نہیں، جیسا کہ "تذکرة الموضوعات" (ص ۱۲۲) میں ہے۔(منہ)

[3] حدیث ہے: ''جب کوئی بندہ سفر پر روانہ ہوتے وقت دو رکعتیں پڑھتا ہے تو وہ اپنے اہل خانہ کے لیے اس سے بہتر کوئی جانشین نہیں چھوڑتا۔'' یہ روایت ضعیف الاسناد ہے، جیسا کہ میں نے اسے "سلسلة الأحاديث الضعيفة" رقم (۳۷۲) میں بیان کیا ہے، اس کے ذریعے تعبد درست نہیں، جیسا کہ وہ الاصول میں مقرر اور تسلیم شدہ ہے، مناوی کا اس کا ضعف بیان کرنے کے بعد یوں کہنا: ''اسے مسنون بنایا جائے گا'' درست نہیں، اس کی مثل انس کی روایت ہے، انھوں نے کہا: ''رسول اللہ ﷺ جب بھی سفر کے ارادے سے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے تھے: "اللهم بك انتشرت...... " اسے ابن عدی نے روایت کیا اور بیہقی (۵/۲۵۰) نے روایت کیا، اس کی سند میں عمر بن مساور ہے......اور اسے عمرو کہا جاتا ہے......اور وہ منکر الحدیث ہے، جیسا کہ بخاری نے فرمایا، اور دوسروں نے بھی اسے ضعیف قرار دیا۔

۵: چار رکعتیں پڑھنا: ❶

"حجة النبی ﷺ" (۱۰۶/ ۵)، "المناسك" (۴۸/ ۵).

۶: حج کے ارادے سے روانہ ہونے والے شخص کا اس زعم سے سورۂ آل عمران، آیت الکرسی، سورة القدر اور سورة الفاتحہ پڑھنا کہ اس سے دنیا و آخرت کی حاجتیں پوری ہو جائیں گی: ❷

"حجة النبی ﷺ" (۱۰۶/ ۶)، "المناسك" (۴۸/ ۶).

۷: حجاج کو الوداع کرتے وقت اور ان کی واپسی پر بلند آواز سے ذکر و تکبیر:

"المدخل" (۴/ ۲۲۲)، "مجلة المنار" (۱۲/ ۲۷۱)، "حجة النبی ﷺ" (۱۰۷/ ۷) "المناسك" (۴۸/ ۷)

۸: حجاج کو الوداع کرتے وقت اعلان کرنا:

"حجة النبی ﷺ" (۱۰۷/ ۸)، "المناسك" (۴۸/ ۸).

۹: کعبہ کو غلاف چڑھاتے وقت تقریب کا اہتمام: ❸

"المدخل" (۴/ ۲۱۳)، "الإبداع فی مضار الابتداع" (۱۳۱-۱۳۲)، "تفسیر المنار" (۱۰/ ۳۵۸)، "حجة النبی ﷺ" (۱۰۷/ ۹)، "المناسك" (۴۸/ ۹)

۱۰: بعض ممالک کی طرف سے حاجیوں کو موسیقی کے ساتھ الوداع کرنا:

"حجة النبی ﷺ" (۱۰۷/ ۱۰)، "المناسك" (۴۸/ ۱۰).

۱۱: اللہ تعالیٰ سے لو لگا کر اکیلے ہی سفر کرنا جیسا کہ بعض صوفیاء کا دعویٰ ہے:

"حجة النبی ﷺ" (۱۰۷/ ۱۱)، "المناسك" (۴۸/ ۱۱).

---

❶ اس بارے میں وارد روایت بھی ضعیف ہے۔ الخرائطی نے اسے انس کے حوالے سے "مکارم الأخلاق" میں ان الفاظ سے روایت کیا ہے: ''جب کوئی بندہ اپنے سفر کی تیاری کر لیتا ہے اور چار رکعتیں پڑھ کر سفر کے لیے روانہ ہوتا ہے تو اس طرح اس کا اپنے اہل خانہ پر جانشین چھوڑنا اللہ کو بہت محبوب ہے۔'' العراقی نے فرمایا: ''وہ روایت ضعیف ہے۔'' (منہ)

❷ اس بارے میں ایک مرفوع روایت ہے، لیکن وہ باطل ہے جیسا کہ "التذكرة" (۱۲۳) میں ہے۔ (منہ)

❸ الحمد للہ اس بدعت کا برسوں سے خاتمہ ہو چکا ہے، لیکن اس کی جگہ وہ بدعت رہی جو اس کے بعد ہے: [اور وہ ہے: بعض حکومتوں کی طرف سے حاجیوں کو موسیقی کے ساتھ الوداع کرنا اور وہ "حجة النبی ﷺ" میں نمبر شمار (۱۰) میں ہے۔] الباجوری علی ابن القاسم (۱/ ۳۱) میں ہے: مقام ابراہیم اور اس جیسی دیگر چیزوں پر غلاف چڑھانا حرام ہے۔ (منہ)

۱۲: دعویٰ توکل کی تصحیح کے لیے زاد راہ کے بغیر سفر کرنا: [1]

"حجة النبی ﷺ" (١٠٨/ ١٢)، "المناسك" (٤٨/ ١٢).

۱۳: انبیاء اور صالحین کی قبروں کی زیارت کے لیے سفر: [2]

"مجموعة الرسائل الكبرى" لشيخ الإسلام ابن تيمية (٢/ ٣٩٥)، "حجة النبی ﷺ" (١٠٨/ ١٣)، "المناسك" (٤٨/ ١٣).

۱۴: آدمی کا ایسی شادی شدہ عورت سے عقد کر لینا جبکہ اس نے حج پر جانے کا ارادہ کیا ہو، اور اس کے ساتھ کوئی محرم نہ ہو، وہ اس سے عقد کرے تاکہ وہ اس کے ساتھ محرم ہو جائے: [3]

"السنن والمبتدعات" (١٠٩)، "حجة النبی ﷺ" (١٠٨/ ١٤)، "المناسك" (٤٨/ ١٤).

۱۴/(ا): عورت کا اجنبی آدمی سے بھائی چارہ قائم کرنا، تاکہ وہ اس کے زعم کے مطابق اس کا محرم ہو جائے گا، پھر وہ اس کے ساتھ اسی طرح معاملہ کرے گی جس طرح وہ اپنے محرموں کے ساتھ کرتی ہے:

"المناسك" (٤٩/ ١٥) [4]

۱۴/(ب): عورت کا (ان کے زعم کے مطابق) قابل اعتماد خواتین کی جماعت کے ساتھ محرم کے بغیر سفر کرنا۔

---

[1] غزالی نے "الإحياء" (٣/ ٢٤٩) میں اسے مستحب قرار دیا ہے اور انھوں نے ایک اور جگہ (۴/۲۲۹) پر بیان کیا: ''جنگلات کی طرف زاد راہ کے بغیر سفر کرنا جائز ہے اور وہ توکل کا اعلیٰ مقام ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ باطل ہے، اگر ایسے ہی ہے جیسے اس نے کہا تو پھر رسول اللہ ﷺ اس کے سب سے زیادہ حق دار تھے اور ہم یقیناً جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ نہیں کیا، کس طرح جبکہ آپ ﷺ کا طریق ہے کہ آپ نے مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے زاد راہ ساتھ لیا، میں نہیں جانتا کہ غزالی کس طرح یہ کہتے ہیں جبکہ وہ حجۃ الاسلام ہیں! اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى﴾ (البقرة: ١٩٧) ''زاد راہ لو، بے شک بہترین زاد راہ تقویٰ ہے۔'' یہ آیت یمن والوں کے بارے میں نازل ہوئی، وہ حج پر جاتے تو زاد راہ نہیں لیتے تھے اور وہ کہتے تھے: ہم توکل کرنے والے ہیں، بخاری اور دیگر نے اسے روایت کیا ہے۔ وہ کیا چیز ہے جس نے غزالی کو اس حقیقت سے دور کیا جس پر کتاب وسنت دلالت کرتے ہیں! کیا وہ جہالت ہے؟ ہرگز نہیں، کیونکہ یہ اس ضمن میں سے ہے جو ان جیسے شخص پر مخفی نہیں رہ سکتا ہے وہ صرف تصوف ہے جو اپنے پیروکار کو نصوص کی تاویل کے طریق سے شرع سے خروج/شرع کی بغاوت پر آمادہ کرتا ہے، وہ اس میں اور علم کلام میں برابر ہے، اللہ سنت کے ذریعے اس کی مخالف ہر چیز سے ہماری حفاظت فرمائے اور ہمیں بچائے۔ (منہ)

[2] رہی وہ زیارت جس کے ساتھ سفر نہ ہو تو وہ مشروع ہے اور اس پر علماء کا اتفاق ہے، ان میں سے ابن تیمیہ ہیں اور ہر وہ شخص جو ان پر اس (قبروں کی زیارت) کی تردید کا الزام لگاتا ہے وہ جاہل یا خود غرض ہے۔ (منہ)

[3] یہ سب سے زیادہ خبیث بدعت ہے۔ کیونکہ اس میں شریعت میں حیلہ سازی ہے، اور بے حیائی میں واقع ہونا ہے، جیسا کہ یہ مخفی نہیں۔ (منہ)

[4] یہ بدعت "حجة النبی ﷺ" میں موجود نہیں۔

اوراس کی مثل یہ کہ ان خواتین کے ساتھ ایک محرم ہو، وہ نہیں کہ وہ ان سب کا محرم ہے! "المناسك" (٤٩/ ١٦)[1]

۱۵: حجاج سے، جو فریضہ حج کی ادائیگی کا قصد رکھتے ہیں، ٹیکس وصول کرنا:
"الإحياء" (١/ ٢٣٦)"، "حجة النبی ﷺ" (١٠٩/ ١٥)، "المناسك" (٤٩/ ١٧).

۱۶: مسافروں کا ہر جگہ قیام کرتے وقت دو رکعتیں پڑھنا اوران کا کہنا: "اللهم أنزلني منزلا مباركا وأنت خير المنزلين......":[2]
"حجة النبی ﷺ" (١٠٩/ ١٦)، "المناسك" (٤٩/ ١٨).

۱۷: مسافر کا ہر جگہ قیام کے وقت گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص، ایک مرتبہ آیت الکرسی اور یہ آیت ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾ (الزمر: ٦٧) پڑھنا:[3]
"حجة النبی ﷺ" (١٠٩/ ١٧)، "المناسك" (٤٩/ ١٩).

۱۸: مسافر جہاں بھی جائے وہاں کا مسالا/ پیاز کھائے:[4]

۱۹: کسی ایسی جگہ کا قصد کرنا جس کے قصد سے خیر کی امید ہو، جبکہ شریعت نے اسے مستحب قرار نہ دیا ہو، مثلاً ایسی جگہیں جن کے متعلق مشہور ہے: ان میں نبی ﷺ کا کوئی نشان ہے، جیسا کہ بیت المقدس کے صخرہ کے بارے میں، دمشق کے بالائی علاقے میں مسجد قدم کے بارے میں کہا جاتا ہے اوراسی طرح انبیاء اور صالحین کی قبریں:
"اقتضاء الصراط المستقيم" لمخالفة أصحاب الجحيم" (ص١٥١-١٥٢)[5] "حجة النبی ﷺ (١٠٩/ ١٩)، "المناسك" (٤٩/ ٢١).

---

[1] ہمارے شیخ نے اسے "المناسك" کے حاشیے میں بیان کیا۔ یعنی کسٹم ڈیوٹی۔

[2] "شرح شرعة الاسلام" (ص٣٦٩) دیکھیں۔ (منه)

[3] "شرح شرعة الاسلام" (ص٣٧٣-٣٧٤) دیکھیں۔ (منه)

[4] انھوں نے اسے "شرح الشرعة" (٣٨١) میں مستحب قرار دیا ہے، جبکہ استحباب ایک شرعی حکم ہے اس کے لیے دلیل کا ہونا ضروری ہے، انھوں نے اس کے لیے اس سے استدلال کیا ہے: اور حدیث میں ہے: ''جس نے زمین کا مسالا یعنی پیاز کھایا اسے اس کا پانی نقصان نہیں پہنچائے گا۔'' یہ حدیث غریب ہے، ہم اس کی اصل صرف ابن الاثیر کی النہایہ ہی میں جانتے ہیں اور اس میں کتنی ہی روایتیں ہیں جن کی کوئی اصل نہیں۔ (منه)

[5] عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح ثابت ہے کہ انھوں نے اپنے حج میں لوگوں کو ایک جگہ کی طرف جلدی کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھا تو انھوں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے بتایا: ایک مسجد ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی ہے، انھوں نے فرمایا: اہل کتاب اس طرح ہلاک ہوئے: انھوں نے اپنے انبیاء کے آثار کو عبادت گاہ بنالیا، تم میں سے جسے اس میں نماز کا وقت ہوجائے وہ وہاں نماز پڑھ لے۔ بصورت دیگر نہ پڑھے۔ ہماری کتاب "تحذير" الساجد" (ص٩٧) دیکھیں، پھر اس کا "الاحياء" (١/ ٢٣٥- طبع الحلبي) میں موجود عبارت سے موازنہ کریں، عجیب دیکھیں گے۔ (منه)

۲۰: تبوک پہنچنے پر اسلحہ تان لینا:

"الإختيارات العلمية" لشيخ الاسلام ابن تيمية (۷۰)، "حجة النبى ﷺ" (۱۱۰/ ۲۰)، "المناسك" (۴۹/ ۲۲).

۲: احرام اور تلبیہ وغیرہ کی بدعات

۲۱: بعض کتب میں معروف و معین شرائط والے خاص جوتے بنانا: ❶

"حجة النبى ﷺ" (۱۰۹/ ۲۱)، "المناسك" (۵۰/ ۲۳).

۲۲: میقات سے پہلے احرام: ❷

"حجة النبى ﷺ" (۱۱۱/ ۲۲)، "المناسك" (۵۰/ ۲۴).

۲۳: احرام کے وقت اضطباع: ❸

---

❶ اس جیسی شرائط سنت میں بیان نہیں ہوئیں، اللہ کا دین آسان ہے، ہر وہ شرط جو اللہ کی کتاب میں نہیں وہ باطل ہے، خواہ وہ سو شرطیں ہوں، جیسا کہ صحیح بخاری میں ثابت ہے، آپ ﷺ نے جوتوں کے بارے میں شرط قائم کی ہے وہ صرف یہ کہ وہ ٹخنوں کو نہ ڈھانپتے ہوں اور آپ ﷺ کا فرمان ہے: "احرام باندھنے والا موزے نہ پہنے مگر یہ کہ وہ جوتے نہ پائے (تو موزے پہن لے)، پس وہ ان دونوں کو کاٹ لے حتیٰ کہ ٹخنوں کے نیچے تک ہو جائیں۔" (متفق علیہ)

❷ کیونکہ وہ خلاف سنت ہے، رہی وہ حدیث: "حج کے مکمل ہونے سے ہے کہ تم اپنے اہل خانہ کے گھر سے احرام باندھو۔" وہ منکر ہے، جیسا کہ میں نے اسے "سلسلة الأحاديث الضعيفة" (رقم ۲۱۰) میں بیان کیا ہے کہ صحابہ کی جماعت سے جو مرفوع اور موقوف مروی ہے وہ اس کے خلاف ہے، جیسا کہ عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما نے روایت کیا، جیسا کہ میں نے وہاں ذکر کیا ہے، الہروی و دیگر نے جو ابن عیینہ سے روایت کیا ہے وہ کس قدر اچھی بات ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے مالک بن انس کو سنا جبکہ ایک آدمی ان کے پاس آیا تو اس نے کہا: ابوعبداللہ! میں کہاں سے احرام باندھوں؟ انھوں نے فرمایا: ذوالحلیفہ سے، جہاں سے رسول اللہ ﷺ نے احرام باندھا، اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میں مسجد نبوی سے قبر شریف کے پاس سے احرام باندھوں؟ انھوں نے فرمایا: ایسے نہ کر، مجھے تمہارے متعلق فتنے کا اندیشہ ہے، اس نے کہا: یہ کون سا فتنہ ہے؟ یہ تو چند میل ہی ہیں جن کا میں اضافہ کر رہا ہوں انھوں نے فرمایا: اس سے بڑھ کر اور فتنہ کیا ہوگا کہ تم سمجھتے ہو کہ تم اس فضیلت کو پہنچ گئے ہو۔ جسے رسول اللہ ﷺ نے چھوڑ دیا ہے! میں نے اللہ کا یہ فرمان سنا ہے: ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (النور: ٦٣) "ان لوگوں کو جو اس کے امر کی مخالفت کرتے ہیں، ڈرنا چاہیے کہ کسی فتنے یا دردناک عذاب کا شکار نہ ہو جائیں۔" اسی سے تم میقات سے پہلے احرام کے جواز پر مزعوم اتفاق کی حیثیت جان لو گے جو کہ "شرح الهداية" (۲/ ۱۳۲) میں مذکور ہے۔ والله المستعان۔ (منہ)

اهم تنبیه: نماز کی بدعات میں: "دوم: من کثرت نمازوں کی بدعات" (رقم ۱۱) میں بیان ہو چکا، ہم نے "ہر میقات پر احرام کے بعد دو رکعتوں کی پابندی کرنا" کی غلطی پر باخبر کیا ہے، اسے وہاں دیکھیں، اللہ آپ کو ہدایت نصیب فرمائے۔

❸ ابن عابدین نے "الحاشية" (۲/ ۲۱۵) میں بیان کیا: "اضطباع (احرام کی چادر کو دائیں کندھے سے نکال کر بائیں کندھے پر اس طرح ڈالنا کہ دایاں کندھا ننگا رہے) طواف سے کچھ دیر پہلے سے لے کر آخر تک ہے بس (اس کے بعد نہیں)۔" "فتح القدير" (۲/ ۱۵۰) میں بھی اسی طرح ہے۔ (منہ)

"تلبیس إبلیس" لابن الجوزی (ص ١٥٤)، "حجة النبی ﷺ"(١١١/ ٢٣)، "المناسك" (٥٠/ ٢٥).

٢٤: زبان سے نیت کرنا: ❶

"حجة النبی ﷺ"(١١/ ٢٤)، "المناسك" (٥٠/ ٢٦).

٢٥: کلام کیے بغیر خاموش رہ کر حج کرنا:

"الإقتضاء" (ص ٦٠)، "حجة النبی ﷺ"(١١٢/ ٢٥)، "المناسك" (٥٠/ ٢٧).

٢٦: یک زبان ہو کر جماعت کی شکل میں تلبیہ پکارنا:

"شرح الطریقة المحمدیة" للحاج رجب (١/ ١١٥)، "المدخل" لابن الحاج (٢/ ٢٢١)، "حجة النبی ﷺ"(١١٢/ ٢٦)، "المناسك" (٥٠/ ٢٨).

٢٧: تلبیہ کے بدلے "اللّٰہ اکبر" اور "لا الہ الا اللّٰہ" پڑھنا:

"کنز العمال" عن ابن عباس" ٣٠/ ٣٠)، "حجة النبی ﷺ"(١١٢/ ٢٧)، "المناسك" (٥٠/ ٢٩).

٢٨: تلبیہ کے بعد یوں کہنا: ''اللّٰہ! میں حج کا ارادہ رکھتا ہوں، اسے میرے لیے آسان کر دے، اس کے فرض کی ادائیگی پر میری مدد فرما اور اسے میری طرف سے قبول فرما، اللّٰہ! میں نے حج میں تیرے فریضے کی ادائیگی کی نیت کی لہٰذا مجھے ان لوگوں میں شامل فرما جو تیری بات قبول کرتے ہیں......'' ❷

"حجة النبی ﷺ"(١١٢/ ٢٨)، "المناسك" (٥٠/ ٣٠).

٢٩: مسجد حرام کے علاوہ ان مساجد کا قصد کرنا جو مکہ اور اس کے گرد و نواح میں ہیں، جیسے وہ مسجد جو الصفا کے نیچے ہے، جو ابو قبیس کے دامن میں ہے اور آپ کی جائے پیدائش والی مسجد اور اس طرح کی دیگر مساجد جو نبی ﷺ کے آثار پر بنائی گئی ہیں: "مجموعة الرسائل الکبری" (٢/ ٣٨٨۔٣٨٩) اور ابن تیمیہ کی سورۃ الاخلاص کی تفسیر (١٧٩)۔ "حجة النبی ﷺ"(١١٢/ ٢٩)، "المناسك" (٥٠/ ٣١).

٣٠: مکہ کے آس پاس والے پہاڑوں اور جگہوں کا قصد کرنا، جیسے حراء پہاڑ اور وہ پہاڑ جو منیٰ کے پاس ہے، جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس میں قربانی ہوئی تھی اور اس طرح کی دیگر جگہیں:

---

❶ ''نمازوں کی بدعات'': (نماز سے پہلے کی بدعات): زبان سے نیت کرنے کی بدعت دیکھیں۔

❷ غزالی نے ذکر کیا کہ یہ مستحب ہے، رہے الباجوری تو انھوں نے (١/ ٣٢٩) کہا: ''وہ مسنون ہے'' شاید کہ بعض مشائخ کی سنت، ورنہ ہر شخص جو سنت کی معرفت رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ وہ ایسی چیز ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ (منہ)

"مجموعة الرسائل الكبرى" (۲/ ۲۸۹)، "حجة النبی ﷺ"(۱۱۳/ ۳۰)، "المناسك" (۵۰/ ۳۲).

۳۱: تنعیم میں مساجد عائشہ میں نماز کا قصد:

"مجموعة الرسائل الكبرى" (۲/ ۳۵۷۔۳۵۸، "حجة النبي ﷺ"(۱۱۳/ ۳۱)، "المناسك" (۵۰/ ۳۳).

۳۲: بیت اللہ کے سامنے صلیب بنانا:

"الإقتضاء" (۱۰۱)، "حجة النبی ﷺ"(۱۱۳/ ۳۲)، "المناسك" (۵۰/ ۳٤)❶

۳: طواف کی بدعات

۳۲/أ: طواف کے لیے غسل:

"مجموعة الرسائل الكبرى" (۲/ ۳۸۰)، "حجة النبی ﷺ"(۱۱۳/ ۳۳)، "المناسك" (۵۱/ ۳۵).

۳۳: طواف کے دوران نبی ﷺ سے کسی معین ذکر کا عقیدہ رکھنا اور اس کی پابندی کرنا:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے فرمایا:

''اس (طواف) میں نبی ﷺ کے حوالے سے کوئی ذکر محدود و معین نہیں، آپ کے حکم سے نہ آپ کے فرمان سے اور نہ تعلیم سے ہی، بلکہ آپ اس میں تمام شرعی دعائیں کرتے، بہت سے لوگ جو میزاب (پرنالے) وغیرہ کے نیچے کوئی معین دعا کرتے ہیں تو اس کی کوئی اصل نہیں۔''

"مناسك الحج والعمرة" ص (۲۳).

۳۴: طواف کرنے والے کا جرابیں وغیرہ پہننا تا کہ اس کے پاؤں کبوتر کی بیٹ پر نہ آئیں اور اس کا ہاتھوں کو ڈھانپنا تا کہ کسی عورت کو ہاتھ نہ لگ جائے❷:

"حجة النبی ﷺ"(۱۱۳/ ۳٤)، "المناسك" (۵۱/ ۳٦).

۳۵: احرام باندھنے والے کا مسجد حرام میں داخلے پر تحیۃ المسجد کی نماز پڑھنا❸، "حجة النبی ﷺ" (۱۱٤/

---

❶ ہمارے شیخ نے "المناسك" (ص ۵۰) کے حاشیے میں فرمایا: وہ اس طرح ہے کہ صلیب کی صورت پر چہرے اور سینے پر ہاتھ پھیرنا۔

❷ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے "المجموعة" (۲/ ۳۷٤) میں فرمایا: ''جس نے یہ کیا اس نے سنت کی مخالفت کی، نبی ﷺ، آپ کے صحابہ اور تابعین بیت اللہ کا طواف بھی کرتے رہے اور مکہ میں کبوتر بھی تھے۔ (منہ)

❸ اس کا تحیہ طواف ہی ہے، پھر مقام ابراہیم کے پیچھے نماز ہے۔ دیکھیں: "القواعد النورانية" لابن تيمية (۱۰۱). (منہ)

۳۵) اور "المناسك" (۱ ٥ / ۳۷) میں ہے: محرم جب مسجد حرام میں داخل ہو تو اس کا طواف قدوم سے پہلے تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھنا: ❶
اس مسئلے کی تفصیل کہ البیت الحرام کا تحیہ طواف ہی ہے: ہمارے شیخ نے "الضعيفة" (۳/ ۷۳۔۷٤) کی حدیث رقم (۱۰۱۲) ❷ کے تحت بیان کیا اور انھوں نے اس پر حکم لگایا کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔
میں قولی سنت یا فعلی سنت نہیں جانتا جو اس معنی کی شہادت دیتی ہو، بلکہ مسجد میں بیٹھنے سے پہلے نماز (تحیۃ المسجد) پڑھنے کے بارے میں وارد دلائل مسجد حرام کو بھی شامل ہیں اور یہ قول کہ اس (مسجد حرام) کا تحیہ طواف ہی ہے اس کے عموم کے خلاف ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، تو وہ اس کے ثبوت کے بعد ہی قبول کیا جائے گا اور وہ ناممکن ہے، خاص طور پر تجربہ سے ثابت ہے کہ حج کے ایام میں مسجد حرام میں داخل ہونے والے کے لیے ہر مرتبہ مسجد حرام میں داخل ہونے پر طواف کرنا ممکن ہی نہیں، تو اللہ کا شکر ہے جس نے دین میں وسعت رکھی:

﴿وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج: ۷۸)
''اللہ نے دین کے معاملے میں تم پر کوئی حرج اور تنگی پیدا نہیں کی۔''

اس مسئلے کی آگاہی ہونی چاہیے، کہ یہ حکم صرف اس شخص کے لیے ہے جس نے احرام نہ باندھا ہو ورنہ اس کے حق میں مسنون یہ ہے کہ وہ پہلے طواف کرے پھر اس کے بعد دو رکعتیں پڑھے۔ میرے رسالے "مناسك الحج والعمرة" میں حج اور عمرہ کی بدعات، بدعت رقم ۳۷ دیکھیں۔

۳۶: میں نے اپنے اس ہفتے کے طواف کی یہ اور یہ نیت کی:
"زاد المعاد" (۱/ ٤٥٥ ، ۳/ ۳۰۳)، "الروضة الندية" (۱/ ۲٦۱)، "حجة النبي ﷺ" (٤ ۱۱ / ۳٦)، "المناسك" (٥١ / ۳۸).

۳۷: حجر اسود کا استلام کرتے وقت اس طرح دونوں ہاتھ اٹھانا جس طرح نماز کے لیے دونوں ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں:
"زاد المعاد" (۱/ ۳۰۳) اور علامہ فیروز آبادی کا "سفر السعادة" (ص ۷۰) ❸ "حجة

---

❶ اور "المناسك" میں اس عبارت کا اضافہ کیا: میں کہتا ہوں: اس پر صرف تحیہ تب ہے جب بعد میں داخل ہو۔
❷ اس کی نص یہ ہے: ''بیت اللہ کا تحیہ طواف ہے۔''
❸ اور انھوں نے ذکر کیا کہ اسے صرف جاہل ہی کرتے ہیں! اس کے باوجود کہ یہ احناف کا مذہب ہے، "ہدایہ" میں حدیث: ''صرف سات جگہوں پر ہی ہاتھ اٹھائے جائیں گے......'' سے ان کے لیے دلیل لی گئی ہے اور ان (سات جگہوں) میں سے ''حجر اسود کا استلام'' بھی ہے۔ لیکن وہ اپنے تمام طرق سے ضعیف ہے، اس کے باوجود ابن ہمام نے ''فتح القدیر (۲/ ۱۴۸، ۱۵۳) میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اس میں حجر اسود کے ذکر کرنے کی کوئی اصل نہیں، گویا کہ اس نے اسے زیلعی سے ''نصب الرایۃ'' (۲/ ۳۸) میں اخذ کیا ہے اور یہ محل نظر ہے، یہ اس وضاحت کا موقع نہیں۔ (منہ)

النبی ﷺ" (١١٤/ ٣٧)، "المناسك" (٥١/ ٣٩).

۳۸: حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت آواز نکالنا:

"المدخل" (٤/ ٢٢٣)، "حجة النبی ﷺ" (١١٤/ ٣٨)، "المناسك" (٥١/ ٤٠).

۳۹: حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے دھکم پیل اور اسے بوسہ دینے کے لیے نماز میں امام سے پہلے ہی سلام پھیر دینا (اور بھاگ کر حجر اسود کو چوم لینا):

"حجة النبی ﷺ" (١١٤/ ٣٩)، "المناسك" (٥١/ ٤١).

۴۰: حجر اسود یا رکن یمانی کے استلام کے وقت اس کے آخری/ نچلے حصے کی طرف تیز چل کر جانا:

"شـرح الـطـريـقة المـحـمـدية" (١/ ١٢٢) میں الحاج رجب نے بیان کیا، "حجة النبی ﷺ" (١١٥/ ٤٠)، "المناسك" (٥١/ ٤٢).

۴۱: حجر اسود کے استلام کے وقت ان کا یوں کہنا: ((اَللّٰهُمَّ اِيْمَانًا بِكَ، وَتَصْدِيْقًا بِكِتَابِكَ.))

"المدخل" (٤/ ٢٢٥)، ❶ "حجة النبی ﷺ" (١١٥/ ٤١)، "المناسك" (٥١/ ٤٣).

۴۲: حجر اسود کے استلام کے وقت یوں کہنا:

"اللهم إنی أعوذبك من الكبر والفاقة، ومراتب الخزي فی الدنيا والآخرة ❷ "حجة النبی ﷺ" (١١٥/ ٤٢)، "المناسك" (٥١/ ٤٤).

۴۳: طواف کے دوران دایاں ہاتھ بائیں پر رکھنا:

"المدخل" (١/ ١٢٢)، "حجة النبی ﷺ" (١١٥/ ٤٣)، "المناسك" (٥١/ ٤٥).

۴۴: باب کعبہ کی طرف رخ کر کے مقام ابراہیم علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوں کہنا: ''اے اللہ! گھر تو تیرا گھر ہے، حرم تیرا حرم ہے، امن تیرا امن ہے، یہ مقام تجھ سے جہنم سے پناہ مانگنے کا مقام ہے:''

"حجة النبی ﷺ" (١١٥/ ٤٤)، "المناسك" (٥١/ ٤٦).

---

❶ "المدونة" (٢/ ١٢٤) میں ہے کہ امام مالک نے حجر اسود کے مقابل آ کر لوگوں کے اس طرح کہنے: "إيمانا بك......" کا انکار کیا ہے جبکہ اسے علی اور ابن عمر سے دو ضعیف سندوں سے موقوف روایت کیا گیا ہے اور ابن عمر کی روایت میں ہیثمی کے قول: ''اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں'' سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے، انہیں ایک دوسرے راوی کا التباس ہو گیا، جیسا کہ میں نے اسے "السلسلة" میں بیان کیا ہے۔ (منہ)

- ابوعبیدہ نے بیان کیا: شیخ نے اس تضعیف سے رجوع کر لیا، جیسا کہ میں نے اسے ان سے سنا، لیکن ان کی کتابوں میں یہ چیز مجھے نہیں ملی۔

❷ اس بارے میں وارد حدیث کو سیوطی نے "ذيل الموضوعات" (ص ١٢٢) میں ذکر کیا اور کہا: اس میں نہشل کذاب ہے۔ (منہ)

۴۵: رکن عراقی کے پاس یہ دعا کرنا: ''اے اللہ! میں شک و شرک، شقاق و نفاق، برے اخلاق اور اہل و مال و اولاد میں برے حال میں لوٹنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں:

"حجة النبی ﷺ"(١٥ ، / ٤٥)، "المناسك" (٥٢/ ٤٧).

۴۶: میزاب (پرنالے) کے نیچے یہ دعا کرنا: ''اے اللہ! جس روز صرف تیرا ہی سایہ ہوگا، اس روز اپنے سائے تلے جگہ نصیب فرمانا، سیدنا محمد ﷺ کے دست مبارک سے حوض کوثر کا جام پلانا۔ اس کے بعد مجھے پھر کبھی پیاس نہ لگے، اے شان وشوکت اور عزت والے:''

"حجة النبی ﷺ"(١١٦/ ١٤٦)، "المناسك" (٥٢/ ٤٨).

۴۷: رمل (طواف قدوم کے پہلے تین چکروں میں تیز تیز چلنے) کے دوران میں یہ دعا کرنا: ''اے اللہ! اسے حج مبرور (مقبول) بنا، گناہوں سے معافی کا ذریعہ بنا، سعی (کوشش) مشکور بنا، نفع مند تجارت بنا، اے عزیز (عزت و غلبے والے) اے غفور'': [1]

"حجة النبی ﷺ"(١١٦/ ٤٧)، "المناسك" (٥٢/ ٤٩).

۴۸: اور طواف کے باقی چار چکروں میں یہ دعا پڑھنا: ''میرے رب بخش دے اور رحم فرما! (میرے بارے میں) تو جو جانتا ہے اس سے تجاوز فرما، بے شک تو بہت ہی زیادہ عزت و اکرام والا ہے:'' [2]

"حجة النبی ﷺ"(١١٦/ ٤٨)، "المناسك" (٥٢/ ٥٠).

۴۹: رکن یمانی کو بوسہ دینا:

"المدخل" (٤/ ٢٢٤)، "حجة النبی ﷺ"(١١٦/ ٤٩)، "المناسك" (٥٢/ ٥١).

۵۰: دو شامی رکنوں اور مقام ابراہیم کو بوسہ دینا اور ان دونوں کا استلام کرنا:

"الإقتضاء" (٢٠٤)، "مجموعة الرسائل" (٢/ ٣٧١) اور "الإختيارات العلمية" لابن تيمية (ص٦٩)، "حجة النبی ﷺ"(١١٧/ ٥٠)، "المناسك" (٥٢/ ٥٢).

---

[1] رافعی نے اسے نبی ﷺ تک مرفوع حدیث کے طور پر نقل کیا ہے، اس کی کوئی اصل نہیں، جیسا کہ حافظ رحمہ اللہ نے "التلخیص" (ص ٢١٤) میں یوں فرما کر اس کی طرف اشارہ کیا ہے: ''میں نے اسے نہیں پایا۔'' (منہ)

[2] شیخ الاسلام نے اپنے "منسك" (ص ٣٧٢) میں بیان کیا: ''اس کے لیے طواف میں مستحب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے، اور مشروع دعائیں کرے، اگر اس نے پست آواز سے قرآن پڑھا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اس میں نبی ﷺ کے حوالے سے آپ کے امر سے کوئی ذکر محدود ہے نہ آپ کے فرمان سے اور نہ ہی آپ کی تعلیم سے، بلکہ اس میں باقی شرعی دعائیں کرے گا اور بہت سے لوگ جو پرنالے وغیرہ کے نیچے ایک معین دعا کرتے ہیں تو اس کی کوئی اصل نہیں، نبی ﷺ دو رکنوں کے درمیان اپنے طواف کو اس دعا کے ساتھ ختم کیا کرتے تھے: ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (البقرة: ٢٠١) جیسا کہ آپ اپنی ساری دعائیں اس دعا کے ساتھ ختم کرتے تھے اور اس میں کوئی ذکر واجب نہیں، اس پر ائمہ کا اتفاق ہے۔'' (منہ)

۵۱: کعبہ کی دیواروں اور مقام ابراہیم کو ہاتھ لگانا:
"تفسیر سورۃ الاخلاص" (۱۷۷)، "إغاثة اللهفان" (۱/ ۲۱۲)، "السنن والمبتدعات" (۱۱۳). "حجة النبی ﷺ" (۱۱۷/ ۵۱)، "المناسك" (۵۲/ ۵۳).

۵۲: عروۃ وثقی (مضبوط کڑا، حلقہ)! وہ بیت اللہ کے دروازے کے مقابل بیت اللہ کی دیوار کی اونچی جگہ ہے، عام لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ جس نے اسے ہاتھ لگالیا، اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا:
"الباعث علی إنكار البدع والحوادث" لأبی شامة (ص۶۹) [1]، "فتح القدير" لابن الهمام (۲/ ۱۸۲-۱۸۳)، "الإبداع" (۱۶۵)، "حجة النبی ﷺ" (۱۱۷/ ۵۲)، "المناسك" (۵۲/ ۵۴).

۵۳: بیت اللہ کے وسط میں ایک کیل ہے، وہ اسے دنیا کی ناف کا نام دیتے ہیں، ان میں سے کوئی اپنی ناف سے کپڑا ہٹا کر اس جگہ اوندھا لیٹ جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنی ناف دنیا کی ناف پر رکھ دیتا ہے: [2]
"الباعث علی إنكار البدع والحوادث" لأبی شامة ص (۶۹)، "فتح القدير" لابن الهمام (۲/ ۱۸۲-۱۸۳)، "الإبداع" (۱۶۵). "حجة النبی ﷺ" (۱۱۷/ ۵۳)، "المناسك" (۵۲/ ۵۵).

۵۴: بارش میں اس زعم سے طواف کا قصد کرنا کہ جو یہ کرتا ہے اس کے سابقہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں: [3]
"حجة النبی ﷺ" (۱۱۸/ ۵۴)، "المناسك" (۵۲/ ۵۶).

۵۵: کعبہ کے رحمت کے پرنالے سے گرنے والے بارش کے پانی سے برکت حاصل کرنا:
"حجة النبی ﷺ" (۱۱۸/ ۵۵)، "المناسك" (۵۳/ ۵۷).

۵۶: میلے کچیلے کپڑوں کی وجہ سے ترک طواف:
"الإقتضاء" لابن تيمية (۶۰)، "حجة النبی ﷺ" (۱۱۸/ ۵۶)، "المناسك" (۵۳/ ۵۸).

۵۷: حاجی کا آب زم زم پی کر اپنے بچے ہوئے جھوٹے پانی کو کنویں میں ڈالنا اور یہ دعا کرنا: "اے اللہ! میں تجھ

---

[1] اور اس نے کہا: "وہ وہاں تک پہنچنے کے لیے بڑی مشقت اٹھاتے ہیں، ایک دوسرے کے اوپر چڑھ جاتے ہیں بسا اوقات جو خواتین مردوں کے اوپر چڑھ جاتی ہیں!" (منہ)

[2] ابن ہمام نے اس بدعت کو اور اس سے پہلی (رقم ۵۲) کو جو کہ "حجة النبی ﷺ" سے ہے، یوں بیان کیا ہے کہ وہ بدعت باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں، اور یہ کسی ایسے شخص کا کام ہے جس کے پاس کوئی عقل ہی نہیں چہ جائیکہ علم! (منہ)

[3] رہی وہ روایت: "جس نے بارش میں پورا طواف کیا اس کے سابقہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔" اس کی کوئی اصل نہیں، جیسا کہ بخاری و دیگر نے کہا ہے۔ (منہ)

سے وسیع رزق، نفع مند علم اور ہر بیماری سے شفاء کی درخواست کرتا ہوں'':

"حجة النبی ﷺ" (١١٨/ ٥٧)، "المناسك" (٥٣/ ٥٩).

٥٨: بعض لوگوں کا آب زمزم سے غسل کرنا: ❶

"حجة النبی ﷺ" (١١٨/ ٥٨)، "المناسك" (٥٣/ ٦٠).

٥٩: ان کا اپنی داڑھیوں کو زم زم کے ساتھ دھونے کا اہتمام کرنا اور اپنے پاس موجود نقدی اور کپڑوں کو حصول برکت کی خاطر دھونا:۔

"النسنن و المبتدعات" (١١٣)، "حجة النبی ﷺ" (١١٩/ ٥٩)، "المناسك" (٥٣/ ٥٩).

٦٠: جو بعض کتب فقہ میں مذکور ہے کہ وہ آب زم زم پیتے وقت کئی سانس لے گا اور ہر مرتبہ اپنی نظر اٹھا کر بیت اللہ کی طرف دیکھے گا: ❷

"حجة النبی ﷺ" (١١٩/ ٦٠)، "المناسك" (٥٣/ ٦٢).

۴: صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی بدعات

٦١: صفا و مروہ کے درمیان سعی کے لیے وضو کرنا اور یہ زعم رکھنا کہ جو اس طرح کرتا ہے اس کے لیے ہر قدم کے بدلے ستر ہزار درجے لکھ دیے جاتے ہیں: ❸

"حجة النبی ﷺ" (١١٩/ ٦١)، "المناسك" (٥٣/ ٦٣).

٦٢: صفا پر چڑھنا حتیٰ کہ دیوار کے ساتھ چمٹ جانا:

"حاشية ابن عابدين" (٢/ ٢٣٤)، "حجة النبی ﷺ" (١١٩/ ٦٢)، "المناسك" (٦٣/ ٦٤).

٦٣: صفا سے اترتے وقت یہ دعا کرنا: ''اے اللہ! مجھے اپنے نبی کی سنت پر لگانا، ان کی ملت پر فوت کرنا، فتنوں کی گمراہیوں سے مجھے بچا، اپنی رحمت کے ساتھ اے بہترین رحم کرنے والے!'' ❹

---

❶ ابن تیمیہ ''منسک'' (ص: ٣٨٨) آب زم زم کو خوب سیر ہو کر پینا مستحب ہے اور وہ اسے پیتے وقت جو چاہے شرعی دعا کر سکتا ہے، اس سے غسل کرنا مستحب نہیں۔ (منہ)

❷ یہ بدعت ہے، آج الحمد للہ ممکن نہیں رہی، اس لیے کہ زم زم کے اوپر جو قبہ تھا اسے گرا کر برابر کر دیا گیا تا کہ نمازیوں کے لیے گنجائش پیدا کی جائے اور کنویں کے کمرے کو مسجد کے نیچے ''بیسمنٹ'' میں بنا دیا گیا ہے، اس طرح کہ وہاں سے بیت اللہ کو دیکھنا ناممکن ہے! (منہ)

❸ اس بارے میں وارد روایت موضوع ہے، سیوطی و دیگر نے اسے "الموضوعات" میں نقل کیا ہے۔ دیکھیں: "الذيل" (ص ١٢٢)، "التذكرة" (ص ٧٤). (منہ)

میں نے کہا: اس سے آگاہ رہنا چاہیے کہ ہمارے شیخ رحمہ اللہ کے آخری قول کے مطابق صفا و مروہ کے درمیان سعی میں وضو شرط ہے، اور حسن بصری کا یہی موقف ہے، جس طرح میں نے اسے اپنی کتاب ''نوادر الالبانی'' میں بیان کیا ہے۔

❹ اس کا کچھ حصہ ابن عمر سے مروی ہے کہ وہ اسے صفا پر پڑھا کرتے تھے۔ امام بیہقی نے ضعیف سند سے اسے روایت کیا ہے۔ (منہ)

"حجة النبی ﷺ"(١١٩/ ٦٣)، "المناسك" (٦٣/ ٦٥).

٦٤: سعی کے دوران یوں کہنا: میرے رب بخش دے اور رحم فرما (میرے گناہوں کے بارے میں) تو جو جانتا ہے اس سے درگزر فرما، بے شک تو بہت ہی زیادہ عزت و اکرام والا ہے، اے اللہ! اسے حج مقبول یا عمرہ مقبول بنا، گناہوں کی بخشش کا ذریعہ بنا، تین بار اللہ اکبر، اللہ کے لیے تمام تعریفیں ہیں، اللـه اکبر علی ما هدانا، والحمد لله علی ما أولانا، لا اله الا الله وحده لا شريك له، له الملك، وله الحمد، وهو علی كل شیء قدير، لا اله الا الله وحده...... یہاں تک: ولو كره الكافرون. "❶ "حجة النبی ﷺ"(١٢٠/ ٦٤)، "المناسك" (٦٣/ ٦٦).

٦٥: صفا و مروہ کے درمیان چودہ چکر لگانا اور اسے صفا پر ختم کرنا: ❷

"حجة النبی ﷺ"(١٢٠/ ٦٥)، "المناسك" (٦٤/ ٦٧).

٦٦: حج یا عمرہ میں سعی کا تکرار:

"شرح النووی علی مسلم" (٩/ ٢٥)، "تحية النبی ﷺ (١٢٠/ ٦٦)، "المناسك" (٥٤/ ٦٨).

٦٧: سعی سے فارغ ہونے کے بعد دو رکعتیں پڑھنا:

"الباعث علی إنكار البدع" (٢٨)، "القواعد النورانية" لشيخ الاسلام ابن تيمية" (١٠١)، "حجة النبی ﷺ"(١٢١/ ٦٧)، ❸ "المناسك" (٥٤/ ٦٩)، "صلاة التراويح" (ص٤٥).

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعيفة" (٢/ ٣٢٨) میں حدیث رقم (٩٢٨) کے تحت فرمایا:

علامہ ابن ہمام نے "فتح القدير" میں اس روایت کو ذکر کیا، لیکن ان پر حدیث کا لفظ "سبعه" "سعيه"

---

❶ "رب اغفر وارحم وأنت الأعز الأكرم" ابن مسعود اور ابن عمر سے موقوف مروی ہے، بیہقی نے اسے روایت کیا اور یہ مرفوعاً مروی ہے جو کہ صحیح نہیں۔ (منہ) ❷ سنت سات چکر ہے اور مروہ پر ختم ہوگا۔ (منہ)

❸ کئی ایک نے طواف کی دو رکعتوں پر قیاس کرتے ہوئے ان دونوں کے استحباب کا موقف اختیار کیا ہے، ابن الہمام نے "الفتح" (٢/ ١٥٦ ـ ١٥٧) میں بیان کیا: "اس قیاس کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ اس میں نص موجود ہے، وہ روایت جسے مطلب بن ابو وداعہ نے بیان کیا: انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ اپنی سعی سے فارغ ہوئے تو آپ آئے، آپ نے مطاف (طواف کرنے کی جگہ) کے کنارہ پر دو رکعتیں پڑھیں، جبکہ آپ کے اور طواف کرنے والوں کے درمیان کوئی نہ تھا۔ (احمد، ابن ماجہ) میں کہتا ہوں: اس طرح کے ماہر عالم سے یہ وہم عجیب ہے۔ ان پر لفظ: "سعيه" بدل گیا، حالانکہ درست لفظ: "سبعه" ہے، جیسا کہ "ابن ماجہ" رقم (٢٩٥٨) میں ہے اور وہ "المسند" میں لفظ "أسبوعه" کے ساتھ مروی ہے اور اس کی ایک دوسری روایت میں ہے: "طاف بالبيت سبعًا، ثم صلی ركعتين بحذائه...... " مزید یہ کہ وہ حدیث اپنی اصل کے حوالے سے اسناد کی طرف سے صحیح نہیں، کیونکہ اس میں اضطراب اور جہالت ہے، جیسا کہ میں نے اسے "سلسلة الاحاديث الضعيفة" رقم (٩٢٨) میں بیان کیا ہے۔ (منہ)

سے بدل گیا، پس انھوں نے اس سے سعی کے بعد دو رکعت نماز کے استحباب پر استدلال کیا اور یہ بدعت محدثہ ہے اس کی سنت میں کوئی اصل نہیں، جیسا کہ اس پر کئی ائمہ جیسے ابوشامہ و دیگر نے متنبہ کیا ہے......

٦٨: جماعت کھڑی ہو جاتی ہے اور وہ صفا و مروہ کے درمیان اپنی سعی جاری رکھتے ہیں حتیٰ کہ ان کی نماز با جماعت رہ جاتی ہے: "حجة النبی ﷺ" (١٢١/ ٦٨)، "المناسك" (٥٤/ ٧٠)

٦٩: منیٰ آ کر کسی معین دعا کی پابندی کرنا جیسا کہ "الإحیاء" میں ہے، "اللهم هذه مِنی، فامنن علی بما مننت به علی اولیائك وأهل اطاعتك." اور جب وہاں سے نکلے تو یہ دعا پڑھے: "اللهم اجعلها خير غدوة غدوتها قط......" "حجة النبی ﷺ" (١٢١/ ٦٩)، "المناسك" (٥٤/ ٧١).

٥: عرفات کی بدعات

٧٠: اس اندیشے کے پیش نظر کہ چاند دیکھنے میں غلطی ہوگئی لہٰذا احتیاط کے طور پر آٹھ ذوالحجہ کو کچھ وقت جبل عرفات پر وقوف کرنا: ❶

"حجة النبی ﷺ" (١٢٢/ ٧٠)، "المناسك" (٥٤/ ٧٥).

٧١: عرفہ کی رات منیٰ میں شمعیں جلانا:

"مجموعة الرسائل الكبرى" (٢/ ٣٧٧-٣٧٩) اور البجیرمی نے اپنے "حاشیة" (٢/٢١١) میں، "حجة النبی ﷺ" (١٢٢/ ٧١)، "المناسك" (٥٤/ ٧٣).

٧٢: عرفہ کی رات دس کلمات سے ہزار مرتبہ دعا کرنا:

"سبحان الذی فی السماء عرشه، سبحان الذی فی الارض موطئه. سبحان الذی فی البحر سبیله......" ❷ "حجة النبی ﷺ" (١٢٢/ ٧٢)، "المناسك" (٥٤/ ٧٥).

٧٣: آٹھ ذوالحجہ کو ایک ہی مرتبہ مکہ سے عرفہ کی طرف کوچ کرنا:

---

❶ "الإحیاء" میں اسے مستحسن قرار دیا اور کہا: "وہ احتیاط ہے۔"

اس طرح کے فقیہ سے یہ بڑی عجیب بات ہے، اس لیے کہ اگر یہ کوئی اچھا کام ہوتا تو نبی ﷺ اسے کرتے، جبکہ آپ سب سے زیادہ متقی تھے، شیخ الاسلام نے "المجموعة" (٢/ ٣٧٤) میں بیان کیا: "احتیاط اچھی بات ہے، جبکہ وہ معلوم سنت کے خلاف نہ ہو، جب وہ یہاں (سنت معلومہ کے خلاف) تک پہنچ جائے تو وہ خطا ہے۔" (منہ)

❷ ایک حدیث میں آیا ہے، لیکن اس کی اسناد ضعیف ہے، بلکہ ابن جوزی نے اسے "الموضوعات" میں نقل کیا ہے اور کہا: "وہ صحیح نہیں۔" اور سیوطی نے "اللآلی" (١/ ١٢٠) میں اس کی علمی گرفت کی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کے ضعف کو تسلیم کرتے ہیں۔ (منہ)

"الباعث على إنكار البدع" (٦٩ ـ ٧٠)❶ "حجة النبي ﷺ" (١٢٣/ ٧٣)، "المناسك" (٥٤/ ٧٥).

۷۴: منیٰ سے عرفات کے لیے رات کے وقت کوچ کرنا: ❷

"المدخل" (٤/ ٢٣٧)، "حجة النبي ﷺ" (١٢٣/ ٧٤)، "المناسك" (٥٤/ ٧٦).

۷۵: عرفہ کی رات جبل عرفات پر آگ جلانا اور شمعیں روشن کرنا:

"الباعث على إنكار البدع" (٦٩)، "مجموعة الرسائل" (٢/ ٣٧٨، ٣٧٩)، "الإعتصام" للشاطبي (٢/ ٢٧٣)، "الإبداع في مضار الابتداع" (١٦٥)، "حجة النبي ﷺ" (١٢٣/ ٧٥)، "المناسك" (٥٤/ ٧٧).

۷۶: عرفہ کے دن کے لیے غسل کرنا: ❸

"حجة النبي ﷺ" (١٢٣/ ٧٦)، "المناسك" (٥٤/ ٧٨).

۷۷: عرفات کے قریب پہنچ کر جب جبل رحمت پر نظر پڑھے تو یوں کہنا: "سبحان الله"، "الحمد لله"، "ولا اله الا الله" اور "الله اكبر."

"حجة النبي ﷺ" (١٢٤/ ٧٧)، "المناسك" (٥٥/ ٧٩).

۷۸: عرفہ کے دن نصف النہار کے وقت وقوف کا وقت شروع ہونے سے پہلے عرفات کی طرف کوچ کرنا:

"الإبداع" (١٦٦)، "حجة النبي ﷺ" (١٢٤/ ٧٨)، "المناسك" (٥٥/ ٨٠).

۷۹: عرفات پر سو مرتبہ "لا اله الا الله" پڑھنا پھر سو مرتبہ سورۃ الاخلاص پڑھنا، پھر آپ ﷺ پر درود پڑھنا

---

❶ اور سنت، بلکہ عرفہ کی رات منیٰ میں گزارنا واجب ہے۔ لوگ اس سنت میں بہت زیادہ تساہل سے کام لیتے ہیں اور اس پر بعض معلم حضرات ان کی مدد کرتے ہیں جنھیں نبی ﷺ کی حج میں متابعت کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی اور وہ فقہاء سے ایسی چیز پاتے ہیں جو اس کو ان پر کم اہمیت بنا دیتے ہیں، جیسا کہ غزالی نے کہا: منیٰ میں رات گزارنا ایسے ہی ہے جیسے گھر میں رات گزارنا ہے اس کا حج سے کوئی تعلق نہیں۔" (منہ)

❷ عرفہ کے دن منیٰ سے طلوع آفتاب کے بعد کوچ کرنا مسنون ہے۔ (منہ)

❸ رہی حدیث: "نبی ﷺ عید الفطر، عید الاضحیٰ اور عرفات کے دن غسل کیا کرتے تھے۔" وہ انتہائی ضعیف ہے، جیسا کہ الزیلعی نے اسے "نصب الراية" (١/ ٨٥) میں اور ابن ہمام نے "الفتح" (١/ ٤٥) میں روایت کیا ہے، ابن تیمیہ پر اس کا حال مخفی رہا، انھوں نے اپنے "مجموع" (٢/ ٣٨٠) میں بیان کیا: "نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ سے حج کے متعلق صرف تین غسل مروی ہیں: غسل احرام، مکہ میں داخلے کے وقت غسل اور عرفہ کے دن غسل اور جو ان تینوں کے علاوہ ہے۔ جیسے رمی جمار کے لیے غسل، طواف کے لیے اور مزدلفہ میں رات گزارنے کے لیے غسل وغیرہ تو اس کی کوئی اصل نہیں بلکہ وہ بدعت ہے۔" (منہ)

اور اس کے آخر میں اضافہ کرنا: "وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ" سومرتبہ:❶
"حجة النبی ﷺ" (١٢٤/ ٧٩)، "المناسك" (٥٥/ ٨١).

٨٠: عرفات پر سکوت اور ترک دعا❷:
"حجة النبی ﷺ" (١٢٤/ ٨٠)، "المناسك" (٥٥/ ٨٢).

٨١: عرفات میں جبل رحمت پر چڑھنا:
"مجموعة ابن تيمية" (٢/ ٣٨٠)، "الإختيارات العلمية" لابن تيمية (٦٩)❸ "المدخل" (٤/ ٢٢٧)، "حجة النبی ﷺ" (١٢٤/ ٨١)، "المناسك" (٥٥/ ٨٣).

٨٢: جبل رحمت پر موجود قبے میں داخل ہونا، لوگ اسے قبلہ آدم کا نام دیتے ہیں اور اس میں نماز پڑھنا اور بیت اللہ کے طواف کی طرح اس کا طواف کرنا: "مجموعة ابن تيمية" (٢/ ٣٨٠)، "اقتضاء الصراط المستقيم" (١٤٩)، "المدخل" (٤/ ٢٣٧)، "حجة النبی" (١٢٥/ ٨٢)، "المناسك" (٥٥/ ٨٤).

٨٣: یہ اعتقاد کہ عرفہ کے دن پچھلے پہر اللہ تعالیٰ خاکی رنگ کے ایک اونٹ پر آتا ہے، وہ سواروں سے مصافحہ کرتا ہے اور پیدل چلنے والوں سے معانقہ کرتا ہے: "مجموعة ابن تيمة" (١/ ٢٧٩)❹، "حجة النبی ﷺ" (١٢٥/ ٨٣)، "المناسك" ٥٥/ ٨٥.

٨٤: عرفہ میں امام کا دو خطبے دینا اور ان دونوں کے درمیان بیٹھ کر انہیں علیحدہ کرنا جیسا کہ جمعہ میں ہے:❺
"حجة النبی ﷺ" (١٢٥/ ٨٤)، "المناسك" (٥٥/ ٨٦).

٨٥: خطبہ سے پہلے ظہر اور عصر کی نماز:❻

---

❶ اس بارے میں وارد حدیث کی اسناد صحیح نہیں، بیہقی نے اسے "الشعب" (٣/ رقم ٤٠٧٤) میں روایت کیا اور فرمایا: "یہ متن غریب ہے، اس کی اسناد میں کوئی ایسا نہیں جسے وضع کی طرف منسوب کیا گیا ہو، جیسا کہ اسے "اللآلی" (١٢٦١) میں نقل کیا اور ابن ہمام نے اسے "الفتح" (٢/ ١٦٧) میں لفظ "لیس" (نہیں) کے بغیر ذکر کیا۔ (منہ)

❷ "المدخل" (٤/ ٢٢٩)، دیکھیں۔ (منہ) ❸ اس میں بیان کیا: "جبل رحمت پر چڑھنا مشروع نہیں اس پر اجماع ہے۔ (منہ)

❹ انھوں نے ذکر کیا کہ ان میں سے بعض نے اس حدیث کو روایت کیا اور پھر کہا: "یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر سب سے بڑا جھوٹ ہے اور اس کا قائل اللہ پر سب سے بڑا جھوٹ بولنے والا ہے۔" (منہ)

❺ "ہدایہ" میں بیان کیا: رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کیا ہے۔ ابن الہمام نے "الفتح" (٢/ ١٦٣) میں اس کا تعاقب کیا ہے، انھوں نے کہا: "اس بارے میں مجھے کوئی حدیث یاد نہیں۔"

❻ اس بارے میں جو حدیث ہے وہ شاذ اور منکر ہے، کیونکہ وہ اس کے مخالف ہے جو فقرہ (٥٨-٦٢) (حجة النبی ﷺ (ص٧٠-٧٣) میں ہے، دیکھیں: "نصب الراية" (٣/ ٥٩-٦٠). (منہ)

"حجة النبی ﷺ"(١٢٥/ ٨٥)، "المناسك" (٥٥/ ٨٧).

٨٦: عرفہ میں خطیب کے اپنے خطبے سے فارغ ہونے سے پہلے ظہر وعصر کے لیے اذان: ❶

"حجة النبی ﷺ"، "المناسك" (٥٥/ ٨٨).

٨٧: امام کا عرفہ میں اپنی نماز سے فارغ ہوکر مکہ والوں کے لیے یوں کہنا: اپنی نماز پوری کرلو ہم تو مسافر لوگ ہیں: ❷

"حجة النبی ﷺ (١٢٦/ ٨٧)، "المناسك" (٥٥/ ٨٩).

٨٨: عرفہ میں ظہر وعصر کے درمیان نفل پڑھنا: ❸

"حجة النبی ﷺ"(١٢٦/ ٨٨)، "المناسك" (٥٥/ ٩٠).

٨٩: عرفہ کے لیے کسی خاص ذکر یا کسی خاص دعا کی تعیین، جیسا کہ خضر علیہ السلام کی دعا جسے اس نے "الاحیاء" میں نقل کیا ہے اور اس کے شروع میں ہے: "یامن لا یشغله شأن عن شأن، ولا سمع عن سمع......" اور اس کے علاوہ دعائیں، ان میں سے بعض تو چھ صفحات سے بھی زیادہ ہیں: ❹

"حجة النبی ﷺ"(١٢٦/ ٨٩)، "المناسك" (٥٦/ ٩١).

٩٠: بعض کا غروب آفتاب سے پہلے عرفہ سے روانہ ہوجانا:

"حجة النبی ﷺ"(١٢٧/ ٩٠)، "المناسك" (٥٦/ ٩٢).

٩١: عام لوگوں کی زبان پر جو مشہور ہے کہ جمعہ کے دن عرفہ کا وقوف بہتر (٧٢) حجوں کے برابر ہے!

---

❶ سنت یہ ہے کہ خطبہ کے بعد اذان شروع کی جائے، "حجة النبی ﷺ"(ص ٧٣) کا فقرہ (٦٠-٦١) دیکھیں۔ (منہ)

❷ یہ احناف کی کئی کتب میں آیا ہے کہ عرفہ میں امام کی ذمہ داریوں میں سے ہے کہ جب وہ مسافر ہو، ان میں سے "تحفة الفقهاء" (١/ ٢/ ٨٧٦) ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنے ''مجموعہ'' (٢/ ٣٧٨) میں بیان کیا: ''مکہ والے اور مکہ والوں کے علاوہ قصر نماز پڑھیں گے، اسی طرح وہ عرفہ، مزدلفہ اور منیٰ میں نماز جمع کریں گے، جیسا کہ مکہ والے نبی ﷺ کے پیچھے عرفہ، مزدلفہ اور منیٰ میں کیا کرتے تھے، اسی طرح وہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے کیا کرتے تھے، نبی ﷺ نے اہل مکہ میں سے کسی کو حکم دیا نہ آپ کے خلفاء نے کہ وہ نماز پوری پڑھیں اور نہ ہی انھوں نے انھیں عرفہ، مزدلفہ اور منیٰ میں کہا: اپنی نماز پوری پڑھ لو، ہم تو مسافر لوگ ہیں، جس نے اسے ان سے بیان کیا اس نے غلطی کی......'' (منہ)

❸ "شرح الهداية" میں اسے بیان کیا کہ وہ مکروہ ہے، یہ اس کا معنی ہے کہ وہ بدعت ہے۔ (منہ)

❹ شیخ الاسلام نے اپنے "مجموع" (٢/ ٣٨٠) میں بیان کیا: نبی ﷺ نے عرفہ کے لیے کسی دعا کا تعین کیا نہ کسی ذکر کا، بلکہ آدمی شرعی دعاؤں میں سے جو چاہے پڑھے، اسی طرح وہ اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ پڑھتا رہے اور اللہ کا ذکر کرتا رہے حتیٰ کہ سورج غروب ہوجائے۔''
میں کہتا ہوں: اس پر مزید یہ کہ اس کے لیے مسنون ہے کہ وہ تلبیہ بھی پکارتا رہے۔ دیکھیں: "التعليق" رقم: ٦٤)، "حجة النبی ﷺ" ص ٧٣. (منہ)

"زادالمعاد" (۱/ ۲۳)، ❶ "حجة النبی ﷺ"(۱۲۷/ ۹۱)، "المناسك" (۵٦/ ۹۳)

۹۲: وہ کام جو بعض لوگ عرفہ کے دن پچھلے پہر جامع مساجد میں یا شہر کے باہر کسی جگہ اجتماع کا قصد کرتے ہیں اور وہ عرفہ والوں سے مشابہت کرتے ہوئے بلند آواز سے دعائیں کرتے ہیں، ذکر کرتے ہیں اور خطبے واشعار پڑھتے ہیں: "سنن البیهقی" (۵/ ۱۱۸)، عن الحکم وحماد وابراهیم، "الإقتضاء" (۱٤۹)، "منیة المصلی" للحلبی (۵۷۳). "حجة النبی ﷺ"(۱۲۸/ ۹۲)، "المناسك" (۵٦/ ۹٤).

٦: مزدلفہ کی بدعات

۹۳: عرفہ سے مزدلفہ لوٹتے وقت تیز تیز چلنا:

"زاد المعاد" (۱/ ۳۳۷-۳۳۸)، "حجة النبی ﷺ"(۱۲۸/ ۹۳)، "المناسك" (۵٦/ ۹۵).

۹٤: مزدلفہ میں رات گزارنے کے لیے غسل کرنا:

"مجموعة شیخ الاسلام" (۲/ ۲۸۰)، "حجة النبی ﷺ"(۱۲۹/ ۹٤)، "المناسك"

---

❶ اس بدعت کی اصل ایک موضوع روایت ہے جس کی طرف ابن القیم نے "زاد المعاد" (۱/ ۲۳) میں ذکر کیا ہے، انھوں نے کہا: ''باطل ہے اس کی رسول اللہ ﷺ سے کوئی اصل نہیں'' اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے جسے علامہ لکھنوی نے ملا علی القاری سے "الأجوبة الفاضلة" (ص ۳۷ـ طبع حلب) میں نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا: ''رہا وہ جسے بعض محدثین نے اس حدیث کی اسناد میں ذکر کیا کہ وہ ضعیف ہے، تو اس کی صحت کی تقدیر پر مقصود مضر نہیں، کیونکہ ضعیف روایت فضائل اعمال میں تمام علماء کے نزدیک معتبر ہے۔''

ہم نہیں جانتے کہ کسی نے صرف اس کی تضعیف کی صراحت کی ہو، حالانکہ محقق ابن القیم کا اس کے بطلان پر حکم ہے اور یہ فی الواقع اس نحوست پر بہت سی مثالوں میں سے ہے جو فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا بعض لوگوں کا موقف ہے حالانکہ اس مذہب وموقف کی تفسیر میں ان کا بہت سا اختلاف ہے، جیسا کہ آپ اسے تفصیل کے ساتھ "الأجوبة الفاضلة "میں پائیں گے، بسا اوقات حدیث اس کے مانند باطل ہوتی ہے اور بعض اسے کہہ دیتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے تو دوسرا آتا ہے، تو وہ کہتا ہے: فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے گا اور وہ اس کے شدید ضعف سے محفوظ ہونے کے حوالے سے کوئی تحقیق نہیں کرتے، جو اس پر عمل کرنے کے لیے اس کی شرائط میں سے ہے! جبکہ ضعف مطلق ضعف شدید کے منافی نہیں، بلکہ نہ وضع کے، کیونکہ وہ دونوں ضعیف کی اقسام میں سے ہیں، جیسا کہ وہ مصطلح میں طے شدہ ہے۔

پھر کاش مجھے معلوم ہوتا اس حدیث کا ضعیف حدیث پر عمل سے کیا تعلق ہے، اس کا محل اس ضمن میں ہے جس میں انسان کو ترک وفعل کا اختیار ہوتا ہے، جمعہ کے دن عرفہ کا وقوف آجانا اس طرح نہیں ہے! یہ اور حدیث باطل، جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، کی نص کو آپ میری کتاب "سلسلة الأحادیث الضعیفة والموضوعة" رقم (۲۰۷) میں پائیں گے اور اس کے ساتھ ان علماء کا ذکر پائیں گے جنھوں نے ابن القیم رحمہ اللہ کے اس حدیث کو باطل قرار دینے پر ان سے موافقت کی ہے۔

تنبیہ: شیخ علی القاری کا یہ قول: ''ضعیف حدیث فضائل اعمال میں تمام علماء کے نزدیک معتبر ہے۔'' صحیح نہیں، اس بارے میں اختلاف معروف ہے، آپ اسے "الأجوبة الفاضلة "میں پائیں گے، اگرچہ اس مسئلہ میں وہ قول لکھا ہوا نہیں۔ (منہ)

(٩٦/٥٦).

٩٥: حرم کے وقار کی خاطر سوار شخص کا مزدلفہ میں داخل ہوتے وقت سواری سے اترنا مستحب ہے: ❶
"حجة النبی ﷺ"(١٢٩/ ٩٥)، "المناسك" (٥٦/ ٩٧).

٩٦: مزدلفہ پہنچ کر ان الفاظ سے دعا کرنے کا التزام کرنا جو کہ "الإحیاء" میں ہیں: "اللهم إن هذه مزدلفة، جمعت فيها السنة مختلفة، نسألك حوائج مؤتنفة......" (اے اللہ! یہ مزدلفہ ہے، تو نے یہاں مختلف زبانوں کو جمع کر دیا، ہم تجھ سے پیش آمدہ ضرورتوں کا سوال کرتے ہیں۔)
"حجة النبی ﷺ"(١٢٩/ ٩٦)، "المناسك" (٥٦/ ٩٨).

٩٧: مزدلفہ پہنچنے پر نماز مغرب میں جلدی کرنے کے بجائے وہاں سے کنکریاں چننے میں مشغول ہو جانا:
"حجة النبی ﷺ"(١٢٩/ ٩٧)، "المناسك" (٥٦/ ٩٩).

٩٨: دو نمازوں (مغرب و عشاء) کے درمیان مغرب کی سنتیں پڑھنا یا دونوں نمازوں کے فرض اور وتر پڑھنے کے بعد انھیں عشاء کی سنتوں کے ساتھ ملا کر پڑھنا، جیسا کہ غزالی کا قول ہے:
"حجة النبی ﷺ"(١٢٩/ ٩٨)، "المناسك" (٥٧/ ١٠٠).

٩٩: قربانی کی رات اور مشعر حرام میں خوب آگ جلانا:
"الباعث على إنكار البدع والحوادث" (٢٥، ٦٩). "حجة النبی ﷺ" (١٢٩/ ٩٩)، "المناسك" (٥٧/ ١٠١)، "الثمر المستطاب" (١/ ٦٠٠)

١٠٠: قربانی کی رات جاگنا: ❷
"حجة النبی ﷺ"(١٣٠/ ١٠٠)، "المناسك" (٥٧/ ١٠٢).

١٠١: مزدلفہ میں رات گزارے بغیر وقوف کرنا:

---

❶ غزالی نے اسے "إحیاء" میں مستحب قرار دیا ہے، اگر ایسے ہی ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اسے بجالاتے، "حجة النبی ﷺ" (ص٧٥۔٧٦) کی اصل میں گزر چکا کہ آپ سواری پر مزدلفہ آئے، آپ نے جس وقت فجر پڑھی تو اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے حتیٰ کہ مشعر حرام آئے۔ (منہ)

❷ اس رات جاگنا غزالی نے مستحسن قرار دیا ہے، اور انہوں نے کہا: یہ قربانی کے محاسن میں سے ہے۔ [رسالہ "حجة النبی ﷺ" (ص٧٦)] کے فقرے (٧٢) سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ (قربانی کی رات) سوتے رہے حتیٰ کہ فجر ہوگئی اور سب سے بہتر طریقہ محمد کا طریقہ ہے۔ اس بارے میں ابن القیم رحمہ اللہ کا کلام گزر چکا ہے۔ (منہ)
[ابن القیم کا کلام (ص٦٧)، فائدہ کے لیے ہم اسے نقل کرتے ہیں، انھوں نے کہا: آپ اس رات نہیں جاگے اور عیدین کی راتوں کو جاگنے کے بارے میں آپ سے صحیح ثابت نہیں۔]

"الروضة الندية" (١/ ٢٦٧)، "حجة النبی ﷺ" (١٣٠/ ١٠١)، "المناسك" (٥٧/ ١٠٣).

١٠٢: مشعر حرام پہنچ کر اس دعا کی پابندی کرنا: "اے اللہ! مشعر حرام، بیت حرام، ماہ حرام اور رکن و مقام کے صدقے ہماری طرف سے روحِ محمد کو تحیہ و سلام پہنچا، اے شان و شوکت اور عزت و احترام والے ہمیں دارالسلام (جنت) میں داخل فرما:" ❶

"حجة النبی ﷺ" (١٣٠/ ١٠٢)، "المناسك" (٥٧/ ١٠٤).

١٠٣: لباجوری (١/ ٣٢٥) کا یوں کہنا: "قربانی کے دن جو کنکریاں مارنی ہیں وہ سات ہیں، ان کا مزدلفہ سے چننا مسنون ہے اور باقی جمرات کے لیے وہ وادی محسر سے لی جائیں گی:" ❷

"حجة النبی ﷺ" (١٣٠/ ١٠٣)، "المناسك" (٥٧/ ١٠٥).

٧: رمی کی بدعات

١٠٤: جمرات کی رمی کے لیے غسل:

"مجموعة ابن تيمية" ٢٠/ ٣٨٠)، "حجة النبی ﷺ" (١٣١/ ١٠٤)، "المناسك" (٥٧/ ١٠٦).

١٠٥: رمی سے پہلے کنکریوں کو دھونا: ❸

"حجة النبی ﷺ" (١٣١/ ١٠٥)، "المناسك" (٥٧/ ١٠٧).

١٠٦: اللہ اکبر کی جگہ سبحان اللہ یا اس کے علاوہ کوئی اور ذکر:

"حجة النبی ﷺ" (١٣١/ ١٠٦)، "المناسك" (٥٧/ ١٠٨).

---

❶ اس دعا کے بدعت ہونے کے ساتھ ساتھ، اس میں وہ چیز بھی مذکور ہے جو سنت کے خلاف ہے، وہ مشعر حرام، بیت حرام، ماہ حرام اور رکن و مقام کے صدقے اللہ کا وسیلہ و قرب اختیار کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات کے ذریعے اللہ کا وسیلہ اختیار کیا جاتا ہے، جیسا کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتب میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے، حنفیہ نے اپنی کتب میں اس قول: "اے اللہ! میں مشعر حرام کے صدقے تجھ سے سوال کرتا ہوں....." کی کراہت کی صراحت کی ہے۔ (منه)

دیکھیں: "رد المحتار على الدر المختار" (اور "المناسك" میں اضافہ نقل کیا: ہماری کتاب دیکھیں: "التوسل: أنواعه وأحكامه."

❷ سنت میں اس کی کوئی اصل نہیں، ہوسکتا ہے مشائخ کی سنت ہو، غزالی نے التفصیل میں اس کی مخالفت کی ہے جسے انھوں نے ذکر کیا، انھوں نے کہا: وہ ساری کنکریاں مزدلفہ ہی سے لے گا، یہ سب خلاف سنت ہے، جیسا کہ ["حجة النبی ﷺ" (ص ٧٩۔٨١)، میں] فقرہ (٨٣) میں گزر چکا ہے۔ (منه)

❸ البجیرمی: (٢/ ٤٠٠) نے بیان کیا: "رمی کے پتھر/ کنکر کو دھونا شرط نہیں۔" (منه)

۱۰۷: اللہ اکبر پر مزید یہ کہنا، ''شیطان اینڈ کمپنی کے نہ چاہتے ہوئے بھی، اے اللہ! میرے حج کو مبرور، میری سعی کو مشکور اور میرے گناہ کو مغفور بنا دے، اے اللہ! تیری کتاب پر ایمان لاتے ہوئے اور تیرے نبی کی سنت کی اتباع کرتے ہوئے:

"حجة النبی ﷺ"(۱۳۱/ ۱۰۷)، "المناسك" (۵۷/ ۱۰۹).

۱۰۸: باجوری کا ''حاشیہ'' (۱/۳۲۵) میں یہ قول: ❶

رمی کے وقت ہر کنکری پھینکتے وقت یوں کہنا: بسم الله، الله اکبر، صدق الله وعده .....ولو کره الکافرون" کو مسنون قرار دینا: "حجة النبی ﷺ"(۱۳۱/ ۱۰۸)، "المناسك" (۵۷/ ۱۱۰).

۱۰۹: رمی کے لیے معین کیفیتوں کی پابندی، جیسا کہ کسی نے کہا: اپنے دائیں انگوٹھے کا کنارہ انگشت شہادت کے وسط میں رکھے گا، کنکری کو انگوٹھے کی پشت پر رکھے گا گویا کہ وہ ستر کی گرہ لگانے والا ہے اور پھر اسے پھینکے گا، کسی دوسرے نے کہا: اپنی انگشت شہادت کا حلقہ بنائے گا اور اس کو اپنے انگوٹھے کے جوڑ پر رکھے گا، گویا کہ وہ دس کی گرہ لگا رہا ہے: ❷

"حجة النبی ﷺ"(۱۳۲/ ۱۰۹)، "المناسك" (۵۸/ ۱۱۱).

۱۱۰: رمی کرنے والے کے موقف (کھڑا ہونے کی جگہ) کی تعیین: یہ کہ اس کے اور جس کی رمی کرنی ہے اس کے درمیان پانچ ہاتھ اور اس سے زائد فاصلہ ہو:

"حجة النبی ﷺ" (۱۳۲/ ۱۱۰)، "المناسك" (۵۸/ ۱۱۲).

۱۱۱: جمرات کی جوتوں کے ساتھ رمی (چھترول) کرنا!

"حجة النبی ﷺ"(۱۳۲/ ۱۱۱)، "المناسك" (۵۸/ ۱۱۳).

۸: ذبح اور سر منڈانے کی بدعات

۱۱۲: قربانی کے واجب ذبح سے روگردانی اور اس کی قیمت صدقہ کرنے کی رغبت اور یہ گمان رکھنا کہ اس کا گوشت چونکہ زیادہ ہوتا ہے اور وہ ضائع چلا جاتا ہے اور اس سے کم لوگ استفادہ کرتے ہیں: ❸

---

❶ "المناسك" میں بعض متاخرین کا قول بیان ہوا ہے۔

❷ ابن ہمام نے بیان کیا: ہجوم اور گرمی کی تپش میں اس طرح رمی کرنا مشکل ہے، پھر انھوں نے ذکر کیا کہ اس کیفیت کی ترجیح پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی، جبکہ اصل وہی ہے جو آسان تر ہو۔ (منہ)

❸ میں کہتا ہوں: یہ سب سے زیادہ خبیث بدعت ہے، اس لیے کہ اس میں محض رائے کے ساتھ اس شرع کو معطل کر دینا ہے جس پر کتاب و سنت میں دلائل موجود ہیں۔ حالانکہ اس نے مکمل عدم استفادہ کے متعلق مسئول ذبح کرنے والے خود ہیں۔ کیونکہ وہ ذبح میں الشارع الحکیم کے ارشادات کی پابندی نہیں کرتے، جیسا کہ التعلیق (رقم ۹۲) میں اس کا بیان گزرا ہے، [دیکھیں: "حجة النبی ﷺ" (ص ۸۷)] (منہ)

"حجة النبي ﷺ" (۱۳۲/ ۱۱۲)، "المناسك" (۵۸/ ۱۱٤).

۱۱۳: کسی کا ہدی تمتع کو قربانی کے دن سے پہلے مکہ میں ذبح کرنا:

"حجة النبي ﷺ" (۱۳۲/ ۱۱۳)، "المناسك" (۵۸/ ۱۱۵).

۱۱۴: سر کو پہلے بائیں طرف سے مونڈنا: ❶

"حجة النبي ﷺ" (۱۳۳/ ۱۱٤)، "المناسك" (۵۸/ ۱۱٦).

۱۱۵: چوتھائی سر کو مونڈنے پر اکتفا کرنا: ❷

"حجة النبي ﷺ" (۱۳۳/ ۱۱۵)، "المناسك" (۵۹/ ۱۱۷).

۱۱۶: غزالی کا "الإحياء" میں یہ قول: ''سنت یہ ہے کہ سر منڈوانے کے وقت قبلہ کی طرف رخ ہو:''

"حجة النبي ﷺ" (۱۳۳/ ۱۱٦)، "المناسك" (۵۹/ ۱۱۸).

۱۱۷: سر منڈواتے وقت یہ دعا کرنا: اللہ کا اس پر شکر ہے کہ اس نے ہمیں ہدایت سے نوازا، ہم پر انعامات کیے، اے اللہ! میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے تو مجھ سے قبول فرما، میرے گناہ معاف کر دے، اے اللہ! میرے ہر بال کے بدلے میرے لیے نیکی لکھ دے، اس کے ذریعے میری ایک برائی ختم کر دے، اس کے ذریعے میرا ایک درجہ بلند کر دے۔ اے اللہ! مجھے، سر منڈانے اور بال کترانے والوں کو بخش دے، اے وسیع مغفرت والے۔ آمین!'' ❸

"حجة النبي ﷺ" (۱۳۳/ ۱۱۷)، "المناسك" (۵۹/ ۱۱۹).

---

❶ سنت دائیں طرف سے شروع کرنا ہے، جیسا کہ ["حجة النبي ﷺ" (ص ۸۵) میں] تعلیق رقم (۹۰) میں اس کا بیان گزرا ہے۔ (منه)

❷ سارے سر کو مونڈنا واجب ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ﴾ (الفتح: ۲۷) ''تم اپنے سر منڈاؤ گے اور بال کتراؤ گے۔'' اور آپ ﷺ کا فرمان: "رَحِمَ اللّٰهُ الْمُحَلِّقِيْنَ" ''اللہ سر منڈانے والوں پر رحم فرمائے......'' کیونکہ اس چوتھائی سر مونڈنے پر اکتفا کرنا آپ ﷺ کی ''قزع'' (سر کے کچھ بال مونڈنے اور کچھ چھوڑ دینے) کی ممانعت کی صریح مخالفت ہے اور آپ ﷺ کے اس فرمان کی بھی مخالفت ہے: ''سارے کو مونڈو یا سارے کو چھوڑ دو (نہ مونڈو)۔'' اسی لیے ابن الہمام نے بیان کیا: ''سر مونڈنے کے بارے میں دلیل کا تقاضا پورا سر مونڈنے کو واجب قرار دیتا ہے، مالک کا بھی وہی قول ہے۔ میں اسے ہی اللہ کا دین قرار دیتا ہوں۔ (منه)

❸ انھوں نے اسے ''فتح القدیر'' میں مستحب قرار دیا اور اس پر کوئی دلیل ذکر نہیں، نیز یہ کہ میری معلومات کی حد تک سنت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ مجھے تو اندیشہ ہے کہ اس کا دعا میں یوں کہنا: ''اے اللہ! ہر بال کے بدلے میں میرے لیے ایک نیکی لکھ دے......'' دعا میں حد سے بڑھنا ہے جس سے منع کیا گیا ہے اور یہ پہلا شخص ہوگا جو اس حدیث: ''قربانی کرنے والے کو قربانی کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی ملے گی'' سے اقتباس کرے گا، جبکہ وہ حدیث لفظ: "الأضحية" (قربانی) کے ساتھ موضوع ہے، جیسا کہ میں نے اسے "الأحاديث الضعيفة" میں بیان کیا ہے اور اس کا نمبر ایک ہزار کے بعد ہے۔ (منه)

۱۱۸: جمرات کے پاس والی مساجد کا طواف:

"مجموعة الرسائل الكبرى" (٢/ ٣٨٠-٣٨١)، "حجة النبى ﷺ" (١٣٤/ ١١٨)، "المناسك" (٥٩/ ١٢٠).

۱۱۹: قربانی کے دن منیٰ میں نماز عید کا استحباب:

"القواعد النورانية" (ص١٠١). ❶ "حجة النبى ﷺ" (١٣٤/ ١١٩)، "المناسك" (٥٩/ ١٢١).

۱۲۰: حج تمتع کرنے والے کا طواف افاضہ کے بعد سعی نہ کرنا: ❷

"حجة النبى ﷺ" (١٣٤/ ١٣٠)، "المناسك" (٥٩/ ١٢٢).

۹: وداع کی مختلف انواع کی بدعات

۱۲۱: کعبہ کے غلاف کی تقریب:

"تفسير المنار" (١/ ٤٦٨)، "حجة النبى ﷺ"، (١٣٤/ ١٢١)، "المناسك" (٥٩/ ١٢٣).

۱۲۲: مقام ابراہیم علیہ السلام کو غلاف پہنانا: ❸

"حجة النبى ﷺ" (١٣٤/ ١٢٢)، "المناسك" (٥٩/ ١٢٤).

۱۲۳: قضائے حاجات کے لیے مقام ابراہیم علیہ السلام اور منبر سے کپڑوں کے چیتھڑے باندھنا ❹**:**

۱۲۴: حجاج کا کعبہ کی دیواروں کے ستونوں پر اپنے نام لکھنا اور ان کا بعض کو اس کی وصیت وحکم کرنا:

"السنن والمبتدعات" (١١٣)، "حجة النبى ﷺ" (١٣٥/ ١٢٤)، "المناسك" (٥٩/ ١٢٦).

---

❶ انھوں نے کہا: "یہ سنت سے غفلت ہے، کیونکہ نبی ﷺ اور آپ کے خلفاء نے منیٰ میں کبھی کوئی عید نہیں پڑھی اور انھوں نے "مجموعة" (٢/ ٣٨٥) میں فرمایا: "منیٰ میں نماز عید نہیں، بلکہ جمرہ عقبہ کی رمی ان باہر سے آنے والوں کے لیے نماز عید کے مانند ہے۔" (منه)

❷ کیونکہ اس سعی کے متعلق حکم ثابت ہے جیسا کہ [ان کے رسالے "حجة النبى ﷺ" (ص٨٨-٩٠) کی] تعلیق رقم (٩٤) میں اس کا بیان گزرا ہے۔ (منه)

❸ باجوری نے "حاشیہ" (١/ ٣١١) میں بیان کیا...... مقامِ ابراہیم اور اس جیسی دیگر چیزوں پر غلاف چڑھانا حرام ہے۔ (منه)

❹ یہ جو صورت ہے آخری دور میں اس طرح بہت زیادہ اہتمام سے ہو رہی ہے جو پہلے نہ تھی، جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ موحد حکومت نے ان امور کو ختم کرنے میں سستی شروع کر دی ہے جو توحید کے منافی ہیں جو کہ اس کا راس المال ہے، اسی طرح مشائخ اور نیکی کا حکم دینے والی جماعت اور کمیٹی بھی سستی کا شکار ہے مگر جسے اللہ اس سستی سے بچائے۔ (منه)

۱۲۵: ان کا مسجد حرام میں نمازی کے آگے سے گزرنے کو مباح سمجھنا اور اس نمازی کی مخالفت کرنا جو انہیں روکنے کی کوشش کرتا ہے: [1] "حجة النبي ﷺ" (۱۳۵/ ۱۲۵)، "المناسك" (۵۹/ ۱۲۷).

۱۲۶: حج کرنے والے کو حاجی کہہ کر پکارنا:
"تلبيس إبليس" لابن الجوزي (ص ۱۵٤)، "نور البيان في بدع آخر الزمان" (ص ۸۲)، "حجة النبي ﷺ" (۳۵/ ۱۲٦)، "المناسك" (۵۹/ ۱۲۸).

۱۲۷: نفلی عمرہ کرنے کے لیے مکہ سے باہر جانا: "الإختيارات العلمية" (۷۰)، "حجة النبي ﷺ" (۱۳۵/ ۱۲۷)، "المناسك" (۵۹/ ۱۲۹).

حائضہ عورت کے علاوہ جو کہ حج کا عمرہ نہ کر سکی تھی کسی اور کے لیے تنعیم (مسجد عائشه) سے دوسرا عمرہ کرنے کے بدعت ہونے کے مسئلے کی تفصیل: ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحيحه" (٦/ ۲۵۷-۲۵۸) میں بیان کیا:

ہم نے جو ان روایات [2] کو ذکر کیا...... اور وہ سب روایات صحیح ہیں...... واضح ہوا کہ نبی ﷺ نے آپ (عائشہ رضی اللہ عنہا) کو جو حج کے بعد عمرہ کرنے کا حکم فرمایا تھا وہ اس عمرہ کے بدلے میں تھا جو وہ ایام ماہواری کے باعث نہ کر سکی تھیں، اسی لیے علماء نے آپ ﷺ کے اس فرمان: "هذه مكان عمرتك" "یہ تمہارے عمرے کی جگہ ہے" کی تفسیر میں بیان کیا: یعنی: وہ منفرد عمرہ جو آپ (عائشہ رضی اللہ عنہا) کے علاوہ عورتوں کو، جو کہ مکے میں تھیں، وہ عمرہ کر کے احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو گئی تھیں، پھر انھوں نے الگ سے حج کیا۔

جب آپ نے یہ جان لیا، تو آپ پر بالکل واضح ہو گیا کہ یہ عمرہ حائضہ کے ساتھ خاص ہے جس کے لیے حج کا عمرہ مکمل کرنا ممکن نہ تھا، ایام ماہواری سے پاک عورتوں کے لیے وہ مشروع نہیں چہ جائیکہ مرد حضرات ہوں، اس سے اس کے متعلق سلف کے اعتراض اور ان میں سے بعض کا اس کو مکروہ قرار دینے کی تصریح کے متعلق جو راز ہے وہ ظاہر ہوتا ہے، بلکہ عائشہ سے بذات خود ان کے حوالے سے اس پر عمل صحیح ثابت نہیں، جب وہ حج کرتی تھیں تو وہ

---

[1] یہ کام اگرچہ بعض اہل علم نے اس کے استحباب کے بارے میں کہا ہے، کوئی شک نہیں کہ وہ سنت کے مخالف ہے، کیوں کہ نمازی کے آگے سے گزرنے کی ممانعت کے بارے میں وارد احادیث اور نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو روکنے کا حکم عام ہے وہ ہر نماز کو شامل ہے اور وہ جس مسجد میں بھی ہو اس کو شامل ہے اور انھوں نے جس سے مکہ کے لیے خصوصیت کا استدلال کیا ہے وہ قابل استدلال نہیں اور وہ مطلب بن ابو وداعہ کی روایت ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جبکہ آپ کے اور کعبہ کے درمیان کوئی سترہ نہ تھا اور لوگ آپ کے سامنے سے گزر رہے تھے۔" یہ روایت سنداً ضعیف ہے جیسا کہ میں نے اسے "السلسلة" رقم (۹۳۲) میں بیان کیا ہے، مزید یہ کہ وہ آپ اور آپ کے سجدہ کرنے کی جگہوں کے درمیان گزرنے کے بارے میں صریح نہیں۔ (منہ)

[2] دیکھیں: الصحيحة حديث (۲٦۲٦).

اس وقت تو ٹھہرتیں کہ احرام والا تلبیہ پکارتا، پھر وہ جحفہ چلی جاتیں اور وہاں سے عمرہ کے لیے احرام باندھتی تھیں، جیسا کہ "مجموع الفتاویٰ" لابن تیمیة (۱۶/ ۹۲) میں ہے۔

......اسی لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے "الاختیارات العلمیة" (ص۱۱۹) میں بیان کیا:

"نفلی عمرہ کے لیے مکہ سے باہر جانا مکروہ ہے، یہ ایک بدعت ہے جسے نبی ﷺ نے کیا نہ آپ کے اصحاب نے آپ کے عہد میں کیا، رمضان میں نہ غیر رمضان میں اور نہ ہی عائشہ کو اس کا حکم دیا، بلکہ ان کے دل کو خوش کرنے کے لیے مراجعت کے بعد انھیں اجازت دی اور اس کا بیت اللہ کا طواف کرنا وہاں سے خروج سے افضل ہے اور اس پر اتفاق ہے اور جس نے اسے مکروہ نہیں جانا وہ جواز کے طور پر وہاں سے جائے گا۔"

"مجموع الفتاوی" (۲۶/ ۲۵۲۔۲۶۳) میں ان کے جو مذکورہ جواب ہیں، ان کا یہ خلاصہ ہے، پھر انھوں نے (۲۶/۲۶۴) فرمایا:

"اسی لیے سلف اور ائمہ اس سے منع کیا کرتے تھے، سعید بن منصور نے طاؤس سے ...... جو ابن عباس کے اجل اصحاب میں سے ہیں...... اپنی "سنن" میں روایت کیا، انھوں نے کہا:

"جو لوگ تنعیم سے عمرہ کرتے ہیں میں نہیں جانتا کہ انھیں اس پر اجر ملے گا یا انھیں عذاب دیا جائے گا؟ ان سے پوچھا گیا: انھیں عذاب کیوں دیا جائے گا؟ انھوں نے کہا: اس لیے کہ ایسا کرنے والا بیت اللہ کا طواف چھوڑ کر چار میل سفر کرتا ہے اور پھر آتا ہے، اس کا چار میل جانا آنا اس عرصے میں وہ دو سو طواف کر سکتا ہے اور وہ جس قدر بیت اللہ کے طواف کرے گا وہ اس کے علاوہ کسی اور چیز/ جگہ کی طرف جانے سے بہتر ہے۔"

امام احمد نے اسے تسلیم کیا ہے اور عطاء بن سائب نے کہا: "ہم نے حج کے بعد عمرہ کیا تو سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے ہم پر اعتراض کیا۔" دیگر نے اس کی اجازت دی ہے، لیکن انھوں نے کیا نہیں......"

پھر ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (۶/ ۲۶۱) میں بیان کیا: ہم نے جو صحیح روایات نقل کیں اور ان میں اس کے متعلق آپ ﷺ کے حکم کے سبب کے بیان پر جو غور کرے گا، اسے یقینی طور پر واضح ہو جائے گا کہ اس میں تمام حاجیوں کے لیے عام شرعی حکم نہیں، اگر ایسے ہوتا جیسے حافظ کو وہم گزرا تو صحابہ اپنے حج کے دوران اور اس کے بعد اس عمرے کی ادائیگی میں جلدی کرتے، ان کا اس کے متعلق عدم تعبد اور سلف میں سے جس نے اس کی کراہت کی تصریح کی ہے اس کے ہوتے ہوئے (جیسا کہ بیان ہو چکا) اس کے عدم مشروع ہونے پر سب سے بڑی دلیل ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا جس عذر کے پیش نظر اپنا عمرہ مکمل نہ کر سکیں شائد ہی کسی اور کو یہ عذر پیش آیا ہو، واللہ تعالی ولی التوفیق۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحيحة" (٤/ ٦٣٨) میں بیان کیا:

حج کے بعد عمرہ تو اس حائضہ کے لیے ہے جو حج سے پہلے حج کا عمرہ نہ کر سکی ہو، کیونکہ اس کے ایام ماہواری شروع ہو گئے تھے، جیسا کہ اس قصہ عائشہ سے پتہ چلتا ہے۔ ❶

اس (واقعہ) کی مثل وہ خواتین ہیں جنھوں نے عمرہ حج کے لیے احرام باندھا جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا، پھر ایام ماہواری کی وجہ سے وہ اسے پورا نہ کر سکیں، تو یہ عمرہ ایسی خواتین کے لیے حج کے بعد مشروع ہے، پس یہ جو جمہور حجاج حج کے بعد عمرہ پر ٹوٹ پڑتے ہیں، یہ اس ضمن سے ہے جسے ہم مشروع نہیں سمجھتے، کیونکہ جن صحابہ نے آپ ﷺ کے ساتھ حج کیا تھا ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ عمرہ نہیں کیا، بلکہ میں تو اسے مردوں کی عورتوں کے ساتھ مشابہت تصور کرتا ہوں، بلکہ ان میں سے بھی حیض والیوں کے ساتھ، اسی لیے میں نے حقیقت بیان کرنے کے لیے اس عمرہ کا نام ہی ''عمرۂ حائض'' رکھا ہے۔

۱۲۸: طواف وداع کے بعد مسجد حرام سے الٹے پاؤں نکلنا: ❷

"مجموعة الرسائل الكبرى" (٨/ ٢٨٨)، "الإختيارات العلمية" (ص ٧٠)، اور "المدخل" (٤/ ٢٣٨)، "حجة النبى ﷺ" (١٣٦/ ١٢٨)، "المناسك" (٥٩/ ١٣٠).

۱۲۹: حاجیوں کے گھر کو سفیدی کرنا، اس پر مورتیاں وغیرہ بنانا اور اس پر حاجی کا نام اور حج کی تاریخ لکھنا:

"السنن والمبتدعات" (ص ١١٣)، "حجة النبى ﷺ" (١٣٦/ ١٢٩)، "المناسك" (٥٩/ ١٣١).

۱۰: مدینہ منورہ میں زیارت کی بدعات

۱۳۰: آپ ﷺ کی قبر کا قصد کرتے ہوئے سفر کرنا: ❸

---

❶ اسے "الصحيحة" حديث رقم (١٩٨٤) میں دیکھیں۔

❷ غزالی نے "الإحياء" (١/ ٢٣٢) میں بیان کیا: ''زیادہ پسندیدہ بات یہی ہے کہ وہ اپنی نظر بیت اللہ سے نہ ہٹائے حتیٰ کہ وہ اس کو نظر آنا ختم ہو جائے۔'' اسی مانند شیخ الاسلام نے "الإختيارات" (ص ٧٠) میں ابن عقیل اور ابن الزاغونی سے نقل کیا، پھر کہا: ''یہ بدعت ہے۔'' (منہ)

❸ سنت تو یہ ہے کہ مسجد نبوی کے قصد سے سفر کیا جائے، جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: "لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد ......" ''صرف تین مساجد کے لیے رخت سفر باندھا جائے......'' الحدیث، پس جب وہاں پہنچ جائے اور تحیۃ المسجد پڑھ لے، تو آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کرے۔ (منہ)

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "المناسك" میں یہ اضافہ نقل کیا: ''یہ جاننا واجب ہے کہ آپ ﷺ کی قبر اور کسی اور کی زیارت کے لیے رخت سفر باندھنا ایک چیز ہے، جبکہ رخت سفر باندھنے کے بغیر زیارت ایک اور چیز ہے، جو کہ اس کے خلاف ہے جو کہ متاخرین کے ہاں مشہور و عام ہے، ان دونوں کو خلط ملط کرنے میں بعض ڈاکٹر (پی ایچ ڈی) حضرات بھی شامل ہیں اور انھوں نے خصوصی طور پر شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی طرف نسبت کی ہے اور سلفیوں کی طرف عمومی طور پر کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کی مشروعیت کا انکار کرتے ہیں، یہ واضح بہتان ہے۔'' میں کہتا ہوں: یہ مسئلہ وضاحت، اصلیت اور دلائل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔ اللہ کا شکر ہے جس کی نعمت کے ذریعے نیک اعمال تکمیل کو پہنچتے ہیں۔

"حجة النبی ﷺ" (۱۳۷/ ۱۳۰)، "المناسك" (۶۰/ ۱۳۲).

۱۳۱: حاجیوں اور زائرین کے ہاتھ نبی ﷺ کی خدمت میں چٹھیاں ارسال کرنا:

"حجة النبی ﷺ" (۱۳۷/ ۱۳۱)، "المناسك" (۶۰/ ۱۳۳).

۱۳۲: مدینہ منورہ میں داخلے سے پہلے غسل کرنا:

"حجة النبی ﷺ" (۱۳۷/ ۱۳۲)، "المناسك" (۶۰/ ۱۳۴).

۱۳۳: جب مدینے کی دیواروں پر نظر پڑے تو یوں کہنا: ''اے اللہ! یہ تیرے رسول (ﷺ) کا حرم ہے، اسے میرے لیے جہنم کی آگ سے بچاؤ، عذاب اور سوء حساب سے امان کا ذریعہ بنا دے:''

"حجة النبی ﷺ" (۱۳۷/ ۱۳۳)، "المناسك" (۶۰/ ۱۳۵).

۱۳۴: مدینہ میں داخلے کے وقت یہ دعا پڑھنا:

"بسم الله وعلى ملة رسول الله، رب ادخلنی مدخل صدق، واخرجنی مخرج صدق، واجعل لی من لدنك سلطانا نصيرا:" "حجة النبی ﷺ" (۱۳۷/ ۱۳۴)، "المناسك" (۶۰/ ۱۳۶).

۱۳۵: قبر نبوی کو آپ کی مسجد میں باقی رکھنا:[1]

"حجة النبی ﷺ" (۱۳۷/ ۱۳۵)، "المناسك" (۶۰/ ۱۳۷).

۱۳۶: آپ کی مسجد میں نماز پڑھنے سے پہلے آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کرنا:[2]

"حجة النبی ﷺ" (۱۳۷/ ۱۳۶)، "المناسك" (۶۰/ ۱۳۸).

۱۳۷: ان میں سے کسی کا دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر انتہائی خشوع کے ساتھ قبر کے سامنے کھڑا ہونا جیسا کہ نماز میں کیا جاتا ہے:

"حجة النبی ﷺ" (۱۳۷/ ۱۳۷)، "المناسك" (۶۰/ ۱۳۹).

۱۳۸: دعا کرتے وقت قبر کی طرف رخ کرنے کا قصد کرنا:

"الاختيارات العلمية" (۵۰)، "حجة النبی ﷺ" (۱۳۸/ ۱۳۸). "المناسك" (۶۰/ ۱۴۰).

---

[1] دیوار کے ذریعے اس (قبر شریف) کو مسجد سے الگ رکھنا واجب ہے جیسا کہ خلفائے راشدین کے زمانے میں تھا، میں نے کئی سال پہلے اسے "تحذير الساجد من اتخاذ القبور مساجد" میں بیان کیا۔ (منہ)

میں کہتا ہوں: اس مسئلے پر ہمارے شیخ رحمہ اللہ کا کلام اس کی حقیقت، دلیل اور تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے۔ والحمد لله وحده.

[2] "مجموعة الرسائل الكبرى" لشيخ الاسلام (۲/ ۳۹۰). (منه)

۱۳۹: اجابت کی امید کرتے ہوئے آپ ﷺ کی قبر کا قصد کرنا اور اس کے پاس دعا کرنا:

"الإختيارات العلمية" (٥٠)، "حجة النبي ﷺ" (١٣٨/ ١٣٩)، "المناسك" (٦٠/ ١٤١).

۱۴۰: دعا میں آپ کو وسیلہ بنانا:

"حجة النبي" (١٣٨/ ١٤٠)، "المناسك" (٦٠/ ١٤٢).

۱۴۱: آپ سے شفاعت وغیرہ طلب کرنا:

"حجة النبي ﷺ" (١٣٨/ ١٤٠)، "المناسك" (٦٠/ ١٤٣).

۱۴۲: ابن الحاج ❶ کا "المدخل" (١/ ٢٥٩) میں یوں کہنا کہ ادب کا تقاضا ہے: کہ آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کے وقت اپنی ضرورتیں اور اپنے گناہوں کی مغفرت کا ذکر نہ کیا جائے، کیونکہ آپ ﷺ اس کی ضرورتوں اور مفادات کو اس سے زیادہ جانتے ہیں:"

"حجة النبي ﷺ" (١٣٨/ ١٤٢)، "المناسك" (٦٠/ ١٤٤).

۱۴۳: ابن الحاج کا "المدخل" (١/ ٢٦٤) میں یوں کہنا: "آپ ﷺ کے اپنی امت کو دیکھنے، ان کے احوال، ان کی نیتوں، اور ان کی حسرات و حالات کو جاننے کے حوالے سے آپ کی موت و حیات میں کوئی فرق نہیں:" "حجة النبي ﷺ" (١٣٨/ ١٤٣)، "المناسك" (٦٠/ ١٤٥).

۱۴۴: آپ ﷺ کی قبر کے حجرے کی کھڑکی/ جالی پر حصول برکت کے لیے ہاتھ رکھنا، اور بعض کا ان الفاظ کے ساتھ حلف اٹھانا: اس حق کی قسم جس نے تیرا ہاتھ ان کی کھڑکی/ جالی پر رکھا اور آپ نے کہا: اللہ کے رسول! شفاعت فرمائیں:"

"حجة النبي ﷺ" (١٣٨/ ١٤٢)، "المناسك" (٦٠/ ١٤٦).

۱۴۵: قبر کو بوسہ دینا، یا اس کا استلام کرنا یا اس چیز کا استلام کرنا جو اس کے قریب ہے جیسے لکڑی وغیرہ:

"فتاوى ابن تيمية" (٤/ ٣١٠)، "الإقتضاء" (١٧٦)، "الإعتصام" (٢/ ١٣٤-١٤٠)، "إغاثة اللهفان" (١/ ١٩٤)، "الباعث" لأبي شامة (٧٠)، البركوى فى "أطفال المسلمين" (٢٣٤)، "الإبداع" (٩٠). ❷ "حجة النبي ﷺ"

---

❶ یہ شخص اپنے صاحب فضل ہونے اور اس کی کتاب مذکور (المدخل) بدعات کی معرفت کے لیے اچھا مرجع ہونے کے باوجود وہ بذات خود خرافات پر مبنی ہے، وہ توحید اور عقیدے میں قابل اعتماد نہیں۔ (منہ)

❷ غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قبر شریف کو بوسہ دینے کا انکار کیا تو انھوں نے بہت خوب بات کی، انھوں (۱/۲۴۴) نے کہا: "یہ یہود و نصاریٰ کی عادت ہے۔" کیا کوئی عبرت و نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟" (منہ)

(١٣٨/ ١٤٥)، "المناسك" (٦٢/ ١٤٧).

١٤٦: آپ ﷺ اور آپ کے دونوں اصحاب کی زیارت کے لیے کسی خاص صورت کی پابندی کرنا اور خاص دعا وسلام کی شرط عائد کرنا، جیسا کہ غزالی نے کہا: ''آپ ﷺ کے چہرے کے پاس کھڑا ہوگا، قبلہ کی طرف پیٹھ کرے گا اور قبر کی دیوار کی طرف، اس ستون سے جو کہ قبر کی دیوار کے زاویے میں ہے اس سے تقریباً چار ہاتھ کے فاصلے پر رخ کرے گا، اور کہے گا: "السلام عليك يا رسول الله، السلام عليك يا نبی الله...... يا أمين الله...... يا حبيب الله. ''انھوں نے ایک طویل سلام ذکر کیا، پھر اسی طرح تقریباً تین صفحات پر مشتمل طویل صلاۃ و دعا۔'' پھر تقریباً ایک ہاتھ پیچھے ہٹ کر ابو بکر صدیق پر سلام پیش کرے گا، کیونکہ ان کا سر رسول اللہ ﷺ کے کندھے کے پاس ہے۔ پھر تقریباً ایک ہاتھ پیچھے ہٹے گا اور الفاروق پر سلام پیش کرے گا اور کہے گا: رسول اللہ ﷺ کے وزیرو اور معاونین تم پر سلام ہو...... پھر وہ واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کے سر کے پاس کھڑا ہوگا اور قبلہ کی طرف رخ کرے گا...... پھر انھوں نے ذکر کیا کہ وہ اللہ کی حمد اور شان بیان کرے گا، اور یہ آیت ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا﴾ (النساء: ٦٤) پڑھے: پھر تقریباً نصف صفحہ پر مشتمل دعا پڑھے گا:'' ❶

"حجة النبی ﷺ" (١٣٩/ ١٤٦)، "المناسك" (٦٢/ ١٤٨)

١٤٧: نبی ﷺ کی قبر کے سامنے نماز کا قصد کرنا: ❷

---

❶ مشروع جو ہے وہ مختصر سلام ہے: السلام عليك يا رسول الله ورحمة الله وبركاته، السلام عليك يا ابابكر! السلام عليك يا عمر! ابن عمر کیا کرتے تھے، تو اگر حسب منشاء معمولی سا اضافہ کرلے لیکن اس کی پابندی نہ کرے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (منہ)

❷ میں نے ان تین سالوں میں جو میں نے مدینہ منورہ میں جامعہ اسلامیہ (جو کہ مدینہ یونیورسٹی کے نام سے مشہور ہے۔ مترجم) میں (١٣٨١ھ۔١٣٨٤ھ) بطور استاذ گزارے۔ میں نے بہت سی بدعات دیکھیں جو مسجد نبوی میں کی جاتی ہیں، جبکہ ذمہ داران ان سب پر چپ سادھے رہے، جیسا کہ بالکل وہی صورت ہمارے ہاں ملک شام میں ہے۔

ان بدعات میں سے جو کہ صریح شرک ہے، اس بدعت کے مانند، بہت سے حجاج قبر شریف کے سامنے نماز کا قصد کرتے ہیں، حتیٰ کہ عصر کی نماز کے بعد جو کہ ایسا وقت ہے جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے اور ان کو اس پر وہ چیز ابھارتی ہے کہ وہ قبر شریف کی دیوار میں جس طرف وہ رخ کرتے ہیں ایک چھوٹا سا محراب دیکھتے ہیں جو کہ ترکوں کے آثار میں سے ہے، وہ اپنی زبان حال سے جاہلوں کو اپنے پاس نماز پڑھنے کی دعوت دیتا ہے، اس پر مزید اضافہ کریں، کہ وہ جگہ جہاں وہ نماز پڑھتے ہیں وہاں بہترین جائے نماز بچھی ہوئی ہے، میں نے بعض فضلاء سے ان جاہلوں اور جو وہ خلاف سنت کام کرتے ہیں ان کے درمیان رکاوٹ بننے کی ضرورت کے متعلق بات کی، میں نے سب سے زیادہ زور اس پر دیا کہ اس جائے نماز کو وہاں سے اٹھالیا جائے، نہ کہ محراب! انھوں نے ہم سے خیر و بھلائی کا وعدہ کیا، لیکن وہ مسئول جو کہ یہ کر سکتا ہے اس نے یہ کیا نہ کرے گا مگر یہ کہ اللہ چاہے، اس لیے کہ وہ بعض اہل مدینہ کی خواہشات و ترغیبات پر ہم نوائی کرتا ہے، اور وہ اہل علم خیر خواہوں کی بات نہیں مانتا، خواہ وہ بھی وہیں کے رہنے والے ہوں، الی الله المشتکی ۔ ایمان کے ضعف اور اس خواہش و گمراہی کے غلبے کی وجہ سے، جس نے اس میں فائدہ نہ دیا، حتیٰ کہ توحید، اس کا سبب مال والوں پر مال کی محبت کا غلبہ ہے مگر وہ جسے اللہ بچائے، لیکن وہ کم ہیں، اور ⇐⇐

"الرد على البكرى" لابن تيمية (٧١)، "القاعدة الجليلة" (١٢٥-١٢٦)، "الإغاثة" (١/ ١٩٤-١٩٥)، الخادمي على "الطريقة المحمدية" (٤/ ٣٢٢). "حجة النبى ﷺ" (١٤٠/ ١٤٧)، "المناسك" (٦٢/ ١٤٩)

۱۴۸: قبر ❶ کے پاس بیٹھنا اور اس کے اردگرد بیٹھ کر تلاوت و ذکر کرنا:

"الإقتضاء" (١٨٣-٢١٠). "حجة النبى ﷺ" (١٤١/ ١٤٨)، "المناسك" (٦٢/ ١٥٠).

۱۴۹: ہر نماز کے بعد نبی ﷺ پر سلام پیش کرنے کے لیے قبر نبوی کا قصد: ❷

"حجة النبى ﷺ" (١٤١/ ١٤٩)، "المناسك" (٦١/ ١٥١).

۱۵۰: اہل مدینہ کا مسجد نبوی میں ہر مرتبہ آتے اور جاتے وقت قبر نبوی کی زیارت کا قصد کرنا:

"الرد على الأخنائى" (ص ١٥٠-١٥١، ١٥٦، ٢١٧، ٢١٨)، "الشفا فى حقوق المصطفى" للقاضى عياض (٢/ ٧٩)، "المدخل" (١/ ٢٦٢)، "حجة النبى ﷺ" (١٤١/ ١٥٠)، "المناسك" (٦٢/ ١٥٢).

۱۵۱: مسجد میں آتے وقت یا وہاں سے نکلتے وقت قبر شریف کی جانب توجہ کرنا اور انتہائی خشوع کے ساتھ اس سے دور قیام کرنا: "حجة النبى ﷺ" (١٤١/ ١٥١) ❸

۱۵۲: نماز کے بعد بلند آواز سے یوں کہنا: "السلام عليك يارسول الله......: "مجموعة الرسائل الكبرى" (٢/ ٣٩٧). "حجة النبى ﷺ" (١٤٢/ ١٥٢)، "المناسك" (٦٢/ ١٥٣).

۱۵۳: بارش کے ذریعے گنبد خضراء سے گرنے والے سبز پینٹ کے ٹکڑوں سے برکت حاصل کرنا:

"حجة النبى ﷺ" (١٤٢/ ١٥٣)، "المناسك" (٦٣/ ١٥٤).

⇦⇦ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا: "فتنة أمتى المال" "میری امت کا فتنہ مال ہے۔" (منہ)

❶ یعنی: نبی ﷺ کی قبر، لام یہاں "عہد ذکری" کے لیے ہے اور یہ بدعت "مدینہ منورہ کی بدعات" کے عنوان کے تحت ہے۔ اسی طرح: تلاوت و ذکر کے لیے کسی قبر کے پاس بیٹھنا، البتہ قبر کی زیارت، شرعی دعا اور صاحب قبر پر سلام پیش کرنا اس کے علاوہ ہے۔ (منہ)

❷ اس کے بدعت ہونے کے ساتھ ساتھ دین میں غلو اور آپ ﷺ کے اس فرمان کی مخالفت بھی ہے: "میری قبر کو عید/ میلہ نہ بنانا اور تم جہاں بھی ہو مجھ پر درود پڑھنا کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پہنچ جاتا ہے۔" بے شک وہ بہت سی سنن اور بہت سے فضائل کے ضیاع کا سبب ہے، بن لو وہ سلام پھیرنے کے اذکار و اوراد ہیں، وہ انھیں چھوڑ دیتے ہیں اور اس بدعت کی طرف دوڑ پڑتے ہیں جس کا یہ قول ہے اللہ اس پر رحم فرمائے: "جب کوئی بدعت شروع ہوتی ہے تو سنت مٹادی جاتی ہے۔" (منہ) میں کہتا ہوں: اس مخالفت پر تفصیلی بحث پیچھے گزر چکی ہے۔ والحمد لله على توفيقه

❸ یہ بدعت "مناسك الحج والعمرة" کے رسالے میں نہیں ہے۔

۱۵۴: منبر اور قبر شریف کے درمیان روضہ شریف میں صیحانی کھجور کھا کر تقرب حاصل کرنا:

"الباعث على إنكار البدع" (ص ٧٠)، "مجموعة الرسائل الكبرى" ٢/ ٣٩٦).
"حجة النبي ﷺ" (١٤٢/ ١٥٤)، "المناسك" (٦٣/ ١٥٥).

۱۵۵: اپنے بال کاٹ کر تربت نبویہ کے قریب بڑی قندیل میں پھینکنا:

"الباعث على إنكار البدع" (ص ٧٠)، "مجموعة الرسائل الكبرى" (٢/ ٣٩٦)،
"حجة النبي ﷺ" (١٤٢/ ١٥٥)، "المناسك" (٦٣/ ١٥٦).

۱۵۶: منبر کی غربی جانب مسجد میں رکھے ہوئے پیتل کے بنے ہوئے کھجور کے دو درختوں کو چھونا: [1]

"حجة النبي ﷺ" (١٤٢/ ١٥٦)، "المناسك" (٦٣/ ١٥٧).

۱۵۷: بہت سے اہل مدینہ اور مدینہ کے باہر سے آئے ہوئے لوگوں کا قدیم مسجد میں نماز پڑھنے کی پابندی کرنا اور ان کا پہلی صفوں کو نہ ملانا:...... [2]

---

[1] کھجور کے ان دو درختوں کا مطلق طور پر کوئی فائدہ نہیں، وہ تو محض زینت کے لیے اور لوگوں کے فتنے کے لیے رکھے گئے ہیں، جس وقت ہم وہاں تھے تو ہم سے ان کو اٹھا دیے جانے کا وعدہ کیا گیا تھا، لیکن عبث! [ہمارے شیخ نے "المناسك" میں بیان فرمایا: بعد میں انھیں ہٹا دیا گیا، الحمد لله] (منه)

[2] بعض اہل علم اس بدعت کا شکار ہو چکے ہیں، ان کا اس بارے میں جو شبہہ ہے وہ آپ ﷺ کے فرمان: "صلاة في مسجدي هذا بألف صلاة......"، ''میری اس مسجد میں ایک نماز ہزار نماز کے برابر ہے......'' میں اسم اشارہ هذا (اس) سے تمسک ہے، حالانکہ انھوں نے جو موقف اختیار کیا ہے اس میں یہ نص نہیں۔ کیونکہ اس اضافے تک فضیلت کے بڑھنے کے منافی نہیں، جیسا کہ وہ ان زیادات (توسیع) میں حالت ہے جو مسجد کی تک شامل کی گئی ہیں، معلوم رہے کہ اس امر میں جو غایت ہے وہ اس مسجد میں نماز پڑھنے کی ترغیب ہے، اس میں اس کا وجوب نہیں، جب اس طرح ہوتا، تو پھر انہیں چاہیے تھا کہ وہ نوافل نماز کی اس میں پابندی کرتے جن میں جماعت نہیں کرائی جاتی ہے، ہاں اگر وہ جماعت بھی کرا گزریں تو پھر یہ محض ایک خطا ہے، کیونکہ یہ تو تب اس طرح ہے: جو محل بناتا ہے اور شہر گراتا ہے، خاص طور پر جبکہ وہ اہل علم ہوں، کیونکہ وہ بہت سے امور ضائع کرتے ہیں، وہ اس فضیلت سے بہت زیادہ اہم ہیں، بلکہ ان میں سے بعض تو واجب ہیں انہیں ترک کرنے والا گناہ گار ہے، میں ان سے کچھ ابھی ذکر کرتا ہوں:

(ا) صفوں کو نہ ملانا: جب کہ بہت سی احادیث کی رو سے وہ واجب ہے، جیسا کہ: آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''جو صف کو ملاتا ہے اللہ اسے ملاتا ہے، اور جو صف کو قطع کرتا ہے اللہ اسے قطع کرتا ہے۔'' نسائی و دیگر نے اسے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ مسجد نبوی میں دیکھا گیا ہے کہ وہ پہلی صفیں جو مسجد کے اس حصے میں ہیں جس کی توسیع کی گئی ہے وہ ان لوگوں کی قدیم مسجد میں نماز پڑھنے کی حرص کی وجہ سے پوری نہیں ہوتیں! اس لیے وہ گناہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

(ب) اہل علم کا امام کے پیچھے (قریب) نماز نہ پڑھنا: حالانکہ نبی ﷺ نے اپنے اس فرمان کے ذریعے انہیں حکم فرمایا ہے: ''دانش ور اور انتہائی عقل مند حضرات میرے قریب/ پیچھے (صف میں) ہوں......'' (صحیح مسلم)

(ج) ان سب کا پہلی صفوں میں نماز نہ پڑھنا، خاص طور پر ان میں سے پہلی صف، حالانکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''مردوں کی صفوں میں سے پہلی صف سب سے بہتر ہے جبکہ ان کی آخری صف سب سے بری ہے......'' (صحیح مسلم وغیرہ) اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر ⇐⇐⇐

"حجة النبي ﷺ" (١٤٣/ ١٥٧)، "المناسك" (٦٣/ ١٥٨).

۱۵۸: مدینہ آنے والوں کا وہاں ایک ہفتہ (سات دن) قیام کرنے کی پابندی کرنا تاکہ وہ مسجد نبوی میں چالیس نمازیں پڑھ سکیں، تاکہ ان کے لیے نفاق اور جہنم سے براءت لکھ دی جائے: ❶

"حجة النبي ﷺ" (١٤٤/ ١٥٨)، "المناسك" (٦٣/ ١٥٩).

۱۵۹: مسجد النبی ﷺ کے بعد مسجد قباء کے علاوہ مدینہ اور اس کے آس پاس والی مساجد اور زیارت گاہوں کا قصد کرنا:

''تفسیر سورۃ الاخلاص'' (۱۷۳۔۱۷۷)۔ "حجة النبي ﷺ" (١٤٤/ ١٥٩)، "المناسك" (٦٤/ ١٦٠)

۱۶۰: حجر اسود یا اس سے دور معلموں کا حاجیوں کی جماعت کو بلند آواز کے ساتھ بعض اذکار و اوراد کی تلقین کرنا اور پھر ان لوگوں کا ان تلقین شدہ اذکار و اوراد کا اس سے بھی زیادہ بلند آواز سے اعادہ کرنا:

"حجة النبي ﷺ" (١٤٤/ ١٦٠)، "المناسك" (٦٤/ ١٦١).

۱۶۱: ہر روز بقیع کی زیارت کرنا اور مسجد فاطمہ رضی اللہ عنہا میں نماز پڑھنا: ❷

⇐⇐⇐ لوگ جان لیں کہ اذان (دینے) اور پہلی صف میں (کھڑے ہونے کی) کیا فضیلت ہے، پھر انہیں اس پر قرعہ اندازی بھی کرنی پڑے تو وہ ضرور قرعہ اندازی کریں۔'' (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

اور ہم اگر یہ بات جزم کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ صف اوّل کی مطلق فضیلت مسجد قدیم کی پچھلی صفوں سے افضل ہے تو اسی طرح ان میں سے کوئی اس کے برعکس کا بھی دعویٰ نہیں کر سکتا، لیکن جب اس کے ساتھ اس کو ملایا جائے جس کا دو پہلے امور کے حوالے سے ذکر گزر رہا ہے تو تب مسجد قدیم میں نماز پر اس توسیع میں نماز پڑھنے کو ترجیح دینے میں کوئی شک نہیں، اسی لیے جس وقت میں نے کئی ایک علماء اور طالب علموں سے اس مسئلے پر بحث و تحقیق کی تو انھوں نے اسی پر اطمینان کا اظہار کیا۔ پس وہ اس توسیعی حصے میں نماز پڑھنے لگے، اللہ اس پر رحم فرمائے جس نے انصاف کیا اور اس نے ظلم نہیں کیا۔ (ناانصافی نہیں کی) (منہ)

❶ اس بارے میں وارد حدیث ضعیف ہے، وہ قابل استدلال نہیں، میں نے "السلسلة" (رقم: ٣٦٤) میں اس کی علت بیان کی ہے، اس پر عمل کرنا جائز نہیں، کیونکہ وہ تشریع ہے، خاص طور پر بعض حجاج اس سے حرج محسوس کرتے ہیں، جیسا کہ میں اسے بذات خود جانتا ہوں، وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ اس بارے میں وارد روایت صحیح ہے، اس کی اس میں کچھ نمازیں چھوٹ گئیں! پس وہ حرج میں مبتلا ہو گیا، اور اللہ نے اس کو اس سے آرام دلایا! (منہ)

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "المناسك" (ص ٦٣) میں یہ اضافہ نقل کیا: بعض علماء کا موقف ہے کہ وہ حدیث جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ قوی ہے اور انھوں نے اس بارے میں ابن حبان کی اس کے مجہول راویوں میں سے کسی کی توثیق پر اعتماد کیا ہے، جبکہ یہ توثیق اس ضمن سے ہے جسے جرح و تعدیل کے علماء کوئی اہمیت نہیں دیتے......

❷ اس کو اور اس سے پہلے عمل کو غزالی نے مستحب قرار دیا۔ عفا الله عنا وعنه۔ لیکن انھوں نے اس پر کوئی دلیل ذکر نہیں کی اور وہ ناممکن ہے۔ قبروں کی زیارت کی مشروعیت میں کوئی شک نہیں، لیکن وہ مطلق ہے، اس میں کسی خاص دن یا ہر روز کی کوئی شرط نہیں، بلکہ جب بھی آسانی سے ہو سکے، رہی مسجد فاطمہ رضی اللہ عنہا میں نماز تو اگر مسجد ان کی قبر پر بنائی گئی ہے، تو پھر وہاں نماز پڑھنے کی حرمت کے بارے میں کوئی شک نہیں، اور اگر کوئی مسجد صرف ان کی طرف منسوب ہے تو پھر اس میں نماز پڑھنے کا قصد کرنا بدعت ہے۔ (اس کتاب میں مذکور ''حج اور عمرہ کی بدعات'' میں سے بدعت رقم ۱۵۹ دیکھیں)

"حجة النبی ﷺ"(١٤٥/ ١٦١)، "المناسك" (٦٤/ ١٦٢).

١٦٢: شہداء احد کی زیارت کے لیے جمعرات کے دن کی تخصیص:

"حجة النبی ﷺ"(١٤٥/ ١٦٢)، "المناسك" (٦٤/ ١٦٣).

١٦٣: ارض شہداء پر روغن کی ہوئی کھڑکی کے ساتھ کپڑے کے ٹکڑے باندھنا: ❶

"حجة النبی ﷺ"(١٤٥/ ١٦٣)، "المناسك" (٦٤/ ١٤).

١٦٤: شہداء احد کی قبروں کے ایک جانب موجود تالاب میں برکت کے حصول کی خاطر غسل کرنا:

"حجة النبی ﷺ"(١٤٦/ ١٦٤)، "المناسك" (٦٤/ ١٦٥).

١٦٥: مسجد نبوی سے الوداعی طور پر نکلتے وقت الٹے پاؤں نکلنا:

"مجموعة الرسائل الكبرى" (٢/ ٣٨٨)، "المدخل" (٤/ ٢٣٨)، "حجة النبی ﷺ"(١٤٦/ ١٦٥)، "المناسك" (٦٤/ ١٦٦).

١١: بیت المقدس کی بدعات

١٦٦: حج کے ساتھ بیت المقدس کی زیارت کا قصد اور ان کا کہنا: "قدس الله حجتك": ❷

"حجة النبی ﷺ"(١٤٦/ ١٦٦)۔ "المناسك" (٦٥/ ١٦٧)

---

❶ وہ سرزمین جہاں حمزہ اور دیگر شہداء احد کی قبریں ہیں وہاں ۱۳۸۳ھ تک کوئی عمارت تعمیر نہیں کی گئی تھی، لیکن ۱۳۸۴ھ میں سعودی حکومت نے وہاں سیمنٹ کی پختہ دیوار کھڑی کردی ہے، وہاں لوہے کا بڑا دروازہ لگایا ہے جو کہ سامنے والی جانب ہے اور مشرقی دیوار کے آخر پر لوہے کی کھڑکی لگادی ہے، جب ہم نے یہ صورت دیکھی تو ہم نے شر محسوس کیا اور ہم نے کہا یہ بڑا خطرناک مسئلہ ہے اور یہ کوئی بعید نہیں کہ قبروں پر پھر سے مساجد اور قبے بنائے جائیں جیسا کہ سعودی حکومت سے پہلے تھا، جس وقت لوگ دین کے لیے پر جوش اور اس کے احکام پر عمل کرنے والے تھے، اللہ اپنے امر (کے نافذ کرنے) پر غالب ہے اور یہ پہلا شر ہے، میں نے اس کھڑکی پر کپڑے کے ٹکڑوں کو بڑھتے (زیادہ ہوتے) ہوئے دیکھا ہے اور جب دیوار مکمل ہوگئی اور مجھے بتایا گیا کہ ان میں سے بعض حصول برکت کے لیے اس عمارت کے اندر نماز پڑھنے لگے ہیں، اور جب شرع کی تطبیق میں تساہل اور اس کی مخالفت پر دلیری والا معاملہ چلے گا تو پھر وہ دن کوئی دور نہیں کہ بت پرستی کے مظاہر موحد حکومت کی طرف لوٹ آئیں گے جیسا کہ اس کی حکومت سے پہلے حالت تھی اللہ اس کی خطا کی درستی فرمائے اور اسے کامل طور پر شرع پر عمل کرنے کی طرف راہنمائی فرمائے، جسے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت آڑے نہ آئے، اور اسی سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ (منہ)

❷ شیخ الاسلام نے اپنے "مجموعہ" (۲/۶۰-۶۱) میں فرمایا: "جہاں تک بیت المقدس کی زیارت کا تعلق ہے تو وہ تمام اوقات میں مشروع ہے...... جبکہ وہاں قیام کرنے کی خاطر اس کی طرف سفر کرنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ یہ قربت کا ذریعہ ہے حرام ہے...... جبکہ حج کے ساتھ اس کی طرف سفر کرنا قربت کا ذریعہ نہیں، کسی کا یوں کہنا: "قدس الله حجتك" قول باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں۔ جیسا کہ مروی ہے: "جس نے ایک ہی سال میں میری زیارت کی اور میرے باپ (ابراہیم) کی زیارت کی میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔" بے شک یہ حدیث کی معرفت رکھنے والوں کے اتفاق سے کذب ہے، بلکہ اس طرح کی تمام احادیث جو نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کے بارے میں مروی ہیں وہ ضعیف، بلکہ موضوع ہیں۔" (منہ)

۱۶۷: کعبہ کے طواف کی مشابہت میں بیت المقدس کے صخرہ کے قبے کا طواف:

"مجموعة الرسائل الكبرى" (۲/ ۳۷۲، ۳۸۰۔۳۸۱).

۱۶۸: تعظیم کے کسی بھی حوالے سے بیت المقدس کے صخرہ کی تعظیم کرنا جیسے اسے چھونا، اسے چومنا، وہاں بکرے لے کر جانا تا کہ انہیں وہاں ذبح کیا جائے، عرفہ کی سہ پہر اس کے پاس قیام کرنا اور اس پر عمارت بنانا وغیرہ:

"مجموعة الرسائل الكبرى" (۲/ ۵٦۔۵۷) ❶ "حجة النبي ﷺ" (۱٤٦/ ۱٦۸)، "المناسك" (٦٥/ ۱٦۹)

۱۶۹: ان کا کہنا کہ جس نے بیت المقدس میں چار بار وقوف کیا وہ حج کے برابر ہے!

"الباعث" (ص ۲۰) "حجة النبي ﷺ" (۱٤٤/ ۱٦۹) ❷

۱۷۰: ان کا یہ کہنا کہ وہاں اس پتھر پر نبی ﷺ کے قدم اور آپ کے عمامے کا اثر ہے۔ اور ان میں سے بعض کا یہ گمان کرنا کہ وہ رب سبحانہ وتعالیٰ کے قدم کی جگہ ہے: ❸

"حجة النبي ﷺ" (۱٤۸۔۱۷۰) "المناسك" (٦٥/ ۱۷۰)

---

❶ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے (ص ۵۷۔۵۸) فرمایا: ''مسجد اقصیٰ اس ساری مسجد کا نام ہے جسے سلیمان علیہ السلام نے بنایا، بعض لوگ "الاقصیٰ" اس نماز پڑھنے کی جگہ کو کہنے لگے جسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس کے آگے بنایا اور نماز پڑھنے کی وہ جگہ جسے عمر نے مسلمانوں کے لیے بنایا اس میں نماز پڑھنا باقی مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، عمر بن خطاب نے جب بیت المقدس کو فتح کیا اس پتھر پر بہت زیادہ کوڑا کرکٹ پڑا ہوا تھا، کیونکہ نصاریٰ ان یہود کے مقابلے میں، جو کہ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، کی اہانت کرنا چاہتے تھے، عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے نجاست دور کرنے کا حکم فرمایا، اور کعب سے فرمایا: آپ کے خیال میں ہم مسلمانوں کے لیے نماز پڑھنے کی جگہ کہاں بنائیں؟ انہوں نے کہا: اس پتھر کے پیچھے، انہوں نے فرمایا: یہودیہ کے بیٹے! کسی یہودیہ نے تمہارے ساتھ راہ ورسم رکھی، بلکہ ہم اسے اس کے آگے بنائیں گے۔ ہمارے لیے مساجد کے اگلے حصے ہیں، اسی لیے ائمہ امت جب اس مسجد میں آتے تو وہ اس مصلیٰ پر نماز پڑھنے کا قصد کرتے جسے عمر رضی اللہ عنہ نے بنایا تھا، رہا وہ پتھر تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے پاس نماز پڑھی نہ صحابہ نے اور نہ خلفاء راشدین کے دور میں اس پر کوئی قبہ تھا۔ بلکہ وہ عمر، عثمان، علی، معاویہ، یزید اور مروان کے دور میں قبے کے بغیر تھا، لیکن...... پھر انہوں نے ذکر کیا کہ وہ عبدالملک بن مروان ہے جس نے اس پر قبہ بنوایا، اور موسم سرما و گرما میں اس پر غلاف چڑھایا، تا کہ لوگ بیت المقدس کی زیارت کی رغبت رکھیں......'' پھر انہوں نے کہا: ''رہے صحابہ اور تابعین اہل علم تو انہوں نے اس پتھر کی تعظیم نہیں کی، کیونکہ وہ ایک منسوخ قبلہ ہے، صرف یہود اس کی تعظیم کرتے ہیں اور بعض عیسائی۔''

میں کہتا ہوں: آپ اس سے جان لیں کہ اس کی ترمیم اور اس کی جدید تعمیر۔ جس کا ہفتوں سے اعلان ہو چکا ہے۔ پر انہوں نے لاکھوں پونڈ خرچ کیے۔ وہ تو محض اسراف وتبذیر اور پہلے مومن حضرات کی راہ کی مخالفت ہے۔ (منہ)

❷ یہ بدعت "المناسك" میں موجود نہیں۔

❸ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے یہ سارے امور "المجموعة" (۲/ ۵۸۔۵۹) میں ذکر کیے ہیں، اور ان کے متعلق بتایا: ''وہ سب جھوٹ ہیں۔'' اور گہوارے کی جگہ کے بارے میں فرمایا: ''وہ تو نصاریٰ کی اس تقریب کی جگہ ہے جہاں عیسائی عالم بچے پر اس پانی کے چھینٹے دیتا ہے جس پر وہ انجیل کے کچھ فقرے پڑھ کر دم کرتا ہے۔ (منہ)

۱۷۱: [ان کا اس جگہ کی زیارت کرنا] جس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کا گہوارہ ہے:
"حجة النبى ﷺ" (١٤٨/ ١٧١)، "المناسك" (٦٥/ ١٧١)

۱۷۲: ان کا زعم کہ وہاں الصراط اور المیزان ہے، اور وہ دیوار جو جنت اور جہنم کے درمیان بنائی جائے گی، وہ وہی دیوار ہے جو مسجد کی مشرقی جانب بنائی گئی ہے:
["حجة النبى ﷺ" (١٤٨/ ١٧٢) "المناسك" (٦٥/ ١٧٢)

۱۷۳: زنجیر یا اس کی جگہ کی تعظیم:
"مجموعة الرسائل" (٢/ ٥٩)۔ "حجة النبى ﷺ" (١٤٨/ ١٧٣)۔ "المناسك" (٦٥/ ١٧٣)

۱۷۴: ابراہیم خلیل علیہ السلام کی قبر کے پاس نماز پڑھنا:
"مجموعة الرسائل"(٢/ ٥٦) "حجة النبى ﷺ" (١٤٨/ ١٧٤)۔ "المناسك" (٦٥/ ١٧٤)

۱۷۵: حج کے موسم میں مسجد اقصیٰ میں گانا گانے اور دف بجانے کے لیے اجتماع منعقد کرنا:
"اقتضاء الصراط المستقيم" (ص١٤٩) "حجة النبى ﷺ" (١٤٩/ ١٧٥)۔ "المناسك" (٦٥/ ١٧٥)

۱۲: مختلف بدعات

۱۔ یوں کہنا کہ حالت احرام میں عورت کا اپنا چہرہ ڈھانپنا واجب ہے:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنی علمی کتاب "الرد المفحم" (ص١٣٨۔١٣٩) میں اس شخص پر جس نے حجاب کے بارے میں کتاب لکھی رد کرتے ہوئے فرمایا: بعض، جو آپ ﷺ کے اس خاتون (الخثعمية) کو چہرہ ڈھانپنے کا حکم نہ فرمانے کو نہیں سمجھتے، [1] نے ان الفاظ کے ساتھ جواب دیا:

''اگر آپ اس (خثعمیہ) کو حکم فرما دیتے تو واجب ہو جاتا کہ وہ اپنا چہرہ ڈھانپے، ہم نے اس کا دعویٰ نہیں کیا۔''

"حجاب التذوى" (ص۹۹) دیکھیں۔

میں کہتا ہوں: اپنی رائے سے جو تم نے اپنی کتاب "الحجاب" لکھی وہ اس کی تائید اور اپنے مخالف پر رد کے حوالے سے ہے، کہ عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنا چہرہ ڈھانپے، تو کیا تمہارے اس قول مذکور سے تمہاری یہ مراد

[1] اس حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس میں خثعمیہ کا فضیل بن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ قصہ بیان ہوا ہے۔

ہے کہ احرام والی عورت پر چہرہ ڈھانپنا واجب نہیں! اگر تم نے یہ کہا ہے...... بلکہ تم نے (ص ۹۷) پر اس کی صراحت کی ہے...... تو تم نے ایک نئی بات کی ہے اور اس کے ذریعے تم نے مومنوں کی راہ کی مخالفت کی ہے، ہم اہل علم میں سے کسی ایک کو بھی نہیں جانتے جس نے اصل کے طور پر چہرہ ڈھانپنے کے وجوب کے بارے میں کہا ہو، حالانکہ وہ احرام والی عورت پر تو واجب ہی نہیں خواہ فتنہ کے وقت ہو!...... [1]

۲۔ حج کو قبر شریف کی زیارت تک قرار دینا کسی بدعتی کی تعبیر ہے اس کی شرع میں کوئی اصل نہیں:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعيفة" (۱/ ۴۳۱) کی حدیث رقم (۲۶۵) کے تحت فرمایا:

حج کو قبر کی زیارت تک قرار دینا، کسی بدعتی کی سوچ ہے، اس کی شرع میں کوئی اصل نہیں، بیت اللہ الحرام کی زیارت کے علاوہ جن جگہوں کی زیارت کی جاتی ہے ان کے بارے میں حج کا اطلاق وارد نہیں، وہ بدعتی لوگ جو مقبروں کی تعظیم میں غلو سے کام لیتے ہیں وہ قبروں کی زیارت پر حج کا اطلاق کرتے ہیں، مثلاً ان کی طرف رختِ سفر باندھنا، وہاں رات بسر کرنا، ان کے گرد طواف کرنا، ان کے پاس دعا اور عاجزی کرنا، اور اس طرح کی دیگر چیزیں جو حج کے شعائر میں سے ہیں، حتی کہ ان میں سے کسی نے تو ایک کتاب لکھی ہے جس کا اس نے نام رکھا ہے: "مناسك حج المشاهد و القبور"! اور یہ اس کے خلاف ہے جسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے، اور یہ بہت بڑی گمراہی ہے، جس مسلمان نے توحید خالص کی خوشبو سونگھی ہے وہ اس کے آپ ﷺ کے ہاں سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہونے کے بارے میں شک نہیں کرتا، تو پھر یہ کس طرح سمجھا جائے کہ آپ ﷺ یہ کلمہ ارشاد فرمائیں گے: "فرشتوں نے آپ کی قبر کی زیارت کی جس طرح مومن بیت اللہ الحرام کی زیارت کرتے ہیں"؟! اے اللہ! بے شک دل گواہی دیتا ہے کہ اس بات کا کوئی ایک حرف بھی نبی ﷺ سے صادر نہیں ہوا، اللہ اسے ہلاک کرے جس نے اسے وضع کیا۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صحيح الترغيب و الترهيب" (۲/۷) رقم (۱۱۰۵)۔(۱۲) میں فرمایا:

حج مبرور وہ ہے جس میں گناہ نام کی کسی چیز کی آمیزش نہ ہو، اور یہ بھی کہا گیا: وہ نیکی کے مقابلے میں مقبول ہے۔ اور وہ ثواب ہے۔ اور یہ تب ہی ہوسکتا ہے کہ جب وہ بدعات اور ان امور سے صاف ہو جن کو لوگ عادت و رواج کے طور پر کرتے ہیں، وہ کسب حلال سے ہو جس کے ذریعے حج کرنے والا ادائے فریضہ کا ارادہ رکھتا ہو اور وہ رب تبارک وتعالیٰ کے اوامر بجالانے والا ہو، ہم اللہ سے عافیت کی درخواست کرتے ہیں۔

---

[1] پردے کا حکم نازل ہوجانے کے بعد مسلمان عورتیں ننگے چہرے کے ساتھ گھر سے باہر نہیں نکلتی تھیں۔ حالت احرام میں نقاب پہننے سے منع کیا گیا ہے تاہم مسلمان عورتیں احرام کی حالت میں بھی نقاب کے بغیر چہرے کا پردہ کرتی تھیں۔ کتب حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔ (شہباز حسن)

۳۔ یہ اعتقاد رکھنا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز نہیں دور جاہلیت کی بدعت ہے.

رسول اللہ ﷺ نے تین سالوں میں تین بار عمرہ کر کے اس اعتقاد کو باطل ٹھہرایا، وہ سب (عمرے) ذوالقعدہ کے مہینے میں تھے۔''حجۃ النبی ﷺ'' (ص ۱۳)

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''حجة النبی ﷺ'' (ص ٦٣) میں فرمایا:

اورنووی نے آپ ﷺ کے فرمان:((دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِی الْحَجِّ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ .)) (عمرہ روز قیامت تک حج میں داخل رشامل ہوگیا۔) کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

''اس کا جمہور کے نزدیک معنی یہ ہے: حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز ہے تا کہ اہل جاہلیت کے عقیدے کی تردید کی جائے......''

''حجة النبی ﷺ'' (ص ٦٢)

فصل : روزے کی بدعات

ا: صبح کی اذان سے پہلے کھانا پینا بند کر دینے کی بدعت

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اس حدیث: ''جب تم میں سے کوئی اذان سنے، جبکہ برتن اس کے ہاتھ میں ہو، تو وہ اس (برتن) کو نہ رکھے حتی کہ وہ اس سے اپنی ضرورت پوری کر لے'':

"الصحيحة" (۳/ ۳۸۱) کی حدیث رقم (۱۳۹۴) پر یہ عنوان قائم کیا:

"الامساك عن الطعام قبل اذان الصبح بدعة"

"اذان صبح سے پہلے کھانا پینا بند کر دینا بدعت ہے۔"

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "تمام المنة" (ص٤١٧-٤١٨) میں "فقه السنة" کے مصنف سید سابق رحمہ اللہ کے قول:

''جب فجر طلوع ہو جائے، اور اس کے منہ میں کھانا ہو، تو اس پر واجب ہے کہ وہ اسے پھینک دے......''

کا ردّ کرتے ہوئے فرمایا:

میں کہتا ہوں: یہ بعض فقہی کتب کی تقلید ہے، اور یہ اس ضمن سے ہے جس پر سنت محمدیہ میں کوئی دلیل نہیں، بلکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: ''جب تم میں سے کوئی اذان سنے......'' [1] کے مخالف ہے۔

پھر شیخ نے فرمایا:

اور اس میں اس پر دلیل ہے کہ جس شخص پر فجر طلوع ہو جائے جبکہ کھانے یا پینے کا برتن اس کے ہاتھ پر ہو، اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے نیچے نہ رکھے حتی کہ وہ اس سے اپنی ضرورت پوری کر لے، یہ صورت اس آیت سے مستثنیٰ ہے:

﴿وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾

''کھاؤ پیو حتی کہ تمہارے لیے سفید دھاگہ کالے دھاگے سے واضح ہو جائے یعنی فجر ہو جائے۔''

(البقرة: ١٨٧)

اس میں اور اس معنی کی جو احادیث ہیں ان کے اور اس حدیث کے درمیان کوئی تعارض نہیں، اور نہ اجماع ہی

---

[1] وہ الصحيحة: ١٣٩٤ میں منقول ہے جو کہ قریب ہی گزرا ہے۔

اس سے تعارض کرتا ہے، بلکہ صحابہ کی جماعت اور ان کے علاوہ اکثر کا وہی موقف ہے جو کہ حدیث بتاتی ہے، اور وہ ہے سحری کا اس وقت تک جائز ہونا کہ فجر واضح ہو جائے اور سفیدی راستوں میں پھیل جائے،

"الفتح" (٤/ ١٠٩ ـ ١١٠) دیکھیں۔

اس حدیث کی روشنی میں فجر سے تقریباً پندرہ منٹ پہلے کھانا پینا بند کر دینے کی بدعت کا ابطال ہوتا ہے! کیونکہ وہ اس اندیشے کے پیش نظر اس طرح کرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اذان فجر ہو جائے اور وہ ابھی سحری کھا رہے ہوں، اگر وہ اس رخصت کو جان لیں تو وہ اس بدعت میں مبتلا نہ ہوں! لہٰذا اس پر غور کریں۔

۲: عاشوراء کے دن خرچ کرنے اور سرمہ لگانے کی بدعت [1]

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صحيح الترغيب والترهيب" (١/ ٥٩٣) میں حدیث رقم (١٠١٧) کے تحت فرمایا:

لغت میں مشہور ہے کہ "عاشوراء" اور "تاسوعاء" مد کے ساتھ پڑھے جائیں گے، اور انہیں مد کے بغیر پڑھنا بھی منقول ہے، اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اب عاشوراء کے دن کا روزہ رکھنا سنت ہے واجب نہیں، رہا اس دن خرچ کرنا اور سرمہ لگانا تو وہ بدعات میں سے ہے......

۳: پندرہ شعبان کے روزے اور اس کی رات کے قیام کی پابندی کرنا

"الاعتصام" (١/ ٣٤)، "الرد على التعقيب الحثيث" (ص ٥٠)، "صلاة التراويح" (ص ٤٣، ٤٤) "صحيح الترغيب و الترهيب" (١/ ٥٤).

---

[1] ہم اس بدعت کو "مہینوں" دنوں اور راتوں کی بدعات، کی فصل میں بھی ذکر کریں گے۔

فصل: خرید و فروخت کی بدعات

۱: خرید و فروخت میں خطبۂ حاجت کو مشروع کہنے کی بدعت

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "خطبة الحاجة" (۳۳) میں جو بیان کیا، اس کی نص یہ ہے:

لیکن بیع وغیرہ میں جیسے اجرت وغیرہ کے معاملات میں اس خطبے کی مشروعیت کے بارے میں کہنا، واضح طور پر محل نظر ہے، یہ اس لیے کہ وہ اس میں ایجاب وقبول کے وجوب کے قول پر مبنی ہے، جبکہ وہ طے شدہ نہیں، بلکہ وہ ایک نیا کام ہے، کیونکہ لوگ نبی ﷺ سے لے کر ہمارے اس دور تک ان اشیاء کے بارے میں ان الفاظ کے بغیر لین دین کرتے رہے۔ بلکہ بالفعل جو کہ مقصود پر دلالت کرتا ہے، یہ اس کے لائق تر ہے کہ اس (بیع و شراء) میں خطبہ ایک بدعت اور امر محدث ہو۔

اور آپ ﷺ کے بیوع وعقود جو سنت مطہرہ کی کتب میں بہت زیادہ اور مشہور ہیں، کہ وہ ان کے بعض کو اس عجلت میں نقل کرنے سے بے نیاز کر دیتے ہیں، ان میں ایجاب وقبول کے حوالے سے کوئی چیز نہیں، خطبہ تو دور کی بات ہے۔

۲: ایجاب وقبول اور عطا کرنے میں معین لفظ کی پابندی کی بدعات ❶

"خطبة الحاجة" (۳۳)

❶ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس مسئلے کے متعلق۔ جیسا کہ انہوں نے خود فرمایا۔ ایک عظیم فائدہ مند قاعدہ بیان کرنے کے لیے ایک فصل قائم کی اور اس فصل میں فرمایا: عقود میں ایجاب وقبول، اور اس میں عطا کرنے کے بارے میں ان کا اس بارے میں یہ موقف ہے کہ اس میں کسی معین لفظ کی قید نہیں لگائی جائے گی، بلکہ ایسا کرنا بدعات میں سے ہے، وہ کسی بھی لفظ سے صحیح ہو جاتی ہے، اور مقصود پر دلالت کرنے والے فعل سے یہ صحیح قرار پاتی ہے، اور انہوں نے اس پر کتاب وسنت اور لغت سے استدلال کیا ہے، اور اس بارے میں جس قدر فوائد وتحقیقات ہیں وہ آپ کہیں اور نہ پائیں گے۔ دیکھیں "الفتاوی" (۳/ ۲۶۷۔ ۲۷۴). (منہ)

فصل: تفسیر کی بدعات

۱: اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ﴾ (النور: ۳۱) میں "اَوْ نِسَآئِهِنَّ" کی تفسیر میں بدعت کہ وہ اچھے اخلاق والی خواتین ہیں خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "حجاب المرأة ولباسها فی الصلاة" (ص۲۱) میں فرمایا:

''اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ''اَوْ نِسَآئِهِنَّ'' انہوں نے کہا: مشرک عورتوں سے احتراز، مشرک عورت کسی مسلمان خاتون کے مقابلے میں نہیں ہوگی اور مشرک عورت ان کے ساتھ حمام میں داخل نہ ہو۔''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "حجاب المرأة و لباسها فی الصلوة" (ص۲۱) پر اپنی شرح میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تفسیر سے موافقت کرتے ہوئے فرمایا:

یہ "نسائهن" کی تفسیر ہے، کہ وہ کافر عورتوں کو چھوڑ کر مسلمان خواتین ہیں وہی درست ہے جو کہ اس کا علاوہ سلف سے مروی نہیں، جیسا کہ آپ اسے " الدر المنثور"، "تفسیر ابن جریر" اور "زاد المسیر" لابن الجوزی (۶/۳۲۔طبع المکتب الاسلامی) اور "ابن کثیر" میں دیکھتے ہیں۔

رہی بعض معاصر فضلاء کی تفسیر کہ وہ، اچھے اخلاق والی خواتین ہیں، خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر، یہ تفسیر بدعت ہے، کیونکہ وہ سلف کی تفسیر کے خلاف ہے۔

۲: اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا﴾ کی تفسیر کی بدعت کہ ہم نے اسے پیدا کیا

ذہبی رحمہ اللہ نے "العلو" (ص۱۷۳) میں النضر بن محمد المروزی کے حوالے سے ترجمہ رقم (۴۶) اس کا قول نقل کیا:

''ان ادوار میں لوگوں کا یوں کہنا کہ وہ (یعنی قرآن کریم) اللہ کا کلام، اس کی وحی اور اس کا نازل کردہ ہے، غیر مخلوق ہے:

یا یوں کہنا: کہ وہ اللہ کا کلام ہے، اس کا نازل کردہ ہے اور یہ کہ وہ مخلوق ہے، اور انہوں نے اپنی دلیل میں ذکر کیا: ﴿اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا﴾ (الزخرف: ۳) "ہم نے اس کو بنایا قرآن عربی"، انہوں نے کہا: جو چیز بنائی جائے وہ مخلوق ہی ہوتی ہے۔''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "مختصر العلو" (ص ۱۷۵) میں مروزی کے کلام کے دوسرے فقرے کی شرح کرتے ہوئے فرمایا:

یہ قول ظاہراً باطل ہے، گو کہ مصنف نے اس کے رد کی طرف کوئی توجہ نہیں دی، اس شرح میں ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم بعض ان آیات کی طرف اشارہ کریں جن سے اہل الحدیث نے اس (بدعی تفسیر) کے بطلان پر استدلال کیا ہے، انہوں نے جو کہا اس کا خلاصہ یہ ہے: کہ لفظ "جعل" جب بھی ذکر کیا جائے وہ خلق (پیدا کرنے) کے معنی نہیں دیتا، اور وہ ہر جگہ جہاں بھی واقع ہو تو ضروری نہیں کہ وہ "پیدا کرنے" کا معنی دیتا ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ﴾ (العنكبوت : ۲۷) اس آیت میں لفظ "جعلنا" سے "پیدا کرنے" کا معنی قطعاً نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کی کسی پیدا شدہ چیز کی طرف اضافت کی ہے: یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ﴾ (یوسف : ۷۰) بلکہ مشرکوں کے بارے میں فرمایا: ﴿وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ إِنَاثًا﴾ (الزخرف : ۱۹) کیا یہ معنی ہے کہ مشرکوں نے فرشتوں کو پیدا کیا......؟ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کی بدعی تفسیر سے بہت بلند و برتر ہے۔

جب یہ واضح ہوا تو اس لفظ مذکور کی اس جگہ کے حوالے سے تفسیر کرنا ضروری ہے جہاں سے وارد ہوا ہے، جب اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا﴾ (الزخرف : ۳) تو وہ قطعی طور پر قرآن ہے، اور قرآن قطعی طور پر اس کا کلام ہے، اور اس کا کلام اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے، وہ سب ازلی ہیں اور اس کی ذات کی طرح غیر مخلوق ہیں، لہٰذا اس لفظ کی اس طرح تفسیر کرنا جائز نہیں جو قطعی امور کے منافی ہو، انہوں نے کہا: معنی: یہ کہ جب اللہ تعالیٰ تمام زبانیں جانتا ہے تو وہ اس پر قادر ہے کہ وہ ان میں سے جس زبان سے چاہے اور جب چاہے کلام کرے، اگر وہ چاہے تو عربی بولے، اور اگر چاہے تو عبرانی بولے، اس نے فرمایا: ﴿إِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا﴾ [الزخرف : ۳] یعنی: اس نے اسے اپنے کلام سے عربی بنایا، جس طرح تورات اور انجیل کو اپنے کلام سے عبرانی بنایا، اسی لیے اس نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ ان کے لیے کھول کر بیان کرے، جیسا کہ اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا، لہٰذا اس کے فرمان: ﴿جَعَلْنٰهُ﴾ کا معنی ہے: ہم نے اسے ایک لغت سے دوسری لغت میں بدلا، یہ معنی نہیں کہ ہم نے اسے پیدا کیا، "الرد علی المریسی" (ص ۱۲۳۔۱۲۴) دیکھیں۔

فصل: والد کی اپنے بیٹے کے حق میں گواہی جائز قرار نہ دینا اور نہ بیٹے کی اپنے والد کے حق میں

صدیق حسن خان رحمہ اللہ نے "الروضة الندية" (۳/ ۲۵۵) میں بیان کیا:

انہوں نے "المسوّی" میں بیان کیا:

''والد کی اپنے لڑکے کے حق میں گواہی دینا جائز ہے نہ لڑکے کی اپنے والد کے حق میں، جبکہ ان دونوں کے خلاف جائز ہے۔''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "التعليقات الرضية على الروضة الندية" (۳/ ۲۵۵-۲۵۶) میں اس عبارت کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

''حق بات یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کی گواہی دوسرے کے حق میں قبول کی جائے گی، جبکہ اس کے برعکس کسی بدعتی کا قول ہے، صحابہ کا اس پر عمل نہ تھا، جیسا کہ ابن القیم نے اسے "إعلام الموقعين" (۱/ ۱۳۱-۱۴۴) میں واضح کیا ہے۔''

اور انہوں نے کہا: ''احمد نے اس کی صراحت کی ہے۔'' اس کا مطالعہ کریں! وہ بہت عمدہ ہے۔

فصل : اذکار کی بدعات

❀ تمہید

اوّل: قرآن کریم کی تلاوت کی بدعات

① - یک زبان ہوکر اکٹھے قرآن کی تلاوت کرنا

② - ''سورۃ القریش'' کی قراءت کا اس اعتقاد کے ساتھ استحباب کہ وہ ہر سوء سے امان ہے!!

③ - تین دنوں سے کم مدت میں قرآن ختم کرنا خلاف سنت ہے

④ - تکمیل قرآن کے وقت اجتماعی دعا

⑤ - لوگوں کا اکٹھے ہوکر ایک ہی سورت (یک زبان ہوکر) پڑھنا

⑥ - قرآن کریم کو ترنم کے ساتھ پڑھنا

⑦ - مصحف کو چومنے کی بدعت

دوم: حلقوں میں اجتماعی ذکر کی بدعت

① - یک زبان ہوکر بلند آواز سے عید کی تکبیر پڑھنا

② - ذکر کرتے وقت حلقے بنانا، چیخنا اور دائیں بائیں جھومنا

③ - اجتماعی حلقوں میں ذکر کرنا اور کسی ایسے (معین) عدد کے ساتھ ذکر کرنا جو وارد نہیں

سوم: شرعی الفاظ میں اضافہ کرنا یا ان میں سے کچھ الفاظ بدل دینا

ابتدائیہ: ......اوراد و اذکار توقیفی ہیں

① - کھانا شروع کرتے وقت "بسم الله" سے زیادہ الفاظ پڑھنا

② - چھینک مارنے والے کا الحمد لله کہہ کر نبی ﷺ پر درود کا اضافہ کرنا

③ - خطبة الحاجة میں لفظ "نستهديه" کا اضافہ

چہارم: سبحان اللّٰہ کہنے کی بدعات اور تسبیح کی بدعت

① - دونوں ہاتھوں پر ایک ساتھ تسبیح پڑھنا

۲- کنکریوں پر گننا

۳- تسبیح

پنجم: اللہ عزوجل کے ذکر کی بدعات

۱- لفظ مفرد کے ساتھ: ''اللہ، اللہ، کہہ کر اللہ عزوجل کا ذکر کرنا

۲- لفظ ''آہ، آہ، کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ذکر کرنا

۳- ذکر وتسبیح اور نبی ﷺ پر درود کو ایسے عدد کے ساتھ مقید کرنا جسے رسول اللہ ﷺ نے مشروع قرار نہیں دیا

۴- بہت زیادہ عدد محصور کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنا جو الشارع الحکیم نے بیان نہیں کیا

ششم: نبی ﷺ پر درود کی بدعات

۱- تعجب کے وقت نبی ﷺ پر درود

۲- ذکر وتسبیح اور نبی ﷺ پر درود کو ایسے عدد کے ساتھ مقید کرنا جسے رسول اللہ ﷺ نے مشروع قرار نہیں دیا

۳- ۴۴۴۴ مرتبہ درود ناریہ پڑھنا اور اس میں نبی ﷺ پر بدعتی درود کے بعض الفاظ ہیں

ہفتم: دعا کی بدعات

۱- مذاکرہ یا درس سے فارغ ہونے کے بعد کسی سے دعا کی درخواست کرنا

۲- "اللھم کما حسنت خلقی فحسن خلقی" دعا کو آئینہ دیکھنے کے ساتھ مقید کرنا

۳- دعا کے وقت چاند کی طرف رخ کرنا

۴- دعا: اے اللہ! اپنے نبی کے صدقے

۵- پندرہ شعبان کی رات دعا کرنا

تمہید

شرعی اذکار واوراد توقیفی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں وارد ہیں اور جو سنت مصطفیٰ ﷺ سے صحیح ثابت ہیں، لوگوں میں سے کسی شخص کو ذکر کے اختراع، بدعت یا کوئی ذکر بنانے کا حق حاصل نہیں، وہ اس میں کوئی کمی بیشی کر سکتا ہے نہ اس میں کوئی تبدیلی کر سکتا ہے خواہ معنی میں کوئی خرابی پیدا نہ ہوتی ہو، اسی طرح اذکار میں سے کسی ذکر کے لیے کوئی طریقہ اختراع کرنے کا کوئی حق حاصل ہے نہ کسی ہیئت کا نہ کسی طریقے کا اور نہ مکان وزمان کی تعیین و تقیید کا جو شرع کے مطابق نہ ہو۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صحیح الترغیب و الترهیب" (۱/ ۳۸۸) میں براء رضی اللہ عنہ کی روایت رقم (۶۰۳) پر شرح کرتے ہوئے فرمایا اور اس میں ہے:

...... جب میں "اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ" پر پہنچا تو میں نے کہہ دیا: "وَرَسُوْلِكَ"! آپ نے فرمایا: "نہیں، "وَنَبِیِّكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ." "

اس میں بڑی قوی تنبیہ ہے کہ اوراد و اذکار توقیفی ہیں، اس میں کمی بیشی کرنا جائز ہے نہ کسی لفظ کو بدلنا جائز ہے خواہ اس سے معنی میں کوئی خرابی پیدا نہ ہوتی ہو، بے شک لفظ "الرسول" لفظ "النبی" سے زیادہ عموم رکھتا ہے، اس کے باوجود نبی ﷺ نے اسے قبول نہیں فرمایا بلکہ اس کی تردید کی، اس کے باوجود کہ براء رضی اللہ عنہ نے اسے سہواً کہا تھا عمداً نہیں کہا تھا!

وہ بدعتی لوگ تو اس سے بہت آگے جا چکے ہیں جو ذکر میں کسی قسم کی زیادتی یا کمی کو کوئی حرج نہیں سمجھتے ؟! کیا کوئی عبرت ونصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ اسی طرح وہ خطباء ہیں جو خطبة الحاجة کو کمی بیشی اور تقدیم و تاخیر سے بدل دیتے ہیں، ان میں سے جو اللہ اور دار آخرت سے ملاقات کی امید رکھتا ہے اسے اس سے آگاہی حاصل کرنی چاہیے۔

اوّل: ...... قرآن کریم کی تلاوت کی بدعات

۱: یک زبان اور جمع ہو کر اکٹھے قرآن کی تلاوت کرنا:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "رياض الصالحين" (ص۱۳۶) میں حدیث رقم (۲۵۰) پر اپنی شرح میں بیان کیا: حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

((......وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِیْ بَیْتٍ مِّنْ بُیُوتِ اللّٰهِ یَتْلُونَ کِتَابَ اللّٰهِ وَیَتَدَارَسُونَهُ بَیْنَهُمْ......))

''...... جب لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور اسے آپس میں پڑھتے ہیں......''

یعنی وہ آپس میں قراءت میں شریک ہوتے ہیں، اور بھول جانے کے اندیشے کے پیش نظر وہ اسے بار بار پڑھتے ہیں اور یاد کرتے ہیں، اور دراست کی اصل یاد کرنا ہے، تدارس باب تفاعل مشارکت کے لیے ہے، جیسا کہ ''فیض القدیر'' میں ہے، اور احمد کی روایت (۲/۴۰۷) میں ہے: ''وہ قراءت کرتے ہیں، اللہ عزوجل کی کتاب کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، اسے آپس میں پڑھتے پڑھاتے ہیں۔'' اس کی سند صحیح ہے۔

رہا یک زبان ہو کر جمع ہو کر قرآن کی تلاوت کرنا تو یہ اس ضمن سے نہیں جس کو حدیث شامل ہے، کیونکہ وہ بدعت محدثہ ہے، وہ سلف کے عہد میں نہ تھی، جیسا کہ امام شاطبی نے اسے "الاعتصام" (۱/ ۳۵۷۔ ۳۸۸) میں برقرار رکھا ہے، اور امام مالک و دیگر نے اس کی تردید کی ہے جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ کی "التبیان" میں ہے، نص کے عمومات سے تمسک جس پر عمل نہ جاری ہو سلف کی فقہ سے نہیں، کیونکہ ہر بدعت جسے بعض لوگ اچھا سمجھتے ہوں وہ غالب طور پر عام دلیل سے خالی نہیں ہوتی جیسا کہ وہ اہل علم پر مخفی نہیں، اس بارے میں اس قول کی تفصیل کا موقع نہیں، اصول بدعات کے متعلق "الاعتصام" اور دیگر کتب کی طرف رجوع کریں۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الثمر المستطاب" (۲/۷۹۳۔۷۹۸) میں بیان کیا:

نووی نے "شرح مسلم" میں بیان کیا:

''کہا گیا: یہاں سکینت سے مراد رحمت ہے، قاضی عیاض نے اسے ہی اختیار کیا ہے، اور رحمت کے اس پر عطف کے حوالے سے ضعیف ہے، اور یہ بھی کہا گیا: اطمینان و وقار مراد ہے اور وہ احسن ہے۔ اس میں مسجد میں جمع ہو کر قرآن کی تلاوت کرنے کی فضیلت کی دلیل ہے، یہ ہمارا اور جمہور کا مذہب ہے، مالک نے فرمایا: یہ مکروہ ہے، ان کے بعض اہل علم نے اس کی تاویل کی ہے۔''

میں کہتا ہوں: ہو سکتا ہے وہ تاویل، جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ ہو جسے مالک نے اجتماع (اکٹھ) کے حوالے سے ناپسند کیا ہے جو آپ ﷺ کے طریقے کے خلاف ہے! جیسے یک زبان جمع ہو کر قراءت کرنا کیونکہ وہ بدعت ہے وہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے منقول ہے نہ کسی صحابی سے، نبی ﷺ بسا اوقات کسی ایسے شخص کو جو قرآن پڑھ رہا ہوتا حکم فرماتے کہ وہ بلند آواز سے قرآن پڑھے تاکہ آپ اس کی قراءت سنیں، جیسا کہ ابن مسعود آپ کو قرآن سنایا کرتے تھے، اور آپ نے فرمایا: ''میں اپنے علاوہ کسی اور سے قرآن سننا پسند کرتا ہوں۔'' اور عمر کسی شخص کو حکم

فرماتے جو ان کو اور ان کے ساتھیوں کو قرآن سناتا جبکہ وہ غور سے سنتے تھے، کبھی وہ ابوموسیٰ کو حکم فرماتے اور کبھی عقبہ بن عامر کو حکم فرماتے۔ حافظ ابن رجب نے اسے "جامع العلوم والحکم" (ص ۲۵۰) میں روایت کیا ہے، پھر انہوں نے بیان کیا:

"حرب نے ذکر کیا کہ انہوں نے دمشق، حمص، مکہ اور بصرہ والوں کو دیکھا وہ صبح کی نماز کے بعد قرآن پڑھنے کے لیے جمع ہوتے تھے، لیکن شام والے مجموعی طور پر بلند آواز سے ایک ہی سورت پڑھتے تھے، مکہ اور بصرہ والے اکٹھے ہوتے ان میں سے کوئی ایک دس آیات پڑھتا اور باقی لوگ خاموش رہتے تھے، پھر دوسرا دس آیات پڑھتا حتی کہ اس طرح کرتے ہوئے فارغ ہو جاتے، حرب نے کہا: یہ سب اچھا اور عمدہ ہے لیکن مالک نے شام والوں پر اس کا اعتراض کیا ہے۔"

میں کہتا ہوں: مالک نے جس پر اعتراض کیا ہے وہ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حق ہے، کیونکہ اس میں لوگوں نے سنت کی مخالفت کی ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

۲: سورۃ القریش کی قرائت کا اس اعتقاد کے ساتھ استحباب کہ وہ ہر سوء سے امان ہے:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱/ ۵۵۱) میں حدیث رقم (۳۷۲) کے تحت بیان کیا، نووی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"سورۃ القریش پڑھنا مستحب ہے، الامام السید الجلیل ابوالحسن القزوینی الفقیہ الشافعی، واضح کرامات والے، شاندار احوال والے، واضح معارف والے نے بیان کیا: کہ وہ ہر سوء سے امان ہے۔"

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے نووی رحمہ اللہ کے اس قول کا رد کرتے ہوئے کہا:

یہ بلا دلیل محض ایک دعوی کی بنیاد پر دین میں شریعت سازی ہے! انہیں کہاں سے پتہ چلا کہ وہ ہر سوء سے امان ہے؟! اسی طرح کی آراء جو کتاب میں وارد ہیں نہ سنت میں اس طرح شریعت کے تغیر و تبدل کا باعث ہیں کہ انہیں پتہ بھی نہیں چلتا، یہ تو اللہ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہوا ہے، اور حذیفہ بن یمان سے اللہ راضی ہو جب انہوں نے فرمایا:

"ہر عبادت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے نہیں کی تم بھی اسے نہ کرو۔"

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اتباع کرو، ابتداع نہ کرو۔ تمہارے لیے کافی رہے گا، تم پر امر عتیق (پرانے امر یعنی قرآن و حدیث) کی اتباع لازم ہے۔"

۳: تین دن سے کم مدت میں قرآن کی تلاوت مکمل کرنا خلاف سنت ہے: [1]

[1] وہ احادیث دیکھیں جن میں ہے کہ کتنی مدت میں قرآن کی تلاوت تکمیل کرنی چاہیے "الصحیحة" (احادیث رقم: ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۲۴۶۶).

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (٥/ ٦٠١) میں حدیث رقم (٢٤٦٦) کے تحت بیان کیا:

بعض سلف سے جو ثابت ہے وہ اس صحیح سنت کے خلاف ہے اس سے کسی اشکال ❶ میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے، ظاہر یہ ہے کہ وہ (سنت صحیحہ کی خبر) ان تک نہیں پہنچی، امام ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی عظیم کتاب "سیر اعلام النبلاء" (٧/ ٣٩/ ٢) میں حافظ وکیع بن الجراح کے حالاتِ زندگی میں جو کہا ہے وہ اچھا نہیں، ان سے مروی ہے کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے، اور ہر رات قرآن کی تلاوت کی تکمیل کیا کرتے تھے۔

''میں کہتا ہوں: یہ عبادت ہے اس کے آگے سر تسلیم خم کیا جاتا ہے، لیکن وہ اثری ائمہ میں سے ایک ایسے امام کے حوالے سے مرجوح ہے، ہمیشہ روزہ رکھنے کی ممانعت کے حوالے سے آپ ﷺ سے ممانعت صحیح ثابت ہے، اور آپ ﷺ سے یہ بھی صحیح ثابت ہے کہ آپ نے تین دن سے کم مدت میں قرآن کی تکمیل کرنے سے منع فرمایا، دین آسان ہے، اور سنت کی متابعت زیادہ بہتر ہے، اللہ وکیع سے راضی ہو، وکیع رحمہ اللہ کی مثل کہاں ہے؟......''

٤: تلاوتِ قرآن کی تکمیل کے موقع پر اجتماعی دعا:

"الفتاوی الهندية" (٥/ ٢٨٠) "الرد على التعقيب الحثيث" (ص٤٩)

٥: لوگوں کا جمع ہو کر (یک آواز) ایک ہی سورت پڑھنا:

"الباعث على انكار البدع والحوادث" (٥٨)، الاعتصام" (١/ ٣٤)، "الموافقات" (٣/ ٧٢).

"الرد على التعقيب الحثيث" (ص٤٩)

٦: قرآن کریم کو ترنم کے ساتھ پڑھنا: ❷

"الضعيفة" (١١/ ٥٢٥، ٥٢٧)

٧: مصحف کو چومنے کی بدعت:

ایک رسالے میں آیا ہے ''کس طرح واجب ہے کہ ہم قرآن کریم کی تفسیر کریں؟'' (ص٢٨-٣٢):

٨: مصحف کو چومنے کا کیا حکم ہے؟

یہ اس ضمن سے ہے، ہمارے اعتقاد کے مطابق۔ جو ان احادیث کے عموم میں داخل ہوتے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

---

❶ یعنی: جو سنت نے ثابت کیا ہے کہ کتنی مدت میں قرآن ختم کرنا چاہیے۔

❷ یعنی قرآن مجید کو قواعد تجوید کے خلاف طرز لگا کر اور گا کر پڑھنا بدعت ہے۔ (شہباز حسن)

''دین میں نئے نئے کام جاری کرنے سے اجتناب کرو، بے شک ہر نیا کام بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔'' [1] اور دوسری حدیث میں ہے: ''ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے؟ [2] بہت سے لوگوں کا اس طرح کی جزئیت کے بارے میں ایک خاص موقف ہے، وہ کہتے ہیں: اس سے کیا ہوتا ہے؟! (اس میں کیا ہے؟) وہ تو محض اس قرآن کریم کے لیے احترام و تعظیم ہے! ہم انہیں کہتے ہیں: تم ٹھیک کہتے ہو، اس میں قرآن کریم کے لیے احترام اور تعظیم ہے، لیکن کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ احترام اور تعظیم پہلے لوگوں یعنی رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اور تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد والوں پر مخفی رہی؟ کوئی شک نہیں کہ جواب وہی ہوگا جو علمائے سلف نے کہا: اگر وہ خیر و بھلائی اور نیکی کا کام ہوتا تو وہ اسے ہم سے پہلے بجالاتے۔

یہ چیز، اور دوسری چیز: کیا کسی چیز کو چومنے میں اصل جواز ہے یا اصل منع ہے؟

یہاں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت ذکر کرنا انتہائی ضروری ہے، تا کہ جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا ہے وہ نصیحت حاصل کر لے، اور آج مسلمانوں کی اپنے سلف صالحین سے، ان کے فہم سے اور ان کو پیش آنے والے معلملات کو حل کرنے کی حکمت سے دوری کو جان لے۔

وہ حدیث عابس بن ربیعہ سے ہے، انہوں نے کہا: میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھا اور وہ فرما رہے تھے:

((إِنِّیْ لَأَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، فَلَوْلَا أَنِّی رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ)) [3]

''میں خوب جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، تو نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع، اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔''

الفاروق کے اس کلام: ''اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا'' کا کیا معنی ہے؟!

تو عمر نے حجر اسود کو کیوں بوسہ دیا، وہ جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے: ''حجر اسود جنت سے ہے''؟! [4] تو کیا انہوں نے اسے اس سے صادر ہونے والے فلسفہ کے پیش نظر بوسہ دیا، تا کہ وہ کہیں جیسا کہ کسی مسئلے میں قائل کہتا ہے: یہ اللہ کا کلام ہے اور ہم اسے بوسہ دیتے ہیں؟! کیا عمر فرماتے: یہ پتھر آثار جنت میں سے ایک اثر ہے جس کا متقی لوگوں سے وعدہ کیا گیا ہے تو میں اسے بوسہ دیتا ہوں، مجھے رسول اللہ ﷺ سے کسی نص کی ضرورت نہیں جو مجھے

---

[1] "صحیح الترغیب و الترهیب" (۱/۹۲/۳٤). (منه)

[2] "صلاة التراویح" (ص۷۵). (منه)

[3] صحیح الترغیب والترهیب (۱/۹٤/٤۱).

[4] "صحیح الجامع" (۳۱۷٤).

اسے بوسہ دینے کی مشروعیت بیان کرے؟! یا اس مسئلہ جزئیہ سے اس طرح معاملہ کرتے جیسا کہ بعض لوگ آج اس منطق کے مطابق کہنا چاہتے جس کی طرف ہم دعوت دیتے ہیں، اور ہم اسے منطق سلفی کا نام دیتے ہیں، اور وہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع میں اخلاص ہے، اور کون روز قیامت تک آپ کی سنت کو اپناتا ہے؟ عمر کا موقف بھی اسی طرح تھا، وہ فرماتے ہیں: اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔

تو پھر اس طرح کے بوسہ دینے کے مسئلے میں اصل یہ ہے کہ ہم اس میں سنت ماضیہ پر عمل کریں! نہ کہ ہم ان امور کے خلاف فیصلہ کریں...... جیسا کہ ہم نے ابھی اشارہ کیا...... اور ہم کہیں: یہ تو اچھا کام ہے، اس میں کیا ہے؟! میرے ساتھ. زید بن ثابت کے موقف کو یاد کرو، کہ جب ابو بکر وعمر نے قرآن کو ضیاع سے بچانے کے لیے اسے ایک جگہ جمع کرنے کے لیے کہا تو انہوں نے فرمایا تھا:

''تم وہ کام کس طرح کرتے ہو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟!''

آج مسلمانوں کے ہاں دین کے بارے میں یہ فہم بالکل نہیں۔

جب مصحف کو بوسہ دینے والے سے کہا جائے، تم وہ کام کس طرح کرتے ہو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟! وہ آپ کو بہت عجیب قسم کا جواب دے گا، جیسے: میرے بھائی! اس میں کیا (حرج) ہے؟! اس میں قرآن کے لیے تعظیم ہی تو ہے! اسے کہیں: بھائی! یہ کلام تم پر ہی لوٹ آئے گا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی تعظیم نہیں کرتے تھے؟ کوئی شک نہیں کہ وہ قرآن کی تعظیم کرتے تھے، اس کے باوجود انہوں نے اسے بوسہ نہیں دیا۔ یا وہ کہیں گے، تم قرآن کو بوسہ دینے کے حوالے سے ہم پر اعتراض کرتے ہو! جبکہ تم خود تو گاڑی پر سواری کرتے ہو اور ہوائی جہاز میں سفر کرتے ہو، یہ چیزیں بھی تو بدعت ہیں؟! تم نے جو سنا اس کا رد اس طرح ہے کہ بدعت وہ ہے جو گمراہی ہے، ان میں سے وہ جو دین میں ہو۔

رہا دنیا کے بارے میں! جس طرح ہم نے ابھی سرسری طور پر دیکھا کہ وہ کبھی جائز ہوتا ہے اور کبھی حرام...... الخ، اور یہ چیز معروف ہے، اس کی مثال دینے کی ضرورت نہیں۔

وہ آدمی جو ہوائی جہاز پر سوار ہوتا ہے تاکہ وہ حج کے لیے بیت اللہ الحرام کی طرف سفر کرے! کوئی شک نہیں کہ وہ جائز ہے، اور وہ آدمی جو ہوائی جہاز پر سوار ہوتا ہے، پس وہ مغرب (یورپ) کی طرف قصد کر کے سفر کرتا ہے کوئی شک نہیں کہ یہ معصیت ہے، [1] اور اسی طرح (دیگر امور)

رہے امور تعبدیہ جب سائل ان کے بارے میں سوال کرے: کہ تم وہ کیوں کرتے ہو؟

وہ کہتا ہے: اللہ کے تقرب کے لیے!

---

[1] غیر مسلم ممالک میں محض دولت کمانے کی غرض سے آباد ہونا درست نہیں البتہ دعوت دین کی غرض کے پیش نظر جائز ہے۔ (شہباز حسن)

میں کہتا ہوں: اللہ تبارک تعالیٰ کے تقرب کے لیے بس وہی راہ ہے جسے اللہ نے مشروع قرار دیا ہے، لیکن میں ایک چیز کے ذریعے یاد دہانی کرانا اور نصیحت کرنا چاہتا ہوں، اور وہ...... میرے اعتقاد میں...... اس قاعدے کی تاسیس اور تقویت کے لیے انتہائی اہم ہے: ''ہر بدعت گمراہی ہے۔'' عقلی استحسان کے لیے قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

بعض سلف کہتے ہیں: جب کوئی بدعت جاری ہوتی ہے تو کوئی سنت ختم کر دی جاتی ہے۔

میں چونکہ ان امور کا جو کہ محدث ہیں تتبع کرتا رہتا ہوں اس لیے میں تو اس حقیقت کو ہاتھ کے چھونے کی طرح چھوتا اور محسوس کرتا ہوں، کیونکہ وہ (بدعت) کئی مواقع پر رسول اللہ ﷺ کے فرمان اور شریعت کی مخالفت کرتی ہے۔

اہل علم وفضل حق پر ہیں کہ جب ان میں سے کوئی تلاوت کے لیے قرآن پکڑتا ہے، تو تم انہیں اسے چومتے ہوئے نہیں دیکھو گے، وہ تو اس کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں، جبکہ عام لوگ...... جن کے میلانات میں کوئی ضابطہ نہیں ہوتا...... وہ کہتے ہیں: اس میں کیا ہے؟! جبکہ وہ اس کی تعلیمات پر عمل نہیں کرتے!

ہم کہتے ہیں: جب کوئی بدعت جاری ہوتی ہے تو کوئی سنت ختم کر دی جاتی ہے۔

دوم:...... حلقوں میں اجتماعی ذکر کی بدعات

۱: عید وغیرہ کے اجتماع پر یک آواز ہو کر بلند آواز سے تکبیر (اللہ اکبر) پڑھنا:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (۱/ ۳۳۱) میں عید کے دن عید گاہ کی طرف جاتے وقت (راستے میں) بلند آواز سے تکبیر پڑھنے کے سنت ہونے کے اثبات کے بارے میں اپنی تحقیق اور اس مسئلے میں لوگوں کی سستی اور کاہلی کے شکار ہونے کے حوالے سے فرمایا:

اس مناسبت سے اس کے متعلق یاد دہانی بہت خوب ہے: کہ اس موقع پر یک آواز ہو کر بلند آواز سے تکبیر پڑھنا مشروع نہیں جیسا کہ بعض لوگ یہ کرتے ہیں، اس طرح ہر ذکر اس میں آواز بلند کرنا مشروع ہو یا مشروع نہ ہو، اس میں اجتماع مذکور مشروع نہیں۔

۲: ذکر کرتے وقت حلقے بنانا، چیخنا اور دائیں بائیں جھومنا:

ہمارے شیخ البانی۔ قدس اللہ روحہ۔ نے "الضعیفة" (۱/ ٦٧) میں حدیث رقم (۱۱) کے تحت فرمایا:

اس حدیث [1] سے اس صورت پر ذکر کرنے کی مشروعیت پر استدلال مشہور ہو گیا ہے جس صورت پر بعض

---

[1] وہ عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے: کہ رسول اللہ ﷺ اپنی مسجد میں دو مجلسوں کے پاس سے گزرے، تو آپ نے فرمایا: ''دونوں خیر پر ہیں، جبکہ ان دونوں میں سے ایک اپنی ساتھ والی مجلس سے بہتر ہے، رہے وہ تو وہ اللہ سے دعا کر رہے ہیں اور اس سے مانگ رہے ہیں، اگر اس نے چاہا تو وہ انہیں دے دے گا، اور اگر اس نے چاہا تو وہ انہیں نہیں دے گا، رہے وہ لوگ تو وہ فقہ وعلم کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، اور لاعلم کو تعلیم دے رہے ہیں، تو وہ افضل ہیں، اور مجھے معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔'' ہمارے شیخ نے اس پر "الضعیفة" (۱۱) میں ضعیف ہونے کا حکم لگایا ہے۔

اہل طریقت ذکر کرتے وقت حلقے بناتے ہیں، دائیں بائیں اور آگے پیچھے جھومتے ہیں، وہ مشروع نہیں، اس پر قدیم فقہاء کا اتفاق ہے۔ مزید یہ کہ میری معلومات کے مطابق وہ حدیث صحیح نہیں، اس میں وہ نہیں جو انہوں نے کہا ہے، بلکہ اس میں زیادہ سے زیادہ اکٹھے ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا جواز ہے: جبکہ اس بارے میں صحیح احادیث ہیں جو کہ صحیح مسلم وغیرہ میں ہیں جو اس روایت سے بے نیاز کرتی ہیں، جبکہ وہ صرف مطلق اجتماع کے متعلق بتاتی ہے، رہا وہ جو اس کے ساتھ حلقے بنانے کا اضافہ کیا جاتا ہے، اور اس کے ساتھ جو رقص (دائیں بائیں اور آگے پیچھے جھومنے) کو ملایا جاتا ہے، تو وہ سب بدعات وگمراہی ہیں جن سے شرع دور رکھتی ہے۔

۳: اجتماعی حلقوں میں ذکر کرنا، اور کسی ایسے (معین) عدد کے ساتھ ذکر کرنا جو کہ وارد نہیں:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ابن مسعود کے طویل اثر کی تخریج اور ان کے ذکر کے حلقوں میں اکٹھے ہونے پر اعتراض وانکار کے بعد، جبکہ ہر حلقے میں ایک آدمی ہے، اور ان (حلقے والوں) کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں، وہ آدمی کہتا ہے: سو بار اللہ اکبر کہو، تو وہ سو بار اللہ اکبر کہتے ہیں...... ان حلقوں والوں کا انجام یہ نکلا کہ ان میں سے زیادہ تر نے جنگ نہروان میں صحابہ سے جنگ کی......جیسا کہ یہ عمرو بن سلمہ سے صحیح ثابت ہے......"الصحیحۃ" (۵/ ۱۳۔ ۱۴) میں حدیث رقم ۲۰۰۵ کے تحت فرمایا:

میں نے ابن مسعود کے حلقوں والوں کے ساتھ واقعہ کی وجہ سے اس کی تخریج کا قصد کیا، اس میں اصحابِ طریقت اور خلاف سنت ذکر کے حلقوں والوں کے لیے عبرت ہے، ان لوگوں کا یہ طریقہ ہے کہ جب کوئی ان کے اس خود ساختہ طریقہ ذکر کی تردید کرتا اور اعتراض کرتا ہے تو وہ اس پر الزام دیتے ہیں کہ یہ شخص تو ذکر ہی کا منکر ہے! جبکہ یہ (ذکر کا اصل سے انکار کر دینا) تو کفر ہے دنیا میں کوئی مسلمان ایسا عقیدہ نہیں رکھتا، وہ تو ان کیفیات وہیئات اور ان حلقوں کے اہتمام کا انکار کرتا ہے جو نبی ﷺ کے دور میں مشروع نہ تھے، تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان حلقوں والوں پر کس چیز کا انکار واعتراض کیا تھا؟ وہ یہی کہ کسی معین دن میں اکٹھے ہونا اور کسی ایسے معین عدد کے ساتھ ذکر کرنا جو شرع میں وارد نہیں، [1] جسے اس حلقے کا شیخ (پیر طریقت) محدود کرتا ہے اور اس کا اپنی طرف سے حکم دیتا ہے، گویا کہ وہ اللہ کی طرف سے قانون ساز ہے! ﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ﴾ (الشوریٰ: ۲۱) "کیا ان کے کچھ شریک ہیں کہ جنہوں نے ان کے لیے دین کا وہ طریقہ نکالا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔"

اس پر یہ اضافہ کر لیں کہ آپ ﷺ سے قول وفعل کے حوالے سے سنت ثابتہ انگلیوں کے پوروں پر تسبیح کرنا

---

[1] دیکھیں "الضعیفۃ" (۱/ ۱۹۲). بدعت: کسی ایسے معین عدد سے اللہ کا ذکر کرنا جو الشارع الحکیم نے بیان نہیں کیا۔ ہماری کتاب میں اس کی بہت زیادہ تفصیل ہے۔ (ص: ۶۹۹)

ہے: جیسا کہ وہ "الرد علی الحبشی" (ص ۱۰۔۱۳) میں واضح ہے، اور اس کے علاوہ میں بھی اس کی وضاحت ہے۔

اس حدیث اور قصے سے جو فوائد اخذ ہوتے ہیں، وہ یہ کہ کثرت عبادت کا اعتبار نہیں، اسے تو سنت کے مطابق اور بدعت سے دور ہونا چاہیے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے فرمان کے ذریعے اس کی طرف اشارہ کیا ہے:

((اِقْتِصَادٌ فِی سُنَّةٍ، خَیْرٌ مِنْ اِجْتِهَادٍ فِی بِدْعَةٍ)) [1]

"سنت میں میانہ روی بدعت میں اجتہاد سے بہتر ہے۔"

مزید یہ کہ: چھوٹی بدعت بڑی بدعت کی طرف پیام رساں ہے، کیا تم دیکھتے نہیں کہ وہی حلقوں والے بعد میں خارجی بنے جنہیں خلیفہ راشد علی بن ابی طالب نے قتل کیا؟ کیا کوئی عبرت پکڑنے والا ہے؟!

سوم:......شرعی الفاظ میں اضافہ کرنا یا ان میں سے کچھ الفاظ بدل دینا

❀ابتدائیہ: اوراد و اذکار توقیفی ہیں

ہمارے شیخ نے "صحیح الترغیب و الترھیب" (۱/ ۳۸۸) میں حدیث رقم (۶۰۳) کے تحت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت، جس میں ہے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْكَ......". انہوں نے کہا: "......جب میں ان الفاظ تک پہنچا "اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ"، (تو اس کے بعد) میں نے کہا: "وَرَسُوْلِكَ"! آپ نے فرمایا: "نہیں۔ "وَنَبِیِّكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ" ذکر کرتے وقت بیان کیا:

اس میں بڑی قوی دلیل ہے کہ اوراد و اذکار توقیفی ہیں، یہ کہ ان میں کمی بیشی کی تبدیلی کرنا جائز نہیں، خواہ وہ کسی ایسے لفظ کے ساتھ تبدیلی ہو جس سے معنی کی خرابی نہ ہوتی ہو، کیونکہ لفظ "الرسول" لفظ "النبی" سے زیادہ عموم رکھتا ہے۔ اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول نہیں کیا، مزید یہ کہ براء رضی اللہ عنہ نے اسے سہواً کہا تھا عمداً نہیں کہا تھا! کہاں یہ اور کہاں وہ بدعتی حضرات جو ذکر میں کمی بیشی کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے؟!

کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ اسی طرح وہ خطیب حضرات ہیں جو خطبۂ حاجت میں کمی بیشی کر کے تبدیلی کر دیتے ہیں اور اس میں تقدیم و تاخیر کر دیتے ہیں، تو ان میں سے جو اللہ اور دار آخرت کی امید رکھتا ہے وہ خبردار ہو جائے۔

۱: کھانے کے شروع میں لفظ "بسم اللہ" پر اضافہ:

ہمارے شیخ البانی قدس اللہ روحہ نے "الصحیحة" (۱/ ۱۵۲) کی حدیث رقم (۷۱) میں بیان کیا:

---

[1] ہمارے شیخ نے اسے "صحیح الترغیب" (رقم ۴۱) ط۔ المعارف) میں صحیح قرار دیا ہے، اور یہ فائدہ "التعلیقات الحسان" (۵/ ۴۲۸) میں ذکر کیا ہے۔

اس حدیث ❶ میں ہے کہ کھانا شروع کرتے وقت صرف ''بسم اللہ'' کہنا چاہیے اس پر اضافہ نہیں، اس باب میں ...... اس حدیث کی طرح ...... وارد تمام صحیح احادیث میں ان الفاظ ''بسم اللہ'' کے علاوہ کوئی لفظ نہیں، میں نہیں جانتا کہ وہ اضافی الفاظ کسی حدیث میں وارد ہوئے ہوں، وہ فقہاء کے نزدیک بدعت کے معنی میں ایک بدعت ہے۔ رہے مقلد حضرات! تو ان کا جواب معروف ہے: ''اس میں کیا برا ہے؟!''

ہمارے شیخ ...... اسکنہ اللہ فصیح جنانہ ...... نے "الصحیحة" (۱/ ۶۷۸) کی حدیث رقم (۳۴۴): "یَا غُلَامُ! اِذَا اَکَلْتَ فَقُلْ: بِسْمِ اللّٰہِ......" "لڑکے! جب تم کھانا کھاؤ تو کہو: بسم اللہ ......" کے تحت بیان کیا: اور اس کی مثل عائشہ کی مرفوع روایت ہے:

((اِذَا اَکَلَ اَحَدُکُمْ طَعَامًا ، فَلْیَقُلْ بِسْمِ اللّٰہِ......))

''جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو وہ ''بسم اللہ'' کہے......''

ترمذی نے اسے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا......

اور روایت عائشہ کو ابن القیم نے ''زاد المعاد'' میں صحیح قرار دیا، اور حافظ نے فتح الباری (۹/ ۴۵۵) میں اسے قوی قرار دیا اور کہا:

''بسم اللہ کی کیفیت بیان کرنے میں جو وارد ہے اس حوالے سے یہ سب سے زیادہ صریح ہے۔''

انہوں نے کہا:

رہا "الاذکار" میں کھانے کے آداب میں نووی کا قول: ''تسمیہ کی کیفیت جاننا انتہائی اہم ہے، افضل یہ ہے کہ یوں کہا جائے: بسم اللہ الرحمن الرحیم ، پس اگر اس نے کہا: بسم اللہ ، تو وہ اسے کفایت کرے گا اور سنت پر عمل ہو گیا۔'' پس میں نہیں جانتا کہ انہوں نے افضلیت کے حوالے سے کسی خاص دلیل کا دعویٰ کیا ہو۔''

میں ❷ کہتا ہوں: آپ ﷺ کی سنت سے کوئی چیز افضل نہیں، ''بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے'' تو جب کھانے پر تسمیہ کے حوالے سے ''بسم اللہ'' سے زیادہ الفاظ ثابت نہیں، تو پھر اس سے زیادہ الفاظ جائز نہیں، چہ جائیکہ وہ زیادہ الفاظ اس سے افضل ٹھہریں! اس لیے کہ اس کے متعلق وہ قول اس حدیث کے خلاف ہے۔ جس کی

---

❶ جب آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا جاتا آپ پڑھتے: ''بسم اللہ''۔

ہمارے شیخ نے "الکلم الطیب" (ص ۱۵۲) رقم (۱۹۰)۔ ط۔ المعارف) کی تخریج میں ابھی ذکر کردہ حدیث کے بعد فرمایا:

یہ "الاحادیث الصحیحة" (رقم ۷۱) میں منقول ہے، اس میں کھانا شروع کرتے وقت ''بسم اللہ'' سے زائد الفاظ پڑھنے کے بدعت ہونے پر تنبیہ ہے، اس کا مطالعہ کریں، وہ نبی ﷺ کی سنت سے محبت کرنے والوں اور اس (سنت) کی اتباع کی انتہائی کوشش کرنے والوں کے لیے اہم ہے۔

❷ کہنے والے شیخ البانی رحمہ اللہ ہیں۔

طرف ہم نے اشارہ کیا ہے: ''بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔'' ہمارے شیخ قدس اللہ روحہ نے "الصحیحة" (١/ ٦٨١) کی حدیث رقم (٣٤٦) کے تحت بیان کیا، اور اس کی نص یہ ہے:

''جب میں تمہیں کوئی حدیث بیان کروں تو (بیان کرتے وقت) مجھ پر اضافہ نہ کرو......''

اس حدیث میں واضح آداب اور روشن فوائد ہیں، ان میں سے زیادہ اہم: آپ ﷺ کی حدیث میں اضافہ کی ممانعت ہے، اگر اس کا معنی یہ ہے کہ اس حدیث کو روایت کرنے اور اسے نقل کرنے میں اضافے کی ممانعت ہے، تو پھر یہ اس اضافے کی ممانعت پر بھی دلالت کرتی ہے جو اجر میں اضافے کے حصول کے قصد سے عبادت کرنے میں کی جائے، اس اضافے کی سب سے واضح صورت آپ ﷺ سے ثابت اذکار پر اضافہ ہے، مثلاً کھانے پر بسم اللہ پڑھتے وقت "الرحمن الرحیم" کا اضافہ، جس طرح کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ آپ ﷺ کا فرمان: ''قل: بسم اللہ'' روایت کرتے وقت "الرحمن الرحیم" کا اضافہ کرے، پس اسی طرح اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ کھانے پر یہ اضافی الفاظ "الرحمن الرحیم" پڑھے! کیونکہ یہ نص پر فعلاً اضافہ ہے، تو یہ بالأولی منع ہے! اس لیے کہ آپ ﷺ کا فرمان: ''قل: بسم اللہ'' عمل کے لیے تعلیم ہے، جب تعلیم میں اضافہ جائز نہیں جو کہ فعل کا ذریعہ ہے، تو پھر فعل میں اضافہ جائز نہیں جو کہ انتہائی ضروری مقصد ہے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الارواء" (٧/ ٣١) میں حدیث [1] رقم (١٩٦٨) کے تحت بیان کیا:

تنبیه: ...... تمام طرق میں حدیث کا لفظ: "وَسَمِّ اللّٰهَ" ہے، البتہ پہلے طریق سے طبرانی کی روایت میں یہ لفظ ہے:

((یَا غُلَامُ اِذَا اَکَلْتَ فَقُلْ: بِسْمِ اللّٰهِ .))

''لڑکے! جب تو کھانا کھائے تو کہہ: بسم اللہ''

شیخین کی شرط پر اس کی اسناد صحیح ہے۔

اس میں دوسری روایت میں جو مطلق طور پر مروی ہے اس کا بیان ہے، کہ کھانا کھاتے وقت مسنون تسمیہ یہی ہے کہ اختصار کے ساتھ صرف ''بسم اللہ'' کہا جائے اسے یاد رکھیں، جو سنت کی قدر کرتے ہیں ان کے ہاں یہ اہم ہے، اور وہ اس پر اضافے کو جائز نہیں جانتے۔

۲: چھینک مارنے والے کا "الحمد للہ" کہہ کر نبی ﷺ پر درود کا اضافہ کرنا:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (١/ ١٥٢-١٥٣) میں حدیث رقم (١٧) کے تحت بیان کیا:

---

[1] وہ عمرو بن ابوسلمہ کی روایت ہے: ''لڑکے! اللہ کا نام لے......''

[2] یعنی کھانے کے شروع میں بسم اللہ سے زیادہ الفاظ پڑھنا، ''کھانے سے پہلے بسم اللہ سے زیادہ الفاظ پڑھنے کی بدعت'' دیکھیں۔ اس کا بیان اس سے پہلے گزرا ہے۔

......کیا یہ اضافہ ❶ چھینک مارنے والے کا ''الحمد للہ'' کہہ کر نبی ﷺ پر درود کے اضافے کی طرح ہے؟!

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار کیا ہے، جیسا کہ ''مستدرك الحاكم'' (٤/ ٣٦٥) میں ہے اور سیوطی نے ''طحاوی للفتاوی'' (١/ ٣٣٨) میں جزم کے ساتھ کہا ہے کہ وہ بدعت مذمومہ ہے، اور ابن عابدین نے ''الحاشية'' (١/ ٥٤١) میں اس کو مکروہ قرار دیا ہے، کیا مقلد حضرات اس سبب کا جواب دے سکتے ہیں جس نے سیوطی کو اس کے متعلق جزم کے ساتھ کہنے پر آمادہ کیا؟! ان میں سے کوئی جلدی سے...... جیسا کہ ان کی عادت ہے...... ان پر الزام لگاتے ہوئے کہتا ہے: وہ وہابی ہیں! حالانکہ سیوطی کی وفات محمد عبدالوہاب کی وفات سے تقریباً تین سو سال پہلے ہوئی!!

اور شیخ رحمہ اللہ نے ''الصحيحة'' (١/ ٦٨١-٦٨٢) میں بیان کیا:

......کیا تم ابن عمر رضی اللہ عنہما کو نہیں دیکھتے کہ انہوں نے چھینک مارنے کے بعد الحمد للہ کہہ کر نبی ﷺ پر درود کا اضافہ کرنے والے پر اعتراض کیا ہے، اور اس دلیل کی بنیاد پر کہ وہ آپ ﷺ کی تعلیم کے خلاف ہے، اور انہوں نے اسے کہا: ''میں بھی کہہ سکتا ہوں: الحمد للہ، والسلام علی رسول اللہ، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس طرح تعلیم نہیں دی، آپ نے ہمیں تعلیم دی کہ جب ہم سے کوئی چھینک مارے تو وہ ہر حال میں کہے: الحمد للہ؟''

حاکم نے اسے ''المستدرك'' (٤/ ٢٦٥-٢٦٦) میں بیان کیا، اور کہا:

''صحیح الاسناد'' اور ذہبی نے ان سے موافقت کی، اور وہ اسی طرح ہے جس طرح ان دونوں نے کہا یا اس کے قریب ہے، پس دیکھیں: ''المشكاة'' (٣/ ٣٤١) تحت حدیث رقم (٤٧٤٤) ❷ اور ''الارواء'' (٣/ ٣٤٥)

جب آپ نے یہ وضاحت جان لی تو وہ حدیث ❸ دین وعبادت میں اضافے کے رد پر بہت سے دلائل میں سے ہے، اس پر غور کریں اور اسے یاد رکھیں، وہ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مخالفین کی تسلی و تشفی میں تمہیں فائدہ دے گی، اللہ تعالیٰ ہمیں اور انہیں صراط مستقیم کی ہدایت نصیب فرمائے۔

---

❶ یعنی کھانے کے شروع میں بسم اللہ سے زیادہ الفاظ پڑھنا، ''کھانے سے پہلے بسم اللہ سے زیادہ الفاظ پڑھنے کی بدعت'' دیکھیں۔ اس کا بیان اس سے پہلے گزرا ہے۔

❷ شیخ رحمہ اللہ نے وہاں بیان کیا: ادب ماموراس طرح نہیں ہے کہ چھینک کے وقت الحمد للہ کے ساتھ ''سلام'' کو بھی ملا لیا جائے، بلکہ ادب کا تقاضا ہے کہ کسی کمی بیشی کے بغیر امر کی متابعت کی جائے۔ یہ هداية الرواة الى احاديث المصابيح والمشكاة (٣٥٢/٤) میں منقول ہے۔

❸ وہ حدیث یہ ہے: ''جب میں تمہیں کوئی حدیث بیان کر دوں تو اسے بیان کرتے وقت مجھ پر زیادہ الفاظ بیان نہ کرو......'' دیکھیں: ''الصحيحة'' (٣٤٦).

ہمارے شیخ (جزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین خیرًا) نے "الضعیفة" (۲/ ۲۹۴) میں اس عنوان کے تحت بیان کیا:

تنبیہ: ...... علماء نے جب اس بدعت ❶ کا انکار کیا، تو ان میں سے کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں آنی چاہیے کہ وہ نبی ﷺ پر درود کی مشروعیت کا انکار کرتے ہیں! بلکہ وہ تو اسے ایسی جگہ پڑھنے کا انکار کرتے ہیں جہاں پڑھنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے تعلیم نہیں دی، یا اس (درود) کو ایسی صفت اور ہیئت کے ساتھ ملا دیا جائے جسے اس نے اپنے نبی ﷺ کی زبانی مشروع قرار نہیں دیا، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح ثابت ہے کہ ایک آدمی نے چھینک ماری...... ❷

دیکھیں ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کس طرح الحمد کے ساتھ درود بیان کرنے کا اس دلیل کے ساتھ انکار کیا کہ آپ ﷺ نے یہ نہیں کیا، اس کے ساتھ تصریح بھی کی کہ وہ نبی ﷺ پر صلاۃ پڑھتے ہیں اور آپ نے یہ کسی شخص کے دل میں پیدا ہونے والے اس خیال کو دور کرنے کے لیے فرمایا کہ کہیں وہ یہ نہ سوچے کہ وہ آپ ﷺ پر درود صلاۃ کا کلی طور پر انکار کرتے ہیں، جیسا کہ بعض جاہل جس وقت سنت کے حامیوں کو اس جیسی بدعت کا انکار کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو وہ اس وہم کا شکار ہو جاتے ہیں، اور وہ انہیں الزام دیتے ہیں کہ وہ آپ ﷺ پر درود کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اتباع سنت کی ہدایت نصیب فرمائے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الادب المفرد" ❸ سے ابن عمر کے اثر رقم (۹۳۳) پر شرح کرتے ہوئے کہا: کہ جب وہ چھینک مار کر الحمد للہ کہے، تو کہا جاتا: "یَرْحَمُكَ اللّٰه" تو وہ کہتے: "یَرْحَمُنَا اللّٰهُ وَإِیَّاكُمْ، وَیَغْفِرُ لَنَا وَلَكُمْ" ہمارے شیخ نے حاشیہ میں اس پر تعلیقاً کہا:

ابن عباس کے اثر رقم (۹۲۹) پر شرح دیکھیں، اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بڑے حکیمانہ انداز سے چھینک مارنے کے حوالے سے الحمد للہ کے مسنون طریقے پر اضافے کا انکار ثابت ہے کہ مخالف کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ وہ اس وہم کا شکار ہو کہ انہوں نے مشروعیت کی اصل کا انکار کیا ہو کہ انہوں نے انکار کیا جیسا کہ بعض لوگ آج اس جیسے انکار سے وہم کا شکار ہو جاتے ہیں، چہ جائیکہ اس پر انکار کے حوالے سے جلدی کرے...... آخر تک

فائدہ کے لیے، تاکہ جو کلام بیان ہوا ہے اس میں کسی استدلال کرنے والے کے لیے کوئی حجت باقی نہ رہے! ہم شیخ کی ان تعلیقات سے نقل کریں گے جنہیں انہوں نے "الأدب المفرد" ❹ کی تحقیق میں لکھا، ہم کہتے ہیں:

---

❶ شیخ اس بدعت کا قصد کرتے ہیں: اقامت سے پہلے نبی ﷺ پر بلند آواز سے صلاۃ وسلام پڑھنا۔ دیکھیں: "الضعیفة" (۲/ ۲۹۴).

❷ اس اثر کا ذکر ابھی قریب ہی گزرا ہے۔

❸ "صحیح الادب المفرد" (ص ۳۴۵۔۳۴۶) رقم (۷۱۴/۹۳۳)۔ ط. مکتبہ الدلیل۔

❹ صحیح الادب المفرد (ص: ۳۴۴) رقم (۷۱۲/ ۹۳۱) ط: مکتبة الدلیل

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ابن عباس کے درج ذیل اثر پر تعلیقاً بیان کیا اور وہ "الادب المفرد" میں رقم ۹۲۹ کے تحت ہے اور شیخ نے اس پر حکم لگایا کہ وہ صحیح الاسناد ہے۔

ابو جمرہ نے بیان کیا: میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو چھینک مارنے والے کو ان الفاظ کے ساتھ جواب دیتے ہوئے سنا: "عَافَانَا اللّٰهُ وَإِيَّاكُمْ مِنَ النَّارِ۔ يَرْحَمُكُمُ اللّٰهُ."

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ابن عباس کے اثر کے پہلے جملے پر حاشیے میں تعلیقاً فرمایا:

یہ جو اضافہ ہے میں نے مرفوع میں اس کا کوئی شاہد نہیں پایا، ہوسکتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی پابندی نہ کی ہو، اور ابن عمر کا درج ذیل اضافہ (۹۳۳): "وَإِيَّاكُمْ" کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا۔ تو اس بارے میں جو مرفوع احادیث میں ہے وہ یہ ہے: "يَرْحَمُكَ اللّٰهُ......" پس اسی پر عمل کرنا چاہیے اور سنت کی پابندی زیادہ اہم ہے۔

۳: خطبہ حاجت میں "ونستهديه" کا اضافہ:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "النصيحة" (ص۸۸) میں فرمایا:

اس پر تنبیہ و آگاہی کرنا رہ نہ جائے کہ لفظ، "نستهديه"......ابن القیم کے سیاق میں......اضافہ ہے، طرق حدیث کے حوالے سے کسی چیز میں اس کی کوئی اصل نہیں۔

اور یہ اضافہ "نستهديه" ہم بعض عرب ممالک میں بڑے حسین انداز میں خطاب کرنے والے بعض خطباء سے بہت زیادہ سنتے ہیں، اس لیے اس پر تنبیہ لازم ہوئی، کیونکہ اذکار و اوراد توقیفی ہیں۔ جیسا کہ وہ اهل السنة کے نزدیک سنت سے معلوم ہیں۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنی بہت مفید کتاب "ضعيف الترغيب والترهيب" (۱/۳) کے مقدمے میں بیان کیا:

بعض خطباء یہاں یہ اضافہ کرتے ہیں: "ونستهديه"، اس اضافے کی اس خطبہ کریمہ میں جو کہ خطبہ حاجت سے معروف ہے اس کے ان تمام طرق میں سے، جنہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک رسالے میں جمع کیا، کسی چیز میں کوئی اصل نہیں، اور اس میں بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات اس کے بعد سورۂ آل عمران، سورة النساء اور سورة الاحزاب سے تین آیات، [1] جو کہ معروف ہیں، پڑھا کرتے تھے، ان (خطباء) میں سے بعض ان میں سے جس آیت کو چاہتے ہیں مقدم کرتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں مؤخر کرتے ہیں، اور بسا اوقات وہ اس خطبے میں ان

---

[1] یہ دراصل تین سورتوں کی آیات ہیں، ان میں ایک آیت سورۃ اٰل عمرٰن کی، ایک آیت سورۃ النساء کی جبکہ دو آیات سورۃ الاحزاب سے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ کل چار آیات بنتی ہیں تاہم مقامات تین ہی ہیں۔ (شہباز حسن)

الفاظ کا اضافہ کر دیتے ہیں جو اس میں سے نہیں، اور وہ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ یہ آپ ﷺ کے طریقے کے خلاف ہے، اور اوراد میں تصرف جائز نہیں، خواہ صرف ایک لفظ کی تبدیلی سے ہو، حتیٰ کہ اگر معنی میں بھی کوئی تبدیلی نہ آئے، ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنی علمی کتاب "الرد المفحم" (ص۵) میں بیان کیا: بعض خطباء اور دیگر لفظ "ونستهديه" کا یا اس کے علاوہ کسی اور لفظ کا اضافہ کر دیتے ہیں! ❶ پس آگاہی کے لیے درخواست ہے کہ یہ لفظ وارد نہیں، تو رسول اللہ ﷺ کی تعلیم میں اضافہ جائز نہیں جیسا کہ وہ معلوم ہے۔ ❷

چہارم:......سبحان اللہ کہنے اور تسبیح کی بدعات

ا: ایک ساتھ دونوں ہاتھوں پر تسبیح پڑھنا:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الكلم الطيب" (ص۱۱۳) میں حدیث رقم (۱۱۲) ط۔ ❸ المعارف کی تخریج میں اور "صحيح الكلم الطيب" (ص۶۷) میں بیان کیا:

دونوں ہاتھوں پر تسبیح پڑھنا خلاف سنت ہے، کسی مسلمان کے لیے کس طرح لائق ہے کہ وہ بائیں ہاتھ پر تسبیح پڑھے جس کے ساتھ وہ ناک جھاڑتا ہے اور اس کے ساتھ استنجا کرتا ہے؟!

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صحيح الترغيب والترهيب" (۲/ ۲۳۸) میں حدیث رقم (۱۵۶۴) کے تحت حدیث کے آخر میں راوی کے قول پر تعلیقاً بیان کیا: "فَعَقَدَ الْأَعْرَابِيُّ سَبْعاً فِيْ يَدَيْهِ" "اس اعرابی نے اپنے دونوں ہاتھوں میں سات شمار کیے۔" "الشعب" (۳۵۵/۱) میں ((یده)) (اپنے ہاتھ پر) مفرد ذکر ہے، اس طرح وہ "ضیاء المقدسی" کی "الاحاديث المختارة" (۲/ ۲۴/ ۱) میں ہے، اور اسی طرح وہ ابن ابی اوفیٰ کی روایت کے بعض طرق میں ہے...... ❹

اس سے دونوں ہاتھوں پر تسبیح کرنے کی شرعیت پر استدلال جائز نہیں، جیسا کہ بعض جاہل کرتے ہیں، جبکہ سنت صحیحہ اس کے خلاف ہے۔

ہمارے شیخ نے "صحيح الأدب المفرد" (ص۴۷۱) رقم (۹۲۲/۱۲۱۶)۔ ط۔ مکتبہ الدلیل) میں فرمایا:

......عقل مند شخص شک نہیں کر سکتا کہ دایاں ہاتھ کھانے کی نسبت تسبیح کا زیادہ حق دار ہے، اور یہ جائز نہیں کہ

---

❶ ونومن به ونتوكل عليه کے الفاظ بھی صحیح سند سے ثابت نہیں۔ (شہباز حسن)

❷ اس طرح ہمارے شیخ کی اغاثة اللهفان (۱/۱۵۱-۱۵۲۔ ط: دار ابن الجوزی) کی تعلیق میں ہے۔ انہوں نے اس کا ممانعت کے ضمن میں تذکرہ کیا ہے، یہ کہ اوراد توقیفی ہیں۔

❸ تخريج "الكلم الطيب" (ص: ۶۹) رقم: (۱۱۱) ط: المكتب الاسلامی.

❹ دیکھیں: "صحيح الترغيب" (۱۵۶۱).

اسے اس کے ساتھ ملایا جائے ’’جس میں گندگی ہے‘‘! اور یہ واضح ہے اس میں کوئی بات پوشیدہ نہیں، ان شاء اللہ، مجموعی طور پر یہ ہے کہ جس نے بائیں ہاتھ پر تسبیح شمار کی اس نے نافرمانی کی، اور جس نے ایک ساتھ دونوں ہاتھوں پر تسبیح کی جیسا کہ بہت سے لوگ کرتے ہیں تو اس نے ﴿خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَیِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ﴾ (التوبۃ: ۱۰۲) (اور ملے جلے عمل کیے کچھ اچھے اور کچھ برے امید ہے کہ اللہ ان پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائے۔) اور جس نے اسے دائیں کے ساتھ خاص کیا تو اس نے ہدایت پائی اور سنت مصطفیٰ ﷺ پر عمل کیا۔

۲: کنکریوں پر (تسبیح) شمار کرنا:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الرد علی التعقیب الحثیث" (ص۵۴) میں بیان کیا:

’’ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کنکریوں پر تسبیح شمار کرنے والوں کو گمراہی کی دم تھامنے والے قرار دیا۔‘‘ [1]

۳: تسبیح (دانوں کا مجموعہ جن پر گن کر تسبیح پڑھی جاتی ہے):

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اس مسئلے، یعنی: حبشی کی سنت معروفہ...... یعنی انگلیوں کے پوروں پر تسبیح پڑھنا...... کے برعکس تسبیح کے استعمال کے بارے میں تجویز کے حوالے سے شیخ حبشی الہروی پر رد کرتے ہوئے بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا جسے آپ اسے کسی اور جگہ نہ پائیں گے، انہوں نے تسبیح کی مشروعیت کے بارے میں اس (تسبیح) کے زمان اور اس کے لفظ کی لغت میں اصل کے وجود کے حوالے سے مناقشہ کیا ہے، اس کے علاوہ کہ وہ اس سے اس بارے میں وارد احادیث میں اور اس کے ضعف کے بیان کے بارے میں اور سلف کے ترک بدعت اور اس مسئلے میں اور اس کے علاوہ دیگر مسائل میں اتباع پر آمادہ کرنے والے آثار کے بارے میں مناقشہ کرتے، جیسے منارۂ اذان اور غیر مقید مشروع ذکر......

اور تاکہ ہم اپنے آپ کو اور اپنے قارئین بھائیوں کو ان مفید اور اہم فوائد سے محروم نہ رکھیں گے، ہم "الرد علی الحبشی" میں سے تسبیح کے بدعت ہونے کے مسئلے کے متعلق کچھ نقل کریں گے، اور جو کوئی تفصیل چاہتا ہو تو وہ اصل رسالے کی طرف رجوع کرے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الرد علی الحبشی" (ص۳) میں بیان کیا:

’’...... بلکہ مکمل بات تو ایسے ہی ہے کہ تسبیح بدعت ہے، کیونکہ وہ انگلیوں کے پوروں پر تسبیح شمار کرنے کی سنت کے خلاف ہے۔‘‘

شیخ رحمہ اللہ نے اس کتاب کے (ص۷) میں بیان کیا:

---

[1] ابن مسعود کی یہ روایت "الصحیحۃ" (۵/ ۱۳)، "نقد الکتانی" (ص ۱۰۔۱۱) اور "التعقیب الحثیث" (ص۴۴۔۴۵) میں دیکھیں۔

اور تسبیح کی بدعت اور اس کی سنت سے مخالفت پر میں نے اس "المقال" میں دلائل پیش کیے جن پر تسبیح "الحبشی" نے رد کیا کہ تسبیح بدعت ہے، (جو کہ شیخ رحمہ اللہ کا موقف ہے اس پر حبشی نے رد کیا ہے)

اور یہ کہ اس پر تسبیح شمار کرنا انگلیوں کے پوروں پر تسبیح کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کی مخالفت ہے، اور میں نے ان دونوں امور کو اس حدیث ❶ کے بطلان اور اس کے وضع پر دلالت کرنے والے قرائن سے شمار کیا، لیکن شیخ (حبشی) کو اس نے خوش نہ کیا۔

رہا پہلا قرینہ ❷ تو اس نے اسے ایک ظاہر مغالطے کی وجہ سے رد کیا اور وہ (ص ۱۰) پر ہے:

''کاش مجھے معلوم ہوتا یعنی ایسی کوئی عقل ہوتی جو قطعی طور پر میری راہنمائی کرتی کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تسبیح کا وجود نہیں تھا۔''

مغالطے کی وجہ: میں نے اس عہد مبارک میں ...... عقلاً ...... تسبیح کے وجود کے عدم امکان کا دعویٰ نہیں کیا۔ کیونکہ یہ اس زمرے میں نہیں'' جس کے وجود کا عقل میں قطعاً تصور نہیں کیا جا سکتا، اور تسبیح مسائل نظریہ میں سے نہیں جس کے امکان یا عدم امکان کا عقل فیصلہ کرتی ہے، وہ تو ان مسائل سے ہے جو تاریخ سے متعلق ہیں کہ وہ موجود تھے یا نہیں تھے، جب یہ علماء کے ہاں تسلیم شدہ ہے کہ تسبیح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نہیں تھی وہ تو دوسری صدی میں ایجاد ہوئی، تب یہ اس حدیث کا اس اعتبار سے انکار ہو جاتا ہے کہ وہ صحابہ کو ایک ایسے کام پر آمادہ کرتی ہے جسے وہ جانتے ہی نہیں، اور یہ ...... میری مراد: آمادہ کرنا ...... اس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صدور غیر معقول ہے جبکہ تسبیح کا وجود ہی نہیں، پس اس نے حدیث کے وضع اور اسے وضع کرنے والے کے تسبیح کی تاریخ سے نابلد ہونے پر دلالت کیا۔

ہم ان قرائن سے ایک اہم قرینے کا سہارا لیتے ہیں جن سے ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے استدلال کیا وہ تسبیح کا لغت عرب میں عدم وجود ہے، پس ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الرد علی الحبشی" (ص ۱۳۔۱۴) میں بیان کیا:

تسبیح والی روایت کے بطلان پر تیسرا قرینہ: میں اعتقاد رکھتا ہوں کہ جو کچھ بیان ہو چکا وہ روایت کے اس کے معنی کے حوالے سے بطلان پر شیخ کے اطمینان کے لیے کافی کچھ ہے، لیکن اس کے باوجود کہ جو کچھ بیان ہو چکا میں اس میں اس کے بطلان پر ایک اور قرینے کا اضافہ کرتا ہوں، میں کہتا ہوں:

❶ ''تسبیح بہترین یاد کرانے والی ہے''۔ "الضعیفة" (۱/ ۶) اور "الضعیفة" کی حدیث رقم (۸۳) ط۔ المعارف دیکھیں۔

❷ رہا دوسرا قرینہ وہ سبحان اللہ کا تسبیح کے ذریعے شمار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انگلیوں کے پوروں پر تسبیح کرنے کے طریقے کے خلاف ہے، ہمارے شیخ نے اس قرینے میں شیخ حبشی کا مناقشہ کیا، بات لمبی نہ ہو جائے اس لیے ہم قاری محترم کو ہم مصدر مذکور کے (ص ۱۰۔۱۳) پر توجہ دلاتے ہیں۔

"لسـان العـرب" میں ان الفاظ کے ساتھ بیان ہوا ہے:"السبـحـة": وہ ڈورے میں پروئے ہوئے گھونگے ہیں جن کے ذریعے تسبیح کرنے والا اپنی تسبیح کو شمار کرتا ہے، اور وہ (السبحة) ایک نیا کلمہ ہے۔"

اور الزبیدی کی "شرح القاموس" میں ہے:''وہ ایک نیا کلمہ ہے، الازہری نے کہا: ہمارے شیخ نے کہا: یہ (السبـحـة) لغت میں ہے نہ عرب اسے جانتے ہیں، یہ ابتدائی دور میں ذکر پر یاد دہانی اور چاک وچو بند رکھنے پر اعانت کے لیے وجود پذیر ہوئی۔''

اور لغت کے علوم وآداب میں تسلیم شدہ ہے: کہ "الـمـؤلـد" (بنائے ہوئے نئے الفاظ) جسے ایجاد کرنے والے ایجاد کرتے ہیں ان کے الفاظ سے استدلال نہیں کیا جاتا، وہ لوگ ابتدائی دور کے بعد پائے گئے۔ ❶

یہ اس پر ظاہر دلالت کرتا ہے کہ وہ حدیث ابتدائی زمانے کے بعد گھڑی گئی، کیونکہ لفظ "السبـحـة" آپ ﷺ کی لغت سے ہے نہ آپ کے اصحاب کی لغت سے ہے، لغت کی معرفت رکھنے والے اس کی شہادت دیتے ہیں، پس یہ ان قرائن میں سے ہے جن کی طرف حافظ نے یوں اشارہ کیا ہے:''اور جن قرائن سے موضوع روایت کا ادراک ہوتا ہے ایک صورت وہ ہے جو روایت کی حالت سے اخذ کی جاتی ہے۔''

واضح ہوا کہ دانوں رمنکوں والی تسبیح اپنی اصلیت اور نام کے لحاظ سے ایجاد کی گئی ہے، اور یہ بات اس روایت کے موضوع ہونے پر قطعی دلالت کرتی ہے۔ واللہ الموفق

پھر ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "التعقيب الحثيث" (ص ٥٣۔٥٤) میں بیان کیا:

پھر اس شیخ (حبشی) نے کہا: کیا تم سلف میں سے کسی ایک کو جانتے ہو کہ اس نے تسبیح کی اس طرح مخالفت کی ہو جس طرح تم مخالفت کرتے ہو، اور اس سے صحیح اسناد کے ساتھ تم تک یہ بات پہنچی ہو۔'' ❷

میں کہتا ہوں: ہاں، سن لو وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں، انہوں نے تو اس چیز کی بھی مخالفت کی جو کہ تسبیح سے کم درجے کی ہے وہ کنکریوں پر شمار کرنا ہے، اور انہوں نے ایسا کرنے والوں کو گمراہی کی دم تھامنے والے شمار کیا! جیسا کہ ہم نے اسے ان سے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا: ﴿فَهَلۡ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ (القمر: ١٥) "کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟"

تابعین میں سے جس نے تسبیح کی مبالغے کی حد تک تردید کی ہے انہوں نے تسبیح کے لیے دھاگہ بٹنے کے عمل کو بھی ایک منکر عمل شمار کیا ہے! تو کیا تسبیح کی تردید کے بارے میں اس سے کوئی زیادہ بلیغ چیز ہو سکتی ہے؟! امام ابن ابی شیبہ نے "الـمـصـنـف" (٢/ ٨٩/ ٢) میں روایت کیا: حـدثـنـا حـمـيـد بن عبدالرحمن، عن

---

❶ سیوطی کی "المزهر في علوم اللغة وانواعها" (١/ ٣٠٤) اور "خزانة الأدب" (١/ ٤) دیکھیں۔ (منہ)

❷ جیسا کہ ہمارے شیخ رحمہ اللہ اس کے متعلق بتاتے ہیں: کہ وہ صحابہ سے وارد آثار نہیں جانتا، انہوں نے حبشی پر اپنے رد میں ایک فصل قائم کی ہے، انہوں نے اس کا نام رکھا ہے: "جهل الشيخ بآثار الصحابة" (ص ٤٤)

حسن، عن ابراهيم بن المهاجر، عن ابراهيم: "کہ وہ اپنی بیٹی کو تسبیح، جس پر تسبیح شمار کی جاتی ہے، کے دھاگے بٹنے پر عورتوں کی معاونت کرنے سے منع کیا کرتے تھے۔"

میں کہتا ہوں: یہ سند جید ہے اس کے سارے راوی ثقہ ہیں اور مسلم کے راوی ہیں......

جب امام مذکور ❶ کی تسبیح کے دھاگے بٹنے کے متعلق یہ رائے ہے، تو پھر تسبیح کے متعلق ان کی رائے کیا ہو گی؟ کوئی شک نہیں کہ وہ اس کی بہت سخت تردید کرنے والے ہوں گے۔

پھر شیخ (حبشی) نے کہا: "جب تم نے یہ نہ پایا تو پھر تم کس کے ساتھ ہو؟"

میں کہتا ہوں: ہم نے تمہاری توقعات کے برعکس تمہارے لیے کئی ایک سلف سے ثبوت و دلائل پا لیے ہیں تو کیا ان میں کوئی ایسی چیز ہے جو تمہارے لیے اطمینان کا باعث ہو؟

پھر چھوڑیے میں سلف میں سے کسی کو نہیں جانتا کہ انہوں نے تسبیح کی مخالفت کی ہو۔ اس کی کیا قیمت جب کہ میں اس کی اس لیے مخالفت کرتا ہوں کہ وہ سنت کے خلاف ہے، اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے، جبکہ وہ (تسبیح) بالاتفاق ایک نئی چیز ہے، کیا بدعات کی تفصیلات کی تردید میں اہل علم و عقل نے یہ شرط قائم کی ہے کہ وہ سلف میں سے کسی ایک سے صحیح اسناد کے ساتھ ہم تک منقول ہو کہ انہوں نے اس کا بدعت ہونے کے حوالے سے انکار کیا ہو؟ یہ ایسی بات ہے جسے علم کی ادنی سی معرفت رکھنے والا کوئی شخص نہیں کہتا!

اس سے تمہارے رسالے میں تسبیح کے متعلق تمہارے کلام کا آخری جملہ بھی ساقط ہو گیا۔

اس (تسبیح) کے متعلق اوراق کالے کرنے اور وقت ضائع کرنے کے متعلق اللہ کے حضور ہی شکایت کی جا سکتی ہے، شیخ (حبشی) اس بات پر ہمارے ساتھ متفق ہیں کہ انگلیوں کے پوروں پر تسبیح شمار کرنا افضل ہے جیسا کہ کئی بار بیان گزر چکا، جناب شیخ آئیں لوگوں کو اس چیز کی طرف دعوت دیں جس پر ہمارا اتفاق ہے، اور اس شرط پر کہ ہم سب کی غایت سنت کے احیاء اور بدعت کی بیخ کنی کرنے کے لیے پوری کوشش ہو ہم اپنے اختلافی امور میں ایک دوسرے سے درگزر کریں۔ اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے یہ کہا:

وخير أمور الدين ما كان سنة

وشر الأمور المحدثات البدائع

"امور دین وہ بہتر ہیں جو سنت ہوں۔ جبکہ بدترین امور وہ ہیں جو نئے ایجاد کیے گئے ہوں۔"

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الرد على التعقيب الحثيث" میں فصل (خاتمة الرد) (ص۶۳۔۶۵) کے تحت بیان کیا:

---

❶ اس سے مراد ابراهيم بن يزيد النخعي مشہور فقیہ ہیں۔

ان صحیح آثار سے قارئین کرام کو شیخ حبشی کی وہ خطا واضح ہو جائے گی جسے انہوں نے ان کمزور آثار کے بعد نقل کیا:

''سلف وخلف میں سے کسی ایک سے تسبیح پر ذکر شمار کرنے کے جواز کی ممانعت منقول نہیں......''

یہ بات بدیہی طور پر سب پر عیاں ہے کہ وہ جو کنکریوں پر شمار کرنے کا انکار کرتے ہیں وہی تسبیح پر بھی شمار کرنے پر اعتراض کرتے ہیں کیونکہ وہ دونوں برابر ہیں، شیخ کے ہاں بھی اور ان کے علاوہ کے ہاں بھی، جبکہ ہمارے ہاں اس کا انکار تو باب اولیٰ سے ہے! کیونکہ تسبیح میں جو برائیاں ہیں وہ کنکریوں پر شمار کرنے میں نہیں، جیسا کہ جو بیان ہو چکا اس میں اس طرف اشارہ ہے۔ رہا وہ جو ہم نے ابن حجر (ہیتمی الفقیہ، نہ کہ عسقلانی محدث) سے نقل کیا وہ اس کے خلاف ہے جو انہیں وہم ہوا: ''کہ سعد کی روایت تسبیح کے جائز ہونے میں اصل ہے۔''

میں کہتا ہوں: پہلے تخت ثابت کرو پھر نقش و نگار کرو! ہم نے تو سعد کی روایت کی سند کا ضعف ثابت کر دیا ہے۔ اسی طرح حدیث صفیہ ہے، اگر وہ حدیث صحیح بھی ہو تو ہماری فکر ونظر میں صحیح نہیں کہ ہم اسے تسبیح کے لیے اصل قرار دیں، کیونکہ وہ نصاریٰ کا شعار ہے، ہم تو انہیں آج تک دیکھ رہے ہیں کہ وہ اسے اپنے مراکز پر لٹکاتے ہیں اور اس پر صلیب ہوتی ہے، اس میں یہ بھی اضافہ کر لیا جائے کہ وہ ریا، شہرت اور تقوی و پرہیز گاری ظاہر کرنے کا بہت زیادہ آلہ اور ذریعہ ہے، اس شخص کے مانند جو اسے اپنے گلے میں ڈال لیتا ہے، یا اسے اپنے ہاتھ پر لپیٹ لیتا ہے، جیسا کہ میں نے پہلے رسالے: "تسدید الاصابة الی من زعم نصرة الخلفاء الراشدین و الصحابة" (ص ۱۸) میں بیان کیا۔

پھر ان دونوں نے اپنے علاوہ دیگر کی پیروی کرتے ہوئے کہا: ''بہت سے اذکار کے شمار میں تسبیح کا استعمال انگلیوں کے پوروں پر گننے سے افضل ہے اس لیے کہ اس طرح (پوروں پر) گننے سے ذکر سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔''

میں کہتا ہوں: سنت میں ایسا کوئی بڑا عدد ہی نہیں جس کے شمار میں مشغول ہو کر ذکر سے توجہ ہٹ جائے! شیخ حبشی اور ان کے ہم نواؤں کو اس دعوی ...... زیادہ اعداد میں تسبیح کا افضل ہونا ...... پر ان کا اس عدد کثیر کی پابندی پر آمادہ کرتا ہے جو سنت میں وارد نہیں، جیسا کہ ان میں سے بعض کا بدعتی درود کے صیغوں کے بارے میں مشہور عدد کے ساتھ التزام ہے، اور وہ عدد ہے ۴۴۴۴۔

میں اعتقاد رکھتا ہوں کہ ذکر مشروع کو شمار کرنے میں مشغول رہنا الشارع الحکیم کی طرف سے ذکر ہی کی طرح امر مقصود ہے، اگر ایسے نہ ہو تو شمار کرنے میں مصروف ہونا ایک عبث کام ہے، جبکہ یہ کام ایسا ہے کہ تربیت حکیمہ اس سے منزہ ہے، پس کسی عقل مند مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ ذکر مشروع کے شمار کرنے میں مشغول ہونے کو، خواہ

اس کی تعداد جتنی بھی ہو بشرطیکہ شمار کرنے کا ذریعہ مشروع ہو، ذکر سے توجہ ہٹانا تصور کرے۔ کیونکہ اس وقت اس (ذکر) کو شمار کرنا بھی مشروع عبادت ہے، اس من گھڑت تعداد کی پابندی اس قول کے خلاف کہنے پر آمادہ کرتی ہے، اس عدد کا شمار بھی کسی بدعتی طریقے ہی سے ہوگا (کیونکہ عدد بھی تو بدعتی ہے!)

اے اللہ! ہمیں اپنے نبی کی سنت کے انصار بنادے، اور دین میں نئے نئے کام جاری کرنے والوں سے نبرد آزما ہونے والے بنادے۔

مکمل فائدہ کے لیے ہم اپنے قارئین بھائیوں کے لیے اس بدعت کی برائیوں اور آثار کے متعلق شیخ رحمہ اللہ کا کلام نقل کرتے ہیں، انہوں نے "الضعیفة" (۱/ ۱۸۵) میں بیان کیا:

تسبیح ایک بدعت ہے جو کہ نبی ﷺ کے عہد میں نہ تھی، ❶ یہ کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ کو کسی ایسے امر پر ترغیب دلاتے جسے وہ جانتے ہی نہ ہوں؟!❷

شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱/ ۱۹۲-۱۹۳) میں بیان کیا:

اگر تسبیح میں صرف ایک ہی برائی ہو، وہ یہ کہ اس نے انگلیوں کے پوروں پر گننے والی سنت کو ختم کر دیا، یا ختم کرنے کے قریب کر دیا، اس پر ان کے اتفاق ہونے کے باوجود کہ وہ (انگلیوں پر گننا) افضل ہے، تو وہ ایک برائی ہی کافی ہے! میں نے شیخ کو انگلیوں پر تسبیح شمار کرتے ہوئے بہت کم دیکھا ہے!❸

پھر اس بدعت کی وجہ سے لوگ بدعت سازی کا شکار ہو گئے، تم کسی سلسلے کی طرف منسوب کسی شخص کو اپنی گردن میں تسبیح ڈالے ہوئے دیکھو گے! ❹ ان میں سے کوئی اس پر شمار کر رہا ہوتا ہے جبکہ وہ تم سے بات کر رہا ہوتا ہے یا تمہاری بات کو غور سے سن رہا ہوتا ہے! کئی دنوں سے میں نے ایک اور چیز دیکھی، کہ میں نے ایک آدمی کو سائیکل پر دیکھا، وہ ازدحام والے راستے پر جا رہا تھا، اس کے ایک ہاتھ میں تسبیح تھی، وہ لوگوں کو ظاہر کرتے ہیں کہ وہ آنکھ جھپکنے کے برابر ❺ بھی اللہ کے ذکر سے غافل نہیں ہوتے! اور یہ بدعت ایسے بہت سے امور کے ضیاع کا

---

❶ ضعیفة (۱/ ۱۸۵) کے حاشیے میں یہ آیا ہے۔ اس کی تائید علمائے لغت کا یہ قول بھی کرتا ہے: لفظ السبحة (تسبیح) نیا بنایا ہوا لفظ ہے جسے عرب نہیں جانتے۔ الرد علي الحبشي (ص: ۱۳) دیکھیں۔

❷ پھر شیخ رحمہ اللہ نے اس کی بدعیت پر دلائل پیش کیے اور مخالفین سے مناقشہ کیا، اسے "الضعیفة" (۱/ ۱۵۸) اور اس کے بعد میں دیکھیں، اور "الرد علی الحبشی" دیکھیں، اس سے نقل بیان ہو چکی۔ وہ اہم ہے۔ ❸ "الرد علی الحبشی" (ص ۵۲) دیکھیں۔

❹ شیخ عبداللہ الغماری، جو کہ الطریقة الدرقاویة کے پیر طریقت ہیں، نے ان کی اس پر حوصلہ افزائی کی...... وہ کہتے ہیں: "گردن میں تسبیح لٹکانے میں کوئی حرج نہیں، وہ اسی مثل ہے جیسے کاتب اپنے کان پر قلم رکھ لیتا ہے! کسی فقیہ سے یہ کتنی عجیب بات ہے کہ وہ اس قیاس کو اچھا سمجھتا ہے! وہ روئے زمین پر سب سے باطل قیاس ہے، اس لیے کہ اس کی بنا ایک موضوع روایت پر ہے۔ اس "السلسلة" کی جلد سوم (ص ۳۷) کا مقدمہ دیکھیں۔ (منہ)

❺ "الرد علی الحبشی" (ص ۱۲، ٦٤) دیکھیں۔

باعث بنتی ہے جو کہ واجب ہوتے ہیں، اس کا کئی بار اتفاق ہوا ہے۔ ...... اسی طرح میرے علاوہ کسی اور کو بھی ...... کہ میں نے ان میں سے کسی کو سلام کیا تو اس نے اس کے اشارے کے ساتھ مجھے جواب دیا! اور زبان سے سلام کا جواب نہ دیا! اس بدعت کے ان گنت مفاسد ہیں، شاعر نے کتنی خوب صورت بات کی ہے ؂

وَكُـلُّ خَيْـرٍ فِـىْ اِتِّبَـاعِ مَـنْ سَـلَفْ
وَ كُـلُّ شَـرٍّ فِـىْ ابْتِدَاعِ مَـنْ خَـلَفْ

''سلف کی اتباع میں ساری خیر ہے۔ خلف کی ابتداع (بدعت سازی) میں ساری شر ہے۔''

قاسمی رحمہ اللہ نے "اصلاح المساجد" (ص ٢٤٤) میں بیان کیا:

''...... بسا اوقات ان میں سے کوئی اپنے کندھے پر مصلیٰ (جائے نماز) رکھ کر دکھاوا کرتا ہے اور اپنے ہاتھ میں تسبیح ظاہر کر کے دکھاوا کرتا ہے اور اسے دین و نماز کا شعار بنا کر دکھاوا کرتا ہے، جبکہ نقل متواتر سے معلوم ہے کہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کا یہ شعار نہ تھا، وہ اپنی انگلیوں پر تسبیح کا شمار کیا کرتے تھے، کبھی کبھار ان میں سے کسی نے کنکریوں پر یا گٹھلیوں پر تسبیح شمار کی......''

ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے "اصلاح المساجد" (ص ٢٤٤) کے حاشیے میں قاسمی کے کلام کے آخری جملے پر تعلیقاً بیان کیا، اس کی نص یہ ہے:

''یہ (کنکریوں یا گٹھلیوں پر تسبیح شمار کرنا) کسی ایک صحابی سے ثابت نہیں۔ "التعقیب الحثیث" پر ہماری طرف سے تردید دیکھیں۔''

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "مختصر صحیح مسلم" رقم (١٩٠٢) کے حاشیے میں فرمایا:

...... اور اسی طرح ہر حدیث جس میں کنکریوں یا گٹھلیوں پر تسبیح کا ذکر ہے، وہ ثابت نہیں، دائیں ہاتھ کی انگلیوں کے پوروں پر تسبیح کرنا مسنون ہے، میں نے اس سب کو اپنے رسالے "الرد علی التعقیب الحثیث" میں ثابت کیا ہے۔''❶

❀ گردن میں تسبیح لٹکانے کو جائز قرار دینے والے کی تردید:❷

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (١/ ١٨٩) کی حدیث رقم (٨٣) میں بیان کیا:

معاصر گمراہوں میں سے جس نے تسبیح کی سنت میں تالیف کیا وہ اس سے جاہل رہا یا اس نے تجاہل عارفانہ اختیار کیا، اس نے اس میں اپنے شیخ عبداللہ غماری کی تقلید کی جس نے ان حقائق سے تجاہل برتا اس نے اس

---

❶ اس سے (ص ٧، ١٠، ١٣، ٥٢، ٥٤) دیکھیں۔

❷ فائدہ کو پورا کرنے کے لیے، ہم نے سمجھا کہ ہم شیخ کے غماری کے تسبیح کو گردن میں لٹکانے کو جائز قرار دینے پر تردید کو نقل کریں۔

حدیث ❶ کو اپنی "الکنز" (۱۰۳) میں نقل کیا۔ تا کہ وہ اسی سے اپنے مریدوں کو تسبیح کے جواز کا فتویٰ دے سکے! پھر اسے گردن میں لٹکانے کے جواز کے متعلق بتا سکے جیسا کہ بعض پیر طریقت کرتے ہیں۔

اس ''سلسلہ'' کی جلد سوم (ص ۳۷) کے مقدمے میں اس پر تردید دیکھیں آپ بہت ہی عجیب دیکھیں گے۔

پنجم:...... اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ذکر کی بدعات

ا: لفظ مفرد: یعنی اللہ، اللہ کے ساتھ اللہ عزوجل کا ذکر:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "المشکاۃ" (۳/ ۱۵۲۷) ❷ رقم (۵۵۱۶) میں انس کی روایت پر شرح کرتے ہوئے بیان کیا، حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى لَا يُقَالَ فِي الْأَرْضِ: اللّٰه، اللّٰه.)) ❸

''قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ زمین پر اللہ، اللہ نہ کہا جائے۔''

یعنی: اللہ کو ایک مانا جائے، جیسا کہ صحیح سند کے ساتھ احمد کی روایت میں ہے:

''وہ کہے گا: لا اله الا الله'' ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

اس حدیث سے لفظ مفرد: اللہ، اللہ کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنا مراد نہیں جیسا کہ بعض صوفی خیال کرتے ہیں، بے شک یہ بدعی ذکر ہے اس کی سنت میں کوئی اصل نہیں۔

ہمارے شیخ۔ قدس الله روحه ۔ نے "مختصر صحیح مسلم" للحافظ المنذری رقم (۲۰۲۰) کے حاشیے میں بیان کیا:

مسند احمد کی روایت میں ہے: "لا اله الا الله" اور اس کی اسناد صحیح مسلم کی شرط پر ہے، یہ بیان کرتا ہے کہ اسم جلالہ سے مراد یہ کلمہ طیبہ ہے نہ کہ صرف اسم موصوف (اللہ، اللہ) کا ذکر! جیسا کہ صوفیاء اس کی تاویل کرتے ہیں اور وہ یہ ذکر کرتے ہیں!!

ہمارے شیخ نے ''صحیح موارد الظمآن'' (۲/۲۴۰)، باب: "لا تقوم الساعة على احد يقول: لا إله إلا الله" حدیث رقم (۱۶۰۴۔۱۹۱۱) ❹ کے تحت جو کہ انس سے مروی ہے، انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

❶ وہ حدیث یہ ہے: ''نعم المذكر السبحة''، یہ حدیث موضوع ہے جیسا کہ ہمارے شیخ نے ''الضعیفة'' (۸۳) میں بیان کیا۔

❷ هداية الرواة الى تخريج احاديث المصابيح والمشكاة (۵/ ۱۵۲).

❸ مسلم۔ رقم (۱٤۸۔ط۔ ابن حزم).

❹ روایت صحیح ہے۔ ''الصحيحة'' (۳۰۱٦). م بلفظ: "الله، الله".

((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ عَلَى اَحَدٍ يَقُوْلُ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه .))

''جو شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے اس پر قیامت قائم نہ ہوگی۔''

اصل کے حاشیے میں ہے: شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ کے خط سے: اسے مسلم نے عبدالرزاق کے طریق سے معمر عن ثابت البنانی کے حوالے سے انس سے روایت کیا، پس اس کے استدراک کی کوئی حاجت نہیں، لیکن اس کے لفظ:"الله الله"

میں کہتا ہوں: مؤلف کی روایت انتہائی اہم ہے، کیونکہ وہ صحیح مسلم کی روایت سے مراد کو واضح کرتی ہے، اسی لیے مؤلف نے اس کا ادراک کیا ہے پس اس نے اچھا کیا، جزاہ اللہ خیراً۔ وہ صوفیت کے طرق اور ان کے مسلم کی روایت کے ذریعے لفظ مفرد کے ساتھ ذکر پر استدلال کو ختم کرتی ہے۔

تقریباً پچاس سال سے دمشق میں نقشبندیہ سلسلے کے ایک پیر طریقت، جو ابھی زندہ ہے، سے میرا مناقشہ جاری رہا، جب میں نے یہ الفاظ مع شرح اسے بیان کیے تو اس نے اس سے استدلال کے صحیح نہ ہونے کا اعتراف کیا، یہاں اس کے بیان کی کوئی گنجائش نہیں۔

۲: لفظ: ''آہ، آہ......'' کے ساتھ اللہ کا ذکر:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے حدیث ❶ رقم (۲۹۸۵) کے تحت جو کہ "ضعیف الجامع الصغیر" میں ہے، بیان کیا:

مناوی نے بیان کیا: ''یعنی لفظ ''آہ'' اس کے اسماء میں سے ہے۔ لیکن یہ کسی صحیح حدیث میں وارد ہے نہ کسی حسن میں، اور اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں۔''

میں کہتا ہوں ❷: اس میں ان صوفیاء کی تردید ہے جو لفظ ''آہ، آہ......'' کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتے ہیں! اس لیے کہ وہ اصلاً مروی نہیں!

۳: ذکر و تسبیح اور نبی ﷺ پر درود کو کسی ایسی تعداد سے مقید کرنا جسے رسول اللہ ﷺ نے مشروع قرار نہیں دیا: ❸

((نقد نصوص حديثية)) (ص ۱۰)

---

❶ وہ حدیث یہ ہے: "دعوه يئن فان الأنين اسم من اسماء الله تعالى يستريح اليه العليل"

❷ کہنے والے شیخ البانی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

❸ اس بدعت کو عنقریب ہم ''نبی ﷺ پر درود کی بدعات'' کے تحت بیان کریں گے۔

۴: بہت زیادہ عدد محصور کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنا [1] جسے الشارع الحکیم نے بیان نہیں کیا:

ہمارے شیخ نے "الرد علی الحبشی" (ص۴۷) میں بیان کیا:

''کسی ایسے مخصوص عدد میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا جسے الشارع الحکیم نے بیان نہیں کیا بدعت ہے۔''

ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱/ ۱۹۸) کی حدیث رقم (۸۳) کے تحت ذکر کے لیے اور اس کی گنتی کے لیے تسبیح کو سنت قرار دینے والوں کا مناقشہ اور ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

کبھی کوئی کہہ سکتا ہے: انگلیوں پر شمار کرنا جیسا کہ سنت میں وارد ہے ان (انگلیوں) کے ساتھ عدد کو'' جبکہ وہ زیادہ ہو'' گننا ممکن نہیں!

جواب: یہ اشکال ایک دوسری بدعت سے آیا ہے، وہ ہے اللہ کا بہت زیادہ عدد محصور میں ذکر کرنا، جسے الشارع الحکیم نے بیان نہیں کیا، تو اس نے ایک دوسری بدعت کا مطالبہ کیا اور وہ ہے ''تسبیح''، بے شک سنت صحیحہ میں جو زیادہ سے زیادہ عدد آیا ہے جو میرے نزدیک ثابت ہے وہ سو ہے، اور اسے انگلیوں پر سہولت کے ساتھ گننا ایسے شخص کے لیے ممکن ہے جس کی یہ عادت ہو۔

رہی حدیث: ''جس نے دن میں دو سو مرتبہ: لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك له ......'' کہا، اس سے مراد: سو مرتبہ جب صبح کرے، اور سو مرتبہ جب شام کرے، جیسا کہ وہ بعض ثابت شدہ روایات میں صراحت کے ساتھ آیا ہے، [2] اور "الصحیحة" (۲۷٦۲) میں اس کا بیان ہے۔

رہا وہ جسے ابن ابی شیبہ (۳۹۱/۲) نے وقاء عن سعید بن جبیر سے روایت کیا، انہوں نے کہا: عمر بن خطاب نے ایک آدمی کو اپنی تسبیحات کے ساتھ تسبیح شمار کرتے ہوئے دیکھا، تو عمر نے فرمایا: اس سے یوں کہنا کافی ہے کہ وہ کہے: سبحان اللہ......، وہ کئی وجوہ سے منکر ہے! ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس کے اور سعید کے درمیان انقطاع ہے، نیز وقاء کا ضعف ہے۔ اور وہ ابن ایاس لیّن الحدیث ہے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الکلم الطیب" (ص ٦۲) حدیث رقم (٦) کی تخریج میں اور "صحیح الکلم" (ص ۳۰) میں بیان کیا، اور اس کی نص یہ ہے: "لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك له، له الملك وله الحمد......" انہوں نے اس کے آخری حصے پر تعلیقاً کہا: ''......اس نے جو کہا اس سے افضل کسی نے عمل نہ کیا مگر وہ آدمی جس نے اس سے زیادہ عمل (ذکر) کیا۔''

---

[1] فائدے کے لیے ابن مسعودؓ کی روایت اور ان کے حلقہ جات والوں کی تردید پر شیخ رحمہ اللہ کا تبصرہ الصحیحة (۵/ ۱۳) میں، نقد الکتانی (ص: ۱۱) میں اور زیادہ تفصیلی بحث الرد علی الحبشی (ص: ۴۳۔ ۴۵) میں دیکھیں۔

[2] اس پر بھی شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب صحیح الترغیب والترھیب (۲۵۴/۲) حدیث رقم (۱۵۹۱) کے تحت نص پیش کی ہے۔

یعنی: تہلیل (لا الہ الا اللہ) یا اس کے علاوہ کسی ذکر سے جیسا کہ امام نووی نے بیان کیا: پس اگر تہلیل میں اضافہ کیا تو اپنی طرف سے کسی عدد سے مقید نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ صوفیاء کرتے ہیں۔ اذکار میں سو سے زیادہ کا عدد صحیح نہیں، جیسا کہ میں نے اس "الصحیحة" میں حدیث (۲۷۶۲) کے تحت بیان کیا۔ اور دیکھیں: "الکلم الطیب" (ص ۶۸) کی تخریج۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۱۱/ ٤٦٦۔٤٦٧) میں حدیث رقم (۵۲۹۶) کے تحت بیان کیا:
جان لیجیے کہ وہ عدد (ہزار) اس سے زیادہ ہے جس کا مجھے ذکر کے بارے میں مروی روایات میں پتہ چلا ہے، اور وہاں ایک اور حدیث ہے جو تہلیل کے بارے میں ہزار مرتبہ کے متعلق ہے، لیکن وہ منکر ہے، جبکہ محفوظ روایت یہ ہے:

((مِئَةُ مَرَّةٍ إِذَا أَصْبَحَ ، وَمِئَةُ مَرَّةٍ إِذَا أَمْسَ .))

"سو مرتبہ جب صبح کرے، اور سو مرتبہ جب شام کرے۔"

جیسا کہ "الصحیحة" میں اسے واضح کیا گیا ہے۔

رہا اس سے زیادہ مرتبہ، تو وہ صوفیاء اور طریقت والوں کی بدعات میں سے ہے!

رہی وہ حدیث: "جس نے ستر ہزار مرتبہ "لا الہ الا اللہ" کہا، تو اس نے اللہ سے اپنی جان کا سودا کر لیا۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بیان کیا۔ جبکہ ان سے پوچھا گیا:

"وہ صحیح ہے نہ حسن اور نہ ہی ضعیف، بلکہ وہ باطل موضوع ہے، اسے روایت کرنا تب ہی حلال ہے جب اس کے ساتھ اس کا حال بیان کر دیا جائے۔"

شیخ محمد بن احمد نجم الدین غیطی نے اسے "الابتهاج فی الکلام علی الاسراء و المعراج" (۵/۱) میں نقل کیا، پھر اس پر اس طرح تعلیق نقل کی:

"لیکن کسی شخص کے لیے مناسب ہے کہ وہ سلف کی اقتداء میں، جس نے اس کی وصیت کی ہو، اس کے قول کو مانتے ہوئے اور ان کے افعال سے برکت حاصل کرتے ہوئے ایسے کرنا چاہیے۔

یہاں سلف سے مراد: صوفیاء کے مشائخ، جس نے اس کی وصیت کی ہو، اس سے ابن عربی مراد ہے، جیسا کہ حدیث سے قبل اس نے خود اسے ذکر کیا۔

اے مسلمان! دیکھ اس نے کس طرح ان کے کلام کو اور ان کے فعل کو اللہ تعالیٰ کے کلام، رسول اللہ ﷺ کے کلام اور آپ کے فعل کے مقام پر فائز کیا؟! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ﴾ (الشوریٰ: ۲۱) "کیا ان کے کچھ شریک ہیں کہ جنہوں نے ان کے لیے دین کا وہ

طریقہ نکالا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔“

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحۃ" (٦/ ٦٢١) میں حدیث رقم (۲۷۶۲) ❶ کے تحت بیان کیا:

جان لیجیے کہ یہ عدد (سو) ز ـ ده سے زیادہ ہے جو ذکر میں صحیح ہے اور میں نے اس پر آ گاہی حاصل کی۔ رہا عدد (ہزار) تو میں نے اسے صرف اسی منکر روایت ❷ میں ہی دیکھا ہے، اور دوسری حدیث میں "التسبیح" میں ضعیف سند سے ہے میں نے اسے دوسری کتاب رقم (۵۲۹۶) ❸ میں نقل کیا ہے۔

ششم:...... نبی ﷺ پر درود کی بدعات

۱: تعجب کے وقت نبی ﷺ پر درود:

"الموافقات" (٣/ ٢١٥)، "المدخل" (٤/ ١٠٠)، "الرد علی التعقیب الحثیث" (ص ٥٠)

۲: ذکر و تسبیح اور نبی ﷺ پر درود کی کسی ایسے عدد سے تقیید جسے رسول اللہ ﷺ نے مشروع قرار نہیں دیا:

((نقد نصوص حدیثیۃ)) (ص ١٠)

۳: مشہور عدد (۴۴۴۴) کے ساتھ نماز ناریہ، اور وہ نبی ﷺ پر بعض بدعی درود کے الفاظ ہیں:

ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے "مساجلۃ علمیۃ" (ص ٢١) کے حاشیے میں فرمایا:

”...... جیسے وہ درود جو درود ناریہ ۴۴۴۴ کے عدد سے معروف ہے اس طرح کہ اکثر لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ نبی ﷺ سے مشروع منقول ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ مشروع نہیں......“

ہمارے شیخ نے "الرد علی التعقیب الحثیث" (٦٤-٦٥) میں اس شخص پر جس نے کہا: ”کہ اذکار کثیرہ کے اعداد میں انگلیوں پر ذکر شمار کرنے سے تسبیح کا استعمال افضل ہے کیونکہ ان کے شمار میں مصروفیت سے ذکر کی طرف توجہ نہیں رہتی۔“ رد کرتے ہوئے فرمایا:

میں کہتا ہوں: سنت میں ایسا کوئی بڑا عدد نہیں ❹ جس کے شمار میں مشغولیت ذکر سے توجہ ہٹا دیتی ہو، شیخ اور

---

❶ شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے متن میں اس کی نص گزر چکی ہے۔

❷ اور وہ ہے: ”جس نے لا الہ الا اللہ کہا...... ہزار مرتبہ، وہ قیامت کے دن ہر عمل سے اوپر برتر آئے گا......“

❸ اس کی نص یہ ہے: ”جس نے حج کے وقت ہزار بار کہا: سبحان اللہ و بحمدہ“ اس نے اللہ سے اپنی جان کا سودا کر لیا، اور وہ دن کے آخری حصے میں اللہ کی طرف سے (جہنم سے) آزاد کردہ ہوگا۔“

❹ دیکھیے بدعت: اللہ کا ذکر کسی کثیر معین عدد کے ساتھ، جو الشارع الحکیم نے بیان نہیں کیا، اسی کے تحت وہ سب ثابت شدہ ذکر دیکھیں جن پر ہمارے شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ موقف ہے۔ یہ سب قریب ہی پیچھے گزر چکا ہے۔

ان کے ہم نواؤں کو اس دعویٰ --- اعداد کثیرہ میں تسبیح کی فضیلت --- پر ان کے اس زیادہ تعداد کی پابندی نے ابھارا جو سنت میں وارد نہیں، [1] جیسا کہ ان میں سے بعض کا بدعی درود کے بعض الفاظ میں مشہور عدد کی پابندی ہے اور وہ عدد ہے: ۴۴۴۴

ہفتم:...... دعا کی بدعات

۱: مذاکرہ یا درس کے بعد کسی سے دعا کی درخواست کرنا:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "کتاب العلم" (۱۵۹) (ص۳۶)۔ط۔المکتب الاسلامی، میں ابراہیم نخعی کے اثر پر تعلیقاً بیان کیا:

"وہ بیٹھا کرتے تھے اور علم وخیر کا مذاکرہ کیا کرتے تھے، پھر وہ اٹھ کر چلے جاتے، ان میں سے کوئی کسی سے بخشش کی درخواست کرتا نہ وہ یوں کہتا: اے فلاں! میرے لیے دعا کریں۔"

یعنی: یہ کہ وہ صحابہ کا عمل نہ تھا، کہ وہ درس و مذاکرہ سے فارغ ہو کر ایک دوسرے کے لیے دعا کرتے، لہٰذا وہ بدعت ہے، اس کی مثال: جناب شیخ کا اپنے ساتھیوں سے آگے آگے اور ان (مریدوں) کا ان کے پیچھے پیچھے چلنا، یہ بھی اسے فتنے اور غرور میں مبتلا کر دیتا ہے۔

۲: دعا "اللهم كما حسنت خلقي فحسن خلقي" کو آئینہ دیکھنے کے وقت کے لیے خاص کرنا: [2]

ہمارے شیخ...... قدس الله روحه ...... نے "الارواء" (۱/ ۱۱۵) میں حدیث رقم (۷۴) کے تحت بیان کیا:......اسی لیے اس حدیث سے آئینہ دیکھتے وقت اس دعا کے پڑھنے کی مشروعیت پر استدلال صحیح نہیں جیسا کہ مؤلف رحمہ اللہ [3] نے کیا ہے۔

ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا آئینہ دیکھنے کی شرط کے بغیر مطلق طور پر صحیح ہے۔

---

[1] ہمارے شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح الترغیب (۲/۲۵۴) حدیث رقم (۱۵۹۱) کے تحت فرمایا: من قال لا اله الا الله وحده لا شريك له ...... میں ان بعض معاصرین کی تردید ہے جنہوں نے "تسبیح" کے سنت ہونے کے بارے میں لکھا ہے۔ اور اس حدیث سے دلیل لیتے ہوئے سینکڑوں عدد کے ساتھ ذکر کی مشروعیت کا دعویٰ کیا۔ گویا کہ اس نے اس روایت سے لاعلمی یا تجاہل عارفانہ کا مظاہرہ کیا جس عدد دو سو کی صراحت ہے کہ ایک وقت میں نہیں ہے۔ بلکہ وہ سو صبح اور سو شام کے وقت ہے۔ اس کی تخریج الصحیحة (۲۵۶۳) میں ہے۔

[2] وہ صحیح ہے جیسا کہ "الارواء" رقم (۷۴) میں ہے۔

[3] یعنی: "منار السبیل" کے مؤلف۔

ہمارے شیخ نے "الکلم الطیب" (ص۱۷۱) رقم (۲۴۳) ❶ کی تخریج میں اس کے بعد، کہ انہوں نے دو روایتوں کو ضعیف قرار دیا، ان میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتے تھے تو آپ یہ دعا پڑھتے تھے: "الحمد لله ، اللهم کما حسنت خلقی......" فرمایا:

ہاں، آپ ﷺ کی دعا ان الفاظ کے ساتھ صحیح ثابت ہے:

((اَللّٰهُمَّ كَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِيْ فَحَسِّنْ خُلُقِيْ)) یہ مطلق ہے، آئینہ دیکھنے سے مشروط نہیں۔

۳: دعا کے وقت ہلال (چاند) کی طرف رخ کرنا: ❷

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الکلم الطیب" (ص۱۳۹) کی تخریج میں حدیث رقم (١٦٢) ❸ ط۔ المعارف کے تحت رؤیت ہلال کی روایت کی تخریج کے وقت بیان کیا:

بہت سے لوگ دعا کرتے وقت ہلال کی طرف رخ کرتے ہیں، جیسا کہ وہ اس طرح قبروں کی طرف رخ کرتے ہیں اور یہ جائز نہیں، جیسا کہ شرع میں ثابت ہے کہ دعا کے وقت اسی طرف رخ کیا جائے گا جس طرف نماز کے وقت رخ کیا جاتا ہے۔"

وہ کتنی اچھی روایت ہے جسے ابن ابی شیبہ نے (۱۱/۸/۱۲) میں علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا:

"جب وہ ہلال دیکھتے تو وہ اس کی طرف اپنا سر نہ اٹھاتے، تم میں سے کسی کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ کہے: "رَبِّيْ وَ رَبُّكَ اللّٰهُ۔"

ابن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے چاند کے لیے کھڑے ہونے کو ناپسند کیا، لیکن وہ ایک طرف ہو کر یوں فرماتے: "الله اکبر......"

۴: دعا "اے اللہ! تیرے نبی کی جاہ و منزلت کے صدقے......!

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "التوسل" (ص ٤٥) میں بیان کیا:

......یہ کسی بدعتی کی دعا ہے اس کی قرآن میں کوئی اصل ہے نہ سنت میں، اور نہ ہی سلف صالحین رضوان اللہ علیہم میں سے کسی نے اسے کیا ہے۔

۵: نصف شعبان کی شب دعا:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصراط المستقیم" (ص۷۔۸) کے اصحاب کے قول پر تعلیقاً فرمایا:

---

❶ تخریج "الکلم الطیب" (ص١١٩) حدیث رقم (٢٣٢)۔ ط۔ المکتب الاسلامی۔

❷ ہمارے شیخ نے "الأدب المفرد" میں حدیث رقم (۶۱۱) کے تحت اس کی طرف ایک لطیف اشارہ کیا ہے۔

❸ تخریج "الکلم الطیب" (ص٩١) حدیث رقم (١٦١)۔ ط۔ المکتب الاسلامی۔

''بے شک وہ مشہور دعا یعنی نصف شعبان کی شب میں، وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف مسند ہے نہ آپ کے کسی صحابی کی طرف، وہ تو محض بعض لوگوں کا کلام ہے، انہوں نے کہا: ''شیخ حوت نے اسنی المطالب فی احادیث مختلفة المراتب ص۲۷) میں صراحت کی کہ: یہ دعا مشائخ میں سے کسی شیخ نے اپنی طرف سے ترتیب دی ہے، کہا گیا: وہ البونی ہے۔'' [1]

---
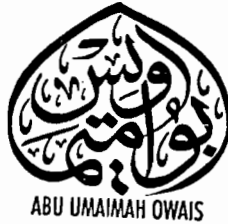
[1] وہ خرافات اور شعبدہ بازی کی کتاب "شمس المعارف الکبری" کا مؤلف ہے، اس کے متعلق میری کتاب "کتب حذر منها العلماء" (۱/ ۱۲۴، ۱۴۳) دیکھیں۔ اور مخصوص دعا یہ ہے: ((اللهم يا ذا المن، ولا يمن عليه يا ذا الجلال و الاكرام......)) "الاحياء" کے شارح نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ ایک ایسی دعا ہے کہ اس کی کوئی اصل ہے نہ مستند، میرا رسالہ "حسن البیان" (ص۱۳) دیکھیں۔

فصل: عادات کی بدعات

عادات کی بدعات

ا: خشوع کی نیت سے سر ننگا رکھنے کا استحباب [1]

یہ دین میں ایک بدعی حکم ہے اس پر رائے کے سوا کوئی دلیل نہیں، اگر وہ حق ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اسے بجالاتے، اور اگر آپ وہ عمل کرتے تو وہ آپ سے منقول ہوتا، اور جب وہ آپ سے منقول نہیں تو اس نے دلالت کی کہ وہ ایک بدعت ہے لہٰذا اس سے بچیں۔

"تمام المنة" (١٦٦)۔

۲: بدعی القاب، جیسے: افندی (مسٹر)، بیگ، پاشا اور مسیو ......

ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (١/ ١١١) کی حدیث رقم (۴۴) میں جس شخص کی اولاد نہ ہو اس کے لیے کنیت رکھنے کی سنت اور اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا:

مسلمانوں ...... خاص طور پر ان میں سے عجمی حضرات ...... نے اس عربی اسلامی سنت کو ترک کر دیا ہے، آپ ان میں سے کنیت رکھنے والے بہت کم افراد دیکھیں گے، خواہ کسی کی اولاد کی ایک ''فوج'' ہو، تو جس کی اولاد ہی نہ ہو تو وہ کس طرح رکھے گا؟! اور انہوں نے اس سنت کی جگہ بدعی القاب کو دے دی ہے، مثلاً افندی، بیگ (Baig)، پاشا، پھر سردار یا الاستاذ وغیرہ، یہ سب القابات اس ضمن سے ہیں جو سارے کے سارے یا ان میں سے کچھ ''خود کو پاک اور نیک قرار دینے'' کی قبیل سے ہیں جس سے بہت سی احادیث میں منع کیا گیا ہے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحہ" (١/ ٢٥٧) میں حدیث رقم (۱۳۲) کے تحت بیان کیا:

اس حدیث میں کنیت رکھنے کی مشروعیت ہے خواہ اس کی اولاد نہ ہو، اور یہ ادب اسلامی ہے میری معلومات کے مطابق اس کی دیگر امم میں کوئی نظیر نہیں، پس مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس پر تمسک اختیار کریں خواہ وہ مرد ہوں خواہ عورتیں، اور وہ عجمیوں کی ان عادات کو ترک کر دیں جو ان میں سرایت کر گئی ہیں جیسے: بیگ، افندی، پاشا، اور اس طرح جیسے، مسیو، یا سید، سیدہ، اور آنسہ وغیرہ کے القابات، یہ سب اسلام میں دخل اندازی ہے، حنفی فقہاء نے "افـنـدی" کی کراہت واضح کی ہے، اس لیے کہ اس میں تزکیہ ہے، جیسا کہ ''حاشیہ ابن عابدین'' میں ہے، اور لفظ "السیـــد" کا اطلاق صرف اس شخص پر ہوتا ہے جس کی کوئی ولایت و ریاست ہو، اور اس بارے میں

[1] یعنی: نماز میں، فائدہ کے لیے ''تمام المنة" (ص۱۶۴۔۱۶۵) میں شیخ کی ننگے سر نماز کے حکم کے متعلق بحث دیکھیں۔

حدیث آتی ہے: "قُومُوا اِلٰی سَیِّدِکُم" "اپنے سید (سردار) کا استقبال کرو۔"

۳: ماں باپ کے ہاتھوں کو بوسہ دینے کے متعلق شرع میں کوئی اصل نہیں

((الادب المفرد)) (ص ٣٣٥) رقم (٩٤٧) ❶

❀ عالم کے ہاتھ کو بوسہ دینے کا مسئلہ:

فائدے کی تکمیل کے لیے ہم نے سمجھا کہ ہم شیخ کا کلام نقل کریں جس میں وہ عالم کے ہاتھ کو بوسہ دینے کو جائز قرار دیتے ہیں بشرطیکہ اسے عادت نہ بنالیا جائے۔

شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (١/ ٢، ٣، رقم (١٦) میں بیان کیا: جہاں تک ہاتھ چومنے کا تعلق ہے تو اس باب میں احادیث اور آثار بہت زیادہ ہیں، جن کا مجموعہ اس کے رسول اللہ ﷺ اور سلف سے ثبوت پر دلالت کرتا ہے، ہم عالم کے ہاتھ کو چومنے کو جائز سمجھتے ہیں جب اس میں درج ذیل شرائط پائی جائیں:

۱: اسے اس طرح عادت نہ بنالیا جائے کہ وہ عالم اپنے ہاتھ کو اپنے شاگردوں کی طرف بڑھانے کی عادت اختیار کر لے اور وہ (شاگرد) اس سے برکت حاصل کرنے کی عادت بنالیں، کیونکہ نبی ﷺ کا ہاتھ اگر چوما گیا ہے، تو وہ نادر ہی ہے، اور وہ اس طرح نہ تھا، اسے مستقل سنت بنانا جائز نہیں، جیسا کہ وہ فقہی قواعد سے معلوم ہے۔

۲: یہ عالم کے کسی اور پر تکبر کرنے اور خود پسندی کی طرف دعوت نہ دیتا ہو، جیسا کہ وہ آج بعض مشائخ میں ہے۔

۳: یہ کہ اس کا نتیجہ یہ نہ نکلے کہ معلوم ومعروف سنت چھوڑ دی جائے، جیسے مصافحہ کی سنت ہے، کیونکہ وہ آپ ﷺ کے فعل وقول سے مشروع ہے، اور وہ دو مصافحہ کرنے والوں کے گناہ جھڑنے کا شرعی سبب ہے جیسا کہ کئی ایک حدیث میں روایت کیا گیا ہے، تو اسے کسی ایسے امر کی وجہ سے ختم کر دینا جائز نہیں جس کے احسن احوال یہ ہیں کہ وہ جائز ہے۔

۴: بدعی عمامہ:

ہمارے شیخ نے "الضعیفة" جلد اوّل کی احادیث نمبر (۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹) میں اور دوسری جلد کی حدیث رقم (۷۱۸) میں بیان کیا، اور وہ احادیث ❷ عمامے کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں، مگر یہ احادیث متن کے لحاظ سے منکر اور موضوع ہیں، اس لیے کہ ان میں کسی امر کی فضیلت میں اس قدر مبالغہ ہے کہ عقل سلیم اس کی گواہی نہیں دیتی کہ

---

❶ "صحیح الادب المفرد" (ص ٣٥٥) (٧٢٥/ ٩٤٧)۔ ط۔ مکتبة الدلیل۔ اور اسی مصدر مذکور میں ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ کا اس مسئلے میں شیخ عبداللہ غماری کی تردید دیکھیں۔

❷ ہمارے شیخ رحمہ اللہ کا "الاحادیث فی العمامة" کے عنوان سے ایک مقالہ ہے، جو مجلّہ "المسلمون" (۶/ ۹۰۶۔۹۱۳) میں شائع ہوا، انہوں نے اسے ۱۳۷۹ھ میں تحریر کیا۔

اس جیسے امر کے لیے اتنا اجر ہو'' ❶

پھر ہمارے شیخ نے "الضعيفة" (۱/ ۲۵۳) عمامہ اور نماز با جماعت کے حکم کے درمیان بڑے فرق کے حوالے سے بات کی، یہ کہ عمامہ کی انتہائی غایت یہ ہے کہ وہ سنت مستحبہ ہے، جبکہ جماعت کی نماز فرض ہے اس کے ترک کرنے سے نماز درست تو ہو جاتی ہے لیکن اس کے ساتھ گناہ بہت سخت ہے...... پھر انہوں نے تعجب کرتے ہوئے فرمایا: حکیم و علیم ذات کے کس طرح لائق ہوسکتا ہے کہ وہ اس کے ثواب کو عمامے کے ساتھ نماز پڑھنے کے ثواب کے برابر قرار دے، بلکہ اس سے کئی درجات کم؟!

ہوسکتا ہے کہ حافظ ابن حجر نے اسی معنی کو ملحوظ رکھا ہو جس وقت انہوں نے اس حدیث ❷ پر وضع کا حکم لگایا۔

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے مصدر سابق (۱/۲۵۳۔۲۵۴) میں ان احادیث کے برے آثار بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ان احادیث کے برے آثار اور غلط توجیہات میں سے ہے کہ ہم لوگوں میں سے کسی کو دیکھتے ہیں کہ جس وقت وہ نماز پڑھنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اپنے سر پر یا ٹوپی پر رومال لپیٹ لیتا ہے، تاکہ وہ اپنے زعم کے مطابق یہ مذکورہ اجر حاصل کرلے، حالانکہ اس نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جس کے ذریعے وہ اپنے نفس کا تزکیہ کرے!

اور بڑی عجیب بات ہے کہ تم ان میں سے بعض لوگوں کو داڑھی مونڈنے کے گناہ کے مرتکب پاؤ گے، جب وہ نماز کا ارادہ کرتے ہیں تو انہیں شعور نہیں ہوتا کہ وہ اپنے اس تساہل کے سبب کس نقص کے مرتکب ہوں گے، اور انہیں اس کا کبھی خیال نہیں آئے گا، رہی عمامے میں نماز تو وہ ایسا امر ہے کہ اس کی ان کے ہاں بہت اہمیت ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ جب کوئی داڑھی والا شخص انہیں نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھے۔ تو وہ اس سے خوش نہیں ہوں گے حتیٰ کہ وہ عمامہ باندھے، اور جب کوئی عمامے والا شخص آگے بڑھے خواہ وہ داڑھی مونڈنے کے گناہ کا مرتکب ہو۔ تو اس سے انہیں کوئی پریشانی ہوگی نہ وہ اس کے لیے اہتمام کریں گے، تب انہوں نے اللہ کی شریعت کو بدل دیا جب انہوں نے اس چیز کو مستحب ٹھہرایا جسے اس نے حرام قرار دیا، اور اس کام کو واجب ٹھہرایا۔ یا قریب تھا کہ اسے واجب ٹھہراتے۔ جسے اس نے مباح قرار دیا۔

اور عمامہ...... اگر اس کی فضیلت ثابت ہو جائے...... اس سے صرف وہی عمامہ مراد لیا جائے گا جس سے مسلمان اپنے معمول کے احوال میں زینت حاصل کرتا ہے، اور اس کے ذریعے دوسرے علاقوں کے لوگوں سے ممتاز محسوس ہوتا ہے، اور اس سے وہ مستعار عمامہ مراد نہیں جس کے ذریعے چند منٹوں میں عبادت کی جاتی ہے، جب وہ اس سے فارغ ہوتا ہے تو اسے اپنی جیب میں رکھ لیتا ہے! مسلمان کو جتنی نماز کے اندر عمامے کی ضرورت ہے اس سے کہیں زیادہ ضرورت نماز سے باہر ہے، اس لیے کہ وہ مسلمان کا شعار ہے وہ اسے کافر سے نمایاں کرتا ہے، خاص

---

❶ الضعیفة (۱/ ۲۵۱). ❷ ''عمامہ کے ساتھ نماز دس ہزار نیکیوں کے برابر ہے۔'' وہ "الضعیفة" میں رقم (۱۲۹) کے تحت ہے۔

طور پر اس زمانے میں جس میں مومن کے ملبوسات کافر کے ساتھ گھل مل گئے ہیں، حتی کہ بہت مشکل ہو گیا ہے کہ مسلمان اپنے جاننے والے کو اور نہ جاننے والے کو سلام کر سکے، دیکھیں شیطان نے انہیں کس طرح نافع عمامہ سے بدعی عمامہ کی طرف پھیر دیا، اور اس نے انہیں سمجھایا کہ یہ اس سے کفایت و بے نیاز کر دیتا ہے، اور داڑھی بڑھانے سے بھی بے نیاز کر دیتا ہے جو مسلمان کی کافر سے تمیز ہے۔

ہمارے شیخ نے "الضعيفة" (۲/ ۱۵۳) میں حدیث رقم (۷۱۸) کے تحت بیان کیا:

''جس نے عمامہ باندھا اس کے لیے ہر بل ربٹ کے بدلے ایک نیکی ہے، جب اسے کھولا جاتا ہے تو ہر بل کھولنے کے بدلے اس کی خطا معاف کر دی جاتی ہے۔''

وہ روایت موضوع ہے۔ ہیتمی نے اسے "احكام اللباس" (۹/ ۲) میں جملہ احادیث میں ذکر کیا انہوں نے اسے عمامہ کی فضیلت میں نقل کیا لیکن انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی۔ لیکن انہوں نے ان الفاظ کے ساتھ اس کی علمی گرفت کی:

''اگر اس حدیث کا ضعف زیادہ نہ ہوتا، تو وہ عماموں کو بڑھانے میں حجت ہوتی۔''

میں کہتا ہوں: یہ حدیث اور اس جیسی احادیث لوگوں میں بدعات پھیلانے کے اسباب میں سے ہیں، کیونکہ ان میں سے اکثر...... حتی کہ فہم و ادراک والے...... صحیح حدیث اور ضعیف حدیث کے درمیان فرق نہیں کر سکتے، کبھی وہ حدیث موضوع ہوتی ہے، اور اسے اس کا علم نہیں ہوتا، وہ اس پر عمل کرتا ہے، سال بیت جاتے ہیں اور وہ اسی حالت پر ہوتا ہے، جب اسے اس کے ضعف کے بارے میں بتایا جاتا ہے تو وہ تمہیں فوراً یوں جواب دے گا: کوئی مضائقہ نہیں، فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے گا! وہ جاہل ہے کیونکہ موضوع حدیث یا شدید ضعیف جس طرح یہ ہے، اور اس کی مثل روایات ان پر بالاتفاق عمل کرنا جائز نہیں، میں ایک شیخ کا ذکر کرتا ہوں، وہ حلب کی کسی مسجد میں لوگوں کو نماز پڑھاتا تھا، اس کے سر پر بہت بڑا عمامہ تھا، قریب تھا کہ اس کی ضخامت محراب کی خالی جگہ کو بھر دے جس میں وہ نماز پڑھاتا تھا! اس حوالے سے اللہ کے حضور ہی شکایت کی جا سکتی ہے جو مسلمان ان ضعیف احادیث اور مزعوم قواعد کے باعث اپنے دین سے انحراف کا شکار ہوئے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنے مقالے "الاحاديث في العمامة" [1] میں فرمایا:

''......عمامے کے زیادہ بل/ بٹ اور اس کی ضخامت اس سنت کے خلاف ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور سلف صالحین تھے، بلکہ ضخیم عمامہ عجمی بدعت اور بدعی پہناوا ہے، ہم اسے عجمیوں کی مساجد کے بعض ائمہ اور مشائخ کے سروں پر دیکھتے ہیں......''

---

[1] یہ مقالہ مجلہ "المسلمون" (۶/ ۹۰۶-۹۱۳) میں ۱۳۷۹ھ میں شائع ہوا۔

فصل : مہینوں، دنوں اور راتوں کی بدعات

① - پندرہ شعبان کی رات کو تہوار قرار دینا اور اس میں لوگوں کا اکٹھا ہونا۔

② - پندرہ شعبان کے دن روزہ رکھنا۔

③ - عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی راتوں کو جاگنا۔

④ - عیدین کی راتوں کو قیام وعبادت کے لیے خاص کرنا۔

⑤ - عید کے دن کو قبروں کی زیارت کے لیے خاص کرنا۔

⑥ - معراج کی شب جلسے وغیرہ کا اہتمام۔

⑦ - عاشوراء کے دن سرمہ، تیل اور خوشبو لگانا۔

⑧ - عاشوراء کے دن بچوں / اہل خانہ پر زیادہ خرچ کرنا۔

⑨ - عید میلاد کی بدعت۔

⑩ - ربیع الاوّل کے مہینے کی رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کا قصہ بیان کرنے کے لیے تخصیص۔

⑪ - جمعہ کی رات نماز عشاء میں "سورة الجمعة" اور "سورة المنافقون" کی قراءت کی پابندی۔

⑫ - ماہ رجب کی روزوں کے ساتھ تخصیص۔

⑬ - عرفہ کے دن عرفہ کے پہاڑوں پر اور قربانی کے دن مشعر حرام (مزدلفہ) میں ضرورت سے زیادہ چراغاں کرنا۔

مہینوں، دنوں اور راتوں کی بدعات

۱: پندرہ شعبان کی رات کو تہوار قرار دینا

اس میں لوگوں کا اکٹھا ہونا، لوگ اس رات اکٹھے ہوتے ہیں اور اس میں وہ بدعات کرتے ہیں جنہیں قاسمی رحمہ اللہ تعالی نے ذکر کیا ہے۔

"اصلاح المساجد" (ص۹۹)

اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الثمر المستطاب" (۲/ ۵۹۸-۶۰۰) میں بیان کیا:

ابن حاج رحمہ اللہ نے "المدخل" (۱/ ۳۰۸) میں پندرہ شعبان کی رات کی بدعات ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"کیا تم نے اسے نہیں دیکھا جو وہ خلاف معمول بہت زیادہ چراغاں کرتے ہیں اور وہ مسجد میں موجود تمام قندیلیں روشن کر دیتے ہیں، حتی کہ وہ ستونوں اور گیلریوں پر رسیاں لگا کر ان میں قندیلیں لٹکا کر روشن کرتے ہیں، وہ وجہ بیان ہو چکی جس کی بنا پر علماء رحمہم اللہ نے مصحف و منبر اور دیواروں کو چھونے اور ہاتھ پھیرنے سے منع کیا ہے ...... اور اس کے علاوہ بھی، بتوں کی پوجا کا ابتدا میں یہی سبب تھا، اور زیادہ بتیاں جلانا ظاہر میں آتش پرستوں سے مشابہت ہے خواہ وہ یہ عقیدہ نہ رکھیں، کیونکہ آتش پرست اس (آگ) کو جلاتے ہیں حتی کہ جب وہ خوب روشن ہو جاتی ہے تو وہ اس کی عبادت کی نیت سے اس کے گرد اکٹھے ہو جاتے ہیں، الشارع صلوات اللہ علیہ وسلامہ نے مسلمانوں کو ادیان باطلہ کے پیروکاروں سے ترک تشبیہ پر ترغیب دی ہے حتی کہ ان کے ملبوسات اور وضع قطع میں بھی جو ان کے ساتھ مختص ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ اس رات بہت زیادہ خواتین و حضرات اور چھوٹے بچے مسجد میں آتے ہیں جو زیادہ تر اپنے بول و براز سے مسجد کو پلید کر دیتے ہیں، جبکہ اس رات جو شور و شغب اور بہت زیادہ لغو ہوتا ہے وہ رجب کی ستائیسویں شب سے بھی کہیں زیادہ ہوتا ہے، اس کے جو مفاسد ہیں وہ پہلے بیان ہو چکے ہیں، اور جو اس رات ہوتے ہیں وہ بہت زیادہ، بہت برے اور بہت بڑے ہیں، اور یہ سب اس رات زیادہ چراغاں کرنے کے باعث ہے، ان بدعات کی طرف دیکھیں ...... اللہ ہم پر اور آپ پر رحم فرمائے ...... کہ وہ کس طرح ایک سے دوسری کی طرف چلتی ہیں اور ایک دوسری کا باعث بنتی ہے حتی

کہ وہ محرمات تک پہنچ جاتی ہیں۔''

"الباعث علی انکار البدع و الحوادث" (ص ۲۲۔ ۲۳) میں ابو بکر طرطوشی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''اور اس ضمن سے جسے بدعتیوں نے جاری کیا اور وہ اس کے ذریعے اس چیز سے نکل گئے جسے متشرع حضرات نے امتیازی شان بخشی، اور اہل بدعت نے مجوسیوں کی راہوں کو اختیار کیا، اور اپنے دین کو لہو ولعب بنا لیا، پندرہ شعبان کی رات چراغاں کرنے کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ سے کچھ بھی صحیح ثابت نہیں، اور صدوق راویوں میں سے کسی نے اس رات نفل نماز (نماز تسبیح) پڑھنے کا ذکر کیا نہ چراغاں کرنے کا، یہ کام صرف ان لوگوں نے شروع کیا جو شریعت محمدیہ کو کھیل تماشہ سمجھتے ہیں اور مجوسیت کی طرف رغبت رکھتے ہیں، کیونکہ آگ ان کا معبود ہے۔

سب سے پہلے یہ برامکہ کے دور میں ہوا، انہوں نے اپنی گھٹیا سوچ وفکر کو دین اسلام میں داخل کر دیا، ان کا شعبان میں چراغاں کرنا گویا کہ وہ ایمان کی راہوں سے ہے، آتش پرستی اور اپنے دین کی اقامت ان کا مقصود ہے جبکہ وہ سب سے گھٹیا مذہب ہے، حتی کہ جب مسلمان نماز پڑھتے ہیں اور رکوع وسجود کرتے ہیں تو ان کا یہ کام ان کی جلائی ہوئی آگ کی طرف ہوتا ہے، اور اس پر کئی سال اور زمانے بیت گئے ہیں، اس میں بغداد بھی باقی شہروں سے پیچھے نہیں رہا، اس کے ساتھ ساتھ اس رات خواتین وحضرات اکٹھے ہوتے ہیں اور اختلاط کا شکار ہوتے ہیں، حکمران پر انہیں روکنا اور عالم پر انہیں زجر وتوبیخ کرنا واجب ہے۔ شعبان کا صرف یہ شرف ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس ماہ روزہ رکھا کرتے تھے، آپ ﷺ کے شعبان کے سارے ایام یا زیادہ تر ایام روزہ رکھنے کے حوالے سے صحیح حدیث سے ثابت ہے۔''

پھر ابو شامہ (ص ۲۵) نے بیان کیا: [1]

''یہ سارا فساد و بگاڑ گمراہ زاہدوں کا پیدا کردہ ہے جو فاسقوں اور سرکشوں کے فساد سے واقع ہوتا ہے، اور کئی قسم کے ظاہری و باطنی گناہوں کے ذریعے اس رات جاگنا، یہ سب خلاف معمول روشنیاں کرنے کے باعث ہے جسے قربت کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے، جبکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر معاونت، منکر کا اظہار اور بدعتی افراد کے شعائر کی تقویت ہے، شریعت نے کسی بھی جگہ اصل ضرورت سے بڑھ کر روشنیاں کرنے اور چراغاں کرنے کو مستحب قرار نہیں دیا، اور وہ جو حجاج عرفہ کے دن عرفات کے

[1] ''اصل'' میں اسی طرح ہے، وہ ابو شامہ ہیں۔ ''الباعث'' ص: ۱۳۴ مذکورہ کلام سے قبل ان کا یہ قول ہے: ''میں نے کہا''

پہاڑوں پر اور قربانی کی رات مشعر حرام پر روشنیاں اور چراغاں کرتے ہیں وہ بھی اسی قبیل سے ہے، اس کا ردّ کرنا اور اس کے متعلق بتانا واجب ہے کہ وہ بدعت و منکر اور شریعت مطہرہ کے خلاف ہے۔"

۲: پندرہ شعبان کے دن کے روزے کی پابندی اور اس کی رات کو قیام کرنا

"الاعتصام" (۱/ ۳٤) ❶

"الرد علی التعقیب الحثیث" (ص ٥٠)، "صلاة التراویح" (ص ۳۳، ٤٤)، "صحیح الترغیب و الترهیب" (۱/ ٥٤).

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے رسالے "الصراط المستقیم رسالة فیما قرره الثقات الاثبات فی لیلة النصف من شعبان" (ص۹) پر اپنی تعلیق میں بیان کیا:

......علماء نے پندرہ شعبان کی رات کی فضیلت کے متعلق احادیث میں اختلاف کیا ہے، اس کی فضیلت پر اکثریت بعض احادیث کے ثبوت کی وجہ سے حق ہے...... اس سے یہ لازم نہیں آتا......میری مراد اس کی فضیلت کے ثبوت سے۔ کہ اسے کسی خاص ہیئت کے ساتھ کسی نماز کے لیے مخصوص کر لیا جائے، الشارع الحکیم نے اس کے ساتھ اسے خاص نہیں کیا، بلکہ یہ سب بدعت ہیں، ان سے اجتناب کرنا اور جس پر صحابہ، سلف رضی اللہ عنہم تھے اس سے تمسک اختیار کرنا واجب ہے، جس نے یہ کہا ہے اللہ اس پر رحم فرمائے:

وَكُلُّ خَيْرٍ فِيْ اتِّبَاعِ مَنْ سَلَفْ
وَ كُلُّ شَرٍّ فِيْ ابْتِدَاعِ مَنْ خَلَفْ

''سلف کی اتباع میں تمام خیر ہے۔ اور خلف کی بدعت سازی میں تمام شر ہے۔''

۳: عیدین کی راتوں کو جاگنا

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "ضعیف الترغیب و الترهیب" (۱/ ۳۳٤) میں حدیث رقم (٦٦٨) کے تحت فرمایا: ❷

ابن القیم رحمہ اللہ نے "زاد المعاد" ❸ میں قربانی کی رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے بارے میں بیان کیا:
''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح تک سوئے رہے، آپ اس رات نہیں جاگے، اور آپ سے صحیح ثابت نہیں کہ آپ نے عیدین کی راتوں کو قیام کیا ہو۔''

---

❶ دیکھیں: ''من گھڑت نمازوں کی بدعات'' نصف شعبان کی رات میں صلاة الرغائب کی بدعت۔

❷ عید کی راتوں کی فضیلت کے بارے میں وارد احادیث موضوع ہیں، دیکھیں: ''الضعیفة'' (٥٢١، ٥٢٢، ٥١٦٣) اور ''ضعیف الترغیب و الترهیب'' (٦٦٦-٦٦٨)۔

❸ ۲/ ۲٤٧۔ط۔مؤسسه الرسالة.

۴: عید کی دو راتوں کو اس زعم سے قیام و عبادت کے لیے مخصوص کر لینا کہ ان دو راتوں کی عبادت دیگر راتوں کی عبادت سے افضل ہے

"الثمر المستطاب" (۲/ ۵۷۷)

۵: عید کے دو دنوں کو اس زعم سے قبروں کی زیارت کے لیے مخصوص کر لینا کہ ان دنوں میں قبروں کی زیارت کرنا ان کے علاوہ دیگر دنوں میں زیارت کرنے سے افضل ہے

"الثمر المستطاب" (۲/ ۵۷۷)

۶: معراج کی شب تقریب اور جلسے وغیرہ کا اہتمام

علامہ ابن دحیہ نے اپنی کتاب "اداء ما وجب من بیان وضع الوضاعین فی رجب" (ص ۵۳۔۵٤) میں بیان کیا:

بعض قصہ گو حضرات نے ذکر کیا کہ واقعہ معراج رجب میں ہوا تھا، [1] جبکہ جرح و تعدیل والوں کے ہاں یہ عین کذب ہے، امام ابو اسحاق حربی نے کہا: رسول اللہ ﷺ کو ۲۷ ربیع الاوّل کی شب کو معراج کرائی گئی کہ اس بارے میں جو اختلاف ہے اور جو حجت لی گئی ہے اسے ہم نے اپنی کتاب "الابتہاج فی احادیث المعراج" [2] میں ذکر کیا ہے۔

---

[1] ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "اداء ما وجب......" (ص ۵۲) کے حاشیے میں بیان کیا:

حافظ ابن حجر نے اسے مصنف سے اپنے رسالے "تبیین العجب فیما ورد فی رجب" (صفحہ:۳) میں نقل کیا اور اسے تسلیم کیا، بلکہ اسے ہر ممکن ذریعے سے اور ہر مناسبت سے لوگوں کے لیے بیان کرنا واجب ہے، واللہ المستعان۔

میں کہتا ہوں: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رجب میں شب معراج منانا کذب پر اعتماد کرنا ہے، جو کہ ان دونوں جلیل القدر حفاظ کی گواہی سے ثابت ہے (وہ دونوں: حافظ ابن دحیہ اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ ہیں) بعد کے زمانوں میں جو مشہور ہوا ہے کہ یہ ستائیس رجب کو تھی کسی کو اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔

مزید یہ کہ یہ مذکورہ تقریب مذکور اپنی اصل کے حوالے سے غیر مشروع ہے، اس لیے کہ وہ ایک نیا کام ہے، باقی تہواروں اور یادگاروں کی طرح اس پر سلف کا عمل نہیں رہا، خواہ وہ خوشی کے حوالے سے ہو یا غمی کے حوالے سے، لہٰذا اس کی ترویج جائز نہیں، خواہ وہ کسی بھی وسیلے سے ہو جیسے ماہ رجب میں اس رات کے متعلق تقریر و تحریر، خاص طور پر ستائیس تاریخ کو، کیونکہ اس میں گمراہ کرنا اور کذب کی تائید ہے جس سے لوگوں کو تاثر دیا جاتا ہے کہ معراج رجب میں ہوئی تھی، اور یہ کہ اس کو منانا مشروع ہے۔

[2] ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "اداء ما وجب......" (ص ۵۴) کے حاشیے میں بیان کیا: سیوطی نے ان اقوال کو جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے "الآیة الکبری فی شرح قصة الاسراء" (ص ۳۴) میں اور علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر "روح المعانی" (۴/ ۴۶۹) میں ذکر کیا، وہ پندرہ اقوال ہیں، لیکن ان میں کوئی ایک قول خبر صحابی تک مسند نہیں جس سے اطمینان حاصل ہوتا ہو، اسی لیے اس بارے میں ایک عالم کے اقوال مختلف ہیں، نووی رحمہ اللہ کے اس بارے میں تین اقوال ہیں انہوں نے ان اقوال کو ان سے بیان کیا ہے، ان میں سے ایک اسی کتاب میں ⇦⇦⇦

۷: عاشوراء کے دن سرمہ لگانا اور تیل وخوشبو لگانا

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعیفة" (۲/ ۸۹) میں بیان کیا:

ملا (علی) قاری نے اپنی ''موضوعات'' (ص۱۲۲) میں ابن القیم سے نقل کیا [1] کہ انہوں نے کہا:

''رہیں عاشوراء کے دن سرمہ لگانے، تیل اور خوشبو لگانے والی احادیث تو وہ کذاب لوگوں کی وضع کردہ ہیں، دوسروں نے ان کے مقابلے میں اس دن کو غم وحزن کا دن قرار دیا، دونوں گروہ بدعتی، سنت سے خارج ہیں، جبکہ اہل السنۃ وہ کرتے ہیں جس کا نبی ﷺ نے حکم دیا ہے اور وہ روزہ ہے، اور وہ اس چیز سے اجتناب کرتے ہیں جس کا شیطان نے حکم دیا ہے اور وہ بدعات ہیں۔''

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صحیح الترغیب والترھیب" (۱/ ۵۹۳) میں حدیث رقم (۱۰۱۷) کے تحت بیان کیا:

لغت میں مشہور ہے کہ "عاشوراء" اور "تاسوعاء" مد کے ساتھ ہیں، اور وہ دونوں قصر کے ساتھ (مد کے بغیر) بھی بیان کیے گئے ہیں، علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عاشوراء کا روزہ اب سنت ہے واجب نہیں، رہا اس دن (اہل وعیال پر) خرچ کرنا اور سرمہ لگانا تو وہ بدعات میں سے ہے۔ دیکھیں: مقدمہ "صحیح الترغیب والترھیب" (۱/ ۵۹)

۸: عاشوراء کے دن اہل وعیال پر خوب خرچ کرنا

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "تمام المنة" (ص ۴۱۲) میں بیان کیا:

اسی لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جزم کے ساتھ فرمایا کہ یہ روایت جھوٹ ہے، [2] اور ذکر کیا کہ اس بارے امام احمد سے پوچھا گیا، تو انہوں نے اسے کچھ نہ سمجھا، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ سلف میں سے کسی ایک نے بھی عاشوراء کے دن خوب خرچ کرنے کو مستحب قرار نہیں دیا، خیر القرون میں ان احادیث میں سے کچھ بھی معروف نہ تھا، اس بارے میں "الفتاوی" (۲/ ۲۴۸-۲۵۶) میں اس قول کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا،

⇐⇐ الحربی کے قول کے مثل ہے، نووی نے بھی اسے اپنے ''الفتاوی'' (ص۱۵) میں جزم کے ساتھ کہا ہے، عقل مند شخص سمجھ سکتا ہے کہ سلف اس رات میں تقریبات برپا نہیں کرتے تھے، وہ اسے رجب میں عید ر میلہ بناتے تھے نہ اس کے علاوہ کسی اور میں، اگر انہوں نے اسے منایا ہوتا جیسا کہ خلف آج کرتے ہیں، تو یہ ان سے تواتر سے ثابت ہوتا، اور خلف کے ہاں اس رات کا تعین ہو گیا ہوتا اور انہوں نے یہ عجیب و غریب اختلاف نہ کیا ہوتا، میں کہتا ہوں: کتاب ''الابتہاج'' نئی نئی چھپی ہے، اس میں معراج کی تاریخ ہے (ص۶-۸)

[1] ان کا کلام "المنار المنيف" (ص۸۹۔ ط۔ دار العاصمة) میں ہے۔

[2] وہ روایت یہ ہے: ''جو عاشوراء کے دن اپنے اوپر اور اپنے اہل وعیال پر خوب خرچ کرتا ہے تو اللہ پورا سال اس پر خوب خرچ کرتا ہے۔''

اس کا مطالعہ کریں، مناوی نے مجد لغوی ❶ سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا: عاشوراء کے دن روزے، نماز، خرچ کرنے، خضاب لگانے، تیل اور سرمہ لگانے کے کی فضلیت کے بارے میں جو بھی مروی ہے وہ بدعت ہے جسے حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں نے ایجاد کیا ہے۔'' "صحيح الترغيب و الترهيب" کا مقدمہ دیکھیں (۱/۵۴) اور "صحيح الترغيب و الترهيب" (۱/۵۹۳) سے بھی دیکھیں۔

۹: عید میلاد کی بدعت:

"بداية السول" (ص۹)، "مختصر الشمائل" (ص ۱۷۵)

۱۰: ماہ ربیع الاوّل کی رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کا قصہ بیان کرنے سے تخصیص کرنا اور یہ زعم رکھنا کہ اس کا اس ماہ بیان کرنا دیگر مہینوں میں بیان کرنے سے افضل ہے

"الثمر المستطاب" (۱/ ۵۷۷)

۱۱: جمعہ کی رات عشاء کی نماز میں سورة الجمعة، اور سورة المنافقون کی قراءت کی پابندی کرنا

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعيفة" (۲/ ۳۵) میں بیان کیا:

"البجيرمى" (۲/ ٦٤) میں بیان ہوا:

''جمعہ کی رات عشاء کی نماز میں "سورة الجمعة" اور "سورة المنافقون" کی قراءت بھی مستحب ہے، جیسا کہ ابن حبان میں صحیح سند سے وارد ہے۔ اور سبکی رحمہ اللہ اسے پڑھا کرتے تھے، انہوں نے اس پر اعتراض کیا کیونکہ وہ رافعی کے کلام میں نہیں، انہوں نے اس انکار کرنے والے پر اس چیز سے رد کیا جو بیان ہو چکی، یعنی وارد ہونے سے اور کتنے ہی مسائل ہیں جنہیں رافعی نے ذکر نہیں کیا، اس کا اسے ذکر نہ کرنا اس کی عدم سنیت کو مستلزم نہیں۔''

میں کہتا ہوں: یہ جواب فقہی لحاظ سے صحیح ہے، وہ سبکی رحمہ اللہ کے مذہبی جمود سے آزادی پر دلالت کرتا ہے، لیکن وہ حدیث ضعیف ہے۔ ❷ محفوظ نہیں ابن حابن نے خود اس کی شہادت دی ہے، اس سے استحباب بھی ثابت نہیں ہوتا چہ جائیکہ سنیت ثابت ہو، بلکہ اس کا التزام بدعت ہے، شام کے مختلف شہروں اور دمشق میں بہت سے ائمہ مساجد یہ سورتیں پڑھتے ہیں، لیکن انہوں نے بدعت اور لوگوں کی رضا مندی کو جمع کر دیا، انہوں نے سورة المنافقون کی قراءت اصلاً ترک کر دی اور انہوں نے اپنے زعم کے مطابق لوگوں پر تخفیف کی خاطر دونوں رکعتوں میں سورة الجمعة کے دوسرے حصے کی قراءت کی پابندی کر لی!

❶ "خاتمة سفر السعادة" میں، اور ابن ہمات نے اسے ''التنكيت والافادة'' (۱۰۹ـ ۱۱۲) میں تفصیل سے بیان کیا۔

❷ الضعيفة، رقم: ۵۵۹.

میں تو عرصے سے ان کی اس پابندی کا انکار کرتا تھا، میں اس بارے میں ان کے مستند کے متعلق نہیں جانتا تھا، حتی کہ میں نے بجیرمی کا یہ کلام دیکھا، وہ اس حدیث پر مستند ہے، میں جسے اس کے حدیث کی بڑی چھ کتابوں میں عدم ورود کی وجہ سے غریب سمجھتا تھا، لیکن یہ انکار کے لیے کافی نہیں، حتی کہ "موارد الظمآن" میں مجھے اس کی اسناد کا پتہ چلا اور میں نے وہاں سے نقل کیا، تو مجھے اس کا ضعف واضح ہوا، بلکہ ابن حبان نے بذات خود اپنی دوسری کتاب میں اسے ضعیف قرار دیا، فالحمد لله على توفيقه۔

پھر یہ بات بھی حدیث کے ضعف پر دلالت کرتی ہے کہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ پہلی دو سورتیں مغرب کی سنتوں میں پڑھا کرتے تھے، اس کے فرض میں نہیں، یہ آپ ﷺ سے کئی طرق سے آیا ہے، اور میں نے اسے "صفة الصلاة" (ص ۱۱۵۔ السابعة) میں نقل کیا ہے۔

۱۲: ماہ رجب کی روزہ کے ساتھ تخصیص کرنا

"الباعث" (ص ٣٤۔٣٦)، "الرد على التعقيب الحثيث" (ص ٥٠)۔

۱۳: عرفہ کے دن عرفات کے پہاڑوں پر اور قربانی کی رات مشعر حرام پر چراغاں کرنا

"الثمر المستطاب" (١/ ٦٠٠)، "حجة النبى ﷺ" (١٢٩/ ٩٩)، "المناسك" (٥٧/ ١٠١)

فصل: صوفی گانے اور اسلامی ترانے

یہ انتہائی اہم بحث ہے کیونکہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور عبادت بھی صرف اسی طرح کی جاتی ہے جیسے مشروع ہے، یہ شہادتین کے معنی کا اثبات ہے، اس لیے کہ اس کے ذریعے بندہ اللہ کی محبت حاصل کرتا ہے، اس کے مقدمہ میں ہمارے شیخ رحمہ اللہ کا کلام، اور ایک حدیث ہے: "لَوْ كَانَ مُوسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهُ اِلَّا اتِّبَاعِيْ" "اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو وہ بھی لازمی طور پر میری ہی اتباع کرتے۔" یہ روایت حسن ہے۔

صحیح حدیث قدسی: "...... بندہ جس چیز کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے اس میں سے وہ چیز مجھے سب سے زیادہ پسند ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے......" اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے سبب اختیار کرنا واجب ہے اور وہ (سبب) صرف رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہے، ان لوگوں کو جو صوفی گانوں اور دینی اشعار، جو کہ شریعت کے مخالف ہیں، میں مبتلا ہیں، تین امور کے ذریعے تذکیر کی نصیحت ہے: یہ کہ مذکورہ غناء (گانے) ایک نئی چیز ہے، وہ سلف کے وقت نہ تھی، اور یہ کہ اللہ کا قرب اسی چیز سے حاصل کرنا جائز ہے جو رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے مطابق ہے، حتی کہ اس کی اصل مشروع ہو جیسے عیدین کے لیے اذان۔

اس بارے میں شیخ ابن تیمیہ کا فتوی، اور سوالوں پر ان کے جوابات واضح کرتے ہیں کہ جس کی اصل مباح نہ ہو اسے عبادت کے طور پر کرنا جائز نہیں، اس پر مثالیں اور ان میں سے بعض میں نبی ﷺ کا اس آدمی پر اعتراض کرنا جس نے نذر مانی کہ وہ دھوپ میں کھڑا ہوگا...... اور اس کی صحت کا بیان، بدعت ابلیس کو معصیت سے زیادہ پسند ہے، اور یہ بیان کہ اللہ نے جس چیز کو مشروع قرار نہ دیا ہو اس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنا جائز نہیں، خواہ اس کی اصل مشروع ہو، اور اس پر بعض مثالیں ان میں سے عیدین کے لیے اذان، یہ تو باب اولی میں سے ہے کہ اللہ نے جس چیز کو حرام قرار دیا ہے اس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنا جائز نہیں اور جو شخص کسی ایسی چیز کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے جسے اس نے حرام قرار دیا ہے تو وہ سزا کا حق دار ہے۔

تقرب مذکور (غناء صوفی) کفار سے اور ان کا سیٹیاں بجا کر اور تالیاں پیٹ کر عبادت کرنے سے مشابہت اختیار کرنا اور ان دونوں کی تفسیر اور علماء نے تصوف کے گیتوں (قوالی وغیرہ) کا انکار کیا ہے، اور انہوں نے شافعی کا قول ذکر کیا ہے کہ یہ "تغبیر" زندیقوں نے شروع کی، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اسے ان سے نہی کے ساتھ روایت کیا اور اس کا معنی بیان کیا، اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تعلیق، اور ان کی تاکید کہ اسے زندیقوں نے شروع کیا، ان میں سے

ابن الراوندی اور اس کے وجوب کی تصریح!

ابن تیمیہ کی تحقیق کہ دف کے ساتھ سُر والے اشعار سننے کے لیے اکٹھے ہونا (محفل سماع منعقد کرنا) دین اسلام سے اس کا بالضرور عدم مشروع ہونا معلوم ہے، اور حرام سماع کے نقصانات کے بارے میں ان کا مفصل فتوی ہے، یہ کہ وہ دلوں میں اس طرح سرایت کرتا ہے جس طرح جام شراب سرایت کرتا ہے، اور وہ انہیں شراب سے بھی زیادہ اللہ کے ذکر سے روکتا ہے، اور ان کے بعض شیطانی احوال کا بیان ہے جیسے آگ میں داخل ہونا وغیرہ۔

تعلیق میں معاصرین میں سے اس کی تردید جس نے اس عقیدے کا انکار کیا کہ شیطان انسان کو حقیقی طور پر مس نہیں کرتا، اور اس نے اس بارے میں ایک کتاب تالیف کی جس میں اس نے لوگوں کو دھوکا دیا، اور اپنی عادت کی طرح صحیح احادیث کو ضعیف قرار دیا۔

مختلف اختصاصات میں مشہور علماء کی ایک جماعت کے صوفی گیتوں (قوالی وغیرہ) کی تحریم کے بارے میں مقالات کہ وہ بدعت ہے اور مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے، ان میں سے ابو الطیب طبری، امام طرطوشی، امام قرطبی، حافظ ابن الصلاح اور امام شاطبی ہیں۔

بدعتیوں اور گمراہوں کے اس پر اصول و ماخذ کا ذکر کیا، شاطبی رحمہ اللہ کے کلام کا ملخص، حاشیہ میں دیکھیں۔

ان میں سے ابن القیم رحمہ اللہ اس بارے میں غایت تک پہنچے، اور ان کے کلام کا کچھ حصہ ان کی کتاب "مسألة السماع" میں ہے اور ان پر انکار و اعتراض کے متعلق ان کے اشعار۔

اور ان میں سے مفسر محقق آلوسی ہیں، انہوں نے میناروں پر گیتوں کا جسے وہ "تمجید" نام دیتے ہیں اور ان صوفیاء کا انکار کیا ہے جو اپنے اشعار میں شراب، نشے اور لیلی و سعدی کا ذکر کرتے ہیں......! اور ان کی حکایت عز بن عبدالسلام سے ان کے خلاف شدید انکار کے حوالے سے ہے۔

اس اعتقاد کے متعلق ان کی شدید تنبیہ کہ سماع صوفی قربت کا ذریعہ ہے اور انہوں نے بیان کیا کہ جو اس کا قصد کرتا ہے اس کا (آخرت میں) کوئی حصہ نہیں، اور ان کا اس پر استدلال کمال شریعت سے ہے، اور مؤلف کا طالب علم کے ساتھ قصہ جس نے صراحت کی کہ وہ اللہ کے ذکر کے دوران (گلوکارہ) ام کلثوم کے گیت سنتا ہے! وہ اس کے گیتوں سے جنت میں حور عین کو یاد کرتا ہے! اور ہمارے شیخ البانی نے رد کیا۔

اور اسی طرح معاصر شیخ غزالی کا اعتراف کہ وہ ام کلثوم اور فیروز کے گیت سنتا ہے، لیکن اچھی نیت کے ساتھ! اور اس کی حدیث "الاعمال بالنیات" (اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے) کے معنی سے جہالت۔

صوفی گیتوں کی نحوست کا بیان کہ ان میں سے کسی کا قول ہے: "مرید کے لیے گیت (قوالی) سننا قرآن سننے سے زیادہ مفید ہے۔" "الاحیاء" میں غزالی کی بھی یہی توجیہ ہے اور "مرید" کی جگہ لفظ "شیوخ" ہے! اور اس کی

سنگینی کا بیان، اور ابن القیم نے اس کے اشعار کی تردید کی۔

اسلامی یا دینی اشعار کے متعلق آخری بات اور بیان کہ وہ صوفی گیتوں کے حکم میں ہے اور یہ کہ بسا اوقات ان میں بعض دیگر شریعت کی خلاف ورزیاں بھی وافر پائی جاتی ہیں۔

دمشق میں جائز اشعار کی کیسٹوں کے پھیلاؤ کے آغاز کی تاریخ، اور انہوں نے کس طرح ہیئت بدلی کہ ان میں دف بھی شامل کر دی گئی، اور نوجوان قرآن کریم سے غافل ہو کر اس کے دل دادہ ہو گئے، اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا﴾ (الفرقان: ۳۰) "رسول نے کہا: میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔" کا عموم صادق آتا ہے۔ [1]

اشعار نبوی کے متعلق ہمارے شیخ رحمہ اللہ کا کلام اور ان کا "الضعیفة" ثانی میں الاستاذ الطنطاوی کا دفاع۔

"طلع البدر علینا" کے قصے کو ہمارے شیخ کا ضعیف قرار دینا اگرچہ وہ عام لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہے اور بہت سارے خاص لوگوں کی زبان پر بھی مشہور ہے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ کا اتباع اور ان صوفیوں سے تنبیہ کے حوالے سے نفیس کلام جنہوں نے دینی اشعار کو اپنے رب کی قربت کا ذریعہ بنا لیا، اور اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اذان و اشعار میں موسیقی کی بعض سریں بھی استعمال کیں جیسا کہ "بداية السول" میں ان کی تحقیق کے مقدمے میں ہے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ کا ''مجلۃ الاصالۃ'' دوسرے شمارے، سن ۱۴۱۳ھ میں اسلامی اشعار کے متعلق فتویٰ۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ کا ''مجلۃ الاصالۃ'' شمارہ سترہ ۱۴۱۶ھ میں اسلامی اشعار کے متعلق فتویٰ۔

صوفی گیت

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "تحريم آلات الطرب" (ص ۱۵۸۔۱۸۰) میں بیان کیا:

اس کے بعد کہ ہم نے حرام گیت کو دو قسموں میں بیان کیا: آلے کے ساتھ، اور آلے کے بغیر، اس بارے میں اللہ کی کتاب، اس کے نبی ﷺ کی سنت، آثار سلف اور اقوال ائمہ کا سہارا لیا ہے، وقت آ گیا ہے کہ ہم صوفی گیت کے بارے میں بات کریں، اور اس چیز کے بارے میں بات کریں جو آج اسلامی یا دینی نظموں سے معروف ہیں۔ میں اللہ سے مدد طلب کرتے ہوئے کہتا ہوں:

اس چیز میں سے جس میں کوئی شک نہیں، کہ جس طرح اس شہادت کہ ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں'' کے اثبات

---

[1] یہ عنوانات کتاب ''تحریم آلات الطرب'' کے موضوعات کی فہرست سے لیے گئے ہیں۔

کے لیے ضروری ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اسی طرح ہمارے لیے جائز نہیں کہ "محمد رسول اللّٰہ" کی شہادت کے اثبات کے لیے ہم رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے علاوہ کسی اور طریقے سے اللہ کی عبادت کریں یا اس کا قرب حاصل کریں، جب مومن اس کو ثابت کر لیتا ہے تو وہ اللہ کا محبّ اور رسول اللہ ﷺ کا متبع بن جاتا ہے، اور جس سے اللہ محبت کرتا ہے تو اللہ اس کا حامی و ناصر بن جاتا ہے۔

میں نے عز بن عبدالسلام رحمہ اللہ کے رسالے "بداية السول فی تفضيل الرسول" ❶ پر اپنی تعلیق کے مقدمے میں اللہ اور رسول کی محبت کے بارے میں دو معروف حدیثوں کے بعد ذکر کیا، کہ جس میں وہ ہو وہ ایمان کی مٹھاس پالیتا ہے، اس کی نص یہ ہے:

> ''مسلمان بھائی! جان لیجیے کہ کسی شخص کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی اس منزل تک اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت، جس میں کسی اور کی عبادت شامل نہ ہو اور نبی ﷺ کی خالص اتباع جس میں اللہ کے بندوں کی اتباع شامل نہ ہو، کے بغیر پہنچ جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء: ۸۰) "جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔'' نیز فرمایا: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران: ۳۱) " کہہ دیجیے! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔'' اور آپ ﷺ کا فرمان ہے: "وَالَّذِي نَفْسِيْ بِيَدِهِ، لَوْ اَنَّ مُوْسٰى كَانَ حَيًّا مَا وَسِعَهُ اِلَّا اتِّبَاعِي" ❷ ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو وہ بھی میری ہی اتباع کرتے۔''

میں کہتا ہوں: پس جب موسیٰ کلیم اللہ کے لیے نبی ﷺ کی اتباع کے بغیر کوئی چارہ نہیں، تو کیا ان کے علاوہ کسی اور کے لیے کوئی گنجائش باقی رہتی ہے؟ یہ نبی ﷺ کی خالص اتباع کے وجوب کے قطعی دلائل میں سے ہے، اور وہ اس گواہی کہ ''محمد اللہ کے رسول ہیں'' کے لوازم میں سے ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے گزشتہ آیت میں...... کسی اور کی نہیں...... آپ ﷺ کی خالص اتباع کو اس شخص کے لیے اللہ کی محبت پر دلیل قرار دیا، اور یہ ایسی چیز ہے جس میں کوئی شک نہیں کہ جس سے اللہ محبت کرتا ہے، تو ہر معاملے میں اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے، جیسا کہ صحیح حدیث قدسی میں ہے:

((وَمَا تَقَرَّبَ اِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ أَحَبَّ اِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِيْ

---

❶ یہ مکمل طور پر متن کے ساتھ آگے آئے گا۔

❷ حدیث حسن ہے، دیکھیں: "الارواء" (۱۵۸۹)۔ "الصحيحة" (۳۲۰۷). (منه)

يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ، كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ ......)) (صحیح بخاری۔ "الصحیحة" (١٦٤٠)

"اور میرا بندہ جن چیزوں (اعمال) کے ذریعے میرا قرب چاہتا ہے ان میں سے وہ چیز مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا تقرب چاہتا رہتا ہے حتی کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، جب میں اسے محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہو، میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، میں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اور اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں، اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرتا ہے تو میں اسے ضرور پناہ دیتا ہوں......" [1]

جب یہ عنایت الٰہی ہے تو یہ صرف اللہ کے محبوب بندے کے لیے ہے، تو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اس سبب کو اختیار کرے جو اسے اللہ کا محبوب بنا دے، سن لو: وہ صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہے، اور صرف اسی سے وہ اپنے مولا تبارک وتعالیٰ کی خاص عنایت حاصل کرسکتا ہے، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ فرائض کی معرفت اور اسے نوافل سے ممیز کرنا صرف آپ ﷺ کی خالص اتباع سے ممکن ہے؟"

جب اس کا پتہ چل گیا، تو میں آپ ﷺ کے فرمان: "الدِّينُ النَّصِيحَةُ" [2] (دین خیر خواہی کا نام ہے) کے تحت اپنے اوپر لازم سمجھتا ہوں کہ میں اپنے ان مسلمان بھائیوں کو ...... وہ جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں ...... جو صوفی گیتوں یا ان گیتوں کو جنہیں وہ دینی اشعار کا نام دیتے ہیں، سننے سنانے میں مبتلا ہو چکے ہیں کچھ نصیحت کروں اور انہیں یاد دہانی کراؤں:

ا۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کے بارے میں کوئی مسلمان عالم، جو کتاب وسنت اور سلف صالحین کے منہج کی سوجھ بوجھ کی حقیقی معرفت رکھتا ہے، جن کے منہج کو اپنانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور ان کی راہ کی مخالفت سے ہمیں روکا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ [النساء: ١١٥]

---

[1] بندے کے اعضاء وجوارح کان، آنکھ، ہاتھ پاؤں اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع ہو جاتے ہیں۔ وہ اس کی مرضی کے خلاف حرکت نہیں کرتے۔ اللہ کا بندہ اللہ کی حفاظت میں آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی دعائیں قبول فرماتا ہے۔ (شہباز حسن)

[2] مسلم نے اسے تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ "الارواء" (رقم: ٢٦) غاية المرام (٣٣٢)۔ (منه)

(جو شخص اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت واضح ہو گئی رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں کی راہ چھوڑ کر دوسروں کی راہ چلے تو ہم اسے اس طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا ہے، اور ہم اسے جہنم میں پہنچائیں گے جو بہت ہی بری جگہ ہے۔) مومن اس میں شک نہیں کرتا، میں کہتا ہوں: ان علماء میں سے کسی ایک پر یہ مخفی نہیں کہ مذکورہ گیت ایک نیا کام ہے، یہ اس دور میں معروف نہ تھے جنہیں بہترین زمانے قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ یہ ان کے ہاں طے شدہ ہے، کہ اللہ کا تقرب صرف اسی عمل کے ذریعے جائز ہے جو رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا ہے، جیسا کہ اس کا بیان گزر چکا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس کے لیے چند مثالیں بیان کی ہیں جو ہر منصف عالم شخص کے لیے ہمارے موقف کی تائید کرتی ہیں، انہوں نے فرمایا:

''اور یہ معلوم ہے کہ دین کی دو بنیادیں ہیں، دین وہی ہے جسے اللہ نے مشروع قرار دیا، اور حرام وہی ہے جسے اللہ نے حرام قرار دیا، اللہ تعالیٰ نے مشرکوں پر طعن کیا کہ انہوں نے ایسی چیز کو حرام قرار دے دیا جسے اللہ نے حرام نہیں ٹھہرایا، اور انہوں نے ایسی چیز کو دین قرار دیا جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا، اگر کسی عالم ❶ سے اس شخص کے متعلق پوچھا جائے جو دو پہاڑوں کے درمیان دوڑ کر چکر لگاتا ہے، کیا وہ اس کے لیے جائز ہے؟ وہ جواب دے گا: ہاں، تو جب پوچھا جائے: وہ عبادت کے طور پر چکر لگاتا ہے جیسا کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کی جاتی ہے؟ وہ جواب دے گا: اگر اس نے یہ اس صورت وحیثیت سے کیا ہے تو وہ حرام اور منکر ہے، ایسا کرنے والے سے توبہ کرائی جائے گی، اگر اس نے توبہ کرلی تو ٹھیک ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ ❷

اگر اس سے سر ننگا رکھنے اور ازار باندھنے اور چادر لپیٹنے کے متعلق پوچھا جائے؟ تو وہ فتویٰ دے گا کہ یہ جائز ہے، جب پوچھا جائے کہ وہ اس طرح احرام کی حیثیت سے کرتا ہے جس طرح حاجی احرام باندھتا ہے؟ تو وہ جواب دے گا: وہ حرام اور منکر ہے۔

اور اگر اس شخص کے بارے میں پوچھا جائے جو دھوپ میں کھڑا ہوتا ہے؟ اس نے کہا: یہ جائز ہے، جب پوچھا جائے کہ وہ اسے عبادت کے طور پر کرتا ہے؟ تو وہ جواب دے گا: یہ منکر ہے، جیسا کہ امام بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دھوپ میں کھڑا دیکھا تو فرمایا:

''یہ کون ہے؟''

انہوں نے عرض کیا: یہ ابو اسرائیل ہے، اس نے نذر مانی ہے کہ وہ دھوپ میں کھڑا رہے گا، بیٹھے گا نہیں، اور سائے میں نہیں جائے گا اور کسی سے بات بھی نہیں کرے گا! نبی ﷺ نے فرمایا:

---

❶ اس سے عموماً سلفی عالم مراد ہے نہ کہ خلفی! (منہ)

❷ میں کہتا ہوں: یعنی: اللہ کی حدود قائم کرنے والے حاکم کی طرف سے، جو آج کل تقریباً ناپید ہے۔ (منہ)

((مُرُوْهُ فَلْيَتَكَلَّمْ وَلْيَجْلِسْ وَلْيَسْتَظِلَّ وَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ)) ❶

''اسے کہو کہ بات کرے، بیٹھ جائے، سائے میں چلا جائے اور اپنا روزہ مکمل کرے۔''

اگر اس نے یہ راحت یا کسی مباح غرض کے لیے کیا تو اسے اس سے منع نہیں کیا جائے گا، لیکن جب اس نے اسے عبادت کے طور پر کیا تو اسے اس سے روکا جائے گا۔

اسی طرح اگر آدمی امر کی پچھلی جانب سے اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے تو یہ اس پر حرام نہیں، لیکن جب اس نے یہ اس لیے کیا کہ وہ عبادت ہے جیسا کہ لوگ اس طرح دور جاہلیت میں کیا کرتے تھے۔۔تو وہ گناہ گار مذموم بدعتی ہوگا، جبکہ بدعت ابلیس کو معصیت سے زیادہ محبوب ہے، ❷ اس لیے کہ گناہ گار شخص جانتا ہے کہ وہ گناہ گار ہے پس وہ توبہ کر لے گا، جبکہ بدعتی سمجھتا ہے کہ وہ جو کر رہا ہے وہ نیکی ہے پس وہ توبہ نہیں کرے گا، اسی لیے جو محفل سماع میں لہو ولعب کے لیے حاضر ہوتا ہے وہ اسے اپنا صالح عمل قرار دیتا ہے نہ اس سے ثواب کی امید رکھتا ہے۔

رہا وہ شخص جو اسے اس حیثیت سے کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایک طریق ہے، تو وہ اسے دین بنالیتا ہے، اور جب اسے اس سے روکا جاتا ہے تو وہ اس طرح ہوتا ہے جس طرح اسے اس کے دین سے روکا جا رہا ہے! اور وہ سمجھتا ہے کہ اس کا اللہ سے رشتہ توڑ دیا گیا ہے اور جب اس نے اسے ترک کر دیا تو اللہ کی طرف سے اس کا جو نصیب ہے وہ اس سے محروم ہو جائے گا۔

مسلمان علماء کا ان کے گمراہ ہونے پر اتفاق ہے، مسلمانوں کے ائمہ میں سے کوئی ایک بھی نہیں کہتا: کہ اسے دین اور اللہ تعالیٰ کی طرف طریق قرار دینا امر مباح ہے، بلکہ جس نے اسے دین اور اللہ تعالیٰ کی طرف طریق قرار دیا تو وہ گمراہ اور گمراہ کن ہے، اور مسلمانوں کے اجماع کا مخالف ہے۔

اور جس نے عمل کے ظاہر کی طرف دیکھا اور اس کی مذمت کی، اور اس نے عامل کے فعل اور اس کی نیت کو نہ دیکھا، وہ جاہل ہے اور بلا علم دین کے بارے میں کلام کرنے والا ہے۔''

"مجموع الفتاوی" (١١/ ٦٣١-٦٣٣)

٣۔ علماء کے ہاں یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ اللہ نے جس کام کو مشروع قرار نہیں دیا اس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنا جائز نہیں، خواہ اس کی اصل مشروع ہو، جیسے مثال کے طور پر عیدین کی نماز کے لیے اذان، اس نماز کے مانند نماز جسے صلاۃ الرغائب کا نام دیتے ہیں، جیسے چھینک مارنے کے وقت نبی ﷺ پر درود اور فروخت کنندہ کی طرف سے بیوقوف غبی کو پیسے دیتے وقت، اور اس طرح کے بہت زیادہ نئے نئے کام

---

❶ "الارواء" (٨/ ٢١٨/ ٢٥٩١)، اور اس میں ہے کہ صحیح بخاری میں فی الشمس (دھوپ میں) کے الفاظ نہیں اور وہ صحیح ہے۔(منہ)

❷ یہ قول بعض سلف سے مروی ہے، اور وہ سفیان ثوری ہیں، ابن الجعد نے اپنی مسند (٢/ ٧٤٨/ ١٨٨٥) میں روایت کیا۔(منہ)

جنہیں امام شاطبی رحمہ اللہ ''اضافی بدعات'' کا نام دیتے ہیں، اور انہوں نے اپنی عظیم کتاب ''الاعتصام'' میں ان کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: "کل بدعة ضلالة، وکل ضلالة فی النار"❶ (ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔) کے عموم میں داخل ہونا خوب ثابت کیا ہے۔

جب یہ معلوم ہو گیا، تو کسی ایسی چیز کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کرنا جسے اس نے حرام قرار دیا ہے وہ بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا، بلکہ وہ شدید حرام ہوگا، اس لیے کہ اس میں اللہ کی شریعت کی خلاف ورزی ہے، اللہ نے ایسا کرنے والے کو ان الفاظ کے ساتھ دھمکی دی ہے: ﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (الانفال: ۱۳) "جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا، بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔"

مزید یہ کہ اس میں نصاریٰ وغیرہ کفار سے مشابہت ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ [الاعراف: ۵۱] ''وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا اور دنیوی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال دیا'' اور مشرکوں سے مشابہت ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَ مَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّ تَصْدِيَةً﴾ (الانفال: ۳۵) "بیت اللہ کے پاس ان کی نماز سیٹیاں بجانا اور تالیاں پیٹنا تھی۔"

علماء کا کہنا ہے کہ مکاء سے مراد سیٹی بجانا جبکہ تصدیة سے مراد تالی بجانا ہے۔ ❷

اسی لیے علماء نے ہر دور میں ان پر سخت اعتراض کیا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

> ''میں نے عراق میں ایک چیز چھوڑی ہے جسے "التغبیر" (ذکر کے حلقوں میں خوش الحانی اور آلات موسیقی وغیرہ سے اشعار پڑھنا) کہا جاتا ہے، اسے زندیقوں نے جاری کیا، وہ لوگوں کو قرآن سے روکتے ہیں۔''❸

اس کے متعلق احمد سے پوچھا گیا؟ تو انہوں نے فرمایا: ''بدعت ہے۔'' اور ایک روایت میں ہے: انہوں نے اسے مکروہ قرار دیا ہے اور اسے سننے سے منع فرمایا۔

---

❶ نسائی نے اور ابن خزیمہ نے اسے اپنی ''صحیح'' میں صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے، اور ابن تیمیہ نے اسے کئی جگہوں پر صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھیں میرا رسالہ: "خطبة الحاجة" (ص ۳۷). (منه)

❷ دیکھئے تفسیر ابن کثیر (۳/ ۳۰۶)، اغاثة اللهفان (۱/ ۲۴۴ـ ۲۴۵). (منه)

❸ الخلال نے "الامر بالمعروف" (ص ۳۶) میں اسے روایت کیا، ابو نعیم نے "الحلية" (۹/۱۴۶) میں اور ابن الجوزي نے ان سے (ص ۲۴۴ـ۲۴۹) روایت کیا، اس کی اسناد صحیح ہیں، ابن القیم نے "الاغاثة" (۱/۲۲۹) میں ذکر کیا، کہ وہ شافعی سے متواتر ہے۔ پھر انہوں نے تغبیر کی وہ تفسیر کی جو میں نے اوپر ذکر کی ہے۔ (منه)

اور انہوں نے فرمایا: جب تم ان میں سے کسی شخص کو کسی راستے میں دیکھو تو تم دوسرا راستہ اختیار کر لو ❶
"تغبیر": ایسے اشعار جو دنیا سے بے رغبت کرتے ہیں، کوئی گانے والا انہیں گاتا ہے، اور بعض حاضرین اس کے گانے کی داد دیتے ہوئے چمڑے پر یا تکیے پر چھڑی مارتے ہیں، جیسا کہ ابن القیم ودیگر نے بیان کیا ہے۔
شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "المجموع" (۱۱/ ۵۷۰) میں بیان کیا:
"اور جو شافعی "اللہ ان پر راضی ہو" نے ذکر کیا کہ وہ زندیقوں کا گھڑا ہوا ہے۔ وہ اصول اسلام سے باخبر امام کا کلام ہے، کیونکہ یہ جو سماع ہے اس میں صرف وہی رغبت رکھتا ہے اور اس کی طرف دعوت دیتا ہے جس پر اصل میں زندیق ہونے کی تہمت ہو! جیسے ابن الراوندی، الفارابی اور ابن سینا اور ان جیسے دیگر لوگ، جیسا کہ ابوعبدالرحمٰن السلمی نے ابن الراوندی ❷ سے اسے "مسألة السماع" میں ذکر کیا، انہوں نے کہا:
"فقہاء کا سماع میں اختلاف ہے، کچھ لوگوں نے اسے مباح قرار دیا ہے اور کچھ نے اسے مکروہ قرار دیا، میں اسے واجب قرار دیتا ہوں۔ یا اس نے کہا: میں اس کا حکم دیتا ہوں۔"! پس اس نے اس کا حکم دینے میں علماء کے اجماع کی مخالفت کی۔
فارابی ❸ موسیقی کا ماہر تھا، گلوکاروں کے ہاں اس فن میں اس کا ایک طریقہ ہے، ابن حمدان کے ساتھ اس کی حکایت مشہور ہے، جب اس نے بیان کیا تو انہیں رلایا، پھر انہیں ہنسایا، پھر انہیں سلا دیا، پھر باہر نکل گیا!"
اور انہوں نے (ص ۵۶۵) کہا:

"دین اسلام سے لازمی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی امت کے صالح و عابد اور زاہد افراد کے لیے مشروع نہیں کیا کہ وہ سُروں کے ساتھ اشعار سننے کے لیے اکٹھے ہوں جہاں تالی یا دف وغیرہ کا بھی استعمال و اہتمام ہو۔ جیسا کہ کسی کے لیے مباح نہیں کہ وہ آپ کی متابعت اور کتاب و حکمت کی تعلیمات کی اتباع سے نکل جائے، امر باطن میں نہ اس کے ظاہر میں، کسی عامی کے لیے نہ

---

❶ اسے بھی خلال نے اس کے طرق سے روایت کیا، اور جو اضافہ ہے وہ "مسألة السماع" (ص ۱۲٤) سے ہے۔ (منہ)
❷ اس کا نام احمد بن یحییٰ بن اسحاق راوندی، ہے وہ مشہور زندیق ہے، حافظ نے "لسان المیزان" میں بیان کیا:
معتزلہ کے متعلق کلام کرنے والا وہ پہلا شخص تھا، پھر وہ زندیق بن گیا اور الحاد کے حوالے سے مشہور ہوا، اس نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں اسلام پر طعن کیا، شیخ نے اس کتاب یعنی: "المیزان" سے اس کی سوانح حیات کو حذف کر کے اچھا کیا، میں نے اس پر لعنت کرنے کے لیے اسے نقل کیا، اللہ اس پر لعنت کرے وہ ۲۹۸ھ میں فوت ہوا۔"
❸ اس کا نام محمد بن محمد بن طرخان الترکی ہے، اس کی سوانح حیات "شذرات الذهب" (۲/ ۳۵۰۔ ۳۵٤) میں تفصیل کے ساتھ ہے، اور وہ حکایت، جس کی طرف شیخ نے اشارہ کیا ہے، اس میں مذکور ہے، وہ افسانے کی طرح ہے، غزالی اور دیگر نے اس کی تکفیر کی ہے، اس نے ۳۳۹ھ میں وفات پائی ہے۔

کسی خاص کے لیے۔''

پھر شیخ نے (ص۵۷۳-۵۷۶) میں فرمایا:

''جو شخص دین کے حقائق، دلوں کے احوال و معارف اور اس کے ذوق و وجدان سے واقف ہے، وہ جانتا ہے کہ سیٹیوں اور تالیوں کا سننا دلوں کے لیے کسی منفعت کا باعث ہے نہ کسی مصلحت کا، مگر اس میں جو ضرر اور بگاڑ ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے، وہ روح کے لیے اس طرح ہے جیسے جسم کے لیے شراب، وہ نفوس میں اسی طرح اثر انداز ہوتی ہے جس طرح جام شراب۔

اسی لیے اسے سننے والے شراب کے نشے سے زیادہ مدہوش ہوتے ہیں، وہ بلا تمیز لذت پاتے ہیں، جیسا کہ شراب نوش پاتا ہے، بلکہ انہیں اس سے زیادہ اور بڑا نشہ حاصل ہوتا ہے جو کسی شراب نوش کو حاصل ہوتا ہے جو شراب انہیں جس سے روکتی ہے، اور انہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے اس سے کہیں بڑھ کر روکتی ہے اور وہ ان کے درمیان شراب سے بڑھ کر عداوت اور بغض پیدا کرتی ہے، حتی کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائے بغیر قتل کر دیتے ہیں، بلکہ اس کے ساتھ جو شیاطین ان کے ساتھ ہوتے ہیں، بے شک اس حال میں جبکہ ان پر شیاطین نازل ہوتے ہیں تو انہیں شیطانی احوال حاصل ہوتے ہیں، وہ ان کی زبانی کلام کرتے ہیں جس طرح جن اس مجنون کی زبانی کلام کرتا ہے، یا تو ایسے کلام کے ساتھ جو عجمیوں کے کلام کی جنس سے ہے، جو ان کا کلام نہیں سمجھتے، جیسے ترکی یا فارسی زبان، یا ان کے علاوہ، اور وہ انسان جس پر شیطان کا حملہ ہوتا ہے اجنبی ہو جاتا ہے وہ اسے اچھی طرح بول نہیں سکتا، بلکہ وہ کلام اس کے کلام کی جنس سے ہو جاتا ہے جو وہ شیاطین ان کے بھائیوں سے ہوتے ہیں، یا تو ایسے کلام کے ساتھ جس کا معنی عقل و فہم میں نہ آتا ہو، اور اسے صرف اہل مکاشفہ ہی پہچانتے ہیں: ظاہر اور آنکھوں کے سامنے ہو جانے سے۔ [1]

---

[1] **تنبیہ:** بعض معاصرین نے انسان کو شیطان کے حقیقی طور پر مس کرنے، اس کے انسان کے بدن داخل ہونے اور اسے مجنون بنا دینے کے عقیدے کا انکار کیا ہے، اور ان میں سے بعض نے اس بارے میں بعض تالیفات تصنیف کی ہیں، انہوں نے اس میں لوگوں کو دھوکا دیا ہے، اور ان میں سے جس نے سب سے بڑھ کر حصہ لیا وہ صحیح احادیث کو ضعیف قرار دینے والا ہے، اس نے اسے اپنی کتاب میں ذکر کیا جس کا نام "الاسطورة" رکھا! اور اس نے اپنی عادت کے مطابق اس بارے میں جو صحیح احادیث آئی ہیں انہیں ضعیف قرار دیا، اس نے اور دیگر نے معتزلہ کی تاویلات کا سہارا لیا ہے، جبکہ دوسرے بہت دور نکل گئے، انہوں نے اس صحیح عقیدے سے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے، اور اس کے ساتھ ایسی چیز کو ملا دیا جو اس کا حصہ ہے نہ حقیقت پر مبنی ہے، اور انہوں نے اس کے ساتھ اس کا انکار کرنے والوں کی مدد کی! اور انہوں نے اپنے زعم کے مطابق اسے اپنے آس پاس کے تمام لوگوں کے سینوں سے جن نکالنے کا وسیلہ بنا لیا، اور اسے ناحق طور پر لوگوں کے مال کھانے کا پیشہ بنا لیا، حتی کہ ان میں سے بعض تو بڑے مال دار بن گئے، جبکہ حق ان باطل پرستوں اور منکروں کے درمیان ضائع ہونے والا ہے، میں نے "الصحیحة" کی چھٹی جلد میں ان سب کی تردید کی ہے، اور میں نے اس میں بعض صحیح احادیث نقل کی ہیں جو مس حقیقی (جنوں کے چھونے) کی تائید کرتی ہیں، دیکھیں رقم (۲۹۱۸)۔ (منہ)

اور یہ لوگ جو شریعت سے نکل کر آگ میں داخل ہو جاتے ہیں وہ اسی قسم کے لوگ ہیں، شیاطین ان میں سے کسی کے ساتھ اس قدر میل جول رکھتے ہیں کہ وہ اپنے بدن کا احساس بھول جاتا ہے، حتی کہ مجنون شخص اپنے آپ کو بہت زیادہ مارتا ہے، اور وہ اسے محسوس بھی نہیں کرتا، اور اس کا اس کی جلد پر اثر بھی نہیں ہوتا، اسی طرح یہ شیاطین ان پر غالب آ جاتے ہیں اور انہیں آگ میں داخل کر دیتے ہیں، اور کبھی وہ انہیں ہوا میں اڑاتے ہیں، اور شیطان ان پر غالب آ کر ان کی عقل غائب کر دیتا ہے، جس طرح شیطان مجنون پر غالب آ جاتا ہے۔

سرزمین ہند اور مغرب میں ''زُط'' کی ایک قسم ہے ان میں سے کسی ایک کو کہا جاتا ہے: مصلی (آگ میں داخل ہونے والا)، بے شک وہ آگ میں داخل ہو جاتا ہے جس طرح وہ لوگ داخل ہوتے ہیں، وہ شیاطین اس پر غالب آتے ہیں تو وہ اس میں داخل ہو جاتا ہے اور وہ ہوا میں اڑتا ہے، اور وہ نیزے کی انی پر کھڑا ہو جاتا ہے، اور وہ ایسے کرتب دکھاتا ہے جو ان کے کرتبوں سے زیادہ بلیغ ہوتے ہیں، اور وہ ان ''الزط'' میں سے ہیں جن کا (آخرت میں) کوئی حصہ نہیں۔ جن بہت سے انسانوں کو اچک لیتے ہیں اور انہیں لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل کر دیتے ہیں، وہ انہیں ہوا میں اڑاتے ہیں، ہم نے یہ امور بذات خود براہ راست دیکھے ہیں، اسی طرح یہ بدحواس لوگ اور بعض مشائخ کی طرف منسوب افراد کرتے ہیں جب اسے وجد سماعی حاصل ہو جاتا ہے، اور سیٹیاں اور تالیاں سننے کے موقع پر، ان میں سے جو ہوا میں چڑھتا ہے، نیزے کی انی پر کھڑا ہوتا ہے، آگ میں داخل ہوتا ہے۔ گرم گرم لوہے کے ٹکڑے کو پکڑ کر اپنے جسم پر لگا لیتا ہے، اور اسی طرح کی دیگر حرکات، اس شخص کو یہ حال نماز کے وقت حاصل ہوتا ہے نہ ذکر کے وقت اور نہ قرآن پڑھتے وقت ہی! کیونکہ یہ شرعی ایمانی اسلامی نبوی محمدی عبادات ہیں، جبکہ وہ عبادات بدعی، شرکیہ، شیطانی فلسفہ ہے، جو شیاطین لاتے ہیں۔

نبی ﷺ نے صحیح حدیث میں فرمایا: ''اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جب کچھ لوگ جمع ہو کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور اسے آپس میں پڑھتے پڑھاتے ہیں، تو رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے، سکینت ان پر نازل ہوتی ہے، فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ ان کا اپنے پاس موجود فرشتوں میں ذکر کرتا ہے۔''[1] صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ اسید بن حضیر نے جب سورۃ الکھف تلاوت کی تو فرشتے اسے سننے کے لیے نازل ہوئے، جیسا کہ سائبان میں چراغ ہو۔''[2]

---

[1] "صحیح مسلم" نقد نصوص حدیثیة" (ص۳٦). (منه)

[2] امام بخاری نے اصل الحدیث روایت کی، (۵۰۱۱)، اور مسلم نے اپنی صحیح (۷۹۵) میں، لیکن صاحب قصہ اسید کا اس میں ابہام ہے، لیکن حافظ ابن حجر نے "الفتح" (۹/ ۵۷) میں بیان کیا۔ ''کہا گیا: کہ وہ اسید بن حضیر ہیں۔''
اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۱۱۵/۳) میں اسے بالجزم بیان کیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اس میں خطیب البغدادی کی "الاسماء المبهمة" (ص۴) میں متابعت کی ہو، یہ سب احتمال پر مبنی ہے، ایسی کوئی نص نہیں کہ اس کی تعیین میں کوئی جزم کے ساتھ قطعی طور پر آگاہی حاصل کر سکے۔ (منه)

اسی لیے سیٹیاں اور تالیاں فواحش وظلم کی طرف دعوت دیتی ہیں، اور وہ شراب کی طرح اللہ کے ذکر کی حقیقت اور نماز سے روکتی ہیں، سلف اسے "تغبیر" کا نام دیتے ہیں! کیونکہ "تغبیر" کسی چمڑے پر چھڑی وغیرہ مارنا ہے، اور وہ جو انسان کی آواز کو سُر میں بدل دے، کبھی انسان کی آواز کے ساتھ دونوں ہاتھوں کی تالی، یا ران اور جلد پر چھڑی مار کر یا ہاتھ پر ہاتھ مار کر یا دف بجا کر یا نصاریٰ کے ناقوس کی طرح طبل بجا کر یا یہود کے بگل کی طرح سیٹی میں پھونک مار کر اس آواز کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے، تو جو شخص یہ کام دین اور تقرب کے لیے کرتا ہے تو اس کی گمراہی اور جہالت میں کوئی شک نہیں۔

بعض علماء وہ ہیں جنہوں نے صوفی گیتوں کی تردید میں مبالغہ کیا ہے: وہ قاضی ابوالطیب طبری ہیں، [1] انہوں نے کہا:

''یہ گروہ مسلمانوں کی جماعت کے مخالف ہے، اس لیے کہ انہوں نے گیتوں کو دین اور نیکی کا درجہ دے دیا، اور اس گروہ نے مساجد، تمام مبارک جگہوں اور عزت کی جگہوں پر اس کو جائز سمجھا۔ [2]

ان میں سے امام طرطوشی [3] ہیں، ان سے کچھ لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا جو کسی جگہ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، پھر کوئی اشعار پڑھنے والا شعر پڑھتا ہے، تو وہ رقص کرتے ہیں، جھومتے ہیں اور دف بجاتے ہیں، کیا ان کے ساتھ شریک ہونا حلال ہے یا حرام؟

انہوں نے جواب دیا: صوفیاء کا یہ مذہب بے بنیاد اور گمراہی ہے، اسلام تو کتاب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کا نام ہے، رہا رقص و وجد، تو اسے سب سے پہلے سامری کے پیروکاروں نے شروع کیا تھا جب اس نے ان کے لیے ایک بچھڑا بنایا جو کہ بولتا تھا، وہ آتے اور اس کے گرد رقص کرنے لگتے اور وجد میں آجاتے، جبکہ وہ: یعنی رقص: کافروں اور بچھڑے کے پجاریوں کا دین ہے، نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کی مجلس تو اس طرح پر وقار ہوتی تھی گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں، بادشاہ اور اس کے نائبین کو چاہیے کہ وہ انہیں مساجد وغیرہ میں آنے سے منع کریں، اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے والے کے لیے جائز نہیں کہ وہ ان کے ساتھ شریک ہو، اور وہ ان کے باطل پر ان کا معاون نہ ہو، مالک، شافعی، ابوحنیفہ، احمد اور دیگر مسلمان اماموں کا یہی مسلک ہے۔'' [4]

---

[1] وہ شافعی مسلک کے کبار فقہاء میں سے ہیں، ذہبی رحمہ اللہ نے "السیـــر" (۱۷/۶۶۸) میں انہیں امام علامہ شیخ الاسلام...... سے متصف کیا ہے، آپ رحمہ اللہ نے ...... صحیح عقل ثابت فہم کی حالت میں ...... ۴۵۰ھ میں ایک سو دو سال کی عمر میں وفات پائی۔ (منہ)

[2] "مسألة السماع" لابن القیم (۲۶۲)۔ وہ "رسالة الطبری" (ص ۳۲) کے بیان کی تلخیص ہے۔ (منہ)

[3] وہ قرطبہ میں مالکیہ کے شیخ ہیں، ذہبی نے (۱۹/۴۹۰) میں فرمایا: الامام العلامة القدوة الزاہد۔۔۔ انہوں نے ۵۲۰ھ میں وفات پائی۔ (منہ)

[4] "کف الرعاع عن استماع آلات السماع" للفقیه الهیتمی (ص ۵۰/ هامش الزواجر، تفسیر القرطبی" (۱۱/ ۲۳۷-۲۳۸). (منہ)

اوران میں سے امام قرطبی ❶ ہیں، انہوں نے ان گیتوں، جو ساکن کو متحرک کر دیں اور بیٹھے ہوئے کو اٹھا دیں اوران میں عورتوں اور شراب کے علاوہ دیگر حرام امور کا بیان ہو، کے متعلق فرمایا کہ ان کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں:

''اور رہے وہ گیت جو اس بارے میں صوفیوں کے ایجاد کردہ ہیں، وہ اس قبیل سے ہیں جن کے حرام ہونے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں، لیکن وہ بہت سے افراد جو خیر کی طرف منسوب ہیں ان پر شہوانی نفوس غالب آجاتے ہیں، حتی کہ ان میں سے اکثر میں دیوانوں اور بچوں کی حرکات ظاہر ہوتی ہیں، حتی کہ وہ ایک جیسی حرکات اور ملتی جلتی اداؤں کے ساتھ رقص کرتے ہیں، حتی کہ ان میں سے کچھ لوگوں کی بے شرمی اس حد تک پہنچ گئی کہ انہوں نے اسے قرب الٰہی کا ذریعہ اور صالح اعمال میں سے قرار دے دیا، اور اس سے برے احوال کا نتیجہ نکلتا ہے، اور تحقیق کے مطابق یہ زندیقوں کے آثار اور جھوٹ گھڑنے والوں کے قول سے ہے، واللہ المستعان. ❷

اسی طرح کا فتوی امام حافظ ابن صلاح ❸ نے اپنے مفصل فتویٰ میں بعض لوگوں کی طرف سے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے، دیا جو دف کے ساتھ گانا گانے، اس کے ساتھ رقص کرنے اور تالیاں بجانے کو حلال و جائز سمجھتے ہیں، اور وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ حلال وقربت ہے اور وہ سب سے افضل عبادت ہے؟!

آپ رحمہ اللہ نے جواب دیا، اس مقام کی مناسبت سے اس کا خلاصہ یہ ہے:

''انہوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر جھوٹ باندھا، انہوں نے اپنے اس قول سے ملحدوں کی باطنیت کو پھیلا دیا اور مسلمانوں کے اجماع کی مخالفت کی، اور جس نے ان کے اجماع کی مخالفت کی وہ اس سزا کا مستحق ہے جو اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان میں ہے: ﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ (النساء: ١١٥) ❹ ''جو اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت واضح ہوگئی رسول کی مخالفت کرتا ہے اور مومنوں کی راہ کی اتباع نہیں کرتا تو ہم اسے پھیر دیتے ہیں جدھر وہ پھرتا ہے، ہم اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔''

---

❶ وہ (محمد بن احمد انصاری) قرطبی المشہور ''الجامع لأحكام القرآن'' کے مؤلف نے ۶۷۱ھ میں وفات پائی، سطر اوّل ان میں سے ہے وہ ''الجامع'' (١٤/ ٥٤) میں اسی کی مانند ہے۔ (منہ)

❷ ''روح المعاني'' للعلامة الآلوسي (١١/ ٧٠)۔ (منہ)

❸ وہ امام علامہ شیخ الاسلام تقی الدین مؤلف ''مقدمہ علوم الحدیث'' المشہور، ذہبی نے ''السیر'' میں بیان کیا:
''وہ اپنے دور کے تفسیر وحدیث اور فقہ کے فضلاء میں سے ایک تھے۔۔۔'' انہوں نے ۶۴۳ھ میں وفات پائی۔ (منہ)

❹ دیکھیں: ''فتاوی ابن الصلاح'' (۳۰۰۔۳۸۔ تحقیق ڈاکٹر قلعجی)، اس سے ابن القیم نے ''اغاثة اللهفان'' (١/ ٢٢٨) میں وہاں سے کافی حصہ نقل کیا ہے۔ اس میں سے کچھ یہاں نقل کیا گیا ہے۔ (منہ)

اور ان میں سے امام شاطبی رحمہ اللہ ہیں۔ صوفیت کی طرف منسوب لوگوں کی طرف سے انہیں سوال کیا گیا: وہ اکٹھے ہو کر یک آواز ہو کر بلند آواز سے اللہ کا ذکر کرتے ہیں، پھر وہ گانے گاتے اور رقص کرتے ہیں؟ انہوں نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: ❶

''یہ سب بدعات محدثات میں سے ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقے اور آپ کے اصحاب اور تابعین کے طریقے کے خلاف ہے، اللہ اس (فتوے) کے ذریعے اپنی مخلوق میں سے اپنی مشیت کے مطابق فائدہ پہنچائے۔''

پھر انہوں نے ذکر کیا جب وہ جواب ان علاقوں تک پہنچا تو ان بدعات پر عمل کرنے والوں پر قیامت واقع ہو گئی، انہیں اپنے طریقے کے مٹ جانے اور اس سے ان کی روزی ختم ہو جانے کا خطرہ محسوس ہوا، تو انہوں نے وقت کے بعض شیوخ کے فتاویٰ کا سہارا لینے کی کوشش کی وہ ان کی بدعت کو صالح قرار دینے کے لیے اس (فتویٰ) کا ناجائز استعمال کرنے لگے، تو شاطبی نے ان کی تردید کی، اور بیان کیا کہ وہ ان کے خلاف حجت ہے۔

اور انہوں نے اس بارے میں تقریباً تیس صفحات (۳۵۸-۳۸۸) پر مشتمل مفصل کلام پیش کیا، جو تفصیل چاہتا ہے وہ اس کی طرف رجوع کرے۔

انہوں نے اس سے پہلے وہ اصول و ماخذ بیان کیے جن کا بدعتی اور گمراہ سہارا لیتے ہیں، اور انہوں نے ان کے بطلان اور شرع سے ان کی مخالفت کے متعلق اطمینان بخش جواب دیا، میں نے سوچا کہ میں اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کا خلاصہ قارئین کی خدمت میں پیش کروں، اس لیے کہ علماء اصول نے اس کے بیان میں تفصیل پیش نہیں کی، جیسا کہ آپ رحمہ اللہ نے (۱/۲۹۷) بذات خود بیان کیا، اسے حاشیے ❷ میں دیکھ لیں!

---

❶ وہ العلامہ المحقق ابراہیم بن موسیٰ اللخمی ابو اسحاق الغرناطی ہیں، جلیل و نفیس کتابوں کے مؤلف ہیں۔ ۷۹۰ھ میں وفات پائی۔ (منہ)
میں کہتا ہوں: انہوں نے اسے اپنی کتاب "الاعتصام" میں بیان کیا ہے، اور اس کے متعلق خصوصی طور پر ان کا "الفتاوی" (ص ۱۹۳-۱۹۷) میں ایک فتویٰ ہے، اگر آپ چاہیں تو اس کا مطالعہ کر لیں۔

❷ (۱)...... ان کا سہارا ضعیف احادیث اور ان میں رسول اللہ ﷺ پر بیان کردہ جھوٹ پر ہے، ... اور ضعیف احادیث ظن پر غالب نہیں آ سکتیں کہ نبی ﷺ نے انہیں فرمایا ہے: پس ان کی طرف حکم کی نسبت کرنا ممکن نہیں، تو آپ کا ان احادیث کے متعلق کیا گمان ہے جو کذب کے حوالے سے معروف ہیں؟! (ص ۲۹۹-۳۰۰)۔ (منہ)

(۲)...... ان کا ان صحیح احادیث کو رد کر دینا جو ان کی اغراض کے موافق نہیں، اور وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ عقل کے خلاف ہیں، جیسا کہ عذاب قبر، پل صراط، میزان (ترازو) اور آخرت میں اللہ کے دیدار کا انکار کرنے والے ہیں... (ص ۳۰۹)۔ (منہ)

(۳)...... قرآن و سنت جو کہ دونوں عربی زبان میں ہیں ان کا عربی علم نہ جاننے کے باوجود ان دونوں کے متعلق کلام و اعتراض کرنے کی جسارت کرنا جو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے سمجھا جاتا ہے، وہ شریعت کے خلاف مسلسل بات کرتے رہتے ہیں اور علم میں راسخ افراد کی مخالفت کرتے ہیں۔ (منہ)

⇦⇦⇦

ان میں سے علامہ محقق عظیم دانش مند ابن القیم الجوزیہ ہیں، ❶ انہوں نے گانوں اور آلات لہو ولعب اور صوفی گیتوں کی تحریم کے بارے میں اپنی کتاب کبیر "الکلام فی مسألة السماع "غایت درجہ استدلال پیش کیا ہے۔ انہوں نے اس پر استدلال کے بارے میں کتاب وسنت اور آثار سلف سے بڑی تفصیل سے استدلال کیا ہے، اور اس بارے میں علماء کے مذاہب اور ترجیحات بیان کی ہیں، اور اللہ کی حرام کردہ چیز کو حلال جاننے والوں کا رد کیا ہے، ان کی عمدہ چیز یہ ہے کہ انہوں نے شان دار مفید فصول میں گانے والوں اور صاحب قرآن کے درمیان ایک مجلس مناظرہ منعقد کی، اس میں حلال جاننے والوں اور بدعتی حضرات کے خلاف واضح حجت ہے، جزاه اللہ خیرا، انہوں نے صوفی گیتوں پر اپنے مجمل رد میں بیان کیا جس کا اختصار (ص۱۰۶۔۱۰۸) یہ ہے:

''اس صورت پر یہ سماع حرام قبیح ہے، کسی مسلمان نے اسے مباح قرار نہیں دیا، اسے صرف وہی مستحسن قرار دے سکتا ہے جس نے اپنے چہرے سے حیاء و دین کی چادر اتار دی ہو، اور اس نے اللہ، اس کے رسول ﷺ، اس کے دین اور اس کے بندوں پر قباحت ظاہر کی ہو، سماع ان جیسے امور پر مشتمل ہے جس کی قباحت لوگوں کی فطرت میں داخل ہو چکی ہے، حتی کہ کافر اس کے ذریعے مسلمانوں کو اور ان کے دین کو طعنہ دیتے ہیں۔

⇐⇐ (۴) (ص۳۳۰) ان کا ان متشابہات کی اتباع میں، جن میں عقل کی رسائی نہیں، واضح اصول سے انحراف کیا۔ (منہ)

(۵)...... (ص۳۲۹) ان کا ان مطلقات کو ان کی مقیدات پر غور وفکر سے پہلے اخذ کرنا اور ان پر عمل کرنا، عمومات پر یہ غور کیے بغیر عمل کرنا کہ کیا ان کے لیے کوئی تخصیص کرنے والے امور ہیں یا نہیں؟ اسی طرح اس کے برعکس، یہ کہ نص مقید ہو تو اسے مطلق بنا دینا، یا خاص ہو تو اسے بلا دلیل صرف رائے سے عام بنا دینا...... (منہ)

میں کہتا ہوں: پھر امام شاطبی رحمہ اللہ نے اس پر بعض مفید مفید علمی مثالیں پیش کی ہیں، اور ابن القیم نے عکس مذکور کو صوفیاء کے گانوں کو مباح قرار دینے میں جو غلطی ہے اسے اصل قرار دیا ہے، مذکورہ بالا کتاب کا (ص۳۶۰) دیکھیں، اس غلطی کے مثل معاصر غزالی نے موسیقی کو مباح قرار دیا ہے۔ "السنة النبوية" (ص۷۰) دیکھیں۔

(۶)...... (ص۳۳۴): دلائل کو ان کی جگہوں سے بدل دینا، یہ کہ دلیل کسی مقصد کے لیے وارد ہوتی ہے تو وہ اسے کسی اور مقصد کی طرف بدل دیتے ہیں اور یہ وہم پیدا کرتے ہیں کہ دونوں کا مقصد ایک ہے! اور وہ ان کے کلمات کو ان کی جگہوں سے بدلنے کی مخفی امور میں سے ہے والعیاذ باللہ، اور وہ ظن پر غالب آتا ہے کہ جس نے اسلام کا اقرار کیا، اور وہ کلمات کو ان کی جگہوں سے بدلنے کی مذمت کرتا ہے، وہ صراحت کے ساتھ ادھر نہیں جاتا بلکہ اشتباہ کے ساتھ جو اسے پیش آتا ہے، یا جہل کے ساتھ جو اسے حق سے روکتا ہے، گمراہی کے ساتھ جو اسے دلیل کو اس کے ماخذ سے لینے سے اندھا بنا دیتی ہے، تو وہ اس وجہ سے بدعتی بن جاتا ہے۔ (منہ)

(۷)...... (ص۳۴۸): اپنے شیوخ کی تعظیم میں سرفروشی، حتی کہ انہوں نے ان کو وہاں تک پہنچا دیا جس کا وہ استحقاق نہیں رکھتے، ان میں سے جو اعتدال پسند ہے وہ زعم رکھتا ہے کہ فلاں سے بڑھ کر کوئی اللہ کا ولی نہیں، بسا اوقات تو انہوں نے اس مذکور (ولی) کے بغیر باقی ساری امت پر ولایت کا دروازہ بند کر دیا، جبکہ وہ باطل محض ہے۔۔ (ص:۳۴۹): اور ان میں سے جو میانہ رو ہے وہ زعم رکھتا ہے کہ وہ نبی ﷺ کے مساوی ہے مگر یہ کہ اس پر وحی نہیں آتی! (منہ)

❶ وہ مشہور ومعروف شخصیت ہیں۔ ۷۵۱ھ میں وفات پائی۔ (منہ)

جی ہاں، مسلمانوں کے خواص اور دین اسلام اس سماع سے بری و لاتعلق ہیں جس کے ذریعے عقل و دین میں کس قدر بگاڑ پیدا ہوا، عورتوں اور بچوں کو بگاڑ کا سامنا کرنا پڑا، اس نے دین کو کس قدر خراب کیا، سنت کو ختم کیا اور فجور و بدعات کو زندہ کیا......!

اگر اس (سماع) میں صرف یہی بگاڑ ہو کہ اس کو سننے والوں کے دلوں پر قرآن سننا بھاری گزرتا ہے، جب اسے ان کے سماع کے سامنے پڑھا جائے تو اسے لمبا سمجھنا (کہ یہ قراءت کب ختم ہوگی) اس کی آیات پر غور و فکر نہ کرنا، اس سے انہیں کوئی ذوق حاصل ہوتا ہے نہ وجد اور نہ ہی حلاوت، بلکہ اکثر حاضرین ...... یا ان میں سے اکثر ...... اس کی طرف توجہ نہیں کرتے، وہ اس کے معانی کو درست طرح سمجھتے ہیں نہ اس کی تلاوت کے وقت اپنی آوازیں پست کرتے ہیں......

(اشعار کا ترجمہ): کتاب کی تلاوت کی گئی تو وہ چل دیے، وہ ایسا خوف کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ وہ لاپروا اور غافل شخص کی طرح چل پڑتے ہیں، اور جب گانا آتا ہے تو مکھی کی طرح رقص کرتے ہیں، واللہ! وہ اللہ کی وجہ سے ایسا نہیں کرتے۔ دف، باجا اور گلوکار کی سر الغرض جب بھی آپ دیکھیں گے آلاتِ موسیقی کے ساتھ عبادت کی جاتی ہے۔ کتاب الٰہی ان پہ گراں گزرتی ہے، اس لیے کہ انہوں نے دیکھا کہ اس میں اوامر و نواہی کی پابندی لگائی گئی ہے۔ گانے کے بعد انہیں رقص خفیف لگتا ہے۔ باطل کا مشتبہ امور کے ساتھ التباس ہوگیا ہے۔ دین محمد سے خیانت اس امت نے خود کی ہے، اسی نے اسے نقصان پہنچایا اور زچ کیا۔ [1]

مجموعی طور پر اس سماع کے دلوں، نفوس اور ادیان میں بے شمار مفاسد ہیں۔''

ان میں سے مفسر محقق آلوسی [2] ہیں، انہوں نے آیت "لھو الحدیث" کی تفسیر، آثار اور اس میں مفسرین کے اقوال، اور ان میں جو گانوں کے حرام ہونے پر دلالت ہے اور اس بارے میں فقہاء کے مذاہب (۷۳-۷۶/۲۱) کے بارے میں خوب محنت و کاوش کے بعد فرمایا:

''میں کہتا ہوں: یہ گانوں اور سماع کی وبا تمام علاقوں اور تمام جگہوں میں عام ہو چکی ہے، اس سے مساجد بچی ہیں نہ کوئی اور جگہ، بلکہ کچھ گونیے مقررین ہیں جو مخصوص اوقات میں مساجد میں مناروں پر ایسے اشعار گاتے ہیں جو شراب، مے کدوں اور باقی ممنوع چیزوں کے وصف و بیان پر مشتمل ہوتے ہیں، اس کے باوجود ان کے لیے وقف

---

[1] صاحب تعلیق نے کہا کہ مجھے ان (اشعار) کا قائل معلوم نہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ ابن قیم خود ہیں۔ ان کا اسلوب اور مزاج ان میں ظاہر ہے "الاغاثة" میں انہوں نے اشعار کو قدرے اختلاف اور بعض اشعار کے اضافے کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (منہ)

[2] وہ علامہ ابوالفضل شہاب الدین السید محمود الآلوسی بغداد کے مفتی ہیں، ان کی بہت زیادہ تالیفات ہیں، ان میں سے سب سے زیادہ مشہور تفسیر "روح المعانی" ہے، انہوں نے ۱۲۷۰ھ میں وفات پائی۔

کے غلے سے وظیفہ مقرر کیا جاتا ہے، اور وہ انہیں ''بزرگ'' کا نام دیتے ہیں! اگر یہ مساجد میں نہ ہو تو وہ اسے دین کے متعلق کم تو جہی شمار کرتے ہیں، اور اس سے بھی بہت برا جو سرکش صوفی کرتے ہیں، پھر یہ کہ...... اللہ انہیں ہلاک کرے...... جب ان پر ان کے ان اشعار کے متعلق اعتراض کیا جاتا ہے جو کہ باطل پر مشتمل ہوتے ہیں تو وہ کہتے ہیں: شراب سے ہماری مراد محبت الٰہی ہوتی ہے، یا نشے سے مراد: اس کا غلبہ ہے، یا میّہ اور لیلی اور سعدی مثلاً اس سے مراد محبوب اعظم اللہ عزوجل ہے! اور اس میں سوء ادب ہے جو اس میں ہے: ﴿وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اَسْمَآئِهٖ﴾ (الاعراف: ۱۸۰) ''اور اللہ کے واسطے اچھے اچھے نام ہیں، پس اس کو انہیں ناموں سے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں کی غلط تاویلیں کرتے ہیں۔''

پھر انہوں نے بعض بڑے علماء سے (ص۷۵) نقل کیا کہ انہوں نے کہا:

''حرام سماع میں سے ہمارے دور کا صوفیانہ سماع ہے، اگرچہ وہ رقص سے خالی ہو، کیونکہ اس کے مفاسد ان گنت ہیں، بہت سے اشعار جو وہ پڑھتے ہیں ان کے پڑھنے سے جو رہ جاتے ہیں وہ انتہائی برے ہیں، اس کے باوجود وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ قربت کا ذریعہ ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ ان میں سے اکثر جو ہیں ان میں بہت زیادہ رغبت یا ڈر پایا جاتا ہے۔ اللہ انہیں ہلاک کرے وہ کہاں الٹائے جاتے ہیں!''

اس سے پہلے انہوں نے (ص۷۳) عز بن عبد السلام سے ان کے سماع و رقص اور ان کی تالیوں کے بارے میں بہت سخت اعتراض نقل کیا، پھر انہوں نے ان کے وجد کے بارے میں اور اس کے متعلق علماء کے اقوال کے بارے میں بات کی، کیا ان کا اس پر مؤاخذہ ہوگا؟! اور انہوں نے ان پر اعتراض کیا اس لیے کہ وہ نبی ﷺ کے دور میں نہ تھا، پھر انہوں نے اس تعرض کی طرف توجہ کی جسے وہ ''تمجید'' کہتے ہیں اور وہ مناروں پر پڑھتے ہیں، اور انہوں نے اس کا انکار کیا۔

پھر انہوں نے آلات لہو ولعب کے حرام ہونے کے بارے میں احادیث ذکر کیں، ان میں سے ایک صحیح بخاری کی حدیث ہے، پھر انہوں نے ایسی مجلس میں، جہاں ایسی کوئی چیز ہو، بیٹھنے کے بارے میں حکم ذکر کیا، اور اس بارے میں علماء کے اقوال ذکر کیے۔۔۔۔ پھر (ص۷۹) فرمایا:

''پھر اگر کہیں تم اس میں سے کسی چیز کا شکار ہو جاؤ! تو پھر تم اس اعتقاد سے ضرور بالضرور بچو کہ اس کا گانا یا اس کا سننا قربت ہے، جیسا کہ وہ عقیدہ رکھتا ہے ان صوفیاء کا کوئی حصہ نہیں، اگر معاملہ ویسے ہی ہوتا جیسا کہ وہ کہتے ہیں تو پھر انبیاء اسے کرنے اور اپنے اتباع کو اس کا حکم کرنے میں سستی نہ کرتے ان علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے کسی نبی سے یہ منقول ہے نہ الہامی کتب میں سے کسی کتاب نے اس طرف اشارہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے

فرمایا ہے: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ (المائدة: ۳) "میں نے آج کے دن تمہارا دین مکمل کر دیا ہے۔"
اگر آلات موسیقی کا استعمال یا اس کا سننا دین ہوتا، اور رب العالمین کے حضور قربت کا ذریعہ ہوتا تو آپ ﷺ اسے اپنی امت کے لیے خوب اچھی طرح بیان کر دیتے، آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا تَرَكْتُ شَيْئًا يُقَرِّبُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ عَنِ النَّارِ إِلَّا أَمَرْتُكُمْ بِهِ، وَمَا تَرَكْتُ شَيْئًا يُقَرِّبُكُمْ مِنَ النَّارِ، وَيُبَاعِدُكُمْ عَنِ الْجَنَّةِ إِلَّا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ.)) [1]

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ہر وہ چیز جو تمہیں جنت کے قریب کر دے اور جہنم سے دور کر دے اس کا میں نے تمہیں حکم دے دیا، اور پھر وہ چیز جو تمہیں آگ کے قریب کر دے اور جنت سے دور کر دے اس سے میں نے تمہیں منع کر دیا۔"

صوفیاء کے گیتوں کے انکار اور اس بیان کے بارے میں کہ وہ بدعت گمراہی ہے میں نے جو ہو سکا مشہور علماء کے اقوال ذکر کیے ہیں، اور ہم نے گیتوں کی حرمت کو کتاب وسنت سے ثابت کیا، اور میں نے بعض گزشتہ فصول میں دوسروں کے بھی کچھ اقوال پیش کیے، جیسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ ہیں۔

اس مناسبت سے میرے لیے ضروری ہے کہ میں قارئین کو ایک واقعہ سناؤں جو بعض مقلد طلباء کے ساتھ لعین گیتوں کے متعلق مباحثہ کرتے ہوئے پیش آیا، یہ تقریباً پچاس سال پہلے کا واقعہ ہے، میں دمشق میں اپنی دکان پر گھڑیاں مرمت کر رہا تھا، طلبہ میں سے ایک گاہک میرے پاس آیا، اس نے شام میں معروف نقش ونگار والا اغبانی عمامہ باندھا ہوا تھا، اس نے بغل میں ایک بڑا سا ظرف دبا رکھا تھا، میں نے اسے دیکھا تو میں نے گمان کیا کہ اس میں دور حاضر میں معروف گراموفون ہے، جب میں نے اس سے پوچھا تو اس نے میرے گمان کے مطابق ہی جواب دیا، میں نے اس پر اعتراض کے انداز میں سوال کیا: کیا تم گویا ہو؟ اس نے کہا: نہیں، لیکن میں گیت سنتا ہوں، میں نے کہا: کیا تم جانتے نہیں کہ اس کے حرام ہونے پر چاروں اماموں کا اتفاق ہے؟ اس نے کہا: لیکن میں اچھی نیت سے سنتا ہوں! میں نے کہا وہ کس طرح؟ اس نے کہا: میں بیٹھ کر اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہوں اور اس کا ذکر کرتا ہوں جبکہ تسبیح میرے ہاتھ میں ہوتی ہے، اور میں ام کلثوم کے گیت غور سے سنتا ہوں، میں اس کی رس گھولتی آواز سے جنت میں الحور العین کی آواز کو یاد کرتا ہوں! میں نے اس کا سختی سے رد کیا۔ مجھے اب یاد نہیں کہ اس کے بعد میں نے اسے کیا کہا، لیکن جب وہ تقریباً ایک ہفتے بعد اپنی مرمت شدہ گھڑی لینے آیا، تو اس کے ساتھ ایک طالب علم آیا جو اس سے زیادہ طاقت ور تھا اور وہ جمعیت رابطہ علماء میں سے تھا، اس نے اس موضوع پر اپنے ساتھی

---

[1] میں کہتا ہوں کہ یہ الصحیحة: ۱۸۰۳. میں منقول ہے۔ (منه)

کی تائید میں بات کی! اور اس کی حسن نیت کے حوالے سے عذر پیش کرنے لگا، تو میں نے اسے جواب دیا کہ حسن نیت کسی حرام کام کو حلال نہیں کر سکتی، چہ جائیکہ وہ اسے اللہ کی قربت کا ذریعہ بنا دے، مجھے بتاؤ اگر کوئی مسلمان شراب نوشی کو اس دعوی کی بنیاد پر حلال جان لے کہ وہ جنت کی شراب کی یاد دلاتی ہے ... اسی طرح زنا کے بارے میں بھی کہا جائے گا! اللہ سے ڈر جاؤ، اور لوگوں پر اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنے کا دروازہ نہ کھولو، بلکہ ادنی سے حیلوں سے ان حرام کردہ کاموں کو اللہ کے قرب کے حصول کا ذریعہ قرار نہ دو، تو وہ آدمی چلا گیا!

یہ صوفی گیتوں کی تاثیر کی مثال ہے۔

قارئین کو دور لے جانے کی ضرورت نہیں، یہ شیخ غزالی ہیں جو بڑے مشہور ہیں کہ وہ اسلام کے داعی ہیں، اسی لیے انہیں بہت بڑا بین الاقوامی اسلامی انعام دیا گیا!! وہ اس مذکورہ گیت کو مباح قرار دیتے ہیں، خواہ وہ اُمّ کلثوم اور فیروز سے ہوں! ❶ جبکہ میرے خیال میں ایک طالب علم نے ام کلثوم کے گیت سننے پر اعتراض کیا ہے:

این ما یدعی ظلاما

یا رفیق اللیل اینا؟

جسے تاریکی میں بلایا جاتا ہے وہ کہاں ہے۔ رات کے ساتھی کہاں ہو؟

اس نے یوں جواب دیا: "میری مراد کوئی دوسری چیز ہے"! (ص ۷۵/السنۃ) یعنی: اس کی نیت اچھی ہے!

اس سے پہلے (ص ۷۰) پر اس نے حدیث ((انما الاعمال بالنیات)) (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے) سے صحیح استدلال نہیں کیا، اور یہ ان بہت سے دلائل میں سے ہے جو اس کی سنت کی سوجھ بوجھ کے متعلق جہالت پر دلالت کرتے ہیں، اس (حدیث) کا معنی تو یہ ہے کہ "اعمال صالحہ کا دارومدار صالح نیتوں پر ہے۔" جیسا کہ پوری حدیث اس پر دلالت کرتی ہے، ❷ اور وہ ادنی سے غور وفکر سے ظاہر ہوتا ہے، لیکن

﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ (النور: ۴۰)

"اور جس کو اللہ روشنی نہ عطا کرے اس کے لیے کوئی روشنی نہیں۔"

میں آخر میں کہتا ہوں: اگر صوفی گیتوں کی نحوست میں ان میں سے کسی کا صرف یہی قول ہو:

"گیت کا سننا چھ یا سات وجوہات کی بنا پر مرید کے لیے قرآن سننے سے زیادہ مفید ہے"!

---

❶ ہمارے شیخ البانی نے یہ اور سابقہ قصہ "السلسلة الضعيفة" (۴/ ۱۰۱۶-۱۰۲۰) میں حدیث رقم (۲۹۳۶) کے تحت ذکر کیا اور اسے اس حدیث کے تحت نقل کیا جس کی کوئی اصل نہیں، النابلسی نے اسے اپنی کتاب "ایضاح الدلالات فی سماع الالآت" میں ذکر کیا، شیخ نے اس سے بہت متنبہ کیا ہے اور اس کے محقق کی بری کارگزاری کو واضح کیا ہے۔

❷ حافظ ابن رجب کی "جامع العلوم و الحكم" (ص ۵) اور "فتح الباری" (۱/ ۱۳) دیکھیں۔ (منہ)

تو (اس کی نحوست کے لیے یہی) کافی ہے۔

جب میں نے اسے ابن القیم کی کتاب "مسألة السماع" (۱۶۱/۱) میں پڑھا تو میری یہ کیفیت تھی کہ میں سچ نہیں سمجھتا تھا کہ کوئی مسلمان یہ بھی کہہ سکتا ہے، حتیٰ کہ میں نے اسے "الاحیاء" (۲۹۸/۲) میں غزالی کے کلام میں مطلق عبارت کے ساتھ دیکھا، اس میں مرید کے ساتھ مشروط نہیں، کتنے افسوس کی بات ہے! اور اس نے تاکیداً کہا کہ اس نے اسے اپنے اوپر سوال یا اعتراض کے حوالے سے نقل کیا، اس کا خلاصہ یہ ہے:

جب اللہ تعالیٰ کا کلام گانوں سے لامحالہ افضل ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ قاری قرآن کے پاس کیوں جمع نہیں ہوتے؟ اس نے ان الفاظ کے ساتھ جواب دیا:

"جان لیجیے کہ وجد کے لیے جوش پیدا کرنے کے لیے گانا سات وجوہات کی وجہ سے قرآن سے زیادہ جوش دلاتا ہے......"!

پھر اس نے اسے بیان کرنے کے لیے بڑے بڑے دو سے زیادہ صفحات کالے کیے، تحقیق کرنے والے کو تعجب ہوتا ہے کہ شافعیہ کے کبار فقہاء میں سے کسی فقیہ سے یہ کس طرح صادر ہو سکتا ہے، بلکہ اس بارے میں اس نے کہا جسے ہم بڑا سمجھتے تھے: "حجۃ الاسلام"، اس کے باوجود اس کے متعلق اس کا کلام انتہائی غیر سنجیدہ ہے اس میں کوئی علم ہے نہ فقہ، یہ اس کے قول سے واضح ہوتا ہے: "چھٹی وجہ: یہ کہ گویا کبھی کوئی شعر گاتا ہے وہ سامع کے حال کے موافق نہیں ہوتا تو وہ اسے ناپسند کرتا ہے اور اسے اس سے روک کر کسی اور کی درخواست کرتا ہے، ہر کلام ہر حال کے موافق نہیں ہوتا، اگر وہ دعوات میں قاری کے پاس اکٹھے ہو جائیں، تو بسا اوقات وہ کوئی آیت پڑھتا ہے وہ ان کے حال کے موافق نہیں ہوتی، جبکہ قرآن احوال کے اختلاف پر تمام لوگوں کے لیے شفا ہے...... تب بچا نہیں جا سکتا کہ پڑھی گئی چیز حال کے موافق نہیں اور نفس اسے پسند نہیں کرتا، تو اس طرح اللہ تعالیٰ کے کلام سے کراہت کا خطرہ درپیش ہوتا ہے وہ اس طرح کہ وہ اسے ہٹانے اور دور کرنے کی کوئی راہ نہیں پاتا۔ رہا قول شاعر تو اس سے وہ مراد لینا جو اس کی مراد نہیں جائز ہے...... اللہ کے کلام کی توقیر اور اسے اس سے بچانا واجب ہے، یہ ہے جو شیوخ کے سماع قرآن سے گیتوں کے سماع کی طرف پلٹنے کی وجوہات میں طعن کرتا ہے......"!

میں کہتا ہوں، اللّٰہ اکبر (معاملہ حد سے بڑھ گیا اور سنگین ہو گیا) مصیبت بڑھ گئی، وہ تو ابن القیم کے مذکورہ بیان میں مریدین میں محصور تھی، جبکہ غزالی تو صراحت کرتے ہیں کہ وہ شیوخ (پیروں) میں بھی ہے، وہ ان سے اس کمزور سبب کے ذریعے دفاع کرتا ہے، جو اس کے بیان کرنے کو رد سے بے نیاز کرتی ہے، واللہ المستعان.

جب غزالی یہ صراحت کرتے ہیں کہ قرآن اختلاف احوال پر تمام لوگوں کے لیے شفا ہے، تو پھر ہمارا وجد سے کیا سروکار جس کی وجہ سے صوفیاء نے سماع قرآن سے اعراض کو جائز قرار دیا، وہ وجد جس کی سب سے اچھی حالت

یہ ہے کہ وجد والا مثال کے طور پر چھینک آنے کی طرح اس پر مغلوب ہے، اور اس کی بدترین حالت یہ ہے کہ وہ ریا ونفاق کے طور پر ہو، وہ اللہ کے اس فرمان سے کتنی دور ہیں: ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى﴾ (فصلت: ٤٤)؟! ''کہہ دیجیے وہ ان لوگوں کے لیے سامان ہدایت اور شفا ہے جو ایمان والے ہیں اور وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور یہ (کتاب) ان کے حق میں نابینا پن ہے۔''

اللہ تعالیٰ ابن القیم رحمہ اللہ پر رحم فرمائے اور انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، انہوں نے اس شیطانی سماع کے نقصانات جان لیے، اور انہوں نے متعدد علمی فصول اور مفید فقہی بحثوں میں بہت سی وجوہات کے حوالے سے اس کی سماع قرآنی کے لیے مخالفت ظاہر کی، اور انہوں نے اپنی سابقہ کتاب ''مسألة السماع میں اور اسی طرح "اغاثة اللهفان" میں اس (صوفیاء کے گیتوں) سے تمسک اختیار کرنے والوں کی بہت بڑی گمراہی واضح کی، اور انہوں نے ان کے متعلق شعری قصیدے لکھے اور ان میں ان کا بڑے دقیق انداز میں وصف بیان کیا، ان میں سے ایک قصیدہ ایک سو تیس اشعار پر مشتمل ہے، جو کہ "ألاغاثة" (۲۳۲/۱) میں ہے، اس میں سے چند اشعار درج ذیل ہیں:

تركوا الحقائق والشرائع واقتدوا
بظواهر الجهال و الضُّلَّال

''انہوں نے حقائق وشرائع کو چھوڑ دیا اور جاہلوں، گمراہوں کے مظاہر کی اقتدا کی۔''

جعلوا المرا فتحا و الفاظ الخنا
شطحا و صالوا صولة الادلال

''انہوں نے جھگڑے کو فتح اور برے الفاظ کو صوفی کا قول قرار دیا۔ اور وہ اس پر نازاں ہیں۔''

نبذوا كتاب اللهِ خلف ظهورهم
نبذ المسافر فضلة الاكَّال

''انہوں نے اللہ کی کتاب کو اس طرح پس پشت ڈال دیا جس طرح مسافر کھانے کی بچی ہوئی چیزیں پھینک دیتا۔''

جعلوا السماع مطيّة لِهَوَاهُمْ
وغلوا، فقالوا فيه كل مُحال

''انہوں نے سماع کو اپنی خواہشات کی سواری بنالیا۔ انہوں نے غلو کیا اور کہا کہ اس میں ہر محال موجود ہے۔''

هو طاعة، هو قربة، هو سنة

صدقوا لذاك الشيخ ذی الاضلال

''وہ طاعت ہے، وہ قربت ہے، وہ سنت ہے۔ اس کے لیے انہوں نے گمراہ کن شیخ (پیر) کی تصدیق کی۔''

شیخ قدیم صادهم بتحیُّل

حتی اجابوا دعوة المحتال

''قدیم شیخ (پیر) اس نے حیلہ سازی کے ذریعے انہیں روک رکھا حتیٰ کہ انہوں نے حیلہ سازی کی دعوت قبول کر لی۔''

هجروا له القرآن والاخبار

والآثار اذ شهدت لهم بضلال

''انہوں نے اس کی خاطر قرآن اور احادیث و آثار کو چھوڑ دیا جب اُس نے ان کے لیے گمراہی کے ساتھ گواہی دی۔''

ورأوا سماع الشعر انفع للفتی

من اوجه سبع لهم بنوال

''انہوں نے اپنی سات وجوہات کی بنا پر نوجوان کے لیے سماعِ شعر کو بہت مفید قرار دیا۔''

تالله ما ظفر العدو بمثلها

من مثلهم، واخیبة الآمال

''اللہ کی قسم! ان سے بڑھ کر دشمن کبھی اس طرح کامیاب نہیں ہوا، تمہاری امیدوں پر پانی پھر جائے!''

اسلامی اشعار

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے ''تحریم آلات الطرب'' (ص ۱۸۱۔۱۸۲) میں بیان کیا:

میرے پاس آخری بات باقی رہ گئی جس کے ساتھ میں ان شاء اللہ اس مفید رسالے کو ختم کروں گا، اور وہ بات اس کے متعلق ہے جسے وہ ''اسلامی یا دینی اشعار'' کا نام دیتے ہیں، میں کہتا ہوں:

ساتویں فصل سے واضح ہوا کہ کون سے اشعار پڑھنا جائز ہے اور کون سے اشعار پڑھنا جائز نہیں، جیسا کہ اس سے پہلے واضح ہوا کہ عید اور شادی کے موقع پر خواتین کے لیے دف بجانا جائز ہے جبکہ باقی سب آلات موسیقی کا استعمال حرام ہے، اور اس آخری فصل میں یہ بتانا ہے کہ صرف انہی اعمال کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنا جائز

ہے جنہیں اللہ نے مشروع قرار دیا ہے، تو پھر کسی ایسی چیز کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے جسے اس نے حرام قرار دیا ہے؟ اسی لیے علماء نے صوفیاء کے گیتوں کو حرام قرار دیا ہے، اور اسے حلال قرار دینے والوں پر سخت اعتراض کیا ہے، جب قاری محترم اس قوی اصول کو اپنے ذہن میں رکھے گا تو اسے بالکل واضح ہو جائے گا کہ حکم کے لحاظ سے صوفیاء کے گیتوں اور دینی اشعار کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

بلکہ اس میں کبھی ایک دوسری آفت ہوتی ہے، اور وہ یہ کہ انہیں دل لگی والے گیتوں کی سُروں پر گایا جاتا ہے، اور انہیں مشرقی یا مغربی موسیقی کے قوانین پر تیار کیا جاتا ہے جس سے سامعین جھومنے اور رقص کرنے لگتے ہیں، اور وجد میں آجاتے ہیں اور ان پر ''حال'' پڑ جاتا ہے، مقصود وہ لحن اور جھومنا ہے۔ وہ اشعار بالذات مقصود نہیں، اور یہ نئی مخالفت ہے، اور وہ کافروں اور دیوانوں سے مشابہت اختیار کرنا ہے۔

اس سے ایک اور مخالفت پیدا ہوتی ہے، وہ ہے ان کا قرآن سے اعراض کرنے اور اس کو چھوڑ دینے کے حوالے سے ان کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا، وہ نبی ﷺ کے اپنی قوم سے شکوہ کے عموم میں داخل ہوتے ہیں: جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے: ﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا﴾ (الفرقان: ۳۰)
''اور رسول کہے گا: میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔''

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں دمشق میں تھا، ...... میرے عمان آنے سے دو سال پہلے ...... تو کسی مسلمان نوجوان نے صوفیاء کے گیتوں کی مخالفت کے قصد سے بعض سلیم المعنی اشعار گانا شروع کیے، جیسے البوصیری وغیرہ کے قصائد، اور انہیں ایک کیسٹ میں ریکارڈ کرایا، تھوڑے ہی عرصے بعد اس کے ساتھ دف کو شامل کر لیا، پھر انہوں نے شروع شروع میں شادی کی تقریبات میں اسے استعمال کیا، اور اس کی اساس یہ تھی کہ اس میں دف جائز ہے، پھر وہ کیسٹ عام ہو گئی اور اس سے کاپیاں تیار کرالی گئیں اور بہت سے گھروں میں اس کا استعمال عام ہو گیا اور وہ اسے صبح و شام سننے لگے، اس میں کسی مناسبت اور موقع و محل کا کوئی خیال نہ تھا، اور یہ ان کا معمول اور عادت بن گئی! اور یہ سب خواہشات کے غلبے، جہالت اور شیطان کی چال بازیوں کی وجہ سے تھا، اس نے انہیں قرآن کے اہتمام اور اس کے سماع سے ہٹا دیا اور مزید یہ کہ اس کے پڑھنے پڑھانے سے بھی دور کر دیا، اور وہ ان کے ہاں متروک ہو گیا، جیسا کہ آیت کریمہ میں آیا ہے، حافظ ابن کثیر نے اس آیت کریمہ ﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا﴾ (الفرقان: ۳۰) کی تفسیر (۳/۳۱۷) میں بیان کیا:

''اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور اپنے نبی محمد ﷺ کے حوالے سے خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے، کہ وہ کہیں گے: ﴿يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا﴾ (الفرقان: ۳۰) ''میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا'' اور یہ کہ مشرک قرآن سنتے تھے نہ اسے سننے دیتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا تَسْمَعُوْا

لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ﴾ [حم السجدة: ٢٦] "اور کفار نے کہا: اس قرآن کو مت سنو اور اس (کی تلاوت) میں شور مچاؤ۔" جب ان پر قرآن کی تلاوت کی جاتی تو وہ بہت زیادہ شور کرتے اور ادھر ادھر کی باتیں کرتے حتی کہ وہ اسے نہ سنتے، یہ اسے چھوڑ دینا، اس پر ایمان نہ لانا، اس کی تصدیق نہ کرنا، اس پر تدبر و تفہم چھوڑ دینا اور اس پر عمل کرنا چھوڑ دینا ہے، اس کے اوامر کی اطاعت نہ کرنا، اس کے تنبیہات سے اجتناب اسے چھوڑ دینا ہے، اور اس (قرآن) سے ہٹ کر کسی اور چیز کی طرف مائل ہو جانا، شعر کی طرف یا کسی قول کی طرف یا گانوں کی طرف یا لہو ولعب یا کسی کلام یا کسی اور طریقے کی طرف مائل ہونا جو اس کے علاوہ کسی اور چیز سے ماخوذ ہو وہ سب اسے چھوڑ دینے کے زمرے میں آتا ہے، ہم اللہ الکریم المنان ہر چیز پر قادر ہستی سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان امور سے بچائے جو اس کی ناراضی کا موجب ہیں اور ہمیں ایسے اعمال بجالانے کی توفیق دے جن سے وہ خوش ہوتا ہے، اور اپنی رضا کی خاطر اپنی کتاب کا حفظ وفہم عطا فرمائے اور دن رات اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، بے شک وہ سخی داتا ہے۔"

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الضعيفة" (٢/ ٤٩-٥٠) میں بیان کیا:

تنبیہ ......: اس دور میں بعض لوگ تاریخ اور سیرت نبویہ سے انتہائی نابلد ہیں کہ ان میں سے کسی نے ایک کتاب شائع کی اس میں وہ ہمارے دوست فاضل استاد علی طنطاوی کی تردید کرتا ہے کہ وہ ان اشعار کی تشہیر سے منع کرتے ہیں جنہیں وہ اشعار نبویہ کا نام دیتے ہیں، اس لیے کہ ان میں نبی ﷺ کے جمال کو ایسی عبارتوں سے بیان کرتے ہیں جو آپ ﷺ کے مقام کے شایانِ شان نہیں، بلکہ اس میں جو کچھ ہے وہ اس سے کہیں کم تر ہے! جیسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ آپ ﷺ سے مدد طلب کرنا، پس انہوں نے اپنی کتاب میں اس چیز کو لکھا جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور (ص ۴) پر اس کی نص یہ ہے:

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غزوات وحروب میں اپنی ذاتی خدمت کے لیے اپنی بعض خواتین کو اپنے ساتھ رکھتے تھے، وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں اور ان کے لیے کھانا تیار کرتی تھیں، عراق کے شہر کوفہ کے جنوب میں بنوشیبان کی لڑائی کے واقعہ میں وہ اسلام اور فارسیوں کے درمیان لڑائی کے شدید معرکہ میں تھے، تو وہ خواتین انہیں جوش دلاتی تھیں اور درج ذیل اشعار پڑھ کر ان کے دلوں میں جوش غیرت ابھارتی تھیں:

إن تُقبلوا نُعانق   ونفرش النمارق

اگر پیش قدمی کرو گے تو ہم تمہیں گلے لگائیں گی۔ اور قالین بچھائیں گی۔"

أو تدبروا نفارق   فراق غير وامق

"اگر پیچھے ہٹو گے تو ہم روٹھ جائیں گی اور ہم بالکل الگ ہو جائیں گی۔"

اس جاہل کو دیکھیں کتنی دور نکل گیا اس نے اس معرکے کو اسلام اور فارسیوں کے درمیان قرار دیا، جبکہ وہ مشرکوں اور فارسیوں کے درمیان ہے، اور اس نے ان اشعار کو جو کہ اس معرکہ میں پڑھے گئے مسلمانوں کی خواتین کی طرف منسوب کیا، جبکہ وہ غزوہ احد میں مشرکوں کی خواتین کے تھے، وہ مشرکوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑائی کا جوش دلاتی تھیں، جیسا کہ وہ کتب سیرت میں مروی ہے!

اس نے دو مختلف واقعات کو خلط ملط کر دیا، اپنی جہالت یا تجاہل عارفانہ کے ذریعے ان دونوں کو اس طرح ملایا کہ اس کی بالکل کوئی اصل نہیں، تا کہ وہ اس سے ان مزعومہ اشعار کے جواز پر دلیل قائم کر سکے، حالانکہ اس میں کوئی دلیل نہیں، اگر مطلقاً ثابت ہو جائے، تب بھی طنطاوی اور ان کے مخالفین کے درمیان نبی ﷺ کی مدح کے متعلق کوئی اختلاف نہیں، بلکہ اختلاف تو اس میں ہے جو اس نے آپ کی مدح کے ساتھ ایسی چیز ملائی ہے جو شرعاً مناسب نہیں، جیسا کہ اس کی طرف اشارۃً بیان ہو چکا، اور اس کے علاوہ بھی اب اس کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں، لیکن جس نے کہا: سچ کہا: ''کسی چیز سے تمہاری محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔''[1]

پس ان لوگوں نے نبوی اشعار پسند کیے، پس ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جن پر کوئی اعتراض نہیں، لیکن انہوں نے ان کے ساتھ جو شریعت کے مخالف چیزیں ملالیں، انہوں نے انہیں اندھا بنا دیا۔

''طلع البدر علینا'' کا قصہ

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے عام وخاص بہت زیادہ لوگوں کی زبانوں پر مشہور قصے کو ''الضعیفة'' (۲/ ۶۳) میں حدیث (۵۹۸) کے تحت نقل کیا۔ ''جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو خواتین اور بچے بچیاں یہ اشعار پڑھ رہی تھیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا   مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ

''ان پہاڑوں سے جو جنوب میں ہیں چودھویں کا چاند ہم پر طلوع ہوا۔''

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا   مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ

''کیسا عمدہ دین اور تعلیم ہے۔ شکر واجب ہے ہم پر اللہ کا۔''

یہ ضعیف ہے۔ ابوالحسن الخلعی نے اسے ''الفوائد'' (۵۹/ ۲) میں روایت کیا، اسی طرح بیہقی نے ''دلائل النبوة'' (۲/ ۲۳۳۔ط) میں فضل ابن حباب سے نقل کیا، انہوں نے کہا: میں نے عبداللہ بن محمد بن عائشہ کو بیان کرتے ہوئے سنا: انہوں نے اسے ذکر کیا۔

---

[1] میں کہتا ہوں: یہ نبی ﷺ سے مرفوعاً روایت کیا گیا ہے۔ لیکن وہ صحیح نہیں، جیسا کہ اس کا بیان رقم (۱۸۶۸) کو تحت آئے گا۔ (منه)

یہ اسناد ضعیف ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں، لیکن وہ روایت معضل ہے، اس کی اسناد سے تین یا اس سے زائد راوی ساقط ہیں، کیونکہ ابن عائشہ یہ امام احمد کے شیوخ سے ہیں اور انہوں نے اسے نظر انداز کیا، اسی لیے حافظ عراقی نے "تخریج الاحیاء" (۲/ ۲٤٤) میں اسے معلول قرار دیا۔

پھر بیہقی نے کہا جیسا کہ "تاریخ ابن کثیر" (۵/ ۲۳) میں ہے:

''اور ہمارے علماء اسے آپ ﷺ کی مکہ سے مدینہ آمد کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں، ایسا نہیں بلکہ یہ اس وقت پڑھے گئے جس وقت آپ ﷺ ان پہاڑوں سے جو جنوب میں ہیں تبوک سے تشریف لائے تھے۔''

یہ وہ ہے جسے بیہقی نے علماء سے بیان کیا ہے، ابن الجوزی نے "تلبیس إبلیس" (ص۲۵۱۔ تحقیق میرے دوست الاستاذ خیر الدین وائلی کی ہے) میں اسے جزم کے ساتھ ذکر کیا ہے، لیکن محقق ابن القیم نے اس کا رد کیا ہے۔ انہوں نے "زاد المعاد" (۳/ ۱۳) میں بیان کیا:

''وہ وہم ظاہر ہے: کیونکہ ''ثنیات الوداع'' تو شام کی جانب ہیں، مکہ سے مدینہ آنے والا انہیں نہیں دیکھ سکتا، جب شام کی طرف رخ ہو تب ہی ان کے پاس سے گزر ہوتا ہے۔''

اس کے باوجود، لوگ اس تحقیق کے خلاف ہی سمجھتے رہے، یہ قصہ سارے کا سارا غیر ثابت ہے [1] جیسا کہ آپ نے دیکھا!

تنبیہ......: غزالی نے اس قصے کو ''دف اور سروں'' کے اضافے کے ساتھ نقل کیا ہے، جبکہ اس کی کوئی اصل نہیں جیسا کہ حافظ عراقی نے اپنے ان الفاظ کے ساتھ اس کے لیے اشارہ کیا:

''اس میں دف اور سروں کا کوئی ذکر نہیں۔''

اس اضافے سے ان میں سے بعض نے دھوکا کھایا، انہوں نے اس (اضافے) کے ساتھ قصہ نقل کیا اور ان اشعار نبویہ کے جواز پر استدلال کیا جو کہ آج معروف ہیں!

اسے کہا جائے گا: ''پہلے تخت ثابت کرو پھر نقش نگاری کرو''! فرض کریں اگر وہ قصہ صحیح بھی ہو! تو بھی اس میں ان کے موقف کی کوئی دلیل نہیں، جیسا کہ حدیث رقم (۵۸۹) میں اس کے لیے اشارہ گزر چکا ہے، اس کے

---

[1] ابوعبیدہ نے کہا: ابو العباس احمد بن عمر القرطبی (م۶۵۶ھ)......مشہور مفسر...... نے اپنی کتاب "كشف القناع عن حكم الوجد والسماع" (ص۱۰۱۔۱۰۲) میں جو کہا وہ مجھے بہت پسند آیا، انہوں نے اس روایت کو نقل کیا اور اس کے ساتھ آخر پر یوں کہا: ''یہ سند کے طور پر نہیں پائی جاتی، اور محدثین ائمہ میں سے کسی ایک نے اسے نقل نہیں کیا، وہ بس مروجہ احادیث اور جھوٹی افواہیں ہیں، زندیقوں اور دیوانوں نے انہیں وضع کیا، اس سے وہ لہو و دیوانگی کی انبیاء اور فضلاء کی طرف نسبت چاہتے ہیں......''

اعادہ کی ضرورت نہیں۔ [1]

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "بدایۃ السول" (ص۹-۱۲) کی اپنی تحقیق کے مقدمے میں بیان کیا:

جب تم نے جان لیا...... کہ اللہ کی محبت صرف اس کے نبی ﷺ کی اتباع ہی سے حاصل ہوتی ہے، تو پھر آپ ﷺ کی سنت کی اتباع کی ہر ممکن کوشش کرو، اس راہ میں اپنی تمام تر کوششیں صرف کر دو، اور جعلی صوفیوں، گمراہوں اور فریب خوردہ لوگوں سے دھوکا نہ کھاؤ، جنہوں نے اپنے دین کو لہب ولعب اور اشعار وگیت بنا لیا، وہ زعم رکھتے ہیں کہ وہ اس کے ذریعے محمد ﷺ کو خوش کرتے ہیں جن کو وہ دینی اشعار کا نام دیتے ہیں، وہ اپنے اذکار واجتماعات میں انہیں کثرت سے پڑھتے ہیں جنہیں وہ اپنے بعض بدعتی تہواروں میں منعقد کرتے ہیں، جیسے عید میلاد اور اس طرح کے تہوار۔ اللہ کی قسم! وہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں، اور حق سے ہٹے ہوئے ہیں، کس طرح نہیں جبکہ انہوں نے دینِ حق کو لہو باطل کے ساتھ خلط ملط کر دیا، اور انہوں نے گویوں اور دیوانوں کی ان کے نغمات موسیقی میں تقلید کی، اور وہ دلوں کو مردہ کر دینے والے، اللہ کے ذکر اور تلاوت قرآن سے روکنے والے ان کے طریقوں کی پابندی کرتے ہیں، جبکہ نبی ﷺ فرماتے ہیں: "لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآن" "جو اچھی آواز سے جہر کے ساتھ قرآن نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں" جبکہ وہ اس کے ساتھ بعض آلات موسیقی کا اضافہ کرتے ہیں، یا ہاتھوں کے ساتھ تالیاں بجاتے ہیں تا کہ دونوں فریقوں کے درمیان مشابہت مکمل ہو جائے، لوگوں کو ذکر یا دینی اشعار کے نام سے خوش کرنے کے لیے! [2] عربی نشریات کے علاوہ بعض غیر ملکی/اجنبی نشریات نے اسے نشر کیا۔

افسوس کی بات ہے کہ بعض اسلامی نشریات والوں نے بھی ان کے برابر آغاز کر دیا ہے، واللہ المستعان.

مجھے پتہ چلا ہے کہ بعض ٹیلیویژن اسٹیشنوں نے ان میں سے کچھ اس طور پر پیش کیا ہے کہ گویا وہ اسلام ہے جس کی طرف وہ دعوت دیتا ہے جن کا حنفاء مسلمان ہونے کا طرۂ امتیاز ہے۔

میں بھولنا بھی چاہوں تو بھول نہیں سکتا کہ میں کسی اسلامی جماعت کے کسی مرکز میں گیا، کہ میں نے اچانک اذان کے لیے آلۂ موسیقی کے ساتھ سُر کی آواز سنی، میں نے اسی خبر کے متعلق پوچھا؟ تو مجھے بتایا گیا: یہ بعض اسلامی ملکوں کے بعض مسلمان نوجوان ہیں، وہ یہاں مہمان ٹھہرے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک ان کو موسیقی کی سر کے ساتھ اذان سناتا ہے، اور یہ اس ضمن سے ہے جسے آج ہم بہت سے اسلامی نشریاتی اداروں سے سنتے ہیں، ابن القیم رحمہ اللہ نے اس مناسبت سے "اغاثة اللهفان من مصائد الشيطان" (۱/ ۲۲۶) میں کیا خوب

---

[1] "الضعيفة" (۲/ ۴۹-۵۰) دیکھیں۔ یہ وہی ہے جسے ہم نے ابھی نقل کیا۔

[2] ہمارے شیخ نے "مختصر الشمائل" (ص ۱۷۵) میں دینی اشعار کی طرف اشارہ کیا۔

بات کی ہے:

برئنا الی اللہ من معشر
بھم مرض من سماع الغنا

''ہم ان کے ساتھ گیتوں کے سماع کے مرض میں اکٹھے ہونے سے اللہ کے حضور براءت کا اعلان کرتے ہیں۔''

وکم قلت: یا قوم انتم علی
شفا جرف مّا بہ من بنا

''اور میں نے کتنی بار کہا: اے میری قوم! تم بالکل ایک بے بنیاد کھوکھلے کنارے پر ہو۔''

شفا جرف تحتہ ھوۃ
الی درك کم بہ من عَنا

''وہ ایک روشن دان کے نیچے کھوکھلے گڑھے کے کنارے پر ہے۔ وہاں پہنچ کر کتنی تکلیف اٹھاتا ہے۔''

وتکرار فی النصح منا لھم
لنعذر فیھم الی ربنا

''ہماری طرف سے انہیں جو بار بار نصیحت کرنا ہے وہ اس لیے ہے کہ ہم ان کے متعلق اپنے رب کے سامنے عذر پیش کرسکیں۔''

فلما استھانوا بتنبیھنا
رجعنا الی اللہ فی امرنا

''جب انہوں نے ہماری طرف سے کی جانے والی تنبیہ کو کوئی اہمیت نہ دی، تو ہم نے اپنے معاملے کو اللہ کے سپرد کردیا۔''

فعشنا علی سنۃ المصطفی
وماتوا علی تنتنا تنتنا

''ہم تو سنت مصطفیٰ پر زندہ رہے۔ جب کہ وہ ''تنتنا تنتنا'' (موسیقی کی دھن) پر مرے۔''

انہوں نے آخر میں بعض مسلمان نوجوانوں کو ان اشعار میں موجود ان منکرات اور شریعت اسلامیہ سے انحرافات سے آگاہ کیا، انہوں نے ان سے دوسرے اشعار کی طرف لگایا جو اسلامی شہ زوروں، بہادروں کے متعلق تذکیر اور قوت و جوش و جذبے سے خالی نہیں، لیکن وہ بعض اوقات ان میں بھی موسیقی کی سُروں کی پابندی کرتے

ہیں، اور ان میں سے بعض ان میں بھی آلات موسیقی شامل کر دیتے ہیں، جیسے دف وغیرہ۔ میں نے بعض کیسٹوں سے اس میں سے کچھ اپنے کانوں سے سنا ہے، میں نے ان کے ساتھ اس جذبے سے ان کے ساتھ بات بھی کی کہ دین ان کے لیے خیر خواہی کرنے کو واجب قرار دیتا ہے، اور انہیں یاد دہانی کرانا کہ وہ جائز نہیں، خاص طور پر ان میں سے اکثر نے انہیں غور سے سننے کو اپنی عادت بنالیا ہے جس کی وجہ سے وہ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں نہ اسے سنتے ہیں۔

یہ سب سلف سے انحراف کے مفاسد میں سے ہے، میں یقین سے کہتا ہوں کہ یہ ان کی عادت نہ تھی، وہ کبھی کبھار لڑائیوں اور معرکوں میں اشعار پڑھا کرتے تھے، یہ ایک چیز ہے، اور اس کے ساتھ موسیقی کی سُروں کو شامل کر لینا جو کہ فسق ولہو کی عادت کے مشابہ ہے، ایک دوسری چیز ہے، اہل علم ونظر پر یہ مخفی نہیں، اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے کہا ؎

وَ كُلُّ خَيْرٍ فِىْ اتِّبَاعِ مَنْ سَلَفَ
وَ كُلُّ شَرٍّ فِىْ ابْتِدَاعِ مَنْ خَلَفَ

شیخ رحمہ اللہ کا "مجلہ الاصالۃ" میں ایک فتوی:

ہمارے مجلہ "الاصالۃ" شمارہ ۲: ۱۵ جمادی الآخرہ ۱۴۱۳ھ اور مسائل واجوبتھا (مسائل اور ان کے جواب) (ص ۷۳) میں شیخ البانی رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک سوال پیش کیا گیا:

ان اشعار کا کیا حکم ہے جو آج بہت سے نوجوان پڑھتے ہیں، اور وہ انہیں اسلامی اشعار کا نام دیتے ہیں؟

شیخ (رحمہ اللہ) نے جواب دیا:

جب یہ اشعار اسلامی معانی پر مشتمل ہوں، اور ان کے ساتھ آلات موسیقی ...... دف اور طبلے وغیرہ ...... نہ ہوں، تو یہ ایسا امر ہے جس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

لیکن ضروری ہے کہ ان کے جواز کے لیے اہم شرط بیان کر دی جائے، اور وہ یہ ہے کہ وہ شریعت کی مخالفت سے خالی ہوں، جیسے غلو وغیرہ۔

پھر ایک شرط اور بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انہیں عادت نہ بنالیا جائے، کیونکہ اس طرح وہ سامعین کو قراءت قرآن سے ہٹا دیتے ہیں، جس پر سنت نبویہ مطہرہ میں ترغیب وارد ہے، اور اسی طرح وہ ان کو علم نافع کی طلب اور اللہ سبحانہ کی طرف رجوع سے پھیر دیتے ہیں۔

رہا شعروں کے ساتھ دف کا استعمال تو وہ عید ونکاح کے موقع پر صرف عورتوں کے لیے جائز ہے مَردوں کے لیے جائز نہیں۔

اور مجلہ "الاصالة" ۱۷:۱۵ ذی الحجة ۱۴۱۶ھ (مسائل و اجوبتها) (ص ۱۷): شیخ کی خدمت میں سوال پیش کیا گیا:

سوال: مسلمان نوجوانوں کی طرف سے بہت ساری کیسٹیں مروج ہیں ان میں وہ اشعار ہیں جنہیں اسلامی اشعار کا نام دیا جاتا ہے، تو اس مسئلہ میں درست بات کیا ہے؟

جواب: جب یہ اشعار موسیقی اور آلات موسیقی سے خالی ہوں تو میں صراحت سے کہتا ہوں کہ ان میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ وہ شریعت کے خلاف ورزی سے محفوظ ہوں، جیسے غیر اللہ سے مدد طلب کرنا، مخلوق کو وسیلہ بنانا، اور اسی طرح اسے عادت بنانا بھی جائز نہیں، کیونکہ یہ مسلمان نوجوانوں کو اپنے رب کی کتاب کی تلاوت اور اس پر غور وفکر سے دور کر دیتے ہیں، جس پر رسول اللہ ﷺ نے بہت سی احادیث میں ترغیب دی ہے ان میں سے ایک حدیث یہ ہے:

((مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ فَلَيْسَ مِنَّا .))

''جو اچھی آواز کے ساتھ قرآن نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں۔''

اور جو صحابہ کے احوال پر غور وفکر کرتا ہے وہ ان کی زندگی میں اس طرح کے اشعار نہیں پائے گا، وہ حقائق پسند آدمی تھے، اور وہ صرف تسلی پسند آدمی نہیں تھے۔

فصل: مؤلفین اور ناشرین کی بدعات

①- ان میں سے بعض کا بخاری کے قول: "منکر الحدیث" سے شک پیدا کرنا
②- ان میں سے بعض کا تحسین وتصحیح میں حفظ کی شرط قائم کرنا
③- بعض مؤلفین کی بدعات
④- ان میں سے بعض کی مختلف تعبیرات اس چیز کے بارے میں جسے وہ حسن قرار دیتے ہیں
⑤- بعض ناشرین کا یوں کہنا: "تحقیق و ضبط و مراجعة لجنة (کمیٹی) من المختصین باشراف الناشر"
⑥- جرح وتعدیل کے علم میں بدعت
⑦- ان میں سے بعض کا کہنا: زبان سے نیت کرنا نماز کی سنت ہے
⑧- ان میں سے بعض کا قول کہ آپ ﷺ کا فرمان: "من أحب ان یحلق حبیبه" تحریف شدہ ہے، جب کہ درست: "جبینه" ہے۔
⑨- ان میں سے بعض کا صالح شخص کے پڑوس میں مسجد بنانے کے جواز کے بارے میں کہنا، یا کسی قبرستان میں نماز پڑھنا اور اس سے اس کی روح کے غلبے اور کامیابی کا قصد کرنا، یا اس کی عبادت کے آثار میں سے کسی اثر کا اس تک پہنچنا......

مؤلفین اور ناشرین کی بدعات

ا: ان میں سے بعض کا بخاری کے قول: "منکر الحدیث" سے شک پیدا کرنا

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صلاة التراويح" (ص ٦٧) میں بیان کیا:

حماد بن شعیب انتہائی ضعیف ہے۔ جیسا کہ بخاری نے اس کی طرف ان الفاظ سے اشارہ کیا ہے: "فیہ نظر۔"

اور انہوں نے ایک مرتبہ کہا: ''منکر الحدیث'' وہ اس طرح کی رائے اس شخص کے بارے میں دیتے ہیں جس سے روایت کرنا صحیح نہیں ہوتا جیسا کہ علماء نے اس سے آگاہ کیا ہے، لہٰذا اس سے استشہاد نہیں کیا جائے گا، اور نہ وہ [1] قابل اعتبار ہے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صلاة التراويح" (ص ٦٧) کے حاشیے میں فرمایا:

سیوطی کی "التدریب"، ابن کثیر کی "مختصر علوم الحدیث" ابن الہمام کی "التحریر"، ابوالحسنات کی "الرفع و التكميل" (ص ١٥) "تحفة الاحوذی" (٢/ ٧٥) وغیرہ دیکھیں۔

ان سب نے امام بخاری کے اس کلمہ سے اس معنی کے قصد کے ثبوت پر اتفاق کیا ہے، پس قاری محترم کو حبشی کے رسالہ "التعقيب الحثيث" (ص ٨) میں بخاری سے ان کے قول: ''اگر اس سے صحیح ثابت ہو'' کے ذریعے اس کے ثبوت میں شک ڈالنے سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے، کیونکہ یہ ایک ایسی بدعت ہے کہ میں نہیں جانتا کہ اس سے پہلے کسی ایک کا بھی یہ موقف ہو۔

۲: ان میں سے بعض کا تحسین و تصحیح میں حفظ کی شرط قائم کرنا [2]

ہمارے شیخ امام محقق مدقق علامہ البانی رحمہ اللہ نے الرد علی الحبشی (ص ۵۴۔۵۸) میں بیان کیا کہ تصحیح و

---

[1] یعنی راوی حماد بن شعیب

[2] ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الرد على التعقيب الحثيث" میں ایک فصل قائم کی ہے انہوں نے اس کا نام رکھا ہے: "فیمن یجوز له التصحيح و التضعيف" شیخ رحمہ اللہ نے اس میں حبشی پر رد کیا ہے! اس کی مزعوم شرط میں، یہ کہ تصحیح و تضعیف حافظ کی ذمہ داری اور اس کا اختصاص ہے اس کے علاوہ کسی اور کا نہیں۔ اور اس کی اہمیت کے پیش نظر اور اس میں جو بہت بڑا علم ہے، ہم نے سمجھا کہ ہم اہل رو سے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کچھ (تردید) نقل کریں اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور یہ شیخ البانی سے محبت کرنے والوں کی تعلیم و تذکیر کے لیے ہے، حتیٰ کہ شیخ حبشی کے پیروکار اس سے اور اس کے علم سے دھوکا نہ کھائیں، تو وہ اس کی اتباع سے رک جائیں، اور وہ علم اور اہل علم کے ساتھ سیدھی راہ پر چلیں۔

تضعیف کس کے لیے جائز ہے!

پھر فضیلۃ شیخ نے "من له حق التصحيح و التضعيف في الحديث، و من ليس له ذلك: و من هو الحافظ" میں "خاتمہ" کا عنوان قائم کیا، اور دعویٰ کیا کہ "تصحیح و تضعیف "حافظ" کی ذمہ داری ہے اور اس کا اختصاص ہے کسی اور کا نہیں۔" پھر انہوں نے الحافظ کی تعریف میں بعض کلمات نقل کیے، اس کے باوجود یہ کلمات مختلف ہیں "الحافظ" کی جامع و مانع تعریف نہیں کرتے، بلکہ ان کا اختلاف اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس میں وسعت ہے، اور شیخ نے حافظ مزی سے جو نقل کیا وہ اس کی تائید کرتا ہے، انہوں نے کہا: اس بارے میں اہل عرف کی طرف رجوع کیا جائے گا، اگر ان کے درمیان کسی تعریف پر اتفاق ہوتا تو حافظ اہل عرف پر متوجہ نہ ہوتے، خاص طور پر جبکہ اس کا اعتراف کرنے والے کم ہیں، اور ابن سید الناس کا قول اس کی نقل ہے:

"رہا وہ جو بعض متقدمین سے ان کا قول بیان کیا جاتا ہے: "ہم اسے صاحب حدیث شمار نہیں کرتے تھے جس نے املاء میں بیس ہزار احادیث نہ لکھی ہوں، "تو یہ ان کے زمانے کے حساب سے ہے۔"

اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ تعریفیں اپنے زمانوں کے ساتھ خاص ہیں اور ان کے بعد والوں کے لیے ان سے تمسک ضروری نہیں، اور معاملہ کوئی بھی ہو یہ کلمات مجموعی طور پر اس پر متفق ہیں کہ "حافظ" کا درجہ محدث کے ساتھ خاص درجات میں سے سب سے بلند درجہ ہے، اس لیے متاخرین میں کوئی نادر ہی اس درجے تک پہنچا ہوگا، شیخ احمد محمد شاکر نے "الباعث الحثيث" (ص١٧٦) میں بیان کیا:

"رہا حفظ تو اس کا اثر ختم ہو چکا اور وہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ پر ختم ہو گیا، پھر سخاوی اور سیوطی اس قریب ہیں کہ وہ دونوں حافظ ہوں پھر ان دونوں کے بعد کوئی باقی نہ رہا، اور کون جانتا ہے؟ ہوسکتا ہے امت اسلامیہ اپنی شان و شوکت کو دہرائے، اور وہ اپنے دین اور علوم کی طرف پلٹ آئے، غیب تو اللہ ہی جانتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا:

((بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا وَ سَيَعُودُ غَرِيبًا كَمَا بَدَأَ.)) [1]

"اسلام کا آغاز اجنبیت سے ہوا اور عنقریب وہ اجنبیت کی طرف لوٹ جائے گا جیسا کہ شروع ہوا۔"

میں کہتا ہوں: لیکن یہ علم السنۃ میں متخصص حضرات کو حفاظ کی اپنی مؤلفات اور ان کے دواوین کی مدد سے اس نقص کے روکنے سے منع نہیں کرتا، خاص طور پر جبکہ حدیث واحد کے متعلق ان کے اقوال اور بحثیں اور اس کے لیے انہوں نے جو طرق ذکر کیے ہوں جمع کر لیے جائیں، کیونکہ اس کے ذریعے وہ بدل طلب کرے گا جو اس سے حفظ

[1] اس کی تخریج "الصحيحة" (١٢٧٣) میں دیکھیں۔

سے رہ گیا جو اتقان و تحقیق پر اولین حفاظ کی مدد کرتا تھا، بلکہ بسا اوقات وہ اس کے ذریعے ان میں سے بعض کی کمی کو دور کرتا ہے جیسا کہ ہم اسے دور حاضر کے محققین کی بحثوں میں دیکھتے ہیں جیسے شیخ احمد شاکر مصری اور ان جیسے علمائے ہند۔ بارك الله فيهم......

لیکن ان کلمات میں یہ نہیں جو اس پر دلالت کرتا ہو کہ تصحیح وتضعیف حافظ ہی کی ذمہ داری ہے، رہا شیخ کا اس پر استدلال جسے انہوں نے بلقینی (ص۳۶) سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا:

> ''تحقیق کرنے والے کے نزدیک صحیح وضعیف کے درمیان حسن ہے، حافظ کے بارے میں کوئی چیز قدح کرتی ہے۔ شیخ نے کہا: اس میں جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں، حسن قرار دینے میں حفظ کی شرط ہے اور یہ کہ وہ حافظ کے خصائص میں سے ہے۔''

میں کہتا ہوں: اس عبارت سے فہم شرطیہ اس ضمن میں سے ہے کہ ہم اس سلسلے میں شیخ پر رشک نہیں کرتے، اس لیے کہ اس (عبارت) میں حافظ کا ذکر احترازی قید نہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ تو کبھی اس ذات میں بھی قدح کرتا ہے جو کہ ''حافظ'' سے کم درجے کا ہے، جیسے ''محدث'' مثلاً، اور وہ اس میں سے جسے العلل، الوفیات اور الاسانید کے بارے میں گفتگو کا حق حاصل ہے جیسا کہ سبکی نے بیان کیا، [1] اور ان کی تائید ہوتی ہے کہ کسی عالم نے "التصحیح" میں ''الحافظ'' کی شرطیت کی تصریح نہیں کی جیسا کہ شیخ نے کہا ہے، ان سب نے اس میں جو شرط قائم کی ہے وہ معرفت واہلیت ہے، اور اسے شیخ نے خود نووی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے "التصحیح" کے بارے میں بیان کیا:

> ''میرے نزدیک تو جو شخص مقام ومرتبہ اور قوی معرفت والا ہو اس کے لیے اس کا جواز ظاہر ہے۔''

اسی کی مثل سیوطی کا قول "التنقيح فی مسألة التصحيح" رسالے میں ہے:

شیخ ابن الصلاح نے ذکر کیا کہ ان زمانوں میں باب التصحیح بند ہو چکا ہے، نووی اور ان کے بعد حافظ ابن حجر تک آنے والے تمام حفاظ نے ان کی مخالفت کی، اور انہوں نے ابن الصلاح پر ان کے اس مقالے پر اعتراض کیا، اور التصحیح کو جائز قرار دیا، اور یہ کہ وہ اس کی اہلیت رکھنے والے سے ختم ہوتی ہے نہ روکی گئی ہے، پھر ان میں سے جس نے ابن الصلاح کا کلام رد کیا کہ انہوں نے جو کہا ہے وہ سلف میں سے کسی نے نہیں کہا اور ان میں سے جس نے ان کا رد کیا کہ وہ زمانے کے کسی مجتہد سے خالی ہونے کے جواز کے قول پر مبنی ہے، جبکہ وہ قول ساقط ومردود ہے، اور ان میں سے کسی نے ان کا رد کیا کہ ابن الصلاح کے دور میں اور اس کے بعد اہل الحدیث (محدثین) نے تصحیح کا عمل جاری رکھا، انہوں نے ان احادیث کو صحیح قرار دیا جن کی تصحیح پہلے کسی نے نہیں کی جیسے

---

[1] "التدریب" (ص٦) دیکھیں، اور اس بارے میں ابن الجوزی کا قول (ص٩٩) اس کی تائید کرتا ہے۔ (منہ)

ابوالحسن بن قطان، ضیاء مقدسی، ابن مواق، منذری، دمیاطی، مزی اور تقی سبکی وغیرھم، اور ابن حجر نے اس بارے میں اپنی ''نکت'' میں ابن الصلاح کے ساتھ طویل مناقشہ کیا ہے۔''

حافظ ابن کثیر نے "اختصار علوم الحديث" (ص۲۹) میں بیان کیا جس کا خلاصہ یہ ہے:

''اس کام میں ماہر شخص کے لیے المسانید، المعاجم، الفوائد اور الاجزاء میں وارد بہت سی احادیث پر صحیح ہونے کا حکم لگانے پر اقدام جائز ہے، خواہ اس سے پہلے کسی حافظ نے اس کی صحت پر صراحت نہ کی ہو، اس موقف میں وہ شیخ نووی سے موافقت رکھتے ہیں جبکہ شیخ ابوعمرو (یعنی: ابن الصلاح) کے موقف کے خلاف ہیں، اور شیخ احمد شاکر نے اس پر ان الفاظ سے تبصرہ کیا ہے:

''عراقی ودیگر نے ابن الصلاح کے اس قول کو رد کیا ہے، اور انہوں نے اس شخص کے لیے اجازت دی ہے جو مقام ومرتبے والا ہو اور اس کی معرفت قوی ہو، کہ وہ حدیث پر اس کی اسناد اور اس کی علل کی تحقیق کے بعد، صحیح یا ضعیف ہونے کا حکم لگا سکتا ہو۔ اور یہی درست ہے، اور جو میں سمجھتا ہوں کہ ابن الصلاح کا جو موقف ہے اس کی بنا اس قول پر ہے کہ ائمہ کے بعد اجتہاد منع ہے، جیسا کہ انہوں نے فقہ میں اجتہاد پر پابندی لگا دی، ابن الصلاح نے ارادہ کیا کہ وہ حدیث میں اجتہاد روک دیں جبکہ وہ ناممکن ہے، لہٰذا اجتہاد کی ممانعت کے بارے میں قول باطل ہے، کتاب وسنت سے اس پر کوئی دلیل نہیں، اور تم اس کے لیے دلیل سے ملتی جلتی چیز بھی نہیں پاؤ گے۔''

میں کہتا ہوں: ان تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ حدیث کو صحیح اور ضعیف قرار دینے والے کے لیے بس ایک ہی شرط ہے کہ وہ علم حدیث میں مقام ومرتبہ رکھتا ہو، اور وہ اس کی علل اور اس کے راویوں کی معرفت رکھتا ہو، ان میں سے کسی ایک نے ...... خواہ اشارۃً ہو...... اس شرط سے تعرض نہیں کیا جس کا شیخ نے دعویٰ کیا ہے، تو اس نے اس پر دلالت کی کہ شرط ساقط الاعتبار ہے، اور یہ کہ شیخ ایسی اشیاء کا دعوی کرتے ہیں جن کی "المصطلح" میں کوئی حیثیت نہیں، کاش کہ وہ اسی پر اکتفا کرتے، بلکہ وہ اس کو علم المصطلح سے جوڑتے ہیں، اور اس کی مخالفت کرنے والے کو جاہل قرار دیتے ہیں!

جو عاقل اس شرط کے بطلان پر دلالت کرتا ہے کہ شیخ سے پہلے کسی نے اس کے متعلق نہیں کہا، سارے اسلامی ممالک میں علماء کا اس کے خلاف عمل جاری رہا ہے، جیسے کتاب "تنزيه الشريعة المرفوعة عن الاحاديث الشنيعة الموضوعة" کے مؤلف ابن عراق، "فيض القدير شرح الجامع الصغير" کے مؤلف عبدالرؤف مناوی، بہت سی کتب نافعہ کے مولف ابوالحسنات لکھنوی ہندی، "فيض البارى على صحيح البخارى" کے مؤلف شیخ انور کاشمیری، صنعانی، شوکانی، اور ان کے علاوہ تمام ممالک میں اس قدر زیادہ ہیں جو گنتی سے باہر ہیں، ہمارا جو موقف ہے اس کی امام صنعانی نے اپنے رسالے "إرشاد النقاد إلى تيسير الاجتهاد"

(ص۲۱) میں صراحت کرتے ہوئے فرمایا:

''ہم نے جو بیان کیا اس نے تمہارے لیے ثابت کیا، اور اس میں سے جسے ہم نے ثابت کیا تمہارے لیے واضح کیا، کہ ان ادوار میں تحقیق کرنے والے کے لیے ہے کہ وہ حدیث کو صحیح، ضعیف اور حسن قرار دے، جیسا کہ اس سے پہلے کبار ائمہ نے اسے کیا، بے شک تیرے رب کی عطاء (بخشش) کوئی رکی ہوئی نہیں، اور اس کی بے پایاں نوازشات وعنایات صرف سابقین تک محدود نہ تھیں......''

یہ صنعانی بارھویں صدی کے علماء میں سے ہیں، میں گمان نہیں کرتا کہ شیخ، حافظ ابن حجر کے بعد کسی کے حفظ کا اعتقاد رکھتے ہوں، مگر یہ کہ ان کے شاگرد سخاوی یا سیوطی ہوں، جب صنعانی نے اس شخص کے لیے اجازت دے دی جس کے دور میں تصحیح وتضعیف ہو، اور تمام کا اعتراف ہے کہ اس میں کوئی حافظ نہیں، تو ان کا کلام شیخ کی شرط کے بطلان پر واضح دلیل ہے، جس سے مقصود ثابت ہوتا ہے، اللہ اس پر رحم فرمائے جو بحث ومباحثہ اور اصرار چھوڑ دے۔

جب علم حدیث میں مقام ومرتبہ رکھنے والے کے لیے حدیث کی تصحیح کا جواز ثابت ہوا، تو اس کے لیے ضعیف قرار دینا بھی جائز ہوا، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں، بلکہ ہوسکتا ہے کہ یہ بالاولی ہو، کیونکہ اس میں تصحیح المصطلح میں بیان کردہ تمام علل کے نہ ہونے کا علم ہونا ضروری ہے، جبکہ تضعیف میں علت قادحہ پر واقفیت ہی کافی ہے......

آپ رحمہ اللہ نے مصدر مذکور (ص۶۰) میں ان کلمات کے ساتھ اپنی بحث کو ختم کیا:

حقیقت یہ ہے کہ علم حدیث میں غایتِ صحیح کی دیگر سے معرفت ہے، جیسا کہ عز الدین بن جماعہ نے بیان کیا، اور کہا:

''علم حدیث قوانین کا علم ہے، اس کے ذریعے سند ومتن کے احوال جانے جاتے ہیں، اس کا موضوع سند اور متن ہے، اور اس کی غایت صحیح کی دیگر سے معرفت ہے۔''[1]

وہ شرط جسے اس شیخ نے ایجاد کیا وہ اس عظیم غایت کو ختم کر دیتی ہے، کیونکہ کتب السنۃ میں تحقیق کرنے والے کو بہت ہی زیادہ احادیث کے بارے میں پتہ نہیں چلتا ہے کہ ان کی تصحیح یا تضعیف کے بارے کس نے کہا ہے، اس وقت تصحیح وتضعیف سے اس علم شریف کی معرفت رکھنے والے سے توقف اس ضمن سے ہے کہ اس کا نتیجہ علم حدیث کی غایت کو چھوڑ دینے کی صورت میں نکلتا ہے جیسا کہ واضح ہے مخفی نہیں۔

جو یہ کہتا ہے اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو کہتا ہے کہ اصول فقہ کی معرفت رکھنے والے شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی ایسی مصیبت و حادثے کے بارے میں فتویٰ دے جس کے بارے میں پہلے کوئی فتویٰ جاری نہ ہوا

---

[1] قواعد التحدیث لقاسمی (۵۱). (منہ)

ہو۔ اس قول میں علم اصول فقہ کی غایت کو ختم کرنا ہے اور اسی طرح شیخ کے قول سے علم حدیث کی غایت کو ختم کرنا ہے، اور (ان دونوں میں) کوئی فرق نہیں۔

خلاصۂ قول: "التصحیح و التضعیف" میں شرط صرف اہلیت ہے، رہا حفظ تو وہ ایک دوسری چیز ہے، اگر پایا جائے تو وہ نور علی نور ہے، ورنہ وہ کوئی شرط نہیں جیسا کہ ائمہ کے مذکورہ بالا کلام نے اس کے متعلق بتایا ہے۔ واللہ الموفق، لا رب سواہ

۳: بعض مؤلفین کی بدعات

ہمارے شیخ البانی رحمہ اللہ نے اپنی عظیم کتاب: "النصیحة" (ص ٤٦ ـ ٤٧) میں فرمایا:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ترمذی وغیرہ کی روایت میں فرمایا:

((اَلدُّنْیَا مَلْعُونَةٌ، مَلْعُونٌ مَا فِیهَا: إِلَّا ذِکْرَ اللّٰهِ وَ مَا وَالَاهُ.))

"دنیا ملعون ہے اور اس میں جو کچھ ہے وہ ملعون ہے، سوائے اللہ کے ذکر کے اور جو اس (ذکر) کے متعلق ہے۔"

میں کہتا ہوں: ❶ جس طرح ابن القیم رحمہ اللہ نے اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جزم کے ساتھ منسوب کیا ہے، اور یہی درست ہے، جبکہ (الھدام) نے اس کے برعکس (۵۶/۱) کہا:

"حدیث ضعیف ہے، ہوسکتا ہے وہ سلف میں سے کسی کا قول ہو۔"

میں کہتا ہوں: "ہوسکتا" کو فلاں ستارے کے پاس رکھو، یہ کسی بدعتی کا قول ہے سلف میں سے کسی نے یہ نہیں کہا، اگر خلف میں سے کسی نے کہا ہے، تو اس لائق ہے کہ اسے کوئی اہمیت نہ دی جائے۔

۴: ان میں سے بعض کی طرف سے اس کے متعلق مختلف تعبیرات جسے وہ حسن قرار دیتے ہیں

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "النصیحة" (ص ٥٣) میں بیان کیا:

اس کے متعلق جسے وہ حسن قرار دیتا ہے مشاہدے میں سے ہے کہ وہ مختلف تعبیرات کے ذریعے اس کے متعلق تعبیر کرتا ہے:

اول: "حدیث حسن ہے" جیسا کہ یہاں ہے۔ ❷

دوم: اس کی مثل، مگر یہ کہ وہ اس کے بارے میں شک ڈالتا ہے، وہ (۷۰، ۱۳۰) کہتا ہے: "ان شاء اللہ تعالیٰ"

سوم: "اس کی اسناد حسن ہے۔" (ص ۷۷، ۲۱۲، ۲۲۴، ۲۷۳، ۵۱۴)

---

❶ کہنے والے شیخ البانی ہیں۔

❷ "النصیحة" (ص ٥٢) تعلیق رقم (٩) دیکھیں۔

چھارم: اس کے مثل، مگر یہ کہ وہ اس کے متعلق بھی شک ڈالتا ہے، اس نے ایک مرتبہ (۲۲۴/۱) کہا:
''مجھے امید ہے کہ وہ حسن الاسناد ہوگی۔''
اور کبھی (۲۷۵/۲) کہتا ہے: ''یہ اسناد حسن ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!''
پس ان چاروں تعبیروں کا وہ سبب کیا ہے جو اس (ہدام) نے ایجاد کیا ہے، جن کے درمیان فرق کو انہیں ایجاد کرنے والا خود نہیں جانتا، چہ جائیکہ قارئین، وہ تو تکلف کی قبیل سے ہے جس سے منع کیا گیا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ کے فرمان میں ہے:
"هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ." (صحیح مسلم) "تکلف برتنے والے ہلاک ہو گئے۔"

۵: بعض ناشرین کا قول: ''تحقيق وضبط و مراجعة لجنة من المختصين بإشراف الناشر'' ❶

یہ (قول) بدعت ہے جسے بعض ناشرین نے گھڑا ہے، اور یہ مال تجارت کی ترویج کے لیے ہے، اس کا بوجھ اس پر (بھی) ہوگا جس نے سب سے پہلے اسے گھڑا تھا۔
"الضعيفة" (٦/ ١٧٨)، تخريج "الكلم الطيب" (ص۳۱)، ط۔ المعارف۔

٦: علم الجرح والتعدیل میں بدعت

کتاب "اتحاف الأصفياء برسالة الانبياء" (ص۴۳۱) کے مؤلف نے کہا:
''ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "النبوات" میں مشار الیہ ❷ کی تفریق ذکر نہیں کی۔''
ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحيحة" (٦/ ٣٦٦) میں اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:
یہ لازم نہیں کہ مؤلف جو موضوع کے متعلق جانتا ہے وہ سارے کا سارا ایک کتاب میں ذکر کرے، ابن تیمیہ نے اس کے متعلق اپنے فتاوی میں کئی ایک مقامات پر ذکر کیا ہے، اگر وہ ''مجموع فتاویٰ'' کی مراجعت کرتا تو وہ اسے (۲۹۰/۱۰، ۱۸/۷) ضرور پاتا۔
اس سے آپ اس کے قول کا بطلان جان لیں گے اس کے بعد اس نے کہا:
''رسول اور نبی کے درمیان تفریق میں غلطی ظاہر کرتی ہے کہ وہ لوگوں میں ایک موضوع روایت کے

---

❶ یہ بات ''باشراف الناشر'' (ناشر کی نگرانی میں) اس دور کی بدعت ہے۔ ''اس زمانے کی بدعات'' کی فصل میں دیکھیں۔
❷ یعنی: نبی اور رسول کے درمیان فرق کرنا۔ نبی اور رسول کے درمیان تفریق کے حوالے سے شیخ البانی رحمہ اللہ کا کلام "الصحيحة" (٦/ ٣٦٤۔٢٦٥) میں دیکھیں، اور اسی طرح ان کا "اتحاف الاصفياء" کے مؤلف کے رد میں کلام "الصحيحة" (٦/ ٣٦٥۔٣٦٨) میں دیکھیں۔

طریق سے داخل ہوئی، ابن مردویہ نے اسے ابوذر سے روایت کیا، وہ حدیث انتہائی طویل ہے، ابوذر اس کے لمبا ہونے کی وجہ سے اس یادنہیں کر سکتے......"!

میں (شیخ البانی) کہتا ہوں: تفریق مذکور میں اس طویل حدیث پر انحصار نہیں جو اس نے کہا کہ ابوذر اسے یادنہیں کر سکتے تھے، جیسا کہ میں نے اسے اس تنہا تخریج میں اس کے باب میں بیان کیا۔ جو میرا گمان ہے۔ اللہ کی قسم! یہ گمان علم الجرح والتعدیل میں ایک بدعت ہے جو اس سے پہلے کسی کی طرف سے نہیں ہوئی۔ الحمد للہ۔ ورنہ تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ میں بہت سی لمبی صحیح ثابت احادیث کی تردید لازم آئے گی: جیسے صلح حدیبیہ، دجال و جسامہ والی روایات اور روایت عائشہ: "كنتُ لكِ كأبي زرع لام زرع"، اور ان کے علاوہ دیگر طویل احادیث۔

۷: ان میں سے کسی کا کہنا: زبان سے نیت کرنا نماز کی سنن میں سے ہے

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صحيح موارد الظمان" (١/ ٢٦٢) میں سقاف پر رد کرتے ہوئے فرمایا:
اور تمہارے لیے کافی ہے کہ تم جان لو کہ اس نے صراحت کی ہے کہ زبان سے نیت کرنا نماز کی سنن میں سے ہے۔

۸: ان میں سے بعض کا کہنا کہ آپ ﷺ کا فرمان: "من احب ان يحلق حبيبه" تبدیل شدہ ہے، جبکہ درست، "جبينه" ہے

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صحيح الترغيب" (١/ ٤٧٤) میں حدیث رقم (۷۷۲) کے تحت آپ ﷺ کے فرمان: "من أحب ان يحلق حبيبه" کی شرح کرتے ہوئے فرمایا:
حبیبـــه: فعیل (کے وزن پر) بمعنی مفعول ہے، یعنی محبوب، یہ مؤنث اور مذکر کے بارے میں کہا جاتا ہے، یہاں اوّل (یعنی مؤنث) مراد ہے، یعنی: اپنی عورتوں اور اپنی بیٹیوں سے جیسا کہ میں نے اسے "آداب الـزفـاف" میں بیان کیا، کچھ دنوں سے مجھے خبر ملی ہے کہ کسی عالم شخص نے کہا ہے کہ یہ لفظ "حبیبـه" محرف ہے، درست لفظ "جبینـــه" جیم کے ساتھ ہے، یہ اس ضمن سے ہے جس کی تصدیق نہیں کی جا سکتی، کیونکہ جو شخص لغت عربی اور اس کے آداب کی کچھ سوجھ بوجھ رکھتا ہے اس سے یہ صادر نہیں ہو سکتا، مزید یہ کہ وہ ایک نئی بات ہے ہو سکتا ہے کہ یہ اس سے صحیح نہ ہو۔

۹: ان میں سے بعض کا صالح شخص کے پڑوس میں مسجد بنانے کے جواز کے متعلق کہنا، یا کسی قبرستان میں نماز پڑھنا اور اس سے اس کی روح سے غلبہ اور کامیابی کا قصد کرنا یا اس کی عبادت کے آثار میں سے کسی اثر کا اس تک پہنچنا

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الثمر المستطاب" (١/ ٣٦٣-٣٦٤) میں بیان کیا:

بیضاوی کا قول جو کہ حدیث نبوی [1] کے فہم سے متصادم ہے بڑی عجیب بات ہے، ان کا پورا قول اس طرح ہے:

''رہا وہ شخص جس نے کسی صالح کے پڑوس میں مسجد بنائی، یا اس نے کسی قبرستان میں نماز پڑھی اور اس سے اس کی روح سے غلبہ اور کامیابی کا قصد کیا یا اس کی عبادت کے آثار میں سے کسی اثر کا اس تک پہنچنے کا قصد کیا، اس کی تعظیم کے لیے نہ اس کی طرف توجہ کرتے ہوئے، تو اس پر کوئی حرج نہیں۔''

جیسا کہ انہوں نے کہا: اس میں جو وثنیت اور گمراہی کے آثار ہیں وہ کوئی مخفی نہیں! بچا ہوا وہی ہے جسے اللہ بچائے، اسی لیے علماء نے ان کی علمی گرفت کی، امام مناوی رحمہ اللہ نے ان کا یہ قول نقل کرنے کے بعد فرمایا:

''لیکن شیخین کی خبر میں قبروں پر مسجد بنانے کی مطلق کراہت ہے، مراد مسلمانوں کی قبریں ہے، اس اندیشے کے پیش نظر کہ کہیں قبر والے کی پوجا نہ ہو، روایت میں قرینہ ہے:

((اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُّعْبَدُ .))

"اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے۔''

ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد نے قبر کے پاس مسجد بنانے کی کراہت پر صراحت کی ہے جیسا کہ اس بارے میں نص آئے گی۔

"عند" (پاس) کے ساتھ تعبیر "فوق" یا "علی" (اوپر) سے زیادہ عام ہے، جیسا کہ ظاہر ہے، جس نے کسی صالح کے پڑوس میں مسجد بنائی تو اس نے اس کے پاس بنائی، اور اس پر محمد کا کلام بیضاوی پر ان کی اس نئی رائے پر رد ہے، اور صنعانی نے بھی "سبل السلام" (۱/ ۲۱٤) میں ان پر رد کیا ہے، انہوں نے کہا:

''ان کا قول: اس کی تعظیم کے لیے نہیں، کہا جائے گا: اس کے قرب میں مساجد بنانا اور اس سے حصول برکت کا قصد اس کی تعظیم ہی ہے، پھر نہی کی احادیث مطلق ہیں اور انہوں نے جو وجہ ذکر کی ہے اس پر کوئی دلیل نہیں، اور ظاہر ہے کہ علت سد ذریعہ اور بتوں کے پجاریوں سے مشابہت اختیار کرنے سے دوری ہے جو ان جمادات کی تعظیم کرتے ہیں جو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان، اور اس میں مال خرچ کرنا عبث اور تبذیر کے زمرے میں آتا ہے جس میں بالکل کوئی نفع نہیں۔'' انہوں نے فرمایا:

''قبروں پر جو قبے اور گنبد وغیرہ بنائے جاتے ہیں اس کے بے شمار مفاسد ہیں۔'' [2]

---

[1] مثلاً آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنا لیا۔'' یہ روایت "الثمر المستطاب" (۱/ ۳٦۰) وغیرہ میں منقول ہے۔

[2] پھر شیخ نے مقبرہ (قبرستان) میں نماز کی حرمت (۱/ ۳٦٤ اور بعد کے صفحات میں) کے بارے میں علماء کے اقوال ذکر کیے۔

فصل : دورِ حاضر کی بدعات

ا۔ عسکری انقلابات

ہمارے شیخ نے "العقيدة الطحاوية" (٦٩) کی شرح کرتے ہوئے فرمایا:

اس میں حکمرانوں کے ظلم سے خلاصی کے طریق کا بیان ہے، جو وہ (حکمران) ''ہمارے نسب سے ہیں اور ہماری ہی زبان بولتے ہیں۔'' اور وہ یہ کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ (الرعد: ١١) (بے شک اللہ اس وقت تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ لوگ خود اپنی حالت تبدیل نہ کر دیں۔) [1] کے اثبات کے لیے اپنے رب کے حضور توبہ کریں، اپنا عقیدہ درست کریں اور اپنی اور اپنے اہل خانہ کی صحیح اسلام پر تربیت اور پرورش کریں۔

اسی کی طرف دور حاضر کے ایک داعی نے ان الفاظ سے اشارہ کیا ہے:

((اَقِيْمُوا دَوْلَةَ الْاِسْلَامِ فِي قُلُوبِكُمْ، تَقُمْ لَكُمْ عَلٰى أَرْضِكُمْ.))

''تم اسلام کی حکومت اپنے دلوں میں قائم کرو، وہ تمہارے لیے تمہاری زمین پر قائم ہو جائے گی''

بعض لوگوں کا جو وہم ہے وہ خلاصی و نجات کا طریق نہیں، اور وہ ہے حکام کے خلاف فوجی انقلاب کے ذریعے مسلح بغاوت (فوجی مارشل لاء)، اس کے دور حاضر کی بدعات میں سے ہونے کے ساتھ ساتھ، یہ شرعی نصوص کے بھی خلاف ہے جن میں سے اپنی حالت خود بدلنے کا حکم ہے، اسی طرح بنیاد کی اصلاح ضروری ہے تا کہ اس پر عمارت تعمیر کی جا سکے، ﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ (الحج: ٤٠) "جو اللہ (کے دین) کی مدد کرتا ہے تو اللہ بھی اس کی مدد کرے گا، بے شک اللہ توانا اور بہت غالب ہے۔''

---

[1] اس آیت کا درست مطلب یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نعمتیں دی ہوتی ہیں وہ ان کو اس وقت تک تبدیل نہیں کرتا جب تک وہ ان کی ناقدری نہیں کرتے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات کا شکر ادا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں چھین لیتا ہے۔ اس آیت کا سیاق، اس معنی کی دوسری آیت کا سیاق و سباق اور اس کے الفاظ اسی مفہوم کی تائید کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ (الانفال: ٥٣) ''یہ اس لیے کہ جو نعمت اللہ کسی قوم کو دیا کرتا ہے جب تک وہ خود اپنے دلوں کی حالت نہ بدل ڈالیں، اللہ اسے نہیں بدلا کرتا۔''

مُغَيِّرًا نِّعْمَةً کے الفاظ سے سورۃ الرعد کی مذکورہ بالا آیت کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ (شہباز حسن)

۲: کلمات: "باشراف الناشر" ❶

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الکلم الطیب" کی تخریج کے مقدمہ (ص ۳۱)۔ ط۔ المعارف میں بیان کیا:

یہ کلمات "باشراف الناشر" (ناشر کی نگرانی میں) دور حاضر کی بدعات میں سے ہیں، میں نہیں جانتا کہ اسے کس نے گھڑا ہے۔

"الضعیفة" (٦/ ١٧٨) دیکھیں۔

۳: عورتوں کا مردوں کے شانہ بشانہ قتال کرنا اور انہیں قتال کے لیے میدان کارزار میں صف آراء کرنا

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیحة" (٦/ ٥٤٩) میں حدیث رقم (۲۷۴۰) کے تحت بیان کیا:

...... جہاں تک خواتین کو جنگی اسلوب پر ٹریننگ دینا اور انہیں مردوں کے ساتھ مل کر لڑنے کے لیے معرکہ میں صف آراء کرنا جیسا کہ آج بعض اسلامی حکومتیں کرتی ہیں، تو وہ دور حاضر کی بدعت، کیمونزم کا دستور اور ہمارے سلف صالحین کے منہج کے صریح خلاف ہے، خواتین کو ایسے کام کا مکلف ٹھہرانا ہے جس کے لیے انہیں پیدا نہیں کیا گیا، اور جب وہ دشمن کے ہاتھوں قید ہو جائیں تو یہ ان کے لیے ایسی صورت حال ہے جو ان کے لائق نہیں، واللہ المستعان۔

❶ مؤلفین و ناشرین کی بدعات میں بدعت رقم (۵) دیکھیں۔

فصل

جس نے گمان کیا کہ سنت بدعت ہے اور اس کی تردید

① - اس شخص کی تردید جس نے کہا: خطبوں وغیرہ میں خطبہ حاجت کی پابندی کرنا محدثات میں سے ہے۔

② - پہلے سلام (دائیں طرف سلام پھیرنے) میں "وبرکاتہ" سنت ہے بدعت نہیں جیسا کہ "مضار الابتداع" کے مصنف نے وہم ڈالا ہے۔

③ - ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک نماز چاشت۔

④ - قنوت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود۔

⑤ - امام مالک کے نزدیک سفر سے واپس آنے والے کے معانقے کا بدعت ہونا، اور اس کا جواب۔

جس نے گمان کیا کہ سنت بدعت ہے اور اس کی تردید

ا: اس پر رد جس نے کہا: خطبوں وغیرہ میں خطبہ حاجت کی پابندی کرنا محدثات میں سے ہے

ہمارے شیخ البانی "النصیحة" (ص ۸۱۔ ۸۳) میں ابن القیم رحمہ اللہ کے قول:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ حاجت میں فرمایا کرتے تھے:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَسْتَعِيْنُهُ وَ نَسْتَهْدِيْهِ وَنَسْتَغْفِرُهُ......" "وَسَيِّاٰتِ أَعْمَالِنَا" تک...... پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

یہ وہ خطبہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو سکھایا کرتے تھے، بعض برسوں میں اسے چھوڑ دیا گیا، تو بعض ائمہ نے اس کا احیاء کیا، جیسے امام طحاوی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن قیم الجوزیہ رحمہم اللہ وغیرھم۔

پھر بعد کے زمانوں میں اسے چھوڑ دیا گیا، اس کے احیاء میں ہمارا دور آیا، (ولـله الحمد) تو میں نے اس میں معروف رسالہ: "خـطبة الحاجة "لکھا، سنت سے محبت کرنے والوں کو اللہ نے اس کے ذریعے فائدہ پہنچایا، اور کتب ورسائل کے شروع میں اور جمعہ وغیرہ کے خطبوں میں اس پر عمل عام ہوگیا، فَلِلّٰهِ الْمِنَّة.

بڑی عجیب بات ہے کہ ایک عالم اس راہ میں رکاوٹ بن گیا، وہ اپنی کتاب "تـصـحـيـح الـدعـاء" (ص ۴۵۴) میں ایک بات لکھتا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

''خطبہ میں کچھ محدثات ہیں ان میں سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں وارد خطبہ حاجت سے جمعہ کے خطبہ کے افتتاح کی پابندی کرنا، اور عجیب ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو اصحاب ''السنن'' نے اس کے لیے "کتاب النکاح " میں باب باندھا ہے۔ سوائے نسائی کے، انہوں نے اس کے لیے "الصلوات "میں بھی باب باندھا ہے۔ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کی پیروی کی، اس نے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے کا اس کے ساتھ افتتاح کی پابندی نہ دیکھی ......

ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے لیے تاکیدی طریقے میں ان کے خطبوں میں اور ان کے امور کے افتتاح میں ان الفاظ کی پابندی نہیں دیکھی، اور علمائے اسلام میں سے ان مؤلفین کو بھی تم اس طرح نہیں دیکھو گے، ان میں سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہیں، وہ اپنی کتابوں میں کبھی اس (خطبہ) سے افتتاح کرتے ہیں اور کبھی اس کے بغیر......''

میں اللہ کی توفیق سے بیان کرتا ہوں:

(۱)...... وہ فرض نہیں کہ اسے کبھی کبھار نہ چھوڑا جائے، بلکہ کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے وہ زیادہ درست ہے، اور وہ ہے اسے کبھی کبھار ترک کر دینا، حتی کہ کوئی اس کی فرضیت کے وہم کا شکار نہ ہو جائے! جیسا کہ قیام رمضان کی روایت میں ہے:

"إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تُكْتَبَ عَلَيْكُمْ"

"مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ (نماز تراویح) تم پر فرض نہ کر دی جائے۔"

اوراس ضمن میں جواس پر دلالت کرتا ہے کہ ہم اس پر اچھی طرح عمل کرتے ہیں۔ وللہ الحمد ، کہ میں نے اپنی متعدد تالیفات اور تحقیقات کا اس خطبہ سے آغاز نہیں کیا، مثلاً ابن ابی شیبہ کی کتاب ''کتاب الایمان''، "حجاب المرأة المسلمة"/ طبع اوّل، "تمام المنة"/ طبع دوم، "آداب الزفاف" / طبع دوم...... اور اس کے آخر پر "السلسلة الصحيحة" جلد اوّل طبع جدید پر میرا مقدمہ...... اوران کے علاوہ بہت سی تالیفات۔

(۲)...... جب اس کی پابندی بدعت ہے تو اس کو مطلق چھوڑ دینے کا کیا حکم ہے؟ جیسا کہ وہ اکثر مؤلفین کی حالت و عادت ہے، ان میں سے یہ صاحب بھی ہیں جن پر رد ہو رہا ہے۔ اللہ اسے بھی توفیق دے۔ میں نے اسے اپنی کتاب کا اس مبارک خطبہ سے افتتاح کرتے ہوئے نہیں دیکھا، وہ اس کے بدلے میں ایسے خطبے لکھتا ہے جو اس کے اپنے ایجاد کردہ ہیں! کیا یہ اس باب سے نہیں:

﴿أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَى بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ﴾ (البقرة: ٦١)؟

''کیا تم ایک بہتر چیز کے بدلے ایک ادنی چیز لینا چاہتے ہو؟''

(۳)...... مذکورہ عالم نے ...... اپنی کتاب کے حاشیے کی اس جگہ ......''فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ'' (۲۸۶/۱۸۔۲۸۷) کی طرف منسوب کرتے ہوئے اس لفظ سے اشارہ کیا: "مهم" (اہم ہے)!

میں کہتا ہوں: ہاں وہ اہم ہے، اوراس کے اہم میں سے آپ رحمہ اللہ کا قول ہے: ''ابن مسعود کی روایت نکاح کے ساتھ خاص نہیں، وہ تو ہر حاجت کے لیے خطبہ ہے جس میں بندے ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے ہیں۔''

فاضل مذکور کے تعجب کی کیا قیمت ہے کہ اصحاب السنن نے خطبہ حاجت کو کتاب النکاح میں روایت کیا ہے؟!

اسی طرح کا معاملہ اس کی بحث کے آخر میں اس کے قول میں ہے: ''اس اثبات سے اصحاب ''السنن'' کے "کتاب النكاح "میں خطبہ حاجت کو بیان کرنے کی حکمت معلوم ہوتی ہے۔ اورعقد زواج سے پہلے علماء کے اسے مشروع قرار دینے کا اثبات معلوم ہوتا ہے۔

المولی سبحانہ کی عظیم تقدیر میں سے ہے کہ خطبہ حاجت "المفتاوی" کی اس جلد میں آیا ہے جس کی طرف فاضل مذکور نے نسبت کی ہے! شیخ الاسلام، اللہ ان پر راضی ہو، کے دو رسالوں کے مقدمے میں اس مقام کے خلاف جس کی طرف خود...... اس نے ابھارتے ہوئے ...... اشارہ کیا ہے اور جس میں انہوں نے اس مبارک خطبہ نبویہ کے متعلق تفصیل سے بحث کی ہے، یہ تو ان جلدوں میں ہے فتاوی کی باقی جلدوں سے قطع نظر، یا ان کی دوسری کتابوں سے قطع نظر (کہ ان میں بھی یہ خطبہ حاجت بکثرت مذکور ہے) اور اسی طرح ان کے شاگرد ابن قیم جوزیہ رحمہ اللہ بھی ہیں......

تو کیا یہ دونوں امام اس فاضل شخص کے لیے نمونہ نہیں کہ وہ ان دونوں کی اتباع کرتا۔ خواہ ایک مرتبہ، وہ اپنی کسی ایک کتاب کا خطبہ حاجت سے افتتاح کرتا؟

(۴)...... اس سے جو اس کی ہر عمل صالح سے پہلے مشروعیت کے عموم کی تاکید کرتا ہے وہ ابن عباس کی روایت ہے، جسے مسلم نے ضماد کے مکہ آنے کے واقعہ میں روایت کیا ہے، اور یہ کہ ضماد نے اس کے سننے کے بعد اسلام قبول کرلیا، وہ نکاح کا موقع تھا نہ عقد زواج کا۔

(۵)...... گویا کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ اپنے بعض کلام میں اس خطبہ کے سلسلے میں پائی جانے والی کوتاہی کی طرف اشارہ کرتے ہیں...... جیسا کہ میں نے اس طرف اشارہ کیا...... انہوں نے فرمایا:

"علم کے ساتھ لوگوں کو مخاطب کرتے وقت عمومی طور پر اور کتاب وسنت کی تعلیم، اور اس میں سوجھ بوجھ کے وقت لوگوں کو وعظ ونصیحت اور ان سے بحث ومباحثہ کرتے وقت خصوصی طور پر اس پر عمل کیا گیا، اور مستحب قرار دیا گیا کہ اس شرعی نبوی خطبہ سے آغاز کیا جائے۔

ہمارے دور کے وہ شیوخ جن سے ہماری ملاقات ہوئی، اور ہم نے ان سے علم حاصل کیا، وہ اور دیگر مدارس وغیرہ میں تفسیر یا فقہ وغیرہ کی مجالس کا آغاز ایک دوسرے خطبہ سے کرتے تھے......"

"...... جیسا کہ میں نے لوگوں کو نکاح کے لیے مشروع خطبہ کے بغیر خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھا، اور ہر قوم کے لیے دوسروں کے علاوہ ایک الگ نوع ہے۔"

میں کہتا ہوں: آپ رحمہ اللہ کے شیوخ کے اپنی مجالس کا شرعی خطبہ حاجت کے بغیر افتتاح کرنے اور اسی طرح جو لوگ نکاح کے لیے مشروع خطبہ کے بغیر خطبہ پڑھتے ہیں، کے درمیان موازنہ کرنے پر غور کریں، آپ پر حق ظاہر ہو جائے گا، اور درست بات آپ پر منکشف ہو جائے گی، اور کوئی شک نہیں رہے گا۔

والحمد لله رب العالمين.

۲: پہلے سلام میں "و برکاتہ" کا اضافہ سنت ہے بدعت نہیں جیسا کہ "مضار الابتداع" کے مصنف نے وہم ڈالا ہے

"المشکاۃ" (۱/ ۳۰۰) ❶

۳: ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک نماز چاشت

مورق سے روایت ہے، انہوں نے کہا: میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: کیا آپ نماز چاشت پڑھتے ہیں؟ انہوں نے کہا: نہیں، میں نے کہا: عمر؟ انہوں نے کہا: نہیں، میں نے کہا: ابو بکر؟ انہوں نے کہا: نہیں، میں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے؟ انہوں نے کہا: میرا خیال ہے نہیں (آپ نے بھی نہیں پڑھی)

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "مختصر صحیح البخاری" (۱/ ۳٤٥) رقم (٥٨١) میں بیان کیا: بلکہ ان سے نماز چاشت کا بدعت ہونا بالجزم ثابت ہے۔

یہ سب اس پر دلالت کرتا ہے کہ ابن عمر کو اس سنت کا علم نہ تھا، جبکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فعلاً اور قولاً ثابت ہے۔

"مختصر صحیح بخاری"، رقم (۸۲۸) میں ہے:

مجاہد سے روایت ہے، انہوں نے کہا: میں اور عروہ بن زبیر مسجد میں داخل ہوئے، تو دیکھا کہ عبداللہ بن عمر حجرۂ عائشہ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں، جبکہ لوگ مسجد میں نماز چاشت پڑھ رہے ہیں، انہوں نے کہا: ہم نے ان سے ان (لوگوں) کی نماز کے متعلق پوچھا؟ تو انہوں نے کہا: بدعت ہے۔

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے حدیث رقم (۸۲۸) (۱/۵۱۳) کے تحت تعلیقاً بیان کیا:

نماز چاشت ❷ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل سے ثابت سنت ہے، اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے السنن میں سے رہ گئی، اور اسی لیے انہوں نے اس کے متعلق کہا کہ وہ بدعت ہے، اس بات کا احتمال ہے کہ ان کی مراد اس کی پابندی اور اس کا مسجد میں ادا کرنا ہو۔ و اللہ اعلم.

۴: قنوت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "صفة صلاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم" (ص۱۸۰) میں بیان کیا:

تنبیہ......: نسائی نے قنوت ❸ کے آخر میں اضافہ کیا: "و صلی اللہ علی النبی الامی"

اس کی اسناد ضعیف ہے، حافظ ابن حجر، قسطلانی اور زرقانی و غیرھم نے اسے ضعیف قرار دیا، اس لیے ہم

---

❶ "هداية الرواة الى تخريج أحاديث المصابيح و المشكاة" (۱/ ٤٢٧)

❷ "مختصر صحیح بخاری" حدیث رقم (٥٨٢) دیکھیں۔

❸ اس سے مراد قنوت وتر ہے۔

نے تمام اضافوں کے درمیان جمع وتطبیق میں اپنے طریق پر اسے نقل نہیں کیا اور ہم نے مقدمة الکتاب میں اپنی مذکورہ شرط کی پابندی کی ،عزبن عبدالسلام نے ''الفتاوی'' (۶۶/۱۔سال ۱۹۶۲ء) میں بیان کیا:

''قنوت (وتر) میں رسول اللہ ﷺ پر درود صحیح ثابت نہیں، رسول اللہ ﷺ کے درود پر کسی چیز کا اضافہ کرنا مناسب نہیں۔''

اس قول میں ان کی طرف سے اس طرف اشارہ ہے کہ اس میں بدعت حسنہ کہنے کی کوئی گنجائش نہیں، جیسا کہ بعض متاخرین کا کہنا ہے۔

پھر میں نے استدراک کیا تو کہا: ابی بن کعب کی قیام رمضان میں لوگوں کی امامت کرانے کی روایت میں ہے، کہ وہ قنوت کے آخر میں نبی ﷺ پر درود پڑھا کرتے تھے، اور یہ عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں تھا، ابن خزیمہ نے اسے اپنی "الصحیح" (۱۰۹۷) میں روایت کیا، اور اس کی مثل ابوحلیمہ معاذ انصاری سے ثابت ہے جو ان کے عہد میں ان کی امامت کرایا کرتے تھے، اسماعیل القاضی (رقم ۱۰۷) اور دیگر نے اسے روایت کیا، تو وہ اضافہ سلف کے اس پر عمل کرنے کی وجہ سے مشروع ہے، لہٰذا اس اضافے پر بدعت کا اطلاق مناسب نہیں۔ واللہ اعلم۔

۵: امام مالک کے نزدیک سفر سے واپس آنے والے کے معانقے کی بدعت [1] اور اس کا جواب

شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس کے بعد کہ انہوں نے ملاقات کے وقت مصافحہ کے سنت ہونے اور اسی طرح سفر سے واپس آنے پر معانقہ کے سنت ہونے کا اثبات کیا، اور اس کے لیے پہلے (یعنی مصافحہ) کے لیے فعلی اور قولی دلائل ذکر کیے، اور دوسرے (یعنی معانقہ) پر فعلی دلائل ذکر کیے (دیکھیں) "الصحیحة" (۶/ ۳۰۶) انہوں نے بیان کیا:

جان لیجیے کہ بعض ائمہ جیسے ابوحنیفہ، اور ان کے شاگرد محمد کا موقف ہے کہ معانقہ مکروہ ہے، طحاوی نے ان دونوں سے اسے روایت کیا، جبکہ ابویوسف کا موقف اس کے برعکس ہے۔

اور ان میں سے امام مالک ہیں، "الآداب الشرعیة" (۲/ ۲۷۸) میں ہے:

''مالک نے سفر سے آنے والے سے معانقہ کرنا مکروہ جانا ہے، اور انہوں نے کہا: ''بدعت'' ہے، اور انہوں نے نبی ﷺ کے اس فعل سے، جو انہوں نے جعفر کے ساتھ (معانقہ) کیا تھا جس وقت وہ (حبشہ سے) آئے تھے، [2] براءت کا اظہار کیا ہے، کہ وہ آپ کے لیے خاص ہے، سفیان نے انہیں

---

[1] حق یہ ہے کہ وہ سنت ہے: دیکھیں: "الصحیحة" سے حدیث رقم (۲۶۴۷)، شیخ رحمہ اللہ کا صحابہ کے سفر وحضر میں ملاقات کے آداب میں تفریق پر کلام دیکھیں، پہلی حالت میں مصافحہ دوسری میں معانقہ "الصحیحة" (۶/ ۳۰۴۔۳۰۵)

[2] اس کی تخریج الصحیحة (۲۶۵۷) میں دیکھیں۔

کہا: آپ دلیل کے بغیر اسے کس طرح خاص کرتے ہیں؟ تو مالک خاموش ہو گئے۔ القاضی نے بیان کیا: ان کا خاموش ہو جانا ان کے سفیان کے قول کو تسلیم کر لینے اور ان سے موافقت کرنے کی دلیل ہے، اور یہی درست ہے حتی کہ تخصیص کی دلیل قائم ہو جائے۔"

کیا اشتیاق کے وقت معانقہ جائز ہے؟

ہمارے شیخ نے "مختصر الشمائل" (ص۷۹) حدیث رقم (۱۱۳) کے تحت بیان کیا:

اس میں حضر میں معانقے کا جواز ہے، ہوسکتا ہے وہ شوق کے غلبہ کے وقت ہو، ورنہ وہ ہر ملاقات کے وقت غیر مشروع ہے! کیونکہ اس کی ممانعت کا ثبوت موجود ہے، جیسا کہ۔ "الصحیحة" (۱٦۰) میں واضح ہے۔

فائدہ...... حدیث یہ ہے: انس بن مالک سے روایت ہے، انہوں نے کہا:

"ایک آدمی نے عرض کیا، اللہ کے رسول! ہم میں سے کوئی اپنے دوست سے ملتا ہے، کیا وہ اس کے لیے جھک جائے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نہیں"، اس نے کہا: کیا وہ اس سے معانقہ کرے اور اسے بوسہ دے؟ فرمایا: "نہیں" اس نے کہا: کیا وہ اس سے مصافحہ کرے؟ آپ نے فرمایا: "ہاں! اگر چاہے۔"

ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے "الصحیح" (۱/ ۳۳۰) میں حدیث رقم (۱٦۰)۔ط۔المعارف کے تحت بیان کیا:

جی ہاں، ان شواہد میں، جو ہم نے اس کے لیے نقل کیے، نظر ثانی کے بعد واضح ہوا اور ان کی روایت کے لیے تقویت ہے کہ اس میں وہ الفاظ: "وَلَا يَلْتَزِمُهُ" (اس سے معانقہ نہیں کرے گا) کے الفاظ نہیں ہیں، اسی لیے میرے دل میں خیال آیا کہ اس طبع میں متن حدیث سے وہ الفاظ حذف کر دیئے جائیں، پھر انہوں نے "الصحیحة" (۱/ ۳۰۱) میں بیان کیا:

رہا معانقہ کرنا، تو جب تک اس سے حدیث میں ممانعت ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ بیان گزرا، تب تک اسے اصل پر باقی رکھنا واجب ہے، اور وہ ہے اباحت، خاص طور پر کہ بعض احادیث اور آثار سے اس کی تائید ہوتی ہے، انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"نبی ﷺ کے صحابہ جب ملاقات کرتے تھے تو آپس میں مصافحہ کرتے تھے، اور جب سفر سے واپس آتے تو معانقہ کرتے تھے۔"

امام طبرانی نے اسے "الاوسط" میں روایت کیا ہے۔ اس کے راوی الصحیح کے راوی ہیں۔ جیسا کہ منذری (۳/ ۲۷۰) نے کہا، ہیثمی (۸/ ۳٦) نے بیان کیا، بیہقی (۷/ ۱۰۰) نے صحیح سند کے ساتھ شعبی سے روایت کیا۔

"محمد ﷺ کے اصحاب جب ملاقات کرتے تو مصافحہ کرتے، اور جب وہ سفر سے واپس آتے تھے تو

ایک دوسرے سے معانقہ کرتے تھے۔"

بخاری نے "الادب المفرد" (۹۷۰) اور احمد (۴۹۵/۳) نے جابر بن عبداللہ سے روایت کیا، انہوں نے کہا:

"ایک آدمی سے مجھے حدیث پہنچی اس نے اسے رسول اللہ ﷺ سے سنا، میں نے ایک اونٹ خریدا، پھر میں نے رخت سفر باندھا، میں نے ایک ماہ سفر کیا، حتی کہ میں شام پہنچا، وہاں عبداللہ بن انیس تھے، میں نے دربان سے کہا: انہیں کہو: جابر دروازے پر ہے، انہوں نے کہا: ابن عبداللہ؟ میں نے کہا: ہاں، تو وہ اپنا کپڑا روندتے (گھسیٹتے) ہوئے باہر آئے ❶ انہوں نے مجھ سے معانقہ کیا اور میں نے ان سے معانقہ کیا۔"

اس کی اسناد حسن ہیں جیسا کہ حافظ (۱۹۵/۱) نے بیان کیا: اور بخاری نے اسے معلق روایت کیا ہے۔

بدعت اور اس کے متعلقات کے حوالے سے ہم اپنے شیخ البانی کے کلام سے جو جمع کرنے میں کامیاب ہو سکے وہ مکمل ہوا، اللہ کا شکر ہے جس کے فضل و کرم سے نیک اعمال مکمل ہوتے ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

---

❶ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے جابر رضی اللہ عنہ کی محبت اور شوق ملاقات میں اپنے کپڑے کو بھی پوری طرح نہ سنبھالا۔ (شہباز حسن)

اردو میں اپنی نوعیت کی اولین پیش کش
اطلس القرآن
تالیف: ڈاکٹر شوقی ابوخلیل
ترجمہ: شیخ الحدیث حافظ محمد امین
توضیح واضافہ: محسن فارانی
مقامات، اقوام، اور شخصیات کا تذکرہ
جدید نقشوں اور جداول سے مزین قرآنی معلومات کا مستند ذخیرہ
Page: 504 Rs: 490/=
خطباء، واعظین اور ائمہ کرام کے لئے علمی تحفہ
خطباتِ نور
مولف
شیخ نور العین سلفی حفظہ اللہ
بے شمار موضوعات پر مستند حوالوں سے مزین علمی نکات وافادات پر مشتمل
عام فہم اسلوب میں ایک موثر اور علمی کتاب۔
Rs: 240/- Delux300/-
اہل حدیث کا منہج
تالیف
فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ
اور
احناف سے اختلاف
کی حقیقت ونوعیت
Page: 288 Rs: 160/=

علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ محمد ناصر الدین رحمہ اللہ کی ہمہ گیر شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کا علمی ورثہ اور تحقیقات آپ کے تعارف کے لیے کافی ہیں۔ آپ عصر حاضر کے محدث کبیر اور کتاب وسنت کے داعی تھے۔ تادمِ حیات حدیث کی تحقیق وتخریج آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ آپ صحیح احادیث وضعیف اور موضوع روایتوں کا الگ الگ کئی جلدوں پر مشتمل ایسا عمدہ مجموعہ اُمت کو دے گئے کہ اُمت کا کوئی صاحب علم وتحقیق ان سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔

آپ کی حیات صرف تحقیق وتخریج تک ہی محصور نہیں تھی بلکہ عوامی سطح پر ان کی دینی وعلمی پیاس بجھانے کے لیے دروس کا سلسلہ بھی جاری کیا جس سے نہ صرف عوام الناس مستفید ہوتے، بلکہ جامعات کے طلبا، بڑے بڑے اساتذہ اور اصحابِ فکرونظر استفادہ کرتے رہے۔ آپ نے قال اللہ وقال الرسول کی پُر کیف اور جاں گزیں صداؤں سے مانوس کرنے کی بھرپور کوشش کی اور اس میں کامیاب رہے۔ (جزاہ اللہ خیراً)۔

بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج مرورِ ایام کے ساتھ اسلام کی اصل شکل گم ہورہی ہے۔ وقت کے راہبوں، صوفیوں، نفس پرستوں اور نام نہاد دعوتِ اسلامی کے دعوے داروں نے قال اللہ وقال الرسول کے مقابلے میں اپنے خود ساختہ افکار و خیالات کو پیش کیا طرح طرح کی بدعات وخرافات نے اسلام کے صاف وشفاف چہرے کو داغدار بنادیا، نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کی اکثریت ان بدعات کو عین اسلام سمجھتی ہے۔ دن کی بدعات الگ، ہفتے کی بدعات الگ، مہینے کی بدعات الگ، عبادت کی بدعات الگ، ولادت اور فوتگی کے موقع پر بدعات الگ، غرض کہ ہر ہر موقع کی بدعات الگ الگ ایجاد کررکھی ہیں۔ علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی یہ کتاب ان بدعات کو سمجھنے اور ان سے بچنے میں بھرپور معاون ہوگی۔ ان شاء اللہ۔